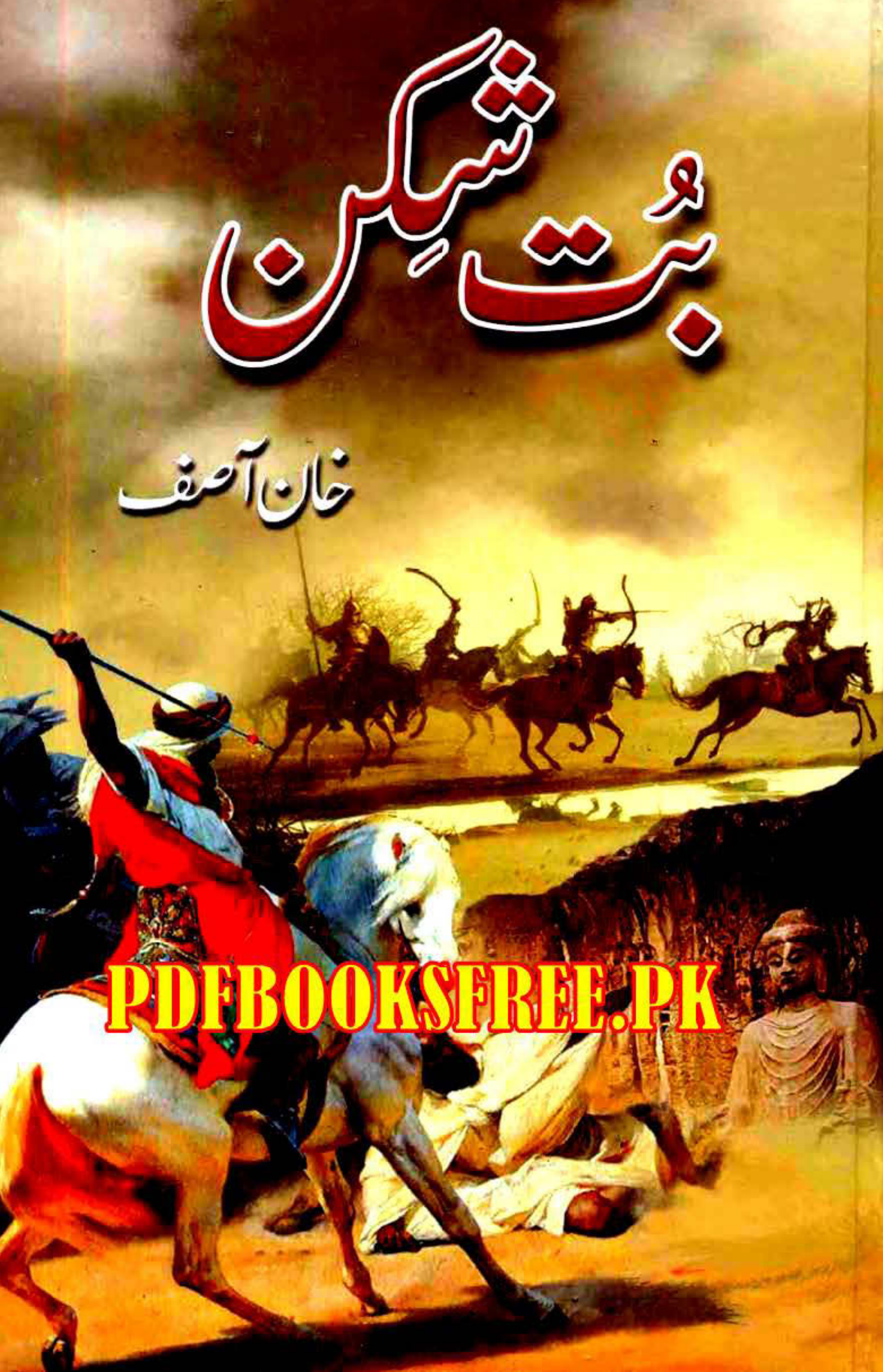

بُت شکن
خان آصف
PDFBOOKSFREE.PK

خوب سے خوب تر کتابوں کی اشاعت
جدت اور معیار کے ساتھ

باہتمام...... محمد علی قریشی

باراوّل .... ستمبر 2012ء
مطبع .... نیئر اسد پریس لاہور
کمپوزنگ .... کلائمکس گرافکس
قیمت .... -/600روپے

پیش لفظ

"جب میرے آقا سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم خانۂ کعبہ کو بتوں سے پاک کرنے والے تھے تو مشرکین کی ایک جماعت ایک بڑے بت کو اُٹھا کر ہندوستان لے گئی۔ وہ بت "سومنات" ہے۔ جسے ہند کے کسی صنم خانے میں آراستہ کیا گیا ہے۔ میں سومنات کے بت کو ریزہ ریزہ دیکھنا چاہتا ہوں فرزند!" نظام شاہ کے سینۂ سوزاں میں ایک ایسی حسرت تھی، جس کی تپش سے اُن کا دل بھی جل رہا تھا اور ہونٹ بھی۔ "یہی وہ خواب ہے، جس نے مجھ سے میری باقی عمر کی ساری نیندیں چھین لی ہیں۔ اب تو جاگتے میں بھی ایک ہی منظر دیکھتا ہوں کہ میں نے سومنات کے ٹکڑے، مکہ معظمہ کی گلیوں میں ڈال دیئے ہیں۔ اور اہلِ ایمان کے قدم اُس بت کو روندتے ہوئے گزر رہے ہیں۔ فرزند! میرے ناتواں ہاتھ اس قابل نہیں تھے کہ میں ان سے سومنات کو توڑ سکتا۔ اس لئے میں نے اپنے پیدا کرنے والے سے دوسرے ہاتھ مانگے...... اور وہ تمہارے ہاتھ تھے۔ محمود! میری ساری ریاضتیں، ساری عبادتیں تیرے نام۔ قادرِ مطلق کی قسم! سرِ محشر اُس سے بھی یہی کہوں گا کہ میری ساری نیکیاں اس بت شکن کے نامۂ اعمال میں لکھ دے۔"

یہ الفاظ تھے اُس مردِ قلندر کے، جس کی دعاؤں کے صدقے میں محمود غزنوی "بت شکن" کہلایا۔ اللہ رب العزت کی شانِ کریمی کی کوئی انتہا نہیں اور اُس کے رحم و کرم کا کوئی شمار نہیں۔ وہ بے نیاز ہے۔ جسے چاہے سربلند کر دے اور جسے چاہے ذلتوں کے غار میں دھکیل دے۔ جس کو چاہے غلامی کی زنجیروں سے آزاد کر کے مسندِ شاہی پر بٹھا دے۔ بے شک وہ ہر شے پر قادر ہے۔

بخارا کے "غلام بازار" میں بکنے والے غلام زادے سبکتگین کو یہ علم بھی نہیں تھا کہ ربِ کریم نے اُس کی تقدیر میں غزنی کی بادشاہت لکھی تھی۔ تو پھر کون تھا جو لوحِ محفوظ پر رقم اس عبارت کو مٹا سکتا۔ محمود غزنوی اُسی غلام زادے کا بیٹا تھا اور جس کو اللہ نے "بت شکن" کے اعزازِ اعلیٰ سے نوازا۔

اگرچہ پروردگارِ عالم نے "محمود" کی تقدیر میں عظیم الشان فتوحات لکھیں اور اس مردِ جری

نے غزنی سے لے کر ہندوستان تک کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ مگر ''قلعۂ سومنات'' کی فتح اس کے کارناموں میں سب سے بڑا کارنامہ تھا۔ محمود غزنوی اور اس کے سرفروشوں نے جس جرأت و استقامت کا مظاہرہ کیا، اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس نے صرف ''سومنات'' کے بت کو ہی پاش پاش نہیں کیا بلکہ اہلِ ہند کے سب سے قدیم ترین بت ''جگ سوم'' کو بھی اپنے قدموں تلے روند ڈالا۔ اللہ نے اس بت شکن کی سرزمینِ کفر میں دستگیری فرمائی اور بت پرستوں پر مجاہدینِ اسلام کو غلبہ و اختیار عطا فرمایا۔ تاریخ گواہ ہے کہ کافر، محمود غزنوی کا نام سن کر خوف سے کانپتے تھے۔ تو پھر کیا میرٹھ، متھرا، کالنجر، گوالیار، کیا اجمیر اور کیا گجرات ہر طرف اہلِ ایمان کی شجاعتوں و عظمتوں کی داستانیں بکھری ہوئی تھیں۔

اسلام کی لازوال روشنی سے دیارِ کفر کو منور کرنے والے بت شکن نے جب سومنات کو ضربِ لا الٰہ سے ریزہ ریزہ کر دیا تو زمین و آسمان سے صرف کلمۂ شہادت کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ اور اس کے تاریخی الفاظ اہلِ کفر کی ساعتوں میں گونج رہے تھے۔ ''ہم اہلِ ایمان، بت فروش نہیں، بت شکن ہیں۔''

اسماء خان آصف

''جب انسان اپنے اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا تو اسے غلامی کی زنجیریں پہنا دی جاتی ہیں۔''

یہ بات ترکستان کے ایک مجذوب سیّد امیر علی شاہ نے اس وقت کہی، جب ایک سوداگر، نصر حاجی اپنے غلام سبکتگین کو فروخت کرنے کے لئے بخارا لئے جا رہا تھا۔

سبکتگین نے سیّد امیر علی شاہ کی آواز سنی تو اپنے گھوڑے کی لگامیں کھینچ لیں اور حاجی نصر سے مخاطب ہو کر بولا۔

''آقا! مجھے اتنی اجازت دیجئے کہ میں اس شخص کی خدمت میں سلام پیش کر سکوں۔'' سبکتگین نے مجذوب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''کیسے سلام کرنا چاہتا ہے؟...... اس دیوانے کو؟'' سوداگر حاجی نصر نے سیّد امیر شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے انتہائی تضحیک آمیز لہجے میں کہا۔

''میں اس شخص کو پاگل نہیں کہہ سکتا۔'' سبکتگین نے اپنے آقا، حاجی نصر کو جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''یہ بہت ہوش کی باتیں کر رہا ہے۔''

''تو نہیں جانتا کہ امیر علی شاہ کون ہے؟'' حاجی نصر کے چہرے پر بدستور ناگواری کا رنگ نمایاں تھا۔ ''یہ ایک بدحال شخص ہے۔ غربت و افلاس اور زندگی کی دوسری محرومیوں نے اس کے ہوش و حواس چھین لئے ہیں۔ یہ ہر وقت بے سروپا باتیں کرتا رہتا ہے۔ یہاں کے تمام لوگ اس دیوانے سے واقف ہیں۔ ابھی ہماری منزل بہت دور ہے۔ تُو اپنا اور ہمارا قیمتی وقت برباد نہ کر۔'' سوداگر حاجی نصر نے تند و تیز لہجے میں کہا۔

''یہ شخص کتنا ہی وحشی کیوں نہ ہو، مگر میرا دل اس کی طرف کھنچا جا رہا ہے۔'' سبکتگین نے حاجی نصر کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ ''بس میرے آقا! مجھے چند لمحوں کی بھیک دیجئے۔ میں سیّد کو سلام کر لوں۔''

حاجی نصر نے بادلِ ناخواستہ سبکتگین کو امیر علی شاہ سے ملنے کی اجازت دے دی۔

قافلے کے تمام لوگ بڑی حیرت سے سبکتگین کو دیکھ رہے تھے۔ حاجی نصر کا غلام، گھوڑے سے اُترا اور سر جھکائے ہوئے سیّد امیر علی شاہ کی طرف بڑھا۔ دیکھنے والوں کو ایسا محسوس ہو رہا تھا، جیسے کوئی ادنیٰ خدمت گار کسی شہنشاہ کے حضور جا رہا ہو۔

''ایک دیوانے کے پاس کیوں آیا ہے؟'' امیر علی شاہ نے سبکتگین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ سیّد کے لہجے میں بڑا جلال تھا۔

سبکتگین لرز کر رہ گیا۔ ''مجھے لوگوں نے بتایا ہے کہ آپ سیّد امیر علی شاہ ہیں۔'' یہ کہتے کہتے حاجی نصر

کا غلام گھٹنوں کے بل جھک گیا۔ ''میں تو ایک سیّد کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ اس کے سوا مجھے کچھ نہیں معلوم اور میں جاننا بھی نہیں چاہتا۔'' سبکتگین نے آگے بڑھ کر سیّد امیر علی شاہ کے ہاتھوں کو بوسہ دینا چاہا۔

امیر علی شاہ نے غضب ناک ہو کر اپنے دونوں ہاتھ کھینچ لئے۔ ''خود تو ہلاکت کے قریب پہنچ چکا ہے اور اب مجھے بھی برباد کرنا چاہتا ہے۔'' سیّد کی پُرسکون رہنے والی آنکھیں یکایک آگ برسانے لگی تھیں۔

''تُو نے یہ بت پرستی کی ادا کہاں سے سیکھی؟''

سبکتگین خوف زدہ ہو کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ ''میں تو احترام کے طور پر اپنے جذبات کا مظاہرہ کر رہا ہوں۔'' اس کی آواز لرز رہی تھی۔

''اسے احترام کہتے ہیں کہ ایک مجبور دوسرے مجبور کے آگے سر جھکا دے۔'' سیّد کے لہجے میں وہی آتش فشانی تھی۔ ''تُو بھی خاک سے پیدا ہوا...... اور میں بھی خاک سے اُٹھا...... پھر ایک دن دونوں خاک میں مل جائیں گے۔ اس کا احترام کیوں نہیں کرتا، جو اپنی ذات میں ایک نور ہے اور جسے کبھی زوال نہیں...... ایک بار اس کے آگے خم ہو جا۔ پھر تیرا یہ سر کسی کے سامنے نہیں جھکے گا...... اور اگر کبھی شیطانوں کا لشکر تجھے کسی دوسری طاقت کے روبرو جھکانے کی کوشش کرے تو اپنا سر جسم سے کاٹ کر الگ کر دینا۔ پھر تجھے نجات حاصل ہو جائے گی۔''

سبکتگین نے آہستہ آہستہ نظریں اٹھائیں اور امیر علی شاہ کے چہرے کی طرف دیکھنے کی کوشش کی مگر وہاں جلالِ روحانی کی ایسی آگ روشن تھی کہ سبکتگین اس تپش کو برداشت نہ کر سکا اور گھبرا کر سیّد کے قدموں کی طرف دیکھنے لگا۔

''کچھ کہنا چاہتا ہے؟'' امیر علی شاہ مسکرائے۔ ''ایک بدحال دیوانے سے کیوں ڈرتا ہے؟'' سیّد نے سوداگر حاجی نصر کے وہ الفاظ دہرا دیئے جو کچھ دیر پہلے اس مالدار تاجر نے امیر علی شاہ کے بارے میں ادا کئے تھے۔ ''نہ میرے پاس سیم و زر کے انبار ہیں...... نہ خدمت گاروں کی طویل قطاریں ہیں...... نہ اسلحے کے ذخائر ہیں...... نہ تاج و تخت ہیں اور نہ جانباز سپاہی...... پھر مجھ سے کیوں ڈرتا ہے؟ کہہ دے، جو کچھ تیرے دل میں ہے۔''

سبکتگین رونے لگا۔ اور پھر اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''سیّد! میں ادھر سے گزر رہا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ جب انسان اپنے اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا تو اسے غلامی کی زنجیریں پہنا دی جاتی ہیں۔''

''ہاں، میں نے ٹھیک کہا تھا۔ مجھے کس کا ڈر ہے جو اپنی زبان بند رکھوں گا۔'' سیّد امیر علی شاہ نے اسی بے نیازانہ لہجے میں کہا۔ ''اگر تیرے بزرگ، اللہ کا شکر ادا کرتے تو ان کے سروں سے تاجِ سلطانی کیوں اُتارا جاتا؟ ان کے چہروں پر رسوائی کی خاک کیوں ملی جاتی؟ اور انہیں ذلت کے طوق پہنا کر کوچہ بہ کوچہ کیوں پھرایا جاتا؟''

دراصل سبکتگین، شاہِ ایران یزدجرد کی نسل سے تعلق رکھتا تھا۔ شہنشاہ یزدجرد کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں مسلمانوں کے ہاتھوں شکست فاش ہوئی اور وہ فرار ہو گیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اُسے قتل کیا گیا۔ سیّد امیر علی شاہ نے اسی واقعے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''سیّد! پھر میں کیا کروں؟'' سبکتگین زاروقطار رونے لگا۔

''اپنے بزرگوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کر۔'' امیر علی شاہ نے پُرجلال لہجے میں کہا۔

''میں ایک کمزور غلام ہوں سیّد! میرے ہاتھ بھی بندھے ہوئے ہیں۔ اور میرے پاؤں بھی لوہے کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ پھر میں یہ سب کچھ کیسے کروں؟''

''اللہ کی مخلوق پر رحم کھا۔'' سیّد امیر علی شاہ نے بلند آواز میں کہا۔ ''اپنے اندر اور باہر کے بتوں کو توڑ۔ اللہ تیری زنجیروں کو کاٹ دے گا۔''

''میں بہت حقیر انسان ہوں سیّد!'' سبکتگین کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔

''تیرا پیدا کرنے والا، تمام دنیا کے اندازوں سے بھی زیادہ طاقت ور ہے۔'' سیّد امیر علی شاہ انتہائی کیف و جذب کے عالم میں بول رہے تھے۔ ''بس، اب جا! تیرا آقا اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہا ہے۔ اسے یہ پسند نہیں کہ تُو ایک دیوانے سے مل کر اپنا وقت برباد کرے۔'' امیر علی شاہ نے ایک بار پھر اس گفتگو کا ذکر کیا جو کچھ دیر پہلے حاجی نصر اور سبکتگین کے درمیان ہو چکی تھی۔

''مگر سیّد! میں تو آپ کا احترام کرتا ہوں۔''

ایک مجذوب کی روشن ضمیری دیکھ کر وہ خوف زدہ ہو گیا۔ اسے ایک لمحے کے لئے خیال آیا کہ کہیں وہ امیر علی شاہ کے جلال کا نشانہ نہ بن جائے۔

''میں تجھ سے خوش ہوں۔'' سبکتگین کی بگڑتی ہوئی حالت دیکھ کر سیّد امیر علی شاہ مسکرائے۔ ''خوف زدہ نہ ہو کہ ہم دیوانے کسی کو آزار نہیں پہنچاتے، بس اپنے اندر کی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔ اور کوشش کرتے ہیں کہ اس آگ سے باہر والوں کے اندھیرے بھی دُور ہو جائیں۔''

''سیّد! مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔'' سبکتگین نے سر جھکا دیا اور اس طرح رونے لگا جیسے کوئی معصوم بچہ اپنے باپ سے بچھڑ کر نامعلوم منزل کی طرف جا رہا ہو۔

''اگر تُو میری دعاؤں میں شامل نہ ہوتا تو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تیرے قدم اس طرف کبھی نہ اُٹھتے۔'' سیّد امیر علی شاہ کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی اور آنکھوں سے جلالِ روحانی کے بجائے شفقت و مہربانی کا رنگ جھلکنے لگا تھا۔ ''جب تک تُو بُت شکنی کا عمل جاری رکھے گا، آسمانوں سے بارشِ کرم ہوتی رہے گی۔ میری گناہ گار آنکھیں صرف تیرے سر پر ہی نہیں، تیری اولاد کے سروں پر بھی تاجِ زرنگار دیکھ رہی ہیں۔ بس اب جا! وہ تیرا حریص آقا، گھوڑے کی پشت پر بیٹھا ہوا بار بار پہلو بدل رہا ہے۔'' سیّد امیر علی شاہ نے اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ سوداگر حاجی نصر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ حاجی نصر چند قدم کے فاصلے پر موجود تھا اور بار بار گھوڑے کی لگام میں کھینچ کر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر رہا تھا۔

سبکتگین بڑے کرب کے عالم میں زمین سے اٹھا۔ ''سیّد! یہاں سے جانے کو دل نہیں چاہتا۔ کاش! میں اپنی باقی زندگی آپ کے قدموں میں گزار دیتا۔''

''ہرگز نہیں......'' امیر علی شاہ نے بلند آواز میں کہا۔ ''کیا میرے ساتھ رہ کر تُو اپنی زندگی کو بھی ناکارہ بنا دینا چاہتا ہے؟'' یہ کہتے ہوئے سیّد نے زمین سے کچھ خاک اُٹھائی اور سبکتگین کے چہرے پر مل دی۔ ''اس بندۂ عاجز کی طرف سے، اپنے مہمان کے لئے یہی ایک حقیر سا تحفہ ہے۔ بس اب جا! ہند کے صنم خانے اپنے بُت شکن کا انتظار کر رہے ہیں۔''

سبکتگین، سیّد کی بارگاہ سے اس طرح اُٹھا کہ اس کی آنکھیں اشکوں سے لبریز تھیں، قدم لڑکھڑا رہے تھے...... اور وہ بار بار پلٹ پلٹ کر امیر علی شاہ کی طرف دیکھتا جا رہا تھا۔

پھر جب سبکتگین اپنے گھوڑے تک پہنچا تو سوداگر حاجی نصر نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔
''غلام زادے! اپنا چہرہ تو دیکھ! کیسا خاک آلود ہو رہا ہے۔''
سبکتگین نے کوئی جواب نہ دیا۔ بس عجیب سی نظروں سے اپنے آقا، حاجی نصر کی طرف دیکھا اور سر جھکا لیا۔
''آخر ایک پاگل تجھے اور دے بھی کیا سکتا ہے؟'' دوسری بار حاجی نصر کا قہقہہ بلند ہوا۔ ''احمق! غلاموں کی قسمت کبھی نہیں بدلتی۔''
سبکتگین نے حاجی نصر کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا...... اور غلاموں کا یہ قافلہ آہستہ آہستہ بخارا کی طرف بڑھتا رہا۔

❀❀❀❀❀

اس دن غلاموں کے بازار میں بڑی رونق تھی۔
بہت سے سوداگر اپنے ساتھ غلاموں کی قطاریں لے کر آئے تھے۔ جیسے دیہات کے بازاروں میں گایوں، بھینسوں اور بکریوں کی بھیڑ نظر آتی ہے۔ رنگ برنگ کے سجے ہوئے جانور...... تندرست و توانا، دُھلے اور نہائے ہوئے جانور...... تاکہ خریدار پہلی نظر میں ان کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ اس کے برعکس بازار کے ایک گوشے میں کم قیمت، کمزور اور میلے کچیلے جانور بھی لائے جاتے ہیں، جنہیں صاحبِ حیثیت خریدار دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ ان جانوروں کی طرف وہی خریدار رجوع کرتے ہی، جن کی جیبیں ہلکی اور ہاتھ تنگ ہوتے ہیں۔
بخارا کے ''غلام بازار'' کا بھی یہی حال تھا۔ مختلف نسلوں، قبیلوں اور رنگوں کے غلام بہت دیر سے سر جھکائے اپنی اپنی قسمت کے فیصلے کا انتظار کر رہے تھے۔ جب کبھی کوئی خریدار ان کے قریب سے گزرتا تو وہ اس کے قدموں کی چاپ سن کر چونک اُٹھتے۔ غلاموں کی اس اضطراری حرکت سے ان کے پیروں کی زنجیریں بج اُٹھتیں اور ساکت فضائیں کچھ دیر تک ایک ہیجان انگیز شور سے گونجتی رہتیں۔
خریدار بڑے ناز و غرور سے زمین پر قدم رکھتے۔ آڑی گردنوں اور ترچھی نظروں سے غلاموں کے اُداس چہروں کو دیکھتے، جن پر ناآسودہ تمناؤں کے رنگ اُبھر اُبھر کر ڈوبتے رہتے تھے۔ جب یہ سیم و زر کے آقا اور اقتدار کے مالک اپنی پیشانیوں پر نخوت و غرور کی لکیریں اُبھارے، زمین کے سینے پر زور زور سے پاؤں مارتے، شدید بے نیازی کے عالم میں چپ چاپ گزر جاتے تو سارے غلام بیک وقت چیخ اُٹھتے جیسے وہ خریداروں کے بند دروازوں پر فریاد کر رہے ہوں......
''ہمیں خرید لو...... خدا کے لئے، ہمیں خرید لو کہ انسانی آزادیوں کے یہ تاجر ہمارے ساتھ حیوانوں سے بھی بدتر سلوک کرتے ہیں۔''
اس قسم کے تمام سوداگر اپنے اپنے غلاموں کو پھٹے پرانے لباس پہناتے اور بہت معمولی غذا کھانے کے لئے دیتے۔ وہ بھی اتنی مقدار میں کہ ان کے غلام بس سانس لے سکیں۔ جب اس غیر انسانی سلوک کے خلاف غلام اپنے آقاؤں سے احتجاج کرتے تو انسانی آزادیوں کے تاجر صاف صاف کہہ دیتے۔
''اگر تمہاری آسائشوں پر زیادہ رقم خرچ کر دی گئی تو ہمیں اس کاروبار میں نقصان ہو جائے گا۔''
اپنے آقاؤں کا یہ بے رحمانہ جواب سن کر غلام خاموش ہو جاتے...... اور پھر اس دن کا انتظار کرنے

لگتے، جب کوئی امیر یا حاکم ''غلام بازار'' کی طرف رُخ کرے گا اور انہیں خرید کر اس اذیت کی زندگی سے نجات بخشے گا۔
اس روز غلاموں کی صفوں میں بہت زیادہ ہیجان اور جوش پایا جاتا تھا۔ خلافِ معمول اُنہیں غسل کے بعد نئے کپڑے پہننے کے لئے دیئے گئے تھے۔ غلاموں نے آقاؤں کے حکم پر بہت دیر تک اپنے گرد آلود چہروں کو دھویا اور آراستہ ہو کر اپنے خریداروں کے انتظار میں کھڑے ہو گئے۔
سوداگر حاجی نصر فطرتاً ایک بخیل انسان تھا۔ اس نے ''بازارِ غلامی'' کے اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر اس موقع پر بھی انتہائی کنجوسی کا مظاہرہ کیا تھا۔ سبکتگین کی مسلسل درخواست کے باوجود حاجی نصر نے اسے نیا لباس پہننے کو نہیں دیا تھا۔
''آقا! ذرا دوسرے سوداگروں کے غلاموں کو تو دیکھئے کہ وہ کیسے زرق برق لباس پہنے ہوئے ہیں۔''
سبکتگین کے لہجے میں بڑی حسرت تھی۔
''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' حاجی نصر بڑی بے پروائی کے ساتھ مسکرایا۔ ''میں اپنی تقدیر پر بھروسہ کرتا ہوں۔ اگر تیرے حوالے سے مجھے کوئی بڑا فائدہ پہنچنا ہے تو وہ ہر حال میں پہنچ کر رہے گا۔''
سبکتگین کا دل بجھ کر رہ گیا۔ وہ اپنے بہتر مستقبل سے مایوس ہو چکا تھا۔ جب دوسرے غلاموں کے آراستہ جسموں اور چمکتے چہروں پر اُس کی نظر پڑتی تو اُس کا ذہن اندھیروں میں ڈوبنے لگتا۔
بہت دیر تک سبکتگین کی یہی کیفیت رہی۔ پھر یکایک اُس کے دماغ میں ایک برق سی لہرائی اور کانوں میں سیّد امیر علی شاہ کے الفاظ گونجنے لگے۔
''اپنے اندر اور باہر کے بتوں کو توڑ...... اللہ تیری زنجیروں کو کاٹ دے گا۔''
سبکتگین کا دل ٹھہر سا گیا۔ مگر وہ سیّد کے الفاظ کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھا۔
''یہ اندر کے بت کون ہیں؟''
سبکتگین کا ذہن اُلجھنے لگا۔ مگر اسی لمحے ''غلام بازار'' پُرشور آوازوں سے گونج اُٹھا۔ غزنی اور بخارا کا فرمانروا، امیر الپتگین مختلف علاقوں سے لائے ہوئے غلاموں کو دیکھنے آ رہا تھا۔ انسانی آزادیوں کے تاجر دل ہی دل میں اپنے خدا سے دعائیں کر رہے تھے کہ امیر الپتگین منہ مانگے داموں پر ان کے غلاموں کو خرید لے۔ خود غلاموں کی حالت بھی ناقابلِ بیان تھی۔ ان کے چہرے آسمان کی طرف اُٹھے ہوئے تھے اور خشک ہونٹ آہستہ آہستہ کانپ رہے تھے۔ وہ زیرِ لب، زمین و آسمان کے مالک سے اپنی نجات کی دعائیں مانگ رہے تھے۔
امیر الپتگین، غلام بازار کے دروازے میں داخل ہو چکا تھا۔ اچانک تمام سوداگروں نے اپنے اپنے غلاموں کو ڈانٹا۔
''سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور اپنی اُٹھی ہوئی گردنوں کو جھکا لو۔''
چند لمحوں کے لئے غلاموں کے جسموں پر لرزش طاری ہوئی لیکن اپنے آقاؤں کی خشمگیں نظریں دیکھ کر اُنہیں سنبھلنا پڑا۔ اب سارے کے سارے غلام، پتھر کے تراشے ہوئے مجسّمے نظر آ رہے تھے۔ ان کی سانسیں جاری تھیں، مگر جسم حرکت نہیں کر سکتے تھے۔
امیر الپتگین آہستہ آہستہ غلاموں کی قطار کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ غزنی کے فرمانروا کی تیز نظریں

ایک لمحے میں ہر غلام کی ظاہری شخصیت کا جائزہ لیتیں اور پھر فوراً ہی ان کا زاویہ بدل جاتا۔

الپتگین کی بے دلی دیکھ کر تمام تاجر اُداس نظر آنے لگے۔ آج اُن کی ساری اُمیدوں پر پانی پھر گیا تھا۔

''حضور! ایک نظر اسے ملاحظہ فرمایئے۔'' ایک سوداگر نے جوشِ جذبات میں امیر الپتگین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ کیا تندرست و توانا اور خوب صورت غلام ہے۔ خاص طور پر سرکار کی خدمت گزاری کے لئے لے کر حاضر ہوا ہوں......بس......ایک نظر......''

ابھی سوداگر کی بات مکمل ہونے بھی نہ پائی تھی کہ امیر الپتگین کی کشادہ پیشانی پر کئی بل پڑ گئے اور اس نے انتہائی ناگواری کے انداز میں تاجر سے کہا۔ ''کیا اب تیری آنکھوں سے ہمیں ان غلاموں کو دیکھنا پڑے گا؟'' یہ کہہ کر امیر الپتگین آگے بڑھ گیا۔

سوداگر حاجی نصر بہت زیادہ مایوس نظر آ رہا تھا کیونکہ اس کے غلام سبکتگین کی ظاہری حالت دوسرے غلاموں سے بہتر نہیں تھی۔ اس کا چہرہ بھی گرد آلود تھا اور لباس بھی بہت معمولی۔ حاجی نصر نے دوسرے تاجروں کی طرح اپنے غلاموں کی آرائش کا اہتمام نہیں کیا تھا۔ مگر اس وقت حاجی نصر کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، جب غزنی کا حکمران، سبکتگین کے سامنے ٹھہر گیا اور اس غلام کے چہرے کو بہت غور سے دیکھنے لگا۔

''یہ نوجوان ہمیں پسند ہے۔'' امیر الپتگین نے سبکتگین کے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ''اس کے چہرے سے شوکت و فراست ٹپکتی ہے۔''

اس کے بعد حاجی نصر کو ایک بڑی رقم ادا کر دی گئی اور سبکتگین چند سپاہیوں کی نگرانی میں غزنی کے محل کی طرف روانہ ہو گیا۔

پہلی بار سبکتگین آرام دہ بستر پر لیٹا تو ساری رات اُسے نیند نہیں آئی۔ جب بھی چند لمحوں کے لئے اُس کی آنکھ لگتی، اُسے یوں محسوس ہوتا جیسے سیّد امیر علی شاہ، بستر کے قریب کھڑے ہوں اور اُسے مخاطب کر کے کہہ رہے ہوں۔

''اپنے اندر اور باہر کے بتوں کو توڑ دے۔ پھر اللہ تیری زنجیروں کو کاٹ دے گا۔''

گھبرا کر سبکتگین کی آنکھ کھل جاتی اور وہ کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگتا۔ پھر اُسے اندازہ ہوتا کہ وہ خواب کی حالت میں سیّد امیر علی شاہ کو دیکھ رہا ہے۔

''میں ان بتوں کو توڑنے کی کوشش کروں گا۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اندر کے بت کون ہیں؟ اور باہر کے بت کہاں ہیں؟'' سبکتگین خود کلامی کے انداز میں کہتا اور پریشان ہو کر محل کی اونچی اونچی دیواروں کو دیکھنے لگتا۔

❁❁❁❁❁

الپتگین اپنے نئے غلام سبکتگین سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔ کچھ دن بعد ہی غزنی کے حکمران نے سبکتگین کو اپنے حلقۂ خاص میں شامل کر لیا۔

''پتہ نہیں، میرا دل تیری طرف کیوں کھنچتا ہے؟'' ایک دن تنہائی میں امیر نے سبکتگین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''میں تجھ سے اپنے بیٹے ابواسحاق کی طرح محبت کرتا ہوں۔''

''امیر! یہ آپ کا احسانِ عظیم ہے کہ ایک غلام کو اتنی اہمیت دیتے ہیں۔'' سبکتگین نے جھکے ہوئے سر کے ساتھ کہا۔

''اپنے آپ کو غلام کہہ کر مجھے آزار نہ پہنچا، سبکتگین!'' شدتِ جذبات سے امیر کی آواز بھاری ہو گئی۔ ''میں نے سینکڑوں غلاموں کو نظر انداز کر کے تجھے منتخب کیا تھا۔ حالانکہ اس وقت تیرا چہرہ بھی گرد آلود تھا اور لباس سے بھی بوسیدگی ظاہر ہو رہی تھی۔ پھر میں نے ایسا کیوں کیا؟''

''امیر بہتر جانتے ہیں۔'' سبکتگین نے بدستور سر جھکائے ہوئے کہا۔

''مجھے تیرے غبار آلود چہرے پر ایک عجیب سی روشنی نظر آئی تھی۔'' امیر الپتگین پُر جوش لہجے میں بول رہا تھا۔ ''میرے دل نے مجھ سے کہا تھا کہ یہ لڑکا نسلاً غلام نہیں ہے۔''

اپنے نئے آقا کی گفتگو سن کر سبکتگین رونے لگا۔ ''امیر! میں بدنصیب، شہنشاہِ ایران یزدجرد کی نسل سے ہوں۔''

''نہیں سبکتگین! تُو بدنصیب نہیں ہے۔'' امیر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''تیری گردش کے دن گزر چکے ہیں اور اب تُو میرا فرزند ہے، ابواسحاق کی طرح۔''

سبکتگین اپنے دامن سے آنسو خشک کرنے لگا اور کمرے کی فضا پر گہرا سکوت چھا گیا۔

''اہلِ وفا کے مانند زیست بسر کرنا۔'' مختصر سے وقفے کے بعد امیر الپتگین کی آواز دوبارہ گونجی۔ ''میں نے تجھ پر جو اعتبار کیا ہے، اسے کبھی مجروح نہ کرنا......اگر میرا اعتبار ختم ہوا تو ایک دن تُو بھی ذلت و گمنامی کے اندھیروں میں سسک سسک کر فنا ہو جائے گا۔ اس کائنات میں صرف اعتبار اور یقین کی روشنی ہے۔ اگر یہ روشنی بجھ جائے تو ظلمت کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔''

سبکتگین نے بے قرار ہو کر امیر کے پیروں پر سر رکھ دیا۔ ''آقا! آپ مجھے ایفائے عہد کے راستے میں ہمیشہ ثابت قدم پائیں گے۔''

امیر نے سبکتگین کے دونوں بازو پکڑ کر اسے سیدھا کیا...... ''اور ان حاسدوں سے بھی ہوشیار رہنا، جو میری شفقت و مہربانی دیکھ کر تجھ سے جلنے لگے ہیں۔''

سبکتگین نے امیر کی طرف دیکھا اور ایک بار پھر اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

❁❁❁❁❁

سبکتگین، شاہوں کی اولاد تھا۔ جب اُسے فراغت و آسودگی کے چند لمحے میسر آئے تو دل و دماغ کا غبار بھی ڈھل گیا اور چہرے کی گرد بھی صاف ہو گئی......اب وہ نئے لباس میں ایک شہزادہ نظر آتا تھا۔ دلکش نقش و نگار، سرخ و سفید رنگ اور دراز قد......سبکتگین مردانہ وجاہت کا ایک جیتا جاگتا مجسمہ تھا۔ وہ جدھر سے بھی گزر جاتا، لوگ اُسے دیکھتے رہ جاتے۔ محل کی کنیزیں اس سے بات کرنے اور قریب ہونے کے بہانے ڈھونڈتیں۔ کبھی کبھی سبکتگین کے جذبات میں بھی ہیجان برپا ہوتا......مگر فوراً ہی اس کے کانوں میں امیر کے الفاظ گونجنے لگتے۔

''سبکتگین! میرے اعتبار کا خون نہ کرنا۔''

پھر یہ گونج اس قدر بڑھ جاتی کہ سبکتگین لرز کر رہ جاتا اور اسے یوں محسوس ہوتا، جیسے امیر الپتگین کی تیز نظریں مسلسل اس کا تعاقب کر رہی ہیں۔ پھر سبکتگین کے چہرے پر چٹانوں جیسی سختی اُبھر آتی اور وہ محل کی حسین کنیزوں کی طرف سے اس طرح منہ پھیر لیتا، جیسے یہ خوب صورت عورتیں دنیا کی سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز ہوں۔

سبکتگین قصرِ شاہی میں پائی جانے والی ہر لذت اور آسائش سے بے نیاز ہو کر شمشیر زنی اور شہسواری کی تعلیم حاصل کرنے میں مصروف تھا کہ اچانک اُس کی دنیا میں نیا انقلاب آ گیا۔

✻✻✻✻✻

امیر الپتگین کا ایک وزیر اسد شیرازی تھا۔ اسد شیرازی کا تعلق ایران کے ایک معزز گھرانے سے تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جنگ ''قادسیہ'' ہوئی......اور اسی جنگ میں آتش پرستوں کا اقتدار ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ اسد شیرازی کے باپ دادا نے شکست کھانے کے بعد اسلام قبول کر لیا تھا مگر مذہب کی یہ تبدیلی کسی جذباتی تاثر کا نتیجہ نہیں تھی۔ اسد شیرازی کے بزرگ شدید مجبوری کے عالم میں ایمان لائے تھے لیکن ان کے دلوں کے ایک ایک گوشے میں اب بھی قومیت کے بت سجے ہوئے تھے۔

اسد شیرازی کے باپ، حاکم شیرازی نے مرتے وقت اپنے بیٹے سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا تھا۔

''فرزند! بظاہر ہمارے آتش کدے بجھا دیئے گئے ہیں، مگر تُو اپنے دل میں اس آگ کو روشن رکھنا اور یاد رکھنا کہ ہم نے اور ہمارے بزرگوں نے دلی طور پر یہ شکست تسلیم نہیں کی تھی۔ ہماری طرح تُو بھی کسریٰ کا وارث و جانشین ہے۔ اس لئے تجھ پر فرض ہے کہ مسلمانوں سے اپنے مذہب کی تباہی کا انتقام لے۔''

''مگر میں تو خود مسلمان ہوں بابا!'' اسد شیرازی نے حیران ہو کر کہا تھا۔

''تو مسلمان نہیں، آتش پرست ہے، صرف آتش پرست......'' حاکم شیرازی ایک ایک لفظ پر زور دے کر بول رہا تھا۔ ''تیرے عقیدے میں دشمن کو شکست دینے کے لئے ہر کام جائز ہے۔ تُو ہر وہ طریقہ اختیار کرنا، جس سے مسلمانوں میں انتشار برپا ہو۔ یہاں تک کہ ان کی اجتماعیت ختم ہو جائے اور یہ ہوا کے طوفان میں خاک کے ذرّوں کی طرح اُڑتے پھریں۔ ''عورت اور دولت'' انسان کی سب سے بڑی فطری کمزوریاں ہیں۔ تُو ان ہتھیاروں کو ان کی بھرپور صلاحیتوں کے ساتھ استعمال کرنا۔ یہ جو مسلمان سپاہی ہر وقت شہادت کے نشے میں سرشار رہتے ہیں، انہیں شرابِ احمریں کی صراحی میں ڈبو دینا۔ ان کے دماغوں میں خمار کا ایسا دریا اُتار دینا کہ زندگی بھر ہوش میں نہ آ سکیں۔ پھر یہ تپتے ہوئے صحرا میں جان دینے والے، کسی رقاصہ کے حنا رنگ قدموں میں سر رکھ کر مر جائیں گے۔ بس وہی دن تیری کامیابی کا دن ہو گا۔''

اس کے بعد حاکم شیرازی مر گیا اور دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے اپنے بیٹے کی رگوں میں بھی نفاق کا زہر اُتار گیا۔

اسد شیرازی نے ہر جائز و ناجائز ذریعے سے بے شمار دولت کمائی اور ترکستان کا سب سے بڑا تاجر بن گیا۔ پھر اُس نے مختلف جوڑ توڑ کے بعد امیر الپتگین کے دربار تک رسائی حاصل کی۔ حاکم شیرازی نے اسد شیرازی کو دنیا کے دوسرے علوم کے ساتھ علم نجوم کی بھی تعلیم دی تھی۔ اس کے علاوہ اسد شیرازی، تقریر کے فن سے بھی واقف تھا۔ غرض ان ہی تمام خوبیوں نے اسے امیر الپتگین کے بہت زیادہ قریب کر دیا تھا...... یہاں تک کہ ایک دن وہ وزارت کے عہدے تک پہنچ گیا۔

اسد شیرازی کو دنیا کی ہر نعمت میسر تھی، مگر وہ اولادِ نرینہ سے محروم تھا۔ اس نے ستاروں کی چال کے مطابق کئی عورتوں سے شادی کی، لیکن کسی عورت کے بطن سے بیٹا پیدا نہیں ہو سکا۔ اپنی اس محرومی پر اسد

شیرازی تنہائی میں بہت رویا کرتا تھا۔

''میرا علم مجھے بتاتا ہے کہ میرے بیس بیٹے ہوں گے، مگر......'' اسد شیرازی اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہتا اور اُداس ہو جاتا۔ بیٹوں کے بجائے اُس کی بیس لڑکیاں تھیں۔ سب سے بڑی بیٹی ارمغانہ شیرازی تھی، جس کی عمر سترہ اٹھارہ سال تھی......اور سب سے چھوٹی لڑکی نگار خانم تھی، جو ایک سال پہلے پیدا ہوئی تھی۔

اسد شیرازی نے اپنی بڑی بیٹی ارمغانہ کو بھی ادب، سیاست اور نجوم کی تعلیم دی تھی۔ ارمغانہ اپنے وقت کی حسین ترین دوشیزہ تھی۔ بہت سے امیرزادے، ارمغانہ کی طلب رکھتے تھے۔ مگر اسد شیرازی نے اسے اب تک شادی کی زنجیروں سے دُور رکھا تھا۔ وہ ارمغانہ کے ذریعے کوئی بڑا کام لینا چاہتا تھا۔

پھر جب غلام سبکتگین، امیر کے حلقۂ خاص میں شامل ہوا تو اسد شیرازی اسے دیکھ کر چونک اُٹھا۔

''یہ کوئی معمولی غلام نہیں ہے ارمغانہ!'' ایک رات تنہائی میں اسد شیرازی نے اپنی بیٹی سے سرگوشیاں کرتے ہوئے کہا۔ ''ستاروں کی رفتار بتاتی ہے کہ یہ مستقبل کا حکمران ہے۔''

ارمغانہ پہلے ہی سبکتگین کی دلکش شخصیت سے متاثر ہو چکی تھی۔ باپ کا اشارہ پایا تو اس کے چہرے پر جذبات کی شفق اُبھر آئی۔ اسد شیرازی کی تربیت نے ارمغانہ کو بہت زیادہ بے جھجک اور شوخ بنا دیا تھا۔ لیکن عورت کی فطری حیا اُسے شرمانے پر مجبور کر رہی تھی۔

''ارمغانہ!'' یکایک اسد شیرازی کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ ''مجھے عورت کا یہ مشرقی انداز پسند نہیں۔''

ارمغانہ نے گھبرا کر باپ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''میں نے سبکتگین کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ اس کا نام سن کر تیرا چہرہ گلنار ہو جائے۔'' اسد شیرازی اونچی آواز میں بول رہا تھا۔ ''تُو آہستہ آہستہ سبکتگین کے قریب ہو جا کہ پھر وہ تجھ سے دُور رہنے کا تصور تک نہ کر سکے۔''

ارمغانہ سنبھل گئی۔

''اگر وقت اس غلام کے سر پر تاجِ شاہی سجاتا ہے تو پھر تجھے اس کا شریکِ سفر بننا ہو گا۔'' اسد شیرازی بڑی بے حیائی کے ساتھ بیٹی کے سامنے اپنا منصوبہ پیش کر رہا تھا۔ ''میں تیرے ذریعے اقتدار تک پہنچنا چاہتا ہوں۔ تاکہ اپنے بزرگوں کی روح سے کیا ہوا وعدہ پورا کر سکوں۔''

ارمغانہ کی آنکھوں میں حیرت و مسرت کا امتزاج نظر آیا تھا۔ باپ کی زبان سے اقتدار کا لفظ سن کر ارمغانہ کے دل و دماغ پر ایک نشہ سا چھا گیا، مگر اس کے ساتھ حیرت بھی دامن گیر تھی کہ آخر یہ خواب شرمندۂ تعبیر کس طرح ہو گا؟

''بابا! اگر ایسا ہو جائے......'' جوشِ جذبات میں ارمغانہ اپنے باپ سے لپٹ گئی۔

''بیٹی!'' اسد شیرازی نے سخت لہجے میں کہا۔ ''تُو پھر جذبات کا شکار ہو رہی ہے اور میں تجھے ہر حال میں غیر جذباتی دیکھنا چاہتا ہوں۔''

ارمغانہ ایک بار پھر حیرت و پریشانی کے عالم میں باپ کی طرف دیکھنے لگی۔

''یہ اقتدار اس لئے نہیں ہو گا کہ ہم صرف اپنے حریصانہ جذبات کو تسکین پہنچا سکیں۔'' یکایک اسد شیرازی کی آواز مدھم ہو گئی اور وہ ٹھہر ٹھہر کر بولنے لگا۔ ''تاج و تخت تو ہمیں سود میں حاصل ہو گا۔ ہمارا

بنیادی کاروبار یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کی صفوں میں انتشار برپا کریں اور انہیں ایک دُوسرے کے خون کا پیاسا بنا دیں۔ پھر اس پیاس کو اتنی ہوا دیں کہ وہ اپنے ہی بھائیوں کی شہ رگوں پر منہ رکھ دیں اور ان کے جسموں سے لہو کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیں۔"

باپ کے عزائم دیکھ کر ارمغانہ کے جسم میں خوف و ہراس کی ایک تیز لہر دوڑ گئی۔

"بابا! اگر کبھی یہ راز کھل گیا......؟" ارمغانہ کی زبان میں ہلکی سی لغزش آ گئی تھی۔

"یہی تو تیری ذہانت کا امتحان ہوگا۔" اسد شیرازی نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "وہ راز کبھی نہیں کھلتا، جس پر حرص و ہوس کے گہرے پردے ڈال دیئے جاتے ہیں۔ تُو اپنے اس راز میں کچھ اور طاقتور لوگوں کو شریک کر لینا۔ پھر ایک مجرم، دوسرے مجرم کا راز فاش نہیں کرے گا۔ اگر بالفرض کسی نے یہ حماقت کی تو دوسرا شریکِ راز اس جاہل کی زبان کاٹ دے گا۔" بے حیا باپ بڑی بے باکی کے ساتھ اپنی بیٹی کو ضمیر فروشی کا درس دے رہا تھا۔ "تیرا مذہب اسلام سے کوئی تعلق نہیں ارمغانہ! تُو آگ کی بیٹی ہے، صرف آگ کی بیٹی۔ مسلمانوں نے ہمارے آتش کدے بجھائے ہیں، ہم ان کے اقتدار کے فانوس بجھائیں گے۔ پھر ان کی ناکارہ زندگی کے چراغ گُل کر دیں گے۔ یہی ہمارا عہد ہے۔ اور یہی ہمارا مقصدِ حیات۔"

یہ کہہ کر اسد شیرازی نے اپنے سامنے ایک شمع روشن کر دی۔ اور بلند آواز میں یہ کلمات ادا کرنے لگا۔

"آگ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی...... آگ اپنے ماننے والوں کے لئے سلامتی کا سرچشمہ ہے اور انکار کرنے والوں کے لئے تباہی کا کھلا ہوا پیغام...... اس کائنات میں سب سے بڑی طاقت آگ ہے...... اور آگ کے سوا کچھ نہیں۔"

کچھ دیر تک کمرے میں اسد شیرازی کی آواز گونجتی رہی۔ پھر وہ خاموش ہو کر ارمغانہ کی طرف دیکھنے لگا۔ "بیٹی! اس آگ پر ہاتھ رکھ کر قسم کھا کہ تُو اپنے باپ کو مایوس نہیں کرے گی۔"

ارمغانہ نے جلتی ہوئی شمع کی طرف ہاتھ بڑھایا اور پھر گھبرا کر کھینچ لیا۔ پھولوں جیسا ہاتھ، آگ کی تپش کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

اسد شیرازی چند لمحوں تک اپنی سہمی ہوئی بیٹی کو دیکھتا رہا اور پھر بڑے فریب کار انداز میں آنسو بہانے لگا۔

"کاش! میرا کوئی بیٹا ہوتا تو مجھے شکست و ناکامی کے یہ سیاہ لمحات نہ دیکھنا پڑتے...... اے خداوند! مجھ پر رحم کر۔ ورنہ اہرمن (شیطان) کی اس بستی سے واپس بلا لے۔"

"نہیں بابا! میں آپ کو مایوس نہیں کروں گی۔" اسد شیرازی کے بہتے ہوئے آنسو دیکھ کر ارمغانہ بے قرار ہو گئی۔

"میں آگ کی بیٹی بھی ہوں اور آپ کا بیٹا بھی۔" یہ کہہ کر ارمغانہ نے جلتی ہوئی شمع پر ہاتھ رکھ دیا۔

پھر کچھ دیر بعد کمرے میں گوشت کے جلنے کی بُو پھیلنے لگی۔ ارمغانہ کے چہرے پر شدید اذیت و کرب کے سائے اُبھر کر ڈوبتے رہے مگر اس نے اپنا ہاتھ نہیں ہٹایا۔

"بس ارمغانہ! بس......" اسد شیرازی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا۔ "بے شک! تُو آگ کی بیٹی ہے۔ لازوال آگ ہمیشہ تجھے اپنے سایۂ کرم میں رکھے۔"

پھر اسد شیرازی نے ارمغانہ کے جلے ہوئے ہاتھ پر مرہم رکھا اور پرانی قلمی کتاب نکال کر وقتی زائچہ

بنانے لگا۔ ارمغانہ بھی نجوم سے بخوبی واقف تھی، اس لئے ستاروں کی رفتار کو غور سے دیکھنے لگی۔ کبھی کبھی اُس کے زخمی ہاتھ میں ٹیسیں اُٹھتی تھیں، مگر اس نے اپنے بزرگوں کے منصوبے کی تکمیل کی خاطر اس تکلیف کو نظر انداز کر دیا تھا۔

کچھ دیر بعد اسد شیرازی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بیٹی! ہم پر یزداں کا بڑا کرم ہے کہ اس نے ستاروں کی گردش کو ہمارے حق میں موڑ دیا ہے۔ یہ بہترین وقت ہے۔ تُو بہت آسانی سے سبکتگین پر قابو پا لے گی۔ اور پھر وہ زندگی بھر تیرا غلام رہے گا۔"

ارمغانہ کے ہونٹوں پر بھی ایک شاداب سی مسکراہٹ اُبھر آئی۔ سبکتگین کی قربت کا احساس...... بزرگوں کی روایت زندہ کرنے کا خیال...... اور سب سے زیادہ، اپنے سر پر تاجِ زرنگار دیکھنے کی خواہش...... ارمغانہ کچھ دیر کے لئے تصورات کی دنیا میں کھو کر رہ گئی۔

"اسے اپنے پاس رکھو بیٹی!" اسد شیرازی نے محبت آمیز لہجے میں ارمغانہ کو مخاطب کیا۔

ارمغانہ نے چونک کر دیکھا۔ اسد شیرازی اپنے ہاتھ سے ایک انگوٹھی اُتار کر ارمغانہ کی طرف بڑھا رہا تھا۔

"یہ دنیا کا بہترین یاقوت ہے، جو دشمنوں پر غلبہ لاتا ہے اور اپنے پہننے والے کو ہمیشہ فتح سے ہمکنار کرتا ہے۔"

ارمغانہ نے مسکراتے ہوئے باپ کے ہاتھ سے انگوٹھی لے لی۔

"اس یاقوت پر ایک انتہائی طاقتور نقش کندہ کیا گیا ہے۔" اسد شیرازی نے انگوٹھی کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔ "میں نے آج تک جتنی کامیابیاں حاصل کی ہیں، وہ سب اسی انگوٹھی کی مرہونِ منت ہیں۔ آج میں اپنی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ تیرے حوالے کر رہا ہوں کہ اب تُو ہی آتش پرستوں کے خاندان کی وارث ہے۔ تجھ پر یزداں کا کرم ہو۔"

ارمغانہ نے یاقوت کی وہ انگوٹھی پہن لی اور اس طرح باپ کے کمرے سے جانے لگی جیسے ساری دنیا کا اقتدار اُس کی ٹھوکروں میں ہو۔

❀❀❀❀❀

ارمغانہ شاہی تقریبات میں سبکتگین کے قریب ہونے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر امیر الپتگین کا یہ محبوب غلام ہمیشہ اُس سے دُور دُور رہتا۔ جب ارمغانہ کا دلفریب حُسن بے اثر ثابت ہونے لگا تو اُس نے اپنی ایک کنیز کے ذریعے سبکتگین کو مختصر سا محبت نامہ تحریر کیا۔

"دلوں کے تاجدار کی خدمت میں ملکۂ حُسن کا سلام! آج رات مجھے روشن باغ میں فوارے کے قریب تمہارا انتظار رہے گا۔"

ارمغانہ شیرازی کا خط پڑھ کر سبکتگین سناٹے میں آ گیا۔ یہ زندگی کے سب سے کیف آور لمحات تھے، جب غزنی کی حسین ترین دوشیزہ نے ایک غلام زادے کے قدموں میں اپنا دل رکھ دیا تھا۔ سبکتگین کے جذبات میں تلاطم سا برپا ہوا اور اُسے یوں محسوس ہونے لگا، جیسے وہ ہیجان کی ان تند و تیز موجوں میں غرق ہو جائے گا۔ پھر یکایک اس کے کانوں میں امیر الپتگین کے الفاظ گونجنے لگے۔

"فرزند! میرے اعتبار کا خون نہ کرنا۔"

سبکتگین سنبھل گیا اور اپنے دل کے سفینے کو جذبات کی طغیانی سے نکال کر سکون کے ساحل تک لے آیا۔ پھر ارمغانہ شیرازی کی کنیز سے مخاطب ہو کر بولا۔

"اپنی آقا سے کہنا کہ میں ایک نامحرم مرد ہوں۔ اور کوئی حیادار خاتون ایک نامحرم کا اس طرح انتظار نہیں کرتی۔"

کنیز کی زبانی سبکتگین کا پیغام سن کر ارمغانہ شیرازی کو سکتہ سا ہو گیا۔ اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے ایک غلام نے اس کے شہابی چہرے پر راستے کی کیچڑ اُٹھا کر مل دی ہو۔ سبکتگین کا جواب ایک ضربِ شدید تھا، جس کے اثر سے ارمغانہ کو اپنے غرورِ حُسن کا مجسمہ ٹوٹ کر بکھرتا ہوا نظر آیا۔

"کیا دنیا میں ایسے ناشکر گزار مرد بھی موجود ہیں کہ خود حُسن ان سے درخواست کرے اور وہ حُسن کی التجا کو اس بے رحمی کے ساتھ ٹھکرا دیں؟" ارمغانہ نے اپنے خط کا جواب لانے والی کنیز سے پوچھا۔ "کہیں تیرے سننے میں تو غلطی نہیں ہوئی ناہید؟"

"نہیں آقا!" کنیز نے پُرزور لہجے میں کہا۔ "میں آپ کی امانت دار قاصد ہوں۔ میرے کانوں نے جو کچھ سنا، وہی اپنی مالکہ کے حضور منتقل کر دیا۔" ناہید ایک چالیس سالہ عورت تھی، جسے اسد شیرازی نے اپنی خدمت کے لئے ملازم رکھا تھا۔ ناہید ایک زمانہ شناس، پڑھی لکھی اور ذہین خاتون تھی جو بہت سے معاملات میں اسد شیرازی کی رازدار بھی تھی۔ اسی وجہ سے ارمغانہ نے اپنی پیغام رسانی کے لئے ناہید کا انتخاب کیا تھا۔

"کیا سبکتگین کا جواب ہمارے شایانِ شان تھا، ناہید؟" ارمغانہ شیرازی کے لہجے میں بڑی خلش تھی، جیسے شکست کا احساس اسے کسی زہریلے سانپ کی طرح بار بار ڈس رہا ہو۔

"نہیں آقا زادی!" ناہید نے آگے بڑھ کر ارمغانہ کے دونوں کاندھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے اور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔ "سبکتگین کو تو لازم تھا کہ پہلے وہ خط کو بوسہ دیتا اور پھر ہماری ملکۂ حُسن کے حضور غائبانہ سجدہ کر لیتا۔"

"پھر اُس نے ایسا کیوں کیا؟" یکایک ارمغانہ کی غزالی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں اور اس کے دلکش چہرے پر قہر و نفرت کا دھواں پھیل گیا۔

"وہ غلام ہے آقا زادی!" ناہید نے ارمغانہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "میری آنکھوں نے یہ منظر بھی دیکھا تھا کہ آپ کا خط پڑھتے ہی اُس کی حالت غیر ہو گئی تھی۔"

"اس کے بعد کیا ہوا تھا؟" ارمغانہ نے گھبرا کر ناہید کی بات کاٹ دی۔ وہ اپنی کنیز کی زبان سے نیا انکشاف سننے کے لئے بے چین نظر آ رہی تھی۔

"آپ کا خط پڑھ کر اس کے چہرے پر نا آسودہ تمناؤں کا عکس اُبھر آیا تھا۔" ناہید نے سبکتگین کی جذباتی کشمکش کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ "مگر وہ فوراً ہی اپنی غلامی کی حالت سے ڈر گیا۔ شاید وہ خود کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ معزز و محترم خاندان کی ایک حسین دوشیزہ اُس پر اس طرح اپنے التفات کی بارش کرے۔"

"پھر میں کیا کروں ناہید؟" ارمغانہ شیرازی کا غصہ زائل ہو چکا تھا اور اب وہ ایک نئی اُلجھن کا شکار نظر آ رہی تھی۔

"پہلے اس کے دل سے احساسِ غلامی دُور کر دو، پھر وہ تمہارے قدموں میں اس طرح جھک جائے گا کہ اس میں دوبارہ اُٹھنے کی ہمت ہی باقی نہیں رہے گی۔"

"مگر میں اس کا احساسِ غلامی کیسے دُور کروں؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔" ارمغانہ شیرازی بے قرار ہو کر کمرے میں اِدھر اُدھر ٹہلنے لگی۔ شدید ذہنی اُلجھن کے باعث وہ زور زور سے فرش پر پاؤں مار رہی تھی۔

"صبر و ضبط سے کام لو آقا زادی!" یک بیک ناہید کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ اُبھر آئی۔ "یہ کوئی وحشی جذبوں کا کھیل نہیں کہ انسان اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ تمہارے سامنے تو ایک عظیم مقصد ہے۔ اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے تمہیں بے شمار قربانیاں دینی ہوں گی۔"

اپنی کنیز کی باتیں سن کر ارمغانہ شیرازی چونک اُٹھی۔ "ناہید! کیا تُو بھی اس راز سے واقف ہے؟"

"ہاں آقا زادی!" ناہید کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ "ہم سب ایک ہی منزل کے مسافر ہیں۔ اور ہم سب کے سامنے ایک ہی مقصد ہے۔ آگ کی برتری۔ اور آتش پرستوں کی سربلندی۔ مجھے آقا کا یہی حکم ہے کہ میں قدم قدم پر تمہاری رہنمائی کروں۔ آپ ابھی کمسن ہیں، اس لئے بہت جلد جذبات کے زیرِ اثر آ جاتی ہیں۔ ذرا ہمت سے کام لیجئے۔ میرا اپنا اندازہ ہے کہ سبکتگین کو ایک دن آپ کے حلقۂ غلامی میں داخل ہونا ہی پڑے گا۔"

ارمغانہ شیرازی، سوالیہ نظروں سے ناہید کی طرف دیکھنے لگی۔

"اسے ایک اور خط تحریر کیجئے۔" ناہید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اس کے ساتھ ہی اپنے خط کا جواب بھی طلب کیجئے۔ میں چاہتی ہوں کہ سبکتگین کی طرف سے کوئی تحریری ثبوت آپ کے ہاتھ آ جائے۔ پھر اسے آسانی کے ساتھ زیرِ دام لایا جا سکے گا۔ جب بڑے بڑے دانشور، عورت کی غلامی پر رضامند ہو سکتے ہیں تو پھر اس کی کیا حیثیت ہے؟ وہ تو ایک معمولی ذہن کا مالک ہے۔ ناز و ادا کی آندھی کا ایک ہلکا سا جھونکا اسے کسی حقیر تنکے کی طرح اُڑا کر لے جائے گا۔ بس اُس کے دل سے غلامی کا احساس مٹا دیجئے۔ وہ اپنی کم نسبی سے ڈرتا ہے۔"

ناہید کی باتیں سن کر ارمغانہ مطمئن نظر آنے لگی۔

ارمغانہ نے سبکتگین کے نام دوسرا محبت نامہ زیادہ تفصیل سے تحریر کیا تھا۔

"نامحرم اسے کہتے ہیں، جو عورت کے دل و دماغ سے دُور ہوتا ہے۔ میں نے آج تک کسی دوسرے مرد کے بارے میں سوچا تک نہیں۔ آپ کو ایک بار دیکھا اور ہمیشہ کے لئے حریمِ دل میں سجا لیا۔ پھر مجھ سے یہ اجنبیت کیوں؟ آپ "روشن باغ" میں آنے سے ڈرتے ہیں تو پھر میرے نام چند محبت بھرے الفاظ ہی تحریر کر دیجئے تاکہ میری بے قراری کا کچھ تو درماں ہو جائے۔ انسان کی اعلیٰ ظرفی یہ ہے کہ وہ کسی کی مجبوری سے فائدہ نہ اٹھائے۔ اور خدا بہتر جانتا ہے کہ میں اپنے دل کے ہاتھوں بہت مجبور ہوں۔ آپ کی ادنیٰ کنیز ارمغانہ شیرازی۔"

اب کی بار ارمغانہ نے ملکۂ حُسن کے بجائے اپنے آپ کو ایک کنیز بنا کر سبکتگین کے سامنے پیش کیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح سبکتگین کے دل سے غلامی کا خوف زائل ہو جائے گا۔ اور پھر...... پھر اپنی کامیابی کے تصور سے ارمغانہ کے دل و دماغ پر ایک نشے کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔

ارمغانہ بڑی بے چینی سے ناہید کا انتظار کر رہی تھی۔ مگر جب شیرازی کی رازدار کنیز واپس آئی تو اس کا چہرہ بجھا بجھا تھا۔

"آقا زادی! میرے پاس کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔"

ناہید نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔ "وہ غلامی کے احساس سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ اس نے آپ کا محبت نامہ پڑھا اور کسی تاثر کے بغیر واپس کرتے ہوئے بولا۔ "ایک غلام کی خاطر اپنی خاندانی عظمت کو نیلام نہ کریں۔"

ایک بار پھر ارمغانہ کا چہرہ غصے کی آگ میں جلنے لگا۔

❀❀❀❀❀

"بابا! آج آپ کے علم پر سے میرا اعتبار اُٹھ گیا ہے۔" ارمغانہ نے ایک رات اسد شیرازی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ستارے جھوٹ بولتے ہیں اور غلام زادہ مسلسل میری توہین کر رہا ہے۔"

اسد شیرازی اس وقت شراب پی رہا تھا۔ جب ارمغانہ نے اپنی بات مکمل کر لی تو وہ بڑی بے شرمی کے ساتھ مسکرایا۔ "میرا علم بھی سچا ہے اور ستارے بھی سچ بولتے ہیں۔ مگر تجھے کچھ دن انتظار کرنا ہوگا۔"

اس کے بعد اسد شیرازی نے سبکتگین سے رسم و راہ بڑھائی اور پھر باتوں ہی باتوں میں اس پر یہ راز فاش ہو گیا کہ سبکتگین، شہنشاہِ ایران یزدجرد کی نسل سے براہِ راست تعلق رکھتا ہے۔ اس انکشاف سے اسد شیرازی کی آنکھوں میں نئی چمک پیدا ہو گئی۔

"میں بھی ایران سے تعلق رکھتا ہوں مگر میرا خاندان آپ کے خاندان سے زیادہ محترم نہیں تھا۔" اسد شیرازی بظاہر عقیدت کے لہجے میں بول رہا تھا۔ لیکن اس کا ذہن منافقت و عیاری کے نئے زاویے تراش رہا تھا۔ "فرزند! میں ایک ماہر نجوم ہوں اور میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ اب غزنی پر ایرانیوں کی حکومت ہوگی۔" اسد شیرازی نے بڑی احتیاط سے سبکتگین کے قومی تعصب کو اُبھارنے کی کوشش کی تھی۔

"نہیں میرے بزرگ! میں ایرانی نہیں ہوں۔" سبکتگین نے آہستہ لہجے میں کہا مگر اس کی آواز سے ایک خاص اعتماد جھلک رہا تھا۔ "نہ میں عرب ہوں، نہ ترک ہوں اور نہ افغان۔ میں صرف مسلمان ہوں اور ایک مسلمان کی حیثیت سے اللہ کے بندوں کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں تو محض تمہیں آزما رہا تھا۔" اچانک اسد شیرازی نے نئی کروٹ لی۔ "مجھے فخر ہے سبکتگین! کہ خاکِ ایران نے تم جیسا روشن خیال اور شجاع نوجوان پیدا کیا۔ تم نسلی حوالے کو پسند نہ کرو، مگر میں اس حقیقت کو کیسے جھٹلا سکتا ہوں کہ تمہارا تعلق شہنشاہوں کے شہنشاہ یزدجرد کے عظیم خاندان سے ہے۔ ہم سب تمہارے سامنے حقیر ہیں۔" یہ کہہ کر اسد شیرازی نے سبکتگین کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

سبکتگین بڑی حیرت سے وزیرِ مملکت کو دیکھ رہا تھا۔ یکایک اسد شیرازی جھکا اور اس نے اپنے ہونٹ سبکتگین کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ پھر وہ فریب کار شخص بار بار سبکتگین کے ہاتھوں کو بوسہ دینے لگا۔

سبکتگین چند لمحوں تک تو صورتِ حال کو سمجھ ہی نہیں سکا اور پھر اس نے گھبرا کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

"آپ یہ کیا کر رہے ہیں بزرگ؟" سبکتگین کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات اُبھر آئے تھے۔

"میں ان ہاتھوں کو اپنی آنکھوں اور ہونٹوں سے لگا رہا ہوں جو میرے عقیدے کے مطابق "مقدس ہاتھ" ہیں۔" اسد شیرازی بڑے ریاکارانہ انداز میں بول رہا تھا۔ "شہنشاہ یزدجرد کے خاندان کا ہر فرد

ہمارے لئے اسی طرح مقدس و محترم ہے جیسے آپ۔"

"یہ بت پرستی کی ایک علامت ہے بزرگ!" سبکتگین نے ناگواری کے انداز میں کہا۔

"یہ بت پرستی نہیں، ہماری قومی روایت ہے۔" اسد شیرازی نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "میں اس وقت وزارت کے عہدے پر فائز ہوں اور آپ کو اس ریاست میں بظاہر کوئی مقام حاصل نہیں، مگر پھر بھی میں آپ کا احترام کرتا ہوں۔ محض اس لئے کہ آپ شہنشاہ یزدجرد کی اولاد ہیں اور شہنشاہ یزدجرد، شکست سے پہلے عوام کی نظر میں ایک دیوتا کا درجہ رکھتے تھے۔" اسد شیرازی نے سبکتگین کو متاثر کرنے کے لئے شدید جذباتی منطق پیش کی۔

"بزرگ! آپ ابھی تک وہی مہمل خواب دیکھ رہے ہیں۔" سبکتگین نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "ذرا آنکھیں کھول کر تو دیکھئے! تمام دیوتا ٹوٹ چکے ہیں۔ جب کعبے میں کوئی بت باقی نہیں رہا تو اللہ کی زمین پر بھی کسی بت کو زندہ نہیں رہنا چاہئے۔"

"میں تم سے کسی بحث میں اُلجھنا نہیں چاہتا فرزند!" اسد شیرازی نے کسی قدر بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "کسی انسان کے ہاتھوں کو بوسہ دینا بت پرستی نہیں ہے۔"

"مگر سیّد امیر علی شاہ یہی کہتے ہیں۔" سبکتگین نے اسد شیرازی سے جان چھڑانے کے لئے کہا۔

"یہ امیر علی شاہ کون ہیں؟" اسد شیرازی کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔

سبکتگین نے اختصار کے ساتھ سیّد امیر علی شاہ کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔ "آپ کو بھی میرا یہی مشورہ ہے کہ روایتوں کو ترک کر کے پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جایئے۔"

اسد شیرازی سمجھ چکا تھا کہ سبکتگین کے دل و دماغ مکمل طور پر ایک مذہبی دیوانے، سیّد امیر علی شاہ کے زیرِ اثر آ چکے ہیں۔ اسد شیرازی، مسلمان صوفیوں کو "مذہبی دیوانہ" کہا کرتا تھا۔ مگر اس نے سبکتگین کے سامنے اپنے اس جذبے کا اظہار نہیں کیا۔

"میں خود بھی سیّد امیر علی شاہ جیسے بزرگوں کا احترام کرتا ہوں لیکن ایک گوشہ نشیں مذہبی انسان، سیاست کے پیچ و خم کو نہیں سمجھ سکتا۔" اسد شیرازی نے بڑی ہوشیاری سے منافقت کی قبا پہن لی تھی اور انتہائی ریاکارانہ لہجے میں بول رہا تھا۔ "اگر تم نے ضرورت محسوس کی تو میں تمہیں سیاست کے اسرار و رموز سکھاؤں گا۔ پھر تمہیں اندازہ ہوگا کہ اقتدار حاصل کرنا کس قدر مشکل کام ہے۔"

"میں اپنے آقا کا فرمانبردار ہوں اور اس باغیانہ سوچ کو حرام سمجھتا ہوں۔" سبکتگین کا لہجہ اچانک تند و تیز ہو گیا تھا۔

"یہ بغاوت نہیں، میرے شہنشاہ کی آخری نشانی!" اسد شیرازی نے فوراً نئی کروٹ لی۔ "آپ اس وقت امیر الپتگین کے محبوب ہیں اور یہ بات دوسرے امراء کو پسند نہیں۔ میری شدید خواہش ہے کہ آپ مخالفین کے حسد سے محفوظ رہیں اور میں اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا کہ آپ کے دشمن ہمیشہ کے لئے سرنگوں ہو جائیں۔"

سبکتگین، اسد شیرازی کی باتوں سے بہل گیا اور اسے اپنا ہمدرد سمجھنے لگا۔ سبکتگین کے تاثر کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ امیر الپتگین نے بھی اس سے یہی کہا تھا کہ وہ حاسدوں کی سازشوں سے ہوشیار رہے۔

❀❀❀❀❀

سبکتگین سے رسم و راہ بڑھانے کے بعد اسد شیرازی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ''قوم پرست'' ہونے کے بجائے ایک ''ملت پرست'' نوجوان ہے۔ اپنی اس رائے کا اظہار کرتے ہوئے ایک دن اس نے ارمغانہ سے کہا۔

''بیٹی! اسے ایک مذہبی دیوانے، امیر علی شاہ نے گمراہ کر دیا ہے۔ وہ اپنے بزرگوں کے مذہب کو یکسر فراموش کر چکا ہے اور قبائلی نظام سے کٹ کر بہت دُور جا چکا ہے۔'' اسد شیرازی، بیٹی کی موجودگی میں بھی شراب پی رہا تھا اور اس کی راز دار کنیز، ناہید بار بار خالی جام لبریز کر رہی تھی۔

''پھر بابا جان! آپ کا کیا حکم ہے؟'' ارمغانہ نے بڑی بے تکلفی کے ساتھ باپ سے پوچھا۔ ایک مخصوص تربیت کے سبب ارمغانہ مشرقی تہذیب کے دائرے سے نکل کر بے حیائی کے راستے پر گامزن ہو چکی تھی۔

''اب اُس کی تباہی پہلے سے زیادہ ضروری ہو گئی ہے۔'' اسد شیرازی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''اگر وہ برسرِ اقتدار آ گیا تو ہمارے مقصد کو بہت زیادہ نقصان پہنچے گا۔''

''مگر آپ یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ اسے یقینی طور پر اقتدار حاصل ہو جائے گا؟'' ارمغانہ شیرازی بڑی ذہانت کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

''وہ الپتگین کا اعتبار حاصل کر چکا ہے۔'' اسد شیرازی نے کہا۔ ''اور یہی وہ علامت ہے، جو اُس کے بہتر مستقبل کی طرف نشاندہی کر رہی ہے۔ اگر وہ براہِ راست مسندِ اقتدار تک نہیں پہنچ سکا، تب بھی بساطِ سیاست کا ایک طاقتور مہرہ بن کر ضرور اُبھرے گا۔ اور یہ بات کسی طرح بھی ہمارے حق میں مفید ثابت نہیں ہوگی۔''

''تو پھر کیا ہوگا، بابا؟'' ارمغانہ شیرازی اُٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگی۔ ''پھر کیا ہوگا؟'' ارمغانہ پر وحشت سی طاری تھی۔ سبکتگین کے معاملے میں احساسِ شکست نے اُسے ایک خوفناک ذہنی عذاب سے دوچار کر دیا تھا۔

''وہ کسی حد تک میرے قریب آ گیا ہے۔'' اسد شیرازی نے نشے سے بوجھل آنکھیں اوپر اُٹھائیں اور ناہید کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''اسے کیف و نشاط کی زندگی سے روشناس کرانا ہوگا۔ ابھی وہ ایک وحشی شیر کے مانند ہے۔ ہمیں اس دن کا انتظار کرنا ہوگا، جب یہ شیر ہمارے بنائے ہوئے آہنی پنجرے میں داخل ہو جائے۔ پھر آہستہ آہستہ اس کی عادت بدل جائے گی۔''

اس کے بعد اسد شیرازی نے ناہید اور ارمغانہ کو اپنا منصوبہ سمجھایا، جسے سن کر ناہید گہری سوچ میں ڈوب گئی...... اور ارمغانہ شیرازی خوشی سے جھومنے لگی۔

✽✽✽✽✽

اب سبکتگین باقاعدگی سے اسد شیرازی کے گھر جانے لگا تھا۔ اسد شیرازی اس طرح اُس کا استقبال کرتا، جیسے وہ کسی حکمران کے حضور آداب پیش کر رہا ہو۔ تقریباً روزانہ پُرتکلف دعوتیں ہوتیں اور سیاست کے موضوع پر کئی کئی گھنٹے تک گفتگو ہوتی رہتی۔ اس دوران اسد شیرازی بڑی ہوشیاری سے ایرانی شہنشاہوں کی بہادری اور شان و شوکت کے قصے بیان کرتا۔ سبکتگین کو شروع میں ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، مگر جب بار بار کہا گیا کہ وہ شہنشاہ یزدجرد کی اولاد ہے تو اُسے بھی اپنی غلامی کے احساس سے

گھٹن ہونے لگی۔ اسد شیرازی، سبکتگین کے بدلتے ہوئے تاثرات کا بغور جائزہ لیتا اور دل ہی دل میں اپنی کامیابی پر خوش ہوتا کہ اس کی پُرزور تقریروں سے ایک مضبوط چٹان میں ہلکی ہلکی دراڑیں پڑنے لگی ہیں۔

ان مخصوص تقریبات میں اسد شیرازی کے ساتھ اُس کی بیٹی ارمغانہ اور کنیز ناہید بھی شریک ہوتیں۔

سبکتگین نے پہلی بار ارمغانہ کو اتنے قریب سے دیکھا تھا۔ وہ ایک فتنہ انگیز حُسن رکھنے والی دوشیزہ تھی۔

سبکتگین نے اس حقیقت کو بڑی شدت سے محسوس کیا، مگر اُس کے جذبات میں کوئی ہلچل پیدا نہیں ہوئی۔

جب تکلفات کی دیواریں آہستہ آہستہ گرنے لگیں تو اسد شیرازی نے ناہید کو حکم دیا۔

''اب اس نوجوان کے ہونٹ شراب سے تر کر دے۔ تاکہ ہم اپنی منزل کی طرف دوسرا قدم اُٹھا سکیں۔''

پھر جب سبکتگین کے سامنے شراب کی صراحی لائی گئی تو اس کے چہرے پر سخت ناگواری کا رنگ اُبھر آیا۔

''نہیں بزرگ! میں اس جنسِ حرام کو اپنے ہونٹوں کے قریب نہیں لا سکتا۔''

''فرزند! یہ تو شاہوں کا مشغلہ ہے۔'' اسد شیرازی نے بے تکلفی کے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''شاہوں کا مشغلہ ہو سکتا ہے، مگر مسلمانوں کا نہیں۔'' سبکتگین نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ ''اور پھر ایک سپاہی کے لئے تو یہ شے حرام تر ہے۔''

سرکاری طور پر اس وقت شراب نوشی ممنوع تھی مگر کچھ امراء اپنی اپنی خلوتوں میں اس نشہ آور شے کو منہ لگا لیا کرتے تھے۔

''شاباش فرزند!'' اسد شیرازی نے مکار لومڑی کی طرح نئی چال چلی۔ ''میں تو تمہیں آزما رہا تھا۔ بے شک! تم ایک مضبوط کردار کے نوجوان ہو...... میں بھی ذاتی طور پر شراب کو ناپسند کرتا ہوں مگر ایک غم مجھے جینے نہیں دیتا...... اور اسی غم کو بھلانے کے لئے صراحی و جام کا سہارا لیتا ہوں۔''

''کیسا غم؟'' سبکتگین نے چونک کر پوچھا۔

''میری بیس اولادیں ہیں، مگر سب کی سب لڑکیاں ہیں۔'' اچانک اسد شیرازی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ''میرا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ میں عنقریب بے نشان ہو جانے والا ہوں۔ کل میری قبر پر کوئی چراغ جلانے والا نہیں ہوگا۔''

اسد شیرازی نے اپنی شراب نوشی کا ایسا جواز پیش کیا کہ سبکتگین کے دل میں نفرت پیدا ہونے کے بجائے کسی قدر ہمدردی کے جذبات اُبھرنے لگے۔

''میں، آپ کے غم کی شدت کو سمجھتا ہوں۔'' اسد شیرازی کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر سبکتگین کے لہجے سے بھی اُداسی جھلکنے لگی تھی۔

''فرزند! میری اور تمہاری خاندانی حیثیت میں بڑا فرق ہے۔'' اسد شیرازی کے آنسوؤں میں مزید روانی آ گئی۔ ''اگرچہ تم شاہوں کی اولاد ہو لیکن میں اسی محرومی کے سبب تمہاری شکل میں اپنے بیٹے کا عکس دیکھ لیتا ہوں۔'' اسد شیرازی نے بڑی فریب کاری کے ساتھ سبکتگین کی قربت حاصل کر لی تھی اور اب وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔

سبکتگین بھی کسی حد تک ارمغانہ کے حُسن سے متاثر ہو چلا تھا۔ مگر اسد شیرازی کی بے حجاب بیٹی اپنے

جذبات پر قابو نہیں رکھ سکی تھی۔ سبکتگین کے مردانہ حُسن نے اسے اس قدر وارفتہ کر دیا تھا کہ وہ کئی بار شرم و حیا کے دائرے سے نکل کر اپنے عشق کا اظہار کر چکی تھی...... اور یہ بات سبکتگین کو سخت ناپسند تھی۔

اسی دوران ایک روز ناہید، سبکتگین سے تنہائی میں ملی اور کسی تمہید کے بغیر کہنے لگی۔ ''آپ میرے آقا کے یہاں آنا جانا ترک کر دیں۔''

''کیوں؟'' سبکتگین نے حیران ہو کر پوچھا۔

''یہی آپ کے حق میں بہتر ہے۔'' ناہید نے کہا۔ ''ورنہ آپ بہت جلد گمراہ ہو جائیں گے۔ اسد شیرازی آپ کو ایک نئے فتنے میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔''

''کیسا فتنہ؟'' سبکتگین کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔

''اسد شیرازی کی خواہش ہے کہ وہ آپ سے اپنی بیٹی ارمغانہ کی شادی کر دے۔'' ناہید نے کہا اور تھکے تھکے قدموں سے واپس جانے لگی۔

''کل تک تم اپنی آقا زادی کی وکالت کر رہی تھیں، مگر آج......'' سبکتگین نے ناگوار لہجے میں کہا۔ ''کیا تم ایک ناقابلِ اعتبار عورت نہیں ہو؟''

''یقیناً! میں اس سے بھی بری عورت ہوں...... مگر خدا کے لئے، آپ ارمغانہ سے شادی نہ کرنا۔'' یہ کہہ کر ناہید چلی گئی۔

سبکتگین کا ذہن اُلجھ کر رہ گیا۔ وہ خود بھی ارمغانہ جیسی بے باک لڑکی سے شادی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ مگر اُسے ناہید کے طرزِ عمل پر شدید حیرت تھی۔ وہ ایک کنیز کی بغاوت کا سبب جاننا چاہتا تھا۔ آخر ناہید کو ایک اجنبی کی ذات سے اتنی دلچسپی کیوں تھی؟ سبکتگین بار بار اپنے آپ سے یہ سوال کر رہا تھا، مگر اُس کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اب ناہید اُس کے لئے ایک پُراسرار شخصیت بن کر رہ گئی تھی۔ سبکتگین اس معمے کو حل کرنے کی غرض سے اسد شیرازی کے یہاں مسلسل جاتا رہا۔

❋❋❋❋❋

ارمغانہ اسی انداز میں سبکتگین کا تعاقب کر رہی تھی اور سبکتگین اپنا دامن بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ناہید کی پُراسرار گفتگو کے بعد وہ بہت زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔ بالآخر ایک دن اسد شیرازی نے اس سے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم میری بیٹی ارمغانہ سے شادی کر لو۔ اس طرح مجھے وہ فرزند حاصل ہو جائے گا، جس کے انتظار میں میری آنکھیں تھک چکی ہیں۔''

اب سبکتگین کو ناہید کی باتوں پر یقین آ گیا تھا۔ اس نے اسد شیرازی سے صاف انکار کر دیا۔

''میں شادی کے سلسلے میں اپنی مرضی کا مالک نہیں ہوں۔ آپ امیر الپتگین سے گفتگو کریں۔ اگر وہ مجھے حکم دیں گے تو میں بخوشی اس رشتے کو قبول کر لوں گا۔''

امیر الپتگین کا نام سن کر سبکتگین کی آنکھوں سے اسد شیرازی کے چہرے کی اُڑی ہوئی رنگت پوشیدہ نہ رہ سکی۔

''نہیں! امیر سے اس بات کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اسد شیرازی بدحواس نظر آ رہا تھا۔ ''مجھے کوئی خاص جلدی نہیں۔ تم اس رشتے پر غور کر لو۔ اگر تم نے ارمغانہ کو قبول کر لیا تو میری دولت اور

اقتدار تمہارے بہت کام آئیں گے۔''

''میں آپ پر اپنا نظریہ ظاہر کر چکا ہوں۔ میری مجبوریوں کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔'' سبکتگین نے اپنے انکار کا ایک معقول جواز تلاش کر لیا تھا۔

اس کے بعد سبکتگین بہت دیر تک اسد شیرازی کے یہاں بیٹھا رہا۔ اُس کی نظریں بار بار ناہید کو تلاش کر رہی تھیں۔ سبکتگین، ناہید سے مل کر اسد شیرازی کے منصوبے کی تفصیلات معلوم کرنا چاہتا تھا، مگر ناہید اُس کے سامنے نہیں آئی اور وہ مجبوراً اُٹھ کر چلا گیا۔

سبکتگین کے جاتے ہی اسد شیرازی نے ناہید کو طلب کیا اور ارمغانہ کے سامنے اپنی کنیز کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''سبکتگین میری توقعات سے زیادہ ہوشیار نکلا۔ وہ ارمغانہ کے ساتھ شادی پر رضامند نہیں ہے۔''

ناہید نے اطمینان کی سانس لی مگر ظاہری طور پر اس نے افسوس کا اظہار کیا۔

''مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ امیر سے میری سازش کا ذکر نہ کر دے۔'' اسد شیرازی بہت گھبرا رہا تھا اور اپنی بدحواسی پر قابو پانے کے لئے شراب کے کئی لبریز پیالے پی چکا تھا۔ ''اس سے پہلے کہ سبکتگین کے ہونٹوں کو جنبش ہو، میں چاہتا ہوں کہ اس کی زبان ہمیشہ کے لئے بند کر دی جائے۔ ناہید! تُو اُسے زہر دے دے۔''

ناہید کو یوں محسوس ہوا، جیسے اُس کے سر پر آسمان ٹوٹ کر گر پڑا ہو۔ وہ کچھ دیر کے لئے سکتے میں آ گئی اور اُس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔

''ہاں بابا! اب میں بھی اُسے اذیت ناک موت کا شکار دیکھنا چاہتی ہوں۔'' اسد شیرازی کی بات سن کر ارمغانہ چیخ اُٹھی۔ ''اُس نے مجھے بہت ذلیل کیا ہے اور کنیزوں کی طرح ٹھکرایا ہے۔''

''ہوش میں رہو۔ یہ وقت چیخنے کا نہیں۔'' اسد شیرازی نے ارمغانہ کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔ ''میں یہ سب کچھ تمہارے ہی لئے کر رہا ہوں۔''

اتنی دیر میں ناہید سنبھل چکی تھی۔ ''نہیں آقا! میں اُسے زہر نہیں دے سکتی۔''

''کیا تُو بھی اُس غلام زادے کے حُسن کا شکار ہو چکی ہے؟'' اسد شیرازی کسی زخمی درندے کی طرح دھاڑا۔

''میں نے آپ کے اشارے پر کئی بے گناہ تاجروں کا قتل کیا ہے، جب کہیں آپ یہ اعلیٰ مقام حاصل کر سکے ہیں۔'' ناہید بڑے بے باک لہجے میں بول رہی تھی۔ ''میں نے کتنے بااثر امیروں کو اپنے ناز و ادا کی رشوت پیش کی ہے، پھر کہیں جا کر آپ کو وزیرِ مملکت کا درجہ حاصل ہو سکا ہے۔ اب میں اپنی اس گناہ گارانہ زندگی سے تنگ آ چکی ہوں۔ مجھے سبکتگین سے محبت ہے اور میں اسے اپنے ہاتھوں سے قتل نہیں کر سکتی۔'' یہ کہہ کر ناہید رونے لگی۔

اپنی کنیز کی زبان سے اقرارِ محبت سن کر ارمغانہ شیرازی پاگل سی ہو گئی۔ اس نے دیوانہ وار ناہید کے منہ پر کئی طمانچے مارے۔ بالآخر اسد شیرازی نے مداخلت کی اور اپنی بیٹی کو ہاتھ پکڑ کر کمرے سے باہر نکال دیا۔

''تُو نے یہ بات مجھ سے کیوں چھپائی ناہید؟'' یکایک اس عیار انسان نے ایک اور رنگ بدلا۔

"مجھے اس کے کردار نے بہت متاثر کیا ہے آقا!" ناہید ہچکیوں سے رونے لگی۔ "گناہوں کی اس تاریک وادی میں سبکتگین نے مجھے نئی روشنی دکھائی ہے۔ آپ بھی منافقت ترک کر دیجئے۔ آقا! خدا سب کچھ دیکھ رہا ہے۔"

"تجھے یہ نئی روشنی مبارک ہو، ناہید!" اسد شیرازی نے اثر انگیز لہجے میں کہا۔ "آج میں بھی تمام گناہوں سے تائب ہوتا ہوں۔"

ناہید کے چہرے کی شادابی واپس لوٹ آئی۔ اس نے غلامی کی رسم کے مطابق گھٹنوں کے بل جھک کر اسد شیرازی کے پیروں کو چھوا اور اپنے کمرے میں واپس چلی گئی۔

پھر اسی رات ناہید کو کھانے میں زہر دے دیا گیا۔ جب وہ خوب صورت کنیز ایڑیاں رگڑ رگڑ کر...... اور خون تھوک تھوک کر مرگئی تو اسد شیرازی نے اُس کے مُردہ جسم پر ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ "اہرمن کا کرم ہے کہ اس نے مجھے بروقت خبردار کر دیا۔ ورنہ یہ نمک حرام عورت تو میرے تمام رازوں کو فاش کر دیتی۔"

سبکتگین نے بڑے کرب کے ساتھ ناہید کی موت کی خبر سنی۔ اسد شیرازی بھی بہت اُداس نظر آ رہا تھا۔ اس نے سبکتگین کو بتایا۔ "پتہ نہیں، ناہید کو کون سا غم اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا کہ اس نے مجھ سے بھی کوئی ذکر نہیں کیا۔ اور چپ چاپ خودکشی کر لی۔ بہت وفادار کنیز تھی۔" اسد شیرازی، ریاکاری کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے آنسو بہا رہا تھا۔

سبکتگین کو اسد شیرازی کی باتوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ اس کے ذہن میں مختلف اندیشے اُبھر رہے تھے۔ مگر وہ حقیقت تک پہنچنے سے قاصر تھا۔ پھر آہستہ آہستہ یہ خیال جڑ پکڑنے لگا کہ ناہید کو قتل کیا گیا ہے۔ وہ یقیناً اسد شیرازی کے کسی راز سے باخبر ہو گئی تھی۔ اور اسی راز کی پردہ پوشی کے لئے ناہید کو قتل کر دیا گیا تھا۔

سبکتگین اس راز کو جاننے کے لئے بے چین تھا۔ مگر بہت دیر ہو چکی تھی۔ ناہید اس راز کو سینے میں چھپائے ہوئے زیرِ خاک سو گئی تھی۔ پھر بھی اس نے جاتے جاتے اسد شیرازی کی پُراسرار شخصیت کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔ سبکتگین، اسد شیرازی کے نظریات سے تو واقف نہیں ہو سکا تھا، لیکن ناہید کی چند مبہم باتوں سے اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ یہ مالدار تاجر اور وزیرِ مملکت، اس کا دوست نہیں ہو سکتا۔ پھر ارمغانہ کا رشتہ قبول نہ کرنے کے بعد تو اسد شیرازی سے کسی نیکی کی توقع رکھنا دنیا کی سب سے بڑی حماقت ہوگی۔ نتیجتاً سبکتگین نے اسد شیرازی کے یہاں آنا جانا ترک کر دیا۔ کبھی کبھی دربار میں ملاقات ہوتی تو وہ مصلحتاً اُسے سلام کر لیتا۔ سبکتگین بظاہر اسد شیرازی کی دشمنی مول لینا نہیں چاہتا تھا۔

ناہید کے لئے سبکتگین کے دل میں ایک نرم گوشہ موجود تھا۔ اس لئے وہ کبھی کبھی اس مقتول کنیز کی قبر پر چلا جاتا اور فاتحہ خوانی کرتا۔ "اے خدا! اس جانِ بے قرار کو سکون دے اور مرنے والی کے گناہوں کو بخش دے۔ اس مظلوم عورت نے مجھے ایک فتنے سے بچانے کی کوشش کی تھی۔ تُو اسے اس کی جزا دے۔ یہ تیرا حقیر و عاجز بندہ سبکتگین اس سلسلے میں بہت مجبور ہے۔ کاش! میں ناہید کی کوئی مدد کر سکتا اور اسے اسد شیرازی کے نظر نہ آنے والے مظالم سے محفوظ رکھ سکتا۔"

ناہید کے انتقال کے بعد ایک رات سبکتگین نے سیّد امیر علی شاہ مجذوب کو خواب میں دیکھا۔ سیّد بہت زیادہ برہم نظر آ رہے تھے۔ "سبکتگین! تُو نے آنکھیں بند کر لی ہیں اور زندگی کے ناہموار راستوں پر

پاگلوں کی طرح دوڑ رہا ہے۔ کسی دن ایسی ٹھوکر کھا کر گرے گا کہ پھر دوبارہ نہیں اُٹھ سکے گا۔ یہاں کوئی تیرا دوست نہیں ہے۔ اگر اللہ اُس ایرانی کنیز کے دل میں اپنا خوف نہ ڈال دیتا تو اب تک تیرا کام تمام ہو چکا ہوتا۔"

سبکتگین کی آنکھ کھلی تو اُس کا پورا جسم پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ اب اُس کی سمجھ میں آ چکا تھا کہ "اندر کے بتوں" سے سیّد کی کیا مراد ہے؟ یہ اندر کے بت، انسان کی نفسانی خواہشات ہیں۔ سبکتگین نے سوچا۔ وہ خود بھی اسد شیرازی کی خوشامدانہ باتوں اور ارمغانہ کے حُسن کے دام میں گرفتار ہوتے ہوتے بچا تھا۔ سبکتگین بہت دیر تک اپنے آپ کو ملامت کرتا رہا۔ پھر اس نے نصف شب کے بعد وضو کیا اور فجر کی اذان تک اپنے رب کے حضور رہا اور مسلسل دعا کرتا رہا۔

"اے بے پناہ لازوال قدرت وقوت کے مالک! اپنے اس حقیر و ناتواں بندے، سبکتگین کی رہنمائی اور مدد فرما۔ اگر تُو نے مجھے ایک لمحے کے لئے بھی اپنے سایۂ کرم سے دُور کر دیا تو میں ہلاک ہو جاؤں گا۔"

✿✿✿✿✿

خواب کی حالت میں سیّد امیر علی شاہ کی تنبیہ کے بعد سبکتگین، اسد شیرازی کی پُراسرار شخصیت کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر اسد شیرازی ایک بااثر انسان تھا۔ اُس نے اپنے چہرے پر کئی نقاب ڈال رکھے تھے۔ اس لئے سبکتگین کی ساری کوششیں رائیگاں گئی تھیں۔

دوسری طرف اسد شیرازی بھی سبکتگین کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ اُس نے امیر الپتگین کے غلام کو ذلیل و رُسوا کرنے کے لئے ایک نیا منصوبہ تراشا اور پھر ایک دن غزنی کے دربار میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اسد شیرازی کی ایک اور خوب صورت کنیز نے امیر الپتگین سے فریاد کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کے غلام سبکتگین نے مجھ سے شادی کا وعدہ کر کے میری عزت کے پیرہن پر گناہ کی سیاہی مل دی۔ اور اب وہ اپنے وعدے سے انحراف کر رہا ہے۔ امیر! ایک مظلوم دوشیزہ کے ساتھ انصاف کیجئے۔"

اس مقدمے کے پیش ہوتے ہی امیر الپتگین کی عدالت میں زلزلہ سا آ گیا۔

"تُو نے میرے اعتبار کا خون کر دیا، سبکتگین!" شدتِ جذبات سے امیر کی آواز لرز رہی تھی۔

"خدا مجھے اُس دن کو زندہ نہ رکھے امیر! جب میں آپ کے اعتبار کا قاتل کہلاؤں۔" سبکتگین بھری عدالت میں رونے لگا۔ "میں اس دوشیزہ کو جانتا تک نہیں ہوں۔"

"ایک حیادار خاتون، گھر کی چار دیواری سے نکل کر عدالت تک اسی وقت آتی ہے، جب ظلم کی خونخوار موجیں اُس کے سر سے گزر جاتی ہیں۔" امیر الپتگین، قہرناک لہجے میں بول رہا تھا۔ "بے شک تُو مجھے اپنے فرزند ابواسحٰق کی طرح محبوب ہے، مگر خدائے واحد کی قسم! میں انصاف کے راستے میں کسی نسبت اور کسی حوالے کو تسلیم نہیں کروں گا۔"

"اس دریدہ دہن عورت کے پاس کیا ثبوت ہے کہ میں نے اس سے کوئی وعدہ کیا تھا؟" سبکتگین نے اپنے دفاع کی آخری کوشش کرتے ہوئے کہا۔

جواب میں اسد شیرازی کی پانچ کنیزوں نے روشن آرا کے حق میں شہادت پیش کرتے ہوئے کہا۔

"امیر! ہم یہ تو نہیں جانتے کہ اس شخص نے روشن آرا سے کیا وعدہ کیا تھا، مگر ہماری آنکھوں نے یہ منظر بار ہا دیکھا ہے کہ سبکتگین ہمارے آقا کے یہاں صرف روشن آرا سے ملنے آتا تھا۔"

پورے دربار پر سناٹا چھا گیا اور سبکتگین کے چہرے سے وحشت برسنے لگی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کے خلاف کی جانے والی سازش کی جڑیں اتنی گہری ہو سکتی ہیں۔

اسد شیرازی کو عدالت میں طلب کیا گیا تو اُس نے اس واقعے سے اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''میں سبکتگین کی خاطر مدارات محض اس لئے کرتا تھا کہ وہ امیر کی پسندیدہ شخصیت ہے۔ اس کے سوا مجھے کچھ معلوم نہیں۔ اگرچہ میری کنیزیں، روشن آرا کے حق میں گواہیاں پیش کر رہی ہیں، لیکن میں ذاتی طور پر سبکتگین کو بے گناہ تصور کرتا ہوں۔ میری نظر میں وہ ایک باکردار نوجوان ہے۔ میں کسی بھی حال میں اس شخص سے اتنی رکیک حرکت کی توقع نہیں کر سکتا۔''

اسد شیرازی کا بیان عجیب وغریب تھا۔ عدالت میں موجود کوئی فرد سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وزیر مملکت اس قدر گہری چال چلے گا۔ ایک طرف اس نے اپنی کنیزوں کو حکم دیا کہ وہ سبکتگین کے لباس پر گناہوں کی کیچڑ مل دیں اور دوسری طرف خود گواہی دی کہ سبکتگین بے قصور ہے۔

دراصل اسد شیرازی، سبکتگین سے خائف رہتا تھا کہ کہیں وہ ارمغانہ کی شادی کے منصوبے کو امیر الپتگین کے سامنے ظاہر نہ کر دے۔ اس لئے مجبوراً اُس نے بھری عدالت کے سامنے سبکتگین کی معصومیت پر اپنی شہادت پیش کی۔ ویسے اسد شیرازی جانتا تھا کہ اس بار سبکتگین اس کے بچھائے ہوئے جال میں اوندھے منہ گرے گا اور ہمیشہ کے لئے ایک ذلیل وخوار قیدی بن جائے گا۔

سبکتگین حیران و پریشان کھڑا تھا۔ کبھی وہ اسد شیرازی کی طرف دیکھتا، جس کی آنکھوں میں اس کے لئے گہری ہمدردی کے جذبات نمایاں تھے اور کبھی ان کنیزوں کی طرف دیکھتا، جو اپنے آقا کے بیان کی نفی کر رہی تھیں۔

اسد شیرازی خاموش ہوا تو امیر الپتگین اپنے غلام سبکتگین سے مخاطب ہوا۔

''ہم تجھے صرف ایک رات کی مہلت دیتے ہیں کہ تُو اپنے اس گناہ کا کفارہ ادا کر سکے۔ اگر تُو نے حیلہ باز اور جھوٹے انسانوں کی طرح اس مظلوم عورت، روشن آرا کو پہچاننے سے انکار کیا تو کل ہم اپنا فیصلہ سنا دیں گے جو کسی بھی صورت میں تجھے پسند نہیں آئے گا۔ بہتر یہی ہے کہ تُو اعلیٰ ظرف لوگوں کے مانند اپنی اس لغزش کو تسلیم کر لے اور اس عورت کو اس کا حق دیدے، جو تیری جذباتی وحشت کا شکار ہوئی ہے۔''

❋❋❋❋❋

سبکتگین رات بھر سو نہیں سکا۔ اس کا نرم وگداز بستر، آتشیں کانٹوں میں تبدیل ہو گیا تھا۔ پھر صبح کے قریب کچھ دیر کے لئے اُس کی آنکھ لگی تو سبکتگین نے ایک بار پھر سیّد امیر علی شاہ کو خواب میں دیکھا۔

''سیّد! میں بے قصور ہوں۔'' سبکتگین، امیر علی شاہ کے قدموں سے لپٹ کر رونے لگا۔

''اُٹھ فرزند!'' امیر علی شاہ نے سبکتگین کے دونوں بازو پکڑ کر اوپر اٹھایا اور مسکراتے ہوئے بولے۔

''یہ بہت چھوٹے چھوٹے بت ہیں، جو تیرا راستہ روکے کھڑے ہیں۔ انہیں پاؤں کی ٹھوکر سے ہٹا دے۔ ابھی تو تجھے بڑے بڑے بتوں کا سامنا کرنا ہے۔ پریشان نہ ہو۔ کل وہ فریب کار عورت تیرے خلاف گواہی نہیں دے گی۔ بے جھجک الپتگین کی عدالت میں داخل ہو اور گردن اُٹھا کر بات کر۔''

سبکتگین کی آنکھ کھلی تو وہ بستر کے بجائے فرش پر لیٹا ہوا تھا۔ سیّد کی باتوں سے اُس کا بے قرار دل

ٹھہر سا گیا تھا۔ مگر پھر بھی ایک بے یقینی کی کیفیت اُسے پریشان کر رہی تھی کہ یہ ایک خواب ہے اور خواب بے حقیقت بھی ہوتے ہیں۔ غرض اسی کشمکش میں سبکتگین نے نمازِ فجر ادا کی اور بہت دیر تک اپنے خالق کے حضور سر جھکائے، عافیت کی دعائیں مانگتا رہا۔

❋❋❋❋❋

دوسرے دن عدالت آراستہ ہوئی تو سب کچھ بدل چکا تھا۔

''امیر! میں ایک بار پھر اس عورت کی زبانی اپنے گناہ کی تفصیل سننا چاہتا ہوں۔''

حاضرین، سبکتگین کی اس جرأت پر حیران رہ گئے۔ کل جو شخص، مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑا تھا، آج اُس کے چہرے پر طمانیت اور سکون کی گہری جھلک موجود تھی، جیسے وہ یکسر بے گناہ ہو اور کنیز روشن آرا نے قصداً اُس پر تہمت لگائی ہو۔

روشن آرا ایک بار پھر امیر الپتگین کے سامنے آئی، مگر جیسے ہی اُس نے سبکتگین کی طرف دیکھا، وہ شدتِ خوف سے کانپنے لگی۔ ''امیر! یہ شخص بے قصور ہے۔'' روشن آرا نے لرزتی آواز میں کہا۔

عدالت پر موت کا سا سناٹا چھا گیا۔ اور اسد شیرازی کا چہرہ دھواں دھواں نظر آنے لگا۔

''امیر! حقیقت صرف اتنی ہے کہ میں سبکتگین کی محبت میں مبتلا ہوں۔ مگر اس نے کبھی میری طرف توجہ نہیں کی۔ پھر میرے دل نے مجھے گناہ کا راستہ دکھایا کہ میں اس طرح سبکتگین کو حاصل کر لوں یا الزام تراشی کر کے اپنی ناکام محبت کا انتقام لے لوں۔ اس میں کسی کا کوئی قصور نہیں۔ بس ایک میں ہی گناہ گار ہوں۔ امیر جو چاہیں، مجھے سزا دیں۔''

اسد شیرازی نے اطمینان کا سانس لیا۔ روشن آرا نے اسے بڑی خوبصورتی سے بچا لیا تھا۔ مگر اسد شیرازی کو اس بات پر شدید حیرت تھی کہ روشن آرا نے اپنا بیان کیوں بدل دیا؟

امیر الپتگین کا اُداس چہرہ خوشی سے دمک اُٹھا اور وہ شدتِ جذبات سے بے قرار ہو کر مسندِ انصاف پر کھڑا ہو گیا۔ کنیز روشن آرا کو اس تہمت تراشی پر تازیانوں کی سزا سنائی گئی۔ مگر سبکتگین نے درمیان میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ ''امیر! یہ کمزور عورت ہے، جو اپنے جذبات سے مغلوب ہو گئی تھی۔ مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں۔ میں اسے معاف کرتا ہوں۔ براہِ کرم آپ بھی معاف فرما دیں۔''

امیر الپتگین اپنے غلام کی اس اعلیٰ ظرفی سے بہت متاثر ہوا۔ ''سبکتگین! تُو نے میرے اعتبار کی آبرو رکھ لی۔'' امیر بھری عدالت میں سبکتگین کو گلے لگا کر رونے لگا۔

''میں کس لائق ہوں امیر!'' سبکتگین کی آنکھیں بھی اشکوں سے لبریز تھیں۔ ''یہ تو میرے خدا کا کرم ہے، جو ہر بار مجھے دنیا کے فتنوں سے محفوظ رکھتا ہے۔''

❋❋❋❋❋

اسد شیرازی اپنی کنیز روشن آرا پر بہت برہم نظر آ رہا تھا۔ مگر روشن آرا نے اُسے بتایا کہ وہ اپنا بیان بدلنے پر مجبور تھی۔

''میرے قریب ایک بوڑھا شخص، بے نیام شمشیر لئے ہوئے کھڑا تھا۔ اور بار بار مجھ سے کہہ رہا تھا کہ اگر تُو نے سبکتگین کی بے گناہی پر شہادت نہیں دی تو میں اسی تلوار سے تیری شہ رگ کاٹ دوں گا۔''

''مگر میں نے تو کسی ایسے بوڑھے شخص کو نہیں دیکھا۔'' اسد شیرازی یکایک پریشان نظر آنے لگا۔

"یزداں کی قسم! وہ رات بھر میرے کمرے میں رہا۔" روشن آرا کا پورا جسم اب بھی خوف سے کانپ رہا تھا۔ "پھر وہ میرے ساتھ عدالت تک چلا آیا۔ مجھے حیرت تھی کہ اسے کسی دربان نے نہیں روکا۔ اور کسی پہرے دار نے اس سے نہیں پوچھا کہ وہ بے نیام شمشیر لے کر عدالت میں کیوں جا رہا ہے؟"

اسد شیرازی نے اپنی کنیز روشن آرا کے بیان کردہ واقعہ کو بڑی حیرت سے سنا اور چند لمحوں کے لئے اس کے تصور میں سیّد امیر علی شاہ مجذوب کا فرضی چہرہ اُبھر آیا۔

"شاید یہ مذہبی دیوانہ اپنی شعبدہ بازیوں سے سبکتگین کو بچانے کی کوشش کر رہا ہے۔ مگر کب تک؟...... لازوال آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کی قسم! میں اسد شیرازی ہوں۔ اس غلام زادے کو معاف نہیں کروں گا۔"

سبکتگین، روشن آرا کے تراشے ہوئے الزام سے بری ہو چکا تھا، مگر پھر بھی اس کے دل میں ایک عجیب سی خلش تھی۔ اور یہی خلش اُسے جنگل جنگل لئے پھرتی تھی۔ وہ اپنا بیشتر وقت سیر و شکار میں گزارتا تھا۔

ایک دن اُس نے دیکھا کہ ایک ہرنی اپنے بچے کے ساتھ جنگل میں گھاس چر رہی ہے۔ سبکتگین نے ہرنی کے پیچھے اپنا گھوڑا ڈال دیا۔ اس تعاقب میں ہرنی تو اس کے ہاتھ نہ آسکی، مگر ہرنی کا بچہ زیادہ دُور تک نہ دوڑ سکا۔ سبکتگین نے اسے پکڑ لیا اور محل کی طرف روانہ ہوا۔ دو تین فرسنگ کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اچانک سبکتگین نے پلٹ کر دیکھا۔ ہرنی اُس کے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔ سبکتگین نے گھوڑے کی لگامیں کھینچ لیں۔ ہرنی بھی کچھ فاصلے پر رک گئی۔ معصوم جانور کی آنکھوں میں اپنے بچے کے بچھڑنے کا غم اس طرح جھلک رہا تھا کہ سبکتگین جیسا شکاری بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے بچے کو چھوڑ دیا۔ پھر سبکتگین کی آنکھوں نے بڑا عجیب منظر دیکھا۔ ہرنی، بچے کو پیار کرتے ہوئے بار بار سبکتگین کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس منظر کو دیکھ کر سبکتگین کے جسم کا رُواں رُواں بھی کھڑا ہو گیا۔ پھر ہرنی چلی گئی۔

اسی رات سبکتگین نے پیغمبرِ اسلام ﷺ کو خواب میں دیکھا۔

سرورِ کونین ﷺ فرما رہے تھے۔ "سبکتگین! تُو نے جس طرح ایک جانور پر رحم کھایا ہے، وہ اللہ کی بارگاہ میں بہت مقبول ہوا ہے۔ آئندہ بھی اللہ کی مخلوق سے اسی صلۂ رحمی کے ساتھ پیش آنا۔ عنقریب تجھ پر آسمانوں سے رحم و کرم کی بارش ہوگی۔"

سبکتگین کی آنکھ کھلی تو وہ اس خواب کو یاد کر کے زار و قطار رونے لگا۔ ایک جانور پر رحم کھانے کے بدلے میں اُسے رسالت مآب ﷺ کی زیارت ہوئی تھی۔ زیارت کا وہ اعزاز، جسے حاصل کرنے کے لئے ایک مسلمان زندگی بھر تڑپتا رہتا ہے۔

اس خواب کے کچھ دن بعد ہی غزنی کی جنگ میں سبکتگین کو پورے لشکر کا امیر بنا دیا گیا۔ اسد شیرازی نے یہ خبر سنی تو اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ باپ کے اشارے پر ارمغانہ ایک بار پھر تنہائی میں سبکتگین سے ملی اور اسے نیا عہدہ و منصب حاصل کرنے پر مبارکباد دیتے ہوئے بولی۔

"سبکتگین! میں بھی زندگی کی اس جنگ میں تمہارے دوش بہ دوش لڑنا چاہتی ہوں۔ یہ میری سب سے بڑی خواہش ہے۔ کاش! تم ایک بار دل کی آنکھوں سے میری طرف دیکھو۔"

"میرا دل، پتھر کا ہے ارمغانہ!" سبکتگین نے اسی بے رُخی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے معاملے میں پیدائشی اندھا ہوں۔ اور ایک اندھے انسان کو کچھ نظر نہیں آتا۔"

"پھر بھی، میں تمہارا انتظار کروں گی، سبکتگین!" ارمغانہ تھکے ہوئے قدموں سے واپس چلی گئی۔

اسد شیرازی نے اپنی حسین و جمیل بیٹی کو ایک بار پھر ناکام ہوتے دیکھا۔ وہ تیزی سے اُٹھا اور شراب کا لبریز جام پی کر کاغذ پر سبکتگین کا زائچہ بنانے لگا۔ پھر کچھ دیر بعد چیختے ہوئے بولا۔

"ستارے اس غلام زادے کے حق میں نہیں۔ مگر وہ پھر بھی مسلسل کامیابیاں حاصل کر رہا ہے۔ آخر کیوں؟"

ارمغانہ حیران و پریشان اپنے باپ کے سامنے کھڑی تھی۔

"شاید وہ مذہبی دیوانہ، امیر علی شاہ اُس غلام زادے کی مدد کر رہا ہے۔" عالمِ طیش میں اسد شیرازی اپنے سر کے بال نوچتے ہوئے بولا۔ "پہلے مجھے اُس جادوگر کو راستے سے ہٹانا ہوگا، پھر میں دیکھوں گا اُس کی مدد کو کون آئے گا۔"

ادھر اسد شیرازی اپنے آدمیوں کو ترکستان بھیج کر سیّد امیر علی شاہ کے قتل کا منصوبہ بنا رہا تھا اور ادھر ایک زابلی شریف کی لڑکی سے سبکتگین کی شادی ہوگئی۔ اس خبر کو سن کر ارمغانہ کئی دن تک اپنی شکست کا ماتم کرتی رہی۔ پھر اسد شیرازی کے سمجھانے پر وہ اپنے کمرے سے باہر نکلی۔ بے حیا باپ نے اپنی خوب صورت بیٹی کو نئے منصوبے میں رنگ بھرنے پر آمادہ کر لیا تھا۔

اس دوران اسد شیرازی نے سیّد امیر علی شاہ کو قتل کرنے کے لئے اپنے کئی مسلح آدمی ترکستان بھیجے۔ مگر جیسے ہی اُن کی نظر اس مجذوب پر پڑی، وہ سب کے سب اندھے ہو گئے۔ اس خبر نے اسد شیرازی کو بدحواس کر دیا تھا۔ مجبوراً اُس نے امیر علی شاہ کا تعاقب چھوڑ دیا اور سبکتگین کے خلاف سازشوں کے نئے جال بُننے لگا۔

وقت آہستہ آہستہ گزرتا گیا۔ پھر ایک رات سبکتگین نے خواب کی حالت میں دیکھا کہ اس کے مکان میں آتش دان کے اندر سے ایک درخت نکلا اور اس قدر بلند ہوا کہ بے شمار مخلوقِ خدا اس کے سائے میں آ گئی۔ آنکھ کھلنے پر وہ اس خواب کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ ایک کنیز دوڑتی ہوئی آئی اور اُس نے اپنے آقا کو فرزند کی ولادت کی خوشخبری سنائی۔ سبکتگین اس خبر کو سن کر خوشی سے وارفتہ ہو گیا اور اُس نے اپنا قیمتی ہار اُس کنیز کو بطور انعام دے دیا، جو اُس کے بیٹے کی پیدائش کی خبر لے کر آئی تھی۔

سبکتگین نے اپنے بیٹے کا نام محمود رکھا اور اس خواب کے بارے میں سوچنے لگا، جو اُس نے گزشتہ رات دیکھا تھا۔

❁❁❁❁❁

محمود غزنوی 357ھ میں عاشورہ کی رات کو پیدا ہوا۔ یہ ایک بابرکت رات تھی، جس میں پیدا ہونے والا بچہ، عام بچوں سے مختلف نظر آتا تھا۔

سبکتگین نے غور سے اپنے بچے کی طرف دیکھا، جس کی آنکھیں بند تھیں اور جو دنیا کے تمام ہنگاموں سے بے نیاز نظر آ رہا تھا۔ سبکتگین بہت دیر تک محمود کے معصوم چہرے کو دیکھتا رہا، پھر اُسے یکایک محسوس ہوا جیسے اُس کے بیٹے کی پیشانی سے ایک روشنی سی پھوٹ رہی ہے۔ سبکتگین نے اپنے اس احساس کو ایک باپ کی بے پناہ محبت پر محمول کیا کہ دنیا کا ہر باپ اپنی اولاد کی شکل میں اسی قسم کی نشانیاں تلاش کرتا ہے۔ مگر جب اس کے آقا، امیر الپتگین نے محمود کو دیکھا تو اس کی زبان سے بھی بے اختیار اسی قسم کے الفاظ ادا

ہوئے۔

''سبکتگین! تجھے بیٹا مبارک ہو۔ ایک ایسا بیٹا، جس کے چہرے سے جاہ و جلال کی روشنی پھوٹ رہی ہے۔''

''امیر! یہ آپ کی شفقت و عنایت ہے کہ میری طرح میرے بیٹے کو بھی محبت کے لائق سمجھتے ہیں۔'' سبکتگین نے اپنے آقا کی مبارکباد کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں سبکتگین! یہ کوئی رسمی مبارکباد نہیں۔'' امیر الپتگین نے پُراثر لہجے میں کہا۔ وہ مسلسل محمود کے چہرے کو دیکھے جا رہا تھا۔ ''انسان کتنا ہی کم نظر کیوں نہ ہو، مگر ایک نایاب ہیرے کی چمک اُسے اپنی طرف متوجہ کر ہی لیتی ہے۔ مجھے تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ تیرا بیٹا بھی ایک ہیرا ہے، پتھر نہیں۔ اگر دستِ قدرت نے اسے تراش دیا تو تُو بھی اس کی آب و تاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔''

✻✻✻✻✻

سبکتگین بہت خوش تھا۔ اُس کی زندگی میں مسلسل خوشگوار انقلابات آ رہے تھے۔ جب بھی وہ زندگی کی ہنگامہ خیزیوں سے چھٹکارا پا کر اپنے بستر پر دراز ہوتا، اُسے سیّد امیر علی شاہ کے الفاظ یاد آ جاتے۔

''اپنے اندر اور باہر کے بتوں کو توڑ...... اللہ تیری زنجیریں کاٹ دے گا۔''

پھر سیّد کے الفاظ کی گونج، سبکتگین کو اس قدر بے قرار کر دیتی کہ وہ امیر علی شاہ سے ملنے کے لئے بے چین ہو جاتا۔ وہ کسی حد تک ''اندر اور باہر'' کے بتوں کو پہچان چکا تھا، مگر پھر بھی ان بتوں کے چہرے دُھندلے تھے۔ سبکتگین، اسد شیرازی، ارمغانہ اور کنیز روشن آرا کو اندر کے بت سمجھتا تھا۔ مگر ''باہر'' کے بتوں سے سیّد کی کیا مراد تھی؟ سبکتگین اکثر اُلجھ کر رہ جاتا۔

پھر ایک دن اُس نے غزنی سے ترکستان جانے کا فیصلہ کیا۔ وہ ایک بار پھر سیّد امیر علی شاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا اعزاز حاصل کرنا چاہتا تھا۔

''امیر! اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں کچھ دن کے لئے ترکستان جا کر سیّد امیر علی شاہ کے نیاز حاصل کر لوں۔'' سبکتگین نے اپنے آقا سے درخواست کرتے ہوئے کہا۔

''یہ سیّد امیر علی شاہ کون ہیں؟'' امیر الپتگین نے حیران ہو کر پوچھا۔

سبکتگین نے اپنے دورِ غلامی کا وہ واقعہ سناتے ہوئے کہا، جب اُسے امیر الپتگین کے ہاتھ فروخت کیا گیا تھا۔

''یہ ان ہی بزرگ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ میں حاسدوں کے شر سے محفوظ رہا۔''

امیر الپتگین نے بڑے تعجب سے سبکتگین کی باتیں سنیں اور پھر اُسے اجازت دیتے ہوئے کہا۔ ''تم شوق سے جاؤ! اُن کی خدمت میں میرا اسلام بھی پیش کرنا اور دعا کی درخواست بھی کرنا کہ ہم کمزور انسان، سچائی کے راستے میں ثابت قدم رہیں۔''

سبکتگین بہت خوش تھا اور سفر کی تیاریاں کر رہا تھا کہ ایک رات اُس نے پھر سیّد امیر علی شاہ کو خواب میں دیکھا۔ سیّد اُس سے مخاطب ہو کر کہہ رہے تھے۔

''سبکتگین! تجھے یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔''

''سیّد! میں صدمۂ فراق سے بہت شکستہ ہوں۔'' سبکتگین نے آزردہ لہجے میں کہا۔ ''اب مجھ سے یہ

فاصلے برداشت نہیں ہوتے۔ آپ کی دعاؤں سے اللہ نے میری غلامی کاٹ دی ہے۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔''

''تیرا اللہ ہر شے سے بے نیاز ہے۔'' سیّد امیر علی شاہ کی پُرجلال آواز گونجی۔ ''بندے کو رسمِ دعا ادا کرتے رہنا چاہئے۔ مگر اللہ کسی کی دعاؤں کا محتاج نہیں ہے۔ اس نے براہِ راست تجھ پر کرم کیا ہے۔ اس میں امیر علی شاہ جیسے حقیر و عاجز بندے کی دعاؤں کا کوئی کمال نہیں ہے۔ اپنے خالق کا شکر ادا کر! میرے پاس آنے سے تجھے کچھ حاصل نہیں ہوگا...... اور ابھی تیری زنجیرِ غلامی کہاں کٹی ہے؟ ابھی تو اس کی کئی سخت کڑیاں باقی ہیں...... تجھے لازم ہے کہ ان پر مسلسل ضربیں لگاتا رہے...... عجب نہیں کہ ایک دن سارا لوہا پگھل جائے۔''

''سیّد! مجھ پر کرم کیجئے۔'' سبکتگین نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے اور اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ''میں صرف ایک بار آپ کی قدم بوسی کو حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد پھر کبھی کوئی درخواست نہیں کروں گا۔''

''سبکتگین! میں تیرا وقت برباد کرنا نہیں چاہتا۔'' اب امیر علی شاہ کے لہجے سے شفقت و نرمی جھلکنے لگی تھی۔ ''جب تُو میرے علاقے میں قدم رکھے گا، اس وقت میں یہاں سے جا چکا ہوں گا۔''

''آپ کہاں چلے جائیں گے سیّد؟'' سبکتگین نے گھبرا کر پوچھا۔

''سانسوں کی جو مہلت دی گئی تھی، وہ ختم ہو گئی۔'' امیر علی شاہ نے سبکتگین کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''بس بلاوا آنے ہی والا ہے۔ اپنے سیّد کے لئے دعا کرنا کہ اُسے دوست کی محفل میں داخلے کی اجازت مل جائے۔ اگر میرے پہنچنے سے پہلے دروازہ بند ہو گیا تو میں ہلاک ہو جاؤں گا۔'' یہ کہہ کر امیر علی شاہ رونے لگے۔ ''اگر تُو سمجھتا ہے کہ تجھ پر میرا حق ہے تو میری مغفرت کے لئے دعا کرنا۔ میں نے اپنی ساری عمر غفلت میں بسر کر دی ہے۔ اب ہوش آیا ہے تو سانس رُکنے والی ہے۔ میں اپنی اس ناکارہ زندگی پر بہت شرمندہ ہوں سبکتگین! انسان بڑے خسارے میں ہے۔ میرے لئے دعائے خیر کرنا! بس تجھ سے یہی میری آخری التجا ہے۔''

''سیّد! آپ چلے گئے تو میں اس بھری دنیا میں تنہا رہ جاؤں گا۔'' سبکتگین آگے بڑھا اور امیر علی شاہ کے قدموں پر جھکنے لگا۔

سیّد تیزی سے پیچھے ہٹ گئے۔ ''ابھی تک بت پرستی کے مظاہروں میں اُلجھا ہوا ہے۔'' امیر علی شاہ کے لہجے سے ایک بار پھر جلالِ روحانی جھلکنے لگا تھا۔ ''اگر تُو اپنے ہی جیسے انسانوں کے قدموں پر جھکتا رہا تو پھر بت شکنی کیسے کرے گا؟ یاد رکھ کہ خاک کے پُتلوں کو چھونے والے ہاتھ ایک دن مفلوج ہو جاتے ہیں۔ سیدھا کھڑا ہو جا!'' امیر علی شاہ نے تیز آواز میں کہا۔ ''سیدھے راستے پر چلنے کے لئے سیدھا کھڑا ہونا بھی ضروری ہے۔''

سبکتگین بڑے کرب کے عالم میں کھڑا ہوا اور امیر علی شاہ کے اُداس چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

''ہاں! ایک اور اہم بات۔'' سیّد نے سبکتگین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''اپنے بچے کا بہت خیال رکھنا۔'' امیر علی شاہ نے سبکتگین کے نومولود بیٹے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''مگر سیّد! میں آپ کے بغیر کیا کروں گا؟'' سبکتگین ایک بار پھر گریہ و زاری کرنے لگا۔ ''میں تو

آپ کی محبتوں کا عادی ہو چکا ہوں۔ اگرچہ روز و شب کے ہنگامے مجھے آپ تک پہنچنے کی فرصت نہیں دیتے، لیکن یہ تصور بھی میرے لئے بہت ہے کہ آپ اس دنیا میں موجود ہیں۔ جب بہت زیادہ گھبراؤں گا تو آپ کے پاس چلا آؤں گا۔ مگر آپ تو جا رہے ہیں۔'' سبکتگین اپنی بات مکمل نہ کر سکا۔ شدتِ جذبات سے اُس کی آواز گھٹ کر رہ گئی۔

''میرے ہونے، نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا سبکتگین!'' امیر علی شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''دلوں کو سکون تو اللہ کے ذکر ہی سے ملتا ہے...... اور اگر پھر بھی تیرا نافرمان دل نہ بہلے تو نظام شاہ کے پاس جانا...... اور اس سے اپنے لئے دعا کرانا۔''

''یہ نظام شاہ کون ہیں؟'' سبکتگین نے حیران ہو کر پوچھا۔

''اللہ کا ایک محبوب بندہ ہے، جو دنیا کے شور و غل سے بہت دُور غزنی کی ایک مسجد میں رہتا ہے۔'' امیر علی شاہ نے کہا۔ ''سبکتگین! بس اب جا۔ ہمیں دیر ہو رہی ہے۔ اللہ تیری اور تیرے بیٹے کی حفاظت کرے۔'' یہ کہہ کر سیّد مڑے اور کچھ دُور جا کر نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

سیّد کے جاتے ہی سبکتگین کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہی کمرہ تھا، وہی ساز و سامان..... اور وہی قصرِ شاہی کی اونچی اونچی دیواریں...... سبکتگین کچھ دیر تک دُھندلی آنکھوں سے اپنے اطراف کا جائزہ لیتا رہا اور پھر اسے یقین آ گیا کہ وہ ایک طویل خواب دیکھ رہا تھا۔

اُس نے رات کا باقی حصہ بڑے کرب کے عالم میں گزارا۔ سیّد امیر علی شاہ سے خواب کی حالت میں ہونے والی گفتگو نے سبکتگین کو بہت زیادہ پریشان کر دیا تھا۔ وہ بار بار سوچتا رہا کہ کہیں اُس کا خواب ذہنی انتشار کا نتیجہ نہ ہو۔ اگرچہ سبکتگین نے کئی مرتبہ سیّد امیر علی شاہ کو خواب کی حالت میں دیکھا تھا اور ہر بار وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کا ہر خواب سچا ثابت ہوا تھا۔ اس طرح سبکتگین کو اپنے اس خواب کی صداقت پر بھی یقین آ جانا چاہئے تھا۔ لیکن یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ کسی نقصان کی خبر پر آسانی سے اعتبار نہیں کرتا۔ یہی وجہ تھی کہ سبکتگین نے سیّد کے رخصت ہونے کی باتوں کو دل سے قبول نہیں کیا تھا۔

❁❁❁❁❁

پھر صبح ہوتے ہی امیر الپتگین سے اجازت لے کر سبکتگین، ترکستان کی طرف روانہ ہوا۔ وہ برق رفتاری کے ساتھ سفر کر رہا تھا اور وقت سے پہلے سیّد کی بارگاہ میں پہنچ جانا چاہتا تھا۔ سبکتگین راستے بھر دل ہی دل میں دعائیں کر رہا تھا کہ کاش! اس کا وہ خواب جھوٹا ثابت ہو جائے اور سیّد امیر علی شاہ نہ صرف موت سے بلکہ ہر بیماری سے محفوظ ہوں۔ مگر اس وقت سبکتگین پر رنج و الم کا کوہِ گراں ٹوٹ پڑا، جب اُس نے ترکستان پہنچ کر یہ جاں گداز خبر سنی۔

مقامی باشندوں نے اشکبار آنکھوں کے ساتھ اسے بتاتے ہوئے کہا۔

''سیّد امیر علی شاہ تین دن پہلے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ہم غریب لوگوں کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ابھی ابھی ہمارے سروں سے باپ کا سایہ اُٹھا ہے۔ ہم تمہیں اپنا غم کیسے بتائیں کہ ہماری زبانیں، ہمارا ساتھ نہیں دے رہی ہیں۔''

سبکتگین نے دیکھا کہ وہاں موجود ہر شخص رو رہا تھا...... اور خود اُس کی آنکھوں سے بھی بے اختیار آنسو بہہ رہے تھے۔ پھر جب گریہ و زاری کا یہ سیلاب گزر گیا تو سبکتگین نے مقامی باشندوں سے

درخواست کی کہ وہ اُنہیں سیّد کی قبر پر لے جائیں۔ بڑا جذباتی منظر تھا۔ سبکتگین اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا۔ اور امیر علی شاہ کی قبر سے لپٹ کر رونے لگا۔

''سیّد! یہ کیا ہو گیا؟ یقین ہی نہیں آتا کہ آپ مجھے اس طرح چھوڑ کر چلے جائیں گے۔''

سبکتگین کا برا حال تھا۔ مقامی باشندے یہ تو نہیں سمجھ سکے تھے کہ سیّد کی قبر سے لپٹ کر رونے والا شخص، غزنی کا سپہ سالار ہے لیکن پھر بھی سبکتگین کا لباس دیکھ کر انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ سیّد کا یہ عقیدت مند کوئی بااثر انسان ہے۔ تمام لوگ حیرت اور اُداسی سے سبکتگین کو روتے ہوئے دیکھتے رہے۔

پھر آنسوؤں کا یہ طوفان تھما تو اس نے اپنے پیرہن کی جیب سے ایک تھیلی نکالی جو اشرفیوں سے بھری ہوئی تھی۔ سبکتگین یہ اشرفیاں، سیّد امیر علی شاہ کو نذر کرنے کے لئے لایا تھا۔ اگرچہ وہ جانتا تھا کہ سیّد، سونے کے ان سکّوں کو قبول نہیں کریں گے، لیکن پھر بھی اس خیال سے یہ حقیری نذر لے آیا کہ امیر علی شاہ اسے غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیں گے۔ اور ان کا مزاج بھی یہی تھا کہ وہ کسی کی نذر قبول نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی عقیدت مند بہت زیادہ اصرار کرتا تو اسے حکم دیتے ہوئے فرماتے۔

''پتہ نہیں، تُو نے یہ دولت کس طرح کمائی ہے۔ اس لئے سارا عذاب تیری گردن پر۔ اپنے ہی ہاتھوں سے اسے ضرورت مندوں میں تقسیم کر دے۔ اب یہ خدا کی مرضی ہے کہ اسے قبول کرے یا اُلٹا تیرے منہ پر مار دے۔''

امیر علی شاہ کی اس عادت سے واقف ہونے کے سبب سبکتگین نے اشرفیوں سے بھری ہوئی وہ تھیلی ایک بوڑھے شخص کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''بزرگ! میں یہ حقیری نذر سیّد کے لئے لایا تھا۔ مگر سیّد تو ہم سے خفا ہو گئے۔'' شدتِ غم سے سبکتگین کی آواز لرز رہی تھی۔ ''براہِ کرم اسے قبول کر لیجئے اور تمام ضرورت مندوں میں برابر سے تقسیم کر دیجئے۔''

ترکستان کا وہ مقامی بوڑھا کچھ دیر تک سبکتگین کے آنسوؤں سے بھیگے ہوئے چہرے کو دیکھتا رہا اور پھر ہاتھ بڑھا کر اشرفیوں کی تھیلی لے لی۔ ''نوجوان! اگر تمہاری آنکھوں سے اشکوں کا جلتا ہوا دریا نہ بہتا تو میں ہرگز اس نذر کو قبول نہ کرتا۔ مجھے یقین آ گیا ہے کہ تمہیں سیّد سے بہت محبت ہے اور میں اسی محبت کی خاطر تمہارے لائے ہوئے اس تحفے کو بھی پسندیدگی کی نظروں سے دیکھتا ہوں۔'' یہ کہہ کر ترکستانی بوڑھے نے تھیلی کھولی اور وہاں موجود تمام لوگوں میں وہ اشرفیاں برابر سے تقسیم کر دیں۔

❁❁❁❁❁

پھر اس کے بعد سبکتگین مقامی حکام سے ملا اور ان کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

''میں سیّد امیر علی شاہ کی قبر پر ایک شاندار عمارت تعمیر کرانا چاہتا ہوں تاکہ آنے والی نسلوں کو اس برگزیدہ شخصیت کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکیں۔ اور لوگوں کو یہ راز پتہ چلے کہ اس قبر کے نیچے کیسا مردِ باکمال سو رہا ہے۔''

مقامی حکام نے بڑی حیرت سے سبکتگین کی گفتگو سنی۔

''ہم یہاں رہنے والے کسی سیّد امیر علی شاہ کو نہیں جانتے۔'' مقامی حکام نے بڑی بے دلی کے ساتھ کہا۔ ''خبر نہیں کہ آپ کس مردِ باکمال کی بات کر رہے ہیں؟''

سبکتگین کو ترکستانی امراء کی اس بے خبری سے شدید اذیت پہنچی مگر اس نے اپنے جذبات پر قابو رکھ
"میں آپ کی اس لاعلمی پر اظہارِ رائے کرنا نہیں چاہتا کہ سیّد امیر علی شاہ کون تھے؟ اور مجھے اس کا
افسوس ہے کہ اقتدار کے ہنگاموں میں ایک مردِ قلندر کو کیوں فراموش کر دیا گیا؟ میں آپ سے آپ کی
بے خبری کی وجہ دریافت نہیں کروں گا۔ لیکن یہ بات میری عین خواہش ہے کہ آپ کو سیّد کے مقبرے
تعمیر پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔"

مقامی حکام نے کسی غور و فکر کے بغیر کہا۔ "ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ آپ شوق سے کسی
شخص کا مقبرہ تعمیر کر سکتے ہیں۔"

مقامی حکام کی رضامندی کے بعد سبکتگین نے بہترین معماروں کو طلب کرتے ہوئے کہا۔ "میں
تمہیں تمہاری مطلوبہ اُجرت ادا کروں گا اور تم اس کچی قبر پر ایک دلکش عمارت تعمیر کرو گے۔ یہی ہمارا اور
تمہارا معاہدہ ہے۔"

"آپ مطمئن رہیں امیر!" معماروں نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "جب تک آپ ہمارے فن کی
خوبصورتی کی گواہی نہیں دیں گے، اس وقت تک ہم آپ سے کوئی اُجرت طلب نہیں کریں گے۔"

پھر اس کے بعد سیّد امیر علی شاہ کے مقبرے کی تعمیر کا کام شروع ہوا۔ پہلے تین دن تک گہری بنیادیں
کھودی جاتی رہیں۔ اس کے بعد سر کی طرف سے ایک دیوار اُٹھائی گئی۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ پھر
دوسرے دن صبح ترکستانی معمار اپنے کام پر پہنچے تو انہیں ایک عجیب و غریب منظر دیکھ کر سکتہ سا ہو گیا۔
دیوار اسی طرح زمین پر گری پڑی تھی کہ جیسے کسی نے پوری طاقت استعمال کر کے اسے ڈھا دیا ہو۔ تمام
معمار اپنے حیرت زدہ چہروں کے ساتھ سبکتگین سے ملے اور اسے یہ واقعہ بتایا۔ مگر سبکتگین کو معماروں کے
بیان کردہ واقعے پر ذرا بھی یقین نہیں آیا۔ پھر جب اس نے وہاں جا کر اپنی آنکھوں سے گری ہوئی دیوار کو
دیکھا تو خود بھی حیران رہ گیا۔

"کہیں یہ کسی مقامی حاکم کی حرکت تو نہیں کہ اس نے رات کے اندھیرے میں دیوار گرا کر مقبرے
کی تعمیر کو روکنے کی کوشش کی ہو؟" سبکتگین نے دل ہی دل میں اپنے آپ سے سوال کیا۔ مگر ابھی اس کے
پاس اپنے اس سوال کا جواب نہیں تھا اور وہ محض شک کی بنیاد پر کسی سے بدگمان ہونا بھی نہیں چاہتا تھا۔
اسی لئے سبکتگین نے معماروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم اپنا کام جاری رکھو۔ بہت ممکن ہے، رات میں کسی وقت ہلکا سا زلزلہ آیا ہو اور یہ دیوار گر گئی ہو۔
بہر حال، تم اسے دوبارہ اُٹھاؤ اور تیز رفتاری کے ساتھ کام کرو کہ مجھے بہت جلد غزنی واپس جانا ہے۔"

مزدوروں نے تباہ شدہ دیوار کو دوبارہ تعمیر کیا اور شام ہوتے ہی اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے مگر
جب اگلی صبح پھر اپنے کام پر واپس آئے تو ان کی آنکھوں کے سامنے وہی گزشتہ منظر موجود تھا۔ دیوار اسی
طرح ڈھا دی گئی تھی۔

پھر جب سبکتگین کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تو وہ بہت زیادہ پریشان نظر آنے لگا۔ دیوار کے دوبارہ
گرنے کے بعد اس کا ذہن بری طرح اُلجھ کر رہ گیا۔ تاہم اس نے مزدوروں سے اپنی ذہنی کشمکش کا اظہار
نہیں کیا۔ بس وہ اتنا ہی کہہ سکا کہ تم لوگ دیوار کی تعمیر جاری رکھو۔

❋❋❋❋❋

پھر اسی رات سبکتگین نے امیر علی شاہ کو خواب میں دیکھا۔ سیّد بہت زیادہ غضب ناک نظر آ رہے تھے۔
"تُو مجھ بے نشان کو نشان دینا چاہتا ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ یہ تیری کیسی جہالت ہے۔ تُو اس
حقیقت کو کیوں نہیں سمجھتا کہ میں ایک فانی شے تھا، اس لئے فنا ہو گیا۔ پھر تُو فنا کو بقا میں کیوں بدلنا چاہتا
ہے؟ یہ دیوانگی چھوڑ دے۔ مقبروں کی تعمیر سے کسی فانی کو بقا حاصل نہیں ہوتی۔ پاگلوں کی طرح کیوں اپنا
وقت اور دولت برباد کر رہا ہے؟ بس اب واپس جا اور ان لوگوں کے حقوق کا خیال کر، جن کی ذمہ داریاں
تیرے کمزور کاندھوں پر عائد کی گئی ہیں۔ میری کچی قبر کو مضبوط بنانے کے بجائے اپنے کاندھوں کو مضبوط
کر۔ کہ ابھی ان پر بڑے بڑے بوجھ آنے والے ہیں۔"

خواب سے بیدار ہونے کے بعد سبکتگین بہت پریشان اور شرمندہ نظر آنے لگا۔ اُس کی شدید خواہش
تھی کہ وہ ایک باکمال بزرگ کی یادگار قائم کرے۔ مگر سیّد امیر علی شاہ نے جس طرح گمنامی میں زندگی بسر
کی، اسی طرح وہ مرنے کے بعد بھی بے نشان رہنا چاہتے تھے۔

پھر جب تیسرے دن بھی ترکستانی مزدور، دیوار گر جانے کی خبر لے کر آئے تو سبکتگین نے اُداس لہجے
میں کہا۔ "دیوار کا ملبہ ہٹا کر اس جگہ کو صاف کر دو اور اپنے گھروں کو واپس چلے جانا۔ بس مقبرہ مکمل ہو چکا۔"
یہ کہہ کر سبکتگین نے مزدوروں کو ایک اضافی دن کی اُجرت ادا کی اور اپنی رہائش گاہ کے اندر جانے لگا۔
سبکتگین کے جاتے جاتے مزدوروں نے اس سے پوچھا۔

"امیر! آخر یہ کیا راز ہے کہ جب ہم دن کے وقت دیوار اُٹھاتے ہیں تو اسے کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ مگر
جیسے ہی رات کا اندھیرا بڑھتا ہے، کوئی نادیدہ ہاتھ اسے ڈھا دیتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ نادیدہ ہاتھ
کس کا ہے؟"

مزدوروں کا سوال سن کر سبکتگین جاتے جاتے ٹھہر گیا اور پھر پلٹ کر ترکستانی معماروں سے مخاطب
ہوا۔ "تمہاری طرح اس نادیدہ ہاتھ کو میں بھی نہیں پہچانا۔ بس اتنا سمجھ لو کہ اللہ کی مرضی نہیں ہے۔"

مزدور، سبکتگین کے جواب سے مطمئن نہیں ہوئے تھے۔ مگر ان کی مجبوری یہ تھی کہ وہ مزید کوئی سوال
کر بھی نہیں سکتے تھے۔ آخر وہ اپنے سروں کو جھکائے ہوئے واپس چلے گئے۔

تھوڑی دیر بعد سبکتگین بھی وہاں پہنچ گیا اور اس نے پریشان نظروں سے دیوار کا ملبہ دیکھا جو اِدھر
اُدھر بکھرا ہوا تھا۔ سبکتگین کے سینے میں جذبات کا ایک عجیب سا طوفان کروٹیں لے رہا تھا۔ ایک لمحے کے
لئے اُسے خیال آیا کہ وہ دوبارہ مزدوروں کو حکم دے کر دیوار کی تعمیر شروع کرا دے مگر فوراً ہی اسے رات کا
خواب یاد آ گیا۔ پھر اسے یوں محسوس ہوا جیسے سیّد امیر علی شاہ اُس کے قریب ہی کھڑے ہیں اور نہایت تند و
تیز لہجے میں فرما رہے ہیں۔ "سبکتگین! مجھے بے نشان رہنے دے کہ اسی میں تیری بھلائی ہے۔" سبکتگین
نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ مزدور اپنے کاموں میں معروف تھے اور دُور تک اُن کے تیشوں کی آوازیں
گونج رہی تھیں۔

یہ اس کے اپنے اندر کی آواز ہے یا پھر رات کے خواب کا اثر؟....... سبکتگین نے سوچا اور اُداس
نظروں سے سیّد کی قبر کو دیکھنے لگا۔ پھر امیر علی شاہ سے اپنی پہلی ملاقات کا منظر یاد کر کے اس کی آنکھوں
سے آنسو جاری ہو گئے۔ سبکتگین بہت دیر تک روتا رہا اور پھر تھکے تھکے قدموں سے اپنی رہائش گاہ کی طرف
واپس چلا گیا۔

❀❀❀❀❀

دوسرے دن جب دیوار کا ملبہ صاف ہو گیا اور کھودی ہوئی دیواریں بھر دی گئیں تو سبکتگین مقا
حکام سے ملا اور غزنی واپس جانے کی خواہش کا اظہار کرنے لگا۔

"کیا اتنی جلد اس گمنام شخص کا مقبرہ تعمیر ہو گیا؟" مقامی حکام کے سوال میں گہرا طنز پوشیدہ تھا۔

سبکتگین نے چاہا کہ وہ اقتدار کے نشے میں ڈوبے ہوئے ان امراء کے سوال کا تفصیلی جواب دے
اور انہیں بتائے کہ امیر علی شاہ کیسے باکرامت بزرگ تھے مگر فوراً ہی اُسے سیّد کے الفاظ یاد آ گئے
"سبکتگین! ہمیں بے نشان رہنے دے۔" ان الفاظ کی بازگشت سنائی دی تو سبکتگین کے جذبات کی سرکش
ختم ہو گئی اور وہ پُرسکون لہجے میں مقامی حکام سے کہنے لگا۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ مقبرے کی تعمیر میں بہت زیادہ وقت خرچ ہو گا۔ اور پھر مجھے غزنی میں بھ
کچھ ضروری کام ہیں، اس لئے میں نے تعمیری کام کو ملتوی کر دیا ہے۔ کچھ دن بعد جب مجھے فرصت ملے
گی تو دوبارہ یہاں حاضر ہوں گا اور آپ حضرات کا تعاون طلب کروں گا۔"

سبکتگین نے مجبوراً جھوٹ بول کر اس راز پر پردہ ڈال دیا۔ اور اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ
بھی نہ تھا کہ وہ تعمیری کام کے التوا کی ذمہ داری اپنے سر لے۔ ورنہ وہ کیسے بتاتا کہ خود سیّد امیر علی
شاہ ہی اس مقبرے کی تعمیر کے خلاف ہیں۔ اگر ایک بار اُس کی زبان لڑکھڑا جاتی تو بہت سے افسانوں کا
سلسلہ شروع ہو جاتا۔ پھر یہاں کے بدمست لوگ ان افسانوں میں نئی رنگ آمیزی کرتے اور اس طرح
وہ سیّد کی رُسوائی کا سبب بن جاتا۔ مجبوراً اس نے جھوٹ کا راستہ اختیار کیا۔

سبکتگین کا جواب سن کر مقامی حکام مسکرانے لگے۔ "آپ کو ہر وقت ہمارا تعاون حاصل ہو گا۔ آپ
جس وقت بھی تشریف لائیں گے، ہمیں اسی طرح منتظر پائیں گے۔"

سبکتگین نے مقامی حکام کا شکریہ ادا کیا اور اپنے خدمت گار سپاہیوں کے ساتھ سیّد کی قبر کی طرف
روانہ ہو گیا۔ وہ غزنی جانے سے پہلے آخری بار امیر علی شاہ کی روح کی ایصالِ ثواب کرنا چاہتا تھا۔ سبکتگین
اپنے ساتھیوں کے ہمراہ امیر علی شاہ کی قبر پر پہنچا۔ ابھی اس کے اور قبر کے درمیان کافی فاصلہ تھا کہ اس
نے اپنے سپاہیوں کو اس جگہ ٹھہر جانے کا حکم دیا اور خود گھوڑے کی پشت سے اُتر کر سر جھکائے ہوئے امیر
علی شاہ کے مرقد کی طرف بڑھنے لگا۔ سبکتگین کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور اس کے جسم پر ہلکا ہلکا
لرزہ طاری تھا۔ پھر جب وہ قبر کے نزدیک پہنچا تو اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا۔ گھٹنوں کے بل جھکا اور قبر
سے لپٹ کر گریہ وزاری کرنے لگا۔

"سیّد! اس دنیا میں ان لوگوں کے مقبرے بھی تعمیر ہوئے ہیں جن سے مخلوقِ خدا کو کبھی کوئی فائدہ
نہیں پہنچا۔ اس وسیع و عریض زمین پر ایک آپ کی یادگار کی تعمیر ہو جاتی تو آخر اس میں کیا قباحت ہوتی؟
میں بہت جاہل ہوں۔ اس لئے آپ کی گفتگو کے رموز و اسرار کو سمجھ نہیں سکتا۔ پھر بھی میری یہ دلی خواہش
تھی کہ کاش ایسا ہو جاتا...... کاش ایسا ہو جاتا۔" جذبات کے سیلاب کا بند ٹوٹا تو سبکتگین بچوں کی طرح
بلک بلک کر رونے لگا۔ "میں آپ کے حکم سے مجبور ہوں، اس لئے واپس جا رہا ہوں۔ مگر آپ نے یہ حکم
کیوں دیا؟ مجھے بتائیں۔ خدا کے لئے مجھے بتائیں کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟"

بہت دیر تک سبکتگین کی کیفیت وحشت زدہ انسانوں کی سی رہی۔ پھر وہ اس طرح اپنے دونوں ہاتھ

ٹیک کر اُٹھا کہ جیسے اُس کے جسم کی طاقت سلب ہو گئی ہے اور وہ کوئی سو برس کا بوڑھا ہے۔ اس کے بعد
جب سبکتگین اپنے گھوڑے کے قریب پہنچا تو سپاہی اس کا چہرہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ آنسو بہنے کے سبب
سیّد کی قبر کی کچھ مٹی اُس کے چہرے پر جم کر رہ گئی تھی۔

"امیر! آپ کا چہرہ گرد آلود ہو گیا ہے۔ روانگی سے پہلے اسے صاف کر لیجئے کہ راستے میں مزید خاک
اُڑے گی۔"

"نہیں!" سبکتگین نے مختصراً جواب دیتے ہوئے کہا۔ "تم نہیں جانتے کہ یہ خاک کیسی ہے۔ بس اتنا
جان لو کہ میں اس خاک کو اپنے لئے اکسیر سمجھتا ہوں۔"

ان الفاظ کی گونج ختم ہوتے ہی سبکتگین اور اس کے سپاہیوں نے اپنے اپنے گھوڑوں کی لگامیں
کھینچیں، انہیں ایڑ لگائی اور پھر فضا، ٹاپوں کے شور سے گونجنے لگی۔

❀❀❀❀❀

سبکتگین، غزنی پہنچ کر امیر الپتگین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سبکتگین کے چہرے پر اب بھی گہری
اُداسی چھائی ہوئی تھی۔ الپتگین اُس کی اس کیفیت کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔

"خیر تو ہے سبکتگین!" امیر نے مضطرب لہجے میں پوچھا۔ "سیّد امیر علی شاہ سے ملاقات ہوئی؟ تم نے
میرا سلام عرض کیا تھا؟"

سبکتگین کچھ دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ اس کے سینے میں یادوں کا غبار اُٹھ رہا تھا۔ پھر یہی غبار
آنکھوں سے برسنے لگا۔ "آقا......!" سبکتگین کے ہونٹ کانپے۔ "سیّد اب اس دنیا میں موجود نہیں......
وہ میرے پہنچنے سے پہلے ہی اس مجلسِ فانی سے اُٹھ کر جا چکے تھے۔" یہ کہہ کر سبکتگین نے اپنے آقا کو تمام
واقعات کی تفصیل سنا دی۔

"دنیا میں جو کچھ ہے، وہ اپنے اللہ کی طرف لوٹ کر جانے والا ہے۔" سیّد امیر علی شاہ کے انتقال کی
خبر سن کر امیر الپتگین کی زبان سے بے اختیار یہ الفاظ ادا ہوئے۔ "بے شک! وہ ایک مردِ قلندر تھے اور
قلندر کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔ ورنہ قلندری ہی کیا؟ اللہ اُن کی مغفرت کرے اور ہمیں معرکۂ خیر و شر میں
ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔"

اپنے آقا کے تسلی آمیز کلمات سن کر سبکتگین زار و قطار رونے لگا تھا۔

"صبر کرو فرزند!...... صبر کرو۔" امیر الپتگین نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔ "پھر بھی تم خوش
نصیب ہو کہ تمہیں چند لمحوں کے لئے سیّد کی قربت نصیب ہو گئی۔ تم مزید وقت نہ ملنے پر اپنی آرزوؤں کا
ماتم نہ کرو اور ان چند لمحوں کی قیمت کا اندازہ لگاؤ۔ یہ چند لمحے ان کئی صدیوں پر بھاری ہیں، جن میں
انسان کو کسی بزرگ کی حضوری حاصل نہیں ہوتی۔ مگر تم تو سیّد کے بہت قریب تھے۔ اور تمہیں اس لمحاتی
قربت سے ہمیشہ سرشار رہنا چاہئے۔" سبکتگین نے ایک بار نم آلود آنکھوں سے اپنے آقا کی طرف دیکھا
اور پھر الپتگین کے سینے میں سر چھپا کر رونے لگا۔

❀❀❀❀❀

کئی ماہ تک سبکتگین نے ایک ناقابل بیان اذیت و کرب میں اپنے روز و شب گزارے۔ وہ مسلسل
فوجی مشقوں میں حصہ لیتا رہا۔ مگر ذہنی طور پر اُسے یکسوئی حاصل نہیں تھی۔ کبھی کبھی وہ اپنے مخصوص سپاہیوں

کے نام بھی بھول جاتا۔ اور جب سپاہی اُسے احساس دلاتے تو وہ شرمندہ ہو کر معذرت کر لیتا۔

”بھائی! تمہیں نہیں معلوم کہ میں کس غم سے گزر رہا ہوں۔“

سبکتگین ہر نماز کے بعد سیّد امیر علی شاہ کی مغفرت کے لئے دعائیں مانگا کرتا۔

پھر ایک دن ایک ایسا واقعہ رونما ہوا، جس نے سبکتگین پر وحشت طاری کر دی۔ ملازمہ نے اسے اطلاع دی کہ محمود کے چیچک نکل آئی ہے۔ سبکتگین نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اس خبر کو سنا اور بیٹے کی تیمارداری میں مشغول ہو گیا۔ محمود تیز بخار میں تھا اور کئی دن سے بے ہوش تھا۔ غزنی کے بہترین طبیب اُس کا علاج کر رہے تھے۔ سبکتگین، بیٹے کے سرہانے بیٹھا ہوا تھا کہ یکایک اُسے اپنا ایک خواب یاد آیا۔ یہ وہی خواب تھا کہ جس میں سیّد امیر علی شاہ نے کہا تھا کہ وہ دنیا سے جا رہے ہیں اور سیّد نے یہ بھی ہدایت کی تھی کہ وہ اپنے بیٹے کا بہت خیال رکھے۔ سبکتگین اس خواب کے یاد آتے ہی گھبرا کر کھڑا ہو گیا اور بڑی بے چینی کے ساتھ کمرے میں ٹہلنے لگا۔ ایک بار پھر اُس کے ذہن میں برق سی لہرائی۔ اب اُسے سیّد کی ایک اور بات یاد آ رہی تھی۔ امیر علی شاہ نے اُس کی گریہ وزاری سن کر کہا تھا۔

”اگر بے قراریاں زیادہ بڑھ جائیں تو نظام شاہ کے پاس چلے جانا۔“

نظام شاہ کے نام پر سبکتگین چونک اُٹھا۔ پھر اُس نے بہت عجلت میں اپنی بیوی اور خدمت گاروں کو محمود کی تیمارداری کے سلسلے میں ہدایات دیں اور گھوڑے پر بیٹھ کر اس مسجد کی طرف روانہ ہو گیا، جو غزنی کے مضافاتی علاقے میں آباد تھی۔

سبکتگین وہاں پہنچا تو ظہر کی نماز ہو چکی تھی۔ اس نے مسجد کے امام سے نظام شاہ کے بارے میں دریافت کیا۔ وہ ایک دنیا دار انسان تھا۔ اس نے غزنی کے سپہ سالار کو اپنے روبرو پایا تو گھبرا سا گیا...... اور بڑے خوشامدانہ انداز میں سبکتگین سے تشریف رکھنے کے لئے کہا۔

”امام صاحب! میں بیٹھوں گا نہیں۔“ سبکتگین ادب و احترام کے لہجے میں بولا۔ ”یہ نظام شاہ کون ہیں؟ اور ان سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے؟“

”حضور!“ اس کے لہجے میں وہی دنیا داری تھی۔ ”وہ ایک پاگل سا نوجوان ہے، جو مسجد کے کسی گوشے میں پڑا رہتا ہے۔“

”نوجوان؟“ سبکتگین کی آنکھوں سے حیرت کا گہرا رنگ جھلک رہا تھا۔

”جی ہاں! نوجوان۔ ایک ناکارہ نوجوان۔“ اس نے نظام شاہ کا مضحکہ اُڑاتے ہوئے کہا۔

”ناکارہ؟“ سبکتگین کی حیرت لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جا رہی تھی۔ ”کیا وہ کوئی کام نہیں کرتے؟“ سیّد امیر علی شاہ کی نسبت سے سبکتگین کے دل میں نظام شاہ کے لئے ایک غائبانہ عقیدت موجود تھی۔

”دن بھر تو مسجد میں پڑا رہتا ہے...... پھر کام کیا کرے گا؟“ اُس کی گفتگو سے ایسا لگتا تھا، جیسے نظام شاہ سے گہری پرخاش رکھتا ہے۔ سبکتگین نے پھر کوئی سوال نہیں کیا۔

”وہ اس وقت کہاں ہوں گے؟“

”حضور! آپ کو اس سے کیا کام ہے؟“ وہ خوامخواہ جرح کر رہا تھا۔ اُسے یہ بات پسند نہیں تھی کہ غزنی کا سپہ سالار اس کی موجودگی میں کسی عام نوجوان سے ملے۔

”آپ مجھے صرف یہ بتائیں کہ اس وقت نظام شاہ کہاں موجود ہیں؟“ سبکتگین نے اس کے سوال کو

نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”آیئے!“ اس نے بڑی بے دلی سے کہا اور حجرے سے نکل کر مسجد کے دروازے میں داخل ہوا۔ سبکتگین بھی اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ اس نے مسجد کا صحن عبور کیا اور اس جگہ پہنچا، جہاں نماز ادا کی جاتی تھی۔ سبکتگین نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ ایک چھوٹی سی مسجد تھی۔ سبکتگین کی بے چین نظروں نے جلد ہی نظام شاہ کو تلاش کر لیا...... وہ اپنے گھٹنوں میں منہ چھپائے، مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے۔

”اس رہنمائی کے لئے بہت بہت شکریہ!“ سبکتگین نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ ”بس، اب آپ تشریف رکھیں۔ میں نظام شاہ سے تنہائی میں کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔“

اس کے چہرے پر ناگواری کا ہلکا سا رنگ اُبھرا اور وہ زیر لب کچھ کہتا ہوا اپنے حجرے کی طرف چلا گیا۔

امام کے جاتے ہی سبکتگین دبے قدموں سے آگے بڑھا اور نظام شاہ کے قریب پہنچ کر ٹھہر گیا۔ اگرچہ نظام شاہ اس کی موجودگی سے بے خبر تھے، لیکن پھر بھی سبکتگین کو ہلکا ہلکا سا خوف محسوس ہو رہا تھا...... شاید یہ نظام شاہ کا جلالِ روحانی تھا، جس سے سبکتگین کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئی تھیں۔ مسجد کے دیوار و در پر کچھ دیر تک وہی گہرا سکوت طاری رہا، پھر سبکتگین نے آہستہ سے نظام شاہ کو سلام کیا...... نظام شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سبکتگین نے دوسری بار سلام کیا مگر اس مرتبہ اُس کی آواز قدرے بلند تھی۔ نظام شاہ اسی حالت میں بیٹھے رہے۔ سبکتگین نے تیسری بار سلام کیا اور اس مرتبہ اس کی آواز پہلے سے بھی زیادہ بلند تھی۔ نظام شاہ کے جسم کو حرکت ہوئی۔ انہوں نے آہستہ آہستہ سر اُٹھایا اور سبکتگین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”تم پر بھی اللہ کی سلامتی ہو۔“

سبکتگین نے بہت غور سے نظام شاہ کے چہرے کو دیکھا...... اُن کی آنکھیں سرخ تھیں اور سوجی ہوئی تھیں۔ بظاہر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے وہ بہت دیر تک روتے رہے ہیں۔ نظام شاہ، سبکتگین ہی کی طرح نوجوان تھے...... جسم دُبلا پتلا تھا اور چہرے کی رنگت زرد تھی...... معمولی سا لباس پہنے ہوئے، ایک کمبل پر بیٹھے ہوئے تھے۔ سبکتگین کو حیرت تھی کہ سیّد امیر علی شاہ نے اُسے نظام شاہ کے پاس کیوں بھیجا ہے؟ کیا کوئی نوجوان بھی صاحبِ ولایت ہو سکتا ہے؟ کئی ایسے سوال سبکتگین کے ذہن میں اُبھرے اور وہ عجیب سی کشمکش کا شکار نظر آنے لگا۔

”کیا آپ ہی نظام شاہ ہیں؟“ سبکتگین نے حیرت زدہ لہجے میں سوال کیا۔

”ہاں، مجھ فقیر ہی کو نظام شاہ کہتے ہیں۔“ نوجوان کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ اُبھر آئی۔ شاید نظام شاہ نے سبکتگین کی ذہنی کشمکش کو پڑھ لیا تھا۔

”مجھے سیّد امیر علی شاہ کا حکم ہے کہ میں آپ کے نیاز حاصل کروں۔“ سبکتگین، نظام شاہ کو آزمانا چاہتا تھا، اسی لئے اس نے امیر علی شاہ کی موت کا ذکر نہیں کیا اور بہت مبہم انداز میں اپنی گفتگو شروع کی۔

”مگر سیّد تو اس دنیا سے جا چکے ہیں۔“ نظام شاہ نے رک رک کر یہ چند الفاظ ادا کئے۔ پھر سبکتگین نے نظام شاہ کے لرزتے ہوئے جسم کو دیکھا۔ یکایک اُن کے چہرے کا رنگ دھواں ہو گیا...... پھر اُسے یوں محسوس ہوا، جیسے نظام شاہ شدید اذیت اور کرب میں مبتلا ہیں...... پھر یہ اذیت اتنی بڑھی کہ نظام شاہ

کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

''سیّد ہمیں چھوڑ کر بہت دُور چلے گئے۔'' یہ کہتے ہوئے نظام شاہ اپنی جگہ سے اُٹھے اور آگے بڑھ کر سبکتگین سے مخاطب ہوئے۔ ''مگر تم سیّد کے کون ہو؟''

نظام شاہ کو روتا دیکھ کر سبکتگین کی حالت بھی غیر ہو گئی۔

''میں اُن کا ایک ادنیٰ ترین عقیدت مند ہوں۔'' اپنا تعارف کراتے ہوئے سبکتگین بھی رونے لگا تھا۔

''تو پھر آپ، میرے شیخ کی نشانی ہیں۔'' یہ کہہ کر نظام شاہ بے تابانہ آگے بڑھے اور سبکتگین سے لپٹ گئے۔ پھر دونوں سینہ چاک بہت دیر تک گلے مل کر روتے رہے...... اور جب یہ اشکوں کا طوفان رُکا تو نظام شاہ نے سبکتگین سے اپنے کمبل پر بیٹھ جانے کے لئے کہا۔ مگر جب سبکتگین نے بیٹھنے سے انکار کیا تو نظام شاہ نے نہایت اثر انگیز لہجے میں فرمایا۔

''تم سیّد کے حوالے سے میرے پاس آئے ہو...... اس لئے مجھ پر تمہارا احترام فرض ہے...... اگر تم نے میری اس خواہش کی تکمیل نہیں کی تو مجھے ناقابلِ بیان تکلیف پہنچے گی۔''

اب سبکتگین کو یقین آ گیا تھا کہ نظام شاہ، نوجوان ہوتے ہوئے بھی ایک روشن ضمیر شخص ہیں۔ ورنہ سینکڑوں میل دُور رہ کر انہیں کیسے معلوم ہوا کہ سیّد امیر علی شاہ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ اس خیال کے آتے ہی سبکتگین، نظام شاہ کی خواہش کے مطابق اُن کے بوسیدہ کمبل پر بیٹھ گیا...... اور پھر اُس نے سیّد سے اپنی ملاقات، مقبرے کی تعمیر اور دوسرے تمام واقعات، نظام شاہ کو سنا دیئے۔

''ہاں! سیّد ایسے ہی بے نیاز انسان تھے۔'' نظام شاہ نے گلوگیر لہجے میں کہا۔ ان کی آنکھوں سے اب بھی آنسو بہہ رہے تھے۔ ''آئندہ کبھی سیّد کے مقبرے کی تعمیر کا خیال بھی نہ کرنا، ورنہ تم ان کی دعاؤں کے حلقے سے خارج ہو جاؤ گے۔''

''سیّد سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟'' سبکتگین نے نظام شاہ سے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ مقبرے کی دیوار گر جانے کے بعد وہ بزرگوں کے سلسلے میں بہت زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔

''میں ان کا غلام ہوں...... بہت حقیر سا خدمت گار...... اب یہ سیّد کی عنایتِ خاص تھی کہ انہوں نے مجھے اپنے حلقۂ ارادت میں شامل کیا۔ میں اُن کا پہلا اور آخری مرید ہوں...... ورنہ سیّد کسی کو اپنا مرید نہیں بناتے تھے...... اُن کا عجیب مزاج تھا...... اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مجھے خود ہی نہیں آتا تو دوسروں کو کیا سکھاؤں؟ اپنا ہی بوجھ نہیں اُٹھتا تو دوسروں کا بارِ گراں کس طرح اُٹھاؤں؟...... بہرحال! یہ میری زندگی کا سب سے بڑا اعزاز ہے کہ سیّد نے مجھے اپنی غلامی کی سند عطا فرمائی۔ خیر! اب تم بتاؤ کہ تمہیں کوئی نئی اُلجھن تو نہیں ہے؟'' نظام شاہ نے سبکتگین سے پوچھا۔

''میرا بچہ محمود، چیچک کے مرض میں مبتلا ہے اور بخار کی شدت کے سبب کئی دن سے بے ہوش پڑا ہے۔'' بیٹے کی بیماری کا ذکر کرتے کرتے سبکتگین کے چہرے سے گہری پریشانی جھلکنے لگی تھی۔ ''اور بچے کی اسی پریشانی نے مجھے آپ کی طرف متوجہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ سیّد نے خواب میں یہ بھی فرمایا تھا کہ میں اس بچے کا بہت خیال رکھوں۔ یہ کیسا اشارہ ہے؟ میں آپ سے اس کی وضاحت بھی چاہتا ہوں۔''

سبکتگین کی گفتگو سن کر نظام شاہ نے آنکھیں بند کر لیں۔ ان کی کشادہ پیشانی پر کئی لکیریں نمایاں ہو گئی تھیں۔ اور چہرے پر مختلف رنگ اُبھر اُبھر کر ڈوب رہے تھے...... پھر اُنہوں نے آنکھیں کھولیں اور

سبکتگین کی طرف بہت غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''سیّد نے ٹھیک ہی فرمایا تھا۔ تمہارا بچہ کوئی عام بچہ نہیں ہے...... تمہیں اُس کا بہت خیال رکھنا ہو گا۔ فی الحال اس کی بیماری دُور ہو جائے گی...... اللہ اسے صحت دے گا...... اور دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے گا...... بس اب تم جاؤ...... تمہیں یہاں آنے کی ضرورت نہیں کہ تمہارے ذمے بہت سے ضروری کام ہیں...... اور میری اس ملاقات کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔ جو لوگ رازوں کو نہیں چھپا سکتے، انہیں ایک دن رُسوا ہونا پڑتا ہے۔''

سبکتگین نے جاتے جاتے نظام شاہ کے سامنے اپنی دلی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''شیخ! یہ میری زندگی کی بڑی سعادت ہو گی...... اگر آپ مجھے اپنی خدمت کا کوئی موقع عنایت کر دیں...... اس طرح میری بے قراری کو سکون حاصل ہو جائے گا...... اور میں یہ کہہ کر اپنے دل کو مطمئن کر لوں گا کہ سیّد کی نہ سہی تو ان کے خلیفہ کی خدمت کر رہا ہوں۔''

اپنی اس خواہش کا اظہار کرنے سے پہلے سبکتگین نے دل ہی دل میں سوچا تھا کہ وہ نظام شاہ کے کھانے پینے اور رہائش کا مناسب انتظام کر دے گا۔

''تو کیا تم سیّد کی طرح میرا مقبرہ بھی تعمیر کرنا چاہتے ہو......؟'' نظام شاہ یکایک غضب ناک نظر آنے لگے تھے۔ ''نوجوان! تم نے مجھے بہت مایوس کیا۔ سیّد کی اتنی بڑی تنبیہہ کے بعد بھی تم نے اپنی اصلاح نہیں کی اور ہم فقیروں کی بستی میں دولت و اقتدار کا مظاہرہ کرنے چلے آئے۔'' یہ کہتے کہتے نظام شاہ کا زرد چہرہ غصے کی آگ سے جل اُٹھا تھا۔ ''خدا کے لئے میری نظروں سے دُور ہو جاؤ...... آئندہ کبھی یہاں نہ آنا۔ تم تو مجھے کسی فتنے میں مبتلا کر دو گے۔''

''نہیں شیخ!'' نظام شاہ کو اس حالتِ طیش میں دیکھ کر سبکتگین لرزنے لگا۔ ''سیّد امیر علی شاہ کی نسبت کی قسم! میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا...... ہم امراء پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ جو لوگ چپ چاپ مذہب اسلام کی خدمت کر رہے ہیں، ان کی ضرورتوں کا خیال رکھیں...... میں جانتا ہوں کہ آپ لوگ بہت خوددار ہیں، اس لئے اپنے پیروں سے چل کر قصرِ شاہی تک کبھی نہیں آئیں گے اور اپنے بے داغ ہاتھوں کو سوال کرنے کے لئے بوسیدہ کمبل سے کبھی باہر نہیں نکالیں گے۔ پھر یہی ایک صورت باقی رہ جاتی ہے کہ خود امراء اپنے محلوں سے نکل کر آپ کے بے دروازہ مکانوں تک پہنچیں...... میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ آپ فکرِ معاش سے آزاد ہو کر یکسوئی کے ساتھ بندگانِ خدا کی خدمت کر سکیں...... اللہ بہتر جانتا ہے کہ دولت و اقتدار کے مظاہرے کی بات میرے ذہن کے کسی بعید ترین گوشے میں بھی موجود نہیں۔''

سبکتگین کا دل صاف تھا، اس لئے نظام شاہ کے غصے کی آگ آہستہ آہستہ سرد ہونے لگی۔ ''تمہاری اس محبت کا بہت بہت شکریہ نوجوان! خدا تمہیں جزائے خیر دے۔ مگر میں سیّد کی تعلیم کو کیا کروں کہ اس نے تو میرے دونوں ہاتھ ہی کاٹ دیئے ہیں۔ اگر کبھی غلطی سے ان ہاتھوں کو کسی غیر کی طرف بڑھا دوں تو اسی لمحے ہلاک ہو جاؤں گا۔''

''میں جانتا ہوں شیخ! میں جانتا ہوں۔'' سبکتگین نہایت مضطرب لہجے میں بول رہا تھا۔ ''مگر آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں؟''

''نہیں۔'' نظام شاہ کے ہونٹوں کی وہ دل آویز مسکراہٹ دوبارہ لوٹ آئی تھی۔ ''اب اگر تم چاہو تو

کبھی کبھی میرے پاس آسکتے ہو۔"

سبکتگین نے مسجد سے رخصت ہوتے وقت نظام شاہ کے ہاتھوں کو احتراماً بوسہ دینا چاہا مگر انہوں نے بھی سیّد کی طرح اپنے ہاتھ کھینچ لئے۔ "یہ اچھی عادت نہیں۔ اسے ترک کرنے کی کوشش کرو۔ اسی قسم کی رسمیں آگے چل کر بت پرستی کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔"

سبکتگین، نظام شاہ سے مل کر قصرِ شاہی کی طرف روانہ ہو گیا اور مسجد کا امام اُسے ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتا رہا۔

*****

سبکتگین جب محل میں داخل ہوا تو ایک ملازمہ نے بڑے والہانہ انداز میں اُسے خوشخبری سناتے ہوئے کہا۔

"امیر! صاحبزادے کو ہوش آ گیا ہے اور ان کا بخار بھی اُتر گیا ہے۔"

سبکتگین دیوانہ وار اپنی حرم سرا میں داخل ہوا، جہاں اس کی بیوی، محمود کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھی۔ شوہر کو دیکھتے ہی احتراماً کھڑی ہو گئی اور مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔ "امیر! آپ کو بیٹے کی صحت یابی مبارک ہو۔"

جواب میں سبکتگین بھی مسکرایا۔ "ہاں! کنیز مجھے اس کی اطلاع دے چکی ہے۔ اللہ نے نظام شاہ کی دعا سن لی اور میرے بیٹے کو کسی بڑی آفت سے محفوظ رکھا۔"

"یہ نظام شاہ کون ہیں؟" سبکتگین کی بیوی نے حیران ہو کر پوچھا۔

"میں نظام شاہ کے بارے میں تمہیں پھر کبھی بتاؤں گا۔ فی الحال تم محمود کے جشنِ صحت کا اہتمام کرو اور غریبوں کے گھروں تک ان کی ضرورت کی چیزیں پہنچا دو۔" سبکتگین نے اپنی بیوی سے کہا اور دربار میں شرکت کرنے کے لئے چلا گیا۔

امیر الپتگین بھی اس خبر سے بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ اس نے سبکتگین کو اپنے بائیں طرف بٹھایا اور محمود کی صحت یابی پر مبارکباد دی۔

*****

پورے محل میں جشنِ نشاط کی تیاریاں جاری تھیں۔ مگر اسد شیرازی بہت اُداس نظر آ رہا تھا۔ اُس نے شراب کا ایک لبریز جام، حلق سے اُتارا اور اپنی بیٹی ارمغانہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ستارے تو اب بھی یہی کہتے ہیں کہ اس مہلک بیماری میں محمود کو مر جانا چاہئے تھا۔ یا پھر اُس کی آنکھیں ضائع ہو جاتیں اور پورا جسم مفلوج ہو جاتا۔ مگر میری کنیز سعدیہ نے مجھے بتایا ہے کہ محمود ابھی تک محفوظ ہے۔ بخار ٹوٹ گیا ہے اور چیچک کا زور بھی گھٹ رہا ہے۔ بس زیادہ سے زیادہ اُس کے چہرے پر کچھ داغ اُبھر آئے ہیں۔ میں تو اُس کی موت کی خبر سننا چاہتا تھا۔ مگر اب محل میں چاروں طرف محمود کے جشنِ صحت کا شور سنائی دے رہا ہے۔" اسد شیرازی نے شراب کا ایک اور جام پیتے ہوئے کہا۔ "ارمغانہ! میرا علم مجھے بتاتا ہے کہ یہ بچہ محمود بہت خطرناک بچہ ہے...... اپنے باپ سبکتگین سے بھی زیادہ خطرناک۔ اگر اسے ہلاک نہیں کیا گیا تو شراب کے آتش کدوں کی طرح ہمارے دلوں کے آتش کدے بھی بجھ جائیں گے۔ میں تو ابھی تک سبکتگین سے خوف زدہ تھا اور اسے راستے سے ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اچانک ایک اور فتنہ کھڑا ہو گیا اور یہ فتنہ پہلے فتنے سے بھی زیادہ ہولناک ہے۔ میں اس وقت مطمئن ہو گیا تھا،

جب ستاروں نے مجھ سے سرگوشیاں کرتے ہوئے کہا تھا کہ ایک خوف ناک بیماری میں مبتلا ہو کر محمود بہت جلد مر جائے گا۔ ستاروں کی دی ہوئی یہ خبر تو درست ثابت ہوئی کہ محمود ایک تباہ کار مرض میں مبتلا ہوا، مگر اس کی زندگی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ پتہ نہیں کہ آج کل ستارے مجھے نامکمل اور جھوٹی خبریں کیوں دے رہے ہیں؟" اسد شیرازی انتہائی کرب کے ساتھ اپنے بالوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا۔ "یا پھر مجھ سے اہرمن (برائی کا دیوتا) ناراض ہو گیا ہے؟"

ابھی اسد شیرازی اپنی بات مکمل کرنے نہیں پایا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"جو بھی ہے، اندر چلا آئے۔" اسد شیرازی زور سے چیخا۔

کمرے کا دروازہ کھلا اور اسد شیرازی کی خوب صورت کنیز سعدیہ اندر داخل ہوئی۔

"اس وقت کیوں آئی ہے؟" اسد شیرازی نے قہر آلود لہجے میں کہا۔ وہ بہت زیادہ جھنجلایا ہوا تھا۔

"آقا! آپ کے لئے ایک بہت اہم خبر ہے۔"

"کیسی خبر؟" اسد شیرازی نے ایک بار پھر چیختے ہوئے کہا۔ "کیا محمود مر گیا ہے؟" اسد شیرازی بہت زیادہ بدحواس نظر آ رہا تھا۔

"وہ ہلاکت کے قریب پہنچ چکا تھا، لیکن کسی نظام شاہ کی دعاؤں سے اس کا بخار اُتر گیا اور اب وہ پوری طرح صحت یاب نظر آ رہا ہے۔" کنیز سعدیہ نے ایک نیا انکشاف کرتے ہوئے کہا۔

نظام شاہ کا نام سن کر اسد شیرازی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "یہ نظام شاہ کون ہے؟" اسد شیرازی نے اپنی کنیز سعدیہ سے پوچھا۔

"میں اس شخص کو قطعاً نہیں جانتی۔ محمود کی والدہ اپنی دوست امیرزادیوں سے بار بار نظام شاہ کا نام لے کر کہتی تھیں کہ ان کی دعاؤں سے میرے بچے کو صحت ملی ہے۔ اس طرح میرا اندازہ ہے کہ شاید نظام شاہ کوئی روحانی بزرگ ہیں۔"

اسد شیرازی گہری سوچ میں ڈوب گیا اور پھر یکایک اُس کے چہرے پر دہشت کے رنگ جھلکنے لگے۔ "کہیں نظام کا تعلق اس امیر علی شاہ سے تو نہیں ہے جس کی مداخلت کے سبب اب تک میرے تمام منصوبے ناکام ہو چکے ہیں اور ستاروں کا حساب زیروزبر ہو کر رہ گیا ہے؟" اسد شیرازی نے دل ہی دل میں سوچا اور پھر سعدیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تو اپنی مالکہ کے اور بھی قریب ہو جا اور زیادہ سے زیادہ ان کا اعتماد حاصل کر۔ بہت دن بعد تُو کوئی خاص خبر لائی ہے۔ میں تیری کارگزاری سے ابھی مطمئن نہیں ہوں۔"

"آقا! میں مالکہ کے حلقۂ اعتبار میں تو شامل ہو گئی ہوں مگر وہ بہت محتاط لوگ ہیں۔" سعدیہ نے سبکتگین کی حرم سرا کا ذکر کرتے ہوئے کہا اور واپس جانے کی اجازت طلب کی۔ اسد شیرازی نے اپنے سر کی جنبش سے اسے جانے کے لئے کہا تو وہ اُلٹے قدموں دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔

"مگر ایک بات کا خیال رکھنا۔" اچانک اسد شیرازی نے اسے دوبارہ مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"مگر ایک بات یاد رکھنا کہ میرا کوئی راز شاہی محل کی دیواروں تک نہ پہنچے۔"

کنیز سعدیہ گھبرا کر رک گئی۔ "آقا! کیا آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟"

"اسی اعتبار نے تو تجھے میرے قریب رکھا ہے۔" اسد شیرازی نے بلند آواز میں کہا۔ "اگر یہ اعتبار

ختم ہو جاتا تو اب تک تُو موت کی آغوش میں پہنچ چکی ہوتی اور تیرے اہلِ خانہ بھی اپنی اپنی قبروں میں سو رہے ہوتے۔"

"نہیں آقا! میں اعتبار کے اس رشتے کو ٹوٹنے نہیں دوں گی۔" سعدیہ کے چہرے کی وحشت اور جسم کی لرزش نمایاں ہو چکی تھی۔ "میں ابھی اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں کے ساتھ زندہ رہنا چاہتی ہوں۔"

"تو اعتبار کا رشتہ قائم رکھ! ہم تجھے امیرزادیوں کی طرح کیف و نشاط کی زندگی بخشیں گے۔" اسد شیرازی نے شراب کا ایک اور جام لبریز کیا پھر اسے گھونٹ گھونٹ پیتے ہوئے ارمغانہ سے کہنے لگا۔

"اب نظام شاہ کی صورت میں ایک اور مصیبت نازل ہو گئی ہے۔ شاید یہ بھی امیر علی شاہ کی طرح کوئی مذہبی دیوانہ ہے، جب ہی تو ستاروں کی چالیں اُلٹ گئی ہیں۔ خیر! میں نظام شاہ کو بھی دیکھ لوں گا۔ اور تم ابواسحاق کے قریب ہونے کی کوشش کرو۔"

ارمغانہ چونک اُٹھی۔ "مگر بابا جان! وہ تو مجھ سے عمر میں بہت بڑا ہے۔" ارمغانہ نے قدرے ناگواری کے ساتھ ابواسحاق کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

ابواسحاق، امیر الپتگین کا بیٹا تھا، جو ایک مضبوط کردار کا انسان تھا اور اسے اپنے باپ کی طرح دنیا کی رنگینیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

"کسی انسان کی عمر سے کیا ہوتا ہے؟" اسد شیرازی کے لہجے میں ہلکی سی تلخی تھی۔ "وہ مستقبل کا حکمران ہے۔ اور حکمران کی عمر نہیں دیکھی جاتی۔ اگر تُو ابواسحاق کے حرم تک پہنچ گئی تو سبکتگین کی ترقی کے تمام دروازے بھی بند ہو جائیں گے۔ اور پھر ہم آسانی کے ساتھ اس سے اپنی توہین کا بھرپور انتقام لے سکیں گے۔ کیا تُو یہ بات بھول گئی ہے، سبکتگین تجھے حقارت کے ساتھ ٹھکرا چکا ہے؟" اسد شیرازی نے بڑی بہادری سے اپنی بیٹی کے جذبات پر الفاظ کی ضرب لگاتے ہوئے کہا۔

"یہ کیسے ممکن ہے بابا!" اس چوٹ سے ارمغانہ شیرازی بے قرار ہو گئی۔

"مگر لگتا تو ایسا ہی ہے کہ تُو نے سبکتگین کے ہاتھوں ہونے والی ذلت کو فراموش کر دیا ہے۔" اسد شیرازی نے ارمغانہ کے بھڑکتے ہوئے جذبات کو مزید آگ دکھائی۔

"میں کیا کروں بابا؟ مجھے کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔" اپنی شکست کے احساس سے ارمغانہ کی آنکھوں میں آنسو جھلکنے لگے تھے۔

"میں تجھے راستہ دکھا تو رہا ہوں۔" اسد شیرازی بڑی بے حیائی کے ساتھ بول رہا تھا۔ "اب ہماری کامیابی کے لئے یہی ایک راستہ باقی رہ گیا ہے کہ تُو ابواسحاق سے شادی کر لے۔ وہ بڑھاپے کی سرحد تک پہنچ چکا ہے۔ میرا فلسفہ اور تجربہ بتاتا ہے کہ ایسے لوگ بہت جلد زیرِ دام آ جاتے ہیں۔ پھر جب وہ تیرے اشاروں پر رقص کرنے لگے تو اس سے سبکتگین کا سر مانگ لینا۔ بالفرض محال وہ اس پر آمادہ نہیں ہوا تو سبکتگین کو معزول ضرور کر دے گا۔ پھر ہم اس کے بیٹے محمود کا کام بھی تمام کر سکتے ہیں۔ اگر یہ بچہ جوان ہو گیا تو پھر ہم سب اس دنیا میں زندہ نہیں رہیں گے۔ ارمغانہ! مجھے ستاروں نے بتایا ہے کہ محمود کی زندگی ہماری موت ہے۔ بڑی اذیت ناک اور ذلت و رسوائی کی موت۔" یکایک اسد شیرازی کے چہرے پر خوف و دہشت کی پرچھائیاں لہرانے لگیں۔

"آپ مطمئن رہیں بابا!" ارمغانہ، باپ کے قدموں سے لپٹی ہوئی بولی۔ "میں آپ کے اصولوں

کی زندگی کے لئے اپنی زندگی تک قربان کر دوں گی۔"

ارمغانہ بظاہر باپ کو تسلیاں دے رہی تھی، مگر درپردہ اُس کے دل میں اقتدار کی خواہش کروٹیں لے رہی تھی۔ اور وہ خیالوں کی دنیا میں اپنے سر پر تاجِ زرنگار جگمگاتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

ابھی اسد شیرازی نے اپنے منصوبے کا آغاز کیا ہی تھا کہ ایک دن امیر الپتگین کا انتقال ہو گیا اور غزنی کے در و دیوار شورِ ماتم میں ڈوب گئے۔

❀❀❀❀❀

امیر الپتگین کے انتقال سے غزنی کی فضا بہت زیادہ سوگوار ہو گئی تھی۔

اسد شیرازی نے اس موقع سے بھرپور فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی۔ اس نے اپنی بیٹی ارمغانہ کو تنہائی میں سمجھاتے ہوئے کہا۔

"یہ لمحات ہمارے لئے بہت زیادہ قیمتی ہیں۔ اس وقت ابواسحاق انتہائی شکستہ نظر آ رہا ہے۔ تم تعزیت کے بہانے اس کے پاس جاؤ اور پھر اپنے خوبصورت الفاظ کا جال اس طرح پھیلا دو کہ ابواسحاق زندگی بھر ان کے ریشمی پھندوں سے آزاد نہ ہو سکے۔"

اسد شیرازی کی گفتگو سن کر ارمغانہ مسکرائی، مگر فوراً ہی اس کے چہرے پر فکر و پریشانی کا گہرا عکس اُبھر آیا۔ "مگر بابا جان! مجھے سبکتگین سے بہت خطرہ ہے۔"

"کیوں؟" اسد شیرازی کی پیشانی پر کئی بل پڑ گئے۔

"اس لئے کہ سبکتگین، ابواسحاق کے بہت زیادہ قریب ہے۔ کہیں وہ میری قربت کو شک کی نگاہ سے نہ دیکھے اور ماضی کے وہ واقعات نہ دہرا دے جو ہمارے لئے بہت تکلیف دہ ہیں۔ اگر اُس نے ایسا کیا تو پھر آپ کا منصوبہ ناکام بھی ہو سکتا ہے اور ہمارے لئے نئی دُشواریاں بھی پیدا ہو سکتی ہیں۔"

اسد شیرازی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ ارمغانہ کے اندیشے نئے خطرات کی نشاندہی کر رہے تھے۔ وہ چند لمحوں تک اپنے خیالات میں اُلجھا رہا، پھر اس کے عیار ذہن نے نیا زاویہ تراش لیا۔

"نہیں میری نادان بیٹی! ایسا نہیں ہو گا۔ ابھی تیرا ذہن انسانی فطرت کے پیچ و خم سے واقف نہیں۔ اگر ایک بار ابواسحاق تیری طرف متوجہ ہو گیا تو پھر ہزاروں سبکتگین مل کر بھی اسے اس کے ارادوں سے باز نہیں رکھ سکتے۔ ابھی تجھے حکمران مردوں کی دنیا میں خوب صورت عورتوں کے کردار کی طاقت کا اندازہ نہیں۔ اس دنیا میں زہد اور تقویٰ کے لباس، دولت اور حُسن کی آگ ہی سے جلتے ہیں۔ ان آہنی مجسموں کو ہمیشہ سیم و زر کی تپش اور حُسن کی حرارت ہی نے پگھلایا ہے۔ ابواسحاق تو ایک بہت کمزور مجسمہ ہے۔ شاید وہ ہلکی سی آنچ بھی برداشت نہ کر سکے۔ مگر شرط یہی ہے کہ وہ ایک بار تیری طرف دیکھ لے۔ پھر اگر سبکتگین نے درمیان میں مداخلت کی تو وہ بہت رُسوا ہو گا...... اور میں یہی تو چاہتا ہوں کہ ابواسحاق اور سبکتگین کے درمیان شدید اختلافات پیدا ہو جائیں کہ اس طرح ہماری منزل زیادہ آسان ہو جائے گی۔"

پھر اسد شیرازی کے اس شرمناک منصوبے میں رنگ بھرنے کے لئے ارمغانہ پوری حشر سامانیوں کے ساتھ ابواسحاق کی خلوت میں پہنچی۔ پہریداروں نے اسے دروازے پر روکا۔ حفاظتی اصولوں کے مطابق وہ کسی برقع پوش خاتون کو اپنے امیر کی مرضی کے بغیر اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔

"اپنے امیر کو اطلاع دو کہ وزیرِ مملکت اسد شیرازی کی صاحبزادی ان سے ملنا چاہتی ہیں۔" ارمغانہ

نے اس طرح تحکم آمیز لہجے میں کہا کہ جیسے وہ ابواسحاق کے محافظوں سے نہیں، اپنے غلاموں سے مخاطب ہو۔

ارمغانہ کی بات سن کر ایک پہریدار اندر گیا اور پھر کچھ دیر بعد واپس آ کر کہنے لگا۔ ''محترم خاتون! اندر تشریف لے جائیں کہ امیر آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔''

ارمغانہ کی گردن میں ہلکا سا تناؤ پیدا ہوا اور وہ ایک ادائے خاص کے ساتھ ابواسحاق کی خلوت میں داخل ہوئی۔ ابواسحاق ایک آرام دہ کرسی پر خاموش بیٹھا تھا اور اُداس نظروں سے اس شمشیر کو دیکھ رہا تھا، جو سامنے کی دیوار پر آویزاں تھی۔ یہ وہ تلوار تھی کہ جس سے امیر الپتگین نے کئی اہم جنگیں لڑی تھیں اور ان جنگوں میں نمایاں کامیابی حاصل کی تھی۔ اپنی بیماری کے دوران مرنے سے پہلے اس نے یہی تلوار ابواسحاق کے حوالے کرتے ہوئے کہا تھا۔ ''فرزند! بس یہ شمشیر ہی میرا سرمایہ ہے، جو تمہارے نام کئے جا رہا ہوں۔ اس کی حفاظت کرنا اور شمشیر کو کبھی زنگ آلود نہ ہونے دینا۔ یہ دنیا آدم نما درندوں سے بھری ہوئی ہے، جن کے پنجے بہت نوکیلے اور دانت بہت زہریلے ہیں۔ اگر اس شمشیر پر زنگ آ گیا تو پھر یہ وحشی تمہیں ہلاک کر ڈالیں گے یا پھر تم تاج و تخت سے محروم ہو کر افلاس زدہ لوگوں کی طرح زندگی بسر کرو گے۔ اس لئے ہمیشہ شمشیر بدست رہنا اور اپنے ہتھیار کی آب و تاب قائم رکھنا اور کبھی کسی ریشمی آنچل کا سایہ طلب نہ کرنا کہ یہ کیف آور سایہ اکثر انسانوں کو ذلت و رُسوائی کی موت کی گہری نیند سلا دیتا ہے۔ تمہارے لئے بس یہی ایک وصیت ہے کہ ہمہ وقت مسلح ہو کر جاگتے رہنا اور صرف اپنے اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھنا۔ اس کے سوا یہاں کوئی کسی کا مددگار نہیں ہے۔''

امیر الپتگین کے الفاظ یاد کر کے ابواسحاق کی آنکھوں میں نمی سی جھلکنے لگی تھی اور وہ ابھی اپنے ان ہی خیالات میں اُلجھا ہوا تھا کہ اُسے ارمغانہ شیرازی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ چونک کر آنے والی خاتون کی طرف دیکھنے لگا، جس کے چہرے پر سیاہ نقاب پڑا ہوا تھا۔

ارمغانہ نے آہستہ سے نقاب ہٹایا اور نصف قد تک جھک کر ابواسحاق کو سلام کیا۔ پھر وہ سیدھی کھڑی ہو گئی اور غزنی کے حکمران کی طرف مخمور نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ ارمغانہ چاہتی تھی کہ پہلی ہی ملاقات میں ابواسحاق اُس کے بے پناہ حُسن کا شکار ہو جائے۔

اسد شیرازی کی بیٹی کو دیکھ کر ابواسحاق حیران رہ گیا۔ اتنا دلفریب چہرہ آج تک اس کی نظروں سے نہیں گزرا تھا۔ چند لمحوں تک وہ حیرت و سکوت کے عالم میں اس لڑکی کو دیکھتا رہا، جو بڑی بے باکی کے ساتھ خلوتِ شاہی میں تنہا کھڑی تھی۔

''خاتون! آپ نے کس لئے زحمت کی؟'' ابواسحاق نے بہت نرم اور شائستہ لہجے میں پوچھا۔

اچانک ارمغانہ کا دلکش چہرہ اُداس نظر آنے لگا۔ وہ چند لمحوں تک خاموش کھڑی رہی، پھر لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''امیر محترم! میں اس جاں گداز سانحے پر خدمتِ عالیہ میں دلی تعزیت پیش کرتی ہوں۔ مجھے اس حقیقت کا علم ہے کہ میری زبان سے ادا ہونے والے چند الفاظ آپ کے بے اندازہ غم کا مداوا نہیں بن سکتے۔ پھر بھی انہیں قبولیت کا شرف بخش دیجئے کہ یہ الفاظ ایک کنیز کا سرمایہ ہیں۔ آپ یقین فرمائیں کہ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں اپنی جان دے کر بھی آپ کو اس غم سے بچا لیتی۔'' یہ کہتے کہتے ارمغانہ شیرازی کی پلکیں بھیگنے لگیں۔

ابواسحاق نے بڑی حیرت سے ایک اجنبی خاتون کی غمگساری کا یہ انداز دیکھا اور اپنائیت کی انتہائی اثر انگیز گفتگو سنی۔ ابواسحاق کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ارمغانہ کی باتوں کا کس طرح جواب دے؟ پھر وہ بڑی مشکل سے رُک رُک کر کہنے لگا۔

''خاتون! میں آپ کے جذبات کی قدر کرتا ہوں۔'' ایک خوبصورت دوشیزہ کو اتنے قریب پا کر ابواسحاق کی آواز میں ہلکا سا ارتعاش پیدا ہو گیا تھا۔ ''امیر کے انتقال پر ابھی تک کسی شخص نے اس طرح مجھے تعزیت پیش نہیں کی ہے۔ میں آپ کا شکرگزار ہوں کہ آپ نے میرے ذاتی غم کو اتنی شدت سے محسوس کیا۔ مجھے فخر ہے کہ میری مملکت میں ابھی ایسے غمگسار موجود ہیں۔ اور کیوں نہ ہوں کہ آپ کا تعلق اسد شیرازی جیسے شفیق و مہربان انسان سے ہے۔ وہ اپنے دل میں ملتِ اسلامیہ کے لئے گہرا درد رکھتے ہیں۔ میں یہ راز جانتا ہوں کہ اسد شیرازی نے کئی مواقع پر اسلحہ خریدنے کے لئے حکومت کو قرض بھی دیا ہے۔''

ابواسحاق کی گفتگو سن کر ارمغانہ کے دل میں خوشی کی ایک تیز لہر اُٹھی۔ اب اُسے اپنی منزل زیادہ قریب نظر آ رہی تھی۔ ارمغانہ نے محسوس کیا کہ بڑھاپے کی سرحدوں پر کھڑا ہوا حکمران اس کے توبہ شکن حُسن کا اسیر ہوتا جا رہا ہے۔ یہ سوچ کر ارمغانہ چند قدم اور آگے بڑھی۔ اب اس کے اور ابواسحاق کے درمیان بہت کم فاصلہ رہ گیا تھا۔

''امیر عالی مقام!'' ارمغانہ شیرازی نے ابواسحاق پر اپنے الفاظ کا سحر طاری کرنے کے لئے نیا لہجہ اختیار کیا۔ ''میں یہ نہیں جانتی کہ حکومت اور والد محترم کے درمیان کس قسم کے مراسم ہیں۔ اور اگر وہ کچھ قرض بھی دیتے ہیں تو یہ کوئی احسان نہیں کہ انہوں نے اسی ملک میں رہ کر سب کچھ حاصل کیا ہے۔ میں تو یہاں تک کہنے کے لئے تیار ہوں کہ اگر حکومت مہربان نہ ہوتی تو آج اسد شیرازی کچھ بھی نہ ہوتے۔''

ارمغانہ شیرازی کی گفتگو نے ابواسحاق کو ایک بار پھر چونکا دیا تھا۔ ''تم ایک روشن خیال اور ذہین خاتون ہو، ارمغانہ!'' اس مرتبہ ابواسحاق نے اسے اس کے نام سے مخاطب کیا تھا۔ ''مجھے حیرت ہے کہ میری مملکت میں ایسی سوچ رکھنے والی خواتین بھی موجود ہیں۔ میں نے آج تک تمہیں کسی شاہی تقریب میں نہیں دیکھا۔'' ابواسحاق آہستہ آہستہ ارمغانہ سے بے تکلف ہوتا جا رہا تھا۔

''امیر ذیشان!'' ارمغانہ شیرازی نے ایک بار پھر اپنا لہجہ بدلا۔ ''مجھے اس کا دکھ نہیں کہ غزنی کے حکمران نے آج سے پہلے اس کنیز کو کسی شاہی تقریب میں نہیں دیکھا۔ بلکہ اس کا افسوس ہے کہ میرا محبوب فرمانروا آج ناقابلِ بیان صدمے سے دوچار ہے اور میں اس راز سے بھی باخبر ہوں کہ امیرِ معظم کئی راتوں سے ایک لمحے کے لئے بھی نہیں سوئے ہیں۔''

ارمغانہ کی غمگساری کا انداز بہت دلنشیں تھا۔ اس لئے ابواسحاق کے چہرے پر اُبھرنے والے حیرت کے سائے مزید گہرے ہو گئے تھے۔

''ہم نہیں جانتے تھے کہ ہماری مملکت کے کسی گوشے میں کوئی اس قدر حساس خاتون بھی رہتی ہے۔''

''امیر محترم! میرا یہ احساس، میرے فرض کا دوسرا نام ہے۔ اور آج میں اسی فرض کا واسطہ دیتے ہوئے عرض کرتی ہوں کہ آپ سو جائیں۔ ورنہ یہ بے خوابی آپ کے اعصاب پر برے اثرات مرتب کرے گی۔ اور جب آپ شکستہ ہوں گے تو پوری مملکت کی نیندیں حرام ہو جائیں گی۔ اس لئے آپ کا

پُرسکون رہنا بہت ضروری ہے۔'' ارمغانہ شیرازی آج ہی اپنی تقریر کے سارے ہنر آزما لینا چاہتی تھی۔

''ہم سو جائیں گے ارمغانہ!......ہم سو جائیں گے۔'' ابواسحاق نے بے تکلفانہ لہجے میں کہا۔ ''ابھی والدِ محترم کی جدائی کا زخم تازہ ہے۔ اس لئے خلش ہمیں سونے نہیں دیتی۔''

''میں آپ کو وہ نغمۂ کیف آور سناؤں گی، امیرِ محترم! کہ جسے سن کر آپ خوابوں کے جزیرے میں چلے جائیں گے۔'' یہ کہہ کر ارمغانہ، ابواسحاق کے سامنے گھٹنوں کے بل جھک گئی۔

''نہیں ارمغانہ! ہماری سماعت ایسے کسی نغمے سے آشنا نہیں۔'' ابواسحاق نے اس طرح اپنا دایاں ہاتھ بلند کیا، جیسے وہ ارمغانہ شیرازی سے خاموش ہو جانے کے لئے کہہ رہا ہو۔

''ہم نے تو آج تک صرف شمشیروں کی جھنکاریں سنی ہیں۔ اور یہی ہمارے نغمے ہیں اور یہی ہماری موسیقی۔''

''بے شک! میدانِ جنگ میں یہی مردوں کی موسیقی ہے۔'' ابواسحاق کی آہنی شخصیت کے پتھریلے مجسمے کو پگھلا کر ریزہ ریزہ کرنے کے لئے ارمغانہ شیرازی اپنی جادو بیانی کے مختلف حربے استعمال کر رہی تھی۔

''مگر امیرِ ذی جاہ! عرصہ کارزار سے کامیاب و کامران لوٹ آنے کے بعد انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ چنگ و رباب کی سحر انگیز آواز بھی سنے۔ پھر جب وہ تازہ دم ہو جائے تو اپنے راحت کدے سے نکل کر دوبارہ میدانِ جنگ کی طرف چلا جائے اور اپنے دشمنوں کے اُٹھے ہوئے سروں کو ان کے کاندھوں سے جدا کر دے۔''

ارمغانہ شیرازی نے بڑی عجیب منطق پیش کی تھی۔ ابواسحاق کو کشت و خون سے بھری ہوئی اپنی طویل زندگی میں پہلی بار محسوس ہوا کہ جیسے وہ ایک بڑی نعمت سے محروم رہا ہو۔

''شاید تم ٹھیک کہتی ہو ارمغانہ! کہ ہم بہت زیادہ تھک گئے ہیں۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ ہماری تھکن کو آج تک تمہارے علاوہ کسی نے محسوس بھی نہیں کیا ہے۔''

ارمغانہ شیرازی کے دل میں خوشی کی ایک اور تیز لہر اُٹھی۔ ابواسحاق کے آہنی مجسمے نے ارمغانہ شیرازی کے حُسنِ شعلہ بار کی موجودگی کا اعتراف کر لیا تھا۔

''تو پھر امیر! اس کنیز کو خدمت گزاری کا گراں بہا اعزاز بخشیں۔''

''تو کیا تمہیں موسیقی کا فن بھی آتا ہے؟'' ابواسحاق نے چونک کر اس خوبصورت دوشیزہ کے چہرے کی طرف دیکھا، جو اس سے صرف ایک گز کے فاصلے پر دوزانو بیٹھی ہوئی تھی۔

''اس کنیز کو کیا نہیں آتا، عالیجاہ!'' پہلی بار ارمغانہ شیرازی کے سرخ و گداز ہونٹوں پر مسکراہٹ اُبھری......اور یہ مسکراہٹ اس قدر قدرتی تھی کہ ابواسحاق کو اپنے جسم میں لرزہ سا محسوس ہونے لگا۔

پھر اسی رات ارمغانہ شیرازی نے ابواسحاق کی خلوتِ خاص میں رباب چھیڑا اور اس کی سحر کار آواز سے در و دیوار گونجنے لگے۔ آواز کیا تھی؟ ایک بہتا ہوا آبشار تھا، جو پتھروں کے سینے میں شگاف ڈال رہا تھا۔ ابواسحاق نے محسوس کیا، جیسے اُس کے جلتے ہوئے دل و دماغ پر شبنم کی پھوار پڑ رہی ہو۔ اسے زندگی میں پہلی بار عجیب سے سکون کا احساس ہوا۔ کچھ دیر بعد اُس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ اور پھر وہ گہری نیند سو گیا۔

محافظ دستے کے تمام سپاہی حیران و پریشان تھے۔ طویل ملازمت کے دوران یہ پہلا موقع تھا، جب ان کے امیر کی خلوت میں کوئی عورت داخل ہوئی تھی۔ سارے محافظ ایک دوسرے کے چہرے کو دیکھ رہے تھے اور آنکھوں ہی آنکھوں میں مختلف سوالات کر رہے تھے۔ مگر کسی کو لب کشائی کی جرأت نہیں تھی۔ ایک طرف تو غزنی کے حکمران کا معاملہ تھا اور دوسری طرف ایک با اثر وزیر، اسد شیرازی کی بیٹی تھی۔ کوئی کہتا بھی تو کیا کہتا؟ مگر پھر بھی ایک محافظ نے ہمت کر کے سبکتگین تک یہ خبر پہنچا دی۔

''سردار! یہ ایک انہونی بات ہے کہ امیر، موسیقی سن رہے ہیں اور مطربہ کوئی عام کنیز نہیں، وزیرِ مملکت اسد شیرازی کی بیٹی ارمغانہ ہے۔''

سبکتگین کو یہ خبر سن کر ایسا محسوس ہوا جیسے کسی دشمن نے پیچھے سے وار کیا ہو اور اس کے سر پر بھاری گرز سے ضرب لگائی ہو۔

''چلو، میں دیکھتا ہوں۔'' سبکتگین نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا اور محافظ کے ساتھ ساتھ تیز قدموں سے چلتا ہوا ابواسحاق کی خلوتِ خاص تک پہنچا۔ خواب گاہ کا دروازہ بند تھا اور اندر سے رباب کی مدھم مدھم آواز اُبھر رہی تھی۔

اگرچہ سبکتگین، ابواسحاق کے بہت قریب تھا اور محافظ دستے کا نگرانِ اعلیٰ ہونے کے سبب اُس کی ذمہ داریاں بھی بہت زیادہ تھیں لیکن موجودہ صورتِ حال انتہائی نازک اور سنگین تھی۔ بااختیار ہونے کے باوجود وہ ابواسحاق کی خلوت میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کر سکتا تھا۔ مجبوراً دروازے پر کھڑے ہو کر انتظار کرنے لگا کہ کب وہ محفلِ موسیقی ختم ہو، ارمغانہ شیرازی خواب گاہ سے باہر آئے اور وہ امیر سے پوچھے۔

''آپ کو یہ شوق کب سے ہوا؟ آپ کے بزرگوار نے تو کبھی کسی محفلِ موسیقی کا اہتمام نہیں کیا۔ اور ان کی خلوت میں تو کبھی کوئی مطربہ داخل نہیں ہوئی۔''

سبکتگین کے ذہن میں ایسے بہت سے سوالات کسی آندھی کی طرح اُٹھ رہے تھے اور اس کے سوالوں کا جواب دینے والا، ارمغانہ کی سحر انگیز آواز سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

''مجھ سے مایوس ہونے کے بعد اب اس حسین فتنے نے امیر کی خلوت کا رُخ کیا ہے؟'' سبکتگین نے سوچا اور بڑی بے چینی کے ساتھ خواب گاہ کے دروازے پر ٹہلنے لگا۔ ''اگر امیر اُس کے دامِ فریب میں گرفتار ہو گئے تو پھر یہاں کیا بچے گا؟ ابواسحاق جیسا حکمران موسیقی کی محفل بھی سجا سکتا ہے؟'' سبکتگین کا ذہن شدید پیچ و تاب میں مبتلا تھا۔ ابواسحاق کا بے داغ ماضی چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ اس کے قدم سخت ناہموار راستے پر بھی لڑکھڑا نہیں سکتے۔ مگر سبکتگین کی آنکھوں کے سامنے جو منظر موجود تھا، وہ کوئی اور ہی شہادت پیش کر رہا تھا۔

سبکتگین کی وحشت بڑھتی جا رہی تھی۔ محافظ سپاہی خاموشی سے اپنے سالار کی ہیجانی کیفیت کو دیکھ رہے تھے مگر ان میں سے کوئی ایک بھی آگے بڑھ کر سبکتگین سے اس کی وحشتوں کا سبب دریافت نہیں کر سکتا تھا۔

سبکتگین خواب گاہ کے سامنے مسلسل ٹہل رہا تھا اور دل ہی دل میں اپنے امیر کی سلامتی کے لئے دعائیں کر رہا تھا۔ ابھی سبکتگین کی زیرِ لب دعائیں جاری تھیں کہ یکایک خواب گاہ کا دروازہ کھلا اور ارمغانہ شیرازی ایک ادائے خاص کے ساتھ چلتی ہوئی کمرے سے باہر آئی۔ ارمغانہ کو دیکھ کر تمام سپاہی گھبرا گئے

تھے اور انہوں نے گردنیں جھکا لی تھیں۔ اسد شیرازی کی بیٹی آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور سبکتگین کے قریب پہنچ کر ٹھہر گئی۔

"امیر کئی راتوں کے بعد گہری نیند سوئے ہیں۔" سرگوشی کے انداز میں ارمغانہ کی مترنم آواز اُبھری اور پھر وہ آہستہ آہستہ تیز قدموں سے اپنے مکان کی طرف چلی گئی۔ جو شاہی محل کے ایک گوشے میں آباد تھا۔

✻✻✻✻✻

رات کے پچھلے پہر ارمغانہ اپنے مکان میں داخل ہوئی۔ اسد شیرازی جاگ رہا تھا۔ بیٹی کو دیکھتے ہی وہ گھبرا کر اُٹھا اور تیزی سے آگے بڑھا۔ مگر چند قدم چلتے ہی لڑکھڑا کر گیا۔ اسد شیرازی رات بھر شراب پیتا رہا تھا، اس لئے اب اس کی ٹانگیں جسم کا بوجھ اُٹھانے کے قابل نہیں رہی تھیں۔ باپ کو گرتے دیکھ کر ارمغانہ تیزی سے آگے بڑھی اور اسد شیرازی کو اُٹھاتے ہوئے بولی۔ "بابا جان! آپ کے چوٹ تو نہیں لگی؟"

"نہیں بیٹی!" اسد شیرازی مسکرایا۔ "ان قیمتی قالینوں کا یہی تو سب سے بڑا فائدہ ہے کہ اگر انسان گر بھی جائے تو اس کے چوٹ نہیں لگتی۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ مگر تم بتاؤ کہ......" اسد شیرازی نے اپنی بات نامکمل چھوڑ دی تھی۔

"بابا! اہرمن کا کرم ہے کہ اس نے مجھے میرے اندازوں سے زیادہ کامیابی عطا کی۔ کچھ دیر تک امیر ابواسحاق اپنے بزرگوں کی روایتوں کے حوالے دیتا رہا۔ ایسا لگتا تھا، جیسے وہ اپنے مذہبی خیالات کے خول سے باہر آنے پر رضامند ہی نہیں ہوگا مگر میں نے آپ کے سکھائے ہوئے فنِ تقریر کا سہارا لیا اور پھر جلد ہی میری آنکھوں نے امیر کے آہنی مجسمے کے پگھلنے کا منظر بھی دیکھ لیا۔ لوگ کہا کرتے تھے کہ وہ ایک فولادی انسان ہے۔ لیکن میرا تجربہ بتاتا ہے کہ یہ سارے دعوے غلط تھے۔ وہ تو رباب کے تاروں کی ایک ہلکی سی ضرب سے ٹوٹ کر بکھر گیا۔ مجھے یقین ہے کہ اب دنیا کی کوئی طاقت امیر ابواسحاق کو دوبارہ جمع نہیں کر سکتی۔" یہ کہتے کہتے ارمغانہ کے سرخ و گداز ہونٹوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ اُبھر آئی، جیسے اُس نے تنِ تنہا غزنی کے تمام لشکروں کو شکست دے دی ہو اور امیر ابواسحاق کو ہمیشہ کے لئے فتح کر لیا ہو۔

"مجھے یقین ہے بیٹی!...... مجھے یقین ہے۔" نشے کی زیادتی کے سبب اسد شیرازی کی آواز بری طرح لڑکھڑا گئی تھی۔ "مگر تمہیں سبکتگین نے تو نہیں دیکھا؟" مدہوشی کے باوجود اسد شیرازی بہت ہوش کی باتیں کر رہا تھا۔

"محافظِ اعلیٰ کی حیثیت سے سبکتگین وہاں موجود تھا اور انتہائی بے چارگی کے عالم میں اپنی شکست کا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔" ارمغانہ کے ہونٹوں کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی تھی۔ "جب امیر ابواسحاق ہی میرے قدموں پر جھک گیا تو پھر سبکتگین کی کیا حیثیت ہے؟ وہ کل بھی غلام زادہ تھا اور آج بھی غلام زادہ ہے۔" یکایک ارمغانہ کا چہرہ نفرت اور غصے کی آگ سے جلنے لگا۔

"بیٹھ جاؤ بیٹی!...... بیٹھ جاؤ۔" اسد شیرازی نے جھومتے ہوئے کہا۔

باپ کا حکم پاتے ہی ارمغانہ سامنے کی نشست پر بیٹھ گئی۔

"تم بہت جذباتی ہو رہی ہو۔ اور شاید یہ تمہاری نوجوانی کا تقاضا ہے۔ اس عمر میں انسانی دماغ پر سرکش جذبوں کا ہی غلبہ ہوتا ہے۔" اسد شیرازی نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اب سبکتگین

اتنا بے دست و پا بھی نہیں کہ تم اس کی موجودگی کو یکسر نظرانداز کر دو۔ وہ ایک ذہین نوجوان ہے اور امیر ابواسحاق کے مزاج میں گہرا دخل رکھتا ہے۔ تمہیں اپنا ہر قدم بہت احتیاط سے اٹھانا ہوگا۔ تمہاری ایک لغزش تمہیں تباہی اور پستی کے تاریک غاروں کی طرف بھی لے جا سکتی ہے...... اور میری آخری بات یاد رکھنا کہ سیاست میں کسی موسم اور کسی رشتے پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔"

ارمغانہ نے اثبات میں اپنے سر کو جنبش دی۔ مگر دلی طور پر وہ باپ کے اس مشورے سے مطمئن نہیں تھی۔ اور اس بے اطمینانی کی وجہ اس کا حد سے بڑھا ہوا اعتماد تھا۔ اپنے فتنہ انگیز حُسن پر اعتماد...... اور اپنی سحر کار آواز پر اعتماد...... اور اپنے دلکش فنِ تقریر پر اعتماد، جس سے بڑے بڑے پتھر بھی موم ہو جاتے ہیں۔

✻✻✻✻✻

دوسرے دن دربار میں سبکتگین کی ملاقات، ابواسحاق سے ہوئی۔ امیر آج بہت پُرسکون نظر آ رہا تھا۔ جب دربار برخواست ہو گیا تو سبکتگین نے ابواسحاق سے پوچھا۔

"امیر محترم کے مزاج کیسے ہیں؟" سبکتگین کے الفاظ میں ہلکا سا طنز پوشیدہ تھا۔ مگر غزنی کا حکمران محسوس نہیں کر سکا۔

"سبکتگین! کل رات بہت دنوں بعد ہم گہری نیند سوئے۔ اس لئے طبیعت ہلکی محسوس ہو رہی ہے۔"

سبکتگین انتظار کر رہا تھا کہ شاید امیر ابواسحاق، ارمغانہ شیرازی کی سجائی ہوئی محفلِ موسیقی کا ذکر کرے۔ مگر جب غزنی کے حکمراں نے گزشتہ رات کے کیف آور ہنگامے کا کوئی حوالہ نہیں دیا تو وہ بھی مصلحتاً خاموش رہا۔ اور پھر ایک رسم سی ادا کرتے ہوئے بولا۔

"امیر! خدا آپ کی نیندوں کو برقرار رکھے۔"

اب یہ ایک معمول سا بن گیا تھا کہ نمازِ عشاء سے فارغ ہوتے ہی امیر ابواسحاق، ارمغانہ شیرازی کو اپنی خلوتِ خاص میں طلب کر لیتا اور نصف شب تک اس خوب صورت مطربہ سے سحر انگیز نغمے سنتا رہتا۔ کبھی کبھی یہ محفلِ موسیقی اتنی طویل ہو جاتی کہ امیر کی خواب گاہ میں رات کے پچھلے پہر تک ہنگامۂ ساز و آواز برپا رہتا۔ پھر اس شب بیداری کے سبب کبھی یوں بھی ہوتا کہ امیر ابواسحاق دن چڑھے تک سویا رہتا اور اُس کی فجر کی نماز قضا ہو جاتی۔ ارمغانہ شیرازی اپنی ان کامیابیوں پر بہت مسرور تھی۔ اور کبھی کبھی تصورات کی دنیا میں یہ منظر بھی دیکھ لیتی کہ غزنی کا فرمانروا اُس کے سر پر تاجِ زرنگار سجا رہا ہے۔ پھر جاگتی آنکھوں سے دیکھے جانے والے ان خوابوں کا تسلسل ٹوٹ جاتا اور ارمغانہ شیرازی، امیر ابواسحاق کی خواب گاہ میں اپنے آپ کو فرش پر بیٹھا ہوا پاتی۔ اُسے اس لمحے کا انتظار تھا، جب امیر ابواسحاق، جذبات سے مغلوب ہو کر دیوانہ وار پکار اُٹھتا۔ "ارمغانہ! یہاں آؤ۔ ہمارے قریب بیٹھو۔" مگر ابھی وہ لمحہ نہیں آیا تھا۔ غزنی کے حکمراں کے اتنے قریب پہنچنے کے بعد بھی اس کے خواب روزِ اوّل کی طرح پیاسے تھے۔

تاہم اُس کی نغمہ سرائی سے خوش ہو کر ایک دن ابواسحاق نے کہا تھا۔

"ارمغانہ! آج تک تم نے ہم سے اپنی اس خدمت گزاری کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کیا۔ اور ہم خود بھی اقتدار کے ہنگاموں میں تمہارے فن کا اعتراف نہ کر سکے۔ مگر آج تم کچھ نہ کچھ ضرور مانگو۔ ہم تمہاری خواہشوں کی تکمیل کرتے ہوئے بہت زیادہ خوشی محسوس کریں گے۔"

امیر ابواسحاق کے الفاظ سن کر ارمغانہ شیرازی کے دل کی دھڑکنوں میں توازن برقرار نہیں رہا۔ اس نے ایک ہیجان انگیز کیفیت سے دوچار ہوتے ہوئے سوچا۔ شاید وہ لمحہ آ گیا ہے، جس کا مجھے بہت دنوں سے انتظار تھا۔

پھر ارمغانہ کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔ ''امیر کی زبانِ مبارک سے ادا ہونے والے چند الفاظ میرے لئے دنیا کے تمام خزانوں سے زیادہ قیمتی ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے ارمغانہ نے ادب سے سر جھکا لیا۔ وہ ابواسحاق کے بے قرار جذبوں کی انتہا دیکھنا چاہتی تھی۔

''نہیں ارمغانہ! آج تو تمہیں کچھ مانگنا ہی ہوگا۔'' یکایک امیر ابواسحاق کا لہجہ بدل گیا۔ اُس نے پُرجلال آواز میں کہا۔ ''ہم اپنی ذات پر کسی کا قرض باقی رکھنے کے عادی نہیں۔ بلا جھجک ہو کر مانگو۔ اگر ہماری بساط میں ہوگا تو تمہیں مایوس نہیں کریں گے۔'' ابواسحاق کے چہرے پر کچھ دیر کے لئے آمرانہ شان اُبھر آئی تھی۔

ارمغانہ شیرازی چند لمحوں تک خمار آلود نظروں سے ابواسحاق کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر آگے بڑھ کر گھٹنوں کے بل جھکی، حنائی ہاتھوں سے امیر کے پیروں کو چھوا اور پھر غزنی کے حکمراں کے قدموں میں اپنا سر رکھ دیا۔

''یہ کنیز اس کے سوا کچھ نہیں چاہتی کہ امیر ذیشان اس حقیر خادمہ کو ہمیشہ کے لئے اپنے قدموں میں جگہ دیں۔''

بڑھاپے کی سرحدوں پر کھڑا ہوا حکمراں ایک خوف ناک طوفان کی زد میں تھا۔ ایسا طوفان، جو آج سے پہلے اس کی زندگی میں کبھی نہیں آیا تھا۔ ارمغانہ شیرازی کی اتنی قربت پا کر ابواسحاق کو محسوس ہوا کہ قصرِ شاہی میں زلزلہ سا آ گیا ہے اور اس کی خواب گاہ کے در و دیوار خود اسی پر گرے جا رہے ہیں۔ امیر ابواسحاق کچھ دیر تک اس طوفان سے لڑتا رہا۔ مگر جب پاگل ہواؤں اور پانی کی خونخوار موجوں نے زیادہ سرکشی اختیار کر لی تو غزنی کا حکمراں اپنے نرم بستر سے اُٹھ کر پتھر کے سخت فرش پر کھڑا ہو گیا۔

ارمغانہ شیرازی نے بڑے تعجب سے امیر ابواسحاق کی طرف دیکھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایک کمزور دیوار اتنے خوف ناک طوفان پر بھی اپنی جگہ قائم رہ سکتی ہے۔

''تم اس وقت جاؤ ارمغانہ! اور ہمیں تنہا چھوڑ دو...... ہم تمہاری اس خواہش پر سنجیدگی سے غور ضرور کریں گے مگر کوئی وعدہ نہیں کرتے۔''

ارمغانہ ایک عجیب سی سرشاری کے عالم میں اُٹھی۔ اُس نے اپنی زندگی کے سنگلاخ راستے کو بڑی آسانی سے طے کر لیا تھا۔ اور اب وہ فتح کے نشان سے صرف چند گز کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ ارمغانہ نے جھک کر امیر کو رخصتی سلام کیا اور آہستہ آہستہ ایک شانِ بے نیازی کے ساتھ چلتی ہوئی خواب گاہ کے دروازے سے باہر نکل گئی۔

باہر آتے ہی ارمغانہ نے سبکتگین کو دیکھا، جو حسبِ معمول شدید بے قراری کی حالت میں ٹہل رہا تھا۔ وہ گزشتہ کئی دنوں سے یہی ایک منظر دیکھ رہی تھی کہ جب امیر کی خواب گاہ میں داخل ہوتی تو دروازے پر عام پہرے دار موجود ہوتے۔ لیکن جب واپس جاتی تو وہاں دوسرے محافظوں کے بجائے سبکتگین تنہا نظر آتا۔ اور آج بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ ارمغانہ شیرازی چند لمحوں کے لئے رکی اور سبکتگین کو عجیب

سی نظروں سے دیکھتی ہوئی چلی گئی۔

کئی روز سے ارمغانہ کا یہی عمل تھا۔ مگر آج سبکتگین نے یہ محسوس کیا تھا کہ اس کی فتنہ کار آنکھیں کوئی اور ہی افسانہ سنا رہی تھیں۔ پھر اسی وقت سبکتگین نے فیصلہ کر لیا، کل وہ امیر ابواسحاق سے اس موضوع پر ضرور گفتگو کرے گا۔ اس کے بعد چاہے اسے اپنی ملازمت سے دستبردار ہونا پڑے یا پھر وہ امیر کے کسی دوسرے عتاب کا نشانہ بن جائے۔ یہ سوچ کر سبکتگین اپنے مکان کی طرف چلا گیا۔ اس فیصلے نے اسے بہت دنوں کے ذہنی عذاب سے نجات بخش دی تھی۔

مگر دوسری طرف امیر ابواسحاق بہت زیادہ مضطرب اور پریشان نظر آ رہا تھا۔ اس نے رات کا باقی حصہ اپنی خواب گاہ میں ٹہل کر گزار دیا۔ ابواسحاق کے کانوں میں بار بار اپنے باپ امیر الپتگین کی وصیت گونج رہی تھی۔ مرحوم فرمانروا نے بیٹے کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہمیشہ اپنی تلوار کی آب و تاب قائم رکھنا...... لیکن ارمغانہ شیرازی کی آمد نے سب کچھ زیر و زبر کر دیا تھا۔ اور اب وہ شمشیروں کی جھنکار سن کر پُرسکون ہونے کے بجائے رباب کے تاروں میں پناہ ڈھونڈ رہا تھا۔ ابواسحاق، موسیقی کے کمزور حصار کو توڑ کر باہر نکل سکتا تھا مگر اس کے دل و دماغ پر ارمغانہ شیرازی کے حُسن کی گرفت روز بروز مضبوط ہوتی جا رہی تھی...... اور اب وہ وقت آ چکا تھا کہ ابواسحاق کو اپنی زندگی کے اس نئے موڑ پر پہنچ کر ایک نہایت اہم فیصلہ کرنا تھا۔ آخر اسی کشمکش میں فجر کی اذان ہو گئی اور موذن، اللہ کی کبریائی بیان کرنے لگا۔ ابواسحاق نے نمازِ فجر ادا کی اور بہت دیر تک اپنے لئے ہدایتِ غیبی کی دعائیں کرتا رہا۔

❋❁❋❁❋

دوسرے دن دربار برخاست ہوتے ہی سبکتگین، ابواسحاق سے ملا اور تنہائی میں کچھ باتیں کرنے کی مہلت مانگی۔ ابواسحاق، سبکتگین کو لئے ہوئے اپنے ایک مخصوص کمرے میں داخل ہوا اور سوالیہ نظروں سے غزنی کے سپہ سالار کی طرف دیکھنے لگا۔

سبکتگین نے ارمغانہ شیرازی کی آمد اور کئی ماہ سے جاری رہنے والی موسیقی کی تمام محفلوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ بات امیر کے شایانِ شان نہیں کہ وہ باپ دادا کی روش کو چھوڑ کر اس وزیر زادی کی آواز کے فتنے میں گم ہو جائیں، جو محض اقتدار تک پہنچنے کے لئے ایک شرم ناک کھیل کھیل رہی ہے۔'' سبکتگین کا اندازِ تخاطب دیکھ کر ابواسحاق کے ماتھے پر کئی بل پڑ گئے لیکن بولا کچھ نہیں۔

''امیر! آپ آقا زادے ہیں اور میں اسی رشتے کا تقدس برقرار رکھنے کے لئے آج یہ راز فاش کر رہا ہوں کہ تقریباً ایک سال پہلے ارمغانہ شیرازی مجھ سے شادی کرنا چاہتی تھی، مگر امیر مرحوم نے میرے لئے کسی دوسری عورت کا انتخاب کیا۔ میں بہت دنوں سے آپ کی خواب گاہ کے باہر رات بھر کھڑے رہ کر اس کی آمد و رفت کو دیکھتا رہا ہوں، مگر آج قوتِ برداشت جواب دے گئی تو حرفِ شکایت اپنی زبان تک لے آیا ہوں۔ اگر ایک غلام کی یہ بے ادبی و گستاخی، مزاجِ شاہی پر گراں گزرے تو یہ نمک خوار، غزنی سے نکل کر خدا کی زمین کے کسی گم نام گوشے میں چلا جائے گا...... لیکن آپ بروزِ حشر گواہ رہیے گا کہ میں نے حقِ نمک ادا کر دیا ہے۔ خدا کی قسم! وہ بے کردار لڑکی آپ کے لائق نہیں۔ وہ تو عام راستوں کی اُڑتی ہوئی خاک ہے، جو قبائے شاہی کو داغ دار کر کے ملکہ بننے کے خواب دیکھ رہی ہے۔''

یہ کہہ کر سبکتگین نے کمر سے اپنی تلوار کھولی اور ابواسحاق کے سامنے رکھتے ہوئے بولا۔

"آقا! اپنی امانت واپس لے لیجئے کہ ایک کمزور انسان سے اس امانت کا بوجھ نہیں اُٹھ سکتا۔" یکایک سبکتگین کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

ابواسحاق بہت دیر تک حیرت و پریشانی کے عالم میں سبکتگین کو دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے پر مختلف رنگ اُبھر کر ڈوبتے رہے۔ پھر وہ بہت آہستہ لہجے میں بولا۔ "سبکتگین! تم نے یہ تلوار کیوں کھول دی؟"

"صرف اس لئے آقا! کہ شاید غلام کی یہ گستاخی آپ سے برداشت نہ ہو سکے۔ یہی سوچ کر میں نے اپنی بے ادبی کی سزا خود تجویز کر لی ہے۔" شدتِ جذبات سے سبکتگین کی آواز لرز رہی تھی۔

"سبکتگین! نہ تم غلام ہو اور نہ میں آقا" ابواسحاق نے اسی شفیق و مہربان لہجے میں کہا۔ "امیر الپتگین کے رشتے سے تم میرے بھائی ہو۔ اور مجھے فخر ہے کہ آج تم نے بھائی ہونے کا حق ادا کر دیا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں ایک مطربہ کے لئے تم جیسے جاں نثار کو اپنے آپ سے جدا کروں گا؟ نہیں! ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ مجھے اپنے اس عمل پر بہت ندامت ہے۔ بس کچھ دیر کے لئے آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا تھا۔ مگر جب تم نے مجھے پکارا تو ساری تاریکیاں فنا ہو گئیں اور بزرگوں کا قائم کیا ہوا روشنی کا مینار صاف نظر آنے لگا۔ اب میری آنکھوں کے سامنے کوئی دھند نہیں، کوئی غبار نہیں۔ اطمینان رکھو کہ آج کے بعد ارمغانہ شیرازی میری خواب گاہ میں کبھی داخل نہیں ہوگی۔"

سبکتگین نے بے قرار ہو کر امیر ابواسحاق کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور بہت دیر تک روتا رہا۔

"امیر! خدا آپ کی عمر دراز کرے کہ میری آنکھوں نے آج تک اس اعلیٰ ظرفی کا کوئی دوسرا مظاہرہ نہیں دیکھا۔"

✻✻✻✻✻

پھر اسی رات ارمغانہ شیرازی، امیر ابواسحاق کی خواب گاہ میں داخل ہوئی۔ آج وہ تمام دنوں سے زیادہ خوبصورت اور آراستہ نظر آ رہی تھی۔ مگر اس وقت ارمغانہ کا شاداب چہرہ دھواں ہو گیا۔ جب امیر ابواسحاق نے اُس کے داخل ہوتے ہی شدید ناگوار لہجے میں کہا۔

"ارمغانہ! ہم نے بہت غور کیا، مگر موسیقی کو ہماری پتھروں جیسی فطرت سے کوئی مناسبت نہیں۔ ہم صرف نغمۂ شمشیر سننے کے عادی ہیں۔ ہمیں کوئی دوسرا نغمہ راس آتا ہی نہیں...... اس لئے تم اپنا رباب اُٹھاؤ اور ہمارے خلوت کدے سے چلی جاؤ۔"

یہ کہہ کر ابواسحاق نے اشرفیوں سے بھری ہوئی ایک تھیلی ارمغانہ شیرازی کی طرف بڑھائی۔

"یہ تمہاری خدمت گزاری کا انعام ہے...... ہم تمہیں اپنے قدموں میں تو کیا، اس کمرے کے ایک گوشے میں بھی جگہ نہیں دے سکتے۔"

ارمغانہ اس قسم کے جواب کے لئے تیار نہیں تھی۔ امیر ابواسحاق کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ پھر وہ بڑی مشکل سے سنبھلی اور امیر سے کچھ کہنے کے لئے اپنا گلا صاف کرنے لگی۔ لیکن ابواسحاق نے اُسے لب کشائی کی مہلت ہی نہیں دی۔ مجبوراً وہ لڑکھڑاتے قدموں سے باہر نکل آئی۔

خواب گاہ کے دروازے پر سبکتگین، پتھر کے کسی ستون کی طرح کھڑا تھا۔ ایک لمحے کے لئے ارمغانہ نے اُسے دیکھا اور سر جھکا دیا۔

✻✻✻✻✻

اسد شیرازی نے یہ خبر سنی تو انتہائی وحشت و کرب کے عالم میں اپنے سر کے بال نوچنے لگا۔

"میں تم سے پہلے ہی کہتا تھا کہ اس معاملے میں سبکتگین کو نظر انداز کر دینا تمہاری بہت بڑی نادانی ہو گی۔ آخر وہی ہوا...... اور اپنے گردوپیش سے بے خبر رہنے والوں کا یہی حشر ہوتا ہے۔"

اسد شیرازی کے بکھرے ہوئے لمبے لمبے بالوں اور آنکھوں سے جھانکتی ہوئی وحشت سے پہلی نظر میں یہی تاثر ملتا تھا کہ جیسے وہ کوئی پاگل انسان ہے۔ بار بار شراب پینا اور بے قراری کے ساتھ کمرے میں ٹہلنا اُس کے ذہنی انتشار اور بدحواسی کا کھلا مظاہرہ تھا۔

ارمغانہ سے باپ کی یہ حالت دیکھی نہ گئی تو اُس نے مجبور ہو کر کہا۔

"بابا! آپ سبکتگین کو بھول کیوں نہیں جاتے؟ اگر ابواسحاق میری گرفت میں نہیں آیا تو اس سے ہمارے معاشرتی وقار پر کیا اثر پڑتا ہے؟ میں نے آپ کے حکم کے مطابق جُوئے کی ایک بازی کھیلی تھی، مگر بدقسمتی سے میں وہ بازی اس وقت ہار گئی، جب مجھے اپنی فتح یقینی نظر آ رہی تھی۔ آپ چاہیں گے تو پھر کوئی دوسری بازی کھیل لوں گی۔ مگر اہرمن کے لئے، پریشان ہونا چھوڑ دیجئے۔" ارمغانہ اس طرح اپنے باپ کو تسلیاں دے رہی تھی، جیسے وہ خود کوئی بزرگ ہے اور اسد شیرازی ایک چھوٹا سا بچہ ہے۔

"میری نادان بیٹی!" اسد شیرازی ایک کرسی پر گرتے ہوئے بولا۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔ "جو لوگ بار بار بازیاں کھیلتے ہیں اور ہار جاتے ہیں، زندگی کے قمار خانے میں ان کا بھرم باقی نہیں رہتا۔ اچھے شاطر کی یہی پہچان ہے کہ وہ ایک ہی بازی کھیلے اور اپنے طاقتور حریف کو شکست دے...... اور اگر بالفرض وہ ہار بھی جائے تو اس کے حریف یہ سوچ سوچ کر ڈرتے رہیں کہ پتہ نہیں، وہ کب کون سی چال چلے گا اور اُن کی بساطیں اُلٹ کر رکھ دے گا۔ تم دو بازیاں کھیلیں اور ہار گئیں۔ مجھے افسوس ہے کہ دنیا کا یہ بہترین شاطر بھی تمہیں شکست سے نہیں بچا سکا۔" اسد شیرازی نے اپنے سینے پر زور سے ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "اور تم یہ کہتی ہو، میں سبکتگین کو فراموش کر دوں؟...... تمہارا یہ مشورہ بڑا عجیب مشورہ ہے بیٹی! تم نہیں جانتیں کہ سبکتگین کون ہے؟ پہلے میں نے سوچا تھا کہ تمہارے ذریعے اسے ہلاک کرنے کی کوشش کروں گا، مگر وہ بچ کر نکل گیا۔ پھر میں نے ابواسحاق کا سہارا لیا کہ اگر وہ بوڑھا حکمران تم سے شادی پر آمادہ ہو جاتا ہے تو پھر بڑی آسانی سے اسے معزول کر کے اپنے منصوبے کی خوراک بنایا جا سکتا ہے...... لیکن آج ابواسحاق کے انکار نے میرے اس خواب کو بھی پریشان کر دیا ہے۔ میں تمہیں مختصراً بتا دوں کہ سبکتگین ایک دن بہت ترقی کرے گا اور اس کی یہی ترقی ہمارے خاندان کی تباہی کا باعث ہو گی۔ ستارے بار بار مجھ سے سرگوشی کرتے ہیں کہ سبکتگین اور اس کے بیٹے محمود کو تہہ تیغ کر دو۔ ورنہ یہ دونوں باپ بیٹے ہمارے سینوں میں روشن رہنے والے مقدس آتش کدوں کو بھی بجھا دیں گے اور ہماری زندگی کے چراغ بھی گُل کر دیں گے۔"

"پھر بابا جان؟" ارمغانہ پریشان ہو کر باپ کے وحشت زدہ چہرے کو دیکھنے لگی۔

"مجھے سوچنے دو.... مجھے سوچنے دو۔" اسد شیرازی نے رک رک کر کہا اور شراب کا نیا جام لبریز کر کے پینے لگا۔

✻✻✻✻✻

امیر ابو اسحاق کے معاملے میں درپردہ سبکتگین کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد اسد شیرازی کی ساری توجہ محمود پر مرکوز رہتی تھی۔ اور محمود کا خیال آتے ہی وہ ایک اجنبی شخص، نظام شاہ کے بارے میں سوچنے لگتا تھا۔ اسد شیرازی نے یہ راز معلوم کرنے کی بہت کوشش کی کہ نظام شاہ کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟ مگر اس سلسلے میں اب تک اُس کی ہر کوشش رائیگاں گئی تھی۔ بالآخر اسد شیرازی نے اپنے ذہن میں ایک نیا منصوبہ ترتیب دیا اور بیک وقت کئی جاسوس، سبکتگین کی نگرانی پر لگا دیئے۔ ان جاسوسوں میں سرفہرست اُس کی وہ کنیز سعدیہ تھی، جو محمود کی والدہ کی خدمت پر مامور تھی اور شاہی حرم سرا میں ہونے والی اہم گفتگو اپنے آقا کو منتقل کرتی تھی۔ ان تمام جاسوسوں کی ایک ہی ذمہ داری تھی کہ وہ ہر وقت سبکتگین پر نظر رکھیں کہ غزنی کا یہ سپہ سالار کہاں کہاں جاتا ہے اور کس کس سے ملتا ہے؟ اسد شیرازی کے دماغ میں نظام شاہ کا سراغ حاصل کرنے کے لئے بس یہی ایک ترکیب تھی۔ اُس کے تمام جاسوس پھٹے پرانے کپڑوں میں محل کے باہر بھکاریوں کی صورت بنائے ہوئے کھڑے رہتے تھے اور قصرِ شاہی کی طرف ہر آنے جانے والے کے سامنے ہاتھ پھیلا پھیلا کر اپنی ضرورتوں کے سوال کیا کرتے تھے۔

کئی دن سے سبکتگین کے گرد اسد شیرازی کے جاسوسوں کا جال پھیلا ہوا تھا، مگر ابھی تک کوئی جاسوس بھی وہ خبر نہیں لایا تھا، جس کا اسد شیرازی کو بے چینی سے انتظار تھا۔ پھر اچانک ایک روز اُس کی یہ مراد پوری ہوگئی۔ اسد شیرازی کے ایک ملازم جاسوس نے اپنے آقا کو خبر دیتے ہوئے کہا۔

”میں نے سبکتگین کو دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے محمود کو لے کر محل سے نکلا اور شاہی رتھ میں سوار ہو کر غزنی کے مضافاتی علاقے کی طرف چلا گیا۔ کچھ دیر بعد میں نے گھوڑے پر سوار ہو کر سبکتگین کا تعاقب شروع کیا اور بڑی محنت کے بعد یہ راز پالیا کہ سبکتگین ایک مسجد میں داخل ہوا تھا۔ میں خود تو مسجد کے اندر داخل نہیں ہوسکا، مگر میرا اندازہ ہے کہ آپ کا مطلوبہ شخص اسی مسجد کے کسی گوشے میں رہتا ہے۔“

اس خبر نے اسد شیرازی کے جسم میں مسرتوں کی ایک نئی لہر دوڑا دی تھی۔

جاسوس کی فراہم کردہ اس خبر کی تفصیل یہ تھی کہ جب محمود مکمل طور پر صحت یاب ہوگیا تو ایک دن سبکتگین اسے لے کر نظام شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

”شیخ! یہ ہے میرا کم سن وارث محمود۔ اسے اپنی دعاؤں سے نواز دیجئے۔“

نظام شاہ بہت دیر تک چار پانچ ماہ کے اس معصوم بچے کو دیکھتے رہے، جس کے چہرے پر چیچک کے کئی بڑے بڑے داغ نمایاں تھے۔ پھر نظام شاہ نے محمود کی پیشانی کو چوما اور چیچک کے داغوں پر اپنا ہاتھ پھیرنے لگے۔

”شیخ! ان داغوں نے محمود کے چہرے کا سارا حُسن بگاڑ دیا ہے۔“ سبکتگین نے انتہائی کرب ناک لہجے میں کہا۔

ایک باپ کی جذباتی اذیت پر اظہارِ ہمدردی کرنے کے بجائے نظام شاہ مسکرانے لگے۔ ”ظاہری حُسن پر کیوں جاتے ہو سبکتگین! محمود پھر محمود ہے اور محمود ہی رہے گا۔ اس وقت ہم تو اس دنیا میں نہیں ہوں گے، مگر تمام عالم دیکھے گا کہ ان سیاہ داغوں سے کیسی عجیب روشنی پھوٹے گی۔ ہر طرف اُجالا ہی اُجالا ہو گا۔ بہت تیز اُجالا۔ اللہ اس بچے کو اپنی امان میں رکھے۔“

پھر سبکتگین، محمود کو لے کر محل واپس آگیا تھا اور جاسوس نے اس واقعے کی اطلاع اسد شیرازی کو دی

تھی۔ مگر چند مجبوریوں کے سبب وہ اپنے آقا کو یہ نہیں بتا سکا تھا کہ وہاں سبکتگین کس شخص سے ملا تھا اور مسجد کے اندر کیا واقعہ پیش آیا تھا۔

❀❀❀❀❀

اگرچہ اسد شیرازی ابھی تک نظام شاہ سے نہیں ملا تھا، لیکن وہ اُن کی روحانی طاقت کو آزماتے ہوئے محمود کو راستے سے ہٹانا چاہتا تھا۔ اس نے کئی رات جاگ کر ستاروں کی رفتار دیکھی اور پھر اپنی کنیز سعدیہ کو تنہائی میں طلب کرتے ہوئے کہا۔

”میرا علم مجھے بتاتا ہے کہ یہ بہترین ساعتیں ہیں۔ اس وقت مریخ اور زحل کا مقابلہ ہے۔ اگر کوئی شخص ان ساعتوں میں کام کرے گا تو اسے یقینی طور پر کامیابی حاصل ہوگی۔“

”حکم دیجئے آقا!“ کنیز سعدیہ نے احتراماً خم ہوتے ہوئے کہا۔

”تجھے سبکتگین کے بیٹے محمود سے کتنی قربت حاصل ہے......؟“ اسد شیرازی نے کچھ سوچتے ہوئے سعدیہ سے سوال کیا۔

”کبھی کبھی جب محمود رونے لگتا ہے تو ملکہ مجھے حکم دیتی ہیں کہ میں بچے کو گود میں لے کر خاموش کرا دوں۔“ کنیز سعدیہ نے اسد شیرازی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

اسد شیرازی، کنیز کی زبانی یہ انکشاف سن کر مسکرایا۔ ”اب میرے سامنے کوئی دیوار نہیں رہی۔ مجھے اپنا راستہ صاف نظر آرہا ہے۔“ یہ کہہ کر اس نے اپنے پیرہن کی جیب سے ایک چھوٹی سی شیشی نکالی اور اسے سعدیہ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

”اس شیشی میں دنیا کا خوفناک ترین زہر ہے۔ بس تو اس کا ایک قطرہ، محمود کے ہونٹوں یا زبان پر ٹپکا دے۔ پھر ایک لمحے میں اُس کی سانسوں کا کاروبار ختم ہوجائے گا۔“

کنیز سعدیہ نے اپنے آقا کے ہاتھوں سے زہر کی وہ شیشی تو لے لی، مگر اُس کے جسم پر شدید لرزہ طاری ہوگیا۔

اسد شیرازی نے غضب ناک نظروں سے اپنی کنیز کی بگڑتی ہوئی حالت کو دیکھا اور قہر آلود لہجے میں بولا۔ ”اگر تُو یہ کام نہیں کرسکتی تو پھر اس پوری شیشی کو اپنے حلق میں انڈیل لے۔“

سعدیہ ایک بار پھر کانپی، مگر فوراً ہی اس نے اپنے بدن کی لرزش پر قابو پالیا۔

”نہیں آقا! یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ مجھے کوئی حکم دیں اور میں اس پر عمل نہ کروں۔ میں تو اپنی جان تک آپ کے ہاتھ فروخت کرچکی ہوں۔ اب اس زندگی پر میرا کوئی حق نہیں ہے۔ آپ اسے جس طرح چاہیں، استعمال کریں۔“ یہ کہتے کہتے سعدیہ کی آنکھوں کے سامنے اُس کے ماں باپ اور چھوٹے چھوٹے بہن بھائیوں کے معصوم چہرے اُبھر آئے تھے۔

”تو محمود کو زہر دے کر ہلاک کردے۔ پھر ہم تجھے نئی زندگی بخشیں گے۔ وہ زندگی بہت زیادہ نشاط انگیز اور آسودہ حال ہوگی۔“

کنیز سعدیہ، زہر کی شیشی لے کر چلی گئی اور اسد شیرازی، محمود کی ہلاکت کا انتظار کرنے لگا۔ وہ تصورات کی دنیا میں دیکھ رہا تھا کہ پورا محل اچانک ماتم کدہ بن گیا ہے، جس کے ہر گوشے سے تیز چیخیں اُبھر رہی ہیں اور سبکتگین اپنا گریباں چاک کیے ہوئے، دیوانوں کی طرح قصرِ شاہی کی سنگین دیواروں سے

سر ٹکرا رہا ہے۔

*****

سعدیہ موقع ملتے ہی زہر کی شیشی چھپائے ہوئے اس کمرے میں پہنچی، جہاں محمود تنہا لیٹا تھا اور بڑی حیرت سے چھت میں آویزاں فانوس کو دیکھ رہا تھا۔ ایک لمحے کے لئے سعدیہ کا دل کانپ کر رہ گیا۔ مگر فوراً ہی اسے اپنے معصوم بہن بھائی یاد آ گئے۔ پھر یوں محسوس ہوا، جیسے اسد شیرازی تیز سرگوشیوں میں اس سے کہہ رہا ہو۔ ''اگر آج محمود نے موت کا ذائقہ نہیں چکھا تو پھر یہی زہر تیرے بہن بھائیوں کو پینا پڑے گا۔''

یہ خیال آتے ہی سعدیہ نے اپنی گردن کو جھٹکا اور تیزی سے محمود کے بستر کی طرف بڑھی۔ مگر چند قدموں کا فاصلہ طے کرتے ہی اس نے ایک خوف ناک چیخ ماری اور پلٹ کر دروازے کی جانب بھاگ کھڑی ہوئی۔ وہ طویل راہداریوں سے گزرتے ہوئے کئی بار گری اور کئی بار اُٹھی۔ سعدیہ کی چیخ سن کر محل کی دوسری کنیزیں بھی وہاں پہنچ گئی تھیں۔

''کیا ہوا؟'' بیک وقت کئی کنیزوں نے سعدیہ سے ایک ہی سوال کیا۔

زمین پر گری ہوئی سعدیہ نے محمود کے کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''وہاں صاحبزادے کے سرہانے ایک جنگلی شیر بیٹھا ہوا ہے۔''

یہ انکشاف سن کر دوسری کنیزیں بھی گھبرا گئیں۔ انہوں نے محمود کی والدہ کو یہ اطلاع پہنچا دی۔ محمود کی ماں بدحواسی کے عالم میں کمرے تک پہنچی۔ پھر جب اس نے اندر جھانک کر دیکھا تو وہاں کسی شیر کا سایہ تک نہیں تھا۔ محمود پورے انہاک کے ساتھ اپنے سر پر لٹکے ہوئے فانوس کو دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ بچے کو محفوظ پا کر ایک شفیق و مہربان ماں نے اپنے اللہ کا شکر ادا کیا، پھر محمود کی پیشانی کو بوسہ دیا اور تیزی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آئی۔

اس دوران سعدیہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی اور بار بار وحشت زدہ نظروں سے محمود کے کمرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اتنے میں محمود کی ماں تیزی سے چلتی ہوئی سعدیہ کے قریب آئی اور اپنی ملازمہ کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔

''میں نے خود کمرے میں جا کر دیکھا ہے۔ مگر وہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔''

سعدیہ کی خوب صورت آنکھوں میں حیرت و خوف کی گہری پرچھائیاں بدستور لرز رہی تھیں۔ کبھی وہ محمود کی والدہ کے چہرے کی طرف دیکھتی تھی اور کبھی اپنی ساتھی کنیزوں کی طرف۔ اس کا ذہن بری طرح اُلجھ کر رہ گیا تھا۔

''مالکہ! میں آپ کے جاہ و جلال کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے شیر کو دیکھا ہے جو نہایت اطمینان سے صاحبزادے کے سرہانے بیٹھا ہوا تھا۔'' سعدیہ نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

محمود کی والدہ بڑی حیرت سے سعدیہ کے چہرے کو دیکھ رہی تھی، جو دہشت اور خوف کی زیادتی سے زرد ہو گیا تھا۔ ''ناقابلِ یقین۔'' محمود کی والدہ نے بلند آواز میں کہا۔

''میں آپ کو کیسے سمجھاؤں مالکہ؟'' اپنی بے چارگی پر سعدیہ رونے لگی۔

ابھی محمود کی ماں، سعدیہ سے کچھ اور پوچھنا چاہتی تھی کہ اتنے میں سبکتگین وہاں آ گیا۔ پھر جب محمود

کی والدہ نے اپنے شوہر کو یہ عجیب و غریب صورتِ حال بتائی تو کچھ دیر کے لئے وہ خود بھی حیرت میں ڈوب گیا۔ پھر آہستہ آہستہ سبکتگین کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی اور اس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ اُبھر آئی۔

''ہو سکتا ہے کہ اس نے محمود کے سرہانے کسی شیر ہی کو دیکھا ہو۔'' سبکتگین نے اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہا۔ ''آپ کو اس کنیز کی باتوں پر اعتبار کر لینا چاہئے۔''

''آخر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟'' محمود کی والدہ نے اُلجھی ہوئی نظروں سے شوہر کی طرف دیکھا۔

''آپ ابھی ان باتوں کو نہیں سمجھیں گی۔'' سبکتگین مسکرایا اور پلٹ کر سعدیہ سے مخاطب ہوا، جو ابھی تک شدتِ خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ ''لڑکی! تم اطمینان سے اپنا کام کرو۔ وہ شیر تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔''

سبکتگین کی باتیں کسی کی سمجھ میں نہیں آئی تھیں۔ سعدیہ نے محمود کی والدہ اور سبکتگین کو رخصتی سلام کیا اور لڑکھڑاتے قدموں سے اپنے مکان کی طرف چلی گئی۔

*****

پھر اسی رات سعدیہ اپنے آقا، اسد شیرازی سے ملی۔ اسد شیرازی بڑی بے چینی سے خواب گاہ میں ٹہل رہا تھا اور اپنی وحشت پر قابو پانے کے لئے بار بار شراب پی رہا تھا۔ اُسے محمود کی ہلاکت کی خبر کا انتظار تھا۔ کئی گھنٹوں سے اُس کے کان، قصرِ شاہی کی طرف لگے ہوئے تھے۔ مگر ابھی تک کسی گوشے سے شورِ ماتم نہیں اُٹھا تھا۔ پھر جیسے ہی خواب گاہ کا دروازہ کھلا اور کنیز سعدیہ اندر داخل ہوئی، اسد شیرازی نے چیخ کر کہا۔

''مجھے میری زندگی کی سب سے بڑی خوشخبری سنا دے، سعدیہ! کہ محمود کے دل و جگر کٹ کٹ کر منہ کے راستے باہر آ چکے ہیں اور شاہی طبیبوں نے تصدیق کر دی ہے کہ سبکتگین کا بیٹا ہلاک ہو گیا ہے۔''

سعدیہ اندر داخل ہوتے ہی سجدے میں گر گئی۔ ''نہیں میرے آقا!'' سعدیہ زار و قطار رو رہی تھی اور اُس کا جسم تیز آندھی میں کسی نرم شاخ کی طرح کانپ رہا تھا۔

اسد شیرازی نے آگے بڑھ کر سعدیہ کے سر پر ایک زبردست ٹھوکر لگائی۔ ''نامراد! پھر تُو زندہ کیوں ہے؟'' اسد شیرازی کسی زخمی درندے کی طرح دہاڑا۔

سعدیہ کانپتی ہوئی اُٹھی۔ اُس کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ ''محمود کی حفاظت کے لئے ہر وقت اس کمرے میں ایک شیر موجود رہتا ہے۔'' سعدیہ نے اپنی ناکامی کی تفصیل سنائی تو چند لمحوں کے لئے اسد شیرازی پر بھی دہشت سی طاری ہو گئی۔ مگر وہ فوراً ہی سنبھل گیا۔

''کیا تُو سچ کہہ رہی ہے سعدیہ؟'' اسد شیرازی کی آواز میں وہ پہلی سی گرج باقی نہیں تھی۔

''اہرمن کی قسم! میرا بیان کردہ ایک ایک حرف درست ہے۔'' سعدیہ نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے تھے، جیسے وہ اسد شیرازی سے اپنی زندگی کی بھیک مانگ رہی ہو۔

اسد شیرازی کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ بار بار اُس کی نظروں کے سامنے ایک انسانی ہیولا اُبھر رہا تھا۔ اور اس ہیولے پر اُسے نظام شاہ کا گمان ہوتا تھا۔

*****

دوسرے دن اسد شیرازی نے اپنے ایک معتبر غلام کو غزنی کی اس مسجد کی طرف روانہ کیا، جس کے ایک گوشے میں نظام شاہ رہتے تھے۔

"جا کر دیکھو کہ وہ جادوگر کون ہے؟ پہلے اُسے دولت کے ذریعے خریدنے کی کوشش کرو۔ اور اگر وہ فروخت ہونے پر آمادہ نہ ہو تو پھر اسے راستے سے ہٹا دو۔ یہ ہماری راہ کا سب سے بھاری پتھر ہے۔ اگر اسے ریزہ ریزہ نہ کیا گیا تو دوسرے پتھر ہمیں کبھی آگے بڑھنے نہیں دیں گے۔"

خدمت گار نے سر جھکا لیا اور زر و جواہر سے بھری ہوئی تھیلی لے کر مسجد کی طرف روانہ ہو گیا۔

اسد شیرازی کی ہدایت کے مطابق وہ خدمت گار پہلے مسجد کے پیش امام سے ملا اور اسے ایک بڑی رقم بطورِ نذر پیش کی۔ سیم و زر کی طلب میں زندہ رہنے والے پیش امام کے سوالی چہرے پر مسرتوں کے کئی چراغ روشن ہو گئے۔ اور پھر وہ تیز قدموں سے چلتا ہوا مسجد کے اندر پہنچا۔ پیش امام نے دروازے سے جھانک کر دیکھا، نظام شاہ اپنی عادت کے مطابق گھٹنوں میں سر چھپائے ہوئے خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔

"وہ اندر موجود ہے۔" پیش امام نے واپس آ کر اسد شیرازی کے خدمت گار کو بتاتے ہوئے کہا۔

اسد شیرازی کا ملازم بڑے غرور کے ساتھ ایک ایک قدم اُٹھاتا ہوا اندر پہنچا۔ اور پھر اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ نظام شاہ وہاں موجود نہیں تھے۔ خدمت گار گھبرا کر پیش امام کے حجرے میں واپس چلا آیا۔

"وہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔"

پیش امام نے دوبارہ جا کر دیکھا تو نظام شاہ اسی حالت میں بیٹھے ہوئے تھے۔

اسد شیرازی کا ملازم ایک بار پھر مسجد میں داخل ہوا، مگر اس مرتبہ بھی اُسے شدید حیرت سے دوچار ہونا پڑا۔ نظام شاہ وہاں موجود نہیں تھے۔

یہ عمل کئی بار دہرایا گیا۔ مسجد کا پیش امام کہتا تھا کہ نظام شاہ اندر موجود ہیں۔ مگر جب اسد شیرازی کا ملازم اُنہیں دیکھتا تو وہ نظر نہیں آتے تھے۔

بہت دیر تک یہ عجیب و غریب کشمکش جاری رہی۔ بالآخر اسد شیرازی کا ملازم تنگ آ کر واپس چلا گیا۔

✻✻✻✻✻

خدمت گار کی بات سن کر اسد شیرازی سناٹے میں آ گیا۔ پھر وہ انتہائی غضب کی حالت میں اپنے ملازم پر برسنے لگا۔

"تُو جھوٹ بولتا ہے۔" انتہائی غصے کے سبب اسد شیرازی کے منہ سے کف اُڑ رہا تھا۔ "یہ کیسے ممکن ہے کہ نظام شاہ، مسجد کے پیش امام کو نظر آئے اور تجھے دکھائی نہ دے۔ یہ تیری بینائی کا قصور ہے۔ تُو اندھا ہو گیا ہے۔"

"اہرمن کی قسم! میرے ساتھ یہی عجیب و غریب واقعہ پیش آیا ہے۔" خدمت گار شدتِ خوف سے لرز رہا تھا۔

"تُو اُس مسجد کے اندر داخل ہی نہیں ہوا ہے۔" اسد شیرازی ایک بار پھر گرجا۔ "میں جانتا ہوں کہ تُو راستے سے لوٹ آیا ہے اور یہاں آ کر بہانہ تراش لیا ہے۔ میں تیرے اس جھوٹ پر کسی طرح یقین نہیں کر سکتا۔"

"آقا!" خدمت گار نے دونوں ہاتھ جوڑ لئے۔ "مسجد کے پیش امام موجود ہیں۔ آپ اُن سے اس واقعے کی تصدیق کر سکتے ہیں۔"

اسد شیرازی نے گھبرا کر اپنے خدمت گار کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ آہستہ اُس کا غصہ سرد ہونے لگا۔ بدحواسی میں اُس نے پیش امام کے وجود کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔ اب ملازم نے احساس دلایا تو اُسے یاد آیا۔

"تو جا۔" اسد شیرازی نے جھنجلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اس جادوگر کو میں خود دیکھ لوں گا۔"

خدمت گار لرزتے قدموں سے سر جھکائے ہوئے چلا گیا۔ اسد شیرازی بہت دیر تک نظام شاہ کے بارے میں سوچتا رہا، پھر خود کلامی کے انداز میں کہنے لگا۔

"امیر علی شاہ تو مر گیا مگر اپنے پیچھے ہمارے لئے ایک اور مصیبت چھوڑ گیا ہے۔"

یکایک اسد شیرازی کی نظروں کے سامنے اپنے خدمت گار کا وحشت زدہ چہرہ اُبھر آیا۔ پھر اُسے نظام شاہ کے تصور سے ہلکا سا خوف محسوس ہوا۔

"نظام شاہ کو نہ چھیڑ، اسد شیرازی!" اس نے اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اُسے مسجد کے ایک گوشے میں پڑا رہنے دے۔"

"پھر محمود کا کیا ہو گا؟" اُس نے خود ہی اپنے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "اور اگر محمود ہلاک نہیں ہو سکا تو پھر میرا اور میرے خاندان کا کیا ہو گا؟" اس خیال کے آتے ہی اسد شیرازی شدتِ خوف سے کانپ اُٹھا اور اُس نے اپنے اندر کی اس دہشت کو کم کرنے کے لئے چیخ کر کہا۔

"نظام شاہ کو غزنی چھوڑنا ہو گا یا پھر اسے اس دنیا سے جانا پڑے گا۔ مجھ سے یہ صورتِ حال زیادہ دیر تک برداشت نہیں ہو سکتی کہ کوئی دشمن میری شہ رگ پر زہر آلود خنجر رکھ دے اور میں بے خبری کی نیند سو جاؤں۔"

اسد شیرازی بہت دیر تک اپنے آپ سے گفتگو کرتا رہا۔ پھر اچانک اُس کے ذہن میں ایک برق سی لہرائی۔ وہ ایک بار پھر سعدیہ کو آزمانا چاہتا تھا۔ مگر سعدیہ، محمود کی والدہ کی خدمت گزاری میں لگی ہوئی تھی۔ اسد شیرازی نے بڑی بے چینی سے وہ وقت گزارا۔ پھر جب سعدیہ حسبِ معمول رات کی تاریکی کا سہارا لے کر اُس کی خلوت میں داخل ہوئی تو اسد شیرازی نے اس سے پوچھا۔

"کیا تجھے اب بھی محمود کے سرہانے کوئی شیر بیٹھا ہوا نظر آتا ہے؟"

"نہیں آقا!" کنیز سعدیہ نے کسی تامل کے بغیر کہا۔ "میں نے اس شیر کو دوبارہ نہیں دیکھا۔"

یہ انکشاف سن کر اسد شیرازی کے ہونٹوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ اُبھر آئی۔ "میرا خیال درست نکلا۔"

کنیز سعدیہ نے چونک کر اپنے آقا کی طرف دیکھا۔

"وہ صرف تیرا واہمہ تھا۔" اسد شیرازی نے مسرور لہجے میں کہا۔ "تجھے تیری آنکھوں نے فریب دیا تھا، سعدیہ! وہ تیرے پریشان خیالوں کا تراشا ہوا شیر تھا۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔"

اسد شیرازی کی گفتگو سن کر سعدیہ نئی حیرتوں میں ڈوب گئی تھی۔ "ہو سکتا ہے آقا!....... ہو سکتا ہے۔"

سعدیہ کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔

"یقیناً ایسا ہی ہے۔" اسد شیرازی نے اونچی آواز میں کہا۔ "تُو ایک بار پھر کوشش کر اور محمود کو یہ زہر پلا دے۔ مجھے اہرمن کی ذات پر پورا بھروسہ ہے کہ اس مرتبہ تُو ضرور کامیاب لوٹے گی۔"

یہ کہہ کر اسد شیرازی نے ایک خفیہ جگہ سے زہر کی وہی شیشی نکالی اور سعدیہ کی طرف بڑھا دی۔

کنیز سعدیہ جو کچھ دیر پہلے تک خوش و خرم نظر آ رہی تھی، یکایک اُس کے شگفتہ چہرے کا رنگ دھواں ہو گیا اور جسم لرزنے لگا۔

"تیری یہی کمزوری تو تجھے کامیاب نہیں ہونے دیتی۔" اسد شیرازی نے اپنی کنیز کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

سعدیہ نے بڑی مشکل سے اپنے دھڑکتے دل اور کانپتے جسم پر قابو پایا۔ پھر اُس نے ہاتھ بڑھا کر اسد شیرازی سے زہر کی شیشی لے لی۔

"حوصلے سے کام لے!" اسد شیرازی نے انتہائی سخت لہجے میں اپنی کنیز کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔ "اگر تُو نے اپنے واہموں پر قابو پالیا تو تجھے اس بار وہ فرضی شیر نظر نہیں آئے گا۔"

سعدیہ اپنے آپ پر جبر کر کے تیز تیز قدموں سے چلی گئی۔

پھر دوسرے دن جیسے ہی وہ محمود کو زہر دینے کے ارادے سے سبکتگین کے کمرے میں پہنچی، اُسے وہی شیر دوبارہ نظر آیا۔ ایک خونخوار شیر، جس کی آنکھوں سے انگارے برس رہے تھے۔ سعدیہ نے اپنے ہونٹوں سے بلند ہونے والی چیخ کو سینے ہی میں گھونٹ لیا اور اُلٹے قدموں اسد شیرازی کی خلوت گاہ کی طرف لوٹ گئی۔

سعدیہ کی حالت دیکھتے ہی اسد شیرازی سمجھ گیا تھا کہ وہ اس بار بھی ناکام ہو گئی ہے۔

"کیا ہوا بدنصیب!...... تُو بولتی کیوں نہیں؟" اسد شیرازی کسی درندے کی طرح دھاڑا۔

سعدیہ آگے بڑھی اور اسد شیرازی کے قدموں سے لپٹ گئی۔ "آقا! مجھ گناہ گار کو معاف کر دیجئے کہ یہ کام میرے بس کا نہیں۔ میں جب بھی محمود کو ہلاک کرنے کی غرض سے وہاں جاتی ہوں تو وہ شیر موجود ہوتا ہے۔" سعدیہ گریہ وزاری کر رہی تھی۔ "اور عام حالت میں وہاں کچھ بھی نہیں ہوتا۔"

اسد شیرازی کچھ دیر تک کسی مجسمے کے مانند بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ پھر اُس کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔

"میں ایک صورت میں تیری کوتاہی کو معاف کر سکتا ہوں۔"

"وہ کس طرح؟" سعدیہ نے سر اُٹھایا اور سوالیہ نظروں سے اپنے آقا کی طرف دیکھنے لگی۔

"کھڑی ہو اور میری باتیں غور سے سن۔" یہ کہہ کر اسد شیرازی دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

سعدیہ نئی زندگی کی بھیک مانگنے کے لئے اُٹھی اور اُس نے اسد شیرازی کے سامنے اپنا دامن پھیلا دیا۔ "آقا! مجھے حکم دیجئے۔ میں آپ کے نمک کا حق ادا کرنے کے لئے......"

"بس، لاف زنی نہ کر۔" اسد شیرازی نے قہرناک لہجے میں کہا۔ "تُو خوب جانتی ہے کہ تیرے آقا کو اس قسم کی گفتگو پسند نہیں۔ بہرحال! میں تجھے آخری موقع دیتا ہوں۔ اگر تُو اس مرحلے میں بھی ناکام رہی تو پھر یہ زمین تیرے وجود کو برداشت نہیں کرے گی۔"

سعدیہ، اسد شیرازی کی اس تنبیہ کا مفہوم خوب سمجھتی تھی۔ ایک بار پھر اُس کا دل کانپا۔ مگر اس اُمید پر اُس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا کہ شاید سوئی ہوئی قسمت جاگ جائے اور وہ نئی آزمائش میں پوری اُترے۔

"غزنی کے مضافاتی علاقے کی ایک مسجد میں نظام شاہ نامی ایک نوجوان رہتا ہے۔" اسد شیرازی نے سعدیہ کو اپنا نیا منصوبہ تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔ "تُو اُس سے دو چار ملاقاتیں کر...... اور پھر ایک دن اُسے اپنے حوالے سے بدنام کر دے۔ میں چاہتا ہوں کہ شاہی عدالت میں نظام شاہ پر مقدمہ چلے اور امیر ابواسحاق اُسے سنگسار کرنے کا حکم دے دیں۔ اس طرح وہ جادوگر، دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔ پھر اس کے بعد تُو آسانی سے محمود کو زہر دے سکے گی۔"

کنیز سعدیہ کو یہ کام زیادہ سہل محسوس ہوا۔ اگرچہ وہ ایک بے گناہ انسان پر الزام تراشی کے خیال سے بہت غمگین تھی، لیکن کیا کرتی کہ اس کے سوا اُسے اپنی نجات کا کوئی دوسرا راستہ نظر ہی نہیں آتا تھا۔ سعدیہ جانتی تھی کہ اسد شیرازی اپنی سیاست کی بساط پر ناکام مہروں کو سجانے کا عادی نہیں تھا۔ وہ ایسے مہروں کو بے دریغ قتل کرا دیا کرتا تھا کہ اس طرح مرنے والوں کے ساتھ اُس کے راز بھی قبر کی گہرائیوں میں دفن ہو جاتے تھے۔ سعدیہ کو بھی اس ناکامی کے بعد اپنی موت صاف نظر آ رہی تھی، اس لئے وہ نظام شاہ کے ساتھ ایک شرمناک کھیل کھیلنے پر آمادہ ہو گئی۔

❊❊❊❊❊

اسد شیرازی کے ایک خدمت گار نے کنیز سعدیہ کو دُور سے اُس مسجد کا پتہ بتا دیا اور خود غزنی واپس لوٹ آیا۔ سعدیہ عام سے کپڑوں اور گہری نقاب میں لپٹی ہوئی مسجد کے دروازے تک پہنچی اور پیش امام سے نظام شاہ کے بارے میں پوچھنے لگی۔ یہ بھی اسد شیرازی کے منصوبے کا ایک حصہ تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح اپنے معاملے میں پیش امام کو بھی گواہ بنا لے۔

"یہ نظام شاہ کہاں رہتے ہیں؟" سعدیہ نے نقاب اُلٹتے ہوئے کہا۔

پیش امام نے ایک خوب صورت نامحرم خاتون کو اتنے قریب پا کر سر جھکا دیا...... اور مسجد کی طرف ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "نظام شاہ، مسجد کے ایک گوشے میں رہتا ہے۔"

اس کے بعد پیش امام اپنے حجرے میں چلا گیا۔

سعدیہ نے اپنے چہرے پر نقاب ڈالی اور بڑے اعتماد کے ساتھ مسجد کے دروازے کی طرف بڑھی۔ پھر جیسے ہی اس نے مسجد کے اندر قدم رکھنے کی کوشش کی، آگ کی تیز لپٹوں نے اُس کا راستہ روک لیا۔ سعدیہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ اُسے یوں محسوس ہوا کہ مسجد کے دروازے سے لے کر صحن تک ایک تیز آگ بھڑک رہی ہے۔ مگر ایسی آگ، جو انسانی آنکھ سے نظر نہیں آ رہی تھی۔ بس محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے مسجد کے اندر تیز انگارے دہک رہے ہیں اور جن کے اثر سے پوری فضا ایک بھڑکتا ہوا تنور بن کر رہ گئی ہے۔

سعدیہ نے دوسری بار مسجد کے دروازے میں داخل ہونے کی کوشش کی، مگر اس مرتبہ بھی اسے اپنے قدم واپس کھینچنے پڑے۔ اُسے محسوس ہوا کہ اگر وہ تیزی سے پیچھے نہیں لوٹی تو اس کا پورا چہرہ جھلس کر رہ جائے گا۔ اب سعدیہ پر شدید خوف و ہراس طاری ہو گیا تھا اور اُس نے اندازہ کر لیا تھا کہ نظام شاہ کوئی معمولی انسان نہیں ہیں اور یہ انہی کے جلالِ روحانی کا اثر ہے کہ اسے مسجد کے دروازے سے صحن تک ناقابلِ برداشت تپش محسوس ہو رہی ہے۔ ورنہ حقیقت میں دُور دُور تک آگ کا ہلکا سا نشان بھی موجود نہیں ہے۔ سعدیہ نے گھبرا کر واپس لوٹ جانا چاہا، مگر اُسے فوراً ہی اسد شیرازی کے الفاظ یاد آ گئے۔

"اگر تُو اس مرحلے میں بھی ناکام ہو گئی تو تجھے معاف نہیں کیا جائے گا۔"

سعدیہ ناقابلِ بیان دہشت اور اذیت میں مبتلا تھی۔ آج تک کبھی اُسے ایسی پیچیدہ صورتِ حال کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ نہ وہ پلٹ کر اپنے گھر واپس جا سکتی تھی کہ وہاں اسد شیرازی کی شمشیرِ بے نیام اُس کے اور دوسرے اہلِ خانہ کے خون سے اپنی پیاس بجھانے کے لئے بے چین تھی...... اور نہ وہ کامیابی حاصل کرنے کے لئے مسجد کے اندر داخل ہو سکتی تھی کہ وہاں ایک نادیدہ آگ اپنی پوری ہولناکیوں کے ساتھ بھڑک رہی تھی۔

جب سعدیہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تو وہ بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ چیخ چیخ کر کہنے لگی۔

”نظام شاہ! میں غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ایک مجبور عورت ہوں۔ خدا کے واسطے مجھے چند لمحوں کے لئے مسجد کے اندر آ کر اپنی صفائی پیش کرنے کا ایک موقع عنایت فرما دیجئے...... پھر میں زندگی کے مقتل کی طرف واپس چلی جاؤں گی۔“

جیسے ہی سعدیہ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے، اُسے محسوس ہوا کہ جیسے نادیدہ آگ کی تپش یکسر ختم ہو گئی ہو۔ اس کے ساتھ ہی سعدیہ کو یہ احساس بھی ہوا کہ یکایک بازوئے قاتل ٹھہر گیا ہو اور اسے کچھ دیر کے لئے زندگی کے سائے میں امان مل گئی ہو۔ سعدیہ تیزی سے مسجد کے دروازے میں داخل ہوئی اور صحن عبور کر کے اس جگہ پہنچی جہاں نظام شاہ اپنے بوسیدہ کمبل پر بیٹھے ہوئے، آنے والی عورت کا انتظار کر رہے تھے۔

نظام شاہ کو دیکھتے ہی سعدیہ کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اور وہ چند قدم چل کر مسجد کے فرش پر سجدے کی حالت میں گر گئی۔

”نظام شاہ! میں بے قصور ہوں...... مجھے معاف کر دیں۔“ سعدیہ اعترافِ گناہ کرتے ہوئے کسی ایسے مجرم کی طرح رو رہی تھی، جس پر زندگی کے تمام راستے بند ہو چکے ہوں۔ ”کاش! آپ میری مجبوریوں کا اندازہ کر سکتے۔“

”اُٹھو خاتون!“ نظام شاہ کی مہربان اور دلنشیں آواز اُبھری۔ ”یہ مسجد ہے۔ یہاں اللہ کے سوا کسی دوسرے کو سجدہ نہیں کیا جاتا۔“

سعدیہ لڑکھڑاتے قدموں سے کھڑے ہونے کی کوشش کرنے لگی تو نظام شاہ نے کہا۔ ”سکون سے بیٹھو! یہ کسی شہنشاہ یا امیر کا دربار نہیں کہ تم احتراماً اس کے آگے کھڑی رہو۔ یہ خالقِ کائنات کا دربار ہے، یہاں شاہ و گدا سب برابر ہیں۔“

سعدیہ دوزانو ہو کر بیٹھ گئی تو نظام شاہ نے اسے دوبارہ مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اگر ہم تمہاری مجبوریوں کو نہیں سمجھتے تو پھر مسجد کے اندر داخل ہونے بھی نہیں دیتے۔ اور اگر تم ہٹ دھرمی کے ساتھ اپنی کوشش جاری رکھتیں تو جل کر خاک ہو جاتیں۔“

سعدیہ کا جسم اب بھی لرز رہا تھا۔ وہ نظام شاہ کے چہرے کی طرف دیکھنا چاہتی تھی، مگر ہر بار اُس پر ایک انجانی دہشت طاری ہو جاتی اور وہ گھبرا کر اپنا سر جھکا لیتی۔ پھر اسی حالت میں سعدیہ نے اپنے آقا، اسد شیرازی کے ناپاک عزائم بیان کرتے ہوئے کہا۔

”میں دل سے نہیں چاہتی کہ صاحب زادے، محمود کے جسم پر ہلکی سی خراش بھی آئے۔ مگر چونکہ ایک کنیز ہوں، اس لئے مالک کے اشارے پر بار بار ناچتی ہوں...... اور اسی طرح میں یہ بھی نہیں چاہتی تھی

کہ آپ جیسے معصوم انسان کے صاف و شفاف لباس پر تہمت کا کوئی غلیظ و بدنما داغ اُبھر آئے۔ مگر میں کیا کروں کہ اپنی مرضی سے نہ سانس لے سکتی ہوں اور نہ موت کی خواہش کر سکتی ہوں۔ کئی بار دل چاہا کہ خودکشی کر کے اذیت اور گناہوں کی اس زندگی سے نجات حاصل کر لوں۔ مگر پھر یہ سوچ کر ڈر گئی کہ میرے بعد بوڑھے ماں باپ اور چھوٹے بہن بھائیوں کا کیا ہوگا۔ میں جانتی ہوں کہ میری موت کے بعد بھی اسد شیرازی میرے متعلقین کو معاف نہیں کرے گا۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ ناکام واپسی کے بعد قصرِ شاہی میں عذاب ناک موت میری منتظر ہوگی۔ پھر میں کہاں جاؤں نظام شاہ! کہاں جاؤں؟ مجھے دُور تک کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔“

یہ کہہ کر کنیز سعدیہ کسی معصوم بچے کی طرح رونے لگی۔

”گھبراؤ نہیں خاتون!...... ابھی خدا کی زمین پر تمہارے لئے باعزت اور پُرسکون زندگی کا راستہ موجود ہے۔“ نظام شاہ نے اسی مہربان اور دلنشیں لہجے میں سعدیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”تم اپنے دل سے آتش پرستی کے بُت کو نکال کر پھینک دو۔ پھر تمہیں اسد شیرازی جیسے بھیڑیے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔ اللہ اُن کے نوکیلے پنجوں اور زہریلے دانتوں کو اس طرح توڑ دے گا کہ وہ تمہیں قصرِ شاہی میں گھومنے والی بلیوں سے بھی زیادہ حقیر اور کمزور نظر آئیں گے۔“

نظام شاہ کی باتیں سن کر موت کے دہانے پر کھڑی ہوئی سعدیہ کے جسم میں زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی تھی۔ اُس نے گھبرا کر ایک بار پھر نظام شاہ کی طرف دیکھا۔ ”کیا ایسا ہی ہوگا؟“

”ہاں! ایسا ہی ہوگا۔“ نظام شاہ نے پُرجلال لہجے میں کہا۔ ”اللہ اپنے پکارنے والوں کو درندوں کے نرغے میں بے یار و مددگار نہیں چھوڑ دیتا۔“

پھر اس کے بعد سعدیہ، نظام شاہ کی دعاؤں کے سائے میں قصرِ شاہی واپس چلی گئی اور اُس نے اسد شیرازی کو صاف صاف بتا دیا کہ وہ نادیدہ آگ بھڑکنے کے سبب مسجد کے اندر داخل نہیں ہو سکی۔

❋❋❋❋❋

نئی صورتِ حال نے اسد شیرازی کو مزید اُلجھنوں میں مبتلا کر دیا تھا۔ اب اُسے کسی حد تک اندازہ ہو گیا تھا کہ نظام شاہ کوئی معمولی انسان نہیں ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی مزید واضح ہو گئی تھی کہ نظام شاہ کے خاتمے کے بغیر اس کا کوئی منصوبہ کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکے گا۔

بالآخر ایک دن اسد شیرازی خود مسجد کے پیش امام کے پاس پہنچا اور اُسے اشرفیوں سے بھری تھیلی دیتے ہوئے بولا۔ ”میں چاہتا ہوں کہ تم نظام شاہ پر کفر کا فتویٰ عائد کر کے اسے موت کی سزا تک پہنچا دو۔“

”مگر یہ کیسے ہوگا حضور؟“ دنیا پرست شخص نے خوشامدانہ لہجے میں پوچھا۔

”یہ سوچنا تمہارا کام ہے۔“ اسد شیرازی کی آواز سے ناگواری جھلک رہی تھی۔ ”تم نظام شاہ کے گرد کفر و بغاوت کا ایک ایسا دائرہ کھینچ دو، جسے اس کے کمزور ہاتھ کبھی نہ توڑ سکیں۔ اگر غزنی کی عدالت نے نظام شاہ کو دار پر کھینچ دیا تو میں تمہیں ایسی آسودہ زندگی بخشوں گا، جس کا تم نے تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔ اِدھر نظام شاہ اپنے خون میں نہائے گا اور اُدھر تم پر زر و جواہر کی بارش ہونے لگے گی۔“ یہ کہہ کر اسد شیرازی، پیش امام کے حجرے سے نکلا اور پھر پلٹ کر بولا۔ ”تم اپنے منصوبے کی ابتدا کرو اور میں ذرا نظام شاہ کو دیکھ لوں۔“

پھر اسد شیرازی، مسجد میں داخل ہو کر نظام شاہ تک پہنچا۔ نظام شاہ خلافِ معمول دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے کہ جیسے اُنہیں بہت دیر سے اسد شیرازی کا انتظار ہو۔

پھر جوں ہی اسد شیرازی کی نظریں، نظام شاہ کی نظروں سے چار ہوئیں تو دوسرے لوگوں کی طرح اُس کے جسم پر بھی شدید لرزہ طاری ہو گیا۔ اسد شیرازی کی حالت دیکھ کر نظام شاہ مسکرائے۔

"میں تیرا ہی انتظار کر رہا تھا۔ کمزور غلاموں اور ناتواں کنیزوں کو بھیج کر مجھے آزمانا چاہتا تھا؟ مردانگی تو یہ تھی کہ خود آتا اور اس جلتی ہوئی آگ میں اپنا ہاتھ ڈال دیتا۔"

نظام شاہ کے سامنے اسد شیرازی کا ہر منصوبہ بے نقاب ہو چکا تھا۔ یہ سوچ کر اُس کے بدن کی لرزش کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ تاہم اُس نے اپنے بکھرتے ہوئے اعصاب کو سمیٹنے کی کوشش کی۔

"نظام شاہ! میں نے آج سے پہلے تجھے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے میرے اور تیرے درمیان بھلا دشمنی کی کوئی بنیاد بھی نظر نہیں آتی...... پھر تُو میرے راستے کا پتھر کیوں بن گیا ہے؟" اسد شیرازی، بے ادبوں کے لہجے میں بول رہا تھا۔

"تُو مجھ سے دشمنی کی وجہ پوچھنا چاہتا ہے؟" نظام شاہ نے تیز لہجے میں کہا۔ "کیا تیری اور میری دشمنی کے لئے یہ وجہ کافی نہیں کہ تُو آج بھی اپنے دل میں باپ دادا کے آتش کدوں کو چھپائے پھرتا ہے...... اور میرے اس سینۂ سوزاں میں ایک اللہ کے سوا کسی دوسرے کا عکس تک نہیں۔"

"تُو مجھ پر تہمت تراش رہا ہے نظام شاہ!" اسد شیرازی خوف و دہشت میں مبتلا ہونے کے باوجود زور سے چیخا۔ "تجھے میرے ایمان کی تکذیب یا تصدیق کا کوئی حق نہیں۔ یہ بندے کا ذاتی معاملہ ہے، جسے صرف یزداں ہی جانتا ہے۔"

"آہستہ بات کر۔ یہ اللہ کا گھر ہے۔" نظام شاہ نے انتہائی تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "اگر تیرے ذہن میں کوئی آتش کدہ روشن نہ ہوتا تو پھر تیری زبان پر یزداں کے بجائے اللہ کا نام آتا۔ یہ تیرے ایمان کا کھلا ثبوت ہے۔ مگر میں اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا کہ یہ اللہ اور بندے کے درمیان کا معاملہ ہے۔ پھر بھی تیرے دل اور زبان میں ہم آہنگی ہونی چاہئے۔ ورنہ تیرے نفاق کی یہ حالت ایک دن تجھے ہلاک کر ڈالے گی۔ بس میں تجھے یہی ایک نصیحت کرتا ہوں۔"

اسد شیرازی اپنے دل کی چھپی ہوئی کثافتیں ظاہر ہو جانے پر بہت زیادہ برہم نظر آ رہا تھا۔ "مجھے تجھ جیسے بے عمل انسان کی نصیحت کی ضرورت نہیں۔"

"خیر! حجت پوری ہو چکی۔" نظام شاہ حسبِ عادت بہت زیادہ پُرسکون نظر آ رہے تھے۔ "تیری ہدایت کے سلسلے میں مجھ پر ایک بڑا بھاری قرض تھا۔ سو آج وہ قرض بھی اُتار دیا۔ اللہ ناظر و موجود ہے۔ وہ میرے اور تیرے درمیان ہونے والی گفتگو کو سن بھی رہا ہے...... اور دل و دماغ میں کروٹیں لینے والے جذبہ و خیال کو دیکھ بھی رہا ہے۔ اب میں کسی انسانی گواہی کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔"

اسد شیرازی نے اچانک نیا لہجہ اختیار کیا۔ "نظام شاہ! میں جانتا ہوں کہ تُو دنیا کی تمام آسائشوں سے محروم ایک افلاس زدہ نوجوان ہے۔ آج میں یہی سوچ کر آیا ہوں کہ میں تجھے زندگی کی تمام نعمتیں بخش دوں۔" اسد شیرازی، نظام شاہ کی درویشانہ حالت دیکھ کر سوداگری کے پرانے حربے آزما رہا تھا۔ "مگر میری بارشِ کرم کے لئے ایک شرط ہوگی۔ بہت آسان سی شرط۔"

نظام شاہ اپنے اسی روایتی انداز میں مسکرائے۔ "کیسی شرط؟"

"یہی کہ تجھے ہمیشہ کے لئے غزنی چھوڑ کر یہاں سے بہت دُور جانا ہوگا۔" اسد شیرازی نے اپنی پیشکش کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "دوسرے یہ کہ تجھے میرے اور محمود کے راستے سے ہٹنا ہوگا۔"

نظام شاہ چند لمحوں تک اسد شیرازی کے عیار چہرے کو دیکھتے رہے جس پر اُس کی اندرونی خباثت کا گہرا رنگ جھلک رہا تھا۔ پھر زیرِ لب مسکراتے ہوئے بولے۔

"اسد شیرازی! تیرے پاس کتنی دولت ہے؟" نظام شاہ نے وزیرِ مملکت کو پہلی بار اس کا نام لے کر مخاطب کیا تھا۔ خود اسد شیرازی کو بھی اس طرزِ تخاطب پر شدید حیرت تھی۔ اور وہ دل ہی دل میں نظام شاہ کے اس عمل کو جادوگری یا شعبدہ بازی کا ایک حصہ سمجھ رہا تھا۔ "آخر تُو مجھے کتنی دولت دے سکتا ہے؟"

"نظام شاہ میرے پاس تیرے اندازوں سے بھی زیادہ دولت ہے۔" اسد شیرازی اسی گستاخانہ لہجے میں بول رہا تھا۔ "تُو اپنا دامن میرے سامنے پھیلا کر تو دیکھ، میں تیرے بوسیدہ دامن کو زر و جواہر سے بھر دوں گا۔" اب وزیرِ مملکت کا خوف کسی قدر کم ہو گیا تھا اور وہ نظام شاہ کے روبرو کھڑا دولت کے نشے میں جھوم رہا تھا۔

نظام شاہ کے دائیں ہاتھ کو جنبش ہوئی اور انہوں نے اپنے پیوند لگے کمبل کا کونا اُٹھاتے ہوئے کہا۔

"کیا تیرے پاس اتنی دولت ہے؟"

اسد شیرازی پہلے تو اس سوال کا مفہوم ہی نہیں سمجھ سکا۔ مگر جب اُس نے نظام شاہ کو مسلسل مسجد کے فرش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پایا تو خود بھی اسی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اُس کی آنکھیں فرطِ حیرت سے پھیل گئیں۔ اسد شیرازی نے دیکھا کہ نظام شاہ کے کمبل کے نیچے زر و جواہر کا ایک دریا سا بہہ رہا تھا۔

نظام شاہ نے کمبل کا اُٹھا ہوا کونا ہموار کر دیا اور اسد شیرازی کے عقب میں مسجد کے ایک گوشے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کیا تیرے پاس اتنی دولت ہے؟"

اسد شیرازی کسی بدحواس انسان کے مانند اپنی ایڑیوں پر گھوما اور پھر دیکھنے لگا، جدھر نظام شاہ اپنی اُنگلی سے اشارہ کر رہے تھے۔ وہاں بھی زر و جواہر کا ایک دریا سا موجزن تھا۔ ابھی اسد شیرازی ناقابلِ بیان حیرت کے گرداب سے نکلنے بھی نہیں پایا تھا کہ نظام شاہ نے مسجد کی چھت کی طرف اشارہ کیا......

"کیا اتنی؟"

اسد شیرازی نے کانپتی نظروں سے دیکھا مسجد کی پوری چھت، قیمتی ہیروں سے مزین تھی اور عجیب و غریب روشنی کی شعاعیں سی پھوٹ رہی تھیں۔

"کیا تیرے پاس اتنی دولت ہے؟" اس بار نظام شاہ نے بلند اور پُرجلال لہجے میں پوچھا۔

دولت کے یہ انبار دیکھ کر اسد شیرازی کی زبان گنگ ہو گئی۔ اس نے نفی میں سر کو جنبش دی اور اعتراف کر لیا کہ اس کے پاس اتنی دولت نہیں ہے۔

"تُو تو بہت غریب انسان ہے، اسد شیرازی! پھر مجھے خریدنے کیوں آیا ہے؟" نظام شاہ حسبِ عادت مسکرانے لگے تھے۔

اسد شیرازی اپنی حیرت کا حصار توڑ کر باہر نکلا اور پھر ہوش و حواس درست کرتے ہوئے بولا۔ "یہ سب تیری شعبدہ بازی ہے، نظام شاہ! اس کے سوا کچھ نہیں۔" اسد شیرازی کے لہجے سے دوبارہ وہی

رعونت جھلکنے لگی تھی۔

''میں تیرے نزدیک جادوگر ہی سہی۔'' نظام شاہ کے ہونٹوں پر وہی دلآویز تبسم نمایاں تھا۔ ''تو پھر تُو ایسا ہی کوئی جادوگر ڈھونڈ لے اور مجھے اپنے راستے سے ہٹا دے۔''

''میں تیری اس جادوگری کو بھی دیکھ لوں گا، نظام شاہ!'' یہ کہہ کر اسد شیرازی تیزی کے ساتھ پلٹا۔

''جب تُو اللہ کے گھر میں آیا ہے تو میں تجھے اُسی قادرِ مطلق کے جبروت سے ڈراتا ہوں اور آخری نصیحت کرتا ہوں کہ تُو محمود کا پیچھا چھوڑ دے کہ وہ مستقبل کا سب سے بڑا بت شکن ہے۔ اگر تُو نے ایسا نہیں کیا تو ہزاروں اسد شیرازی اس کے گھوڑے کے سموں کے نیچے آ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔''

اسد شیرازی نے نظام شاہ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ تیزی سے پلٹا اور مسجد سے باہر نکل گیا۔

پھر وہ کچھ دیر کے لئے پیش امام کے حجرے میں ٹھہرا اور اُسے سخت الفاظ میں ہدایت دیتے ہوئے بولا۔

''یہ میری انا کا مسئلہ ہے...... بہت جلد کوئی منصوبہ تیار کرو اور نظام شاہ کے پورے جسم پر ذلت و رُسوائی کی کیچڑ مل دو۔ میں اس سے کم پر رضامند نہیں ہو سکتا کہ نظام شاہ کا چہرہ کالا کر کے اسے گلی گلی پھرایا جائے اور پھر مقتل میں لے جا کر ذبح کر دیا جائے۔''

''ایسا ہی ہوگا حضور!'' پیش امام نے اسی خوشامدانہ لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

''اور یاد رکھو! اگر ایسا نہیں ہوا تو نظام شاہ کی ساحرانہ قوتیں، غزنی کے تمام علماء کو نگل لیں گی اور تمہارے یہ جبہ و دستار تم سے چھین لئے جائیں گے...... اور امیر ابواسحاق کے کانوں تک یہ خبر پہنچا دو کہ نظام شاہ، مسلمانوں کے لئے ایک بہت بڑا فتنہ ہے۔ اگر اس کی شعبدہ بازیوں کو بروقت فنا نہیں کیا گیا تو غزنی کے سادہ لوح انسانوں کے عقائد میں گہرا خلل واقع ہو جائے گا۔ اور پھر ہر طرف خوفناک برائی پھیل جائے گی۔''

یہ کہہ کر اسد شیرازی، پیش امام کے حجرے سے نکلا اور قصرِ شاہی کی طرف چلا گیا۔

✻✻✻✻✻

وقت تیزی سے گزرتا رہا۔ اس دوران مسجد کے پیش امام نے بہت کوشش کی مگر وہ نظام شاہ کے خلاف کوئی فردِ جرم تیار کر کے امیر ابواسحاق کی عدالت میں پیش نہ کر سکا۔

اسد شیرازی اپنی اس بے چارگی پر اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتا رہتا۔ اس نے محمود کی ہلاکت کے کئی منصوبے بنائے مگر کسی میں بھی کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ وہ رات رات بھر کاغذ پر مختلف زائچے کھینچ کر ستاروں کی رفتار دیکھتا رہتا۔ ستارے آج بھی اسے یہی کہتے تھے کہ محمود، جوانی کی منزل تک نہیں پہنچ سکے گا بلکہ عالمِ طفلی ہی میں کسی حادثے یا بیماری کا شکار ہو کر مر جائے گا۔

اسد شیرازی اپنے حساب سے مطمئن ہو کر کچھ دیر کے لئے مسرتوں کے نشے سے جھوم اُٹھتا۔ مگر رات گزرتے ہی اُس کی تمام لذت و نشاط زائل ہو جاتی اور وہ کم سن محمود کو محافظوں کے درمیان محل کی راہداریوں میں دوڑتے ہوئے دیکھتا۔

اب محمود تین سال کا ہو گیا تھا۔ اس کی کشادہ اور روشن آنکھیں، دیکھنے والوں کو بتاتی تھیں کہ وہ ایک انتہائی ذہین بچہ ہے۔ محمود جسمانی اعتبار سے بہت زیادہ تندرست اور چاق و چوبند نظر آتا تھا۔ اُس کی بے چین فطرت کا یہ حال تھا کہ وہ ایک لمحے کے لئے بھی سکون سے نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ وہ مختلف چیزوں کو دیکھ

کر بار بار پہرے داروں سے پوچھتا کہ ''یہ کیا ہے؟..... یہ کیا ہے؟'' پہرے دار اُس کے سوالوں کا جواب دیتے دیتے تھک جاتے، مگر محمود کے ہونٹ ہمیشہ حرکت میں رہتے۔ اسد شیرازی بھی بہت دُور سے یہ تمام مناظر دیکھتا اور خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا۔ اُس کا بس نہیں چلتا تھا، ورنہ وہ خود ہی محافظوں کا حصار توڑ کر محمود کو ہلاک کر ڈالتا۔ اسد شیرازی کو اکثر محسوس ہوتا کہ سبکتگین کا بیٹا محمود نہیں، اُس کی اپنی موت آہستہ آہستہ جوان ہو رہی ہے۔

پھر ایک رات اسد شیرازی نے صبح کے قریب ایک عجیب و غریب خواب دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ قصرِ شاہی میں زلزلہ آ گیا ہے۔ لوگ دیوانہ وار چیختے ہوئے اِدھر اُدھر بھاگ رہے ہیں۔ اور پھر اسی دوران محل کا ایک برج ٹوٹ کر زمین پر آ گرا ہے۔ خوف و دہشت کے اثر سے اسد شیرازی کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے گھبرا کر اپنے کمرے کا جائزہ لیا۔ تمام در و دیوار اپنی اپنی جگہ قائم تھے اور کمرے کی ہر چیز محفوظ نظر آ رہی تھی۔ اسد شیرازی نے گہری سانس لی اور اپنے خواب کی مختلف تعبیروں پر غور کرنے لگا۔ پھر اچانک اُس کے ذہن میں ایک برق سی لہرائی۔

''یہ ٹوٹنے والا برج، محمود بھی ہو سکتا ہے کہ بہرحال، اس کا تعلق بھی شاہی خاندان سے ہے۔''

خواب کی اس تعبیر نے اسد شیرازی کو عجیب سا سکون بخشا اور وہ مطمئن ہو کر محمود کی ہلاکت کا انتظار کرنے لگا۔

ابھی اسد شیرازی کے اس خواب کو چند روز ہی گزرے تھے کہ امیر ابواسحاق بیمار ہو کر بستر پر دراز ہو گیا۔ مملکت کے تمام نامور طبیبوں نے اپنے اپنے نسخے آزمائے، مگر ابواسحاق کی سانسوں کا شمار ختم ہو گیا تھا۔ مختصر سی علالت کے بعد امیر الپتگین کا یہ لائق بیٹا، دنیا سے رخصت ہو گیا۔

پھر جب قصرِ شاہی، ماتمی چیخوں سے گونجنے لگا تو اسد شیرازی کو اپنا خواب یاد آیا۔ محل کے برج گرنے کا منظر محمود کی ہلاکت کی نہیں، امیر ابواسحاق کی موت کی طرف ایک مبہم سا اشارہ تھا۔ یہ سوچ کر اسد شیرازی اُداس ہو گیا۔ پھر اُس کی یہ اُداسی اچانک وحشت میں تبدیل ہو گئی۔

امیر ابواسحاق کی موت کے بعد غزنی کی حکمرانی کا مسئلہ درپیش تھا اور اسد شیرازی کی آنکھوں کے سامنے بار بار سبکتگین کا چہرہ اُبھر رہا تھا۔ امیر الپتگین اور ابواسحاق سے بہت زیادہ قریب ہونے کے باعث اکثر لوگ سبکتگین ہی کو اس عہدے کے لئے سب سے طاقتور اور مناسب امیدوار سمجھ رہے تھے۔

اس خیال کے آتے ہی اسد شیرازی بدحواس نظر آنے لگا۔ وہ بار بار شراب کا جام لبریز کرتا اور اپنے حلق میں انڈیل لیتا۔ ارمغانہ بہت دیر سے خاموشی کے ساتھ باپ کی وحشت و اضطراب کا یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ بالآخر اس سے خاموش نہ رہا گیا اور وہ اسد شیرازی کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''بابا جان! کیا آپ کسی ذہنی خلش کا شکار ہیں؟''

''ہاں بیٹی!'' اسد شیرازی نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تو پھر مجھے بھی اپنی اس کشمکش میں شریک کر لیجئے۔'' ارمغانہ نے ایک سعادت مند اور فرمانبردار بیٹی کے انداز میں کہا۔ ''شاید اس طرح آپ کے دماغ کا کچھ بوجھ ہلکا ہو جائے۔''

اسد شیرازی نے دُھندلی آنکھوں سے بیٹی کی طرف دیکھا۔ ''ارمغانہ! میں سوچ رہا ہوں کہ اگر سبکتگین اقتدار میں آ گیا تو پھر کیا ہوگا؟'' نشے کی زیادتی کے سبب اسد شیرازی کی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔

باپ کی بات سن کر ارمغانہ بھی گہری سوچ میں ڈوب گئی اور اس کے چہرے پر پریشانی کے ہلکے ہلکے سائے اُبھرنے لگے۔

"اس نازک مسئلے پر تو میں نے آج تک سوچا ہی نہیں تھا۔ اقتدار میں آنے کے بعد سبکتگین ہمارے ساتھ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ ابھی تو وہ مجبور ہے، اس لئے اس کا غصہ اور نفرت بھی کسی پر ظاہر نہیں ہوتے۔ مگر جب تاج وتخت اس کی ملکیت بن جائیں گے اور غزنی کے تمام سپاہی اس کے ایک اشارے پر سر بکف کھڑے ہوں گے تو پھر اندازہ ہوگا کہ وہ ہمارے خلاف کس قسم کے منصوبے بنا رہا ہے۔"

"مگر جب تک تو وقت ہمارے ہاتھ سے نکل چکا ہوگا۔" اسد شیرازی بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ "وہ جادوگر، نظام شاہ، سبکتگین کو ہمارے ایک ایک منصوبے سے باخبر کر سکتا ہے اور پھر...... اس کے آگے سوچ کر تو میری روح تک لرز جاتی ہے۔" اسد شیرازی کو سبکتگین کے سلسلے میں اپنا ایک جرم یاد آ رہا تھا اور احتساب کے ڈر سے اس کے دل و دماغ پر ایک قیامت سی گزر رہی تھی۔

"مگر آپ کے ستارے کیا کہتے ہیں؟" ارمغانہ نے اس طرح گھبرا کر کہا جیسے کسی ڈوبتے ہوئے شخص کے ہاتھ کوئی تنکا آ گیا ہو۔

"ستارے تو یہی کہتے ہیں کہ سبکتگین کی قسمت میں اقتدار نہیں ہے۔" اسد شیرازی نے بجھے بجھے لہجے میں کہا۔ "مگر ستاروں کی شرارت کو کیا کہوں کہ وہ بھی کبھی کبھی کج ادائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھ سے جھوٹ بولنے لگتے ہیں۔" اسد شیرازی کی حالت اتنی شکستہ تھی کہ جیسے کوئی جواری اپنی زندگی کی آخری بازی بھی ہار گیا ہو۔

ارمغانہ، باپ کے اس اُلجھے ہوئے جواب سے مطمئن نہیں تھی۔ اس نے زندگی میں پہلی بار گستاخانہ انداز میں اسد شیرازی کے سامنے زبان کھولی۔ "بابا! اور کچھ نہ ہو، مگر آپ کے غلط فیصلوں کے سبب میرے مستقبل کی تباہی یقینی ہو گئی ہے۔ میں آپ کے حکم پر سبکتگین کی طرف بڑھی۔ پھر شکست کھا کر میں نے امیر ابواسحاق کی خلوت گاہ کا رخ اختیار کیا۔ لیکن اس دروازے پر بھی ناکامی و نامرادی میرا انتظار کر رہی تھی۔ اگر بات یہیں ختم ہو جاتی تو سبکتگین ہمارے لئے اپنے دل میں زیادہ پرخاش نہیں رکھتا۔ مگر آپ کا محمود کو ہلاک کرنے کا منصوبہ تو ایسا ہی ہے جیسے آپ نے براہِ راست سبکتگین کی شہ رگ کاٹنے کی کوشش کی ہو۔ آپ خود سوچیں کہ ایک شخص اپنے قاتل کو کس طرح معاف کر سکتا ہے؟"

بیٹی کی حقیقت پسندانہ گفتگو سن کر اسد شیرازی کے چہرے پر موت کی پرچھائیاں لرزنے لگی تھیں۔

"پھر کیا ہوگا میری بیٹی؟" اسد شیرازی کے پوچھنے کا انداز ایسا ہی تھا، جیسے کوئی عیار و بزدل گیدڑ، کسی حملہ آور شیر کو دیکھ کر اپنے غار کی طرف بھاگ رہا ہو۔

"کچھ بھی ہو، میں اس صورتِ حال کا سامنا نہیں کر سکوں گی۔" ارمغانہ نے بدلے ہوئے تیوروں کے ساتھ کہا۔ اُس کے لہجے سے شدید ناگواری کی جھلک نمایاں تھی۔ "اگر سبکتگین برسرِ اقتدار آ گیا تو میں یہ ملک چھوڑ کر کہیں دُور چلی جاؤں گی...... اور اگر اُس نے مجھے اپنی مرضی کی زنجیر پہنانے کی کوشش کی تو میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالوں گی۔" یہ کہہ کر ارمغانہ نے اپنی انگوٹھی میں جگمگاتے ہوئے قیمتی الماس کو دیکھا، جو ایک لمحے میں انسانی زندگی کا سارا کاروبار ختم کر سکتا تھا۔

"نہیں میری بہادر بیٹی!" یہ کہتے ہوئے اسد شیرازی اپنی نشست سے اٹھا اور ارمغانہ کے قریب جا

کر بیٹھ گیا۔ پھر اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ "اگر تُو بھی راستہ بدل گئی تو پھر میرا ساتھ کون دے گا؟ تُو خوب جانتی ہے کہ میں تجھے نرم و نازک لڑکی نہیں، اپنا جانباز و جفاکش بیٹا سمجھتا ہوں۔ یہ محض اقتدار اور بہتر مستقبل کی جنگ نہیں، یہ تو اپنے اپنے عقائد کے دفاع کا مسئلہ ہے۔ میں ذہنی اور قلبی طور پر ایک آتش پرست ہوں، جس نے عالمِ جبر میں اسلام قبول کیا ہے۔ میں سبکتگین کا دشمن اس لئے ہو رہا ہوں کہ وہ اپنے بے داغ کردار سے اسلام کو تقویت پہنچا رہا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے تجھے اس کو زیرِ دام لانے کی ہدایت کی تھی۔ میرا خیال تھا کہ تیرا حسنِ بے پناہ، سبکتگین کو اسیر کر کے اسے طاؤس و رباب اور شراب ناب میں غرق کر دے گا۔ مگر افسوس، ایسا نہ ہو سکا۔ پھر میں اس کے بیٹے محمود کی جان کے درپے ہو گیا تھا کہ میرے حساب سے محمود اس دور کا سب سے بڑا فتنہ ہے اور میرے ان اندازوں کی تصدیق اس جادوگر، نظام شاہ نے بھی کر دی ہے۔"

ارمغانہ پہلے بھی اپنے باپ کی یہ باتیں سن چکی تھی۔ مگر صورتِ حال بدل جانے کے باعث اب اُسے اسد شیرازی کے منصوبوں پر نئے زاویے سے غور کرنا پڑ رہا تھا۔

"میں آپ کی مجبوریاں سمجھتی ہوں بابا جان!" ارمغانہ کے لہجے سے گہری ہمدردی کا اظہار ہو رہا تھا۔

"اگر تُو میری مجبوریاں سمجھتی ہے تو مجھے اس اندھیرے راستے میں چھوڑ کر فریب کار اُجالوں کی طرف نہ جا۔" اسد شیرازی نے ارمغانہ کے باغیانہ جذبات کو دبانے کی کوشش کی۔ "جب تک سبکتگین اور محمود زندہ ہیں، ہمارے خاندان کو کہیں روشنی نہیں ملے گی۔"

"پھر آپ محمود کو کس طرح اپنے راستے سے ہٹائیں گے؟" ارمغانہ نے سوال کیا۔ "جبکہ وہ جادوگر، نظام شاہ اس کی حمایت کر رہا ہے اور اپنی کوششوں میں کامیاب بھی ہے۔"

"میں اس جادوگر کو بھی دیکھ لوں گا بیٹی! مگر تیری حوصلہ شکن باتیں سن کر میرا دل ڈوبا جا رہا ہے۔" اسد شیرازی نے ارمغانہ کے بدلے ہوئے خیالات کی شکایت کی۔ "آخر ایک تنہا انسان کیا کیا کرے گا؟" وہ بڑی عیاری کے ساتھ اپنے آپ کو دنیا کا مظلوم ترین انسان ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ارمغانہ کچھ دیر تک سوچتی رہی، پھر آہستہ آہستہ اس کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔ "میں آپ کے ساتھ ہوں بابا! مگر کبھی کبھی منزل نظر نہیں آتی تو اپنے چاروں طرف پھیلے ہوئے اندھیروں سے ڈر جاتی ہوں۔"

"ہمت سے کام لے ارمغانہ! کہ یہ اندھیرے بہت عارضی ہیں۔" بیٹی کو آمادہ پا کر اسد شیرازی کے ہونٹوں کی گم شدہ مسکراہٹ لوٹ آئی تھی۔

❁❁❁❁❁

اور یہ مسکراہٹ اس وقت زیادہ گہری ہو گئی، جب سبکتگین کی جگہ ملکاتگین کو غزنی کا امیر بنا دیا گیا۔ یہ بڑی غیر متوقع صورتِ حال تھی۔ عام لوگوں کا خیال تھا کہ سبکتگین کو امیر ابواسحاق کا جانشین بنایا جائے گا، مگر جب با اثر سیاسی حلقوں کا فیصلہ سامنے آیا تو اکثر لوگ حیران رہ گئے۔ اور ان حیرت زدہ انسانوں میں اسد شیرازی بھی شامل تھا۔ بہت دیر تک اسے اپنی سماعت پر یقین ہی نہیں آیا۔ مگر جب قصرِ شاہی میں ہر طرف مبارکبادوں کا شور گونجنے لگا۔ اُس کی حیرت کا طلسم ٹوٹا۔ پھر اسد شیرازی نے سب سے پہلے اپنی بیٹی کو یہ نشاط انگیز خبر سناتے ہوئے کہا۔

"ارمغانہ! میں نہ کہتا تھا کہ انسان کو اہرمن کی ذات سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ سبکتگین کا مستقبل

ہمیشہ کے لئے تاریک ہو چکا ہے۔ ستارے ایک بار پھر سچ بولنے لگے ہیں اور آسمانوں سے سچی خبریں آنے کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو چکا ہے۔ سبکتگین ایک شیر تو ضرور ہے مگر آہنی پنجرے میں بند ایک بے اثر اور مجبور شیر۔"

ارمغانہ بھی اس خبر کو سن کر خوشی سے جھوم اُٹھی۔ کئی دن سے جن اندیشوں کی یلغار نے دونوں باپ بیٹی کی نیندیں حرام کر دی تھیں، ملکاتگین کی تخت نشینی کے بعد ان تمام اندیشوں نے دم توڑ دیا تھا۔ اور اب اسد شیرازی کا فتنہ کار ذہن نئے منصوبے تراش رہا تھا۔

پھر اُس نے ملکاتگین کو بھرے دربار میں مبارکباد دیتے ہوئے کہا۔ "امیر! یہ اہلِ غزنی کی انتہائی خوش نصیبی ہے کہ وہ آپ جیسے انسان کو تختِ سلطنت پر جلوہ افروز دیکھ رہے ہیں۔ بے شک! اقتدار بہت بے وفا اور فانی شے ہے، مگر پھر بھی کچھ لوگ اپنے کردار سے اسے وفا اور بقا کا رنگ بخش دیتے ہیں۔ آپ بھی وہی مردِ جری ہیں، جس کو غزنی کے در و دیوار ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ میں سابق فرمانرواؤں کی بات نہیں کرتا کہ وہ بھی اپنے اپنے مقصد میں بہت زیادہ مخلص تھے۔ لیکن آپ کی آمد اس مملکت پر ایک احسانِ عظیم ہے۔" اسد شیرازی، لفظوں کا جادوگر تھا اور آج وہ ملکاتگین کو مسخر کرنے کے لئے اپنی تمام تر ساحرانہ قوتیں استعمال کر رہا تھا۔ "اب میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس سرزمین کے دن پھر جائیں گے اور اہلِ غزنی کی تقدیریں بدل جائیں گی۔ خدا امیر کی عمر دراز کرے اور زندگی کے اس مشکل ترین معرکے میں ہر مرحلے پر ثابت قدم رکھے۔"

اسد شیرازی نے ایک طویل اور اثر انگیز تقریر کی تھی، جسے سن کر ملکاتگین بہت زیادہ متاثر ہوا اور دربار کے گوشے گوشے سے "آمین" کی صدائیں اُبھرنے لگیں۔ پھر جب درباریوں کی آوازوں کا ہیجان ختم ہوا تو اسد شیرازی نے دروازے کی طرف اشارہ کیا، جہاں اس کا ایک خدمت گار ایک خوان اُٹھائے کھڑا تھا۔ اہلِ دربار کی نظریں بھی اس طرف اُٹھ گئیں، جدھر اسد شیرازی اشارہ کر رہا تھا۔ اپنے آقا کا اشارہ پاتے ہی خدمت گار ادب کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتا ہوا آگے بڑھا اور ملکاتگین کے روبرو پہنچ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ خدمت گار کے دونوں ہاتھ آگے کی طرف پھیلے ہوئے تھے اور گردن جھکی ہوئی تھی۔

ملکاتگین نے پہلے خدمت گار کی طرف اور پھر اسد شیرازی کی جانب حیرت سے دیکھا۔ امیر کی جنبش کے ساتھ ہی اسد شیرازی آگے بڑھا اور اس نے اپنے ملازم ہی کی طرح جھک کر خوان پر پڑا ہوا سرخ ریشمی کپڑا ہٹا دیا۔ وہ سونے کا بنا ہوا ایک خوان تھا، جس میں قیمتی ہیرے جواہرات جگمگا رہے تھے۔ اہلِ دربار کی نگاہیں، ہیروں کی چمک سے خیرہ ہو گئیں اور ملکاتگین نے چونک کر اپنے وزیرِ مملکت سے پوچھا۔

"اسد شیرازی! یہ کیا ہے؟"

"امیرِ عالی مقام کے لئے ایک حقیر سی نذر۔" اسد شیرازی کی گردن کا خم کچھ اور نمایاں ہو گیا تھا۔

ملکاتگین کچھ دیر ان قیمتی اور نایاب ہیروں کو دیکھتا رہا اور پھر اثر انگیز لہجے میں بولا۔ "اسد شیرازی! تمہاری یہ پیش کردہ نذر بہت قیمتی اور منفرد ہے۔"

"نہیں امیرِ ذی جاہ! آپ کے منصبِ ذات اور شانِ جبروت کے سامنے پتھر کے ان ٹکڑوں کی کوئی حیثیت نہیں۔" اسد شیرازی کی جادو بیانی اپنے عروج پر تھی۔

"یہ محض تمہارا انکسار ہے، ورنہ ہم پتھر کے ان ٹکڑوں کی قیمت کو خوب پہچانتے ہیں۔" ملکاتگین نے

ستائشی نظروں سے اسد شیرازی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر امیرِ محترم کی نظروں میں میرے پیش کردہ ان حقیر پتھروں کی اتنی قیمت ہے تو میں اپنی زندگی پر نازاں ہوں کہ ایک جوہر شناس انسان نے میرے جذبوں کو شرفِ قبولیت بخشا۔" اسد شیرازی بہت سحر انگیز گفتگو کر رہا تھا۔ "یہ پتھر کے چند ٹکڑے ہوں یا میری ناکارہ زندگی، دونوں امیر کی امانت ہیں۔ جب بھی مجھے حکم دیا جائے گا، اپنی دولت اور زندگی، فرمانروائے غزنی کے قدموں میں ڈھیر کر دوں گا۔"

"ہمیں یقین ہے۔ ہمیں یقین ہے۔" ملکاتگین کی بارعب آواز اُبھری۔ "اسد شیرازی! مملکتِ غزنی کے ساتھ تمہاری وفاداریاں ہر شک و شبہ سے بالاتر ہیں۔"

اسد شیرازی نے کھڑے ہو کر ملکاتگین کا شکریہ ادا کیا اور پھر امیر کا حکم پاتے ہی وہ اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ اسد شیرازی کی نشست سبکتگین کی نشست کے قریب تھی۔ سبکتگین بہت دیر سے اسد شیرازی کی منافقانہ گفتگو سن رہا تھا اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ جب اسد شیرازی قریب آ کر بیٹھا تو اس نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ اسد شیرازی کے چہرے پر آسودگی کا ایک گہرا رنگ اُبھر آیا اور وہ سبکتگین کی قلبی اذیت سے لطف اندوز ہونے لگا۔ ملکاتگین کی قربت حاصل کر لینے کے بعد اسد شیرازی بہت زیادہ مطمئن نظر آ رہا تھا۔ اب اگر سبکتگین، امیر غزنی کو اس کے خلاف بھڑکانے کی کوشش بھی کرتا تو اسے ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس خیال نے اسد شیرازی کے دل و دماغ پر سرشاری کی سی کیفیت طاری کر دی تھی۔

❀❀❀❀❀

ملکاتگین ایک ترک سردار تھا۔ اپنے ذاتی کردار کے اعتبار سے وہ انتہائی پرہیزگار اور منصف مزاج انسان تھا۔ اس نے کئی جنگیں لڑی تھیں اور ان میں نمایاں کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ اُس کی بے خوفی اور شجاعت کے بہت سے قصے مشہور تھے۔ زہد و تقویٰ کے سبب ملکاتگین کے چہرے پر معصومیت بھی تھی اور شاہانہ جاہ و جلال بھی۔ جب کوئی مظلوم انسان اس کے دربار میں داخل ہوتا تو امیر کا چہرہ دیکھ کر محسوس کرتا کہ وہ ایک انتہائی شفیق و مہربان شخص ہے، اس کے برعکس جب کوئی ظالم یا ستم گر، ملکاتگین کو دیکھتا تو شدتِ خوف سے کانپنے لگتا۔ غرض بہت سی صفات نے اسے غزنی کے تخت تک پہنچایا تھا۔ ملکاتگین کے اقتدار میں آتے ہی سبکتگین نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا تھا۔

"میری نظروں میں آپ کی وہی حیثیت ہے، جو امیر الپتگین اور امیر ابواسحاق کی تھی۔ اگر اس مملکت کی حفاظت میں اور اسلام دشمنوں سے جنگ کرنے میں میری جان بھی چلی جائے تو یہ ایک حقیر ترین قربانی ہو گی۔"

ملکاتگین نے جواب میں کہا تھا۔ "سبکتگین! تمہیں اپنے جذبوں کے اعلان کی ضرورت نہیں۔ میری آنکھوں میں تمہاری جاں نثاریوں کے بہت سے مناظر محفوظ ہیں۔"

پھر جب اسد شیرازی نے اپنی وفاداریوں کے سلسلے میں لاف زنی کی تو ملکاتگین نے بھی وضعداری اور مروت کی رسم نبھائی اور اس کے بلند و بانگ دعوؤں کی نفی نہیں کی۔ مگر دل سے وہ اسد شیرازی کی نمائشی شخصیت کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اور اسد شیرازی سمجھ رہا تھا کہ اس نے بڑی آسانی کے ساتھ ملکاتگین کو شیشے میں اتار کر اپنا مستقبل محفوظ کر لیا ہے۔ اب وہ بڑے اطمینان سے سبکتگین اور محمود کے خلاف نئی سازشوں

کے خاکے بنا رہا تھا۔ مگر ابھی تک اسے کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔

✻✻✻✻✻

اب محمود چار سال کا ہو گیا تھا۔ ایک دن سبکتگین اسے لے کر نظام شاہ کے پاس پہنچا۔

"شیخ! میری دلی خواہش ہے کہ محمود آپ کی نگرانی میں اپنی مذہبی تعلیم کا آغاز کرے۔"

نظام شاہ نے محمود کو اپنی گود میں بٹھا لیا اور بہت دیر تک اسے پیار کرتے رہے۔ پھر آہستہ سے بولے۔

"کہو! اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں...... اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔"

محمود نے رک رک کر یہ الفاظ ادا کئے اور سبکتگین کو محسوس ہوا کہ مسجد کی پوری فضا ایک عجیب و غریب خوشبو سے مہک اُٹھی ہے۔

"بس! یہ کافی ہے۔" نظام شاہ نے سبکتگین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ قصرِ شاہی اور اس مسجد کے درمیان بہت فاصلہ ہے۔ میں تمہارے محل میں جا نہیں سکتا اور تم روزانہ یہاں آؤ گے تو تمہارا وقت برباد ہو گا۔ اس لئے درباری علماء کی نگرانی میں محمود کی تعلیم جاری رکھو۔"

نظام شاہ کا انکار سن کر سبکتگین بہت اُداس ہو گیا تھا مگر اُسے مجبوراً ایک مردِ قلندر کا یہ فیصلہ قبول کرنا پڑا۔ پھر سبکتگین نے رخصت کی اجازت چاہی تو خود نظام شاہ اسے چھوڑنے کے لئے مسجد کے دروازے تک آئے۔ ایک بار پھر محمود کو گلے سے لگایا اور اس کی پیشانی کو بوسہ دیتے ہوئے بولے۔

"جاؤ، میرے بت شکن! جاؤ۔ اللہ تمہیں اپنی امان میں رکھے۔"

✻✻✻✻

وقت آہستہ آہستہ گزرتا رہا۔ جب محمود پانچ سال کا ہوا تو سبکتگین نے اُس کی فوجی تربیت شروع کر دی۔ اب وہ مذہبی تعلیم کے ساتھ شہسواری اور شمشیر زنی کا فن بھی سیکھ رہا تھا۔ سبکتگین نے محمود کی جنگی تربیت کے لئے ماہر شہسواروں اور شمشیر زنوں کا انتخاب کیا تھا۔ ان ہی شہسوار استادوں میں ایک ترک شہسوار، ارزق بھی شامل تھا۔ اسد شیرازی سے اس کے قریبی تعلقات تھے۔ وہ اکثر وزیرِ مملکت کے گھر آیا جایا کرتا تھا۔ اسی دوران ارزق، ارمغانہ کے عشق میں مبتلا ہو گیا اور جب وحشتِ دل حد سے بڑھی تو ایک دن اس نے اسد شیرازی سے صاف صاف کہہ دیا۔

"میں تمہاری بیٹی، ارمغانہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

ارزق کی بات سن کر اسد شیرازی سناٹے میں آ گیا۔ اس نے چاہا کہ وہ اس ادھیڑ عمر شہسوار کو ذلیل کر کے اپنے گھر سے نکال دے۔ مگر ایک فتنہ انگیز خیال نے اسد شیرازی کو چونک جانے پر مجبور کر دیا۔ پھر وہ سنبھلا اور ارزق سے مخاطب ہو کر بولا۔

"اگر تُو اپنے دعوے میں سچا ہے تو ارمغانہ کے لئے کیا کر سکتا ہے؟"

"میں اسے حاصل کرنے کے لئے اپنی جان بھی دے سکتا ہوں۔" ارزق بہت زیادہ جذباتی نظر آ رہا تھا۔ "اور اگر میں اپنے مقصد میں ناکام ہو جاؤں تو پھر ارمغانہ کی جان بھی لے سکتا ہوں۔"

ارزق کی وحشت دیکھ کر اسد شیرازی لرز گیا۔ "کیا تُو محمود کو قتل کر سکتا ہے؟" یکایک اُس کے ذہن میں بجلیاں سی کڑکنے لگیں۔

"محمود کیا، میں اُس کے باپ سبکتگین کو بھی قتل کر سکتا ہوں۔" ارزق ہذیانی انداز میں گفتگو کر رہا تھا۔ "اگر میرے راستے میں امیر ملکا تکین حائل ہوا تو میری تلوار اس کا لہو چاٹنے سے بھی باز نہیں رہے گی۔"

ارزق کی وحشیانہ گفتگو سن کر اسد شیرازی کی عجیب سی حالت ہو گئی تھی۔ کبھی اسے اپنے پورے جسم میں سنسنی کا احساس ہوتا، کبھی خوف کی ایک تیز لہر اُٹھتی...... اور کبھی دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو جاتیں۔ اسد شیرازی نے تو ارزق سے پیچھا چھڑانے کے لئے ایک عام سا سوال کر دیا تھا کہ وہ ارمغانہ کے لئے کیا کر سکتا ہے؟ اسد شیرازی کا خیال تھا کہ وہ اس کے سوال کے جواب میں دنیا کے دوسرے عاشقوں کی طرح روایتی سا جواب دیتے ہوئے کہے گا۔

"میں ارمغانہ کے لئے آسمان کے ستارے توڑ کر لا سکتا ہوں یا سورج کو زمین پر اُتار سکتا ہوں یا پھر زیادہ سے زیادہ اپنی جان دے سکتا ہوں۔" مگر ارزق کا جواب تو تمام عاشقوں کے جواب سے یکسر مختلف تھا۔

اسد شیرازی کو ارزق کی موجودگی سے ڈر محسوس ہونے لگا تھا۔ اس نے ترک شہسوار کے سامنے بھی اپنی فطری عیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں تمہارے جذبات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں ارزق! مگر پھر بھی مجھے اس سلسلے میں ارمغانہ کا عندیہ لینا پڑے گا۔"

"اس کا وقت گزر چکا، وزیرِ محترم!" ارزق نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا۔ وہ ایک تندخو انسان تھا۔ اسد شیرازی دیکھ رہا تھا کہ گفتگو کرتے وقت بار بار اس کے جبڑوں کی ہڈیاں اُبھر آتی تھیں۔ "اگر آج میں آپ پر اپنی فطرت ظاہر کر دوں تو زیادہ مناسب ہو گا۔" ارزق نے خلافِ ادب اونچی آواز سے کہا۔ ایسا لگتا تھا، جیسے وہ غزنی کے وزیرِ مملکت سے نہیں، کسی کمزور حیثیت کے ایک عام انسان سے مخاطب ہو۔ "میری دو عادتیں ہیں۔ ایک یہ کہ میں اپنی خواہشات کے سلسلے میں انکار سننے کا عادی نہیں ہوں...... دوسرے یہ کہ میں جس چیز کو چاہتا ہوں، حاصل کر لیتا ہوں۔ اور اگر کسی وجہ سے وہ چیز میری ذاتی ملکیت نہیں بن سکتی تو پھر میں اس چیز ہی کو نیست و نابود کر دیتا ہوں۔ اب بھی اگر آپ ارمغانہ سے گفتگو ضروری سمجھتے ہیں تو شوق سے کیجئے۔"

یہ کہہ کر ارزق اُٹھا اور بے تکلفانہ انداز میں اسد شیرازی سے مصافحہ کر کے چلا گیا۔

اسد شیرازی کو سکتہ سا ہو گیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی زندگی میں ایک ایسا نازک موڑ بھی آ سکتا ہے۔

ارزق کے جاتے ہی اسد شیرازی نے ارمغانہ سے بات کرتے ہوئے کہا۔ "بیٹی! یہ ہمارے لئے بہترین موقع ہے کہ ہم محمود سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔"

"بابا جان! یہ کیسے ممکن ہے؟" ارمغانہ نے انتہائی ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "ارزق انسان کہاں ہے؟ وہ تو ایک خونخوار بھیڑیا ہے۔ کیا آپ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے اپنی بیٹی کو کسی درندے کے حوالے کر دیں گے؟"

اسد شیرازی بہت زیادہ نادم و شرمسار نظر آ رہا تھا۔ "اہرمن کی قسم! ارزق میرے کسی منصوبے کا حصہ نہیں۔" اسد شیرازی نے بیٹی کے سامنے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔ "وہ تو ایک آفتِ ناگہانی کی

طرح ہم پر نازل ہو گیا ہے۔ مجبوراً میں نے محمود کے قتل کی شرط عائد کر دی۔ ورنہ تجھے حاصل کرنے کے لئے اُس کے ذہن میں بڑے خوفناک ارادے پرورش پا رہے ہیں۔"

ارمغانہ نے جب اپنے باپ کی زبانی ارزق کی سفاکانہ گفتگو سنی تو اس کے پورے بدن میں بھی خوف و دہشت کی ایک تیز لہر دوڑ گئی۔ "پھر کیا ہو گا، بابا؟" یکایک ارمغانہ کا گل رنگ چہرہ کسی خزاں رسیدہ پتے کے مانند زرد پڑ گیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ "کیا آپ کے حلقۂ دوستی میں ایسے درندے بھی رہتے ہیں؟"

بیٹی کے سوال پر اسد شیرازی جیسا بے غیرت انسان بھی پشیمان سا نظر آ رہا تھا۔ "بیٹی! کبھی کبھی ہماری آنکھیں، ہمارے دماغ اور ہمارے تجربے بھی ہمیں دھوکا دے جاتے ہیں۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں ارزق جیسے خبیث فطرت انسان کو پہچان نہیں سکا۔ مگر اب ہمارے پاس گزرے دنوں کا ماتم کرنے کے لئے وقت نہیں ہے۔ ہمیں کسی نہ کسی طرح اس عذاب ناک صورتِ حال سے چھٹکارا پانا ہے۔"

ارمغانہ کچھ دیر تک گردن جھکائے سوچتی رہی، پھر اس نے آہستہ آہستہ سر اٹھایا اور شکستہ لہجے میں کہنے لگی۔ "اگر وہ بھیڑیا، محمود کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گیا تو کیا آپ مجھے ارزق کی خوراک بنا دیں گے؟"

ارمغانہ کا سوال سن کر چند لمحوں کے لئے اسد شیرازی کی پیشانی پر کئی لکیریں نمایاں ہو گئیں۔ مگر پھر وہ فوراً ہی پُرسکون نظر آنے لگا۔ "نہیں بیٹی! ایسا نہیں ہو گا۔ میں اتنی آسانی سے ارزق جیسے وحشی کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالوں گا۔ وہ میری انتقامی فطرت سے واقف نہیں ہے۔ اگر محمود ہلاک ہو گیا تو پھر میں سبکتگین کے قتل کی شرط عائد کر دوں گا اس کے بعد وہ جادوگر، نظام شاہ میرے انتقام کا ہدف ہو گا۔ اور بالفرض وہ ان تینوں مرحلوں سے گزر گیا تو پھر تیری قربت اُسے موت کی گہری نیند سلا دے گی۔" اسد شیرازی اپنے فتنہ کار ذہن کی ایک ایک گرہ کھول رہا تھا۔

"وہ کس طرح؟" ارمغانہ نے گھبرا کر پوچھا۔

"ارزق تیرے عشق میں اندھا ہو گیا ہے۔" اسد شیرازی نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔
"اور یہی دیوانگی اُسے تیرے ہاتھوں سے زہر پی کر ہلاک ہونے پر مجبور کر دے گی۔" اسد شیرازی نے اپنے منصوبے کا آخری حصہ بھی بیٹی کے سامنے ظاہر کر دیا۔ جسے سن کر ارمغانہ مطمئن نظر آنے لگی تھی۔

❁❁❁❁❁

دوسرے دن ارزق نے سرگوشیوں کے انداز میں اسد شیرازی کو اپنی حکمتِ عملی بتاتے ہوئے کہا۔ "میں محمود کو آج اس وحشی گھوڑے کے حوالے کر دوں گا، جسے تازہ تازہ اصطبل میں لایا گیا ہے اور جو اپنی پشت پر کسی سوار کا بوجھ برداشت نہیں کرتا۔"

اسد شیرازی چونک کر ترک شہسوار کی طرف دیکھنے لگا، جو اس کے اندازوں سے زیادہ ہوشیار نظر آ رہا تھا۔ اسد شیرازی ذہنی طور پر پریشان ہوتے ہوئے بھی اپنے خیالوں کی دنیا میں محمود کو گھوڑے کی پیٹھ سے گر کر زخمی ہوتے اور پھر سسک سسک کر مرتے دیکھ رہا تھا۔ اور پھر یہ تصور اس کے لئے بڑا لذت انگیز تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہی ارزق اُٹھ کر چلا گیا۔ جاتے وقت اسد شیرازی نے دیکھا، اُس کی چال میں عجیب سی لڑکھڑاہٹ تھی اور آنکھوں میں حیوانی جذبوں کا رنگ نمایاں تھا۔ محمود، شہسواری کی تربیت کے لئے غزنی کے مخصوص میدان میں پہنچ چکا تھا۔ ارزق بڑی خاموشی اور رازداری سے اصطبل کی طرف بڑھا

اور وحشی گھوڑے کو کھول کر میدان کی جانب جانے لگا۔ حیرت انگیز طور پر گھوڑے نے کسی قسم کی سرکشی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ وہ چپ چاپ گردن جھکائے ارزق کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ خود ارزق کو بھی وحشی جانور کی اس حرکت پر بڑا تعجب تھا۔ مگر وہ یہ سوچ کر مطمئن ہو گیا کہ گھوڑا اس وقت بھڑکتا ہے، جب اس کی پشت پر کوئی انسان سوار ہو۔

شہسواری کی تربیت گاہ میں پہنچ کر ارزق نے محمود کو اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ پھر جیسے ہی محمود چند قدم آگے بڑھا، گھوڑا بری طرح بدکا اور دونوں پچھلی ٹانگوں پر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ ارزق گھوڑے کی اس اضطراری حرکت کے لئے تیار نہیں تھا، نتیجتاً لگام اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ ابھی وہ سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ گھوڑے کے دونوں اگلے سم اس کے سینے پر پڑے اور وہ کسی کٹے ہوئے درخت کے مانند پیچھے کی طرف اُلٹ گیا۔ کئی پسلیاں ٹوٹ جانے کے سبب ارزق کے سینے میں شدید تکلیف تھی۔ پھر بھی اس نے اُٹھنے کی کوشش کی۔ مگر وحشی گھوڑے نے اُسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ ایسا لگتا تھا، کہ جیسے گھوڑا پاگل ہو گیا ہے۔ وحشی جانور، ارزق پر بار بار حملے کر رہا تھا اور ارزق تربیت گاہ میں دُور کھڑے ہوئے ملازموں کو مدد کے لئے پکار رہا تھا۔ شاہی ملازم تیزی سے ارزق کی طرف دوڑے لیکن گھوڑے کی وحشت دیکھ کر کچھ فاصلے پر ٹھہر گئے۔ کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ آگے بڑھتے ہوئے گھوڑے کی لگام پکڑ لیتا۔ مجبوراً وہ ارزق کی دلخراش چیخیں سنتے رہے۔ یہاں تک کہ کچھ دیر بعد یہ چیخیں بھی بند ہو گئیں اور ارزق کا لہولہان جسم بھی ساکت ہو گیا۔ پھر گھوڑے نے اپنی اگلی ٹانگیں اوپر اُٹھائیں، انتہائی خوفناک انداز میں ہنہنایا اور فوجی تربیت گاہ کے دروازے کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

گھوڑے کے جاتے ہی شاہی ملازمین، ارزق کے قریب پہنچے اور شدتِ خوف سے انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ بڑا بھیانک منظر تھا۔ گھوڑے نے ارزق کے سینے کی ہڈیاں توڑ دی تھیں اور اس کے چہرے کو کئی جگہ سے تباہ کر ڈالا تھا۔ اپنے استاد کی دردناک موت دیکھ کر کمسن محمود رونے لگا۔

پھر یہ دہشت ناک خبر سبکتگین تک پہنچی تو وہ بدحواسی کے عالم میں بھاگتا ہوا تربیت گاہ کے اندر داخل ہوا اور جاتے ہی محمود کو اپنے سینے سے لگا کر پیار کرنے لگا۔ باپ کی آغوش میں پہنچتے ہی محمود کے آنسو رک گئے۔

کچھ دیر بعد سارے محل میں ارزق کی ہلاکت کی اطلاع پہنچ چکی تھی۔ سبکتگین اور اس کی بیوی کے کہنے پر غزنی کے تمام ضرورت مندوں میں صدقات تقسیم کئے گئے اور جگہ جگہ نمازِ شکرانہ ادا کی گئی۔ سبکتگین نے یہ راز جاننے کی بہت کوشش کی کہ ارزق جیسا ذہین شہسوار ایک وحشی گھوڑے کو تربیت گاہ میں لے کر کیوں آیا تھا؟ اس نے تربیت گاہ کے ملازمین سے بھی مختلف سوالات کئے مگر کوئی بھی اس راز کے چہرے سے پردہ نہیں ہٹا سکا۔

شاہی محل میں صرف اسد شیرازی ہی ایک ایسا شخص تھا، جو سبکتگین کے تمام سوالات کا جواب دے سکتا تھا۔ مگر وہ اپنی زبان کیوں کھولتا؟ اُسے تو خوشی تھی کہ اُس کی خوبصورت بیٹی ایک درندے کی خوراک بننے سے بچ گئی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ اسد شیرازی اُداس بھی تھا کہ ایک بار پھر محمود کو کسی نادیدہ ہاتھ نے بچا لیا تھا۔

ارزق کی ناگہاں موت سے ارمغانہ کو ناقابلِ بیان خوشی حاصل ہوئی تھی۔ ترکی شہسوار، ارزق صرف

اپنی فطرت ہی سے نہیں بلکہ چہرے سے بھی ایک خونخوار انسان نظر آتا تھا۔ مختلف جنگیں لڑتے لڑتے اس کے چہرے پر تلواروں کے کئی بدنما داغ اُبھر آئے تھے۔ مزید پتلے پتلے ہونٹوں، لمبی ناک، تنگ پیشانی اور چھوٹی چھوٹی آنکھوں نے اسے ایک بدصورت انسان بنا دیا تھا۔ پھر عمر میں بھی وہ تقریباً اسد شیرازی کے برابر تھا۔ اسی وجہ سے ارمغانہ، ارزق سے بے پناہ نفرت کرتی تھی۔ مگر جب اسد شیرازی نے اس کے سامنے اپنا منصوبہ پیش کیا تو وہ اس شرم ناک کھیل پر مجبور ہوگئی تھی۔ پھر وقت نے اچانک نئی کروٹ لی اور شہسوار ارزق ایک غیر متوقع حادثے کا شکار ہو کر مر گیا۔ ارزق کی موت پر سب سے زیادہ خوشی ارمغانہ کو ہوئی تھی اور اس نے اپنے ان جذبات کو ظاہر کرتے ہوئے اسد شیرازی سے کہا۔

''بابا جان! میری ذات پر اہرمن کا بڑا کرم ہے کہ اس نے مجھے ارزق جیسے بھیڑیے سے بچا لیا۔'' کہتے کہتے ارمغانہ کی آنکھوں میں مسرتوں کی نئی لہر انگڑائیاں لینے لگی۔

''بے شک! مگر اس کے ساتھ ہی ہمارے گھر پر اہرمن کا عذاب بھی نازل ہو رہا ہے۔'' اسد شیرازی کا لہجہ بہت اُداس تھا۔

''وہ کیسے بابا؟'' ارمغانہ نے چونک کر کہا۔

''اگر اہرمن ہم سے ناراض نہ ہوتا تو اب تک محمود ہلاک ہو چکا ہوتا۔ سبکتگین اور وہ جادوگر، نظام شاہ'' کا نام سن کر اب ارمغانہ کو بھی ایک عجیب سا احساس ہونے لگا تھا۔ پہلی بار اس نے باپ کے جذبات کے خلاف اپنی زبان کھولی۔ ''اگر نظام شاہ اتنا ہی بڑا جادوگر ہے تو آپ بھی اس کی ساحرانہ قوتوں سے بھرپور فائدہ کیوں نہیں اُٹھاتے؟''

''بیٹی! میں نے اُسے ہر قیمت پر خریدنے کی کوشش کی تھی۔ مگر وہ سوکھی روٹیاں کھانے والا انسان زر و جواہر کے لقمے کھانے پر آمادہ نہیں۔''

''پھر اُسے اپنے راستے سے ہٹا دیجئے یا خود اس کے راستے سے ہٹ جایئے۔'' ارمغانہ نے اپنے باپ کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

''میں اس کے راستے سے کیسے ہٹ جاؤں؟ مجھے اپنی شکست تسلیم نہیں۔ ہاں! یہ ممکن ہے کہ میں عنقریب اسے اپنے راستے سے ہٹا دوں۔'' یہ کہتے کہتے اسد شیرازی کی عیار آنکھوں میں نفرت کے گہرے سائے لرزنے لگے تھے۔

ارمغانہ نے عجیب سی نظروں سے باپ کی طرف دیکھا اور ایک شاہی تقریب میں شریک ہونے کی تیاریاں کرنے لگی۔ آج کل اسے اسد شیرازی کی یہی ہدایت تھی کہ وہ ان تقریبات میں زیادہ سے زیادہ نمایاں ہونے کی کوشش کرے۔ ارمغانہ پہلے ہی ایک بے پناہ حسین دوشیزہ تھی، پھر قیمتی ملبوسات کی آرائش نے اُس کی دلکشی میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ اکثر ترکی سردار اور امراء، ارمغانہ کو پسندیدہ نظروں سے دیکھتے تھے۔ بعض سرداروں نے مبہم اشاروں میں اسد شیرازی تک اپنا یہ پیغام پہنچایا تھا کہ وہ اس کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ مگر اسد شیرازی کو ان میں سے کوئی بھی رشتہ پسند نہیں تھا کہ شادی کے تمام امیدوار، حلقۂ اقتدار میں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ اور اسد شیرازی کسی ایسے شخص سے ارمغانہ کا مستقبل وابستہ کرنا چاہتا تھا، جو غزنی کا حکمراں ہو یا پھر کم سے کم بساطِ حکومت پر اثر انداز ہونے کی طاقت رکھتا ہو۔ بدقسمتی سے ابھی تک ایسا کوئی شخص سامنے نہیں آیا تھا، جو اُسے سبکتگین کے بڑھتے ہوئے اثرات سے محفوظ رکھ سکے۔ حالانکہ سبکتگین نے ابھی تک اسد شیرازی کے خلاف کوئی سازش نہیں کی تھی لیکن اسد شیرازی خود مجرم تھا، اس لئے سبکتگین کے سائے سے بھی ڈرتا رہتا تھا۔

محفوظ پناہ گاہ حاصل کرنے کے لئے اسد شیرازی کی خباثتوں نے کئی بار امیر ملکاتگین کی طرف بھی دیکھا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح ارمغانہ کی شادی ملکاتگین سے ہو جائے۔ مگر موجودہ امیر غزنی ایک نہایت پرہیزگار انسان تھا۔ اس لئے اسے کیف و نشاط کی محفلوں اور خوب صورت عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ملکاتگین سے مایوس ہونے کے بعد اسد شیرازی نے حلقۂ اقتدار میں شامل ہونے والے دوسرے لوگوں پر نظر ڈالی۔ وہاں کئی ایسے طاقتور افراد موجود تھے، جو آسانی کے ساتھ سبکتگین کا زور توڑ سکتے تھے۔ مگر انہیں بھی ملکاتگین کی طرح عورتوں سے کوئی رغبت نہیں تھی۔ اسی دوران ارزق کسی بلا کی طرح اس کے گھر پر مسلط ہو گیا تھا۔ پھر جب یہ خطرہ ہمیشہ کے لئے ٹل گیا تو اسد شیرازی نے اطمینان و سکون کی سانس لی مگر اس کے سکون و اطمینان کی یہ گھڑیاں بہت مختصر تھیں۔

اچانک اسد شیرازی کی بے چین نظروں کے سامنے نظام شاہ کا چہرہ اُبھر آیا۔ ''اگر یہ جادوگر درمیان میں حائل نہیں ہوتا تو اب تک وہ وحشی گھوڑا، محمود کا کام تمام کر چکا ہوتا۔'' اسد شیرازی نے ارزق کی حادثاتی موت کے بارے میں سوچا اور خود کلامی کے انداز میں کہنے لگا۔ ''یہ نظام شاہ کے جادو ہی کا اثر ہے کہ اس نے وحشی گھوڑے کا رخ ارزق کی طرف موڑ دیا۔ ورنہ اب تک محمود کے جسم پر مٹی ڈالی جا چکی ہوتی اور سبکتگین کی حرم سرا کے ساتھ پورا محل ماتمی شور سے گونج رہا ہوتا۔

بہت دیر تک اسد شیرازی کے ذہن میں آندھیاں سی چلتی رہیں۔ پھر اس نے نظام شاہ کے خلاف سازش کا نیا جال تیار کیا اور مسجد کے پیش امام کو بھی اپنے منصوبے سے آگاہ کر دیا۔

پھر ایک دن امیر ملکاتگین کے درباریوں نے بڑی حیرت سے پیش امام کی فریاد سنی۔ وہ بہت درد بھرے لہجے میں امیر کے انصاف کو آواز دے رہا تھا۔ ''امیر! آپ صرف ہمارے جان و مال ہی کے محافظ نہیں بلکہ اللہ نے ہمارے عقائد کی نگہبانی بھی آپ ہی کے سپرد کی ہے۔'' اتنا کہہ کر پیش امام خاموش ہو گیا اور غم زدہ نظروں سے غزنی کے حکمران کی طرف دیکھنے لگا۔

''بے شک!'' ملکاتگین کی پُرجلال آواز گونجی۔ ''یہ اللہ کا بے پناہ کرم ہے کہ میں اُس کا حقیر بندہ اپنے فرائض سے بے خبر نہیں ہوں۔ مگر محترم امام! میں آپ کی گفتگو کا مفہوم نہیں سمجھ سکا۔ ذاتی طور پر انسان اپنے عقائد کی حفاظت خود کرتا ہے۔''

''مگر امیر عالی مقام! جب کوئی یہودی جادوگر، غزنی کی حدود میں داخل ہو جائے اور اپنی شعبدہ بازیوں سے مقامی باشندوں کو گمراہ کرنے لگے تو پھر اس فتنے کو ختم کرنے کی ذمے داری کس پر عائد ہوتی ہے؟'' مسجد کے پیش امام نے بڑی ذہانت کے ساتھ اسد شیرازی کے منصوبے کو امیر ملکاتگین کے سامنے پیش کیا تھا۔

''یقیناً یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم بیک جنبش اس فتنے کو نیست و نابود کر دیں۔ مگر وہ یہودی جادوگر ہے کون جو ہمارے ہوتے ہوئے اتنی خاموشی کے ساتھ غزنی کی سرحدوں میں داخل ہو گیا ہے اور اللہ کے معصوم بندوں پر اپنی شعبدہ بازی کا ہنر آزما رہا ہے؟ اللہ گواہ ہے کہ ہم اتنی بے خبری کی نیند کبھی نہیں سوئے کہ یہودی قزاق ہمارے عقائد کی خیمہ گاہ پر شب خون مارنے لگیں۔'' امیر ملکاتگین کے بارُعب چہرے پر

اچانک اُداسی جھلکنے لگی تھی۔

"وہ یہودی جادوگر، نظام شاہ ہے جو مسلمانوں کی قبا پہن کر اسلامی مملکت کی حدود میں داخل ہوا اور غزنی کی ایک مسجد میں قیام پذیر ہے۔" پیش امام کا لہجہ بہت جارحانہ تھا۔ "اب وہی یہودی ساحر اپنی شعبدہ بازیوں سے غزنی کے سادہ لوح انسانوں کو گمراہ کر رہا ہے۔"

پورا دربار بڑی حیرت سے پیش امام کا بیان سن رہا تھا۔ اس وقت دربار میں سبکتگین بھی موجود تھا۔ جب اس سے پیش امام کی الزام تراشی برداشت نہیں ہوئی تو وہ اپنی نشست پر کھڑا ہو گیا اور ملکا تگین کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"امیر محترم! یہ بڑی اذیت ناک حرکت ہے کہ امام سیف الدین جیسے ذمہ دار شخص ایک سچے مسلمان پر یہودی ہونے کی تہمت لگا رہے ہیں۔"

امیر ملکا تگین نے پیش امام کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"میرا بیان کردہ ایک ایک حرف سچائی کا آئینہ دار ہے امیر!" پیش امام بڑی بے حسی کے ساتھ جھوٹ بول رہا تھا۔ "غزنی کے سپہ سالار بھی نظام شاہ کی جادوگری کا شکار ہیں، اسی لئے وہ ایک یہودی کو سچا مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں نے بارہا دیکھا ہے کہ یہ اپنے بیٹے محمود کو لے کر اس شعبدہ باز کے پاس جاتے ہیں اور شاید اپنے اسی عقیدے کے سبب نظام شاہ کو بچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"یہ درست ہے امیر محترم! کہ میں کبھی کبھی نظام شاہ کی خدمت میں حاضری دیتا ہوں اور اس کی دعاؤں سے فیض یاب ہوتا ہوں۔" پیش امام کے خاموش ہوتے ہی سبکتگین نے بلند آواز میں کہا۔ "اور یہ کوئی جرم نہیں۔ نظام شاہ ایک مردِ قلندر ہیں اور ان کی دعاؤں میں بڑی تاثیر ہے۔"

اہلِ دربار کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔ ان معزز لوگوں نے پہلی بار نظام شاہ کا نام سنا تھا اور انہیں یہ جان کر تعجب ہوا تھا کہ سبکتگین جیسا اعلیٰ منصب دار بھی ایک گمنام شخص کے حلقۂ عقیدت میں شامل تھا۔

امیر ملکا تگین نے بہت غور سے سبکتگین کی گفتگو سنی اور پیش امام سیف الدین سے مخاطب ہو کر کہا۔

"ہم سردار سبکتگین کی گواہی کو ایک معتبر گواہی سمجھتے ہیں۔ پھر آپ کس بنیاد پر نظام شاہ کو یہودی جادوگر قرار دے رہے ہیں؟"

"امیر ذیشان!" پیش امام اسی اعتماد کے ساتھ بول رہا تھا۔ اسد شیرازی کی حمایت کے سبب سیف الدین کو یقین تھا کہ اس پر ذرا بھی آنچ نہیں آئے گی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔ "میں کئی سال سے نظام شاہ کو دیکھ رہا ہوں۔ وہ ایک وقت کی نماز بھی نہیں پڑھتا۔ جب جماعت کھڑی ہوتی ہے تو وہ اُٹھ کر باہر صحن میں چلا جاتا ہے۔ اُس کے غیر شرعی عمل سے لوگوں کے ذہنوں میں وسوسے پیدا ہو رہے ہیں۔" یکایک پیش امام کا لہجہ بہت زیادہ تلخ ہو گیا تھا۔ "وہ تارکِ نماز ہے اور اپنی اس کوتاہی کو چھپانے کے لئے شعبدہ بازیوں کا سہارا لیتا ہے۔ جس سے غزنی کے سادہ لوح انسانوں کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں اور وہ فریب میں پڑ جاتے ہیں۔"

امیر ملکا تگین کچھ دیر تک سوچتا رہا، پھر اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ نظام شاہ کو اپنے ساتھ لا کر عدالت میں پیش کریں۔

✻✻✻✻✻

وہ رات سبکتگین پر بہت بھاری تھی۔ غزنی کا سپہ سالار شدید اضطراب کے عالم میں ساری رات جاگتا رہا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ شاہی محل سے نکل کر نظام شاہ تک پہنچے اور انہیں سارے حالات سے باخبر کر دے۔ مگر امیر ملکا تگین نے اسے حکم دیتے ہوئے کہا تھا۔

"سبکتگین! تم اس معاملے میں ذاتی طور پر مداخلت نہیں کرو گے۔ نظام شاہ کو اپنا مقدمہ خود پیش کرنے دو۔ اس پر مذہبی عقائد میں خلل ڈالنے کا سنگین الزام ہے۔"

امیر کے اس حکم نے سبکتگین کو زنجیریں پہنا دی تھیں۔ وہ اپنی بے چارگی پر اتنا شکستہ تھا کہ بار بار اس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے تھے۔

دوسری طرف اسد شیرازی کی خوشی ناقابلِ بیان تھی۔ وہ کیف و نشاط کے ان لمحوں میں مزید رنگ بھرنے کے لئے مسلسل شراب پی رہا تھا اور مسجد کا پیش امام، سیف الدین سامنے بیٹھا وزیر مملکت کے نئے اشارے کا منتظر تھا۔

"کہیں نظام شاہ کی جادوگری سے خوف زدہ نہ ہو جانا۔" اسد شیرازی نے پیش امام کی ڈھارس بندھاتے ہوئے کہا۔ "تم اس جنگ میں اکیلے نہیں ہو۔ میں ہر قدم پر تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر تم سبکتگین کے اثر و رسوخ سے متاثر نہیں ہوئے تو پھر نظام شاہ کو سزایاب ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔"

"حضور! میں نے تو اپنا مستقبل ہی داؤ پر لگا دیا ہے۔" پیش امام کی آواز میں ہلکی ہلکی لرزش تھی۔

"گھبراؤ نہیں! میں تمہیں تمہارے شاندار مستقبل کی بشارت دیتا ہوں۔" اسد شیرازی نے جھومتے ہوئے کہا۔ "اور اگر تم اس جادوگر سے ڈر گئے تو پھر بڑی رسوائی ہو گی۔ اس وقت شاید میں تمہیں نہ بچا سکوں۔"

پیش امام نئے عزائم کے ساتھ اُٹھا اور وزیر مملکت کے مکان سے نکل کر مسجد کی طرف روانہ ہو گیا۔ کوئی نصف شب کے قریب پیش امام نے مسجد میں داخل ہو کر دیکھا۔ نظام شاہ حسبِ عادت گھٹنوں میں منہ چھپائے بیٹھے تھے۔ پیش امام مسکرایا اور دل ہی دل میں یہ کہتا ہوا اپنے حجرے کی طرف چلا گیا۔

"بس! تیری جادوگری کی یہ آخری رات ہے۔ کل صبح تُو اپنی تمام تر شعبدہ بازیوں کے ساتھ غزنی کے کسی ویران گوشے میں دفن ہو جائے گا۔"

✻✻✻✻✻

دوسرے دن نظام شاہ چند سپاہیوں کے ہمراہ اس طرح امیر ملکا تگین کے دربار میں داخل ہوئے کہ وہ اپنا بوسیدہ کمبل اوڑھے ہوئے تھے۔ انہوں نے دونوں جانب بیٹھے ہوئے معزز درباریوں پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی اور بے نیازانہ انداز میں چلتے ہوئے ملکا تگین کے تخت کے قریب پہنچ کر ٹھہر گئے۔

"امیر! آپ پر اللہ کی سلامتی ہو۔" نظام شاہ نے عین اسلامی طریقے سے ملکا تگین کو سلام کیا۔

پورے دربار پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اہلِ دربار نے پہلی بار ایک مردِ قلندر کو دیکھا تھا، جس نے امیر غزنی کے اقتدار و جبروت کا کوئی تاثر قبول نہیں کیا تھا۔

"تم پر بھی اللہ کی سلامتی ہو، نظام شاہ!" امیر ملکا تگین نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو اور کیا کرتے ہو؟" امیر ملکا تگین نے ایک ہی سانس میں نظام شاہ سے کئی سوال کر

ڈالے تھے۔

''میرا کوئی نسب نامہ نہیں۔'' دربار میں نظام شاہ کی بارعب آواز گونج رہی تھی۔ ''میرا کوئی خاندان نہیں، کوئی قبیلہ نہیں...... میں صرف مسلمان ہوں۔ ترکستان سے آیا ہوں اور غزنی کی مسجد کے ایک گوشے میں چپ چاپ پڑا رہتا ہوں۔'' نظام شاہ نے مختصراً امیر کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

ملکا تگین کو نظام شاہ کی اس بے نیازانہ روش پر بڑی حیرت ہوئی تھی۔ ''تمہارا عقیدہ کیا ہے نظام شاہ؟'' ملکا تگین نے ایک اور سوال کیا۔

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے آخری رسول ہیں۔'' نظام شاہ نے بہت ٹھہر ٹھہر کر کلمۂ شہادت پڑھا اور اہلِ دربار نے دیکھا کہ ان کے جسم پر ہلکا ہلکا لرزہ طاری تھا اور گردن جھکی ہوئی تھی۔

''غزنی کے کچھ باشندوں کا کہنا ہے کہ تم اپنی ساحرانہ شعبدہ بازیوں کے ذریعے سادہ لوح انسانوں کے عقائد میں خلل ڈال رہے ہو۔'' ملکا تگین نے پیش امام کے عائد کردہ الزام کو دہراتے ہوئے کہا۔ ان کے چہرے پر خوف و ہراس کا ہلکا سا عکس تک نہیں تھا۔

''تم نماز کیوں نہیں پڑھتے؟'' اب ملکا تگین کے لہجے میں ہلکی سی تلخی شامل ہو گئی تھی۔

''یہ میرا ذاتی معاملہ ہے امیر!'' نظام شاہ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''غزنی کے بہت سے لوگ نماز نہیں پڑھتے۔ پھر آپ انہیں بھی دربار میں طلب کر کے ان سے بھی میرے سامنے یہی سوال کیجئے۔'' یہ کہتے ہوئے نظام شاہ نے اپنے دائیں بائیں مُڑ کر اُمراء کی صفوں پر نظر ڈالی۔ نظام شاہ کے اس عمل سے امراء کی پیشانیاں شکنوں سے بھر گئیں۔

خود ملکا تگین کو بھی نظام شاہ کا یہ جواب پسند نہیں آیا تھا۔ ''ایک تارکِ نماز کو مسجد میں نہیں رہنا چاہئے۔'' یکایک امیر کا لہجہ غضب ناک ہو گیا تھا۔

''مسجد کسی انسان کی ملکیت نہیں ہے۔'' نظام شاہ نے بلند آواز میں کہا۔ ''میں اللہ کے گھر میں رہتا ہوں۔ جب وہ چاہے گا تو اُٹھ کر کہیں اور چلا جاؤں گا۔''

ملکا تگین کو نظام شاہ کا یہ جواب بھی پسند نہیں آیا تھا، اس لئے اُس کے غصے میں مزید اضافہ ہو گیا۔

''یہ کیا اسلام ہے کہ ایک شخص دن رات مسجد میں رہتا ہے اور جب نماز کا وقت آتا ہے تو اُٹھ کر باہر چلا جاتا ہے۔'' جوشِ جذبات سے امیر کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ یہ خدا کے بنائے ہوئے قانون سے کھلی بغاوت ہے، نظام شاہ! تمہارا یہی عمل تمہاری شخصیت کو مشکوک بناتا ہے۔'' لحظہ بہ لحظہ ملکا تگین کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔ ''ہم سے تو لوگوں نے یہاں تک کہا ہے کہ تم ایک یہودی ہو اور مسلمانوں کا لباس پہن کر کسی خاص مقصد کے تحت غزنی کی حدود میں داخل ہوئے ہو۔''

''میں اپنا عقیدہ بیان کر چکا ہوں۔'' نظام شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اب امیر کو اختیار ہے کہ وہ مجھے یہودی قرار دیں یا نصرانی۔ ویسے میں نماز پڑھتا ہوں مگر تنہائی میں۔''

نظام شاہ کا بے باکانہ طرزِ گفتگو اور ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ دیکھ کر ملکا تگین کچھ اور غضب ناک نظر آنے لگا تھا۔ ''تم پیش امام، سیف الدین کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ تمہارا یہ عمل دوسرے نمازیوں کے دلوں میں بھی وسوسے پیدا کر رہا ہے۔''

''میں سیف الدین کے پیچھے اس لئے نماز نہیں پڑھتا کہ وہ مسلمانوں کی امامت کے قابل نہیں ہے۔'' نظام شاہ نے اتنی بلند آواز میں کہا کہ پورا دربار گونجنے لگا۔ ''امیر کو چاہئے کہ امامت کے انتخاب میں تحقیق اور احتیاط سے کام لیا کریں۔''

نظام شاہ کی اس حقیقت بیانی نے درباری علماء اور دوسرے امیروں کو بھی اپنا دشمن بنا لیا۔ یہاں تک کہ ملکا تگین نے نظام شاہ کے خلاف اپنا فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔

''یہ شخص انتہائی بے ادب اور جاہل ہے۔ اس لئے ہمارا حکم ہے کہ اسے مسجد سے اُٹھا کر غزنی کی سرحدوں سے باہر نکال دیا جائے۔ ہم نہیں چاہتے کہ مقامی باشندوں پر اس گستاخ کا سایہ پڑے اور اللہ کے سادہ دل بندے ایک بے عمل انسان کا چہرہ دیکھ کر کسی فریب میں مبتلا ہوں۔''

پھر جیسے ہی ملکا تگین کے الفاظ کی گونج ختم ہوئی، نظام شاہ بلند آواز میں بولے۔ ''امیر! میں عام حالات میں آپ کے فیصلے کے سامنے اپنا سرِ تسلیم خم کر دیتا۔ مگر آج میری مجبوریوں نے مجھے ہر طرف سے جکڑ رکھا ہے۔ معاف کیجئے، جب تک میں اپنا مقصد حاصل نہیں کر لیتا، اس وقت تک غزنی کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔''

''کیسا مقصد؟'' امیر ملکا تگین نے انتہائی مشتعل اور برہم لہجے میں پوچھا۔

''اس مقصد کے بارے میں واقفیت حاصل کرنا آپ کے لئے ضروری نہیں ہے۔'' نظام شاہ ہر خوف و خطر سے بے نیاز ہو کر بول رہے تھے۔ ''امیر! آپ غزنی چھوڑنے کی بات کرتے ہیں، کچھ دن بعد میں آپ کی یہ خوبصورت دنیا ہی چھوڑ جاؤں گا۔ پھر آپ کا قانون، آپ کے درباری علماء، آپ کے طاقتور وزیر شوق سے طوق و سلاسل اور دار و رسن سجاتے رہیں۔''

''ہم ایک دیوانے کی یہ بے ربط تقریر سننا نہیں چاہتے۔'' امیر ملکا تگین نے قہرناک لہجے میں کہا۔

''اسے ہمارے سامنے سے لے جاؤ کہ اب اس کی موجودگی ہم سے برداشت نہیں ہوتی۔''

امیر کا حکم سنتے ہی چند محافظ سپاہی آگے بڑھے اور انہوں نے نظام شاہ کے ہاتھ پکڑ کر کھینچنا چاہا۔ دوسرے ہی لمحے وہ چیخنے لگے۔ ''آگ......آگ......''

دربار میں ہلچل سی مچ گئی۔ اپنے ساتھیوں کو چیختے دیکھ کر کچھ اور سپاہی آگے بڑھے مگر ان کا بھی وہی حشر ہوا۔ نظام شاہ کے جسم کو چھوتے ہی ان کے بدن میں بھی آگ سی لگ گئی تھی اور وہ پاگلوں کی طرح اپنے کپڑے نوچ رہے تھے۔

یہ منظر دیکھ کر درباری علماء نے بیک زبان ملکا تگین سے عرض کیا۔ ''امیر محترم! پیش امام سیف الدین نے درست کہا تھا کہ یہ شخص جادوگر ہے۔ اس لئے ہمارے نقطۂ نظر سے نظام شاہ کا قتل واجب ہے۔''

ملکا تگین کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ اس کے چہرے پر فکر و پریشانی کے آثار نمایاں ہو چلے تھے۔ پھر اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

''نظام شاہ کو غزنی کے محفوظ ترین قید خانے میں ڈال دو۔ جہاں کوئی پرندہ بھی پَر نہ مار سکے۔''

''ہاں!'' نظام شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''امیر! میں آپ کی تجویز کردہ یہ سزا قبول کر لوں گا۔ مگر اپنا مقصد حاصل کئے بغیر غزنی چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ آپ چاہیں تو شوق سے میرے ناتواں جسم پر اپنے شمشیر و سناں آزما لیں، قدم قدم پر مقتل سجا لیں۔ لیکن ہو گا وہی جو آسمانوں پر تحریر کر دیا گیا ہے۔''

امیر ملکاتگین پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ پورے دربار پر موت کا سا سکوت طاری تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے درباری نشستوں پر انسان نہیں، پتھر کے مجسمے بیٹھے ہوں۔ پیش امام سیف الدین اور اسد شیرازی کے چہروں پر وحشت برس رہی تھی۔ بس ایک سبکتگین تھا، جس کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہہ رہے تھے اور جس نے کئی دن کی طویل اذیت کے بعد سکون کی سانس لی تھی۔

پھر ملکاتگین نے ہاتھ کے اشارے سے نظام شاہ کو قید خانے کی طرف لے جانے کو کہا۔ محافظ سپاہیوں کا ایک دستہ تیزی سے آگے بڑھا اور جب چند قدم کا فاصلہ رہ گیا تو نظام شاہ نے پُرجلال لہجے میں کہا۔ ”میرے جسم کو مت چھونا۔ میں خود زنداں کی طرف جاؤں گا۔ اور اگر تمہارا امیر کہے گا تو اپنے ہی ہاتھوں سے زنجیریں بھی پہن لوں گا۔“

نظام شاہ کی تنبیہ سن کر سپاہیوں کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ پھر یکایک نظام شاہ پلٹے اور سبکتگین سے مخاطب ہو کر بولے۔

”جب تمہاری بے قراریٔ دل حد سے زیادہ بڑھ جائے تو تم اپنے بیٹے محمود کو لے کر زنداں میں چلے آنا۔ خواہ اقتدار کے کتنے ہی سنگین پہرے کیوں نہ ہوں مگر وہاں تمہیں روکنے والا کوئی نہ ہوگا۔“ یہ کہہ کر نظام شاہ آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھے اور ملکاتگین کے دربار سے نکل کر اس قید خانے کی طرف چلے گئے، جو محل کے ایک سنسان گوشے میں خفیہ طور پر زیرِ زمین تعمیر کیا گیا تھا۔

✿✿✿✿✿

وقت تیزی سے گزرتا رہا۔ امیر ملکاتگین بڑی دیانت داری اور جانفشانی کے ساتھ امورِ مملکت انجام دے رہا تھا۔ اُس کے دورِ حکومت میں ہر طرف خوشحالی بھی تھی اور امن و سکون بھی۔ سبکتگین نے امیر ابواسحاق کی طرح ملکاتگین کے ساتھ بھی بھرپور تعاون کا مظاہرہ کیا۔ یہی وجہ تھی کہ ملکاتگین نے سبکتگین کو نہ صرف سالاری کے منصب پر برقرار رکھا بلکہ اس کے اختیارات میں کسی قدر اضافہ بھی کر دیا۔ عام اندازہ یہی تھا کہ ملکاتگین کے بعد سبکتگین، غزنی کی بساطِ سیاست کا سب سے طاقتور مہرہ ہے۔ مگر کچھ دنوں سے ایک اور مہرہ بھی تیزی کے ساتھ حرکت کر رہا تھا۔ یہ مہرہ بھی ملکاتگین کی طرح ایک ترک سردار تھا، جسے غزنی کے لوگ پری تگین کے نام سے جانتے تھے۔ پری تگین ایک نہایت عیار، کینہ پرور اور عیاش طبع انسان تھا۔ اس نے خوشامد اور فریب کے ایسے ہنر آزمائے کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ درباری امیروں میں نمایاں نظر آنے لگا۔ خود امیر ملکاتگین نے بھی اس کی رنگ آمیز باتوں سے دھوکا کھا کر اسے اپنے حلقۂ اعتبار میں شامل کر لیا تھا۔

نظام شاہ اور محمود کے سلسلے میں پے در پے ناکامیوں کے بعد اسد شیرازی بہت اُداس رہنے لگا تھا۔

اب محمود تیرہ چودہ سال کا ایک تنومند اور جاذبِ نظر نوجوان تھا۔ اگرچہ چیچک کے گہرے داغوں نے اس کے چہرے کی دلکشی کم کر دی تھی، لیکن پھر بھی وہ اپنے متناسب نقش و نگار اور مضبوط جسمانی ساخت کے سبب پُرکشش نظر آتا تھا۔ فنِ شہسواری اور شمشیر زنی میں محمود کی مہارت کا یہ حال تھا کہ اب تک اس نے بے شمار مقابلوں میں کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ نوعمری کے باوجود پورے غزنی میں اس سے بہتر شمشیر زن اور شہسوار کوئی دوسرا موجود نہیں تھا۔

اسد شیرازی کی سب سے چھوٹی لڑکی، نگار خانم اب پندرہ سال کی ہو چکی تھی۔ ارمغانہ کی طرح وہ

بھی اپنے وقت کی حسین ترین دوشیزہ تھی۔ نگار خانم نے محمود کو کئی بار شہسواری کے مقابلے میں ایک فاتح کی حیثیت سے دیکھا۔ پھر محمود کے اس فاتحانہ انداز نے ایک نوخیز دوشیزہ کا دل بھی فتح کر لیا۔ اب نگار خانم ہر وقت محمود کے تصورات میں گم رہنے لگی تھی۔ وہ مزاج کے اعتبار سے اپنی بڑی بہن ارمغانہ سے یکسر مختلف تھی۔ انتہائی حساس، سنجیدہ اور معصوم ذہن رکھنے والی دوشیزہ۔

ارمغانہ کی عمر تیس سال سے زیادہ ہو چکی تھی۔ اگرچہ وہ اب بھی پہلے کی طرح شگفتہ و شاداب نظر آتی تھی، لیکن بڑھتی ہوئی عمر کے سائے رات کی تنہائیوں میں اس سے سرگوشیاں کرتے رہتے تھے کہ جوانی ایک بے وفا اور ناپائیدار شے کا نام ہے۔

وقت کی یہ سرگوشیاں سن کر ارمغانہ بے قرار ہو جاتی۔ مگر اسے اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ اب تک کئی امیروں، سرداروں اور تاجروں کے رشتے آ چکے تھے، مگر اسد شیرازی کو کوئی رشتہ پسند نہیں تھا۔ وہ اپنی خوبصورت بیٹی کو سیاست کے ایک ایسے آلۂ کار کے طور پر استعمال کرنا چاہتا تھا، جو غزنی کے نظامِ حکومت کو زیر و زبر کر کے رکھ دے۔ وہ ارمغانہ کے سر پر تاجِ زرنگار دیکھنا چاہتا تھا، لیکن ابھی تک حالات کے پردے سے وہ ہاتھ نمودار نہیں ہوئے تھے، جو ارمغانہ کے سر پر اقتدار کا سنہرا تاج سجا دیتے۔ وہ حسبِ عادت روزانہ رات کو شراب پی کر مختلف زائچے بناتا اور ستاروں کی رفتار دیکھتا رہتا۔ پھر ان تمام کاغذات کو پھاڑ کر نذرِ آتش کر دیتا اور ہذیانی انداز میں چیخنے لگتا۔

”ستارے خاموش کیوں ہیں؟ مجھے کوئی خبر کیوں نہیں دیتے؟“

پھر ایک دن اچانک اسد شیرازی کو ایک نشاط انگیز خبر سننے کو ملی۔ ترک سردار پری تگین نے ایک شاہی تقریب میں ارمغانہ کو دیکھا اور بے اختیار اُس کے عشق میں مبتلا ہو گیا۔ اسد شیرازی کو اسی لمحے کا انتظار تھا۔ اس نے بڑی احتیاط کے ساتھ پری تگین کی حرکات کو دیکھا۔ ارمغانہ کے سلسلے میں اس ترک سردار کی دلچسپیاں روز بہ روز وحشیانہ ہوتی جا رہی تھیں۔ خود ارمغانہ بھی پری تگین کے اثرات سے اپنے آپ کو محفوظ نہ رکھ سکی۔ ترک ہونے کے سبب پری تگین ایک وجیہہ شخصیت کا مالک تھا۔ ارمغانہ بار بار اُس کے سامنے جاتی اور پری تگین کو یہ تاثر دینے کی کوشش کرتی کہ وہ اس کا پسندیدہ مرد ہے۔

بالآخر ایک دن پری تگین نے اسد شیرازی کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کر دیا اور پھر بڑی شان و شوکت کے ساتھ اس کی شادی ارمغانہ سے ہو گئی۔ اسد شیرازی بہت خوش تھا۔ اسے ستاروں نے خبر دی تھی کہ یہ شادی بہت مبارک ثابت ہوگی۔ اور اب ارمغانہ کو غزنی کی ملکہ بننے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

سبکتگین کو اس شادی پر بہت حیرت تھی۔ مگر پھر بھی اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اس خوبصورت بلا کو کوئی ٹھکانہ مل گیا اور کئی لوگ اس کے فتنوں سے محفوظ ہو گئے۔

✿✿✿✿✿

امیر ملکاتگین کی حکومت کو تقریباً ساڑھے نو سال ہو چکے تھے۔ اس دوران سبکتگین نے کئی بار ملکاتگین سے کہا تھا کہ وہ نظام شاہ جیسے خدا رسیدہ انسان کو قید و بند سے رہائی دے دیں۔ مگر ملکاتگین نے ہر بار انتہائی لہجے میں ایک ہی جواب دیا تھا۔

”میں اپنی زندگی میں اس گمراہ انسان کو کھلا نہیں چھوڑ سکتا۔ میرے بعد آنے والے حکمران، نظام شاہ کے ساتھ جو چاہیں، سلوک کریں۔“

ملکاتگین کا جواب سن کر سبکتگین اُداس ہو جاتا۔ اور پھر یہی اُداسی اُسے زنداں کی طرف لے جاتی۔
اگرچہ نظام شاہ کے چاروں طرف انتہائی سخت پہرہ تھا، لیکن سبکتگین جب بھی وہاں جاتا تو پہرے دار اتنی دیر کے لئے اندھے ہو جاتے اور آہنی تالا خود بخود کھل جاتا۔ پھر سبکتگین اندر داخل ہو کر نظام شاہ کی خدمت میں سلام پیش کرتا اور ادب کے ساتھ دوزانو ہو کر بیٹھ جاتا۔
نظام شاہ اُسے دعائیں دیتے اور پھر مسکرا کر کہنے لگتے۔ "سبکتگین! ہمارے لئے اتنے پریشان نہ ہوا کرو۔ ہمیں تمہارے جذبات کا احساس ہے۔ لیکن ہم اپنی آزادی کے لئے کسی غیر کا احسان نہیں لینا چاہتے۔ تم بارہا اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ چکے ہو کہ ملکاتگین کے بنائے ہوئے زنداں کا نظام کچے دھاگوں سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ جب تم یہاں آتے ہو تو امیرِ غزنی کے یہ فولادی تالے، موم کی طرح پگھل جاتے ہیں۔ اللہ کی قدرتِ لازوال کی قسم! اُس نے اپنے اس حقیر بندے نظام شاہ کو بھی یہ طاقت دے رکھی ہے کہ وہ جب چاہے، ملکاتگین کے زنداں کی کاغذی دیواروں کو توڑ کر باہر چلا جائے۔ مگر ابھی یہاں سے جانے کا وقت نہیں آیا ہے۔ میں تم سے بہت خوش ہوں سبکتگین! مگر تم اپنے امیر سے میری رہائی کی سفارش نہ کیا کرو کہ اس کے انکار سے تمہارا دل دُکھتا ہے۔ اور پھر تمہاری خلشِ دل سے مجھے تکلیف پہنچتی ہے۔ گھبراؤ نہیں، بہت جلد اندھیروں کا یہ کاروبار ختم ہونے والا ہے۔"
سبکتگین کے ساتھ اکثر محمود بھی نظام شاہ سے ملنے کے لئے قید خانے جاتا۔ محمود کو دیکھ کر نظام شاہ کی حالت کچھ عجیب سی ہو جاتی۔ وہ کئی بار محمود کی پیشانی کو بوسہ دیتے اور اسے اپنے برابر بٹھا کر بہت دیر تک سر پر ہاتھ پھیرتے رہتے۔ "صنم خانۂ ہند کے بت شکن! اللہ تجھے اپنی حفاظت میں رکھے۔"
نوعمر ہونے کے باعث محمود، نظام شاہ کی ان باتوں کا مفہوم سمجھنے سے قاصر رہتا۔ مگر سبکتگین کی آنکھوں میں کئی خواب لہرا کر رہ جاتے۔

❊❊❊❊❊

ارمغانہ بہت خوش تھی کہ اس نے چند ہی دنوں میں پری تگین کے دل و دماغ پر مکمل غلبہ حاصل کر لیا تھا۔ یہ ارمغانہ کے فتنہ انگیز حُسن کی کرشمہ سازی تھی کہ پری تگین جیسا عیار انسان اپنی بیوی کی آنکھوں سے دیکھتا اور اسی کے دماغ سے سوچنے کی کوشش کرتا۔ پھر ایک دن موقع پا کر ارمغانہ نے اپنے دل میں چھپی ہوئی ساری خباثتوں کا زہر پری تگین کے سامنے اُگل دیا۔
"سردار!" ارمغانہ نے ایک خاص ادائے دلبری کے ساتھ کہا۔ "آپ کے اقتدار کو سبکتگین اور پھر اس کے جوان ہوتے ہوئے بیٹے محمود سے بہت خطرہ ہے۔ ان دونوں کے علاوہ ایک تیسرا شخص نظام شاہ جادوگر بھی ہے، جس کی شعبدہ بازیاں کسی نہ کسی دن رنگ لا سکتی ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ جلد از جلد ان تینوں فتنوں سے نجات حاصل کر لیں۔"
پری تگین بہت غور سے اپنی بیوی کی گفتگو سنتا رہا، پھر اس نے اپنے سامنے رکھی ہوئی شراب کی صراحی سے جام لبریز کیا اور ایک لمبا گھونٹ لے کر بولا۔
"نظام شاہ کا فتنہ تو ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا ہے اور اس کی جادوگری، زنداں کی اونچی دیواروں سے ٹکرا کر دم توڑ چکی ہے۔ البتہ سبکتگین اور محمود کے خطرات موجود ہیں۔ مگر پھر بھی میں ان دونوں کی طرف سے غافل نہیں ہوں۔"

ارمغانہ نے سوالیہ نظروں سے شوہر کی طرف دیکھا۔
"ابھی میں سبکتگین کے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھا سکتا کہ امیر ملکاتگین، سبکتگین پر بہت زیادہ اعتبار کرتے ہیں۔ اور پھر وہ غزنی کی افواج کا سالار بھی ہے۔" پری تگین آہستہ آہستہ بول رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں نئی شرارتیں کروٹیں لے رہی تھیں۔ "تم مطمئن رہو ارمغانہ! میں آنکھیں بند کر کے راستہ طے کرنے کا عادی نہیں۔ راہ کے تمام کانٹے اور پتھر میری نظر میں رہتے ہیں۔"
ارمغانہ کے سرخ ہونٹوں کی مسکراہٹ کا رنگ گہرا ہو گیا اور وہ خیالوں کی دنیا میں کھو گئی۔ جہاں تاج وتخت تھے اور ہاتھ باندھے ہوئے خدمت گاروں کی لمبی قطاریں تھیں۔
اور پھر حالات نے نئی کروٹ لی۔ امیر ملکاتگین کچھ دن بیمار رہ کر دنیا سے رخصت ہو گیا۔ وہ ایک پرہیزگار، منصف مزاج اور انسان دوست حکمران تھا۔ ملکاتگین کے انتقال کی خبر سن کر پورے غزنی میں ایک کہرام برپا ہو گیا۔ سینکڑوں بیوائیں اور ہزاروں غریب و محتاج لوگ گریہ و زاری کرتے ہوئے اپنے گھروں سے نکل آئے۔ یہ وہ لوگ تھے، جن کی ملکاتگین درپردہ مدد کیا کرتا تھا۔
ادھر قصرِ شاہی میں امیر کا جنازہ رکھا تھا اور اُدھر غزنی کے تمام سردار اور با اثر امراء، ملکاتگین کے جانشین کے بارے میں مشورے کر رہے تھے۔
عام لوگوں کا یہی خیال تھا کہ اس بار سبکتگین کو امیرِ غزنی کے منصب تک پہنچنے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔ اپنی طویل اور بے لوث خدمات کے سبب وہ اس اعلیٰ عہدے کا سب سے زیادہ مستحق تھا۔ مگر پری تگین کی سیاسی فتنہ انگیزیاں رنگ لائیں اور تمام با اثر سرداروں نے متفقہ طور پر اسے اپنا امیر منتخب کر لیا۔
سبکتگین نے یہ خبر سنی تو سناٹے میں رہ گیا۔ جب اُسے ملکاتگین کے انتخاب کے وقت نظرانداز کیا گیا تھا تو سبکتگین ایک لمحے کے لئے اُداس ہوا تھا، پھر یہ اُداسی فوراً ہی ختم ہو گئی تھی اور اس نے اپنے دل کو یہ کہہ کر مطمئن کر لیا تھا کہ ملکاتگین ایک شجاع اور جانباز سردار ہے۔ وہ اپنے دل میں مذہب و قوم کے لئے ایک خاص تڑپ رکھتا ہے۔ پھر ملکاتگین نے اپنے کردار سے ثابت بھی کر دیا کہ وہ غزنی کا ایک لائق امیر ہے۔ یہی وجہ تھی کہ سبکتگین کے دل و دماغ پر چند لمحوں کے لئے جو دُھندسی چھائی تھی، وہ صاف ہو گئی اور غزنی کا سپہ سالار اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ اپنے امیر کے دوش بہ دوش مملکت کی تعمیر میں حصہ لینے لگا۔ مگر جب ملکاتگین کی موت کے بعد غزنی کے سرداروں نے پری تگین کا انتخاب کیا تو سبکتگین کو شدید ذہنی اذیت پہنچی۔ تمام با اثر سیاسی حلقے یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ پری تگین ایک اوباش اور فتنہ انگیز شخص ہے۔ مذہب اور انسانیت سے اس کا دُور کا رشتہ بھی نہیں۔
"پھر غزنی کے سرداروں نے ایسا کیوں کیا؟"
کئی دن سے سبکتگین کے ذہن میں یہ ایک سوال بار بار اُبھر رہا تھا۔ اُسے اہلِ اقتدار کے فیصلے سے بڑی مایوسی ہوئی۔ اور اسی مایوسی کے عالم میں پری تگین نے اسے اپنی خلوت گاہ میں طلب کرتے ہوئے کہا۔
"سبکتگین! اب تمہارے کیا ارادے ہیں؟" پری تگین نے اونچی آواز میں غزنی کے سپہ سالار سے پوچھا۔ سبکتگین نے فوراً ہی محسوس کر لیا کہ یہ دوست کا نہیں بلکہ کسی آمر کا لہجہ ہے۔ اور پری تگین اس کے سامنے اپنے اقتدار کی نمائش کر رہا ہے۔

"امیر! میں آپ کی بات کا مفہوم نہیں سمجھا۔" سبکتگین نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"میں واضح الفاظ میں بات کرنے کا عادی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے پری تکین کی پیشانی پر کئی بل گئے تھے۔ "میں نے اپنی تاجپوشی کے وقت تمہارے چہرے پر وہ خوشی نہیں دیکھی، جو غزنی کے دوسرے امراء کے چہروں پر کسی فانوس کی طرح روشن تھی۔" پری تکین کی آواز کچھ اور بلند ہو گئی تھی۔ "میں نے تمہارے چہرے پر دھوئیں کا ایک گہرا بادل دیکھا، جو میری حکومت کے لئے کوئی نیک شگون نہیں ہو سکتا۔ پھر جب تم نے مجھے مبارکباد دی تھی تو تمہاری آواز بھی سرد تھی۔ جوش اور جذبے سے عاری ایک کھوکھلی آواز۔

سبکتگین نئے امیرِ مملکت کے اس طرزِ تخاطب پر حیران رہ گیا۔ پھر اسے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ پری تکین کا ذہن اس کی طرف سے صاف نہیں ہے۔ اور امیر کے دل کی گہرائیوں میں اس کے خلاف کوئی سنگین منصوبہ پرورش پا رہا ہے۔

"نہیں امیر!" سبکتگین نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "آپ کی طرف سے نہ میرے دل میں کوئی غبار ہے اور نہ چہرے پر کوئی دھواں۔ یہ غزنی کے حکمران کی لغزشِ نظر ہی ہو سکتی ہے ورنہ میرے ارادوں میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔"

"پھر میں تم پر کس طرح اعتبار کروں؟" پری تکین اپنے سپہ سالار کو گرفت میں لینے کے لئے نئے نئے بہانے تراش رہا تھا۔

"آخر اس بے اعتباری کی وجہ؟" اب سبکتگین کے ماتھے پر بھی گہری شکنیں نمودار ہو گئی تھیں۔ "پہلے امیر الپتگین، پھر امیر ابواسحاق، پھر امیر ملکاتکین، غزنی کے یہ تمام امیر مجھ پر اعتبار کرتے تھے۔ کیا کسی دور میں میری وفاداریوں پر شک کا اظہار کیا گیا؟"

پری تکین جانتا تھا کہ سبکتگین بے داغ کردار کا مالک ہے۔ اس لئے وہ کھل کر اپنے سپہ سالار پر کوئی تہمت نہیں لگا سکتا تھا۔ مجبوراً اس نے نئی چال چلی۔

"میں گزرے زمانے کے خوابوں سے بہلنے کا عادی نہیں ہوں۔ مجھے صرف زمانۂ حال سے دلچسپی ہے۔ اور میرا حال یہ ہے کہ میں تم سے تمہاری وفاداریوں کا ثبوت طلب کرتا ہوں۔"

"میں امیر کو یہ ثبوت کس طرح فراہم کر سکوں گا؟" سبکتگین نے وقت کی رفتار کو پہچان لیا تھا اور اس کا شک، یقین میں تبدیل ہو گیا تھا کہ پری تکین اس کے لئے اپنے دل میں پرخاش رکھتا ہے اور اسے برطرف کرنے کا کوئی معقول جواز تلاش کر رہا ہے۔

"تم وہ ثبوت پیش کرنے میں ناکام ہو چکے ہو۔" پری تکین نے تیز لہجے میں کہا۔ "ہم کئی دنوں سے خاموشی کے ساتھ تمہارے چہرے کا جائزہ لے رہے تھے۔ اور تمہارا چہرہ ہم سے بار بار یہی کہتا ہے کہ تم ہمارے ساتھ مخلص نہیں ہو۔"

"آخر امیر نے میرے خلوص کو ناپنے کے لئے کون سا پیمانہ مقرر کیا ہے؟" اب سبکتگین کی آواز سے بھی کسی قدر سختی جھلک رہی تھی۔

"اگر تم مجھ سے مخلص ہوتے تو اب تک میرے آستانۂ جلال پر خم ہو چکے ہوتے۔" پری تکین طے کر چکا تھا کہ وہ سبکتگین کو اپنے بچھائے ہوئے جال کے پھندے کاٹنے نہیں دے گا۔ وہ سازش کی ریشمی

ڈوریوں کو مسلسل کھینچتا ہی جا رہا تھا۔ "تمہارا اٹھا ہوا سر اور بے رنگ چہرے کا تناؤ ہم سے چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں کہ تم امیرِ غزنی کے وفادار نہیں ہو۔"

"امیر! یہ بڑی سنگین تہمت ہے۔" سبکتگین کی قوتِ برداشت جواب دے گئی اور اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ "میں اپنے خلوص و وفاداری کا ثبوت فراہم کرنے کے لئے امیر کو سجدہ نہیں کر سکتا۔"

"تو پھر تم اپنی تلوار کھول کر ہمارے قدموں میں رکھ دو۔" پری تکین نے غضب ناک لہجے میں کہا۔ "تم اس منصب کے اہل نہیں ہو۔ جب تم اپنے عہد کی حفاظت نہیں کر سکتے تو پھر غزنی کی حفاظت کس طرح کرو گے؟"

"اس مملکت کا ایک ایک فرد جانتا ہے کہ میں گزشتہ پندرہ سال سے غزنی کی سرحدوں پر ایک آہنی چٹان کے مانند کھڑا ہوں۔" اگرچہ سبکتگین، ادب کے دائرے میں بول رہا تھا لیکن اس کی آواز پری تکین کی آواز سے زیادہ بلند تھی۔ "میرا یہ دعویٰ نہیں کہ میں اس مملکت کا سب سے بہتر محافظ ہوں مگر یہ بھی گوارا نہیں کہ کوئی مجھے ایفائے عہد کا مفہوم سمجھائے۔" یہ کہہ کر سبکتگین، امیر کی خلوت گاہ سے باہر جانے کے لئے مڑا۔

"ہم تمہیں چند روز کی مہلت دیتے ہیں۔" پری تکین نے اپنے سپہ سالار کو پکار کر کہا۔ "بہتر یہی ہے کہ تم رضاکارانہ طور پر مستعفی ہو جاؤ۔" امیر نے درپردہ اپنے اختیارات کا مظاہرہ کرتے ہوئے سبکتگین کو معزول کرنے کی دھمکی دے دی تھی۔

سبکتگین شدید اذیت میں مبتلا تھا۔ وہ ایک لمحے کے لئے ٹھہرا اور پری تکین کی طرف پشت کئے ہوئے بولا۔ "شاید آپ کی یہ خواہش بہت جلد پوری ہو جائے۔ میں خود بھی اس زہر آلود فضا میں زیادہ دیر تک سانس نہیں لے سکتا۔" یہ کہہ کر سبکتگین تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔

کچھ دیر بعد پری تکین انتہائی سرخوشی کے عالم میں اپنی بیوی ارمغانہ سے کہہ رہا تھا۔ "سبکتگین کو معزول کرتے ہی میں اس سے اس کی زندگی بھی چھین لوں گا۔"

"ہاں امیر! دشمن کو کسی بھی حال میں کھلا چھوڑنا نہیں چاہئے۔" ارمغانہ نے مخمور نظروں سے شوہر کی طرف دیکھا۔ آج وہ گزشتہ دنوں سے زیادہ آراستہ اور دلکش نظر آ رہی تھی۔ "بابا جان بھی یہی کہتے ہیں۔"

اسد شیرازی کے نام پر غزنی کا اوباش حکمران چونکا۔ "تمہارے بابا جان کا علم کیا کہتا ہے؟ وہ تو بہت بڑے ماہرِ نجوم ہیں۔"

"یہ ان ہی کی پیش گوئی تھی کہ آپ کو اقتدار حاصل ہو جائے گا۔" ارمغانہ نے ایک احساسِ غرور کے ساتھ کہا۔ "بابا جان نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ آپ آہستہ آہستہ اپنے تمام دشمنوں پر غلبہ پا لیں گے اور آپ کا دورِ اقتدار، غزنی کے تمام امیروں سے زیادہ طویل ہو گا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" پری تکین نے ارمغانہ کے ریشمی آنچل سے کھیلتے ہوئے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ سبکتگین اپنی مرضی سے استعفیٰ دیدے۔ اس طرح مجھے اس سے نجات حاصل کرنے میں بہت آسانی ہو جائے گی۔ اگر میں اسے جبراً معزول کرتا ہوں تو غزنی کی افواج میں ایک انتشار پیدا ہو جائے گا۔ اور پھر یہی انتشار بڑھتے بڑھتے بغاوت کی شکل بھی اختیار کر سکتا ہے۔ اُس کے استعفیٰ دینے کی صورت میں مجھے یہ رعایت حاصل ہو گی کہ دشمن کا ایک سپاہی بھی میرے خلاف سوچنے کی ہمت نہیں

کرے گا۔ پھر میں سبکتگین کو زنداں کے اندھیروں میں غرق کر دوں گا اور میرے معتبر خدمت گار ا
آہستہ آہستہ اثر کرنے والا زہر دے کر ہلاک کر ڈالیں گے۔ اس طرح میرا دامن بھی سبکتگین کے خون ک
چھینٹوں سے پاک رہے گا اور یہ فتنہ بھی سیاست کے اُفق پر ہمیشہ کے لئے غروب ہو جائے گا۔" پری تگی
نے ارمغانہ کو اپنے منصوبے کی تفصیلات بتاتے ہوئے کہا۔

"بہت شاندار۔" ارمغانہ نے پُر جوش لہجے میں کہا اور شراب کا نیا جام لبریز کر کے شوہر کی طر
بڑھایا۔ "بہت بے داغ منصوبہ ہے۔ مجھے اس میں کہیں کوئی خامی نظر نہیں آتی۔ امیر! اس میں کوئی شک
نہیں کہ آپ بے پناہ ذہن کے مالک ہیں اور ایسے ہی ذہین انسانوں کو حکومت کرنے کا حق حاصل ہو
ہے۔" ارمغانہ نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ شوہر کی تعریف کی۔ پری تگین فطری طور پر ایک خوشامد پ
انسان تھا۔ اس لئے ارمغانہ جیسی حسین عورت کی قربت اور اقتدار کا ہوشربا نشہ، غرض ایک ہی وقت میں
نشے آپس میں مل گئے تھے۔ نتیجتاً پری تگین کیف و نشاط کے سمندر میں ڈوبتا چلا گیا۔

❁❁❁❁❁

ادھر امیرِ غزنی، ارمغانہ کے حریمِ ناز میں بے ہوش پڑا تھا اور ادھر سبکتگین آدھی رات کے وقت نظا
شاہ کے حضور دوزانو بیٹھا آج کے واقعے کی تفصیلات سنا رہا تھا۔

"نہیں سبکتگین!...... ہرگز نہیں۔" نظام شاہ نے مضطرب ہو کر اونچی آواز میں کہا۔ "وہ فریب کا
انسان تمہیں طیش دلا کر اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اگر تم نے مشتعل ہو کر اپنے ہتھیار کھول دیئے تو یا
رکھو کہ اللہ تمہارے اندازوں سے بھی زیادہ بے نیاز ہے۔ وہ کسی اور ادنیٰ سپاہی کے ہاتھوں میں تلوار د
کر اُسے سبکتگین بنا دے گا۔ پھر تم کیا کرو گے؟ سوائے اس کے کہ ساری زندگی کفِ افسوس ملتے رہو۔ او
ایک شکست خوردہ انسان کی حیثیت سے کسی گوشۂ گمنامی میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاؤ۔"

"پھر میں کیا کروں شیخ؟" سبکتگین بہت تھکا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"اپنی شمشیر کی حفاظت کرو، جسے ایک بزدل تمہارے ہاتھوں سے چھین لینا چاہتا ہے۔" نظام شاہ ن
خلافِ عادت انتہائی تند و تیز لہجے میں کہا۔ "یہ تلوار ایک امانت ہے۔ دنیا بھر کے مظلوم انسانوں کے حقوق ک
امانت...... اگر تم نے تلوار اپنے ہاتھوں سے پری تگین کے قدموں میں رکھی تو تم خیانت جیسے گناہِ عظیم ک
مرتکب ہو گے۔ ہاں! اگر کسی حادثے میں تمہارے ہاتھ ہی کٹ جائیں تو پھر تم مجبور ہو۔ اس حالت میں ت
سے کوئی محاسبہ نہیں ہو گا۔ میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ ابھی تمہارے ہاتھ محفوظ ہیں۔ پھر مجھ سے ایک
مایوسی کی باتیں کیوں کرتے ہو؟ ابھی تو نفرتوں اور تلخیوں کی بہت تیز ہوائیں چلیں گی، سازشوں کے بڑ
طوفان آئیں گے۔ تو کیا تم بار بار اپنی تلوار توڑو گے؟"

سبکتگین نے ندامت کے ساتھ سر جھکا لیا۔ "شیخ! میں ناسازگار ماحول سے خوف زدہ نہیں ہوں۔
مجھے پری تمن کے تحقیر آمیز سلوک سے شدید تکلیف پہنچی ہے۔"

"کس کس کی شکایت کرو گے؟ اور کس کس کی باتوں پر اپنا دل توڑو گے؟" نظام شاہ کے لہجے کی
تندی ختم ہو گئی تھی اور اب وہ آہستہ آہستہ بول رہے تھے۔ "ساری دنیا ہی "پری تگینوں" سے بھری ہوئی
ہے تو کیا تم یہ دنیا چھوڑ دو گے؟...... نہیں! تم ایسا نہیں کرو گے سبکتگین! تمہیں ان ہی زہر آلود فضاؤں میں
سانس لے کر اپنی زندگی کا ثبوت فراہم کرنا ہو گا۔ جب تمہاری سانسیں رک جائیں اور موت تمہار

ارادوں پر غلبہ حاصل کر لے تو پھر تمہاری کوئی ذمے داری باقی نہیں رہتی۔ اس وقت یہ دشمن خود ہی
تمہارے ہاتھوں سے تلوار چھین لیں گے۔ مگر دیکھنے والا تو دیکھ رہا ہو گا کہ تلوار تم نے پھینکی ہے یا بے کسی
کے عالم میں تمہارے ہاتھوں سے چھینی گئی ہے۔ ان دونوں حالتوں میں بڑا فرق ہے۔ پہلی حالت میں
زندہ رہنا کہ اہلِ ایمان اسی طرح جیتے ہیں۔ دوسری حالت تو بے ضمیر اور مُردہ انسانوں کا طریقہ ہے، جو
تمہیں اس ذلت کی موت اور زندگی سے محفوظ رکھے۔"

سبکتگین نئے حوصلے کے ساتھ اُٹھا اور زنداں سے نکل کر محل کی طرف چلا آیا۔

❁❁❁❁❁

دوسرے دن پری تگین نے غزنی کے سپہ سالار کو اپنی خلوت میں طلب کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین
ہے کہ اب تک کسی نتیجے پر پہنچ چکے ہو گے۔"

"ہاں امیرِ محترم! میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔" سبکتگین نے نہایت شائستہ اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں
کہا۔ اس کے چہرے پر غصے اور کدورت کا ہلکا سا بھی غبار نہیں تھا۔

"میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم خوش دلی کے ساتھ رخصت ہو جاؤ۔" پری تگین نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"تمہارے استعفے کے بعد تمہیں ایک بڑی جاگیر حاصل ہو جائے گی، جہاں تم ایک خاموش مگر پُرسکون
زندگی گزار سکو گے۔"

پری تگین کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز تبسم تھا اور آنکھوں میں بار بار ایک حشیانہ چمک کروٹیں لے رہی
تھی۔

"میں استعفیٰ نہیں دوں گا، امیرِ محترم!" سبکتگین نے بے نیازانہ لہجے میں کہا۔ "یہ تلوار مجھے امیر
الپتگین نے عطا کی تھی اور مرتے وقت حکم دیا تھا کہ میں آخری سانس تک اسے اپنے جسم سے جدا نہیں
کروں۔"

سبکتگین کا جواب سن کر پری تگین سناٹے میں آ گیا اور غضب ناک ہو کر بولا۔ "امیر الپتگین کی
وصیت کی کوئی حیثیت نہیں۔ میں تمہارا مطلق العنان فرمانروا ہوں۔ انتہائی مضبوط اور طاقتور فرمانروا۔ یاد
رکھو کہ میں حرفِ انکار سننے کا عادی نہیں ہوں۔ اپنی تلوار کمر سے کھولو اور اسے ادب کے ساتھ میرے
قدموں میں رکھ دو۔"

"یہ ممکن نہیں ہے امیرِ محترم!" سبکتگین نے بلند آواز میں کہا۔ "آپ مجھ سے محض اس لئے خفا ہیں کہ
میں دوسرے سرداروں کی طرح خوشامد نہیں کرتا۔ یہ میرا جرم نہیں بلکہ وہ منفرد اعزاز ہے، جو مجھے اللہ کی
بارگاہِ جلال سے عطا ہوا ہے۔"

ابھی خلوت گاہ میں سبکتگین کے الفاظ کی گونج باقی تھی کہ پری تگین غصے سے بے قابو ہو کر چیخ اُٹھا۔
"تو ازلی غلام ہے سبکتگین! نسل در نسل محکوموں اور غلاموں کی اولاد۔ اس لئے یہ تلوار تیرے جسم پر زیب
نہیں دیتی۔ یہ تو مردانِ آزاد کا ہتھیار ہے۔ اسے فوراً کھول دے۔"

"امیر! میں اس بحث میں نہیں پڑتا کہ میرا نسب نامہ کیا ہے۔" سبکتگین نے اسی باوقار انداز میں
کہا۔ "میں غلام زادہ سہی، مگر اپنے فرائض آپ کے پسندیدہ مردانِ آزاد سے زیادہ بہتر انداز میں انجام
دیتا ہوں۔ مجھے اپنی غلامی پر ندامت ہے نہ احساسِ کمتری۔ میں صرف اپنی ذاتی صلاحیتوں کی بنیاد پر اس

اعلیٰ منصب تک پہنچا ہوں۔ اب یہ تلوار اسی وقت میرے جسم سے جدا ہوگی، جب سانسوں کا کھیل ختم ہو جائے گا اور میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے۔" یہ کہہ کر سبکتگین، امیر کی اجازت کے بغیر واپس جانے کے لئے مڑا۔

"ٹھہرو سبکتگین!" اپنے سپہ سالار کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر پری تگین نے نئی چال چلی۔ "ہم تمہاری ان گستاخیوں کو فراموش کر سکتے ہیں، اگر تم ہمارے سامنے گھٹنوں کے بل جھک جاؤ اور اُس جادوگر نظام شاہ کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر دو۔" پری تگین نے سبکتگین کو اس کے عہدے کے بحال رکھنے کے لئے بڑی عجیب شرائط پیش کی تھیں۔

امیر کی بات سن کر سبکتگین بہت تیزی سے پلٹا۔ "غزنی کے فرمانروا کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس غلام زادہ کو یہ دونوں شرائط منظور نہیں۔ پھر بھی ہو سکتا ہے کہ میں کسی دن امیر کے روبرو گھٹنوں کے بل جھک جاؤں۔ مگر اپنی زندگی میں نظام شاہ کے جسم پر ہلکی سی خراش بھی آنے نہیں دوں گا۔ وہ میرے لئے شیخ کا درجہ رکھتے ہیں اور اپنے شیخ پر قربان ہو جانا میری نظر میں ایک حقیر سی قربانی ہے۔"

سبکتگین کی جرأتِ اظہار دیکھ کر پری تگین کے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں مگر وہ دنیا کا عیار ترین انسان تھا۔ اس نے ریاکاری کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"سبکتگین! ہم تمہیں آزما رہے تھے۔ بے شک! تم ایک مردِ شجاع ہو اور ایفائے عہد کا مفہوم خوب سمجھتے ہو۔"

سبکتگین نے حیرت زدہ نظروں سے پری تگین کی طرف دیکھا اور پھر رسمی انداز میں امیر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے خلوت گاہ سے نکل گیا۔

❁❁❁❁❁

سبکتگین کی اس باغیانہ روش نے پری تگین کو شدید اذیت میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ بہت دیر تک اپنی خلوت گاہ میں ٹہلتا رہا اور پھر اس نے اپنی بیوی ارمغانہ اور اسد شیرازی کو تنہائی میں طلب کر کے پورا واقعہ حرف بہ حرف سنا دیا۔ پھر اپنے خسر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اب میں ایک لمحے کے لئے بھی اس زمین پر اس گستاخ و نافرمان کا وجود برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر میں اسے اپنے حکم سے معزول کرتا ہوں تو فوج میں میرے خلاف بغاوت پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔"

اسد شیرازی نے بہت غور سے اپنے داماد کی طرف دیکھا اور انتہائی سرد لہجے میں بولا۔

"فرزند! جب بساط پر اپنے ہی مہرے سرکشی اختیار کرنے لگیں تو انہیں ایسے مقام پر کٹوایا جاتا ہے جہاں خوش فہمی اور بے خبری کا بہت زیادہ غبار ہو۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" پری تگین نے پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے کہا۔

"مطلب تو بہت واضح ہے فرزند!" اسد شیرازی حسبِ عادت انتہائی عیاری کے ساتھ مسکرایا۔ "اس غلام زادے کو کچھ دن اس خوش فہمی میں مبتلا رہنے دیا جائے کہ وہ غزنی کا سب سے طاقتور انسان ہے۔ اس دوران آپ اس پر اپنی عنایات و نوازشات کی بارش بھی کرتے رہیں۔ پھر جب سبکتگین کی خود فریبی کا نشہ گہرا ہو جائے تو اسے اسی کے محافظوں سے قتل کرا دیا جائے۔"

اسد شیرازی کی تجویز سن کر پری تگین مطمئن نظر آنے لگا۔

پھر اس نے اپنے نئے منصوبے کے مطابق سبکتگین کی فوجی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے نئی جاگیر بخش دی۔ سبکتگین، امیر کی چالبازیوں سے بخوبی واقف تھا۔ اس لئے اس نے جاگیر پانے کے بعد مصلحت کے طور پر پری تگین کا شکریہ ادا کیا اور اس کے ساتھ ہی پہلے سے بھی زیادہ محتاط ہو گیا۔ وہ روزانہ اپنے بیٹے محمود کو بھی ہوشیار رہنے کی تلقین کرتا رہتا تھا۔

❁❁❁❁❁

سبکتگین کی خواب گاہ کے دروازے پر رات کے وقت بارہ مسلح سپاہی پہرہ دیتے تھے۔ یہ سب کے سب اپنے سپہ سالار کے معتمد بھی تھے اور جاں نثار بھی۔ مگر پری تگین کی فتنہ انگیزیوں نے اُن سے اُن کی وفاداریاں خرید لی تھیں۔ جب یہ محافظ، سیم و زر کے انبار دیکھ کر بھی اپنا ضمیر فروخت کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے تو پری تگین نے ان کے بیوی بچوں کو یرغمال بنا لیا اور سبکتگین کے محافظوں کو قہرناک لہجے میں دھمکیاں دیتے ہوئے کہا۔

"اگر تم نے رات کے اندھیرے میں سبکتگین کو قتل نہیں کیا تو پھر تم بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ موت کی تاریکیوں میں گم ہو جاؤ گے۔"

پھر یہ مجبور لوگ اس شخص کے قتل پر آمادہ ہو گئے، جو محتاجوں کا غم گسار اور مظلوموں کا حامی تھا۔

وہ رات بہت زیادہ تاریک تھی، جب سبکتگین کے محافظ سپاہی، اپنے سردار کو قتل کرنے کے لئے آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔ سبکتگین کی خواب گاہ دوسرے امیروں کی خواب گاہ سے مختلف تھی۔ وہ اپنے کمرے میں تنہا سویا کرتا تھا۔ خواب گاہ کے بڑے دروازے سے ملحق ایک چھوٹا سا کمرہ تھا، جہاں ایک بوڑھا شخص، سید علی ترمذی، سبکتگین کا پرانا ملازم، رات کے وقت عبادت میں مصروف رہتا تھا اگر کبھی ناگہانی طور پر امیر کو سبکتگین کی ضرورت محسوس ہوتی تو کوئی پہریدار دروازے پر دستک دیتا۔ پھر سید علی ترمذی، خواب گاہ کا دروازہ کھولتا اور اس کے بعد سبکتگین کو آہستہ سے جگا کر امیر کا پیغام منتقل کر دیتا۔ برسوں سے سید علی کا یہی معمول تھا۔ سبکتگین اس بوڑھے پرہیزگار کو اپنے خاندان کا اہم ترین فرد سمجھتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ سید علی، خواب گاہ کے ایک خفیہ راستے سے بھی واقف تھا۔ یہ راستہ، سبکتگین کے بستر کے قریب تھا، جہاں ہر وقت ایک ریشمی پردہ پڑا رہتا تھا۔ اس پردے کے پیچھے ایک اور دروازہ تھا، جس سے گزر کر دوسرے کمروں تک پہنچا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ اسی دروازے میں داخل ہونے کے بعد، بائیں جانب ایک اور دروازہ تھا، جو ایک طویل سرنگ کی نشاندہی کرتا تھا۔

جب سے سبکتگین نے محمود کو اپنے اور پری تگین کے اختلافات کے بارے میں بتایا تھا، اسی دن سے محمود اس خفیہ دروازے سے گزر کر باپ کے بستر کے قریب پہنچ جاتا تھا۔ اور رات بھر پردے کے پیچھے شمشیرِ بے نیام لئے ہوئے کھڑا رہتا تھا۔ سبکتگین کو خبر بھی نہیں تھی کہ اُس کا فرض شناس اور حساس بیٹا، باپ کی حفاظت کے لئے کئی ماہ سے انتہائی رازداری کے ساتھ پہرہ دے رہا ہے۔

اُس رات بھی جیسے ہی سبکتگین عشاء کی نماز کے بعد اپنے بستر پر دراز ہوا، محمود اپنے کمرے سے نکل کر خفیہ دروازے تک پہنچا اور پردے کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا۔

نصف شب کے قریب محافظ پہرے داروں میں سے ایک نے دروازے پر دستک دی۔ سید علی ترمذی اپنے مصلے سے اُٹھا اور اُس نے دروازہ کھول دیا۔ کئی سپاہی بیک وقت دروازے میں داخل

ہوئے۔ سید علی ترمذی نے گھبرا کر پوچھا۔ ''کیا ہے؟''

دوسرے ہی لمحے ایک سپاہی کے بھرپور وار نے سید علی کا سر اُس کے تن سے جدا کر دیا۔ بوڑھے کی ہلکی سی چیخ اُبھری، جسے سن کر محمود پردے کے پیچھے سے نکل آیا۔ اس دوران تمام محافظ سپاہی، خواب گاہ میں داخل ہو چکے تھے۔

''اُٹھیے بابا جان!'' محمود پوری طاقت سے چیخا۔ ''آپ کے خلاف بغاوت ہو گئی ہے۔'' یہ کہہ کر محمود تیزی سے حملہ آور کی طرف بڑھا۔ ایک ہی وقت میں بارہ شمشیریں، کمسن محمود پر بجلیوں کی طرح لپکیں مگر وہ خود بھی ایک برق تھا، جو کبھی ایک طرف چمکتا تھا اور کبھی دوسری طرف۔ محمود نے دیکھتے ہی دیکھتے کئی محافظوں کو زندگی کی قید سے آزاد کر دیا۔ مگر تنہا تھا، اس لئے اس کے جسم پر بھی کئی گہرے زخم آئے تھے۔

محمود کی چیخ سنتے ہی سبکتگین بیدار ہو گیا تھا، مگر نیند کے خمار کے سبب اسے صورتِ حال کو سمجھنے میں کچھ دیر لگی تھی۔ اور اسی وقفے سے فائدہ اٹھا کر محافظ سپاہی، محمود کو ہلاک کرنا چاہتے تھے۔ لیکن وہ نوخیز سپاہی ایک دیوار کے مانند ان کے سامنے کھڑا تھا اور کئی حملہ آوروں کو تہہ تیغ کر چکا تھا۔

اس سے پہلے کہ محمود مزید زخم کھا کر فرش پر گر جاتا، سبکتگین بھی اپنے دشمنوں کو روکنے کے قابل ہو چکا تھا۔ پھر جب یہ مختصر سا میدانِ کارزار دو حصوں میں تقسیم ہوا تو محمود بھی سنبھل چکا تھا۔ اس کے بعد کچھ دیر تک خواب گاہ میں چنگاریاں سی اُڑیں، فولاد کے ٹکڑوں کے آپس میں ٹکرانے سے عجیب سی آوازیں پیدا ہوئیں، زخمی سپاہیوں کی دلدوز چیخیں گونجیں اور پھر سازش و فریب کا یہ گھناؤنا کھیل ختم ہو گیا۔ دس محافظ اسی وقت ہلاک ہو گئے تھے اور وہ پہرے دار، زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے بے ہوش ہو گئے تھے۔

خود محمود بھی بری طرح زخمی ہوا تھا۔ وہ کچھ دیر تک اپنے قدموں پر کھڑا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ جھکا، خواب گاہ کی دیوار سے پشت ٹیکی اور بے ہوش ہو گیا۔

٭٭٭٭٭

پورے محل میں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ چاروں طرف فوج ہی فوج نظر آ رہی تھی۔ تمام سپاہی اپنے سپہ سالار، سبکتگین کی خیریت جاننے کے لئے بے قرار تھے۔ زخمی بیٹے کو حرم سرا میں پہنچانے کے بعد سبکتگین، محل کے دروازے پر آیا اور اپنے سپاہیوں سے مخاطب ہو کر بولا۔

''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اور میرے بیٹے محمود کو بچا لیا۔ محمود بہت زخمی ہے، مگر طبیب کہتے ہیں کہ اس کی زندگی کو کوئی خطرہ نہیں۔''

''ہم صاحب زادے کے ایک ایک زخم کا انتقام لیں گے۔'' محل کے نیچے کھڑے ہوئے بہت سے سپاہیوں نے چیخ کر کہا۔ ''سردار! ہمیں اُن کے نام بتائیے کہ وہ غدار کون ہیں؟'' غزنی کے جاں نثار فوجی حد سے زیادہ جذباتی ہو گئے تھے۔ ''جب تک ان نمک حراموں کو سیاہ چہروں کے ساتھ گلی گلی نہ پھرایا جائے گا، اس وقت تک ہمارے دلوں کو سکون حاصل نہیں ہو گا۔''

''وہ باغیوں کا ایک مختصر سا دستہ تھا، جن میں سے بیشتر ہلاک ہو چکے ہیں۔'' سبکتگین نے اپنے مشتعل فوجیوں کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''دو باغی شدید زخمی حالت میں بے ہوش پڑے ہیں۔ بس اُن کے ہوش میں آنے کا انتظار ہے۔ پھر میں تمہیں بتا سکوں گا کہ وہ بغاوت تھی یا غداری کا کوئی منصوبہ۔'' سبکتگین جانتا تھا کہ یہ سب کچھ کس کے اشارے پر ہوا ہے، مگر اس نے حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے فی الوقت

مجرم کے چہرے پر پردہ ڈال دیا۔

''وہ بغاوت نہیں تھی سردار!'' فوجیوں کی تیز آواز سے محل کی بیرونی فضا گونج رہی تھی۔ ''اگر بغاوت ہوتی تو قلعے کی فصیل کے نیچے آپ کو اتنی وفادار آوازیں سنائی نہیں دیتیں۔ یہ لہراتی ہوئی شمشیریں، یہ جوشِ جذبات سے سرخ چہرے اور یہ اطاعت و فرمانبرداری کے احساس سے اُٹھے ہوئے سر، سب کے سب آپ کے اشارے کے منتظر ہیں۔ ہمیں حکم دیجئے کہ ہم غداروں کے سرغنہ کو آپ کے قدموں میں لا کر ڈال دیں۔ پھر اسے ایسی دردناک سزا دیں کہ آئندہ کوئی بدنصیب غداری جیسے گناہ کا تصور تک نہ کر سکے۔''

اپنے سپاہیوں کی جاں نثاری کا یہ مظاہرہ دیکھ کر سبکتگین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور پھر وہ انتہائی رقت آمیز لہجے میں بولا۔ ''میں جانتا ہوں کہ تمہاری وفاداریاں، سورج کی طرح روشن اور بارش کے پانی کی طرح تمام گرد و غبار سے پاک ہیں۔ میں تم پر فخر کرتا ہوں۔ دنیا میں بہت کم سالاروں کو ایسی جاں نثار فوج میسر آئی ہو گی۔''

یہ سن کر تمام فوجیوں نے سبکتگین زندہ باد کے نعرے لگائے اور اپنے اپنے خیموں کی طرف لوٹ گئے۔ مگر نائب سپہ سالار اعتماد الدین اپنے منتخب سپاہیوں کے ساتھ ٹھہر گیا۔

''میں آپ کو اس حالت میں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔'' اعتماد الدین نے فوجی انداز میں خم ہوتے ہوئے کہا۔ سبکتگین نے اسے بہت سمجھایا، مگر اعتماد الدین نہیں مانا۔ آخر سپاہیوں کا یہ مخصوص دستہ، سبکتگین کی خواب گاہ اور محل کے اہم مقامات پر متعین کر دیا گیا۔

٭٭٭٭٭

پری تگین، ارمغانہ اور اسد شیرازی اس ناکام بغاوت سے بہت پریشان تھے۔ ان سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ غزنی کی فوج کس طرح اپنے سپہ سالار کی حمایت کا دم بھرتی ہے۔

''ہمارے آدمی، کامیابی کے قریب پہنچ چکے تھے، مگر محمود کی بروقت مداخلت نے ساری بساط اُلٹ کر رکھ دی۔'' پری تگین، وحشیوں کی طرح اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا اور شدتِ اضطراب میں بار بار سر کے بال نوچ رہا تھا۔ ''اگر وہ زخمی سپاہی، ہوش میں آ گئے......'' پری تگین نے اپنا جملہ نامکمل چھوڑ کر سوالیہ نظروں سے اسد شیرازی کی طرف دیکھا۔

''اس سے پہلے کہ وہ ہوش میں آ کر اپنی زبانیں کھولیں، اُن کی شہ رگیں کاٹ دیجئے۔'' اسد شیرازی نے بڑی بے باکی سے اس مسئلے کا حل پیش کرتے ہوئے کہا۔ ''لوگ یہی سمجھیں گے کہ زخمیوں کے جسم سے خون زیادہ مقدار میں بہہ گیا، اس لئے وہ جانبر نہ ہو سکے۔''

پری تگین نے اپنے خسر کی طرف بہت غور سے دیکھا اور پھر مسکرانے لگا۔ ''آپ کا ذہن ہر وقت جاگتا ہی رہتا ہے۔ خدا اس ذہن کو اس وقت تک بیدار رکھے، جب تک میں اپنے دشمنوں پر مکمل غلبہ حاصل نہ کر لوں۔''

''ایسا ہی ہو گا فرزند!'' اسد شیرازی اپنی نشست سے اُٹھا اور پری تگین کے قریب پہنچ کر بولا۔ ''تم تو ہوا کے تیز جھونکوں ہی سے گھبرا جاتے ہو۔ جب کہ سیاست کے کاروبار میں ظلم کی آندھیوں اور خونی سیلابوں کے سوا کچھ اور ہوتا ہی نہیں۔''

"میں کسی طوفان سے نہیں گھبراتا۔" پری تگین نے جھنجلا کر کہا۔ "مگر آج تو آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ غزنی کی افواج پر سبکتگین کے کتنے گہرے اثرات ہیں؟"

"اس سے کچھ نہیں ہوتا فرزند!" اسد شیرازی کی عیار آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ "تمہارے ہاتھوں سبکتگین کی موت مقدر ہو چکی ہے۔ ستاروں نے مجھ سے یہی کہا ہے۔"

"آپ کے ستارے کیا کہتے ہیں محترم؟ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ وقت آ کر ٹل کیوں جاتا ہے؟ اگر سبکتگین نہیں تو محمود ہی مر گیا ہوتا۔"

چند لمحوں کے لئے اسد شیرازی گھبرا سا گیا، مگر فوراً ہی اس نے نئی چال چلی۔

"میرے عزیز ترین فرزند! ستاروں کا علم اتنا پیچیدہ ہے کہ تم اسے آسانی سے نہیں سمجھ سکو گے۔ بس اتنا جان لو کہ یہ پورا سال، سبکتگین اور اس کے بیٹے محمود کے لئے منحوس ترین سال ہے۔ گویا صبح شام کا قصہ ہے۔ تم کسی وقت بھی ان دونوں کی ہلاکت کی خبر سن سکتے ہو۔ اگر ایک منصوبہ ناکام ہو گیا تو اپنے دل و دماغ کو پریشان کیوں کرتے ہو؟ جب تک تمہارا یہ نسبتی باپ زندہ ہے، تمہیں کوئی غم نہیں کرنا چاہئے۔ اسد شیرازی کے دماغ کی زمین میں منصوبوں کا قحط نہیں پڑا۔ فرزند! اس دماغ میں تو بارہ مہینے منصوبوں کی فصل پھوٹتی رہتی ہے۔" اسد شیرازی نے اپنے سر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تم مطمئن رہو! اب کی بار سبکتگین نہیں بچے گا۔"

"یقیناً....... یقیناً......" پری تگین نے پُرجوش لہجے میں کہا اور پھر کچھ دیر بعد ہی دونوں زخمی محافظوں کی شہ رگیں کاٹ دی گئیں۔

اب غداری کا مقدمہ پیش ہونے کے لئے عدالت تو موجود تھی، مگر اس سنگین جرم کے دونوں آخری گواہ، دنیا سے بہت دُور جا چکے تھے۔

سبکتگین نے یہ خبر سنی تو اس کے ہونٹ سختی سے بھنچ گئے اور چہرے پر کئی رنگ آ کر گزر گئے۔

✻✻✻✻✻

تقریباً غزنی کے تمام امراء، محمود کی عیادت کو آ چکے تھے۔ خود امیر پری تگین بھی سبکتگین کے شبہات کو دُور کرنے کے لئے محمود کی مزاج پرسی کو بہ نفسِ نفیس آیا تھا اور محمود کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بڑے والہانہ انداز میں بولا تھا۔

"مجھے تم پر ناز ہے فرزند! کہ تم نے اپنے آباء و اجداد کی شاندار روایات کو زندہ رکھا۔" امیر پری تگین کے لہجے کی منافقت اپنے عروج کو پہنچ گئی تھی۔ سبکتگین دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا رہا، مگر پری تگین اسی بے شرمی کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

"محمود! تم میرا سرمایہ ہو۔ خدائے عزیز و جلیل کا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے میرے سرمائے کو برباد ہونے سے بچا لیا۔ کاش! میں تیرے دشمنوں کو عبرت ناک سزا دے سکتا۔ مگر افسوس! ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں رہا۔"

"امیرِ محترم!" محمود معصومیت کے ساتھ مسکرایا۔ "آپ یہاں تشریف لائے اور انصاف کی بات کی....... بس میرے لئے یہی کافی ہے۔ آپ کی حوصلہ افزائی نے مجھے نئی توانائی بخشی ہے....... ان شاء اللہ! میں اپنے بزرگوں کو شرمندہ نہیں ہونے دوں گا۔"

محمود کا جواب سن کر پری تگین کے دل میں آگ سی لگ گئی۔ مگر وہ اپنے چہرے پر ریاکارانہ مسکراہٹ سجائے ہوئے کچھ دیر تک بیٹھا رہا....... پھر یکایک اُٹھا اور اشرفیوں سے بھری ہوئی ایک تھیلی محمود کو دے کر اپنے محل کی طرف چلا گیا۔

پری تگین کے جاتے ہی سبکتگین، محمود سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ "بیٹے! یہ دنیا بڑی عجیب دنیا ہے۔ یہاں ہر شخص کی زبان پر کچھ اور ہوتا ہے مگر دل میں کچھ اور۔ اس زمین پر خال خال ہی ایسے لوگ نظر آتے ہیں، جن کے قول و فعل میں یکسانیت ہوتی ہے۔ اس لئے تمہیں میری ہدایت ہے کہ کسی انسان سے بدگمان بھی نہ ہونا مگر کسی انسان پر اندھا اعتبار بھی نہ کرنا۔"

ابھی محمود اپنے باپ کی ہدایت پر غور ہی کر رہا تھا کہ ایک کنیز نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔ "وزیرِ مملکت، اسد شیرازی کی چھوٹی بیٹی، نگار خانم، صاحبزادے کی عیادت کے لئے تشریف لائی ہیں۔"

نگار خانم کا نام سن کر سبکتگین چونکا۔ پھر اس نے فوراً ہی محمود کے چہرے کی طرف دیکھا، جہاں چند لمحوں کے لئے ایک عجیب سا رنگ نمایاں ہو گیا تھا۔ سبکتگین اپنی جگہ سے اُٹھا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ اس دوران نگار خانم، کمرے میں داخل ہو چکی تھی۔ سبکتگین نے اس کے چہرے کو بھی غور سے دیکھا اور حیرت زدہ رہ گیا۔ نگار خانم کا چہرہ بھی کوئی اور ہی افسانے سنا رہا تھا۔ سبکتگین کے ذہن میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ اور اسے اپنی نوجوانی کا وہ زمانہ یاد آ گیا، جب اسد شیرازی کی بڑی بیٹی، ارمغانہ اُس کے پیچھے دیوانہ وار پھرا کرتی تھی۔ سبکتگین ایک لمحے کے لئے رُکا اور پھر تیزی سے باہر نکل گیا۔

نگار خانم جھکی ہوئی نظروں کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی محمود کے بستر کے قریب پہنچی۔ محمود نے غور سے نگار خانم کی طرف دیکھا....... اُس کے جسم میں ہلکی سی لرزش تھی اور چہرے پر جگہ جگہ پسینے کے قطرے نمایاں تھے۔

"آپ کیسے ہیں؟" نگار خانم کی مترنم آواز اس طرح اُبھری جیسے کسی مطربہ کی مخروطی انگلیوں نے بہت آہستہ سے رباب کے تاروں کو چھیڑ دیا ہو۔

"اللہ کا شکر ہے۔" محمود نے کسی جذباتی تاثر کے بغیر کہا۔ "دشمن اپنے منصوبے میں ناکام ہو گئے۔"

"اللہ آئندہ بھی آپ کے دشمنوں کو اسی طرح مغلوب کرے۔" نگار خانم نے ایک لمحے کے لئے نظریں اٹھا کر محمود کی طرف دیکھا....... پھر فوراً ہی بارِ حیا سے اس کی پلکیں جھک گئیں۔ "میری دعا ہے کہ آپ سب پر غالب رہیں۔" نگار خانم کی نگاہیں، کمرے کے فرش پر جمی ہوئی تھیں۔ "آپ کے تمام زخم میرے بدن پر اور آپ کی ساری بلائیں میرے سر۔" یہ کہہ کر نگار خانم تیزی سے مڑی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

محمود سوچتا ہی رہ گیا کہ اب تک اُس کے کسی عزیز یا ساتھی نے اس انداز میں اپنے جذبات کا اظہار نہیں کیا تھا۔ محمود کو پہلی بار احساس ہوا کہ ابھی کچھ دیر پہلے غزنی کی حسین ترین دوشیزہ اُس کی عیادت کے لئے آئی تھی۔

✻✻✻✻✻

کچھ دن بعد محمود نے غسلِ صحت کیا۔ اس موقع پر سبکتگین نے غریبوں اور محتاجوں میں صدقات تقسیم کئے اور اس کے ساتھ ہی ایک خاص جشن کا اہتمام بھی کیا۔ اس جشن میں سلطنتِ غزنی کے تمام امیروں

اور سرداروں کو مدعو کیا گیا تھا۔ امیر پری تگین اور اسد شیرازی نے بڑے منافقانہ انداز میں سبکتگین کو اس کے بیٹے کی صحت یابی پر مبارکبادیں پیش کی تھیں۔ ریاکاری کے اس مظاہرے کو دیکھ کر سبکتگین کے دل و دماغ میں طوفان سے اُٹھ رہے تھے، مگر مصلحتاً اُس نے دونوں کا شکریہ ادا کیا اور پوری تقریب کے دوران اپنے ہونٹوں پر مصنوعی مسکراہٹ سجائے رہا۔

اس روز نگار خانم بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ جب محمود کو نظر اُتارنے کے لئے حرم سرا میں بلایا گیا تو سب سے پہلے نگار خانم نے آگے بڑھ کر اپنے والہانہ انداز میں محمود کو اس جشنِ صحت پر مبارکباد پیش کی۔ جواب میں محمود نے بھی ایک خاص انداز سے نگار خانم کا شکریہ ادا کیا۔ اس وقت غزنی کی ملکہ کی حیثیت سے ارمغانہ شیرازی بھی تقریب میں موجود تھی۔ اس نے اپنی چھوٹی بہن کی اس حرکت کو بہت حیرت اور غور سے دیکھا، پھر ارمغانہ کے ذہن میں گرد و غبار کے بگولے سے اُٹھنے لگے۔

اسی رات ارمغانہ اپنے باپ، اسد شیرازی سے ملی اور پورا واقعہ بیان کرتے ہوئے بولی۔ ''بابا جان! میں نگار کی اس حرکت کو برداشت نہیں کروں گی۔''

اسد شیرازی بہت دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ اس کے چہرے پر مختلف رنگ اُبھر اُبھر کر ڈوب رہے تھے۔ پھر وہ آہستہ آہستہ کہنے لگا۔ ''آخر کیوں؟''

''اس لئے کہ میں غزنی کی ملکہ ہوں......اور نگار خانم میری چھوٹی بہن ہے۔ اس حوالے سے مجھے یہ بات قطعاً پسند نہیں کہ میرے خون میں ایک غلام زادے کی محبت موجزن ہو۔'' ارمغانہ کے ہونٹوں سے نفرت کی چنگاریاں برس رہی تھیں۔

اسد شیرازی بڑی خباثت کے ساتھ مسکرایا۔ ''میری جذباتی بیٹی! مملکتِ غزنی کی مغرور ملکہ! تم یہ بات بھول گئیں کہ محمود اسی غلام کا بیٹا ہے، جس کی محبت میں تم خود بھی گرفتار ہو چکی ہو۔''

''میری محبت تو آپ کے منصوبے کا ایک حصہ تھی۔'' ارمغانہ نے انتہائی تند و تیز لہجے میں کہا۔

''تو پھر نگار خانم کی محبت بھی میرے نئے منصوبے کا حصہ بن جائے گی۔'' اسد شیرازی کی آنکھوں میں فتنہ و شرارت کا نیا عکس اُبھرنے لگا تھا۔ ''میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے بروقت مجھے اس حادثے کی خبر دے دی۔ اب میری تمام مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔ وہ کام، جو میرے شاطر جاسوس نہ کر سکے، اب اسی کام کو نگار خانم نہایت خوش اسلوبی سے انجام دے گی۔'' یہ کہہ کر اسد شیرازی نے ارمغانہ کے سامنے اپنے نئے منصوبے کی تفصیلات ظاہر کر دیں۔ وہ منصوبہ، جس نے کچھ دیر پہلے اس کے تخریب کار ذہن میں جنم لیا تھا۔

''بابا جان!'' ارمغانہ کے ہونٹوں سے ایک پُرمسرت آواز اُبھری۔ ''بے شک! آپ بہت دُور کی سوچتے ہیں۔ اہرمن ہمیشہ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔''

❀❀❀❀❀

سبکتگین کو شکار کا بہت شوق تھا۔ محمود کے صحت یاب ہوتے ہی ایک دن وہ شکار کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ سبکتگین کا نائب، اعتماد الدین اکثر اس کے ساتھ شکار کھیلتا تھا۔ اس بار بھی اس نے اعتماد الدین اور چند سپاہیوں کو ساتھ لے کر جنگل کا رخ کیا۔ جب سبکتگین جنگل کے ایک تاریک حصے میں داخل ہوا تو یکایک تمام سپاہیوں نے اسے نرغے میں لے لیا اور نائب سپہ سالار اعتماد الدین نے چیخ کر کہا۔

''سردار! آپ کی سالاری کے دن ختم ہو چکے......بہتر یہی ہے کہ آپ خاموشی کے ساتھ اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیں۔ ورنہ کچھ دیر بعد آپ کی لاش جنگلی درندوں کی خوراک بن جائے گی۔''

سبکتگین نے بڑے کرب کے عالم میں اپنے نائب کی طرف دیکھا۔ ''آخر تُو نے ایسا کیوں کیا اعتماد الدین! میں تو تجھ پر اپنے بیٹے کی طرح اعتماد کرتا تھا......پھر میری پشت میں خنجر اُتارنے کی یہ سازش کیوں؟......کیا میری عنایات و نوازشات کا یہی صلہ ہے؟''

''سردار! آپ بہت خود غرض انسان ہیں۔'' اعتماد الدین نے انتہائی سنگدلانہ لہجے میں کہا۔ ''آپ کی کم نظری نے کبھی میری آنکھوں کی طرف نہیں دیکھا، جہاں بہت دنوں سے کچھ خواب کروٹیں لے رہے ہیں۔ میں بھی ایک باصلاحیت سپاہی ہوں اور میرا بھی حق ہے کہ میں غزنی کی افواج کا سالار بن کر اپنے فنِ حرب و ضرب کا بھرپور مظاہرہ کروں اور تمام دنیا کو بتاؤں کہ فتوحات کیسے حاصل کی جاتی ہیں۔ اگر آپ رضاکارانہ طور پر میرے لئے جگہ خالی کر دیتے تو یہ برا وقت کبھی نہ آتا۔ چونکہ آپ ایک حریص انسان ہیں اور ہر حال میں اقتدار سے چمٹے رہنا چاہتے ہیں، اس لئے میں نے مجبوراً بغاوت کا یہ راستہ اختیار کیا۔ اب بہتر یہی ہے کہ آپ رضا و رغبت سے زنجیریں پہن لیں اور اپنی زندگی کے باقی دن کسی تاریک زنداں میں گزار دیں......اگر آپ کو کسی وجہ سے یہ مجہول زندگی پسند نہیں تو پھر سمجھ لیں کہ آپ کی سانسوں کا شمار ختم ہو چکا ہے۔''

سبکتگین نے اپنے غدار نائب کی طرف تحقیر آمیز نظروں سے دیکھا۔ ''نہیں اعتماد الدین! میں زنجیریں تو نہیں پہنوں گا۔'' یہ کہہ کر سبکتگین نے اپنے گھوڑے کو ایڑ دی اور باغی سپاہیوں کے حصار کو توڑتا ہوا نکل گیا۔ اس کشمکش میں سبکتگین کے جسم پر کئی گہرے زخم آئے۔ مگر وہ غداروں کے نرغے سے باہر نکل گیا۔

''اس کا تعاقب کرو۔'' اعتماد الدین نے چیخ کر اپنے سپاہیوں کو حکم دیا۔

اس دوران سبکتگین اپنی تلوار کھینچ چکا تھا۔ وہ کچھ دُور جا کر پلٹا اور بلند آواز میں بولا۔ ''اعتماد الدین! میں نے فرار ہونا نہیں سیکھا ہے......آج تُو میرے پیروں میں آہنی بیڑیاں ڈالے گا یا پھر میں تجھے سر سے پاؤں تک خونیں کفن پہناؤں گا......اب دیکھنا ہے کہ خدا کس کو اس کے ارادوں میں کامیاب کرتا ہے۔''

اعتماد الدین کے تمیں سپاہی بیک وقت سبکتگین پر ٹوٹ پڑے تھے اور سالارِ غزنی کی شمشیر، برق کی مانند چمک رہی تھی۔ ابھی سازش کے اس خوں رنگ کھیل کو جاری ہوئے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ نائب سپہ سالار، اعتماد الدین کو اپنے عقب میں دوڑتے ہوئے گھوڑوں کی آوازیں سنائی دیں......اعتماد الدین اور اس کے ساتھی فوجیوں نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔

''یہ کون لوگ ہیں؟'' اعتماد الدین نے خوف زدہ لہجے میں اپنے سپاہیوں سے پوچھا۔

''ہمیں کچھ نہیں پتہ سردار!'' سپاہیوں پر حیرت سی طاری تھی۔

''میں آ رہا ہوں بابا!'' یکایک ایک تیز آواز اُبھری۔ سبکتگین نے پہچان لیا کہ یہ اس کے بیٹے محمود کی آواز تھی۔

''بے خطر چلے آؤ فرزند!'' جواب میں سبکتگین نے چیخ کر کہا۔ ''غداروں کے دل بہت چھوٹے ہوتے ہیں.....وہ تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔''

ابھی جنگل میں سبکتگین کی آواز کی گونج باقی تھی کہ محمود اپنے پچاس سپاہیوں کے ساتھ نمودار ہوا اور پھر

ہر طرف موت کا رقص شروع ہو گیا۔

پھر جب یہ رقصِ فنا ختم ہوا تو اعتماد الدین کے تمام سپاہی ہلاک ہو چکے تھے......اور غزنی کا نائب سپہ سالار انتہائی شکستہ حالت میں زمین پر پڑا تھا۔

سبکتگین، اعتماد الدین کو دیکھ کر مسکرایا۔ اور پھر اس نے بڑی حقارت سے اپنے نائب کے منہ پر تھوک دیا۔

"اعتماد الدین! آج میں نے سوروں سے بھی زیادہ ناپاک جانوروں کا شکار کیا ہے۔ تم سب جانور ہی تو ہو کہ اپنے محسنوں سے غداری کرتے ہو...... بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہو کہ بہت سے جانور اپنے آقاؤں کے احسان کا قرض اتارنے کے لئے اپنی جانیں تک دے دیتے ہیں۔"

اعتماد الدین، زخموں سے چُور تھا اور فریادی لہجے میں اپنے گناہ کی معافی مانگ رہا تھا۔ "سردار! میں مجبور تھا۔ اگر ایسا نہ کرتا تو امیر پری تگین کا زہر آلود خنجر میری شہ رگ کاٹ دیتا۔"

سبکتگین نے حیرت سے اپنے نائب کی طرف دیکھا اور پھر آگے بڑھ کر محمود کو گلے سے لگا لیا۔

"فرزند! تم یہاں کیسے پہنچے؟" سبکتگین کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور بار بار محمود کی پیشانی کو بوسے دے رہا تھا۔

"حرم سرا کی بغاوت کے بعد میرا ذہن مختلف اندیشوں سے بھر گیا ہے۔" محمود، باپ کے سینے پر سر رکھے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "اب میں اپنے سائے سے بھی ہوشیار رہتا ہوں...... یہی وجہ تھی کہ جب آپ شکار کے لئے روانہ ہوئے تو مجھے وسوسوں نے گھیر لیا۔ اور پھر میں بھی اپنے سپاہیوں کے ہمراہ محل سے نکل کھڑا ہوا۔ اس کے بعد میں نے ایک مخصوص فاصلے کے ساتھ آپ کا تعاقب جاری رکھا۔ پھر میری آنکھوں نے وہ منظر دیکھ لیا کہ لوگ کس طرح اپنے محسنوں کے اعتماد کا خون کرتے ہیں۔ مجھے آپ تک پہنچنے میں دیر ہو گئی بابا!" محمود نے سر اُٹھایا اور باپ کے زخموں کو چھوتے ہوئے کہا۔ "یہ سب کچھ میری کوتاہی کے سبب ہوا...... بابا! میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔" محمود کی آنکھوں میں آنسو لرز رہے تھے۔

"نہیں فرزند!" سبکتگین نے دونوں ہاتھوں کے درمیان محمود کا چہرہ لیتے ہوئے کہا۔ "تم نے دو بار مجھ پر قربان ہونے کی کوشش کی...... اب فرض شناسی کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہو گی؟ کاش! کبھی یوں ہو کہ تمہارا باپ تم پر قربان ہو جائے۔"

"بابا......!" محمود نے شکایت کے لہجے میں کہا۔ اُس کی آواز سے شدید اذیت کا اظہار ہو رہا تھا۔ "آپ ایسی دعا نہ کیجئے کہ جس کے قبول ہونے کے بعد آپ کا یہ بیٹا ہمیشہ اپنی زندگی سے شرمندہ رہے۔"

"مرحبا محمود! تم نے فرزندی کا حق ادا کر دیا۔" سبکتگین نے اپنے بیٹے کی پیشانی پر ایک اور بوسہ دیا۔

پھر زخمی اعتماد الدین کو لے کر محل کی طرف روانہ ہو گیا۔

❀❀❀❀❀

اسی رات غزنی کے تمام امراء ایک خفیہ نشست میں شریک ہوئے۔ سبکتگین نے ان امراء کو دونوں بغاوتوں کا تفصیلی حال سناتے ہوئے کہا۔

"میں سازشوں کی اس زہریلی فضا میں زیادہ دیر تک اپنے فرائض انجام نہیں دے سکتا۔ اگر آپ حضرات مجھے پسند نہیں کرتے تو میں اپنے بیوی بچوں کو لے کر غزنی کی سرحدوں سے بہت دُور چلا جاتا

ہوں۔"

سبکتگین کی طرح دوسرے امراء بھی امیر پری تگین کی فتنہ انگیزیوں سے پریشان تھے۔ وہ کسی بھی امیر کو عزت و احترام کی نظروں سے نہیں دیکھتا تھا۔ نتیجتاً غزنی کا ہر بااثر انسان اس سے نالاں تھا۔

پھر طویل مشوروں کے بعد نصف شب کے قریب امیر پری تگین کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا گیا۔ اس وقت وہ شراب کے نشے میں بدمست تھا اور گہری نیند سویا ہوا تھا۔

جب پری تگین کو زنجیریں پہنا کر زنداں کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو وہ لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"بے ادبو!...... تم اپنے امیر کو اس طرح کہاں لئے جا رہے ہو؟"

❀❀❀❀❀

اُسی رات اسد شیرازی، ارمغانہ اور پری تگین کے تمام رشتہ داروں کو ان کے مکانوں میں نظر بند کر دیا گیا۔

اسد شیرازی، عالمِ وحشت میں بار بار اپنے سر کے بال نوچ رہا تھا اور چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

"ستاروں نے اتنا بڑا جھوٹ کیسے بولا؟ میری بساطِ سیاست یک بیک کیوں اُلٹ گئی؟ کیا میں بھی اپنی باقی زندگی قیدیوں کی طرح بسر کروں گا؟ یہ کیسی رُسوائی ہے؟"

باپ کی مجنونانہ کیفیت دیکھ کر اسد شیرازی کی سب سے چھوٹی بیٹی، نگار خانم خاموش نہ رہ سکی۔ "بابا جان! میں تو پہلے عرض کر چکی تھی کہ دولت و اقتدار کی ہوس کا اختتام بربادی کی اسی منزل پر ہوتا ہے۔ کاش! آپ نے اپنے موجودہ مذہب پر قناعت کی ہوتی اور اللہ کے شکر گزار بندوں میں شامل ہو گئے ہوتے۔"

"چپ ہو جا گستاخ!" اسد شیرازی کسی زخمی درندے کی طرح دھاڑا۔ "تُو نے اپنے بزرگوں کا مذہب چھوڑ کر کفر کا راستہ اختیار کر لیا ہے۔" اسد شیرازی نے نگار خانم کی نافرمانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تجھے اس غلام زادے کی محبت نے اندھا بنا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تُو اپنے باپ کی بات نہ مان کر گناہِ عظیم کی مرتکب ہوئی ہے۔ اہرمن تجھے کبھی معاف نہیں کرے گا۔"

"بابا! میں کسی اہرمن کو نہیں جانتی۔" نگار خانم نے نہایت شائستہ لہجے میں کہا۔ "میں اپنے اللہ پر ایمان رکھتی ہوں۔ اگر میری یہ روش آپ کی نظر میں کفر ہے تو پھر کفر ہی سہی۔ ایک بیٹی کی حیثیت سے میرا دل ہمیشہ آپ کی اس حالت پر کُڑھتا رہے گا۔ میں نے آپ کی ہدایت کے لئے اپنے اللہ سے بہت دعائیں کی ہیں، مگر اب تک کوئی دعا قبول نہیں ہوئی۔ شاید اس لئے کہ آپ خود ہی سیدھے راستے پر چلنا نہیں چاہتے۔ آپ نے مجھے اور میری تمام بہنوں کو ایسی غلط تربیت دی ہے کہ اس کا ذکر کرتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوتی ہے۔ کاش! آپ ایک باپ کی ذمہ داریاں......"

ابھی نگار خانم کی بات مکمل بھی نہ ہونے پائی تھی کہ اسد شیرازی دیوانہ وار آگے بڑھا اور نگار خانم کے منہ پر زوردار طمانچے مارنے لگا۔ "بے حیا! تُو اپنے بزرگوں کے مذہب سے پھر گئی ہے۔ اہرمن تجھے غارت کر دے اور رُسوائی کی ایسی زندگی دے جو آج تک دنیا کی کسی عورت نے نہ دیکھی ہو۔" اسد شیرازی نے اس قدر سفاکی اختیار کر لی تھی کہ وہ مہربان باپ کے بجائے کوئی جلاّد نظر آ رہا تھا۔

نگار خانم کسی مجسمے کے مانند بے حس و حرکت کھڑی باپ کا تشدد برداشت کرتی رہی۔ یہاں تک اس کے سرخ و سفید چہرے پر کئی نیلے نشانات اُبھر آئے۔

دوسری طرف ارمغانہ شیرازی اپنے کمرے میں کسی پاگل عورت کی طرح دیواروں سے سر ٹکرا رہی تھی۔ وہ بار بار دروازے پر آتی اور مسلح سپاہیوں کو انتہائی بے ہودہ انداز میں مخاطب کرتے ہوئے کہتی۔ "سبکتگین کے کتو! کیا تم نہیں جانتے کہ میں غزنی کی ملکہ عالیہ ہوں۔ مجھے باہر جانے کا راستہ دو تاکہ میں تمہارے غاصب آقا سے اپنی توہین کا انتقام لے سکوں۔"

"خاتون! آپ کو غزنی کے فرمانروا کا نام نہایت احترام سے لینا چاہیے۔" ایک مسلح سپاہی نے ارمغانہ کی بے ہودگیوں کا جواب دیتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔ "یہ تو امیر سبکتگین کی اعلیٰ ظرفی ہے کہ انہوں نے کوئی وحشیانہ حکم جاری نہیں کیا، ورنہ اب تک آپ کی یہ گندی زبان کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو چکی ہوتی۔"

ارمغانہ کی حریص فطرت ابھی تک حقائق کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ وہ برباد شدہ اقتدار کے جھوٹے نشے میں چور، مسلسل امیر سبکتگین کو گالیاں دے رہی تھی...... اور مسلح سپاہی، فرمانروائے غزنی کے حکم سے مجبور، خون کے گھونٹ پی رہے تھے۔

جب پری تگین کا خمار ٹوٹا تو اس نے اپنے آپ کو زنداں کے ایک تاریک گوشے میں پایا۔ وہ کسی طرح بھی اس انقلابی عمل کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ پری تگین بھی ارمغانہ شیرازی کی طرح سبکتگین کو انتہائی ناشائستہ اور غیر مہذبانہ الفاظ میں یاد کرتا رہا۔ مگر یہاں صورتِ حال مختلف تھی۔ داروغۂ زنداں نے آگے بڑھ کر پری تگین کو دھکا دیا اور غزنی کا سابق امیر، طاقتور ہاتھوں کی تاب نہ لاتے ہوئے اوندھے منہ قید خانے کے فرش پر گر گیا۔ پھر پری تگین کے چہرے پر داروغۂ زنداں کی کئی ٹھوکریں پڑیں۔ یہاں تک کہ اس کے منہ سے خون بہنے لگا۔ بے چارگی کی اس منزل سے گزرنے کے بعد پری تگین کو اندازہ ہوا کہ اس کے اقتدار کے غضب ناک شعلے بجھ چکے ہیں اور اب سرد راکھ کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہا ہے۔ اس صورتِ حال کا احساس کر کے پری تگین نے سر جھکا دیا اور خاموشی سے اپنی تباہی کا ماتم کرنے لگا۔

✻✻✻✻✻

وہ جمعہ کا دن تھا اور 27 شعبان 366ھ کی تاریخ تھی، جب سبکتگین کے سر پر "چترِ سرخ" سجایا گیا۔ تمام اُمرائے غزنی نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور متفقہ طور پر اپنی وفاداریوں کا یقین دلایا۔ جب امیر کو تاج پہنایا جا رہا تھا اور غزنی کے معزز سردار، احتراماً اپنی نشستوں پر کھڑے تھے، اس وقت اچانک امیر سبکتگین کے کانوں میں سید امیر علی شاہ کے الفاظ گونجنے لگے۔

"اپنے اندر اور باہر کے بتوں کو توڑ دے۔ پھر اللہ تیرے پیروں میں پڑی ہوئی غلامی کی زنجیر کاٹ دے گا۔"

سید کے الفاظ کی گونج سنائی دی تو سبکتگین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر اس نے انتہائی پُر اثر لہجے میں اپنے درباریوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اے شہرِ غزنی کے معزز اور غیور باشندو! اس دنیا میں نہ کوئی معظم و محترم ہے اور نہ کوئی حقیر و ذلیل

سوائے اس کے کہ اللہ جسے چاہے سربلند کرے اور جسے چاہے، پست کر دے۔ میرا پورا ماضی تمہاری نظروں کے سامنے ہے۔ کل میں ایک عام انسان تھا، جسے یہاں کے کچھ بااثر افراد، غلام زادہ کہہ کر پکارتے تھے۔ میں تم سے ان کے اس تحقیر آمیز سلوک کی شکایت نہیں کر رہا ہوں۔ وہ ان کا اپنا طرزِ عمل تھا، جس کے وہ خود ذمہ دار ہیں۔ میں اپنی طرف سے ان لوگوں کو معاف کرتا ہوں، جن کی تہمتوں کے نشتروں کی خلش مجھے آج بھی اپنے دل کے قریب محسوس ہوتی ہے۔ اہلِ دربار! تم گواہ رہنا کہ میں اپنے مخالفین سے کوئی سیاسی انتقام نہیں لے رہا ہوں۔ میرا دل ان کی طرف سے ذرا بھی تنگ نہیں ہے۔ اگر وہ اس مملکتِ اسلامی کی تعمیر و ترقی میں میرا ہاتھ بٹائیں گے تو میں ان سے جھک کر ملوں گا اور انہیں اپنے سر پر بٹھاؤں گا۔" سبکتگین کی پُرجلال اور باوقار آواز اس طرح گونج رہی تھی کہ پورے دربار پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ "اور اگر کسی نے مجھ سے ذاتی دشمنی کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے قانون شکنی کی کوشش کی تو وہ شخص مجھے اپنا بدترین دشمن پائے گا۔ میں غزنی کے تمام لوگوں کو عزت و آبرو اور خوشحالی کی زندگی دینا چاہتا ہوں۔ عدل وانصاف میری بنیادی ترجیحات میں شامل ہیں کہ اس کے بغیر کوئی گوشۂ زمین، شاد و آباد نہیں رہ سکتا۔"

سبکتگین کی تقریر ختم ہوئی تو دربار مبارکبادوں کے شور سے گونجنے لگا۔ اس کے بعد سبکتگین اپنے بیٹے محمود اور چند معتمد سرداروں کے ہمراہ اس قید خانے کی طرف روانہ ہوا، جہاں نظام شاہ گزشتہ دس سال سے اسیری کی زندگی گزار رہے تھے۔ سبکتگین نے اپنے ہاتھوں سے آہنی دروازے کا قفل کھولا اور دبے قدموں اندر داخل ہوا۔ نظام شاہ حسبِ عادت گھٹنوں میں سر دیئے ہوئے بیٹھے تھے۔ سبکتگین پنجوں کے بل چلتا ہوا قریب پہنچا اور بہت آہستہ سے بولا۔

"شیخ! یہ میں آپ کا ادنیٰ ترین نیاز مند، سبکتگین۔" ایک مردِ قلندر کے جلال سے والیٔ غزنی کی آواز میں ہلکا سا ارتعاش پیدا ہو گیا تھا۔

نظام شاہ کے جسم کو کوئی جنبش نہیں ہوئی۔ شاید وہ جذب اور استغراق کے عالم میں تھے۔

سبکتگین نے دوسری مرتبہ اپنی زبان سے یہی الفاظ ادا کئے مگر اس بار بھی نظام شاہ اسی حالت میں بیٹھے رہے۔

تیسری بار سبکتگین نے کسی قدر بلند آواز میں کہا۔ "شیخ! یہ میں ہوں، آپ کا غلام سبکتگین۔"

اس بار نظام شاہ نے آہستہ آہستہ سر اٹھایا اور سبکتگین کی طرف دیکھا، جو شاہانہ لباس میں ہاتھ باندھے سامنے کھڑا تھا۔ نظام شاہ کی آنکھوں میں خاص چمک آ گئی اور ہونٹوں پر وہی دلآویز تبسم اُبھر آیا۔ اس کے ساتھ ہی نظام شاہ، زنداں کے فرش سے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور سبکتگین کے قریب پہنچ کر اس کے بندھے ہوئے ہاتھوں کو کھولتے ہوئے بولے۔

"ایک امیر کو اپنی رعایا کے سامنے امیر ہی کی طرح کھڑا ہونا چاہئے۔ تمہارا یہ انداز درست نہیں سبکتگین! غور سے دیکھو کہ میں بھی تمہاری رعایا ہوں اور رعایا کی موجودگی میں امیر کو اس طرح اپنے ہاتھ نہیں باندھنے چاہئیں۔"

"آپ رعایا نہیں، میرے شیخ محترم ہیں۔" نظام شاہ کا محبت آمیز عمل دیکھ کر سبکتگین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"شیخ بھی اصولوں کا پابند ہوتا ہے۔" نظام شاہ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اگر امیر

منصف و عادل ہے اور شریعت کے احکام پر پوری دیانت داری سے عمل کرتا ہے تو مجھ پر بھی لازم ہے کہ میں امیر کے احترام میں کھڑا ہو جاؤں۔"

"شیخ! میرے حال پہ آپ کی عنایتِ خاص ہے۔" سبکتگین کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں میں تیزی آ گئی تھی۔ "میں بہت گنہگار سہی، مگر آپ کی ذات سے ایک نسبتِ خاص رکھتا ہوں، اس لئے مجھے اپنی دعاؤں کے حلقے سے کبھی دُور نہ فرمائیے گا۔"

ایک حکمراں کی یہ عجیب التجا تھی، جسے سن کر نظام شاہ بے قرار ہو گئے۔ اور پھر سبکتگین کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہنے لگے۔ "اے غزنی کے محترم امیر! میں کیا اور میری حقیقت کیا، جس کے دستِ قدرت نے تیری غلامی کی زنجیریں کاٹی ہیں، وہی تجھے سرفرازی بھی عطا کرے گا اور تیری زندگی کے سفینے کو سلامتی کے ساتھ دریائے حوادث کے پار بھی لگائے گا۔ ہر دم اسی کے کرم پر نظر رکھ کہ اس کے کرم کے سوا دونوں جہان میں کچھ نہیں۔ ہاں! میں ایک بندۂ محتاج تیرے لئے شب و روز دعائیں کرتا رہوں گا۔ مگر تُو خود بھی خالقِ کائنات کے حضور اپنے ہاتھوں اور دامن کو پھیلائے رکھنا۔"

نظام شاہ کی باتیں سن کر سبکتگین کے ساتھ دوسرے امرائے غزنی بھی رونے لگے تھے۔

"شیخ! میری درخواست ہے کہ اب آپ اپنے قیام سے اس تاریک محل کو روشن کر دیں۔" سبکتگین چاہتا تھا کہ نظام شاہ، غزنی کے ایک سنسان علاقے کی مسجد سے نکل کر قصرِ شاہی میں تشریف لے آئیں۔

"ہرگز نہیں...... ہرگز نہیں۔" نظام شاہ بے چین ہو کر بولے۔ "یہ تیری کیسی خواہش ہے سبکتگین! کہ ہمیں ایک زنداں سے نکال کر دوسرے زنداں میں قید کرنا چاہتا ہے۔" یہ کہتے کہتے نظام شاہ کے زرد چہرے پر ناگواری کا رنگ اُبھر آیا تھا۔

سبکتگین سہم کر رہ گیا۔ "نہیں شیخ! میرا یہ مفہوم نہیں تھا۔"

"پھر ایسی بات زبان پر کیوں لاتا ہے؟" نظام شاہ نے یکایک تند و تیز لہجے میں کہا۔ "کیا تجھے نہیں معلوم کہ ہمیں مسجد کے سوا دنیا کے سارے مکانات ایک قید خانہ نظر آتے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں شیخ! میں جانتا ہوں۔" سبکتگین نے گھبرا کر کہا۔ "اگر یہ ممکن نہیں تو ایک بار ایوانِ مملکت میں تشریف لے چلیں تاکہ میرا دربار ہمیشہ اپنی اس سعادت پر نازاں رہے کہ یہاں ایک مردِ خدا کے قدم آئے تھے۔"

نظام شاہ کچھ دیر کے لئے سوچتے رہے، پھر آہستہ سے بولے۔ "چلو! تمہاری خاطر یہ بھی سہی۔"

نظام شاہ کا اقرار سن کر سبکتگین کو یوں محسوس ہوا جیسے اس نے اپنی زندگی کے سب سے بڑے معرکے میں فتح حاصل کر لی ہے اور اس کے سر پر دنیا کی شہنشاہیت کا تاجِ زرّیں سجا دیا گیا ہو۔

پھر جیسے ہی نظام شاہ، زنداں سے نکل کر قصرِ شاہی کی طرف بڑھے، پورا محل نقیبوں کی گرج دار آوازوں سے گونجنے لگا۔ "حضرت نظام شاہ، دربارِ شاہی میں جلوہ افروز ہو رہے ہیں۔"

اس اعلان کے ساتھ ہی محل میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ قصرِ شاہی کے مکیں اپنے اپنے دروازوں سے نکل آئے اور اس راستے پر کھڑے ہو گئے، جدھر سے گزر کر نظام شاہ، دربار میں تشریف لے جانے والے تھے۔ لوگوں کی عقیدت کا یہ حال تھا کہ وہ صف بستہ انداز میں اپنی گردنیں جھکائے ہوئے تھے۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آج تک غزنی کے کسی امیر کے سامنے اس ادب کا مظاہرہ نہیں کیا گیا تھا۔ بعض تو

تنے وارفتہ ہو گئے تھے کہ وہ نظام شاہ کے قدموں کے نیچے آنے والی خاک کو اٹھا کر اپنے چہروں پر مل لینا چاہتے تھے۔ لوگوں کی عقیدت کے یہ مظاہرے دیکھ کر نظام شاہ سخت برہم ہوئے اور امیرِ غزنی سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

"سبکتگین! انہیں روکو کہ عقیدت کے یہ سارے انداز بت پرستی کا آغاز ہیں۔ انہیں نہیں معلوم کہ جس کے قدموں کی خاک کو اپنے سروں پر سجانا چاہتے ہیں، وہ خود خاک کا ایک کمزور پُتلا ہے، جو عنقریب ٹوٹ کر بکھر جائے گا یا پھر اسی خاک میں مل جائے گا۔"

سبکتگین نے بلند آواز میں قصرِ شاہی کے مکینوں کو پکار کر کہا۔ "شیخ کو تمہارا یہ طرزِ عمل پسند نہیں۔ اگر تم لوگ چاہتے ہو کہ شیخ کے دیدار سے شرف یاب ہو جاؤ تو اپنے قدموں پر سیدھے کھڑے ہو رہو۔"

امیرِ غزنی کی تنبیہ سن کر عقیدت مندوں کا ہجوم اپنی جگہ ساکت ہو گیا۔ نظام شاہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے آگے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ سبکتگین ان کے عقب میں اور غزنی کے دوسرے سردار امیر کے پیچھے چل رہے تھے۔ پھر جب دربار میں داخل ہونے کا وقت آیا تو نظام شاہ ٹھہر گئے اور سبکتگین کا بازو پکڑ کر اسے اپنے آگے کر دیا۔

"نہیں شیخ!" سبکتگین نے گھبرا کر پیچھے ہٹنا چاہا۔ "میرا مقام نہیں ہے کہ میں آپ کے آگے آگے چلوں۔"

"سبکتگین! تم غزنی کے امیر ہو۔ اور امیر کا مقام یہی ہے کہ وہ زندگی کے ہر محاذ پر عام باشندوں سے آگے آگے رہے۔"

سبکتگین، نظام شاہ کی خواہش کے آگے مجبور تھا، اس لئے خاموشی کے ساتھ دربار میں داخل ہوا اور تخت پر بیٹھ گیا۔ نظام شاہ کچھ دیر تک اس کے دائیں ہاتھ پر کھڑے رہے اور دربار کے ایک ایک گوشے کا جائزہ لیتے رہے۔ پھر اس مردِ قلندر کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔

"اے اللہ! اے زمین و آسمان کے مالک! تمام اقتدار اور سارا اختیار تیرے ہی لئے ہے۔ ہم تو تیرے حقیر اور بہت کمزور بندے ہیں۔ ہمارے گناہوں سے درگزر فرما۔ اگر تُو نے اپنے سایۂ رحمت سے جدا کر دیا تو آزمائشوں کی تیز دھوپ ہمیں جلا ڈالے گی۔ یہ غزنی میں تیرے چند نام لیوا ہیں، انہیں حرص کی قید سے آزاد کر، ان کے ناتواں قدموں کے لئے نیکیوں کے راستے کشادہ کر دے۔ ان سے وہ کام لے لے جو دنیا اور آخرت میں تیری رضا کا سبب بن جائے اور ان کی ساری کوتاہیوں کو بخش دے کہ یہ سب کے سب تیرے کرم کے محتاج ہیں۔"

نظام شاہ کی تقریر بہت مختصر تھی۔ مگر اس کی اثر انگیزی کا یہ عالم تھا کہ بیشتر درباری زار و قطار رو رہے تھے۔ خود سبکتگین بھی اتنا رویا تھا کہ اس کی داڑھی، آنسوؤں سے تر ہو گئی تھی۔ البتہ کچھ معزز درباریوں کو یہ بات پسند نہیں آئی تھی کہ سبکتگین ایک کمبل پوش فقیر کو تنی اہمیت دے، اس لئے ان کے چہروں پر ناگواری کے تاثرات نمایاں تھے اور وہ انتہائی صبر کے عالم میں اپنی اپنی نشستوں پر کھڑے تھے۔

دعا کے بعد نظام شاہ، غزنی کی مسجد کی طرف جانا چاہتے تھے، جہاں انہوں نے گوشۂ تنہائی میں کئی سال گزارے تھے۔ سبکتگین کی خواہش تھی کہ وہ چند روز ہی قصرِ شاہی میں قیام کر لیں۔ مگر نظام شاہ پر ایک یک لمحہ بھاری تھا۔

"شیخ! میں چاہتا ہوں کہ آپ کے قیام سے اس محل میں برکتیں نازل ہو جائیں۔" سبکتگین نے اِم... کرتے ہوئے کہا۔

"برکتیں خود انسان کے اپنے اعمال سے ظاہر ہوتی ہیں۔" نظام شاہ نے اسی بے نیازانہ لہجے میں کہا۔ "ہم نے تیری خاطر اپنی روایت بھی توڑ دی۔ اب اور کیا چاہتا ہے؟"

سبکتگین گھبرا گیا اور پھر اُس نے سراسیمگی کے عالم میں کہا۔ "شیخ! حرم سرا میں محمود کی والدہ اور دوسری خواتین آپ کی آمد کی منتظر ہیں۔ وہ بھی ایک مردِ خدا کے دیدار سے شرف یاب ہونا چاہتی ہیں۔"

"کیا انہیں نہیں معلوم کہ ہم ان کے لئے ایک نامحرم ہیں؟" نظام شاہ نے انتہائی تلخ اور ناگوار لہجے میں کہا۔

"شیخ! وہ آپ کی دعاؤں کی طلب گار ہیں۔" سبکتگین بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔

"اگر صرف دعا کا مسئلہ ہے تو دعا ہزاروں میل دُور سے بھی کی جا سکتی ہے۔ ان سے کہو کہ جو ہم میری دعا کا طالب ہے، وہ مجھ سے حُسنِ ظن رکھے، میں اسے اپنی دعاؤں میں یاد رکھوں گا۔ مگر خدا کے لئے شریعت کی حدوں سے باہر نہ نکلو کہ اس سے اللہ کی زمین پر بڑے ہنگامے کھڑے ہو جائیں گے۔"

یہ کہہ کر نظام شاہ جانے لگے تو سبکتگین نے آخری درخواست کی۔ "شیخ! میرے دورِ حکومت میں یہ پہلا جمعہ آیا ہے۔ میری شدید خواہش ہے کہ اس نماز کی امامت آپ فرما دیں۔"

"نہیں سبکتگین! میں امامت کے قابل نہیں ہوں۔" اہلِ دربار نے دیکھا کہ نظام شاہ کے پورے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا ہے اور زرد چہرہ، خوف کی شدت سے سفید پڑ گیا ہے۔

نظام شاہ کے مسلسل انکار کے باوجود سبکتگین یہی اصرار کرتا رہا۔ "شیخ! بس ایک بار۔ بس ایک بار۔"

آخر نظام شاہ نے غسل کیا، ایک معمولی کپڑے کا لباس پہنا اور غزنی کی جامع مسجد کی طرف پیدل روانہ ہو گئے۔ سبکتگین اور دوسرے امراء کے علاوہ ہزاروں شہری بھی اسی حالت میں جامع مسجد پہنچے۔ نظام شاہ نے خطبہ پڑھا تو حاضرینِ مسجد کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ خود نظام شاہ کا یہ حال تھا کہ پورا بدن خوف سے کانپ رہا تھا اور چہرہ پسینے میں ڈوبا ہوا تھا۔ آواز کی رقت کا یہ حال تھا کہ بار بار زبان لڑکھڑا جاتی تھی۔

خطبے کے بعد نظام شاہ نے امامت کے دوران قرآن حکیم کی تلاوت کی تو نمازیوں کو یوں محسوس ہوا کہ پوری کائنات پر سناٹا طاری ہو گیا ہے اور انہیں صرف اپنے دل کی دھڑکنیں سنائی دے رہی ہیں۔ پھر یکایک حاضرینِ مسجد کے سینوں میں درد کا طوفان اٹھا اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش ہونے لگی۔ ہر نمازی کو اعتراف تھا کہ آج زندگی میں پہلی بار اسے حضوری کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اور یہ نظام شاہ کی امامت کا اثر تھا۔

نماز کے بعد نظام شاہ نے دعا کے لئے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ "اے اللہ! لوگ بہت نادان ہیں۔ ان کی نادانیوں کو بھی معاف فرما اور میرے گناہوں کو بھی۔ بس اپنا کرم کر دے کہ تیرے کرم کے بغیر ہماری کوئی زندگی نہیں، کوئی پہچان نہیں۔"

دعا ختم ہوئی اور نظام شاہ جامع مسجد غزنی سے نکل کر اس مسجد کی طرف چلے گئے، جو شہر کے ایک سنسان گوشے میں آباد تھی۔ ہزاروں انسان، نظام شاہ کو تنہا جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے مگر کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ ان سے سواری پر بیٹھ جانے کی گزارش کرتا۔ خود سبکتگین بھی مجبور تھا۔ خاموشی سے سب کچھ دیکھتا رہا۔ خلافِ عادت نظام شاہ نے امیرِ غزنی کی کئی باتیں مان لی تھیں اور اس کے لئے یہی اعزاز کافی تھا۔

❁❁❁❁❁

نظام شاہ اپنی مسجد میں داخل ہوئے تو امام سعید الدین پہلے سے وہاں موجود تھا۔ نظام شاہ کو دیکھتے ہی آگے بڑھا اور دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ "مجھے معاف کر دو کہ میرے نفس نے مجھے بڑی گمراہی میں مبتلا کر دیا تھا۔"

نظام شاہ نے ایک نظر مسجد کی طرف دیکھا اور آہستہ سے بولے۔ "میں نے تمہیں معاف کیا۔ میرا دل تمہاری طرف سے صاف ہے۔ مگر تم اپنا دل بھی بہت جلد صاف کر لو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سفرِ اجل آ پہنچے اور پھر صفائی کا موقع نہ مل سکے۔" یہ کہہ کر نظام شاہ آگے بڑھ گئے اور مسجد کے اسی گوشے میں چلے گئے، جہاں دس سال پہلے ان کا قیام تھا۔

پھر اسی رات غزنی کی ایک عورت اپنے آٹھ سالہ بچے کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئی اور نظام شاہ کے روبرو پہنچ کر اپنا حالِ زار بیان کرنے لگی۔

"چار سال پہلے میرا شوہر ایک جنگ میں مارا گیا۔ میں ایک غریب عورت ہوں۔ محنت مزدوری کر کے اپنے بچے کو پڑھانا چاہتی ہوں۔ مگر یہ دن رات کھیل کود میں مشغول رہتا ہے۔ لوگوں نے مجھ سے کہا ہے کہ اگر آپ اس کے حق میں دعائے خیر کر دیں تو میری دلی مراد پوری ہو جائے گی۔"

نظام شاہ نظریں جھکائے بیٹھے تھے۔ بیوہ عورت کی بات سن کر بہت آہستہ سے بولے۔ "محترم خاتون! میں آج ہی دس سالہ قید سے رہائی پا کر یہاں پہنچا ہوں۔ اگر کسی قابل ہوتا تو اپنے لئے دعا کرتا اور زنجیریں توڑ کر زنداں سے باہر نکل آتا۔"

نظام شاہ نے کئی بہانے تراشے مگر عورت نہیں مانی۔ باخبر لوگوں نے اسے بتا دیا تھا کہ نظام شاہ بہت انکار کریں گے مگر وہ مسلسل اپنی درخواست پیش کرتی رہے۔ عورت نے ایسا ہی کیا۔ آخر نظام شاہ مجبور ہو کر بچے سے مخاطب ہوئے۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

"احمد سالار۔" بچے نے بے جھجک ہو کر جواب دیا۔ اس کی آواز بھی بلند تھی اور لہجے میں بھی اعتماد تھا۔

نظام شاہ مسکرائے۔ "مجاہد کی اولاد ہوتے ہوئے زندگی کی جنگ سے گھبراتا ہے۔" پھر بیوہ عورت سے مخاطب ہو کر بولے۔ "بہن! تم گھر جاؤ۔ اِن شاء اللہ! تمہارا بیٹا، تلوار بھی اٹھائے گا اور قلم بھی۔ اسے نمازِ فجر کے بعد میرے پاس بھیج دیا کرو۔" یہ کہہ کر نظام شاہ نے احمد سالار کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دونوں ماں بیٹے کو مسجد سے رخصت کر دیا۔

بیوہ عورت بہت خوش تھی۔ اس نے مسجد سے نکلتے ہی اپنے شوخ و شریر اور گستاخ بیٹے میں ایک حیرت انگیز تبدیلی دیکھی تھی۔ ہر وقت باتیں کرنے والا سالار اچانک خاموش ہو گیا تھا اور انتہائی سنجیدہ نظر آنے لگا تھا۔

❁❁❁❁❁

معزول شدہ امیر پری تگین کا کوئی حامی نہیں تھا۔ اس لئے سبکتگین کو غزنی کا نظم و نسق سنبھالنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ عام لوگوں کا خیال تھا کہ پری تگین کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کے بعد اس کے

وفادار فوجی کسی نہ کسی عنوان مزاحمت ضرور کریں گے، مگر یہ ساری قیاس آرائیاں غلط ثابت ہوئیں۔ پو
فوج میں پری تگین کا ایک نام لیوا بھی موجود نہیں تھا۔ خود اس کے قریب ترین رشتے دار بھی معافی
داخل کر کے سبکتگین کے حلقۂ وفاداری میں شامل ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔

سبکتگین نے طویل غور و فکر اور اپنے دوسرے وفادار امراء سے مشورہ کرنے کے بعد پری تگین
عزیزوں کو معاف کر دیا تھا اور معزول امیر کے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کیا گیا تھا کہ اسے لمبے عر
تک سخت ترین قید میں رکھا جائے۔ اس دوران اگر وہ خاموشی سے سر جھکا کر اپنی قسمت کا فیصلہ تسلیم کر
ہے تو اسے ایک سیاسی اسیر کی حیثیت سے زندگی کے بقیہ سانس لینے کا موقع فراہم کیا جائے۔ اور اگر
پس دیوارِ زنداں رہ کر بھی موجودہ حکومت کے خلاف سازشیں کرتا ہے تو اسے سیاسی مجرم قرار دے کر
الاعلان قتل کر دیا جائے یا پھر کسی خوفناک زہر کا سہارا لے کر اس کی زندگی کا چراغ بجھا دیا جائے۔
سبکتگین اور دوسرے امراء کا متفقہ فیصلہ تھا۔ مگر پری تگین کی زندگی کے دن پورے ہو چکے تھے۔ وہ کئی
نشاط کے روشن حصار سے نکل کر تاریک زنداں میں داخل ہوا تو اس کے شکستہ اعصاب جواب دے گئے
پری تگین کی خود غرضی اور حریص فطرت، نئے انقلاب کی زندہ حقیقتوں کو تسلیم نہ کر سکی۔ اپنی چند ر
اسیری کے دوران وہ رات رات بھر چیختا تھا اور سبکتگین کے علاوہ غزنی کے دیگر امراء کو بھی گالیاں دیتا
تھا۔ داروغۂ زنداں، پری تگین کی گستاخانہ اور وحشیانہ حرکتوں کی تفصیل اپنے امیر کے سامنے بیان کرتا
سن کر سبکتگین مسکرانے لگتا۔

"یہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا حادثہ ہے، اسی لئے پری تگین اپنا ذہنی توازن کھو چکا ہے۔ اور
ایک پاگل شخص کا محاسبہ نہیں کر سکتا۔ یہ میری اور قانون کی مجبوری ہے۔ اللہ ہم سب مسلمانوں کو
عذاب سے محفوظ رکھے۔" یہ کہتے کہتے سبکتگین کے چہرے کا رنگ بدل جاتا۔ "انسان کیسا ظالم اور جا
ہے کہ اپنے چند روزہ اقتدار کو ہمیشہ قائم رہنے والی چیز سمجھ کر بندگانِ خدا پر ظلم و ستم ڈھاتا رہتا ہے اور
حقیقت کو فراموش کر دیتا ہے کہ یہاں اس کا احتساب کرنے والی کوئی غیر فانی طاقت بھی موجود ہے۔"

پھر ایک دن اس خبر نے غزنی کے تمام باشندوں کو کچھ دیر کے لئے دہشت زدہ کر دیا۔ اس روز
علی الصباح داروغۂ زنداں، پری تگین کی خبر گیری کے لئے گیا تو اس پر یہ بھیانک راز فاش ہوا کہ
کے کسی حصے میں غزنی کا سابق امیر اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہے۔ پری تگین کی موت بڑی تکلیف
اور عبرت ناک موت تھی۔ داروغۂ زنداں، آہنی قفل کھول کر اندر داخل ہوا۔ اس نے دیکھا کہ پری تگین
کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں، جسم اکڑا ہوا تھا اور منہ سے خون بہہ کر زنداں کے فرش پر جم گیا تھا۔ فوری
پر سبکتگین کو اطلاع دی گئی۔ سبکتگین نے دوسرے امراء کی موجودگی میں شاہی طبیب کو طلب کر کے کہا۔

"میں اس امر کی مکمل تحقیق چاہتا ہوں کہ امیر پری تگین کی موت کس طرح واقع ہوئی؟ بظاہر تو
لگتا ہے کہ امیر کو زہر دیا گیا۔ مگر یہ زہر کس نے دیا اور کس کے حکم پر دیا؟" سبکتگین بہت زیادہ برہم نظ
رہا تھا۔

شاہی طبیب نے تھوڑی دیر بعد ہی پری تگین کی پراسرار موت کا مسئلہ حل کر دیا۔ اس نے سابق ا
کے قریب پڑی ہوئی ایک انگوٹھی اٹھائی اور اسے سبکتگین کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "یہ ہے غزنی
سابق فرمانروا کی موت کا اصل سبب۔"

سبکتگین نے بڑی حیرت سے انگوٹھی کی طرف دیکھا، جس کا نگینہ غائب تھا۔

"میرا خیال ہے کہ اس انگوٹھی میں کوئی قیمتی ہیرا جڑا ہوا تھا، جسے امیر نے اپنے شکم میں اتار لیا اور پھر زندگی کی قید سے آزاد ہو گئے۔" شاہی طبیب نے پری تگین کی موت کا سبب بیان کرتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر کے لئے سبکتگین اور دوسرے امراء کے چہرے متغیر ہو گئے اور ان پر خوف کا ہلکا ہلکا عکس نظر آنے لگا۔ پری تگین ایک انتہائی بزدل انسان ثابت ہوا تھا۔ وہ اپنے زوال کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے گھبرا کر خودکشی کر لی۔ مذہبی نقطۂ نظر سے پری تگین کی موت ایک حرام موت تھی۔ اسی احساس نے سبکتگین اور دوسرے امراء کو چند ساعتوں کے لئے پریشان کر دیا تھا۔ عروج و زوال کی یہ بڑی لرزہ خیز داستان تھی، جسے پڑھتے ہوئے کہیں کہیں انسانی دلوں کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو جاتی تھیں۔

سبکتگین نے رواداری کی اعلیٰ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے پری تگین کو شاہی اعزاز کے ساتھ اس قبرستان میں دفن کر دیا، جہاں غزنی کے دوسرے امراء ابدی نیند سو رہے تھے۔

✽✽✽✽✽

ارمغانہ نے بڑے کرب کے ساتھ پری تگین کی موت کی خبر سنی اور بہت دیر تک گریہ و زاری کرتی رہی۔ قصرِ شاہی کے مکین سمجھ رہے تھے کہ ارمغانہ ایک وفا پرست عورت ہے، اس لئے شوہر کے انتقال کی خبر سن کر بین کر رہی ہے۔ مگر کسی کو اس کے دل کا حال نہیں معلوم تھا۔ ارمغانہ کو پری تگین کی زندگی ہی میں اس سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ پھر مرنے کے بعد کس طرح گریبان چاک کرتی؟ وہ تو اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کا ماتم کر رہی تھی۔ اسے پری تگین کی زندگی سے صرف اتنی دلچسپی تھی کہ شاید کبھی موسم سازگار ہو جائے اور پری تگین، زنداں کے اندھیروں سے نکل کر سبکتگین کا تختہ اُلٹ دے۔ پھر وہ اقتدار جو اس سے رُوٹھ گیا ہے، دوبارہ روشن دانوں سے گزر کر اس کے ویران کمرے میں اُتر آئے۔ وہ بار بار آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتی تھی اور دیوانوں کی طرح چیخنے لگتی تھی۔

"میرا تاج زرنگار کہاں ہے؟ غزنی کی ملکہ عالیہ کا روشن اور جگمگاتا ہوا تاج۔ اسے کس سیاہ بخت کی نظر کھا گئی؟ سبکتگین! میں تجھے معاف نہیں کروں گی۔ تُو نے میرے ریشم جیسے خوابوں کو ذلت و بربادی کے زہریلے کانٹوں پر کھینچا ہے۔ اے قاتل و سفاک بھیڑیئے! اہرمن تجھ پر کسی بڑے درندے کو نازل کرے۔ پھر میں اپنی آنکھوں سے تیرے بیوی بچوں کی لاوارث لاشوں کو غزنی کے کتوں کی خوراک بنتے دیکھوں۔"

ارمغانہ پر بہت دیر تک دیوانگی کی یہ کیفیت طاری رہی۔ پھر وہ اپنے آبائی مذہب کے مطابق اہرمن کو آوازیں دینے لگی۔

"اہرمن! تُو کہاں ہے؟ اپنے بندوں کی فریاد کو کیوں نہیں پہنچتا؟ تیرے قہر کو کیا ہوا؟ لازوال آگ کے منکر کب تک زمین کے سینے کو روندتے پھریں گے؟ تُو انہیں جلا کر خاک کیوں نہیں کر دیتا؟" ارمغانہ رات رات بھر دل کے زور سے چیختی رہتی۔ یہاں تک کہ بے ہوش ہو جاتی۔ اور سبکتگین کی طرف سے متعین کردہ کنیزیں اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرتیں۔

پھر جب ارمغانہ کی مدت کے دن پورے ہو گئے تو ایک رات سبکتگین نے اسد شیرازی اور ارمغانہ کو خلوت میں طلب کرتے ہوئے کہا۔

''تم دونوں نے ماضی میں میرے ساتھ کیا سلوک کیا، میں ان شرم ناک واقعات کو دہرانا پسند نہیں کرتا۔'' سبکتگین کا لہجہ بہت تلخ تھا۔ ''تمہاری کنیز نے یہ راز بھی فاش کر دیا ہے کہ تم نے کئی بار محمود کو زہر دلوانے کی کوشش کی۔ مجھ پر دو مرتبہ قاتلانہ حملے کروائے، سلطنت کے انتہائی وفادار خدمت گاروں کے ضمیر خریدے۔ امیر پری تگین کو میرے خلاف ورغلایا۔'' یہ کہتے کہتے سبکتگین کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ ''اسد شیرازی! تمہارے جرائم کی فہرست بہت طویل ہے۔ میں ان گناہوں کو شمار کرتے کرتے تھک جاؤں گا، مگر تمہارے اعمال نامے کی سیاہی کم نہیں ہوگی۔''

اپنی منافقانہ شخصیت پر پڑے ہوئے نقاب کو چاک ہوتے دیکھ کر اسد شیرازی خوف سے کانپنے لگا۔

''امیرِ معظم! اس میں کوئی شک نہیں کہ میں نے آپ کو بہت آزار پہنچائے ہیں۔'' اسد شیرازی کو اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی، اس لئے وہ بہت تیزی سے جھکا اور اس نے سبکتگین کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ ''آپ شہنشاہوں کے شہنشاہ یزدجرد کی اولاد ہیں۔ اعلیٰ نسبی میں دنیا کا کوئی شخص آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔'' اسد شیرازی نے بہت سختی سے سبکتگین کے دونوں پاؤں پکڑ لئے تھے اور بھکاریوں کے لہجے میں چیخ رہا تھا۔ ''رحم و کرم اور بخشش و عطا آپ کے خاندانِ عالی مرتبت کی خاص پہچان ہے۔ امیر ذیشان! اگر میں آپ کے در سے ناکام لوٹ گیا تو اعلیٰ ظرفی کی یہ تاریخ نامکمل رہ جائے گی۔'' اسد شیرازی کی منافقت و عیاری نے اپنا لباس پہن لیا تھا۔

سبکتگین پوری طاقت سے پیچھے ہٹا۔ یہاں تک کہ اسد شیرازی کے ہاتھوں سے اس کے پاؤں چھوٹ گئے۔ ''سیدھا کھڑا ہو اور مجھ سے آنکھ ملا کر بات کر۔'' خلافِ عادت سبکتگین کے لہجے میں بہت زیادہ جارحیت آ گئی تھی۔

اسد شیرازی گھٹنوں کے بل اٹھا اور ہاتھ جوڑے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ ''مجھے بخش دیجئے امیر عالی مقام! کہ بخشش ہی آپ کا شیوہ ہے اور معاف کر دینا ہی آپ کی عادت ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنا سارا سرمایہ آپ کی حکومت کے استحکام میں خرچ کر دوں گا اور اپنی باقی زندگی اس طرح بسر کروں گا کہ آپ کو میری وفا شعاری کا یقین آ جائے گا۔''

''تُو اپنے سرمائے سے اپنے پیٹ کا دوزخ بھر لے۔'' سبکتگین نے انتہائی نفرت آمیز لہجے میں کہا۔ ''میں تیری منافقتوں کو خوب پہچانتا ہوں، اسد شیرازی! میں تجھے خوب پہچانتا ہوں...... میرا جی چاہتا ہے کہ میں تیرے تمام اعضاء کو الگ الگ کاٹ کر جسم سے جدا کر دوں۔ مگر تُو نے میرے آباء و اجداد کا واسطہ دیا ہے، اس لئے میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ کسی تاخیر کے بغیر مملکتِ اسلامیہ کی حدود سے نکل کر اپنے غلیظ وجود کو کسی ویران گوشے میں گم کر دے..... اور کچھ دیر پہلے تُو جس ناپاک سرمائے کا ذکر کر رہا تھا، اسے بھی اپنے ہمراہ لے جا۔''

اسد شیرازی کے زرد چہرے پر زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی تھی۔ اس نے گداگرانہ انداز میں امیر سبکتگین کا شکریہ ادا کیا اور خلوت گاہ سے واپس جانے کے لئے مڑا۔

''اور اپنی تمام بیٹیوں کو بھی اپنے ساتھ لے جا۔'' سبکتگین نے دوسرا حکم جاری کرتے ہوئے کہا۔ ''زہریلے درخت کی یہ شاخیں جب تک غزنی کے در و دیوار پر سایہ فگن رہیں گی، یہاں کا موسم روز بہ روز مسموم ہوتا جائے گا۔''

اسد شیرازی جاتے جاتے مڑا اور ایک بار پھر ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔ ''میں ایسا ہی کروں گا، امیرِ محترم!''

''اور ارمغانہ شیرازی!'' اچانک سبکتگین، غزنی کی سابق ملکہ سے مخاطب ہوا۔ ''میں تمہیں صرف ایک خاتون ہونے کے سبب معاف کئے دیتا ہوں۔ ورنہ تمہارے جرائم کا بھی کوئی شمار نہیں ہے۔''

ارمغانہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ موت کے خوف سے اس کا پورا جسم، تیز ہوا میں کسی کمزور شاخ کے مانند کانپ رہا تھا۔ پھر جب موت کا خطرہ ٹل گیا تو اس نے چین کی سانس لی اور عجیب سی نظروں سے امیرِ غزنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں آپ کا یہ احسان ہمیشہ یاد رکھوں گی۔'' ارمغانہ کا لہجہ بہت اُلجھا ہوا تھا۔ سننے والا یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ وہ سبکتگین کا شکریہ ادا کر رہی ہے یا در پردہ اسے انتقام کی دھمکیاں دے رہی ہے۔

پھر جب سبکتگین کے اس حکم کی گونج محل سے باہر سنائی دی تو پورے غزنی میں ہلچل سی مچ گئی۔ اسد شیرازی کی اٹھارہ بیٹیاں تھیں جو غزنی کے زمینداروں اور فوجی سرداروں سے بیاہی ہوئی تھیں۔ سبکتگین کا حکم سنتے ہی تمام بیٹیاں اپنے شوہروں کے ساتھ سبکتگین کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور فریادی لہجے میں کہنے لگیں۔

''ہمیں کس جرم کی سزا میں دربدر کیا جا رہا ہے امیرِ معظم!'' سبکتگین کے دربار میں بیک وقت کئی آوازوں کا شور سنائی دیا۔

''تمہارا جرم یہ ہے کہ تم اس دور کے سب سے بڑے منافق کی بیٹیاں ہو۔'' سبکتگین نے پریشان حال عورتوں کی فریاد کے جواب میں کہا۔

''ہم نے یا ہمارے شوہروں نے کبھی حکومتِ غزنی کے خلاف کوئی سازش نہیں کی۔'' اسد شیرازی کی بیٹیاں سبکتگین کے انصاف کو آواز دے رہی تھیں۔ ''امیر! ہمارے اعمال نامے کے ایک ایک پہلو کا جائزہ لیں۔ پھر اگر کوئی سیاہ داغ نظر آئے تو ہمیں بدترین سزا دے ڈالیں۔ مگر اس بنیاد پر ہمیں مجرم قرار نہ دیں کہ ایک ناپسندیدہ شخص سے ہمارا خونی رشتہ ہے۔

سبکتگین اس دلیل پر لاجواب ہو کر رہ گیا۔

''آج ہم امیر اور دوسرے معززینِ مملکت کے سامنے اعلان کرتے ہیں کہ اسد شیرازی سے ہمارا کوئی رشتہ نہیں۔ وہ اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہیں۔'' ایک ایک کر کے اسد شیرازی کی تمام بیٹیاں اور داماد، اس قریب ترین رشتے سے منحرف ہو گئے تھے۔ ''ہم اپنے باپ کے گناہوں کی فصل نہیں کاٹیں گے امیرِ معظم! ہمارے ساتھ انصاف کیجئے۔''

اور پھر سبکتگین نے اسد شیرازی کی تمام بیٹیوں اور دامادوں سے یہ حلف لے کر انہیں معاف کر دیا کہ وہ ساری زندگی اسلامی نظریات اور مملکت سے وفادار رہیں گے۔

اب اسد شیرازی کی سب سے چھوٹی لڑکی نگار خانم کا مسئلہ تھا۔ سبکتگین کی دلی خواہش تھی کہ وہ کسی طرح اپنی بہن اور باپ کے ساتھ غزنی سے بہت دُور چلی جائے۔ سبکتگین نے نگار خانم کی آنکھوں میں اس طوفان کا عکس دیکھ لیا تھا، جو کسی وقت بھی محمود کی زندگی کو زیر و زبر کر سکتا تھا۔

نگار خانم، خوبرو ہونے کے ساتھ انتہائی ذہین اور پڑھی لکھی دوشیزہ تھی۔ جب سبکتگین نے اسے غزنی

چھوڑ دینے کا حکم دیا تو وہ سرِ دربار مچل گئی۔ ''امیرِ ذیشان! یہ کیسا انصاف ہے کہ میری دوسری بہنوں کو اپنے وطن میں قیام کی اجازت دے دی گئی اور مجھ سے میرے خوابوں کی زمین کو جدا کیا جا رہا ہے؟'' یہ کہتے کہتے نگار خانم کی پلکیں بھیگنے لگیں۔ ''میں خاکِ غزنی سے اُٹھی اور ایک دن خاکِ غزنی ہی میں گم ہو جاؤں گی۔ یہ میرا عہد ہے اور میں اپنے اس عہد پر آخری سانس تک قائم رہوں گی۔ امیر! آپ کو اپنے انصاف کا واسطہ! میرے عہد کو شکستہ ہونے سے بچا لیجئے کہ آپ بہت بااختیار ہیں اور میں بہت کمزور ہوں۔''

نگار خانم کی التجا سن کر سبکتگین اندر سے لرز گیا مگر وہ جذبات کی رو میں بہنا نہیں چاہتا تھا، اس لئے انتہائی د لہجے میں اس معصوم دوشیزہ سے مخاطب ہوا جو بہت دیر سے امیرِ غزنی کے انصاف کو پکار رہی تھی۔

''تمہاری بہنوں کی ضمانت لینے والے ان کے شوہر موجود ہیں اور میں انہیں خوب پہچانتا ہوں مگر تمہارا ضامن کہاں ہے؟ اسے پیش کرو۔ اگر وہ معتبر شخص تمہاری ذمہ داری قبول کرتا ہے تو میں تمہیں غزنی میں مستقل قیام کی اجازت دے دوں گا۔''

بڑا نازک اور جذباتی مرحلہ تھا۔ نگار خانم نے اشکبار آنکھوں سے دربار کے ایک ایک گوشے کا جائزہ لیا، مگر وہاں ایسا کوئی شخص موجود نہیں تھا، جو نگار خانم کو اس اذیت ناک صورتِ حال سے نجات دلا دیتا۔

''امیر! اس دربار میں تو میرے کردار اور عقائد پر کوئی گواہی دینے والا نہیں۔'' نگار خانم نے بڑے کرب ناک لہجے میں کہا۔ ''بس اللہ ہی دلوں کا حال بہتر جانتا ہے۔''

ابھی نگار خانم کے الفاظ کی گونج باقی تھی کہ سترہ سالہ محمود اپنی نشست پر کھڑا ہوا اور بلند آواز میں بولا۔ ''بابا جان! میں گواہی دیتا ہوں کہ نگار خانم ایک انتہائی محبِ وطن خاتون ہیں اور ان کا اپنے باپ اسد شیرازی کے نظریات سے کوئی رشتہ نہیں۔''

محمود کی آواز نے دربار کے سناٹوں کو چیر کر رکھ دیا۔ تمام سردارانِ قوم نے بڑی حیرت سے محمود کے بیان کو سنا تھا۔ اور نگار خانم کے بہتے ہوئے آنسوؤں کی رفتار پہلے سے زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ اسے پوری دنیا میں بس اسی ایک گواہی کا انتظار تھا، چند لمحوں کے لئے نگار خانم کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں اور پھر اس نے ایک طویل سانس لی، اطمینان اور آسودگی کی سانس۔ محمود کی گواہی کے بعد نگار خانم کے بے چین جذبوں کو قرار آ گیا تھا۔

سبکتگین، بیٹے کا بیان سن کر سکتے میں آ گیا۔ امیرِ غزنی بہت دنوں سے جس طوفان کی آہٹیں سن رہا تھا، وہ پوری شدت سے نمودار ہو چکا تھا۔ ''تم خاموش رہو!'' سبکتگین بری طرح جھنجلایا ہوا تھا۔ ''تم ابھی بچے ہو۔ اس لئے ان معاملات میں مداخلت نہ کیا کرو، جو تمہاری عقل سے بالاتر ہیں۔'' امیرِ غزنی نے بھرے دربار میں اپنے بیٹے کو ڈانٹ دیا تھا۔

باپ کی ناراضگی کا یہ انداز دیکھ کر محمود کا چہرہ اُتر گیا۔

سبکتگین بڑے جارحانہ انداز میں اپنا فیصلہ سنانا چاہتا تھا کہ نقیب نے پکار کر کہا۔

''شیخ نظام شاہ، دربارِ امیر میں باریابی کی اجازت چاہتے ہیں۔''

نقیب کی آواز سن کر پورے دربار پر گہرا سکوت طاری ہو گیا۔ اور سبکتگین گھبرا کر اپنی نشست سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

نظام شاہ کی آمد کی خبر سن کر امیر سبکتگین حیران رہ گیا۔ اور پھر اسی حیرت کے عالم میں تخت سے اُتر کر خود دربار کے صدر دروازے تک آیا، جہاں نظام شاہ، امیر کی اجازت کے منتظر تھے۔

''شیخ! آپ کو اجازت کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔'' سبکتگین نے نہایت انکسار کے ساتھ کہا۔

''ہمیں سب سے زیادہ ضرورت ہے۔'' نظام شاہ نے اثر انگیز لہجے میں کہا۔ ''اگر ہم ہی آئین شکنی کے مرتکب ہو جائیں تو پھر قانون کی آبرو کون رکھے گا؟''

سبکتگین شرمسار سا نظر آنے لگا۔ اور پھر وہ دروازہ چھوڑ کر ایک طرف ہٹ گیا۔ ''آیئے شیخ! یہ دربار ایک بار پھر آپ کی آمد پر نازاں ہے۔''

سبکتگین چاہتا تھا کہ وہ نظام شاہ کے پیچھے چل کر تخت تک پہنچے مگر نظام شاہ نے سختی سے اس کی خواہش کو جھٹلا دیا۔ ''یہ صرف تمہارا دربار ہی نہیں، غزنی کی عدالتِ عالیہ بھی ہے۔ تم کچھ دیر پہلے ایک مقدمے کا فیصلہ کر رہے تھے۔ اور اس وقت تم پر یہ لازم نہیں تھا کہ تم مسندِ انصاف چھوڑ کر نیچے اُتر آتے۔ پہلے تم تخت پر واپس جاؤ۔ پھر میں ایک عام انسان کی حیثیت سے دربار میں داخل ہوں گا۔''

سبکتگین مجبوراً واپس لوٹ آیا۔ اس کا چہرہ بجھا بجھا سا تھا۔ تمام درباری اپنے امیر کی اس تبدیلی کو بڑی حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ خود نگار خانم بھی بہت زیادہ پریشان نظر آ رہی تھی۔ محمود کی مداخلت کے سبب کچھ دیر کے لئے اسے یقین ہو چلا تھا کہ وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جائے گی۔ مگر جب سبکتگین نے سرِ دربار اپنے بیٹے کو جھڑک دیا تو نگار خانم کا وہی عالمِ بے چارگی دوبارہ لوٹ آیا تھا اور امیرِ غزنی کی زبان سے ادا ہونے والے چند الفاظ اس کی قسمت کا مستقل فیصلہ کر دیتے کہ اچانک نظام شاہ کی آمد نے مقدمے کی کارروائی میں خلل ڈال دیا۔ دوسرے شہریوں کی طرح نگار خانم بھی نظام شاہ سے غائبانہ عقیدت رکھتی تھی۔ مگر آج تک اس نے غزنی کے اس مردِ قلندر کو دیکھا نہیں تھا۔ پچھلی بار جب نظام شاہ دربار میں تشریف لائے تھے نگار خانم، اسد شیرازی کے ساتھ اپنے مکان میں نظر بند تھی۔ اس لئے وہ ایک درویش کے دیدار کی سعادت سے محروم رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے نقیب کی صدا بلند ہوئی اور اس نے نظام شاہ کی آمد کا اعلان کیا تو نگار خانم کے دل و دماغ میں خوشی کی ایک تیز لہر اُٹھی اور وہ اپنے غم کو بھول کر بار بار اس دروازے کی طرف دیکھنے لگی، جس سے گزر کر نظام شاہ، دربار میں داخل ہونے والے تھے۔

پھر وہ مردِ قلندر، امیر سبکتگین کے دربار میں داخل ہوا تو نظام شاہ کے جلالِ روحانی سے لوگوں کی سانسیں رک گئیں اور تمام درباری اپنی اپنی نشستوں پر کھڑے ہو گئے۔ خود سبکتگین بھی تخت سے نیچے اُتر آیا تھا۔

''حاضرین اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ جائیں۔'' نظام شاہ کی آواز زیادہ بلند نہیں تھی۔ لیکن پھر بھی لوگ اپنے دلوں میں ایک ہیبت سی محسوس کر رہے تھے۔ ''کوئی اپنی ترتیب نہ بدلے کہ عدالت کے اندر کسی کے احترام کے لئے کھڑا ہو جانا خود عدالت کی توہین ہے۔ آج میں یہاں ایک گواہ کی حیثیت سے آیا ہوں اور ایک گواہ کو دیکھ کر امیر کا مسندِ انصاف سے نیچے اُتر آنا جائز نہیں۔ چشمِ انصاف میں سب برابر ہیں۔ کیا نظام شاہ اور کیا پہرے پر کھڑا ہوا سپاہی اور کیا تختِ شاہی پر بیٹھا ہوا حکمران۔''

سبکتگین اور دوسرے درباری اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے تو نظام شاہ آہستہ آہستہ آگے بڑھے اور امیرِ غزنی کے تخت کے نیچے جا کر ٹھہر گئے۔

پورے دربار پر گہرا سکوت طاری تھا۔ ہر شخص نظام شاہ کی آمد کا سبب جاننے کے لئے بے چین تھا۔ خود نظام شاہ نے کہا تھا کہ آج وہ ایک گواہ کی حیثیت سے آئے ہیں۔ مگر وہ گواہی کس کے لئے تھی؟ اہلِ دربار یہ جاننے کے لئے بے قرار تھے۔

پھر یکایک سبکتگین کے دربار میں نظام شاہ کی پُر جلال آواز گونجنے لگی۔ ''امیرِ غزنی کو خوب معلوم ہے کہ ہمیں حکمرانوں کی محفلوں سے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی...... مگر اس بے گناہ لڑکی نے بے اختیار ہمارے قدموں کو تمہارے ایوان کی جانب موڑ دیا۔'' نظام شاہ نے برقع پوش نگار خانم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ اللہ کا قانون ہے کہ کوئی انسان کسی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ اسی طرح یہ معصوم دوشیزہ بھی اپنے باپ، اسد شیرازی کے جرائم کی ذمے دار نہیں۔''

جیسے ہی نظام شاہ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے، سبکتگین اور دوسرے درباری حیرت زدہ رہ گئے۔ کسی کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ طویل فاصلے کے باوجود نظام شاہ کو اس مقدمے کی تفصیلات سے کس نے آگاہ کیا۔ خود نگار خانم بھی پریشان تھی کہ نظام شاہ تک اس کی فریاد کس نے پہنچائی؟

''شیخ! یہ ایک سیاسی مسئلہ ہے...... جس کی گہرائیوں سے آپ واقف نہیں۔'' سبکتگین نے رک رک کر کہا۔ وہ ہر حال میں نگار خانم کو محمود سے دُور کر دینا چاہتا تھا۔ اور اس کی یہی ایک صورت تھی کہ اسد شیرازی اپنی بیٹی کو لے کر غزنی کی سرحدوں سے بہت دُور چلا جائے۔

سبکتگین کا جواب سن کر نظام شاہ مسکرائے۔ ''امیر! تم درست کہتے ہو۔ ہم تو بہت بے خبر لوگ ہیں، اپنے ہی حال سے واقف نہیں تو کسی دوسرے کو کیا پہچانیں گے؟'' یکایک نظام شاہ کے لہجے سے گہری اُداسی جھلکنے لگی تھی۔ انہیں سبکتگین کی بات سے اذیت پہنچی تھی، مگر ایک مردِ قلندر نے اپنی روایتی مسکراہٹ میں اس کرب کو چھپا لیا تھا۔

''میرا یہ مفہوم ہرگز نہیں تھا شیخ!'' سبکتگین گھبرا کر اپنی نشست پر کھڑا ہو گیا۔ ''اسد شیرازی نے مجھے اتنی بار ڈسا ہے کہ میں اس سے تعلق رکھنے والے کسی بھی شخص کا اعتبار نہیں کر سکتا۔ آپ ہی بتایئے کہ ایک مومن ایک ہی سوراخ سے کتنی بار ڈسا جائے؟''

''ایک مومن کو یہ بھی زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنی بدگمانیوں کے خنجر سے ایک معصوم اور بے گناہ انسان کو ذبح کر ڈالے۔'' نظام شاہ نے قدرے بلند آواز میں کہا۔ ''غزنی کے حکمران نے ایک معتبر شخص کی گواہی طلب کی تھی، سو ہم اپنے دوسرے ضروری کام چھوڑ کر سرِ دربار چلے آئے۔ اب یہ امیر کی صوابدید ہے کہ وہ ایک درویشِ بے سروساماں کو معتبر سمجھتے ہیں یا غیر معتبر۔''

''شیخ! آپ سے زیادہ یہاں معتبر کون ہوگا؟ مگر......'' سبکتگین اپنے دل کی بات کہنا چاہتا تھا، لیکن نظام شاہ کے روبرو اس کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔

''ہمیں جو کچھ کہنا تھا، کہہ چکے۔'' نظام شاہ کے چہرے پر ہلکا سا ناگواری کا رنگ اُبھر آیا تھا۔ ''ہم نہیں جانتے کہ سیاست کیا ہے۔'' نظام شاہ نے بہت غور سے سبکتگین کی طرف دیکھا۔ ''اگر تمہاری سیاست کا تقاضا یہی ہے تو پھر اس بے گناہ کو دار پر کھینچ دو یا دربدر کر دو۔ اس سے پہلے بھی تو لاکھوں سروں نے دار کو سجایا ہے۔ اور بے شمار اللہ کے بندے، خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے رہے ہیں، اب اگر یہ ایک لڑکی بھی مقتولوں اور بے گھروں کی اس قطار میں شامل ہو جائے گی تو آخر کون سی قیامت ٹوٹ پڑے

گی؟'' نظام شاہ کے لہجے میں بڑا کرب تھا۔ ''مگر یاد رکھنا سبکتگین! کہ تیرے درباریوں میں اس لڑکی سے زیادہ محبِ وطن کوئی دوسرا نہیں۔ اس کا چہرہ بھی آئینہ ہے اور دل بھی، جس پر کوئی غبار نہیں، کوئی زنگ نہیں۔''

یہ کہہ کر نظام شاہ مڑے اور تیز قدموں سے صدر دروازے کی طرف جانے لگے۔ ایک مردِ قلندر کے جلال کا یہ عالم تھا کہ اس نے اہلِ دربار کی طرف اپنی پیٹھ کر لی تھی اور تمام سردارانِ غزنی احتراماً اپنی اپنی نشستوں پر اُٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے اور دھڑکتے دلوں کے ساتھ نظام شاہ کو دربار سے جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

پھر نظام شاہ چلے گئے تو سبکتگین تخت پر بیٹھ گیا۔ معززینِ دربار نے بھی اس کی تقلید کی۔ نگار خانم کسی مجسمے کے مانند ساکت کھڑی تھی اور بہت دیر سے اُس کے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔

سبکتگین شدید اذیت میں مبتلا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ نظام شاہ اس طرح دربار چلے آئیں گے اور اس لڑکی کی حمایت کریں گے، جو محمود کے مستقبل کے لئے ایک خوفناک مت بنتی جا رہی تھی۔ سبکتگین، نظام شاہ کا حکم بھی نہیں ٹال سکتا تھا۔ اور نگار خانم کو بھی غزنی میں قیام کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ آخر اس ذہنی کشمکش سے گھبرا کر وہ چیخ اٹھا۔

''لڑکی! تُو نے ہمیں ناقابلِ بیان کرب میں مبتلا کر دیا ہے۔''

''نہیں امیرِ معظم! میں نے اپنی ذات سے کبھی کسی کو کوئی آزار نہیں پہنچایا۔'' نگار خانم نے انتہائی شکستہ آواز میں کہا۔ ''اگر فرمانروائے غزنی میری وجہ سے کسی اذیت میں مبتلا ہیں تو میں اپنا مقدمہ واپس لیتی ہوں۔ اب میں کبھی آپ کے انصاف کو آواز نہیں دوں گی۔ مجھے انصاف مل گیا۔ حضرت نظام شاہ کی گواہی میرے لئے کافی ہے کہ اس گواہی کے بعد مجھے کسی دوسری گواہی کی ضرورت نہیں۔''

سبکتگین، نگار خانم کا جواب سن کر سناٹے میں آ گیا۔ وہ لڑکی خود بخود غزنی چھوڑ کر واپس جانا چاہتی تھی۔ ایک لمحے کے لئے سبکتگین کو محسوس ہوا کہ اس کے دل و دماغ کا بوجھ اتر گیا ہے...... مگر دوسرے ہی لمحے اُسے نظام شاہ کی ناراضگی کا احساس ہوا۔ اور پھر وہ لرز کر رہ گیا۔ سبکتگین کسی بھی حالت میں نظام شاہ کی حکم عدولی نہیں کر سکتا تھا اور موجودہ صورتِ حال چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ اسد شیرازی کی بیٹی نگار خانم کو غزنی کی حدود سے اتنی دُور نکال دے کہ محمود کے دل پر اس کی یادوں کا عکس تک باقی نہ رہے۔ جب سبکتگین فوری طور پر اس مسئلے کو حل نہ کر سکا تو اُس نے دربار برخاست کر دیا۔

''نگار خانم! ہم تیرے مقدمے کا فیصلہ کل کریں گے۔''

''امیر بااختیار ہیں۔'' نگار خانم نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میں اپنا مقدمہ واپس لے چکی ہوں اور کل صبح آپ کی مملکت سے نکل کر بہت دُور چلی جاؤں گی۔''

''تم لوگوں کی روانگی بھی میری اجازت کے بغیر ممکن نہیں۔'' سبکتگین بری طرح جھنجلایا ہوا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اسد شیرازی کی کم عمر بیٹی اس طرح اسے شکست دینے کی کوشش کرے گی۔ ''تم، تمہاری بہن اور تمہارا باپ میری نگرانی میں غزنی سے رخصت ہوں گے۔ اس سے پہلے تم سب کی حیثیت ایک نظر بند قیدی کی سی ہے۔'' سبکتگین نے نیا حکم جاری کیا اور دربار سے اُٹھ کر چلا گیا۔

❀❀❀❀❀

سبکتگین کی وہ رات بہت بے چینی میں گزری۔ آخر جب اس کی یہ اُلجھن کسی طرح دور نہیں ہوئی تو اس نے محمود کی والدہ سے سب کچھ کہہ ڈالا۔

"مجھے نگار خانم سے کوئی بغض و عناد نہیں ہے۔ اور اگر ہے تو بھی اسد شیرازی کے سبب ہے۔ میں اُس عیارِ زمانہ شخص پر کسی بھی حال میں اعتبار کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔"

محمود کی ماں نے سبکتگین کی زبان سے یہ نیا انکشاف سنا تو وہ حیرت سے شوہر کا منہ دیکھنے لگی۔ "کیا ہمارا بیٹا بھی؟" فرطِ حیرت سے غزنی کی ملکہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔

"ہاں! مجھے محمود پر بھی شبہ ہو گیا ہے۔" سبکتگین نے پریشان لہجے میں کہا۔ "اگر ایسا نہیں ہوتا تو وہ بھرے دربار میں نگار خانم کی حمایت نہیں کرتا۔"

"آخر اس میں حرج کیا ہے؟" یکایک محمود کی والدہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ اُبھر آئی اور آنکھوں سے مسرت و نشاط کا ایک عجیب سا رنگ جھلکنے لگا۔ "نگار خانم ایک انتہائی شائستہ اور حسین لڑکی ہے۔ شاید پورے غزنی میں بھی اس جیسی کوئی دوسری دوشیزہ موجود نہیں۔" محمود کی ماں نے کوئی اور ہی خواب دیکھنا شروع کر دیا تھا۔

"نہیں ملکہ عالیہ!" سبکتگین اچانک برہم نظر آنے لگا۔ "میری زندگی میں ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ نگار خانم کچھ بھی سہی، مگر اسد شیرازی کی بیٹی ہے۔ اور میں اپنے خاندان کا مستقبل، اسد شیرازی کی بیٹی کے حوالے نہیں کر سکتا۔ تم نہیں جانتیں کہ اسد شیرازی کون ہے اور وہ میرے ساتھ کیسا بھیانک کھیل کھیل رہا ہے؟"

"اگر آپ نہیں چاہتے تو میں محمود کے سلسلے میں کوئی خواب نہیں دیکھوں گی۔" غزنی کی ملکہ، شوہر کی برہمی دیکھ کر بہت زیادہ سنجیدہ ہو گئی تھی۔ "مگر آپ کے بقول، شیخ نظام شاہ تو نگار خانم کے کردار پر گواہی دے رہے ہیں اور پھر خود نگار خانم بھی تو اپنے باپ سے بیزار ہے۔"

"میں نظام شاہ کی روشن ضمیری کا قائل ہوں۔ مگر وہ سیاست کے پیچ و خم کو نہیں سمجھتے۔" سبکتگین نے پریشان لہجے میں کہا۔ "کاش! وہ اس موقع پر تشریف نہ لاتے اور میں آسانی کے ساتھ اس فتنے سے چھٹکارا حاصل کر لیتا۔" سبکتگین کا اضطراب اس حد تک بڑھا کہ وہ اُٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ "کاش! مجھے کچھ دن کی مہلت مل جاتی اور میری زندگی کے اس نازک ترین مسئلے میں شیخ نظام شاہ مداخلت نہ کرتے۔"

"تو پھر ان کے سامنے جا کر اپنی مجبوریاں بیان کر دیجئے۔" غزنی کی ملکہ نے شوہر کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

"میں یہ بھی نہیں کر سکتا۔" سبکتگین بار بار اپنے اُلجھے ہوئے بالوں میں ہاتھ پھیر رہا تھا۔ "شیخ ناراضگی کے عالم میں دربار سے رخصت ہوئے ہیں۔ اب مجھ میں ان کے سامنے جانے کی ہمت نہیں ہے۔"

"پھر شیخ کی خوشنودی کے لئے نگار خانم کو غزنی میں قیام کی اجازت کیوں نہیں دے دیتے؟" محمود کی والدہ نے سبکتگین کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

"میں اسی زاویے کو تلاش کر رہا ہوں کہ شیخ کی نافرمانی بھی نہ ہو اور یہ فتنہ بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو

جائے۔" سبکتگین نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔ وہ ابھی تک اس مسئلے کا حل تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

"ہمیں اپنے بیٹے محمود پر پورا اختیار ہے۔" آخر غزنی کی ملکہ نے لب کشائی کی۔ "ہم اسے نگار خانم کے قریب جانے سے روک سکتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ کوئی سنگین مسئلہ نہیں ہے۔"

بیوی کی گفتگو سن کر سبکتگین کو محسوس ہوا جیسے مایوسیوں کے اندھیرے میں یکایک کوئی فانوس جل اُٹھا ہو۔ پھر وہ بہت دیر تک خاموش بیٹھا سامنے کی دیوار کو گھورتا رہا۔ بظاہر ایسا لگتا تھا، جیسے سبکتگین پورے ہوش و حواس کے ساتھ اپنے کمرے میں موجود ہے۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ اس کا ذہن بہت دُور بھٹک رہا تھا۔ پھر جب وہ ایک نتیجے پر پہنچ گیا تو اپنی بیوی سے مخاطب ہوا۔ "آپ ٹھیک کہتی ہیں۔" اب سبکتگین کے چہرے پر اطمینان کی گہری جھلک صاف نظر آ رہی تھی۔ "اس مسئلے کا یہی ایک حل ہے۔"

❀❀❀❀❀

دوسرے دن دربار میں جانے سے پہلے سبکتگین نے محمود کو خلوت میں طلب کرتے ہوئے کہا۔

"فرزند! ہمیں محسوس ہو رہا ہے کہ اب امورِ مملکت میں تمہاری دلچسپیاں کم ہوتی جا رہی ہیں۔" سبکتگین نے بڑی ذہانت سے بیٹے کے فطری رجحان کو جاننے کی کوشش کی تھی۔

"نہیں بابا جان!" محمود نے حیرت زدہ لہجے میں جواب دیا۔ "کیا آپ میری جانب سے کوئی کوتاہی محسوس کر رہے ہیں؟ براہِ کرم اس کی نشاندہی کیجئے۔ میں فوراً اپنی اصلاح کروں گا۔"

"محمود! تم عمر کی ایک نازک منزل سے گزر رہے ہو۔" سبکتگین نے بڑی ہوشیاری سے دوسری چال چلی۔ "اس عمر کے لڑکے اچانک مسائل کی دھوپ سے ڈر جاتے ہیں اور پھر کسی زلف کا سایہ ڈھونڈنے لگتے ہیں۔ میں صرف باپ ہی نہیں، تمہارا سب سے بڑا ہمدرد اور دوست بھی ہوں۔ اس لئے صاف صاف بات کر رہا ہوں۔ اگر تم ایسے کسی حادثے سے دوچار ہو گئے ہو تو مجھے بتا دو۔ ابھی اس بیماری کا علاج ممکن ہے۔ اور اگر بے خبری کے عالم میں یہ وقت گزر گیا تو تمہارے ہاتھوں مملکتِ غزنی کی موت واقع ہو جائے گی۔" سبکتگین کے لہجے میں بڑا گداز تھا۔

"آپ کس بیماری اور کس حادثے کا ذکر کر رہے ہیں بابا جان؟" محمود کی حیرت لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جا رہی تھی۔ "میں کسی زلف کے سائے کی تلاش میں نہیں ہوں۔ یہ آپ سے کس نے کہا؟ کون ہے وہ مخبر جو آپ کو اس قدر جھوٹی اور گمراہ کن اطلاعات فراہم کر رہا ہے؟" یکایک محمود کے چہرے پر ناگواری کا رنگ اُبھر آیا تھا۔

"فرزند! کیا تم کسی سے شادی کرنا چاہتے ہو؟" سبکتگین نے بیٹے کے سوالات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔" محمود کے جواب میں بہت بے ساختگی تھی۔

"خوب سوچ سمجھ کر جواب دو فرزند!" سبکتگین نے نگار خانم کا ذکر کئے بغیر کہا۔ "میں تمہاری یہ خواہش بھی پوری کر سکتا ہوں۔ مگر اس طرح تمہارے باپ کے خوابوں کا خون ہو جائے گا۔"

"میں نے پوری سچائی کے ساتھ اپنے دل کی بات امیر محترم کے گوش گزار کر دی۔" محمود نے اسی بے ساختگی کے ساتھ کہا۔ "مگر آپ اپنے کن خوابوں کا ذکر کر رہے ہیں؟"

سبکتگین نے اطمینان کی گہری سانس لی۔ اب اسے یقین آ گیا تھا کہ محمود، نگار خانم کی طرف ملتفت نہیں ہے۔

"فرزند!" یکا یک سبکتگین نے بیٹے کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے۔ "میں تمہاری سماعت کو چوڑیوں کی کھنک اور پازیب کی جھنکار سے محفوظ رکھنا چاہتا ہوں۔ تم صرف شمشیروں کے ٹکرانے کی آوازیں سنو، یا پھر میدانِ جنگ میں اپنے شکست خوردہ دشمنوں کی چیخیں۔ کسی زلف کا سایہ تمہاری پناہ گاہ نہیں۔ یہ تپتا ہوا سورج تمہارے لئے ایک سایہ دار درخت ہے اور یہ جلتی ہوئی چٹانیں تمہارا بسترِ راحت۔ تم آگ اور خون کا دریا عبور کرنے والے مردِ مجاہد ہو۔ کسی مطربہ کا نغمہ سننے والے یا کسی خوبرو رقاصہ کا رقص دیکھنے والے نکمے عاشق نہیں ہو۔ تم عظیم مسلمان فاتحین کی تابناک روایتوں کے امین ہو۔ تم شمشیر و سناں کے فرزند ہو اور شجاعت و مردانگی کے وارث۔ اس کے سوا تمہاری کوئی پہچان نہیں۔" یہ کہہ کر سبکتگین نے محمود کی پیشانی کو بوسہ دیا اور دربار کی طرف جانے کے بجائے اسد شیرازی کے مکان کی طرف بڑھ گیا۔

❀❀❀❀❀

اسد شیرازی اور ارمغانہ اپنے تمام مال و اسباب کے ساتھ روانگی کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ انہیں اچانک سبکتگین کی آمد پر شدید حیرت تھی۔ خود نگار خانم بھی امیرِ غزنی کو اپنے سامنے پا کر حیران رہ گئی تھی۔

"لڑکی! ہم نے تمہاری درخواست پر بہت غور کیا، پھر اس نتیجے پر پہنچے کہ تمہیں غزنی میں قیام کرنے کی اجازت دے دی جائے۔" سبکتگین ایک خاص لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔ "ہم کسی طرح بھی شیخ نظام شاہ کی گواہی کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ان کی گواہی ایک بڑی گواہی ہے...... مگر......" سبکتگین یکا یک کچھ کہتے کہتے رک گیا، پھر اس نے اسد شیرازی اور ارمغانہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تم دونوں کمرے سے باہر چلے جاؤ۔ میں تنہائی میں نگار خانم سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

اسد شیرازی اور ارمغانہ مجرموں کے مانند سر جھکائے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔

پھر جب نگار خانم اکیلی رہ گئی تو سبکتگین نے پُرجلال لہجے میں کہا۔ "لڑکی! ہم نے تمہیں شیخ نظام شاہ کی ضمانت کے باعث غزنی میں قیام کی اجازت دی ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اپنے فرائض سے غافل ہو جاؤ۔"

"امیرِ معظم!" نگار خانم نے گھبرا کر سبکتگین کی طرف دیکھا، اس کی سہمی ہوئی نظروں میں بیک وقت کئی سوال لرز رہے تھے۔

"تم زندگی کے کسی موڑ پر بھی محمود کی طرف نہیں دیکھو گی۔" سبکتگین نے آمرانہ لہجے میں کہا۔ "اگر کبھی تمہاری نظریں بہکیں تو اسی لمحے تم پر غزنی کی زمین تنگ کر دی جائے گی...... اور ممکن ہے کہ اس نافرمانی کے جرم میں تمہیں کسی سنگین سزا سے بھی گزرنا پڑے۔"

سبکتگین کی قہرناک تنبیہ سن کر نگار خانم سناٹے میں آ گئی۔ غزنی کا فرمانروا اس کے دل کی حالت سے باخبر ہو گیا تھا۔ محمود ہی کے لئے اس نے باپ جیسے محترم رشتے کو جھٹلایا تھا۔ محمود ہی کے لئے وہ غزنی میں قیام کرنا چاہتی تھی...... اور اب محمود ہی کی طرف دیکھنے پر پابندیاں لگائی جا رہی تھیں۔

"آپ کو کسی قسم کی غلط فہمی ہو گئی ہے امیرِ معظم!" نگار خانم نے بات کو ٹالنے کے لئے کہا۔

"میں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں۔" سبکتگین کے لہجے کی سختی بدستور قائم تھی۔ "میں تمہاری نظر کے ہر زاویے کو خوب پہچانتا ہوں۔"

نگار خانم سمجھ گئی تھی کہ سبکتگین آسانی کے ساتھ اس کی دلیل کو قبول نہیں کرے گا۔ مجبوراً نگار خانم نے نیا بہانہ تراش لیا۔ "امیرِ ذیشان! میں اپنی حیثیت جانتی ہوں...... میری آنکھیں وہ خواب دیکھنے کی عادی نہیں، جن کی کوئی تعبیر نہ ہو۔"

"ہاں۔ ہم یہی چاہتے ہیں لڑکی!" سبکتگین عام طور پر ہر خاص و عام سے نرم لہجے میں گفتگو کرتا تھا مگر نگار خانم کے سامنے اس نے ایک سنگ دل آمر کی قبا پہن لی تھی۔ "اگر ایسا نہیں ہوا تو ہم تیرے خوابوں کے ساتھ تیری آنکھیں بھی بجھا دیں گے۔" یہ کہہ کر سبکتگین کمرے سے نکل گیا اور اس کے عقب میں نگار خانم کی شکستہ آواز اُبھرتی رہی۔

"ایسا ہی ہو گا امیرِ محترم!...... ایسا ہی ہو گا۔"

سبکتگین کے جانے کے بعد اسد شیرازی نے اپنی باغی بیٹی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"نگار خانم! اب بھی وقت ہے۔ اہرمن سے اس کے کرم کی بھیک مانگ لے اور لازوال آگ کے تقدس کی قسم کھا کر کہہ دے کہ تُو اپنے بزرگوں کی روایت کا احترام کرے گی اور سبکتگین اور اس کے بیٹے سے اپنے باپ اور بہن کی دربدری کا انتقام لے گی۔" اسد شیرازی چلتے چلتے بھی اپنی بیٹی کو ورغلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ "تُو ان لوگوں کو نہیں جانتی۔ یہ بہت ستم پیشہ اور جفاکار انسان ہیں، تجھے ایک دن غزنی کی گلیوں میں بھیک مانگنے پر مجبور کر دیں گے۔"

"شاید میں بھیک مانگنا گوارا کر لوں مگر آپ کے اہرمن کی پرستش نہیں کروں گی۔" ایسے اذیت ناک لمحوں میں بھی نگار خانم نے گستاخانہ لہجہ اختیار نہیں کیا تھا۔ "آپ جس آگ کے تقدس کی قسم کھانے کے لئے کہہ رہے ہیں، اس کی حقیقت ہی کیا ہے؟ جو پانی کے چند چھینٹوں سے بجھ جائے، وہ میرا خدا نہیں ہو سکتا...... بس، آپ یہاں سے چلے جائیے اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے۔"

"میری جذباتی اور نادان بیٹی!" اسد شیرازی کی عیاریوں نے نئی کروٹ لی۔ "اس بوڑھے نے بڑی عجیب زندگی بسر کی ہے۔ اس کے مشاہدات و تجربات سے فائدہ اٹھا اور یہ دیوانگی چھوڑ دے۔ دنیا کا ہر انسان، حکمرانی کے لئے پیدا نہیں ہوا ہے۔ اہرمن کسی کسی کو اپنے کرم سے نوازتا ہے۔ تیرے چہرے پر لکھا ہوا ہے کہ تُو غزنی کی ملکہ بن سکتی ہے۔"

"میری ہمشیرہ محترمہ کا خواب تو شرمندۂ تعبیر بھی ہو گیا تھا۔" نگار خانم نے اپنی بڑی بہن ارمغانہ شیرازی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں گہرا طنز شامل تھا۔ "پھر یہ بیوگی کا لباس کیوں؟ اور یہ خانہ بدوشی کس لئے؟ بابا جان! کیا آپ اب بھی نہیں سمجھے کہ قدرت کیا چاہتی ہے اور آسمان کے فیصلے کیا ہوتے ہیں؟"

"آسمان کچھ بھی کرے، مگر میں زمین پر رہ کر اپنے حقوق کے لئے لڑتا رہوں گا۔" اسد شیرازی، نگار خانم کا طرزِ کلام دیکھ کر ایک بار پھر غضب ناک ہو گیا تھا۔ "اور تجھے بھی میرے ساتھ اس جنگ میں شامل ہونا پڑے گا۔"

"میں آپ سے تمام رشتے توڑ چکی ہوں۔" نگار خانم نے انتہائی ناگوار لہجے میں کہا۔ "پھر اس جنگ

میں تعاون یا شرکت کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟"

"اگر تُو مجھ سے سارے رشتے توڑ چکی ہے تو پھر میری جائیداد یا وراثت پر بھی تیرا کوئی حق نہیں۔" اسد شیرازی یک بیک نفرت اور غصے کی آگ میں جلنے لگا تھا۔

"میں اپنے اس حق سے دستبردار ہوتی ہوں۔" نگار خانم نے اپنا فیصلہ سنانے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کی۔ "آپ کے حوالے سے تو مجھے زندگی کی دولت بھی قبول نہیں۔"

نگار خانم کی بغاوت نے اسد شیرازی کو انتہائی جارحانہ قدم اُٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔ غزنی چھوڑنے سے پہلے اس نے سبکتگین کے سامنے ایک اور درخواست پیش کی۔ "میں روانگی سے پہلے اپنا یہ مکان بھی فروخت کر دینا چاہتا ہوں۔"

"وہ مکان تمہاری چھوٹی بیٹی کے کام آسکتا ہے۔" سبکتگین نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"اب اس کے اور میرے درمیان کوئی رشتہ باقی نہیں۔" اسد شیرازی نے کسی بے رحم تاجر کے لہجے میں کہا۔ "وہ جہاں چاہے رہے...... غزنی کی زمین بہت وسیع ہے۔" اسد شیرازی بڑے سفاکانہ انداز میں مسکرایا۔

سبکتگین اُلجھ کر رہ گیا۔ ابھی وہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچا تھا کہ غزنی کے ایک آسودہ حال شخص، سردار تبریز نے سبکتگین سے کہا۔ "اگر امیر اجازت دیں تو میں اسد شیرازی کے مکان کی مناسب قیمت ادا کر سکتا ہوں۔"

سبکتگین نے اسد شیرازی کی طرف دیکھا۔ اور پھر کچھ دیر بعد سردار تبریز نے اسد شیرازی کو اس کے عالی شان مکان کی منہ مانگی قیمت ادا کر دی۔

اور پھر اسد شیرازی، نگار خانم کو غزنی کی سرزمین پر بے سہارا اور بے مکان چھوڑ کر ارمغانہ کے ساتھ نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ اونٹوں اور گھوڑوں پر اس کا مال و اسباب لدا ہوا تھا اور وہ بار بار مڑ کر قصرِ شاہی کی طرف دیکھتا تھا۔ غزنی کی سرحد پر پہنچ کر اس نے آخری مرتبہ اس برج کی جانب دیکھا، جو کئی میل کے فاصلے سے بھی صاف نظر آتا تھا۔

"سبکتگین! میں ہمیشہ کے لئے نہیں جا رہا ہوں۔" اسد شیرازی کی آواز شدتِ جذبات سے بھرّا گئی تھی۔ "میں ایک دن واپس آؤں گا۔ اور اس طرح واپس آؤں گا کہ غزنی کی ساری بلندیاں میرے قدموں پر جھک جائیں گی۔"

ارمغانہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ باپ کی غلط تعلیم و تربیت کے باوجود اسے اپنے وطن سے محبت تھی۔ رخصت ہوتے وقت گزرے دنوں کی یادوں نے اسے بے قرار کر دیا تھا۔ اچانک غزنی کی ملکہ بن جانا اور پھر یکایک بیوگی کا لباس پہن کر دربدر ہو جانا، بڑے جان لیوا حادثات تھے۔ ان ہی حادثات کو یاد کر کے ارمغانہ شیرازی، بچوں کی طرح رو رہی تھی۔

"اپنے ان آنسوؤں کو نفرت و انتقام کے شعلوں میں تبدیل کر دے میری بہادر بیٹی!" اسد شیرازی نے ارمغانہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "ایسے شعلے جو سبکتگین کے اقتدار اور خاندان کو جلا کر رکھ دیں۔"

❋❋❋❋❋

محمود نے بڑی خاموشی سے اسد شیرازی کے مکان کو نیلام ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس مکان کو

خریدنے والا، غزنی کا ایک با اثر اور مالدار شخص سردار تبریز تھا۔ سردار تبریز کو دربارِ غزنی میں بھی رسائی حاصل تھی اور اس کا شمار سبکتگین کے ذاتی دوستوں میں ہوتا تھا۔ سردار تبریز کی عمر پچاس سال کے قریب تھی اور دو بیویوں سے اس کی کئی اولادیں تھیں۔ سردار تبریز فطرتاً ایک اوباش انسان تو نہیں تھا مگر حُسن پرستی اُس کی عادت تھی۔ اگرچہ سردار تبریز کی دونوں بیویاں خوب صورت تھیں، لیکن نگار خانم سے ان کا کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ سردار تبریز نے کچھ دن پہلے ایک شاہی تقریب میں نگار خانم کو دیکھ لیا تھا اور اسی روز سے وہ اس کے عشق میں مبتلا ہو گیا تھا۔ سردار تبریز، نگار خانم سے شادی کرنا چاہتا تھا اور اس نے کئی بار اسد شیرازی سے بات کرنے کی کوشش بھی کی تھی مگر وہ جھجک کی وجہ سے اپنے دل کی بات زبان پر نہیں لا سکا تھا۔ پھر یکایک پری تگین کی حکومت کا تختہ اُلٹ گیا اور اس انقلابی صورتِ حال نے سردار تبریز کے عشق کی آگ کو کچھ عرصے کے لئے دھیما کر دیا۔ پھر جب اسد شیرازی اور ارمغانہ کی قسمتوں کا فیصلہ ہو گیا تو یہ آگ پوری شدت کے ساتھ دوبارہ بھڑکنے لگی۔ پھر تقدیر نے اسے یہ موقع فراہم کر دیا کہ وہ اسد شیرازی کا مکان خریدنے میں کامیاب ہو گیا۔ سردار تبریز کا منصوبہ تھا کہ وہ نگار خانم کو اس کا آبائی مکان تحفے کے طور پر واپس کر دے گا، پھر وہ سبکتگین کے توسط سے اپنی اس خواہش کا اظہار کرے گا۔ سردار تبریز کو یقین تھا کہ ایک بے سہارا اور تنہا لڑکی، ناخوشگوار حالات کی یلغار سے گھبرا کر اس کی پیشکش کو قبول کر لے گی۔

مگر اس وقت سردار تبریز کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، جب نگار خانم نے اسے سخت لہجے میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کون ہیں؟ اور اس طرح اظہارِ ہمدردی کرنے کا کیا مقصد ہے؟"

"میں تمہارا بہی خواہ ہوں، نگار خانم!" سردار تبریز کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔

"میں آپ کو نہیں پہچانتی۔" نگار خانم کے لہجے کی سختی کچھ اور نمایاں ہو گئی تھی۔ "آپ کو اس فیاضی کے مظاہرے کی جرأت کیسے ہوئی؟ کیا آپ نے میرے پھیلے ہوئے ہاتھ دیکھے تھے؟" نگار خانم کے دل و دماغ غصے کی آگ میں جل اُٹھے تھے۔

"تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو نگار خانم!" سردار تبریز خوشامدانہ لہجے میں بول رہا تھا۔

"میں آپ کو کچھ نہیں سمجھ رہی ہوں۔" نگار خانم کی آواز پہلے سے زیادہ بلند اور درشت ہو گئی تھی۔ "اور جو کچھ سمجھ رہی ہوں، اگر اس کا اظہار کر دوں تو آپ اپنے کریہہ چہرے کو پہچان نہیں سکیں گے۔"

نگار خانم کی جارحانہ گفتگو سن کر سردار تبریز کو سکتہ سا ہو گیا تھا۔ اس کے گمان میں بھی نہ تھا کہ اسد شیرازی کی یہ نرم و نازک لڑکی ایسے آہنی لہجے میں بات کرنے کی عادی ہے۔ ابھی وہ کوئی نیا حیلہ ڈھونڈ رہا تھا کہ نگار خانم کی شرربار آواز دوبارہ اُبھری۔

"آپ یہاں سے فوراً تشریف لے جایئے...... میں کل کسی وقت آپ کا مکان خالی کر دوں گی۔ پھر اپنی یہ قیمتی جاگیر کسی اور ضرورت مند لڑکی کو بخش دیجئے گا۔ غزنی میں بے شمار بے سہارا لڑکیاں رہتی ہیں۔"

سردار تبریز نے اپنی پوری زندگی میں ایسا تحقیر آمیز لہجہ نہیں سنا تھا۔ کچھ دیر تک تو وہ حیرت و سکوت کے عالم میں کھڑا رہا۔ پھر یکایک اس کے اندر کا سردار جاگ گیا۔

"نگار خانم! ہوش و حواس میں رہ کر جینے کی کوشش کرو۔ یہ دیوانگی تمہیں اس سے بھی زیادہ برے دن دکھا سکتی ہے۔" یہ کہہ کر سردار تبریز تیزی کے ساتھ مکان سے نکل گیا۔

سردار تبریز کے جانے کے بعد نگار خانم نے بڑی حسرت سے اپنے آبائی مکان کے در و دیوار پر
ڈالی اور شدید کرب ناک لہجے میں کہنے لگی۔
"میرے بچپن کی یادگارو! میرے روز و شب کے رازدارو! تم سے رشتہ قائم رکھنے کے لئے میں
بڑی قربانی نہیں دے سکتی۔ تم تو گردشِ ماہ و سال سے خوب آشنا ہو۔ تم نے تو اس شخص کو پہچان لیا ہو گا
وہ یہاں کیوں آیا تھا؟" نگار خانم کی آنکھوں سے دو گرم آنسو بہتے ہوئے رخساروں تک پہنچے، پھر
سے گزر کر اس کے سینے میں جذب ہو گئے، جہاں پہلے ہی سے آگ لگی ہوئی تھی۔

❁❁❁❁❁

محمود کی ایک معتبر کنیز، الماس نے اپنے آقا کو اطلاع دیتے ہوئے کہا۔ "سردار تبریز بہت سرشاری
کے عالم میں آئے تھے۔ مگر واپسی کے وقت ان کا چہرہ بگڑا ہوا تھا۔ پھر میں نے نگار خانم سے پوچھا
معلوم ہوا کہ سردار تبریز انہیں یہ مکان تحفے کے طور پر دینا چاہتے تھے۔
"پھر نگار خانم نے کیا کہا؟" محمود بہت زیادہ بے چین نظر آ رہا تھا۔
"نگار خانم نے سختی سے انکار کر دیا۔" محمود کی کنیز اپنے آقا کو تفصیلی روداد سنا رہی تھی۔ "وہ کل
وقت یہ مکان چھوڑ کر کہیں اور چلی جائیں گی۔"
محمود کے چہرے پر کئی رنگ اُبھر اُبھر کر ڈوبتے رہے، وہ دلی طور پر شدید اذیت کا شکار نظر آ رہا تھا
"اچھا الماس! تو میرا ایک کام کر دے۔" آخر طویل خاموشی کے بعد محمود نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔
"آپ حکم دیجئے آقا!" الماس نے اطاعت و فرمانبرداری کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔
"اگر تجھی تو کسی آزمائش میں پڑ گئی؟" محمود نے اپنے دل کی بات کہنے سے پہلے ایک نیا سوال
ڈالا۔
"تو آقا اس ناتواں کنیز کو بہت زیادہ ثابت قدم پائیں گے۔" الماس نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔
محمود نے ستائشی نظروں سے الماس کی طرف دیکھا اور سرگوشی کے انداز میں کہنے لگا۔ "تو آج رات
کسی طرح نگار خانم سے میری ملاقات کرا دے۔"
الماس اپنے آقا کی بات سن کر ایک بار پھر نگار خانم کے مکان کی طرف چلی گئی۔ اور جب اس نے
نگار خانم کے سامنے محمود کی خواہش کا اظہار کیا تو کچھ دیر کے لئے کمرے کی فضا پر گہرا سکوت چھا گیا
الماس نے دیکھا کہ نگار خانم کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا اور شرم و حیا کے مارے اس کی گھنیری پلکیں
جھک گئی تھیں۔ پھر وہ گلابی رنگت آہستہ آہستہ زردی میں تبدیل ہونے لگی۔ اور نگار خانم کی آنکھوں سے
ہلکا خوف جھانکنے لگا۔
"اپنے آقا سے کہنا کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔"
الماس بہت دیر تک نگار خانم کو سمجھاتی رہی اور جب اسد شیرازی کی بیٹی کسی طرح بھی محمود سے ملنے
کے لئے آمادہ نہیں ہوئی تو الماس نے انتہائی اثر انگیز لہجے میں کہا۔ "کیا آپ یہ چاہتی ہیں کہ صاحب
زادہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھیں اور ان کی محترم ذات، اہلِ غزنی کی نظروں میں تماشا بن کر رہ جائے"
"نہیں الماس!" نگار خانم کو محسوس ہوا کہ اس کے دل میں درد کی ایک تیز لہر سی اُٹھ رہی ہے۔ اور
وہ درد کی شدت سے تڑپ اُٹھی۔ "میں بھی تو چاہتی ہوں کہ صاحب زادے، میری خاطر تماشہ نہ بنیں

"آپ کے انکار کے بعد ان کا تماشا بن جانا یقینی ہے۔" الماس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے
ہوئے کہا۔
"پھر میں کیا کروں؟" نگار خانم نے گھبرا کر الماس کے کاندھے پر سر رکھ دیا اور بے اختیار رونے لگی۔
"آپ آقا سے صرف ایک ملاقات کر لیجئے۔" الماس نے نگار خانم کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔ "وہ
آپ کے بے گھر ہو جانے سے بہت پریشان ہیں۔ انہیں کسی طرح مطمئن کر دیجئے، پھر یہ طوفان ٹھہر
جائے گا۔"
نگار خانم بہت دیر تک اس مسئلے کے نشیب و فراز پر سوچتی رہی۔ کبھی وہ اُٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگتی،
کبھی اس کے کانوں میں امیر سبکتگین کی پُرجلال آواز گونجنے لگتی...... اور کبھی آنکھوں کے سامنے محمود کا
پریشان چہرہ اُبھر آتا۔ آخر اُس نے کنیز الماس کے سامنے سر جھکا کر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔

❁❁❁❁❁

نصف شب کے قریب نگار خانم کے مکان کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ وہ تنہا لڑکی بہت دیر
سے سبزہ زار میں ٹہل رہی تھی۔ آج نگار خانم طویل و عریض مکان میں اکیلی تھی۔ اسد شیرازی کے تمام
ملازمین و خدمت گار پہلے ہی رخصت ہو چکے تھے۔ اس کی جگہ کوئی اور دوشیزہ ہوتی تو تنہائی کے خوف سے
یا تو مکان چھوڑ کر جا چکی ہوتی یا پھر اپنے آپ کو کسی محفوظ کمرے میں قید کر لیتی۔ مگر نگار خانم ایک انتہائی
شجاع اور حوصلہ مند لڑکی تھی، اسی وجہ سے وہ تنہا سبزہ زار پر ٹہل کر محمود کا انتظار کر رہی تھی۔
پھر جیسے ہی دروازے پر دستک ہوئی، نگار خانم نے قریب پہنچ کر آنے والے کو مخاطب کرتے ہوئے
کہا۔ "کون ہے؟" اگرچہ وہ جانتی تھی کہ آنے والا، محمود کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ لیکن پھر بھی اس
نے احتیاط کے طور پر آنے والے کے متعلق تصدیق کر لینا ضروری سمجھا تھا۔ کیونکہ وہ سردار تبریز کی طرف
سے مطمئن نہیں تھی۔ اس نے رخصت ہوتے وقت سردار تبریز کی آنکھوں میں عجیب سے سائے دیکھے تھے۔
"میں ہوں۔" جواب میں ایک نسوانی آواز اُبھری۔ نگار خانم نے فوراً ہی اس آواز کو پہچان لیا۔ وہ
محمود کی کنیز، الماس کی آواز تھی۔
نگار خانم نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ پہلے مکان میں الماس داخل ہوئی اور تیزی سے بائیں
جانب ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے بعد محمود اندر آیا اور الماس نے دروازہ بند کر دیا۔
نگار خانم نے بڑی مشکل سے اپنے دھڑکتے ہوئے دل پر قابو پایا اور آہستہ آہستہ نظریں اٹھا کر
دیکھا۔ محمود عام سے لباس میں اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی نقاب نہیں تھا۔ نگار خانم،
محمود کی یہ جرأت دیکھ کر حیران رہ گئی۔
"کسی نے آپ کو اس طرف آتے ہوئے تو نہیں دیکھا؟" نگار خانم کی آواز لرز رہی تھی اور نظریں جھکی
ہوئی تھیں۔
"نگار خانم!" محمود کی آواز میں بھی ہلکا سا ارتعاش تھا۔ "میں صرف چند لمحوں کے لئے یہاں آیا
ہوں۔ براہِ کرم کسی کمرے میں تشریف لے چلئے...... یہ جگہ ان باتوں کے لئے مناسب نہیں۔"
نگار خانم چپ چاپ آگے بڑھی اور محمود اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ محمود نے دیکھا کہ نگار خانم چلتے
چلتے لڑکھڑانے لگتی تھی اور پھر سنبھل جاتی تھی۔

فانوس کی تیز روشنی میں محمود نے نگار خانم کی طرف دیکھا اور اس کے دل کی دھڑکنیں بے ربط ہو گئیں۔ ''میں نے الماس سے سنا ہے کہ آپ یہ مکان چھوڑ کر جا رہی ہیں؟'' محمود رک رک کر بول رہا تھا۔ اسے بات کرنے میں بہت زیادہ دُشواری پیش آ رہی تھی۔ اگرچہ محمود ایک بے باک نوجوان تھا لیکن نگار خانم کی موجودگی نے اُس کی جرأتِ گفتار چھین لی تھی۔

''جی ہاں! میں کل کسی وقت یہاں سے چلی جاؤں گی۔'' نگار خانم نے بدستور نظریں جھکائے ہوئے کہا۔ وہ اتنے قریب سے اپنے محبوب کا چہرہ دیکھنے کے لئے بے چین تھی مگر شرم و حیا سے بار بار روک لیتی تھی۔

''یہاں سے نکل کر کہاں جائیں گی؟'' محمود نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

''کہیں بھی۔'' نگار خانم کی نظریں ایرانی قالین پر مرکوز تھیں۔ ''اللہ کی زمین بہت وسیع ہے۔'' بظاہر نگار خانم نے بڑی ہمت کا مظاہرہ کیا تھا، لیکن پھر بھی اس کی آواز سے دل کا درد جھلک رہا تھا۔

''مگر میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔'' اچانک محمود کا لہجہ بدل گیا تھا اور اس کی آواز سے شاہانہ جلال کی بارش ہونے لگی تھی۔

نگار خانم نے گھبرا کر محمود کی طرف دیکھا۔ شرم و حیا کی نازک دیوار یکایک گر گئی تھی۔ ''آپ ایسا نہیں کریں گے۔'' نگار خانم نے آہستہ سے کہا۔ اب اُس کی نظریں مسلسل محمود کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

''کیوں؟'' محمود کے لہجے میں ہلکی سی جھنجلاہٹ تھی۔ ''آخر آپ مجھ پر یہ پابندی کیوں عائد کر رہی ہیں؟''

''اس لئے کہ آپ سے میرا کوئی رشتہ نہیں ہے۔'' یہ کہتے کہتے نگار خانم کے چہرے پر ایک عجیب سی اُداسی چھا گئی۔ ''اہلِ دنیا اس ہمدردی کو نہ جانے کیسے کیسے مفہوم پہنائیں گے۔''

''یہ ہمدردی نہیں ہے نگار خانم!'' محمود نے بلند آواز میں کہا۔

''پھر کیا ہے؟'' اچانک نگار خانم کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اور اس کے سینے میں دبی ہوئی خواہش پوری شدت سے بیدار ہو گئی۔ وہ محمود کی زبان سے صرف ایک لفظ سننے کے لئے بے قرار تھی۔ اور آج رات اس کی زندگی کا وہی نازک ترین لمحہ آ گیا تھا۔

''یہ...... ہمدردی...... نہیں ہے......'' محمود کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔ ''میں خود بھی...... نہیں جانتا کہ یہ...... کیا ہے؟...... مگر...... ہمدردی...... نہیں ہے...... میں کسی بھی...... حال میں...... تمہیں پریشان...... نہیں دیکھ سکتا...... نگار خانم......!'' محمود اپنی محبت کا اظہار کرنا چاہتا تھا مگر زبان اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ ''شاید یہ اس لمحے کا قرض ہے جب آپ میری عیادت کے لئے آئی تھیں۔''

نگار خانم، وا آنکھوں سے محمود کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ ''اُس لمحے کا قرض؟'' یکایک نگار خانم کا چہرہ بجھنے لگا۔ ''پھر وہ قرض تو آپ نے اُتار دیا...... میں نے بھی چند الفاظ اپنی زبان سے ادا کئے تھے...... آپ نے بھی چند الفاظ دہرا دیئے، حساب برابر ہو گیا۔'' یہ کہتے کہتے نگار خانم کا شفق رنگ چہرہ دھواں ہو گیا۔ محمود اس سے اظہارِ ہمدردی کے لئے آیا تھا۔ ایسے موقع پر کوئی شخص بھی آ سکتا تھا۔ نگار خانم جلتے ہوئے ذہن کے ساتھ سوچ رہی تھی۔ سردار تبریز بھی تو اس سے ہمدردی کا اظہار کرنے آیا تھا۔ پھر محمود اور سردار تبریز میں کیا فرق ہے؟ نگار خانم کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

''وہ قرض ابھی ادا نہیں ہوا۔'' نگار خانم کی سماعت سے محمود کی آواز ٹکرائی۔ ''میں ایک سپاہی ہوں نگار خانم! اس لئے مجھے شمشیر و سناں کی زبان آتی ہے۔''

نگار خانم نے چونک کر محمود کی طرف دیکھا۔ اس کی کشادہ آنکھوں میں عجیب سا رنگ نمایاں ہو گیا تھا۔

''میں آپ کی طرح خوب صورت الفاظ کا استعمال نہیں کر سکتا۔'' محمود انتہائی جذباتی لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ''مگر یہ حقیقت ہے کہ میں اپنے ماں باپ کے بعد اس دنیا میں سب سے زیادہ آپ کو چاہتا ہوں۔ اسی لئے میری خواہش ہے کہ آپ عزت و سکون کے ساتھ اس گھر میں رہیں۔ میں آپ کو در بدر نہیں ہونے دوں گا۔''

نگار خانم نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ ایک لفظ، جسے سننے کے لئے نگار خانم اکثر راتوں کو جاگا کرتی تھی، آج اسی لفظ کی سرور آمیز موسیقی نے اس کے پورے وجود کو خمار و نشاط کی تیز لہروں میں ڈبو دیا تھا۔ سرشاری کی یہ کیفیت اتنی شدید تھی کہ نگار خانم ایک لمحے کے لئے لڑکھڑائی۔ پھر اس نے اپنے قریبی ستون کا سہارا لیا اور اس سے سر ٹیک دیا۔

''بس، میرے لئے آپ کا یہ اقرار کافی ہے۔'' آہستہ آہستہ نگار خانم کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔ وہ ادھ کھلی آنکھوں سے محمود کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ''آپ اس سلسلے میں کوئی قدم نہ اُٹھائیں۔ اب مجھے یہ بے گھری بھی قبول ہے۔''

''آخر کیوں؟'' محمود نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔

''میں آپ کی رُسوائی سے ڈرتی ہوں۔'' نگار خانم، محمود کو کس طرح بتاتی کہ امیر سبکتگین نے اس پر کتنی ہولناک پابندیاں عائد کر دی ہیں۔

''جب انسان کا دل صاف ہو تو رُسوائی کیسی؟'' محمود نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

نگار خانم اسے روکنا چاہتی تھی مگر اس خوف سے چپ رہی کہ اس کے ہونٹوں کی ایک جنبش باپ اور بیٹے کے درمیان رنجش و اختلاف کی ایک آہنی دیوار کھڑی کر دے گی۔

❀❀❀❀❀

دوسرے دن محمود، سردار تبریز سے ملا اور کسی تمہید کے بغیر کہنے لگا۔ ''یہ میری خواہش ہے کہ تم اسد شیرازی کا مکان میرے ہاتھ فروخت کر دو۔''

''صاحب زادے! میں نے یہ مکان زیادہ فائدہ حاصل کرنے کے لئے نہیں خریدا ہے۔'' سردار تبریز بہت سرد لہجے میں بول رہا تھا۔ اسے مقدمے کی کارروائی کے دوران ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ محمود، اسد شیرازی کی بیٹی نگار خانم میں غیر معمولی دلچسپی لے رہا ہے۔

محمود کو سردار تبریز کا یہ اندازِ گفتگو پسند نہیں آیا تھا۔ ''تم مجھے پہچانتے ہو؟'' محمود کا لہجہ بہت تلخ تھا۔

''صاحب زادے! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟'' سردار تبریز بڑی بے حسی کے ساتھ مسکرا رہا تھا۔ ''آپ کو کون نہیں جانتا؟''

''پھر تمہیں میری طاقت کا بھی اندازہ ہوگا۔'' محمود حاکمانہ لہجے میں بول رہا تھا۔ ''میں تم سے یہ مکان چھین بھی سکتا ہوں اور اس طرح کہ یہاں تمہاری فریاد سننے والا بھی کوئی نہیں ہوگا۔''

''بے شک! آپ ایسا کر سکتے ہیں۔'' سردار تبریز کی مسکراہٹ بدستور تھی۔ ''مگر میں آخری سانس

تک اپنی اس جاگیر سے دستبردار نہیں ہوں گا۔"

"میں تمہیں بہت جلد دیکھوں گا سردار تبریز!" یہ کہہ کر محمود چلا گیا۔

محمود کے جاتے ہی سردار تبریز نے سارا واقعہ امیر سبکتگین کے گوش گزار کر دیا۔

سبکتگین بہت دیر تک سکتے کے عالم میں بیٹھا رہا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ نگار خانم کے سلسلے میں محمود اس حد تک پہنچ جائے گا۔

سردار تبریز نے بڑی عیاری سے سبکتگین کے اعصاب پر ایک اور ضرب لگائی۔ "گھر کی خبر لیجئے! آپ کے جاہ و جلال کی فلک بوس عمارت میں بہت گہرا شگاف پڑ گیا ہے۔ غزنی کے تابناک مستقبل پر ایک لڑکی نے شب خون مار دیا ہے۔"

"تم نے ٹھیک کہا تبریز!" سبکتگین کے ہونٹوں کو آہستہ آہستہ جنبش ہوئی۔ "ہم تمہارے شکر گزار ہیں کہ تم نے بروقت ہمیں ایک خوفناک طوفان کی آمد کی اطلاع دے دی۔"

پھر غزنی کے باشندوں نے سردار تبریز کے ملازموں کو اسد شیرازی کے مکان میں داخل ہوتے اور برقع پوش خاتون کو چھوٹی سی گٹھڑی اُٹھائے باہر نکلتے دیکھا۔

یہ برقع پوش خاتون، نگار خانم تھی۔ جس کے ہاتھ میں استعمال کے چند کپڑے تھے...... وہ تیز قدم اُٹھاتی ہوئی اس مسجد کی طرف جا رہی تھی، جہاں نظام شاہ مقیم تھے۔

سردار تبریز کے جاسوس مسلسل نگار خانم کا تعاقب کر رہے تھے اور نگار خانم بہت تیز رفتاری کے ساتھ قدم اٹھا رہی تھی، تاکہ وہ جلد از جلد نظام شاہ تک پہنچ جائے۔ اس دوران نگار خانم نے ایک جگہ رک کر راہ گیروں سے اس مسجد کا پتہ پوچھا، جہاں نظام شاہ قیام پذیر تھے۔ یہ مسجد، نگار خانم کے مکان سے کئی کوس کے فاصلے پر واقع تھی مگر اس کے آہنی قدموں کے نیچے یہ فاصلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ وہ اپنے گرد و پیش سے بے نیاز، مسجد کی جانب بڑھی جا رہی تھی۔ سردار تبریز کے جاسوسوں نے اپنے آقا کے حکم کے مطابق ایک مخصوص فاصلہ قائم کر رکھا تھا، تاکہ نگار خانم کو اس تعاقب کا پتہ نہ چل سکے۔

دوسری طرف محمود، سردار تبریز کے انکار سے مایوس ہونے کے بعد اور زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ نگار خانم جیسی خوددار لڑکی، سردار تبریز کی اس بھیک کو قبول نہیں کرے گی اور آج کسی بھی وقت وہ اپنا آبائی مکان چھوڑ کر کہیں چلی جائے گی۔

"ایک خوب صورت اور تنہا لڑکی، اجنبیوں کے شہر میں کہاں جا سکتی ہے؟"

محمود نے بار بار اپنے آپ سے یہ سوال کیا مگر اس کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

جب محمود کی ذہنی کشمکش حد سے زیادہ بڑھ گئی تو وہ قصر شاہی سے نکل کر اسد شیرازی کے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔ نگار خانم کے قیام کا مسئلہ حل کرنے کے لئے اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی تھی کہ آج کے دن نگار خانم اپنے مکان میں ٹھہر جائے۔ پھر وہ امیر سبکتگین سے کہہ کر نگار خانم کو قصر شاہی میں منتقل کرا دے گا۔ اس خیال سے محمود کو کسی قدر سکون حاصل ہوا تھا اور وہ تیز رفتاری کے ساتھ اسد شیرازی کے مکان کی طرف جا رہا تھا۔ مگر جب محمود وہاں پہنچا تو یہ دیکھ کر کچھ دیر کے لئے ہوش و حواس گم ہو گئے کہ مکان پر سردار تبریز کے ملازمین قابض ہو چکے تھے اور نگار خانم کہیں جا چکی تھی۔

"تم لوگوں نے اسے یہاں سے نکال دیا؟" محمود نے چیخ کر کہا۔

"نہیں آقا!" سردار تبریز کے ملازمین نے کانپتی ہوئی آوازوں میں کہا۔ "ہم یہ جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ نگار خانم خود ہی جانے کے لئے تیار کھڑی ہوئی تھیں۔ پھر جیسے ہی ہم لوگ مکان میں داخل ہوئے، وہ کسی سے کچھ کہے بغیر یہاں سے نکل کر چلی گئیں۔"

"تم لوگ جانتے ہو کہ وہ کہاں گئی ہیں؟" محمود ایک بار پھر ہذیانی انداز میں چیخا۔

"نہیں آقا!" سردار تبریز کے ملازمین بری طرح کانپ رہے تھے۔ "اگر پہلے سے ہمیں حکم دیا جاتا تو ہم اس بات پر بھی نظر رکھتے۔"

سردار تبریز کے ملازمین سے اب کوئی نیا سوال کرنا بے سود تھا۔ وہ حکم کے غلام تھے، انہیں کیا معلوم کہ نگار خانم کون تھی اور اس بے چارگی کے عالم میں وہ کہاں چلی گئی؟ یہ سوچ کر محمود، قصر شاہی کی طرف پلٹا۔ وہ اسی وقت اپنے باپ امیر سبکتگین سے مل کر نگار خانم کے مسئلے کو حل کرنا چاہتا تھا۔ مگر جب محمود، قصر شاہی پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ دربار ابھی تک جاری ہے۔ اور دربار کے برخاست ہونے سے پہلے امیر سبکتگین سے اس موضوع پر کوئی گفتگو نہیں ہو سکتی تھی۔ دن آہستہ آہستہ ڈھلتا جا رہا تھا اور محمود کی خواہش تھی کہ رات ہونے سے قبل نگار خانم کے قیام کا کوئی مناسب بندوبست ہو جائے۔ اس خیال سے اس کی وحشت کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ پھر اسی وحشت زدگی کے عالم میں وہ اپنی والدہ کے حضور پہنچا۔

"مادرِ گرامی! آپ سے ایک درخواست ہے۔" محمود نے بڑے عاجزانہ لہجے میں کہا۔

غزنی کی ملکہ نے بہت غور سے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا۔ "کہو فرزند! کیا بات ہے؟ تم بہت زیادہ پریشان نظر آ رہے ہو۔"

"میں، نگار خانم کے سلسلے میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔" محمود نے رُک رُک کر کہا۔

نگار خانم کے ذکر پر غزنی کی ملکہ چونک اُٹھی۔ "تم اس لڑکی کے بارے میں کیا کہنا چاہتے ہو؟" ملکۂ غزنی کے ماتھے پر کئی بل پڑ گئے تھے۔

"وہ گھر سے بے گھر کر دی گئی، مادرِ محترم!" محمود نے فریادیوں کے سے انداز میں کہا۔

"اس میں کسی کا کیا قصور ہے؟" ملکۂ غزنی کا لہجہ بے نیازانہ تھا۔ "جب اسد شیرازی نے اپنا مکان، سردار تبریز کے ہاتھوں فروخت کر دیا تو پھر نگار خانم کی ملکیت کہاں باقی رہ جاتی ہے؟" محمود کی والدہ نے نگار خانم کی بے گھری کا منطقی جواز پیش کرتے ہوئے کہا۔ "اب اپنے آبائی مکان میں اس کے قیام کی ایک ہی صورت ہے کہ سردار تبریز، نگار خانم کو بحیثیت کرایہ دار قبول کر لے۔"

"مادرِ گرامی!" محمود نے تیز آواز میں کہا۔ "آپ صورتِ حال سے پوری طرح باخبر نہیں۔ سردار تبریز بہت برا انسان ہے۔ اس نے نگار خانم کو اپنے مکان میں قیام کی پیشکش کی تھی، مگر اس کے ساتھ ہی اس نے ایک بے سہارا لڑکی سے اپنی بخشی ہوئی رعایت کا سود بھی طلب کیا تھا۔"

"خاموش ہو جاؤ محمود!" ملکۂ غزنی نے ڈانٹنے کے سے انداز میں کہا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اپنی ماں کے روبرو اس قدر گستاخانہ لہجے میں گفتگو کرو گے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ سردار تبریز تمہارے باپ کے گہرے اور قریبی دوست ہیں؟ اور پھر عمر کے لحاظ سے بھی وہ تمہارے لئے ایک بزرگ کا درجہ رکھتے ہیں۔"

محمود نے گھبرا کر سر جھکا لیا۔

''میں اپنے لہجے کی بے باکی پر بہت شرمندہ ہوں اُمِ محترم! مگر مجھ سے نگار خانم کی دربدری دیکھی نہیں جاتی۔ اسی لئے میں نے مادرِ مہربان کی خدمت میں درخواست پیش کی ہے کہ ملکۂ غزنی اپنے اقتدار کی طاقت استعمال کر کے اس لاوارث لڑکی کو خانہ بدوش ہونے سے بچالیں۔'' محمود کے لہجے سے دل کا درد جھلک رہا تھا۔ ''میں نے سردار تبریز سے کہا تھا کہ وہ نگار خانم کا آبائی مکان میرے ہاتھ فروخت کر دے مگر اس پر وہ آمادہ نہیں ہوا۔ اب میری التجا ہے کہ آپ اس معاملے میں مداخلت کریں۔ شاید بابا جان اپنے دوست کی حمایت میں میری درخواست قبول نہ فرمائیں۔ اب میری اُمیدوں کا مرکز ایک ملکۂ عالیہ کی ذات ہی رہ گئی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مادر ملکہ اپنی شفقتوں اور کرم نوازیوں سے ایک درخواست گزار بیٹے کو محروم نہیں کریں گی۔''

ایک لمحے کے لئے محمود کی اثر انگیز گفتگو سن کر ملکۂ غزنی کا دل بے قابو ہو گیا مگر فوراً ہی اس مدبر عورت نے اپنی جذباتی کیفیت کو نظر انداز کر دیا۔ ''محمود! تم ہماری اجازت کے بغیر ایک اجنبی لڑکی کے لئے اس حد تک چلے گئے؟'' ملکۂ غزنی نے ناگوار لہجے میں کہا۔ ''تمہارے اس طرزِ عمل پر ہمیں حیرت بھی ہے اور افسوس بھی۔ ہم جاننا چاہتے ہیں کہ آخر تم نگار خانم میں اس قدر دلچسپی کیوں لے رہے ہو؟''

والدہ کے اس اچانک سوال پر چند لمحوں کے لئے محمود گھبرا سا گیا۔ پھر اُس نے اپنے اعصاب پر قابو پاتے ہوئے بہت آہستہ لہجے میں کہا۔ ''مادر گرامی! نگار خانم میری ہمدرد ہے۔ اس لئے میں بھی اسے برے وقت میں تنہا چھوڑنا نہیں چاہتا۔'' محمود نے بڑی سادگی اور سچائی سے اپنے جذبات کی ترجمانی کر دی تھی۔

''ہرگز نہیں۔'' اچانک ملکۂ غزنی کا لہجہ غضب ناک ہو گیا تھا۔ ''وہ تمہاری ہمدرد نہیں ہو سکتی۔ اسے صرف اپنی ذات سے دلچسپی ہے۔ وہ تمہاری سادہ لوحی اور کم عمری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ایک خوفناک کھیل کھیل رہی ہے۔''

''کیسا خوفناک کھیل؟'' محمود نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

''یہ ساری باتیں تمہیں تمہارے باپ بتائیں گے۔'' ملکۂ غزنی نے مشتعل بیٹے کے جذبات کو سرد کرنے کے لئے کہا۔

''مگر میں آپ سے نگار خانم کے بارے میں بات کر رہا ہوں۔'' محمود نے ملکۂ غزنی کے تبصرے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ ''اس کا مسئلہ فوری طور پر حل طلب ہے۔''

''میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتی فرزند!'' ملکۂ غزنی نے صاف صاف کہہ دیا۔ وہ محمود کے دل میں اُٹھنے والے جذباتی طوفان کے زور کو اسی وقت توڑ دینا چاہتی تھی۔

''آپ اتنا تو کر سکتی ہیں کہ اپنے حکم سے نگار خانم کو عارضی طور پر قصرِ شاہی میں ٹھہرنے کی اجازت دے دیں۔'' محمود نے اپنی دانست میں اس مسئلے کا ایک معقول حل پیش کر دیا تھا۔

''میں تمہارے بابا جان کی اجازت کے بغیر یہ کام بھی نہیں کر سکتی۔'' ملکۂ غزنی نے نگار خانم کے سلسلے میں مکمل طور پر بے حسی اختیار کر لی تھی۔

''آخر بابا جان، سرزمین غزنی پر اس بے گناہ اور معصوم لڑکی کا وجود برداشت کیوں نہیں کر لیتے؟'' یکا یک محمود کے چہرے پر ناگواری کا رنگ اُبھر آیا تھا۔

ملکۂ غزنی نے چاہا کہ وہ بیٹے کے سامنے سارے سنگین حقائق بیان کر دے، مگر پھر کچھ سوچ کر اس نے بات کا رخ بدل دیا۔ ''یہ سوال تم اپنے بابا جان سے کرو۔ وہی تمہیں اس کا جواب دیں گے۔ لیکن اتنا ضرور سن لو کہ تم آئندہ نگار خانم سے کوئی تعلق نہیں رکھو گے۔''

محمود اس ذیل میں اپنی والدہ سے مزید سوال کرنا چاہتا تھا کہ امیر سبکتگین اپنی حرم سرا میں داخل ہوا۔ ملکۂ غزنی کے چہرے پر ناگواری کی علامت دیکھ کر اسے حیرت ہوئی۔ پھر اس نے محمود کی طرف دیکھا، جو سر جھکائے بیٹھا تھا۔ امیر سبکتگین کی ذہانت اور تیز نگاہی نے چند لمحوں میں صورتِ حال کو سمجھ لیا۔

''میں فضا میں بہت بڑی تبدیلی محسوس کر رہا ہوں۔ آخر اس کی وجہ؟'' امیر سبکتگین نے اپنی بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

ملکۂ غزنی اسی موقع کی تلاش میں تھی، اس نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر شوہر سے کہنا شروع کر دیا تھا۔ ''صاحبزادے کو نگار خانم کی بے گھری کی فکر ستا رہی ہے۔''

یہ سن کر امیر سبکتگین کی بھنویں کھنچ گئیں اور ماتھے پر کئی بل پڑ گئے۔ ''محمود! یہ میں کیا سن رہا ہوں؟'' امیرِ غزنی نے بلند آواز میں کہا۔ ''سردار تبریز بھی مجھ سے شکایت کر رہے تھے کہ تم نے ان سے بہت گستاخانہ انداز میں گفتگو کی ہے۔''

سردار تبریز نے غلط بیانی سے کام لیا۔'' محمود کے لہجے میں خوف یا پریشانی کا ہلکا سا شائبہ تک نہ تھا۔ ''میں نے ان سے نہایت ادب کے ساتھ گزارش کی تھی کہ وہ اسد شیرازی کا مکان میرے ہاتھ فروخت کر دیں مگر وہ اپنی دولت سے سرشار تھے، اس لئے انہوں نے بڑی بے رحمی کے ساتھ میری درخواست کو مسترد کر دیا۔ آخر میں، امیرِ غزنی کا فرزند ہوں، مجھ سے اپنی یہ توہین برداشت نہیں ہوئی۔ پھر میری زبان بھی دراز ہو گئی۔ لیکن آپ یقین کریں کہ اس جارحیت کی ابتدا خود سردار تبریز نے کی تھی۔ وہ ایک لاوارث لڑکی کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ مگر بابا جان! میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔'' محمود کے لہجے سے کھلی ہوئی بغاوت کا اظہار ہو رہا تھا۔

بیٹے کا طرزِ گفتگو دیکھ کر امیر سبکتگین سناٹے میں آ گیا۔ اس نے قبل از وقت جس طوفان کو روکنے کی کوشش کی تھی، وہی طوفان اپنی تمام تر ہولناکیوں کے ساتھ اُس کی پُرسکون زندگی کے ساحل پر نمودار ہو چکا تھا۔ امیر سبکتگین بہت دیر تک اپنے خیالات میں گم رہا اور پھر محمود کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

'فرزند! میں سمجھتا تھا کہ تم اپنے باپ کے حکم پر آنکھیں بند کر کے عمل پیرا رہو گے۔ مگر اب محسوس ہوتا ہے کہ تمہارے دماغ میں کچھ اندیشے سر اُبھار رہے ہیں...... اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم سے صاف صاف باتیں کروں اور تمہیں زمانے کی عیاریوں کے بارے میں سب کچھ بتا دوں۔''

اس کے بعد سبکتگین نے بیٹے کے سامنے اسد شیرازی کی بیشتر سازشوں کی تفصیل بیان کر دی۔ بس اپنے اور ارمغانہ کے تعلقات کا ذکر نہیں کیا۔

''فرزند! نگار خانم اُس اسد شیرازی کی بیٹی ہے، جس نے بچپن میں دو بار تمہیں زہر دلوانے کی کوشش کی تھی۔''

باپ کی زبان سے یہ انکشاف سن کے محمود کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔

''بیٹے! میں نگار خانم کا دشمن نہیں...... مگر باپ کے دل سے مجبور ہوں۔'' امیر سبکتگین کی آواز بھی

شدتِ جذبات سے مغلوب نظر آ رہی تھی۔ "پھر تم ہی بتاؤ کہ میں نگار خانم پر کس طرح اعتبار کر لوں؟"

"مگر مجھے یہ زہر نگار خانم نے نہیں دیا تھا۔" کچھ دیر بعد محمود حیرت اور پریشانی کے حلقۂ اثر سے باہر نکل آیا تھا۔

"اب میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ اس دینے کے رہنے والے کون ہیں اور اپنے چہرے پر کیسے کیسے نقاب ڈالے ہوتے ہیں۔" امیر سبکتگین نے جذباتی بیٹے کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "میں نے تم سے کچھ دن پہلے وعدہ لیا تھا کہ تم شمشیروں کی جھنکار کے سوا کوئی آواز نہیں سنو گے۔ مگر آج تمہاری طرف سے عہد شکنی کا بھرپور مظاہرہ ہو رہا ہے اور تم پورے انہماک کے ساتھ چوڑیوں کی کھنک اور پازیب کی جھنکار سن رہے ہو۔"

"میں کوئی آواز نہیں سن رہا ہوں امیرِ معظم!" محمود نے نہایت ادب و احترام کے لہجے میں کہا۔ "اور نہ میں نے عہد شکنی کی ہے۔ میں آپ کے حوالے سے اس گناہ کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

"پھر اس لڑکی کی حمایت کیوں کر رہے ہو جسے تمہارا باپ پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھتا؟" امیر سبکتگین نے کسی قدر تلخ لہجے میں کہا۔

"وہ میری ہمدرد ہے، بابا جان!" محمود نے کسی جھجک کے بغیر کہا۔ "اور میں اپنے ہمدردوں کو گردش کے وقت تنہا نہیں چھوڑتا۔"

"تو پھر اپنے ماں باپ کو تنہا چھوڑ دو۔" امیر سبکتگین نے شدید جذباتی لہجے میں کہا۔ "اس دنیا کی ایک رسم یہ بھی ہے فرزند! کہ نوجوان اولاد کسی عورت کی خاطر ماں باپ کو ٹھکرا دیتی ہے۔ تم بھی ایسا کر سکتے ہو۔ اب تمہیں کوئی نہیں روکے گا۔" یہ کہہ کر امیر سبکتگین واپس جانے کے لئے مڑا۔ "میں سردار تبریز سے کہہ دوں گا۔ تم چاہو تو وہ مکان خرید کر نگار خانم کو دے سکتے ہو۔" یہ کہتے کہتے امیر سبکتگین کا چہرہ دھواں ہو گیا تھا۔ "شاباش فرزند!" اچانک سبکتگین نے پلٹ کر محمود کی طرف دیکھا۔ "تم نے فرزندی کا حق ادا کر دیا۔" امیرِ غزنی کے لہجے میں بڑا کرب تھا۔ پھر وہ کسی شکست خوردہ انسان کی طرح سر جھکائے آہستہ آہستہ چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

باپ کی یہ جذباتی حالت دیکھ کر محمود سناٹے میں آ گیا تھا۔ اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ صورتِ حال اچانک اتنی تیزی سے بدل جائے گی۔

شوہر کے جاتے ہی ملکۂ غزنی نے چیخ کر کہا۔ "محمود! اب تمہیں کس چیز کا انتظار ہے؟ باپ کی شکست پر اپنی فتح کا جشن مناؤ۔ اپنے ہمدردوں کا ساتھ دو اور ماں باپ کو چھوڑ کر چلے جاؤ۔"

"میرا یہ مقصد نہیں تھا، مادرِ گرامی!" ماں باپ کو ناراض پا کر محمود بدحواس ہو گیا۔

"میں نہیں جانتی تھی کہ تم اپنے باپ سے عہد کر کے اس طرح پھر جاؤ گے۔" ملکۂ غزنی کے لہجے میں غصہ بھی شامل تھا اور شدید کرب بھی۔ "اب جبکہ تم نے اپنا عہد توڑ ہی دیا ہے تو پھر یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ نگار خانم کو لے کر کہیں دُور چلے جاؤ۔ ہم تمہارے بغیر بھی جی لیں گے۔ ہمیں ہر حال میں جینا آتا ہے۔" یہ کہتے کہتے ملکۂ غزنی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

محمود اس جذباتی صورتِ حال کو برداشت نہ کر سکا۔ وہ تیزی سے اُٹھا اور ماں کے قدموں سے لپٹ گیا۔ "ام محترم! میں آپ کو چھوڑ کر کہاں جاؤں گا؟ اور چلا بھی گیا تو زندہ کس طرح رہوں گا؟"

"تمہاری زندگی کے لئے اسد شیرازی کی بیٹی نگار خانم کافی ہے۔" ملکۂ غزنی نے انتہائی طنز آمیز لہجے میں کہا۔

"دنیا کی ہر شے آپ کے بعد ہے۔ آپ سے پہلے کوئی نہیں۔" ملکۂ غزنی کے پیروں پر محمود کی گرفت مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔

"نہیں فرزند!" ملکۂ غزنی کے لہجے میں وہی سختی تھی۔ "اب وقت آ گیا ہے کہ تم کسی ایک نتیجے پر پہنچ جاؤ۔ تمہاری روز روز کی یہ طفلانہ حرکتیں، تمہارے ماں باپ کا ذہنی سکون بھی غارت کر دیں گی اور مملکتِ غزنی کے تابناک مستقبل پر بھی گہری سیاہی پھیر دیں گی۔"

"نہیں مادرِ گرامی! ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔" محمود نے والدہ کے قدموں سے لپٹتے ہوئے کہا۔ "میری وجہ سے نہ آپ کا ذہنی سکون تباہ ہوگا اور نہ غزنی کا مستقبل اندھیروں میں ڈوبے گا۔"

"مگر جب تک نگار خانم درمیان میں موجود ہے، اس وقت تک ہمارا ذہنی سکون بھی محال ہے اور مملکتِ غزنی کا مستقبل بھی غیر محفوظ۔" اس جذباتی ضرب سے بیٹے کو ٹوٹتا دیکھ کر ملکۂ غزنی نے کچھ اور [illegible]ت اختیار کر لی تھی۔

محمود، ماں کے قدموں کو چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ "میں نگار خانم کو درمیان سے ہٹا دوں گا، مگر آپ کو [illegible]ں نہیں کروں گا۔"

جذباتی رشتوں کے اس محاذ پر بیٹے کو پسپا ہوتے دیکھ کر ملکۂ غزنی کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہی تھی۔ مگر پھر بھی اس نے اپنے چہرے پر مصنوعی غصے کی ایک دبیز نقاب ڈال رکھی تھی۔ "میں تو شاید تمہاری اس لغزش کو معاف بھی کر دوں، مگر تمہارے بابا جان کو بہت مایوسی ہوئی ہے۔"

"آپ اُن کے حضور میری سفارش کر دیں۔" محمود نے شکستہ لہجے میں کہا۔ "اب مجھ میں تو اتنی ہمت نہیں ہے کہ میں امیرِ معظم کا سامنا کر سکوں۔"

ملکۂ غزنی کو اسی لمحے کا انتظار تھا...... "میں امیر کے حضور تمہاری معافی کی درخواست پیش کرتی ہوں۔" یہ کہہ کر ملکۂ غزنی، سبکتگین کے کمرے کی طرف بڑھی۔ "میں جانتی ہوں کہ تمہارے بابا جان ایک روشن خیال اور اعلیٰ ظرف انسان ہیں۔ وہ اپنے بیٹے کی اس غلطی کو آسانی سے معاف فرما دیں گے۔"

پھر جب خلوت میں پہنچ کر ملکۂ غزنی نے اپنے شوہر کو تمام صورتِ حال سے آگاہ کیا تو امیر سبکتگین کے چہرے پر بھی خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور بے اختیار اس کی زبان سے نکلا۔ "میں جانتا تھا، ملکہ عالیہ! کہ میرا بیٹا محمود ایسا ہی کرے گا۔ وہ دنیا کی کسی شخصیت کو اپنے ماں باپ پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میرے حُسنِ ظن کی آبرو رکھی اور میرے فرزند محمود کو اس کڑی آزمائش میں کامیابی سے ہمکنار فرمایا۔" یہ کہتے کہتے امیر سبکتگین کی آنکھوں میں ہلکی ہلکی نمی اُبھر آئی تھی۔

"میں ابھی محمود کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہوں۔" ملکۂ غزنی نے کہا اور دوسرے کمرے کی طرف جانے کے لئے مڑی۔

"نہیں، ہم خود محمود کے پاس جائیں گے۔ آخر وہ ہمارا بیٹا ہے، کوئی مجرم نہیں۔"

پھر جب امیر سبکتگین اور ملکۂ غزنی، محمود کے کمرے میں پہنچے تو سلطنتِ غزنی کا ولی عہد اُداس کھڑا تھا۔ وہ آنے والوں کے قدموں کی چاپ سن کر پلٹا اور جب اس نے اپنے ماں باپ کو دروازے میں

داخل ہوتے دیکھا تو بہت تیزی سے آگے بڑھا اور امیر سبکتگین کے قدموں سے لپٹ کر رونے لگا۔ "بابا! میں آپ کو چھوڑ کر کہاں جا سکتا ہوں کہ میرا تو سب کچھ آپ ہی کے قدموں میں ہے۔"

امیر سبکتگین نے بے اختیاری کے عالم میں محمود کے دونوں بازو پکڑ کر اُٹھایا اور اس طرح گلے سے لگا لیا جیسے کوئی مہجور باپ ایک طویل جدائی کے بعد اپنے بیٹے سے ملا ہو۔ "میں جانتا ہوں محمود! کہ تم بڑے سعادت مند بیٹے ہو، مگر کبھی کبھی زمانے کی مسموم ہوائیں تمہارے مزاج پر اثر انداز ہو جاتی ہیں۔" امیر سبکتگین انتہائی رقت آمیز لہجے میں بول رہا تھا۔ "فرزند! میں تمہیں انہی زہریلی ہواؤں سے بچانا چاہتا ہوں۔ یاد رکھنا، یہ دنیا والے آئندہ بھی تمہاری اس سادہ دلی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔ مگر میرے بیٹے! تم اپنے جذبات کے غلام نہ ہو جانا۔" امیر سبکتگین نے محمود کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پھر اسے الگ کرتے ہوئے کہا۔ "فرزند! اگر کبھی جذبات کی یہ منزل آ جائے تو اپنے باپ کے پیروں کی طرف دیکھنا، جہاں برسوں غلامی کی آہنی زنجیریں پڑی رہی ہیں۔ اور اس شور کو بھی اپنی سماعتوں میں محفوظ رکھنا کہ جب تمہارا باپ چلتا تھا تو وہی زنجیریں بج اُٹھتی تھیں اور ان آوازوں کو سن کر اہلِ دنیا کہا کرتے تھے کہ وہ جا رہا ہے، غلام زادہ سبکتگین۔ فرزند! تم نہیں جانتے کہ ان زنجیروں کے کاٹنے میں تمہارے باپ پر کیا گزری ہے۔"

محمود انتہائی حیرت کے عالم میں پلکیں جھپکائے بغیر امیر سبکتگین کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ اس نے زندگی میں پہلی بار اپنے باپ کی گردشِ روز و شب کی یہ اذیت ناک داستان سنی تھی۔

"بیٹے!" امیر سبکتگین نے بے قرار ہو کر محمود کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ "میں نہیں چاہتا کہ غلامی کی وہ زنجیریں میرے پیروں سے نکل کر تمہارا تعاقب کرتی رہیں۔ اور پھر جب تم اپنے آپ سے غافل ہو جاؤ تو ذلت و ناکامی کا وہی طوق تمہاری گردن کو جکڑ لے۔" امیر سبکتگین کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ "فرزند! ہمارے بزرگوں کی ایک غلطی نے کئی صدیوں تک ہمیں خون کے آنسو رُلائے ہیں...... اب خدا خدا کر کے اشکوں کا یہ سیلاب ٹھہرا ہے تو پھر تم ایک بھیانک غلطی کا شکار ہو رہے ہو۔ نگار خانم تمہارے لئے آزادی کا پیغام نہیں، وہ غلامی کی ایک ایسی زنجیر ہے جس پر ریشم کا غلاف چڑھا ہوا ہے۔"

محمود نے گھبرا کر سر جھکا لیا۔ "بابا! میں بہت شرمسار ہوں کہ میرے اس روّیے سے آپ کو شدید اذیت پہنچی۔"

"اس اذیت کی تلافی ہو سکتی ہے فرزند!" امیر سبکتگین نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"میں اس تلافی کے لئے انتہائی کوشش سے بھی گریز نہیں کروں گا۔" محمود نے رک رک کر کہا۔ اس کی زبان میں ہلکی ہلکی لڑکھڑاہٹ تھی۔

"تمہیں دو باتوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہو گا۔" امیر سبکتگین نے بیٹے کو آمادہ پا کر نہایت ہوشیاری سے اپنی دلی خواہش کا اظہار کیا۔ "ماں باپ کی رضا یا نگار خانم کی قربت؟"

"میں آپ دونوں کی ذات پر دنیا کی کسی ہستی کو فوقیت نہیں دے سکتا۔" محمود نے کسی تردّد کے بغیر کہا۔ یہ اس کے دل کی آواز تھی، اس لئے وہ بے جھجک ہو کر بول رہا تھا۔

"پھر تمہیں یہ اقرار بھی کرنا ہو گا کہ تم نگار خانم سے شادی نہیں کرو گے۔ چاہے میں اس دنیا میں رہوں یا

نہ رہوں۔" امیر سبکتگین نے محمود پر سخت ترین شرط عائد کرتے ہوئے کہا۔ "یہ شرط میری موت کے بعد بھی ساقط نہیں ہو گی۔"

یہ ایک مشکل ترین مرحلہ تھا۔ محمود شدید ذہنی کشمکش کا شکار نظر آنے لگا۔ وہ وقتی طور پر نگار خانم کی قربت سے دستبردار ہونے کے لئے تیار تھا...... مگر امیر سبکتگین نے جو شرط عائد کی تھی، وہ تو مستقل جدائی کی ایک سنگین دیوار تھی، جسے کسی طرح بھی مسمار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ محمود گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ دراصل سلطنتِ غزنی کا ولی عہد ایک معاملے میں کشمکش کا شکار تھا۔ بچپن میں چیچک کے خوف ناک مرض نے اس کے چہرے کو بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ جب بھی آئینہ دیکھتا تو اسے اپنی اس کمزوری کا شدت سے احساس ہوتا۔ دوسرے نوجوانوں کی طرح محمود کی بھی یہ خواہش تھی کہ کوئی حسین ترین دوشیزہ اس سے محبت کرے۔ یہی وجہ تھی کہ جب نگار خانم کی آنکھوں میں محبت کا عکس نظر آیا تو محمود کے اس بے قرار جذبے کو سکون ملنے لگا۔ اور پھر وہ خود بھی نگار خانم کی سحر کار شخصیت کا اسیر ہوتا چلا گیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اچانک پردے کے پیچھے سے امیر سبکتگین کا آہنی ہاتھ نمودار ہو گا اور چند لمحوں میں اس کی محبت کا گلا گھونٹ دیا جائے گا۔

"ایسا لگتا ہے کہ تم اپنے ماں باپ کے ساتھ مخلص نہیں ہو۔" امیر سبکتگین نے محمود کو خاموش پا کر کہا۔ باپ کی اونچی آواز سن کر محمود، تصورات کی دنیا سے باہر نکل آیا۔ "امیرِ معظم نے میرے خلوص کی بہت کم قیمت لگائی۔" محمود کے دل کا کرب پورے چہرے پر پھیل گیا تھا۔

"تمہارے چہرے کا رنگ اور تذبذب کی یہ کیفیت چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں کہ تمہیں فیصلہ کرنے میں دُشواری ہو رہی ہے۔" امیر سبکتگین کے لہجے میں کسی قدر تلخی شامل تھی۔

"حضرت نظام شاہ نے نگار خانم کے کردار پر خود ہی گواہی دی ہے مگر آپ ایک ایسے شخص کی گواہی کو بھی تسلیم نہیں کرتے، جو اپنے کردار میں سورج کی طرح روشن ہے۔" محمود نے امیر سبکتگین کے سوال کا جواب دینے کے بجائے ایک نیا سوال کر دیا تھا۔

"یہ نظام شاہ کی عظیم شخصیت کا ہی اثر ہے کہ میں نے اپنا فیصلہ بدل ڈالا۔" امیرِ غزنی کے لہجے کی تیزی کچھ اور نمایاں ہو گئی تھی۔ "ورنہ ساری دنیا جانتی ہے کہ سبکتگین اپنے فیصلے تبدیل نہیں کرتا۔ مگر تم اس موقع پر نظام شاہ کی گواہی کو درمیان میں کیوں لے آئے؟ تمہیں تو بس ایک ہی فیصلہ کرنا ہے کہ نگار خانم سے مستقل جدائی یا ماں باپ کی قربت؟" امیر سبکتگین، محمود کے دل کی حالت کو سمجھ رہا تھا۔ اس لئے اس نے سخت لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"اگر میں اپنے ذہن سے ہمیشہ کے لئے نگار خانم کا تصور نکال دوں تو کیا آپ میرے اس عمل سے راضی ہو جائیں گے؟" محمود نے بڑی جرأت اور بے باکی کے ساتھ اپنے اصول پرست باپ سے سوال کیا۔

"ہاں۔ اگر تم اس امتحان سے گزر گئے تو میں راضی ہو جاؤں گا۔" امیر سبکتگین نے ایک حکمراں کے لہجے میں کہا۔

"تو پھر آپ مجھ سے راضی ہو جایئے کہ میں نے اپنے دل کا خون کر کے اطاعت و فرماں برداری کی رسم کو نئی زندگی بخش دی۔" یہ کہتے کہتے محمود کے چہرے پر عجیب سی ویرانی برسنے لگی تھی۔ امیر سبکتگین بے

اختیار آگے بڑھا اور محمود کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے بولا۔

''مرحبا فرزند!......مرحبا۔'' امیرِ غزنی کے لہجے سے ناقابلِ بیان خوشی کا اظہار ہو رہا تھا۔ ''مجھے تم سے یہی اُمید تھی اور اہلِ وفا کا یہی کردار ہوتا ہے۔''

محمود نے جواب میں کچھ نہیں کہا اور خاموشی سے سر جھکائے باہر نکل گیا۔

❁❁❁❁❁

نگار خانم، نظام شاہ کے پاس پہنچی تو ظہر کی نماز ہو چکی تھی۔ ایک برقع پوش خاتون کو اپنے سامنے دیکھ کر نظام شاہ حیرت زدہ رہ گئے تھے۔ ''خاتون! تم کون ہو؟ اور یہاں کیوں آئی ہو؟ کیا تم نہیں جانتیں کہ میں ایک درویشِ بے سروساماں ہوں اور میرے پاس اہلِ ضرورت کو دینے کے لئے کچھ نہیں ہے۔'' نظام شاہ کا یہی مزاج تھا کہ وہ عام لوگوں سے ملاقات نہیں کرتے تھے۔ ان کی اجازت کے بغیر کوئی شخص بھی مسجد کے اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر کوئی غم زدہ انسان اپنی مصیبتوں کی تکلیف سے بے قرار ہو کر چیخنے لگتا تو نظام شاہ خود اپنی جگہ سے اُٹھ کر مسجد کے دروازے پر آ جاتے اور سائل کے حق میں دعائے خیر کر کے واپس چلے جاتے۔ مگر نگار خانم، نظام شاہ کی اجازت کے بغیر مسجد میں داخل ہوئی اور بے جھجک انداز میں ان کے روبرو جا کر کھڑی ہو گئی۔ نظام شاہ کو ایک اجنبی خاتون کا یہ انداز پسند نہیں آیا تھا۔ اس لئے ان کے زرد چہرے پر ناگواری کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔

''شیخ! یہ میں ہوں، اسد شیرازی کی بدنصیب بیٹی، نگار خانم۔'' برقع پوش خاتون کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی اور نظام شاہ گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔

''صاحبزادی! تم یہاں کیوں آئی ہو؟'' نظام شاہ کے لہجے میں شدید حیرت تھی۔

''میرا آبائی مکان، غزنی کے ایک مالدار شخص سردار تبریز نے خرید لیا اور میں اپنے گھر سے بے دخل کر دی گئی۔'' نگار خانم ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی اور اس کے لہجے میں خوف و ہراس کا شائبہ تک نہ تھا۔ ''اب میں کھلے آسمان کے نیچے تنہا کھڑی ہوں۔ مجھے سر چھپانے کے لئے ایک سائبان چاہئے اور اس شہر میں آپ کے سوا میرا کوئی شناسا نہیں۔ آپ کی عبادت و ریاضت میں خلل ڈالنے پر بہت شرمندہ ہوں مگر کیا کرتی کہ آپ کو اطلاع دینا بھی ضروری تھا۔''

نگار خانم کی یہ جانگداز رُوداد سن کر نظام شاہ کے تابناک چہرے پر اذیت و کرب کا دھواں پھیلنے لگا۔

''ان بے رحم لوگوں نے تیرے سر سے یہ سایہ بھی چھین لیا۔ کیا یہ احمق و نادان، اینٹوں اور پتھروں کے اس انبار کو اٹھا کر اپنی قبروں میں لے جائیں گے؟'' نظام شاہ کے لہجے سے دل کا سوز نہاں جھلک رہا تھا۔ ''تجھے میرے پاس ہی آنا چاہئے تھا کہ اس شہر میں میرے سوا تجھے کوئی نہیں پہچانتا۔ میں بہت خوش ہوا کہ تُو نے اس رشتے کی اہمیت کو پوری سچائی کے ساتھ محسوس کیا۔'' یہ کہہ کر نظام شاہ نے اپنا کمبل کاندھے پر ڈالا اور نگار خانم کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے مسجد سے باہر نکلے۔

راستہ چلنے والے لوگوں نے ایک برقع پوش خاتون کو نظام شاہ کے ساتھ جاتے ہوئے بڑی حیرت سے دیکھا مگر کسی کو کچھ پوچھنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ نظام شاہ تیز قدموں سے چلنے کے عادی تھے، مگر نگار خانم کی وجہ سے وہ چلتے چلتے اچانک رک جاتے تھے۔ پھر کئی گلیاں عبور کرنے کے بعد نظام شاہ ایک معمولی سے مکان کے سامنے ٹھہر گئے اور بلند آواز میں پکار کر بولے۔ ''احمد سالار!''

دوسرے ہی لمحے دروازہ کھلا اور ایک آٹھ سالہ بچہ باہر آیا۔ یہ اسی فوجی کا بچہ تھا، جو چار سال پہلے ایک جنگ میں شہید ہو چکا تھا اور جس کی ماں کے اصرار پر نظام شاہ نے اس یتیم بچے کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی۔ اپنے استاد کو دیکھ کر احمد سالار مؤدب ہو گیا۔

''اپنی ماں سے کہو کہ نظام شاہ آیا ہے۔''

احمد سالار کی ماں پہلے ہی نظام شاہ کی آواز سن کر دروازے کے قریب آ گئی تھی۔

''بھائی! آپ اندر تشریف لے آئیں۔''

نظام شاہ، نگار خانم کو لے کر مکان کے اندر داخل ہوئے۔ احمد سالار کی ماں نے نظام شاہ کے بیٹھنے کے لئے ایک صاف چادر لکڑی کے تخت پر بچھا دی مگر نظام شاہ نے کھڑے کھڑے کہا۔ ''بہن! میں بیٹھوں گا نہیں......اس لڑکی کو تمہارے پاس چھوڑنے آیا ہوں۔'' نظام شاہ نے نگار خانم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ غزنی کے ایک معزز شخص، اسد شیرازی کی بیٹی ہے۔ اس کی سچائی نے اسے گھر سے بے گھر بنا دیا ہے۔'' یہ کہہ کر نظام شاہ نے نگار خانم کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''میری کوئی بیوی نہیں، کوئی اولاد نہیں...... مگر نگار خانم میری بیٹی ہے......اس کا خیال رکھنا۔''

احمد سالار کی ماں نے آگے بڑھ کر نگار خانم کو گلے سے لگا لیا۔ ''یہ آپ کی طرح میری بھی بیٹی ہے۔''

''میں اس کی کفالت کا ذمے دار ہوں۔'' نظام شاہ نے احمد سالار کی ماں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔''

''آپ کس کس کی ذمے داری اُٹھائیں گے؟'' احمد سالار کی ماں تڑپ کر بولی۔ ''آپ میرے لئے اور میرے بچے کے لئے ساری ساری رات مزدوری کرتے ہیں......اور اب......''

ابھی اس بیوہ عورت کی بات مکمل نہیں ہونے پائی تھی کہ نظام شاہ جھنجلا کر تیز آواز میں بولے۔ ''چپ ہو جاؤ! کیوں مجھے رُسوا کرتی ہو؟......کوئی کسی کی کفالت نہیں کر سکتا۔ اللہ ہی سب کا کفیل ہے۔'' یہ کہہ کر نظام شاہ واپس چلے گئے۔

احمد سالار کی ماں خاموش ہو گئی تھی۔ مگر نگار خانم نے سب کچھ سمجھ لیا تھا۔ نظام شاہ کی گوشہ نشیں زندگی کا یہ پہلو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

❁❁❁❁❁

محمود نے ماں باپ کی ضدوں پر اپنی محبت کو قربان کر دیا تھا مگر پھر بھی وہ نگار خانم کے حالات جاننے کے لئے بے چین تھا۔ آخر کئی دن کی دوڑ دھوپ کے بعد محمود کے مخبروں نے اسے خبر دی کہ نگار خانم اپنے مکان سے نکل کر پہلے نظام شاہ کے پاس پہنچی تھی اور پھر نظام شاہ نے اسے ایک بیوہ کے گھر منتقل کر دیا تھا۔ محمود یہ اطلاع پاتے ہی قصرِ شاہی سے نکلا اور سابق فوجی کے مکان کی طرف روانہ ہو گیا مگر گھر کے قریب پہنچ کر اسے خیال آیا کہ اس طرح نگار خانم سے ملنا مناسب نہیں۔ یہ سوچ کر وہ نظام شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

نظام شاہ نے حسبِ معمول کھڑے ہو کر محمود کا استقبال کیا۔ اب محمود بھی اس راز سے باخبر ہو گیا تھا کہ نظام شاہ کسی کے سامنے اس طرح کھڑے نہیں ہوتے۔ ''شیخ! آخر کیا بات ہے کہ آپ مجھے دیکھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں؟''

نظام شاہ مسکرائے۔ "بس جی چاہتا ہے، سو کھڑا ہو جاتا ہوں۔ میرے بیٹھنے اور کھڑے ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے؟" نظام شاہ نے محمود کے سوال کو نظر انداز کر دیا تھا۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں نگار خانم سے ملنا چاہتا ہوں۔" محمود نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"اب اس سے مل کر کیا کرو گے؟" نظام شاہ نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"شیخ! آپ جانتے ہیں کہ میں نے بہت کوشش کی تھی۔" یہ کہتے کہتے محمود کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "میں بابا جان اور والدہ محترمہ کے حکم سے مجبور ہو گیا۔ انہوں نے مجھ سے اپنے حقوق طلب کئے تھے۔"

"تم نے ٹھیک کیا فرزند!" نظام شاہ کے لہجے سے بھی اُداسی جھلکنے لگی تھی۔ "بس تقدیر میں یونہی لکھا تھا۔ اس تحریر کو کوئی مٹا نہیں سکتا۔ اب تم پیچھے مڑ کر نہ دیکھو کہ تمہارے سامنے بے شمار مسائل سر اٹھائے کھڑے ہیں۔"

"میں نگار خانم کو پُرسکون دیکھنا چاہتا ہوں۔" محمود نے رقت آمیز لہجے میں کہا۔ "اگر آپ اجازت دیں تو میں اس کے مالی مسائل کو حل کر دوں۔ وہ کب تک ایک بیوہ عورت پر بوجھ بنی رہے گی؟"

"تم اس سے مل سکتے ہو۔ یقیناً وہ ضرورت مند ہو گی۔" نظام شاہ نے آہستہ سے کہا اور دوبارہ اپنے کمبل پر بیٹھ گئے۔ محمود نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھائے اور پھر نظام شاہ کی دعائیں لے کر بیوہ عورت کے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔

❁❁❁❁❁

مرحوم فوجی کی بیوہ نے ولی عہد سلطنت کو اپنے مکان کے دروازے پر کھڑا ہوا پایا تو وہ کچھ پریشان سی نظر آنے لگی۔ "صاحب زادے! آپ یہاں؟" بیوہ کے لہجے سے لکنت صاف نمایاں تھی۔

"ہاں خاتون! میں نگار خانم سے کچھ ضروری گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔" محمود نے نظریں جھکائے ہوئے کہا۔ "میں حضرت نظام شاہ کی اجازت سے یہاں آیا ہوں۔"

شیخ کا نام سن کر احمد سالار کی ماں اُلٹے قدموں واپس چلی گئی اور اس نے نگار خانم کو محمود کی آمد سے مطلع کر دیا۔ پھر بہت عجلت میں لکڑی کے تخت پر صاف چادر بچھائی اور محمود کو اندر بلا لیا۔

"صاحب زادے! یہ ہمارے لئے بڑا اعزاز ہے کہ آپ ایک غریب بیوہ کے گھر تشریف لائے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ہمیں اپنی بے سروسامانی کا بھی احساس ہے کہ ہم ولی عہد سلطنت کی خاطر مدارات کرنے سے قاصر ہیں۔" مرحوم فوجی کی بیوہ بہت زیادہ شرمسار نظر آ رہی تھی۔

"نہیں خاتون! کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔" محمود نے مکان کے صحن کو عبور کرتے ہوئے کہا۔ "خود میرے لئے بہت بڑا اعزاز ہے کہ میں آپ لوگوں سے ملنے یہاں آیا ہوں۔ حضرت نظام شاہ کے حوالے سے میری نظر میں آپ بھی محترم ہیں اور یہ چار دیواری بھی۔"

احمد سالار کی ماں، محمود اور نگار خانم کو تنہا چھوڑ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ محمود نے آہستہ آہستہ نظریں اٹھا کر نگار خانم کی طرف دیکھا۔ نگار خانم کا چہرہ شرم و حیا اور جوشِ جذبات کے سبب سرخ ہو رہا تھا۔ وہ محمود کی آمد پر ایک عجیب سی کیفیت سے سرشار تھی۔ اس کیفیت میں ناقابلِ بیان خوشی کا احساس بھی شامل تھا اور دبا دبا خوف بھی۔ پھر کچھ دیر اسی کیف و سکوت کے عالم میں گزر گئی۔

"میں بہت شرمندہ ہوں نگار خانم!" آخر محمود نے اس سکوت کو توڑتے ہوئے کہا۔ "میں نے سردار تبریز سے تمہارا مکان خریدنے کی کوشش کی تھی مگر وہ اس پر آمادہ نہیں ہوا۔ پھر میں نے چاہا کہ تم اس بے گھری کے عذاب سے بچ جاؤ اور تمہیں قصرِ شاہی میں قیام کی اجازت مل جائے۔ مگر امیرِ غزنی اور مادرِ ملکہ کو یہ بات پسند نہیں تھی۔" یہ کہتے کہتے محمود کا لہجہ بہت زیادہ تلخ ہو گیا تھا۔

نگار خانم نے گھبرا کر جھکی ہوئی نظریں اٹھائیں اور محمود کی طرف دیکھا۔ محمود کے چہرے پر اذیت و کرب کے گہرے سائے پھیلے ہوئے تھے۔ "آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں؟" نگار خانم نے محمود کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے غبار کو دھونے کی کوشش کی۔ "میری قسمت میں یہی لکھا تھا۔ مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں ہے۔"

"آپ نہیں جانتیں نگار خانم! کہ مجھ پر کیا گزری ہے اور میں کس کس طرح مجبور کیا گیا ہوں۔" محمود کا لہجہ ناآسودہ جذبوں کی آگ میں سلگ رہا تھا۔ "میں دنیا کی ہر رسم سے بغاوت کر سکتا ہوں مگر اپنے پیروں میں پڑی ہوئی ماں باپ کے حقوق کی زنجیروں کو نہیں توڑ سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ ان مجبوریوں نے میری شناخت کو دُھندلا دیا ہے۔ مگر تم اتنا ضرور سمجھ لو کہ وقت کے اس فیصلے میں میری ذاتی مرضی شامل نہیں تھی۔" یہ کہتے کہتے محمود کی آواز لڑکھڑانے لگی اور اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔ "مجھے آپ سے بھی کوئی شکایت نہیں ہے۔" وقت کے بے رحم اور تیز نشتر نے نگار خانم کا دل بھی خون کر دیا تھا۔ مگر اس نے بڑی ہمت سے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

محمود نے گھبرا کر نگار خانم کی طرف دیکھا۔ انتہائی قوتِ برداشت کا مظاہرہ کرتے کرتے نگار خانم کے گلاب رنگ چہرے میں نیلاہٹ سی شامل ہو گئی تھی۔

"میں محبت کی بساط پر شکست کھا چکا ہوں نگار خانم! مگر پھر بھی میری تم سے آخری التجا ہے کہ تم اپنے روشن مستقبل کی طرف دیکھو اور پُرسکون زندگی گزارنے کی کوشش کرو۔"

"میرا مستقبل آپ کا مسئلہ نہیں ہے۔" یکایک نگار خانم کے لہجے میں چٹانوں جیسی سختی نظر آنے لگی تھی۔

"تم کچھ بھی کہو، مگر تمہارا مستقبل میرا ہی مسئلہ ہے۔" یہ کہہ کر محمود نے اپنے پیرہن کی جیب سے اشرفیوں سے بھری ہوئی ایک تھیلی نکالی اور اسے نگار خانم کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "میری گزارش ہے کہ تم اسے قبول کر لو۔"

"یہ کیا ہے؟" نگار خانم کی صاف و شفاف اور کشادہ پیشانی پر کئی لکیریں نمودار ہو گئیں۔

"یہ ایک حقیری نذر ہے، جو تمہارے آڑے وقت میں کام آئے گی۔" محمود نے درخواست گزار لہجے میں کہا۔

"غزنی کے ولی عہد کو معلوم ہونا چاہئے کہ اب میں حضرت نظام شاہ کی بیٹی ہوں اور نظام شاہ کسی امیر کی نذر قبول نہیں کرتے۔" نگار خانم کے لہجے میں اس قدر اجنبیت تھی کہ محمود حیران رہ گیا۔

"میں تم پر کوئی احسان نہیں کر رہا ہوں۔" محمود کی آواز لرز رہی تھی۔

"ولی عہدِ غزنی سے آخری التجا ہے کہ اس طرح یہاں تشریف لا کر میری رُسوائی کا سامان فراہم نہ کریں۔" نگار خانم کے لہجے میں وہی سختی تھی جس سے اجنبیت اور بیزاری کا اظہار ہوتا تھا۔

محمود نے اپنا بڑھا ہوا ہاتھ کھینچ لیا۔ کچھ دیر تک پتھر کے مجسمے کی طرح خاموش کھڑا رہا، پھر آہستہ
بولا۔ ”میں جا رہا ہوں نگار خانم! مگر کاش آپ میری مجبوریوں کو سمجھ سکتیں۔“ یہ کہہ کر ولی عہدِ غزنی مرا
مکان سے نکل کر چلا گیا۔

نگار خانم بہت دیر تک دروازے کو دیکھتی رہی، پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ احمد سالار
ماں سے یہ دردناک منظر برداشت نہ ہو سکا تو اس نے آگے بڑھ کر نگار خانم کے کاندھے پر ہاتھ رکھ
خیالات کا سلسلہ اچانک ٹوٹ گیا اور نگار خانم جبراً مسکرانے لگی۔

✻✻✻✻✻

نظام شاہ رات کو خاص طور پر نگار خانم سے ملنے آئے اور محمود کے بارے میں پوچھا۔ نگار خانم کچھ
تک خاموش بیٹھی رہی، پھر بے اختیار نظام شاہ کے قدموں سے لپٹ کر رونے لگی۔ نظام شاہ نے اسے ا
کر سینے سے لگا لیا۔

”میری بیٹی! محمود بہت مجبور ہے۔ شاید تیرے اندازوں سے بھی زیادہ مجبور۔ اسے معاف کر دے“

”میں جانتی ہوں بابا!“ نگار، بچوں کی طرح سسکیاں لے رہی تھی۔

پھر جب نگار خانم کے دل کا غبار ڈھل گیا اور وہ کسی قدر پُرسکون نظر آنے لگی تو نظام شاہ نے اِ
مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”بیٹی! مجھے تیری بے سکون زندگی کا خیال کر کے کبھی کبھی بہت دُکھ ہوتا ہے
محلوں کی مکین، کنیزوں اور ملازموں کے ہجوم میں رہنے والی، پتھروں کے فرش پر پڑی ہے اور سوکھی روٹیا
کھا کھا کر اپنا وقت گزار رہی ہے۔“

”نہیں بابا!“ نگار خانم نے بے قرار ہو کر کسی بچے کی مانند نظام شاہ کے زانو پر سر رکھ دیا۔ ”مجھے ا
زندگی پر فخر ہے بابا!“

”اُٹھو بیٹی!“ یکایک نظام شاہ کے لہجے سے جلالِ روحانی کا اظہار ہونے لگا تھا۔

نگار خانم نے گھبرا کر نظام شاہ کے چہرے کی طرف دیکھا۔ چراغ کی مدھم روشنی میں اسے ایسا
جیسے نظام شاہ کے جسم کے گرد کوئی فانوس سا جل رہا ہے۔

”اب تیرا باپ اتنا مفلس بھی نہیں کہ اپنی بیٹی کے خالی دامن کو چپ چاپ دیکھتا رہے اور اسے
نہ دے سکے۔“ نظام شاہ ایک عجیب سے جذب کے عالم میں بول رہے تھے۔ ”اگر دنیا نے تجھ
دولت چھینی ہے تو آگے بڑھ اور اپنا دامن بھر لے۔“ یہ کہہ کر نظام شاہ نے دالان کے ایک گوشے
طرف اشارہ کیا۔

نگار خانم نے گھبرا کر دیکھا۔ پورا دالان سونے کی اشرفیوں، ہیروں اور جواہرات سے بھرا ہوا تھا
”یہ کیا ہے بابا؟“ فرطِ حیرت سے نگار خانم کی آنکھیں پھیل گئی تھیں اور آواز لرز رہی تھی۔

”اللہ ہی ہے زمین و آسمان کے خزانوں کا مالک!“ خلافِ معمول نظام شاہ کے لہجے میں ایسی دھمک
تھی کہ نگار خانم کو مکان کے در و دیوار کانپتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ ”اور آج اسی کی قدرتِ لازوال
نے تیرے سامنے دولت کے دریا بہا دیئے ہیں، انہیں چھو کر دیکھ۔ یہ تیری نظروں کا دھوکا نہیں۔“ نظام
شاہ کے جلالِ روحانی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔ ”اگر تجھے سیم و زر کی طلب ہے تو اپنی پیاس بجھا لے“

”نہیں بابا!“ نگار خانم ایک بار پھر نظام شاہ کے قدموں سے لپٹ گئی۔ ”اب مجھے کسی شے کی طلب

نہیں۔“

”بھر لے بیٹی! اپنا خالی دامن بھر لے...... کہیں بعد میں تجھے شکایت نہ ہو کہ نظام شاہ کے ساتھ رہ
کر بھوکی مر گئی۔“ غزنی کا یہ مردِ قلندر آج عجیب رنگ میں نظر آ رہا تھا۔

”آپ دیکھ لیجئے گا بابا! میں کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہیں لاؤں گی۔“ نگار خانم بچوں کی طرح مچل
گئی۔

”پھر کیا چاہتی ہے؟ صاف صاف کہہ دے۔“ نظام شاہ نے بڑی محبت سے نگار خانم کے سر پر ہاتھ
پھیرتے ہوئے کہا۔

”بس مجھے اپنے قدموں سے جدا نہ کیجئے گا۔“ نگار خانم اچانک رونے لگی۔ ”ڈرتی ہوں کہ کہیں
میری کوئی لغزش مجھے آپ سے دُور نہ کر دے۔“

”بیٹی ہے تُو میری، بیٹی ہی رہے گی۔“ یکایک نظام شاہ کی آواز سے بھی رقت جھلکنے لگی تھی۔ ”درویش
کسی سے رشتہ جوڑتا ہے تو پھر توڑتا نہیں۔ فقیر کے یہاں ایک بار جو آ گیا، سو آ گیا۔“ یہ کہہ کر نظام شاہ
کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گئے۔ پھر بہت جانگداز لہجے میں دعا کرنے لگے۔

”اے اللہ! یہ میری بیٹی نگار خانم ہے۔ اس سے میرا کوئی خونی رشتہ نہیں۔ مگر تیری بندگی کا رشتہ سب
رشتوں سے زیادہ معتبر ہے۔ اسے اپنی پناہ میں رکھ کہ تیری پناہ کے سوا کوئی پناہ نہیں۔ اسے علم اور صبر دے
کہ انسان بہت جاہل، جلد باز اور ناشکرا ہے۔ اسے چاہے تو مسائل کی دھوپ میں جلا دے لیکن دوزخ کی
آگ سے بچا لے کہ ہم تیرے قہر کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ تُو اوّل و آخر رحمت ہے اور ہمیں اپنی رحمت کے
سائے سے جدا نہ کر کہ یہ جدائی، انسان کے لئے ہلاکتِ ابدی ہے۔“

نظام شاہ کی دعا اس قدر اثر انگیز تھی کہ نگار خانم کے ساتھ کم سن بچہ احمد سالار اور اس کی ماں بھی بہت
دیر تک روتے رہے۔

پھر نظام شاہ اپنے معمول کے مطابق مزدوری کرنے چلے گئے۔ وہ رات کے اندھیرے میں غزنی
کے تاجروں کا سامان اونٹوں اور گھوڑوں پر لادا کرتے تھے۔ اور اس کام کی جو اُجرت ملتی تھی، اسے مرحوم
فوجی کی بیوہ کے حوالے کر دیا کرتے تھے تاکہ وہ اپنا اور اپنے یتیم بچے کا پیٹ پال سکے۔ اب نگار خانم کی
اضافی ذمے داری بھی شامل ہو گئی تھی، اس لئے وہ سرِ شام ہی مزدوری کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے
تھے۔

✻✻✻✻✻

غزنی کے سابق امیر ابو اسحاق نے اپنے پیچھے ایک لڑکی چھوڑی تھی جو اب تک غیر شادی شدہ زندگی
گزار رہی تھی۔ اہلِ خاندان کو لڑکی کی بڑھتی ہوئی عمر کا شدت سے احساس تھا مگر ابھی تک کوئی مناسب رشتہ
نہیں مل سکا تھا۔ اسی دوران غزنی کے تمام امراء نے مل کر یہ طے کیا کہ امیر ابو اسحاق کی بیٹی کی شادی
امیر سبکتگین سے کر دی جائے۔ اس طرح خاندانی معیار کی روایت بھی برقرار رہے گی اور امیر سبکتگین بھی
سیاسی طور پر پہلے سے زیادہ مستحکم ہو جائے گا۔

پھر یہ شادی بہت پُرشکوہ انداز میں ہوئی۔ اور اسی ہنگامے کے دوران سردار تبریز نے سبکتگین کے
سامنے اپنی دلی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''امیر! میں اپنے دل سے مجبور ہوں مگر ایک دوست کی حیثیت سے تمہارا فرض ہے کہ تم مجھے اس اذیت سے نجات دو۔'' سردار تبریز کا لہجہ بہت شکستہ تھا۔ ''میں نگار خانم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

امیر سبکتگین، سردار تبریز کی بات سن کر حیران رہ گیا۔ ''میں اس سلسلے میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟'' امیرِ غزنی پریشان نظر آ رہا تھا۔

''تم نگار خانم کو مجھ سے شادی کرنے پر مجبور کر سکتے ہو۔'' سردار تبریز نے بڑی بے حسی اور خود غرضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''میں اسے مجبور نہیں کر سکتا مگر تمہاری بات سن کر اس پہلو پر غور ضرور کر رہا ہوں کہ نگار خانم کی شادی جلد از جلد ہو جانی چاہئے۔'' امیر سبکتگین نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''اس طرح مجھے ایک بڑے خطرے سے نجات مل جائے گی۔''

نگار خانم کے سلسلے میں سردار تبریز نے سبکتگین کو نئی راہ دکھائی تھی۔ امیرِ غزنی خود بھی چاہتا تھا کہ کسی طرح نگار خانم کی شادی ہو جائے اور وہ اندیشے ہمیشہ کے لئے دم توڑ دیں جو کبھی کبھی اس کے ذہن کو پریشان کر دیا کرتے تھے۔ اگرچہ محمود نے انتہائی فرمانبرداری کا مظاہرہ کیا تھا، لیکن سبکتگین کے جاسوسوں نے اسے یہ خبر بھی پہنچا دی تھی کہ ولی عہدِ سلطنت نے نگار خانم سے ملنے کی کوشش کی تھی۔ امیرِ غزنی چاہتا تھا کہ وہ اس سلسلے میں بیٹے سے باز پرس کرے مگر پھر یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ جوان اولاد کو بار بار چھیڑنا مناسب نہیں ہوتا۔ اس طرح خوامخواہ انسانی نفس میں سرکشی پیدا ہوتی ہے اور پھر یہی سرکشی آگے بڑھ کر بغاوت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

اب جبکہ سردار تبریز نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو سبکتگین کو اس بات کا شدت سے احساس ہونے لگا کہ نگار خانم کی فتنہ انگیز شخصیت سے نجات حاصل کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ اسد شیرازی کی بیٹی کسی بھی شخص سے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو جائے۔ اور محمود جذباتی انتشار سے چھٹکارا پا کر یکسوئی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف دیکھنے لگے۔

''تمہاری خواہش اپنی جگہ، مگر ذاتی طور پر مجھے یہ رشتہ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔'' امیر سبکتگین نے اپنے دوست کی درخواست پر رائے زنی کرتے ہوئے کہا۔

''کیوں؟'' سردار تبریز نے گھبرا کر پوچھا۔

''تم ایک شادی شدہ مرد ہو، دو بیویوں کے شوہر۔ اہلِ دنیا تمہیں کیا کہیں گے؟'' سبکتگین کے لہجے میں بیزاری تھی۔

''میں کوئی گناہ تو نہیں کر رہا ہوں۔'' سردار تبریز کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ ''میں نے جائز راستہ اختیار کیا ہے۔''

''مگر تمہارا یہی جائز راستہ کسی دوسرے کی نظر میں ناجائز بھی ہو سکتا ہے۔'' امیر سبکتگین نے سردار تبریز کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''سچ تو یہ ہے کہ تمہارا اور نگار خانم کا کوئی جوڑ نہیں۔''

''میں نے اپنی زندگی کا یہ اہم ترین راز تم پر اس لئے نہیں ظاہر کیا ہے کہ تمہارے وعظ اور نصیحت سنوں۔'' سردار تبریز کے لہجے سے تلخی جھلکنے لگی تھی۔ ''تم صرف دوست ہو اور دوستی کا حق ادا کرو۔''

''تم بھول رہے ہو تبریز! کہ میں تمہارا دوست ہونے کے ساتھ ساتھ غزنی کا امیر بھی ہوں۔'' اچانک سبکتگین کی آواز کسی قدر بلند ہو گئی تھی۔ ''ایک ایسا امیر جو اپنی رعایا کے جان و مال اور عزت و ناموس کا محافظ بھی ہے۔ کہیں تم یہ تو نہیں چاہتے کہ میں اپنے اقتدار کا مظاہرہ کرتے ہوئے نگار خانم کو تم سے شادی کرنے پر مجبور کر دوں؟''

''نہیں۔ میرا یہ مقصد ہرگز نہیں۔'' سردار تبریز نے گھبرا کر اپنا لہجہ بدل دیا۔

''پھر تم دوستی کے حق کی بات کیوں کر رہے ہو؟'' امیر سبکتگین کے چہرے پر ناگواری کا رنگ اب بھی نمایاں تھا۔

''اس لئے کہ میں تمہارے مشورے کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہوں۔'' اب سردار تبریز سنبھل کر گفتگو کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ نگار خانم، حکومت کی معتوب ہے، اس لئے وہ امیرِ غزنی کے مزید عتاب کا ہدف بن جائے گی۔ مگر سبکتگین سے گفتگو کرنے کے بعد سردار تبریز کو اندازہ ہوا کہ وہ خام خیالی میں مبتلا ہے اور اس سلسلے میں اسے امیرِ غزنی سے کوئی تعاون حاصل نہیں ہو سکتا۔

''میں جس کام کو دلی طور پر پسند نہیں کرتا، اس میں میرا کوئی مشورہ بھی شامل نہیں ہوتا۔'' سبکتگین نے کسی تکلف اور رعایت کے بغیر کہا۔

''میں سمجھا نہیں امیر! آخر تم کیا کہنا چاہتے ہو؟'' سردا تبریز کی حیرت اور پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔

''میں اس پر اعتراض نہیں کرتا کہ تم نے نگار خانم کا خواب کیوں دیکھا؟'' امیر سبکتگین کی آواز معمول سے زیادہ بلند تھی۔ ''مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ تمہارے خواب میں انتہائی خود غرضی کے رنگ شامل ہیں۔ اگر تم میرا مشورہ ہی چاہتے ہو تو ان رنگوں کو بجھا دو اور اپنے سینے سے نگار خانم کی خواہش کے نقوش کھرچ لو۔''

''امیر! اب اس کا وقت گزر گیا۔'' سردار تبریز کے لہجے میں بڑی شکستگی تھی۔ ''میں چاہتا ہوں کہ تم اس سلسلے میں نظام شاہ سے گفتگو کرو کہ نگار خانم اب اسی بھوکے فقیر کی نگرانی میں رہ رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ نگار خانم، نظام شاہ کی بات مان لے گی اور نظام شاہ، سونے یا چاندی کے سکوں سے بہل جائے گا۔''

سردار تبریز کی تاجرانہ گفتگو سن کر امیر سبکتگین کو شدید اذیت پہنچی۔ ''سردار تبریز! کیا تم واقعتاً نظام شاہ کے روحانی مقام سے بے خبر ہو یا پھر دولت کے نشے نے تمہاری آنکھوں کو دھندلا کر رکھ دیا ہے؟''

''میں نظام شاہ کو ایک ایسا آدمی سمجھتا ہوں، جو دنیا کی آسائشوں سے محروم ہونے کے بعد کسی مسجد، کسی جنگل یا کسی غار کے ایک سنسان گوشے میں سمٹ جاتا ہے۔ تاکہ دنیا والے اسے اللہ کا مقرب بندہ سمجھیں اور پھر اپنی عقیدتوں کا اظہار کرنے کے لئے نذر و نیاز کے بہانے اس کے قدموں میں قیمتی تحائف کا انبار لگا دیں۔ یہی ایک فقیر کی معراج ہوتی ہے کہ وہ مذہب کی آڑ لے کر سادہ لوح انسانوں کی عقیدتیں خرید لیتا ہے اور اس تجارت میں اسے دوہرا فائدہ ہوتا ہے۔ ایک طرف لوگوں کے جھکے ہوئے، خوف سے اُترے ہوئے چہرے، رُکی ہوئی سانسیں اور دوسری طرف کسی محنت کے بغیر حاصل کی ہوئی دولت کے ذخیرے۔'' سردار تبریز بڑے جارحانہ اور گستاخانہ لہجے میں بول رہا تھا۔ ''نظام شاہ بھی اسی طرز کا فقیر ہے۔ وہ دس سال تک اس لئے قید خانے میں رہا کہ اہلِ غزنی اس کی روحانیت پر اعتبار کرنے لگیں۔ امیر! تم بھی نظام شاہ کے عقیدت مند ہو۔'' سردار تبریز نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''اور تمہاری اسی عقیدت نے اسے زندان کے اندھیروں سے نجات دلائی۔ اب وہ مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھ کر اپنے آپ کو ولی اللہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے تاکہ شہر غزنی اور اطراف کے احمق و بے خبر

لوگ قطار در قطار اس کے حلقۂ اثر میں داخل ہو جائیں اور وہ کسی محنت و ریاضت کے بغیر دنیا کی تمام آسائشیں حاصل کر لے۔"

اس دوران امیر سبکتگین کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا تھا مگر شدید ذہنی اذیت کے باوجود ابھی تک اس کے ہونٹوں کو جنبش نہیں ہوئی تھی۔ پھر جب سردار تبریز خاموش ہو گیا تو امیر سبکتگین نے اس سے پوچھا۔ "کیا تم اپنی بات مکمل کر چکے؟" حاکم غزنی کا لہجہ انتہائی تلخ اور ناگوار تھا۔

"امیر! صرف تمہاری اندھی عقیدت نے نظام شاہ کو نظام شاہ بنایا ہے۔ ورنہ وہ ایک معمولی سا انسان ہے، جس کے پاس نہ کوئی کرامت ہے اور نہ روحانیت کی کوئی زندہ نشانی۔" سردار تبریز کے لہجے میں جارحیت اور گستاخی پوشیدہ تھی۔ "اگر تم اجازت دو تو میں تمہیں یہ منظر بھی دکھا دوں کہ نظام شاہ کو کتنی آسانی سے خریدا جا سکتا ہے۔"

غصے کو برداشت کرتے کرتے سبکتگین کا برا حال ہو گیا تھا۔ پھر جب امیرِ غزنی کی قوتِ برداشت جواب دے گئی تو وہ اپنے مالدار دوست سے مخاطب ہوا۔ "سردار تبریز! آج تم نے مجھے بہت مایوس کیا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ دولت کی فراوانی تمہیں اس قدر سفاک اور خودغرض بنا دے گی کہ ایک طرف تم نگار خانم کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہو اور دوسری طرف ایک مردِ خدا کی ذات میں بدترین عیب تلاش کر رہے ہو۔" یکایک سبکتگین کا لہجہ انتہائی غضب ناک ہو گیا تھا۔

سردار تبریز خود بھی غزنی کے بااثر لوگوں میں شامل تھا اور تمام امراء سے اس کے گہرے مراسم تھے۔ اس لئے وہ سبکتگین کے بگڑے ہوئے لہجے سے زیادہ متاثر نہیں ہوا۔

"امیر! آخر تم یہ کیوں چاہتے ہو کہ میں بھی تمہاری آنکھوں سے نظام شاہ کو دیکھوں۔ میں نے جو کچھ محسوس کیا، اسے بڑی سچائی سے بیان کر دیا۔ میری نظر میں وہ ایک معمولی انسان ہے۔ اگر اسے تمہاری پشت پناہی حاصل نہ ہو تو اس پر غزنی کی زمین تنگ ہو جائے۔" سردار تبریز کے لہجے سے ابھی تک رعونت اور تکبر کا اظہار ہو رہا تھا۔

"تم ایک خوفناک گمراہی میں مبتلا ہو سردار تبریز!" امیر سبکتگین نے بھی انتہائی تند و تیز لہجے میں اپنے دوست کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میری یہ عقیدت، نظام شاہ کے کسی کام نہیں آئے گی۔ مگر ان کی ذاتِ گرامی، اہلِ غزنی کے لئے بے شمار برکتوں کا باعث ہے۔ تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے کہ اللہ نے تمہیں بے پناہ دولت بخشی لیکن اس کے ساتھ ہی تم سے تمہاری بصارت چھین لی۔ اس لئے تم روشن آنکھیں رکھتے ہوئے بھی اندھوں کی طرح ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہو۔"

سردار تبریز جواباً کچھ کہنا چاہتا تھا مگر امیرِ غزنی نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے کہا۔ "اب میری ایک ہی خواہش ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ اور اپنی بے پناہ دولت کے سہارے اس نظام شاہ کو خرید لو، جس کی قیمت تمہارے بقول چند سکوں سے زیادہ نہیں۔" امیر سبکتگین کا لہجہ نہایت تحقیر آمیز تھا۔ "اور یاد رکھنا! اگر تم ایسا نہ کر سکو تو آئندہ مجھے اپنی صورت بھی نہ دکھانا۔"

سردار تبریز شدید غصے کی حالت میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ "امیر! تم غزنی کی گلیوں میں بھیک مانگنے والے ایک کمبل پوش کے لئے دوستی کے مقدس رشتے کو بدنام کر رہے ہو۔" اچانک سردار تبریز کا لہجہ بھی زیادہ تلخ ہو گیا تھا۔

"بھکاری نظام شاہ نہیں، تم ہو۔" جواب میں امیر سبکتگین کے ہونٹوں سے بھی آگ برسنے لگی تھی۔ "اور جب تم نے دوستی کو مقدس رشتے کا نام دیا ہے تو غور سے سن لو کہ یہ تقدس اسی وقت تک برقرار رہ سکتا ہے، جب تک کوئی آدمی انسانیت کے دائرے میں رہے۔ مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ تم نے انسانیت کی قبا اُتار پھینکی ہے۔ مجھے اپنی کم نظری پر بہت دکھ ہے سردار تبریز! کہ میں نے تمہارے چہرے کا یہ رخ کیوں نہیں دیکھا۔" جوشِ جذبات میں امیر سبکتگین بھی کھڑا ہو گیا تھا۔ "آئندہ یاد رکھنا کہ میں شیخ نظام شاہ کی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔"

"تم میرے تعاون کا یہ صلہ دے رہے ہو امیر!" سردار تبریز کی برہمی بھی نقطۂ عروج پر تھی۔ "وہ وقت یاد کرو، جب میں نے پری تکین کے مقابلے میں تمہاری کھلی ہوئی حمایت کی تھی۔"

"میں نے تمہاری اس محبت کو فراموش نہیں کیا ہے۔" امیر سبکتگین کا لہجہ کسی قدر نرم ہو گیا تھا۔ "مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم میری محبوب شخصیت کو غزنی کی گلیوں کا بھکاری کہہ کر پکارو، اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ میں اس کی عزت کروں تو اسے پہلے نظام شاہ کا احترام کرنا ہو گا۔"

"امیر! بات ختم ہو گئی۔" سردار تبریز نے پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے کہا۔ "اب آڑے وقت میں تم اسی گداگر کو پکارنا۔ میں جا رہا ہوں اور برسوں پرانی دوستی کے رشتے کو ختم کر کے جا رہا ہوں۔" یہ کہہ کر سردار تبریز جانے کے لئے مڑا۔

"ٹھہرو تبریز!" سبکتگین نے پورے جاہ و جلال کے ساتھ پکارا۔ "اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہاری حمایت کے سبب تخت نشین ہوا ہوں تو ایک بار پھر اپنی تمام تر طاقت استعمال کرو اور میرے قدموں کے نیچے سے اس تخت کو کھینچ لو۔"

سردار تبریز نے مڑ کر امیرِ غزنی کی طرف دیکھا۔ شدتِ جذبات سے سبکتگین کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ "ایک بات پورے ہوش و حواس کے ساتھ سن لو کہ میں شیخ نظام شاہ کے پیر و مرشد سیّد امیر علی شاہ کی دعاؤں سے اس منصب تک پہنچا ہوں۔ مجھ پر میرے اللہ کے سوا کسی کا کوئی احسان نہیں۔ اگر تم میری حمایت ترک کر کے مجھے اقتدار سے محروم کر سکتے ہو تو اپنا یہ شوق بھی پورا کر لو۔ میں شکست و ناکامی کے وقت تمہیں آواز نہیں دوں گا۔"

اچانک سردار تبریز کے ہونٹوں پر ایک عیار مسکراہٹ اُبھر آئی۔ اس نے عجیب انداز سے سر کو جھٹکا دیا اور واپس جانے کے لئے مڑا۔

"اور یہ بھی سن لو۔" خلوت گاہ میں سبکتگین کی بارُعب آواز گونجی۔ "نگار خانم کو ایک بے سہارا لڑکی سمجھ کر اپنی طاقت کا استعمال نہ کرنا۔ اگر تم دولت کے نشے میں حدود سے باہر نکلے تو مجھے اپنے راستے کا سب سے بھاری پتھر پاؤ گے۔"

سردار تبریز ایک بار پھر مسکرایا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا باہر نکل گیا۔

❀❀❀❀❀

وہ رات امیر سبکتگین نے جاگ کر گزاری۔ ملکۂ غزنی بھی شوہر کے اس غیر معمولی اضطراب سے بے خبر نہیں تھی۔ آخر اُس نے والیٔ غزنی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "امیرِ معظم! یہ انصاف نہیں کہ آپ ذاتی غموں میں اپنی بیوی کو شریک نہ کریں۔" ملکۂ غزنی کے لہجے سے شدید محبت اور غمگساری کا اظہار ہو رہا

تھا۔ ''اگر آپ زندگی کے معرکے میں اسی طرح تنہا لڑتے رہے تو پھر میرا وجود ہی بیکار ہے۔ میں روایتی عورت نہیں جو حرم سرا کے ریشمی پردوں کے پیچھے چپ چاپ بیٹھی اپنے شوہر کو اذیت و کرب کی آگ میں جلتا ہوا دیکھتی رہے۔''

''میں ملکۂ عالیہ کی رفاقتوں کا معترف ہوں۔'' امیر سبکتگین مسکرایا۔ مگر اُس کی مسکراہٹ بے جان سی تھی۔ ''میں باہر کے جھگڑوں سے گھر کے اندر کا سکون غارت نہیں کرنا چاہتا۔'' سبکتگین نے بات کو ٹالنا چاہا مگر ملکۂ غزنی کا اصرار بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ امیر اپنے اور سردار تبریز کے درمیان ہونے والے جھگڑے کی تفصیلات بتانے پر مجبور ہو گیا۔

''سردار تبریز، دوستی کی آڑ میں مجھ پر ناجائز دباؤ ڈال رہا ہے۔'' امیر سبکتگین کے لہجے میں بڑا کرب تھا۔ ''وہ بار بار مجھے اپنی حمایت کا طعنہ دے رہا تھا۔ اُس کی باتیں سن کر ایسا محسوس ہوا، جیسے یہ حکومت مجھے بھیک میں دی گئی ہے۔'' سبکتگین نے ملکۂ غزنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اب تم ہی کہو کہ میں شیخ کی برائی کس طرح سنوں؟......اور ایک مجبور لڑکی کو اس کے حوالے کیسے کر دوں؟''

''آپ کے دونوں فیصلے درست ہیں امیر!'' ملکۂ غزنی نے انتہائی محبت آمیز لہجے میں کہا۔ ''نظام شاہ کی عزت و توقیر بھی ہمارے فرائض میں شامل ہے اور ایک بے سہارا لڑکی کی حفاظت بھی۔ آپ سردار تبریز کو اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آپ کا دوست اتنی پستیوں میں بھی اُتر سکتا ہے؟''

''مجھے اپنی کم نظری پر خود بھی افسوس ہے۔'' امیر سبکتگین بہت شرمسار نظر آ رہا تھا۔

''خیر! افسوس کا وقت گزر گیا۔'' ملکۂ غزنی نے شوہر کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ''ماضی کا ماتم چھوڑیئے اور حال و مستقبل پر نظر کیجئے۔''

''جب سردار تبریز رخصت ہوا تو اس کے تیور بہت خراب تھے۔'' امیر سبکتگین نے تشویش ناک لہجے میں کہا۔ ''مجھے اس کی مسکراہٹ میں ایک دھمکی پوشیدہ نظر آتی تھی۔''

''تو کیا آپ اس سے خوف زدہ ہیں؟'' ملکۂ غزنی نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''میں سردار تبریز سے خوفزدہ نہیں مگر اس وار کے متعلق ضرور سوچ رہا ہوں جو میری پشت پر کیا جائے گا۔'' امیر سبکتگین نے اپنی خواب گاہ میں ٹہلتے ہوئے کہا۔ ''اور مجھے اس مجبور لڑکی کی فکر بھی ستا رہی ہے۔ وہ بہت زیادہ کمزور اور تنہا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں سردار تبریز میری بے خبری کے عالم میں اپنی کمینگی کا کوئی مظاہرہ نہ کر گزرے۔ اُس کی ہوس ناک فطرت نے نگار خانم سے شادی کرنے کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا ہے۔''

''پھر کیا ہوگا؟'' ملکۂ غزنی بھی نگار خانم کی بے کسی پر افسردہ نظر آنے لگی۔

''اب یہی ایک صورت باقی رہ گئی ہے کہ میں اس مکان کے گرد اپنے مسلح جاسوس متعین کر دوں گا جہاں نگار خانم ایک غریب بیوہ اور اس کے کمسن لڑکے کے ساتھ رہتی ہے۔'' امیر سبکتگین نے بیوی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''ملکۂ غزنی کو معلوم ہونا چاہئے کہ شیخ نظام شاہ کے کمزور کاندھوں پر کتنے افراد کی کفالت کا بوجھ ہے۔'' یہ کہتے کہتے امیر سبکتگین کے چہرے پر گہری اُداسی جھلکنے لگی تھی۔

''پھر آپ شیخ کے اس بوجھ کو کم کیوں نہیں کر دیتے؟'' ملکۂ غزنی نے شوہر کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

''کاش یہ ممکن ہوتا۔'' امیر سبکتگین نے اپنے دونوں ہاتھوں کو ملتے ہوئے کہا۔

''آپ ایک بار اُن سے کہہ کر تو دیکھیں۔'' ملکۂ غزنی کے لہجے میں ایک خلش بھی تھی اور جوش بھی۔

''تمہیں کیا خبر کہ میں نے شیخ سے کیا کیا کہا ہے۔'' امیر سبکتگین کے لہجے کی شکستگی کچھ اور نمایاں ہو گئی تھی۔ ''اب کچھ کہنے کی ہمت نہیں کہ شیخ کے جلال سے ڈر لگتا ہے۔ اس بدنصیب لڑکی کو بھی پناہ لینے کے لئے وہی ایک گھر رہ گیا تھا؟''

''پھر وہ کہاں جاتی؟'' ملکۂ غزنی نے شکایتاً کہا۔

''میں نگار خانم کو قصرِ شاہی میں آرام و سکون کے ساتھ رکھنا چاہتا تھا، مگر اس طوفان سے ڈرتا ہوں کہ ہزار کوشش کے باوجود جس کا زور ابھی تک نہیں ٹوٹا ہے۔'' امیر سبکتگین نے ایک بار پھر اپنی مجبوریاں بیان کرتے ہوئے کہا۔ ''اب میری یہی خواہش ہے کہ کسی طرح نگار خانم کی شادی جلد از جلد ہو جائے۔ پہلے صرف محمود کی طرف سے ایک اندیشہ پریشان کرتا تھا اور اب سردار تبریز کا فتنہ بھی اُٹھ کھڑا ہوا ہے۔'' یہ کہہ کر امیر سبکتگین نے محمود کو بھی خلوت میں طلب کر لیا۔

پھر بیٹے کو تمام صورتِ حال سے آگاہ کرنے کے بعد امیر غزنی نے کہا۔ ''فرزند! میں تمہاری ذہانت کا قائل ہو گیا ہوں کہ تم نے مجھ سے پہلے سردار تبریز کی بدنیتی کا اندازہ کر لیا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میرا منصوبہ قصرِ شاہی کی حدود سے نکل کر سردار تبریز کے حلقوں تک پہنچے۔ اب مجھے اپنے گرد کئی سنگین خطرات کا احساس ہونے لگا ہے۔ اس لئے تم بڑی رازداری کے ساتھ اپنے کچھ معتبر سپاہیوں کو سادہ لباسوں میں نگار خانم کی حفاظت پر متعین کر دو اور انہیں حکم دے دو کہ اس مکان کے قریب پائے جانے والے ہر مشکوک شخص کو فوراً گرفتار کر لیا جائے۔ اور اگر سردار تبریز کے آدمی حملہ آور ہوں یا مزاحمت کی کوشش کریں تو انہیں بے دریغ قتل کر دیا جائے۔''

باپ کی زبانی یہ نیا انکشاف سن کر محمود کا خون کھول اٹھا تھا اور اس کے چہرے کی حالت متغیر ہو گئی تھی۔ امیر سبکتگین نے ایک لمحے میں بیٹے کی بگڑتی ہوئی کیفیت کو محسوس کر لیا تھا۔ اس لئے فوراً ہی محمود کو سخت لہجے میں تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔

''فرزند! تم اپنے پورے ہوش و حواس میں رہو گے۔ اگر تم پر جذباتیت غالب آ گئی تو سارا کھیل بگڑ جائے گا۔ میں نے اس معاملے میں تمہیں صرف اس لئے رازدار بنایا ہے کہ تم سیاست کے نشیب و فراز سے باخبر ہو سکو۔ یہ تمہارے صبر و استقامت اور قوتِ برداشت کا امتحان ہے۔ تمہیں آئندہ زندگی گزارنے کے لئے گوشت و پوست کے بجائے پتھر کا انسان بننا ہوگا۔ سردار تبریز ایک انتہائی سرد مزاج انسان ہے، اس لئے تمہیں بھی اپنے اعصاب کو برف بنانا ہوگا۔ اگر تم شعلے کی طرح بھڑکے تو دشمن موجِ آب بن کر تمہیں بجھانے کی کوشش کریں گے۔''

''میں امیرِ معظم کی ہدایات پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کروں گا۔'' محمود نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

''اور سپہ سالار ابو مسلم کی حرکات و سکنات پر بھی کڑی نظر رکھنا کہ وہ سردار تبریز کا بہت گہرا دوست ہے۔'' امیر سبکتگین نے محمود کو نیا حکم دیتے ہوئے کہا۔ ''میں کسی شک کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کرنا نہیں چاہتا۔ مجھے کچھ دن انتظار کرنا ہوگا کہ سردار تبریز اپنے خول سے باہر آ جائے۔ ابھی میرا حُسنِ ظن قائم ہے اور میں ابھی تک اس خود غرض انسان کو اپنا دوست ہی سمجھتا ہوں۔''

*****

محمود کے دل پر قیامت سی گزر گئی تھی۔ بار بار اس کے سینے میں نفرت و غضب کا طوفان اُٹھتا [illegible] باپ کی سخت ہدایت، غصے کی اس آگ کو راکھ بنا دیتی تھی۔ محمود نے کئی مرتبہ تنہائی میں اپنی شمشیر کو [illegible] کیا اور غائبانہ طور پر سردار تبریز کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”کاش! والد محترم مجھے اپنے حکم کی قید [illegible] آزاد کر دیتے اور پھر میں تیرے ہی خون سے تیری اس مجرمانہ خواہش کو دھو ڈالتا۔“ محمود کے اندر ابھی [illegible] وہ عاشق زندہ تھا جسے بظاہر اخلاقی مجبوریوں نے سرخ کفن پہنا دیا تھا۔

بہت دیر تک محمود اپنے آپ سے اُلجھتا رہا۔ کئی بار اس کے جی میں آئی کہ وہ نگار خانم سے [illegible] کہے۔

”میں اپنے عہد کا پابند سہی مگر تُو اس دنیا میں تنہا نہیں ہے۔ میں تیری طرف اُٹھنے والی ہر [illegible] بجھا دوں گا۔ اور تیری طرف بڑھنے والے ہر غلیظ ہاتھ کو قطع کر دوں گا۔ مگر میری زندگی میں تیری آبرو [illegible] پیرہن پر کوئی داغ نہیں آئے گا۔“ محمود بہت دیر تک خود کلامی کے انداز میں بولتا رہا۔ پھر اسے نگار [illegible] کے آخری الفاظ یاد آئے۔

”ولی عہدِ سلطنت یہاں تشریف لا کر میری رسوائی کا سامان فراہم نہ کریں۔“

نگار خانم کے الفاظ کی بازگشت سنائی دی تو محمود کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ دل کی دھڑ[illegible] بے ربط ہو گئیں اور اعصابی تشنج بڑھنے لگا۔ پھر ایسی کیفیت کے دوران محمود کی سماعت میں امیرِ غزنی [illegible] الفاظ گونجنے لگے۔

”فرزند! تمہیں اپنے اعصاب کو برف بنانا ہوگا۔“

صورتِ حال کی سنگینی نے محمود کو سنبھلنے پر مجبور کر دیا۔ پھر اس نے بہت غور و فکر کے بعد دس بہ[illegible] شمشیر زنوں کا انتخاب کیا اور انہیں تفصیلی ہدایات دے کر نگار خانم کے مکان کی طرف روانہ کر دیا۔ محمو[illegible] بھی رات کے وقت بھیس بدل کر اپنے جاسوسوں سے ملا کرتا تھا، مگر ابھی تک سردار تبریز کی طرف سے [illegible] قسم کی کارروائی کا آغاز نہیں ہوا تھا۔

❀❀❀❀❀

سردار تبریز نے امیر سبکتگین کے پاس آنا جانا ترک کر دیا تھا۔ والیٔ غزنی کو اس کے طرزِ عمل سے [illegible] ذہنی اذیت پہنچی تھی۔ وہ اکثر ملکۂ غزنی سے کہا کرتا تھا۔ ”سردار تبریز نے دوستی کو ہوس پر قربان کر دیا۔“ ملکۂ غزنی، شوہر کو تسلی دیتے ہوئے کہتی۔ ”لوگوں کے جانے کا غم نہ کریں کہ وہ جانے ہی کے [illegible] آتے ہیں۔“

”برسوں کی رفاقت تھی، چند دنوں میں کیسے بھول جاؤں؟“ سبکتگین کو ماضی کے کچھ مناظر شد[illegible] سے یاد آرہے تھے۔ وہ جو دوستی کو مقدس رشتے کا نام دیتا تھا۔ کوئی اس سے پوچھے کہ وہ رشتہ کہاں [illegible] اور کس نے اس رشتے کو اشیائے ضرورت کی طرح بازار میں نیلام کر دیا؟“

”امیرِ معظم! اس تکلیف دہ ذکر کو چھوڑیئے اور خدا کا شکر ادا کیجئے کہ آپ کا یہ دوست بہت جلد [illegible] نقاب ہو گیا۔“ ملکۂ غزنی نے انتہائی غم گسارانہ لہجے میں کہا۔

”ہاں! اللہ جو کرتا ہے، بہتر کرتا ہے۔“ سبکتگین نے اپنے کمرے میں آویزاں روشن فانوس کی طر[illegible] دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اس ظاہری روشنی سے کچھ نہیں ہوتا، جب تک کہ انسان کے اندر روشنی موجود نہ ہو۔

پھر کچھ دیر بعد خواب گاہ کی روشنیاں بجھا دی گئیں اور سبکتگین گہری نیند سو گیا۔ اسی رات امیرِ غزنی نے سیّد امیر علی شاہ کو خواب میں دیکھا۔ سیّد امیر علی شاہ فرما رہے تھے۔

”سبکتگین! اللہ نے تیرے پیروں کی زنجیریں کاٹ دیں مگر تُو اپنے خالق کا شکر ادا نہیں کرتا۔ اب تو تیرے قدم آزاد ہیں، پھر تُو غزنی سے نکل کر کیوں نہیں دیکھتا کہ بت پرست آپس میں کیا مشورے کر رہے ہیں۔“

اس کے ساتھ ہی امیر سبکتگین کی آنکھ کھل گئی اور اس نے گھبرا کر چاروں طرف دیکھا۔ چند لمحوں بعد جب نیند کا اثر زائل ہوا تو امیرِ غزنی اس حقیقت تک پہنچ گیا کہ سیّد امیر علی شاہ، عالمِ خواب میں تشریف لائے تھے اور اُس کی بے خبری پر تنبیہ کر رہے تھے۔

اسی دن امیر سبکتگین نے اپنے درباری اُمراء کے سامنے ایک طویل خطبہ دیا۔

”تمام بڑائیاں اور تمام ظاہری و باطنی اقتدار صرف اللہ کے لئے ہے کہ وہ انسانی اندازوں سے ز[illegible]ہ قوی اور لازوال قدرت رکھنے والا ہے۔“ سبکتگین نے انتہائی پُرجلال لہجے میں اپنے درباری اُمراء کو [illegible]ب کرتے ہوئے کہا۔ ”ہم سب کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ غزنی کے در و دیوار پر اللہ کی بے[illegible] رحمت سایہ فگن ہے۔ اس سے پہلے کہ ہمارے سروں سے اس کی رحمت کا سائبان کھینچ جائے، ہمیں اللہ [illegible] نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ اور شکر گزاری کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم نماز قائم کریں اور کشادہ دلی کے ساتھ زکوٰۃ دیں۔ اور جو زندگی کے راستے میں تھک کر گر گئے ہیں، انہیں اپنے طاقتور بازوؤں کا سہارا دے کر اُٹھائیں........ اور جن نادار لوگوں کے شکم بھوک کی آگ میں جل رہے ہیں۔ ان پر اپنے اناج کے ذخیروں کے منہ کھول دیں اور جن کے بوسیدہ لباسوں سے ستر کھل جانے کا اندیشہ ہے، ان کے جسموں کو ڈھانک دیں۔“ یہ کہہ کر امیر سبکتگین چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گیا۔ پھر زیادہ بلند آواز میں کہنے لگا۔ ”اور جن لوگوں کو اللہ نے صاحبِ ثروت بنایا ہے، ان پر لازم ہے کہ وہ جہاد کے راستے میں اپنی دولت سے میری معاونت کریں۔ افواجِ غزنی کو مزید ہتھیاروں کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت کثیر سرمائے کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی۔ میں اپنے آسودہ حال ساتھیوں کو باخبر کرتا ہوں کہ مملکتِ غزنی، باطل قوتوں کی آنکھ میں کسی خار کے مانند کھٹک رہی ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ان کے حملہ آور ہونے سے پہلے اپنی جنگی مہم کا آغاز کر دوں۔“

سردار تبریز بھی دربار میں موجود تھا۔ امیر سبکتگین کا خطبہ سن کر اس کے چہرے کا رنگ بگڑ گیا اور ماتھے پر کئی بل پڑ گئے۔ امیرِ غزنی نے بھی سردار تبریز کی اس کیفیت کو محسوس کر لیا تھا۔ مگر اس نے کسی جھجک کے بغیر اپنی تقریر جاری رکھی۔ ”اور جو لوگ عیش و عشرت میں مبتلا ہیں، ان سے میری دردمندانہ درخواست ہے کہ وہ اس روش کو ترک کر دیں اور گناہوں سے تائب ہو کر سیدھے راستے پر چلنے کی کوشش کریں۔ پچھلی قومیں اسی لئے ہلاک کر دی گئیں کہ ان کے سرداروں، امیروں نے گناہوں کو زندگی کا مشغلہ بنا لیا تھا۔ اس سے پہلے کہ دستِ قضا اچانک نمودار ہو کر ہماری معصیت آلود زندگی کا خاتمہ کر دے، ہمیں خود اپنے اعمال کا احتساب کر لینا چاہئے۔ اہلِ غزنی خوب جانتے ہیں کہ یہاں رقص و سرود اور شراب نوشی پر پابندی عائد کر دی گئی ہے، مگر مجھے خبر ہے کہ اب بھی کچھ بااثر لوگوں کی خلوتیں ان لعنتوں سے پاک نہیں [illegible]۔ میں گزرے ہوئے کل کا ذکر نہیں کرتا، لیکن آج میری خواہش ہے کہ لوگ رضاکارانہ طور پر اپنے

کیف و نشاط کے نہاں خانوں کو مسمار کر دیں اور ظاہر و باطن کو یک رنگ بنالیں کہ اسی میں ہماری
ہے۔" یہ کہہ کر امیر سبکتگین نے اپنے اہلِ دربار پر نظر ڈالی اور پھر ٹھہر ٹھہر کر کہنے لگا۔ "اگر کچھ لوگوں کو یہ
باتیں گراں گزری ہیں تو میں ان سے معذرت نہیں کروں گا۔ یہ ایک اسلامی مملکت ہے۔ اور یہاں ہر
اللہ اور رسول ﷺ کے آئین کے مطابق زیست بسر کرنی ہوگی۔ بدقسمتی سے جو لوگ اس طرزِ حیات کو
نہیں کرتے۔ انہیں میرا مشورہ ہے کہ وہ غزنی کی حدود سے نکل کر کہیں اور چلے جائیں ورنہ میں خود ان کا
احتساب کروں گا۔ اہلِ غزنی پر واضح رہے کہ یہ عملِ احتساب کسی کو معاف نہیں کرے گا۔ یہاں تک کہ
میری اپنی ذات بھی اس عمل سے محفوظ نہیں رہ سکے گی۔"
یہ کہہ کر امیر سبکتگین نے دربار برخاست کر دیا۔

*****

غزنی کے چند عیش پرست امیروں کو سبکتگین کا یہ خطبہ بہت گراں گزرا تھا۔ سردار تبریز نے اس
صورتِ حال سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ وہ اپنے ہم مشرب امیروں سے تنہائی میں ملا اور
سبکتگین کے خلاف انتہائی نفرت انگیز تقریر کی۔

"ہمیں افسوس ہے کہ ہم نے غلط فیصلہ کیا اور ایک ایسے انسان کو منصبِ امارت تک پہنچایا جو حکومت
کے نشے میں پاگل ہو کر ہمارے ہی عزت و وقار کا دشمن بن گیا ہے۔ وہ اوّل و آخر ایک غلام زادہ
ثابت ہوا۔ ہم نے اپنے آہنی ہاتھوں سے اس کے پیروں کی زنجیریں کاٹیں اور اب وہ ہمارے ہی
سینوں کو اپنے غلیظ قدموں سے روند دینا چاہتا ہے۔" سردار تبریز کے ہونٹوں سے زہر ٹپک رہا تھا۔ "وہ
فطری طور پر ایک حاسد اور کم ظرف انسان ہے، اس لئے اس کی نظروں میں ہمارا مال و متاع اور معاشرتی
رُتبہ کھٹکتا ہے۔ وہ جہاد کے بہانے ہم سے ہمارا سرمایہ چھین لینا چاہتا ہے۔ پھر جب ہم بے اثر ہو جائیں
گے تو وہ بھکاریوں کی طرح ہمیں غزنی کی گلیوں میں پھرائے گا، وہ خود ایک بھکاری نظام شاہ کا عقیدت
مند ہے اس لئے ہمیں بھی گداگری کا سبق پڑھا رہا ہے۔ یہی اس کا منصوبہ ہے اور یہی اس کی چال
ہے۔"

دوسرے امراء نے بہت غور سے سردار تبریز کی شر انگیز تقریر سنی اور اثبات میں اپنے سروں کو اس
طرح جنبش دی، جیسے وہ حرف بہ حرف اس سے اتفاق کرتے ہیں۔

"مگر ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔" سردار تبریز نے اپنے ہمنوا امیروں کو دوبارہ مخاطب کرتے
ہوئے کہا۔ "وہ ہماری عادتیں اور مزاج بدلنا چاہتا ہے لیکن اس سے پہلے ہم اسے ہی بدل ڈالیں گے۔" یہ
کہہ کر سردار تبریز نے اپنے ساتھی امراء کے چہروں کی طرف دیکھا۔

"ابھی اتنی جلد بازی کی ضرورت نہیں۔" غزنی کے با اثر امیر ترکمان بن داؤد نے کہا۔ "ابھی اس کے
نئے اقدام کا انتظار کرو۔ اگر اس نے ہمارے گریبانوں پر دست درازی کی تو پھر ہم بھی اس کے لباس کی
دھجیاں اُڑا دیں گے۔"

"مگر اس وقت بہت دیر ہو چکی ہوگی امیر ترکمان!" سردار تبریز نے تشویش ناک لہجے میں کہا۔

"تمہارے اندیشے درست ہیں۔ مگر پھر بھی ہمیں کچھ دن انتظار کرنا ہوگا۔" ترکمان بن داؤد نے کہا۔
"میں سبکتگین سے نہیں، نظام شاہ کی روحانی طاقت سے ڈرتا ہوں۔"

جیسے ہی ترکمان بن داؤد کا جملہ ختم ہوا، کمرے میں سردار تبریز کا بلند قہقہہ گونجا۔ "تم کب سے
روحانیت کے قائل ہو گئے ترکمان!" سردار تبریز کا لہجہ تمسخر آمیز تھا۔ "جس شخص کے جسم پر ایک لباس کے
سوا برسوں تک دوسرا لباس نظر نہ آئے اور جس نے سوکھی روٹیوں کے سوا کسی دوسری غذا کا ذائقہ نہ چکھا ہو،
اس کی روحانی طاقت ہی کیا؟ پھر بھی اگر تم نظام شاہ سے خوف زدہ ہو تو اس گدا گر کو میں خود دیکھ لوں گا۔"

"آج کی تقریر کے بعد میں خود بھی سبکتگین کو پسند نہیں کرتا لیکن اسے اقتدار سے ہٹانا اتنا آسان
نہیں ہے۔" ترکمان بن داؤد نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "اگر ہم نظام شاہ کی روحانی
قوت کو نظر انداز بھی کر دیں تو فوجی طاقت کو کہاں لے جائیں گے؟ افواجِ غزنی مکمل طور پر اس کے زیر
اثر ہے۔"

"آج کے بعد افواجِ غزنی پر اس کی کوئی گرفت باقی نہیں رہے گی۔" سردار تبریز نے انتہائی پُرجوش
لہجے میں کہا۔ "غزنی کا سپہ سالار ابو مسلم میرا گہرا دوست ہے۔" یہ کہتے کہتے سردار تبریز کے چہرے پر خوشی
کی ایک تیز لہر نمایاں ہوگئی تھی۔

"سیاست میں دوستیوں پر زیادہ اعتبار نہیں کیا جاتا سردار تبریز!" ترکمان بن داؤد نے رک رک کر کہا۔

"میں جانتا ہوں...... میں جانتا ہوں۔" سردار تبریز نے مضطرب انداز میں کرسی کے دائیں بازو پر
ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "دوستی اس وقت زیادہ معتبر اور مستحکم ہو جاتی ہے، جب کسی شخص کے گرد حرص و
ہوس کا حصار کھینچ دیا جائے۔"

"اس بات سے تمہارا کیا مطلب ہے سردار تبریز!" ترکمان بن داؤد نے چونک کر کہا۔

"ہم سپہ سالار ابو مسلم کو حکمرانی کا خواب دکھائیں گے۔" سردار تبریز نے اپنے فتنہ انگیز منصوبے کی
تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ "جب ایک بار ابو مسلم کی آنکھیں اس لذت آمیز خواب سے آشنا ہو جائیں گی،
پھر اسے دنیا میں اقتدار کے سوا کوئی دوسرا منظر دکھائی نہیں دے گا۔"

تمام ہمنوا امیروں نے سردار تبریز کی بات بڑی حیرت سے سنی۔

"اس طرح غزنی کا نیا حکمران کمزور بھی ہوگا اور ہماری جنبشِ نظر کا پابند بھی۔" سردار تبریز کے ہونٹوں
پر ایک شیطانی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ "دنیا میں وہی لوگ کامیاب رہتے ہیں، جنہیں بادشاہ گری کا
فن آتا ہے۔ اب وقت کا پہلا تقاضا یہی ہے کہ ہم سبکتگین کے قدموں کے نیچے سے غزنی کا تخت کھینچ لیں
اور وہ پہلے کی طرح پتھریلی زمین پر تنہا کھڑا رہ جائے۔" یہ کہہ کر چند لمحوں کے لئے سردار تبریز خاموش ہو
گیا۔ اور پھر ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ "اگر ہم نے ایسا نہیں کیا تو وقت ہمیں اتنی مہلت بھی
نہیں دے گا کہ ہم اپنی حسرتوں کی لاش پر ماتم کر سکیں۔"

سبکتگین کے خلاف سازش میں شریک ہونے والے تمام امراء، سردار تبریز کے اس منصوبے سے متفق
تھے۔ بس ترکمان بن داؤد ہی کچھ ہراساں نظر آ رہا تھا اور اس خوف کی وجہ نظام شاہ کا جلالِ روحانی تھا۔

*****

اہلِ سازش کا یہ اجتماع رات گئے تک جاری رہا۔ جیسے جیسے رات بڑھتی گئی، ان امراء کے دل و دماغ
کی تاریکیوں میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ پرانی سے پرانی شراب لائی گئی اور بہت دیر تک صراحی و ساغر گردش
میں رہے۔ پھر سردار تبریز کی دعوت پر غزنی کا سپہ سالار، ابو مسلم بھی اس مجلس میں شریک ہو گیا۔

ابو مسلم فطری طور پر ایک نہایت شجاع انسان تھا اور اس کے ساتھ ہی اسے فنونِ حرب وضرب میں بھی مہارت حاصل تھی۔ اسی وجہ سے غزنی کے سابق حکمراں پری تگین نے ابو مسلم کو نائب سپہ سالار مقرر کیا تھا۔ پھر جب پری تگین نے خودکشی کر لی تو امیر سبکتگین نے اسے سپہ سالار بنا دیا۔ اور آج وہی ابو مسلم سازشی امراء کے نرغے میں گھرا ہوا تھا۔

"آؤ ابو مسلم! تم بھی پیو۔" مجلسِ فتنہ گری میں سالارِ غزنی کے داخل ہوتے ہی سردار تبریز نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

ابو مسلم مسکرایا اور سردار تبریز کے قریب ہی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "سردار خوب جانتے ہیں کہ میں ایک سپاہی ہوں اور سپاہی ایک لمحے کے لئے بھی حالت بے خودی میں نہیں رہ سکتا۔"

"یہ محفلِ کیف و نشاط تمہارے ہی لئے آراستہ کی گئی ہے۔" سردار تبریز کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ اُبھر آئی تھی۔

"میرے لئے؟" سالارِ غزنی، ابو مسلم نے چونک کر کہا۔

"تمہارے بہتر مستقبل کی خوشی میں۔" سردار تبریز رک رک کر بول رہا تھا۔ "دراصل یہ تمہارا جشنِ فتح ہے اور اسی خوشی میں ہم بادہ و ساغر سے دل بہلا رہے ہیں۔ تم بھی چکھ کر دیکھو، دنیا کی یہ نعمت کیسی کیف انگیز ہے۔"

"میرا جشنِ فتح؟" سالارِ غزنی کی حیرت لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جا رہی تھی۔

"ہم نے طے کر لیا ہے کہ آئندہ تم ہی سلطنتِ غزنی پر حکمرانی کرو گے۔" اچانک سردار تبریز کے لہجے کا وہی متکبرانہ رنگ لوٹ آیا تھا۔

"نہیں سردار!" ابو مسلم، فرطِ حیرت سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "میرے لئے موجودہ منصب ہی بہت ہے۔"

"بیٹھ جاؤ، احمق انسان! بیٹھ جاؤ اور اپنے دوست کی بات غور سے سنو۔" سردار تبریز نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ابو مسلم فوراً ہی اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ "کیا تمہاری زندگی صرف اسی مقصد کے لئے ہے کہ تم موسم کی سختیاں برداشت کرتے رہو اور پھر ایک دن کسی بے آب و گیاہ صحرا میں لاوارثوں کی طرح قتل ہو جاؤ...... اور اگر بے شمار زخم کھا کر زندہ بھی رہو تو تمہیں اس بے پناہ خدمت کے صلے میں کیا معاوضہ ملتا ہے؟ محض چند سکے؟ کیا تمہاری جاں نثاری اور سرفروشی کا یہی انعام ہے؟...... نہیں ابو مسلم! ہرگز نہیں۔" یکایک سردار تبریز نے چیخ کر کہا۔ "میں اسے تسلیم نہیں کرتا۔ یہ تمہاری بزدلی اور کم عقلی ہے۔ اگر ہو سکے تو آگے بڑھ کر اپنا حق چھین لو، ورنہ یہ موسم دوبارہ نہیں آئے گا۔ تم ایک خوش نصیب سپاہی ہو کہ تمہیں ہم جیسے بادشاہ گروں کی تائید حاصل ہے۔ اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ اگر تم نے ان خوش نصیب لمحوں کو اپنی گرفت میں نہیں لیا تو پھر کسی دن وطن سے دور، کسی ویران اور اجنبی محاذ پر قتل ہو جاؤ گے۔ اس کے بعد تمہارے بیوی بچے انتہائی کسمپرسی کی زندگی گزاریں گے یا غزنی کی گلیوں میں بھیک مانگتے پھریں گے۔"

سردار تبریز نے ایک سپہ سالار کے انجام کا اس قدر بھیانک نقشہ کھینچا کہ ابو مسلم کے چہرے پر کئی رنگ اُبھر اُبھر کر ڈوبتے رہے۔ ان رنگوں میں وحشت، کشمکش، تذبذب اور پریشانی سب کچھ شامل تھا۔

حکمرانی کا خواب، عیش و عشرت سے بھرپور زندگی، تخت، کلاہ، کنیزیں، سلامی دیتے ہوئے فوجیوں کی قطاریں، رعایا کے جھکے ہوئے سر...... ابو مسلم کے دماغ پر بیک وقت اتنے خیالات حملہ آور تھے کہ وہ بدحواس ہو گیا تھا۔

"اور کیا تمہیں یہ بات معلوم ہے کہ تمہارے دوست سردار تبریز کا سر، امیر سبکتگین کی تلوار کی زد پر ہے؟" سردار تبریز نے ابو مسلم کے اعصاب پر ایک اور کاری ضرب لگاتے ہوئے کہا۔

سالارِ غزنی نے ایک بار پھر چونک کر سردار تبریز کی طرف دیکھا۔

"وہ احسان فراموش اپنے ان محسنوں کی جاگیریں ضبط کر کے انہیں زنداں کے حوالے کر دینا چاہتا ہے۔" سردار تبریز نے اپنے ساتھی امراء کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کل تم نے اس کی تقریر نہیں سنی، ہمارے ہی سرمائے کی طاقت نے اسے امیر بنایا اور اب وہ ہمیں ہی گداگروں کی صف میں کھڑا کر دینا چاہتا ہے۔"

"ایسا نہیں ہو گا سردار!" ابو مسلم کا ذہن غبار سے بھر گیا تھا۔ "امیر سبکتگین میری رضامندی کے بغیر آپ حضرات کو چھو بھی نہیں سکتے۔ آخر میں سالارِ غزنی ہوں۔ اس مملکت کا محافظِ اعلیٰ۔"

سردار تبریز نے محسوس کیا کہ پتھر آہستہ آہستہ پگھل رہا ہے۔ اس نے بڑی عیاری کے ساتھ ابو مسلم کے سلگتے ہوئے ذہن کو شاطر لفظوں کی نئی آنچ دی۔ "تمہاری مرضی ہی کیا ابو مسلم! کہ تم خود چند دنوں کے مہمان ہو۔"

سالارِ غزنی کے چہرے پر حیرت و پریشانی کا عکس اُبھرا اور پھر اس کے ماتھے پر کئی بل پڑ گئے۔ "آخر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں سردار؟"

"سبکتگین کا لڑکا محمود، سولہ سترہ سال کا ہو گیا ہے۔" سردار تبریز نے ابو مسلم کے ذہن میں شکوک اور اندیشوں کی نئی چنگاری ڈال دی۔ "سبکتگین نے مجھ سے خود کہا ہے کہ دو سال کی بات ہے، اس کے بعد محمود، افواجِ غزنی کی ذمہ داریاں سنبھال لے گا۔"

ابو مسلم گھبرا کر اپنی نشست پر کھڑا ہو گیا۔ "کیا میری خدمات کا یہی صلہ ہے؟"

"دنیا کی یہی رسم ہے ابو مسلم! کہ احمق و نادان مہرے بے خبری کے محاذ پر کٹوا دیئے جاتے ہیں۔ اب سیاست کی بساط پر تم بھی وہ بیکار مہرہ ہو، جس کی سبکتگین کو ضرورت نہیں۔ اپنی گردن کی طرف غور سے دیکھو، تمہیں امیرِ غزنی کی شمشیر جبر اپنی شہ رگ کے بہت قریب نظر آئے گی۔ میں تو صرف دوستی کے تقاضے پورے کر رہا ہوں، ورنہ سیاست میں کوئی کسی کا نہیں ہوتا۔" یہ کہہ کر سردار تبریز نے سالارِ غزنی کی طرف دیکھا۔ ابو مسلم کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

"لو، اسے پی لو...... اب تمہیں اس کی شدید ضرورت ہے۔" سردار تبریز نے شراب سے لبریز ایک ساغر ابو مسلم کی طرف بڑھایا جو بہت دیر سے کسی انسان کے ہونٹوں کا منتظر تھا۔

ابو مسلم نے آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ جامِ سرخ کی طرف بڑھایا۔

"ان نعمتوں کی قدر کرو ابو مسلم!" سردار تبریز کی لڑکھڑاتی ہوئی آواز گونجی۔ "اب تک تم انسانی خون پیتے رہے ہو۔ آج شراب کے چند قطرے بھی پی کر دیکھو...... پھر تمہیں اندازہ ہو گا کہ دونوں کی سرخی میں کیا فرق ہے؟"

ابو مسلم نے سردار تبریز کے ہاتھوں سے جام لیا، پھر جھجکتے ہوئے گھونٹ گھونٹ کر کے پینے لگا۔ سردار تبریز اور دوسرے امراء کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ اُبھر آئی۔ غزنی کا ایک جانباز سپاہی محفلِ کیف و نشاط میں صراحی و ساغر کے خنجر سے قتل کر دیا گیا تھا۔

پھر کچھ دیر بعد ابو مسلم گھر جانے کے لئے اٹھا تو اس کے قدم بری طرح لڑکھڑا رہے تھے۔ سردار تبریز نے اپنے دو خدمت گاروں کو حکم دیتے ہوئے کہا۔ ''سالارِ غزنی کو ان کے مکان تک چھوڑ آؤ۔'' پھر جب ابو مسلم، خلوت گاہ کے دروازے تک پہنچا تو سردار تبریز نے اسے پکار کر کہا۔ ''ابو مسلم! تم ہمیں امیر سبکتگین سے نجات دو، ہم تمہیں اس کے صلے میں غزنی کے کلاہ و تخت دیں گے۔''

''ایسا ہی ہوگا سردار!'' ابو مسلم نے جھومتے ہوئے کہا۔ ''مجھے تھوڑا سا وقت درکار ہے تاکہ میں اپنے سپاہیوں کو کامیاب بغاوت کے لئے آمادہ کر سکوں۔''

''ہاں! بہت احتیاط اور اطمینان سے سبکتگین کے گرد موت کا جال بچھا دو۔'' سردار تبریز نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں ایک ہی وقت میں امیرِ غزنی، اس کے بیٹے اور گداگر نظام شاہ کا کام تمام کرنا ہے۔ یہ تینوں ہماری عیش کوشی کے راستے کا بھاری پتھر بن گئے ہیں۔''

ابو مسلم نے لہراتے ہوئے اپنے سر کو جنبش دی اور ڈگمگاتے قدموں سے باہر نکل گیا۔

ابو مسلم اور سردار تبریز کے خدمت گاروں کو اندازہ نہ ہو سکا کہ نصف شب کے اندھیرے میں بھی ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ وہ پانچ نقاب پوش تھے جو سیاہ کپڑوں میں ملبوس ابو مسلم کا تعاقب کر رہے تھے۔

✻✻✻✻✻

اُن پانچ نقاب پوشوں میں ولی عہدِ سلطنت محمود بھی شامل تھا۔ جب سالارِ غزنی، ابو مسلم اپنے مکان میں داخل ہو گیا تو محمود تیزی سے قصرِ شاہی کی طرف پلٹا اور سبکتگین کو اس کی اطلاع دیتے ہوئے کہنے لگا۔

''امیرِ معظم! ابو مسلم نصف شب تک سردار تبریز کے ساتھ شریک رہا۔ پھر جب وہاں سے رخصت ہوا تو اُس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ میری عاجزانہ درخواست ہے کہ اُس کو سالاری کے عہدے سے اسی وقت معزول کر دیا جائے۔ اس نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ آپ کے دشمن کا دوست ہے۔''

محمود بہت زیادہ جذباتی نظر آ رہا تھا۔

ابو مسلم کے لڑکھڑانے کی بات سن کر سبکتگین کو شدید حیرت ہوئی تھی۔ ''محمود! کہیں یہ تمہارا فریبِ نظر تو نہیں؟''

''امیرِ ذیشان! میں نے پورے ہوش و حواس کے ساتھ ابو مسلم کے غیر متوازن قدموں کو دیکھا ہے۔'' محمود نے واقعے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا۔ ''وہ اس طرح سردار تبریز کے ہاں سے برآمد ہوا تھا کہ دو طاقتور خدمت گار اسے سہارا دیئے ہوئے تھے اور پھر وہ اسی عالم میں اپنے مکان تک پہنچا تھا۔''

''مجھے یقین نہیں آتا کہ ابو مسلم جیسا جانباز سپاہی بھی مے نوشی کی لعنت میں مبتلا ہو سکتا ہے۔'' امیر سبکتگین کے چہرے پر اُبھرنے والی حیرت کا رنگ کچھ اور نمایاں ہو گیا تھا۔ ''مجھے اس بات کا تو شبہ تھا کہ وہ سردار تبریز سے دوستی نبھانے کے لئے میرے خلاف سازش بھی کر سکتا ہے، مگر اس کی شراب نوشی کا تصور میرے ذہن کے کسی بعید ترین گوشے میں بھی نہیں تھا۔''

''پھر اس سلسلے میں امیرِ محترم کو میری بینائی پر اعتبار کرنا مشکل ہوگا۔'' محمود نے ادب و احترام کے

ساتھ انتہائی بے باکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''میں تمہاری آنکھوں پر شک نہیں کر رہا ہوں فرزند!'' سبکتگین نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔ ''یقیناً تمہاری بینائی مجھ سے زیادہ ہے۔ میں تو ایک جانباز سپاہی کی موت کا ماتم کر رہا ہوں۔ سردار تبریز کی دوستی نے ابو مسلم جیسے شجاع انسان کو ہوس پرستی کے زہر آلود خنجر سے ہلاک کر ڈالا۔ کاش ایسا نہ ہوتا۔''

اچانک امیر سبکتگین کے چہرے پر گہری اُداسی جھلکنے لگی تھی۔

''تو پھر اس کی معزولی کے احکامات جاری کر دیجئے۔'' محمود بہت زیادہ مضطرب نظر آ رہا تھا۔

''نہیں فرزند! سیاست کے نازک ترین معاملات میں ہم اتنی عجلت کا مظاہرہ نہیں کر سکتے۔'' امیر سبکتگین نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''ابو مسلم، افواجِ غزنی کا پسندیدہ ترین سالار ہے۔ اُسے یک بہ یک برطرف کر دینے سے کئی سنگین مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔ سب سے بڑا مسئلہ تو یہی ہے کہ اس طرح فوج دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گی۔''

''پھر؟'' محمود نے ایک مختصر ترین سوال کیا اور باپ کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

''ہمیں اس وقت کا انتظار کرنا ہوگا، جب ابو مسلم پوری طرح بہک جائے۔'' امیر سبکتگین نے اپنے جذباتی بیٹے کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''پھر ہم اس کے سیاہ کردار کو اپنی بہادر افواج کے سامنے ظاہر کر سکیں گے۔ اس کے بعد غزنی کا کوئی سپاہی اپنے سالار کی حمایت میں آواز بلند نہیں کر سکے گا۔''

''اگر اس دوران بغاوت ہو گئی یا ابو مسلم کوئی نئی چال چل گیا؟'' محمود کے چہرے پر فکر و تشویش کی گہری پرچھائیاں لرز رہی تھیں۔

''ہم اپنی سی کوشش کر دیکھیں گے۔ باقی باتیں اللہ پر چھوڑ دو کہ وہی کارسازِ حقیقی ہے۔'' امیر سبکتگین نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''جب اللہ کسی کو عزت دینا چاہتا ہے تو پھر ساری کائنات مل کر بھی اسے ذلیل نہیں کر سکتی۔ تم ابو مسلم کی نقل و حرکت پر نظر رکھو۔ اپنے معتبر جاسوسوں کو اس کے پیچھے لگا دو۔ اور تم خود ابو مسلم کا تعاقب ترک کر دو۔ اگر اسے شک ہو گیا تو پھر سارا کھیل بگڑ جائے گا۔ میں اس وقت ابو مسلم کو گرفتار کرنا چاہتا ہوں، جب اس کے پورے لباس پر جرم کی سیاہی پھیلی ہو۔ تاکہ وہ اپنے گناہ سے انکار کی جرأت نہ کر سکے۔''

محمود خاموش ہو گیا۔ مگر اس کے چہرے پر اب بھی اضطراب کا ہلکا ہلکا عکس نظر آ رہا تھا، جیسے وہ امیر کے فیصلے سے مکمل طور پر مطمئن نہ ہو۔

کچھ دیر بعد سبکتگین نے اپنے نائب سپہ سالار حماد بن ساریہ کو بھی خلوت میں طلب کر لیا۔ حماد بن ساریہ ستر سال کا ایک بوڑھا سپاہی تھا۔ امیر الپتگین کے عہدِ حکومت میں اس نے کئی جنگی کارنامے انجام دیئے تھے۔ اس عمر میں بھی حماد بن ساریہ کی صحت قابلِ رشک تھی۔ جسمانی طور پر وہ بہت زیادہ چاق و چوبند نظر آتا تھا۔ مگر حماد بن ساریہ کی شخصیت کا جو پہلو سب سے زیادہ نمایاں تھا، وہ اُس کی پرہیزگاری اور ذہانت تھی۔ اس نے کئی بار امیر الپتگین کو ایسے مشورے دیئے تھے، جن پر عمل کر کے غزنی کے مرحوم فرمانروا نے نمایاں فتوحات حاصل کی تھیں۔ اس طرح افواجِ غزنی میں حماد بن ساریہ کی حیثیت ''عسکری مدبر یا مشیر'' کی سی تھی۔ امیر سبکتگین اپنے نائب سپہ سالار پر بہت زیادہ اعتماد کرتا تھا۔

جب سبکتگین کا قاصد، حماد بن ساریہ کے پاس پہنچا تو وہ نمازِ تہجد ادا کر رہے تھے۔ پھر جیسے ہی

بوڑھے سالار نے سلام پھیرا اور اُنہیں غزنی کے امیر کا پیغام ملا تو انہوں نے مصلّیٰ لپیٹ کر طاق میں رکھا اور قصرِ شاہی کی طرف روانہ ہو گئے۔

امیر سبکتگین نے اپنی خلوت گاہ کے دروازے پر حماد بن ساریہ کا استقبال کیا۔

"امیرِ معظم! خیریت تو ہے؟" حماد بن ساریہ نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ان کے لہجے سے کسی قدر بے چینی کا اظہار ہو رہا تھا۔ کیونکہ امیر سبکتگین نے پہلی بار انہیں رات کے پچھلے پہر طلب کیا تھا۔ اور یہ ایک غیر معمولی صورتِ حال تھی۔

امیر سبکتگین نے فوری طور پر جواب دینے کے بجائے محمود کو اشارہ کیا کہ وہ خلوت گاہ کا دروازہ بند کر دے۔ حماد بن ساریہ بڑی حیرت سے امیرِ غزنی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"میں نے آپ کو ہمیشہ اپنے بزرگ کا درجہ دیا ہے، حماد بن ساریہ!" امیر سبکتگین نے اپنے نائب سپہ سالار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"امیر کی اس محبت کو کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔" حماد بن ساریہ نے انتہائی اثر انگیز لہجے میں کہا۔ "میں آپ کی شدتِ احساس کو دل کی گہرائیوں سے محسوس کرتا ہوں۔"

"کیا آپ کے خیال میں، میں نے اسلامی نظام کے نفاذ کا اعلان کر کے کوئی جرم کیا ہے؟" امیر سبکتگین کے لہجے میں گہری اُداسی جھلک رہی تھی۔

"معاذ اللہ!" حماد بن ساریہ نے گھبرا کر کہا۔ "آپ کی امارت تو تاریخِ غزنی کا سب سے روشن باب ہے۔ اہلِ ایمان آپ کی سربراہی پر فخر کرتے ہیں۔"

"مگر کچھ لوگ میرے اقدامات کو پسند نہیں کرتے۔" امیر سبکتگین نے نہایت غمزدہ لہجے میں سردار تبریز کی مخالفانہ سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ غزنی کے حکمران نے نگار خانم کا کوئی حوالہ نہیں دیا تھا۔

"ابو مسلم، سردار تبریز سے دوستی نبھا رہا ہے اور اس نے مملکت کے مفاد کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ ابھی میں غزنی کے سپہ سالار کو مجرم قرار نہیں دیتا۔ مگر وہ کل رات سردار تبریز کی محفلِ شراب نوشی میں شریک ہوا تھا اور یہ کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔"

حماد بن ساریہ جیسا متقی سپاہی یہ واقعات سن کر اُداس نظر آنے لگا تھا۔ "امیر! ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ یہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کیوں نہیں کرتے؟"

"مجھے میرے دوستوں نے بہت مایوس کیا ہے، حماد بن ساریہ!" امیر سبکتگین کے لہجے میں تلخی بھی تھی اور خلشِ دل بھی۔

"میرے لئے کیا حکم ہے امیر؟" اچانک حماد بن ساریہ کا لہجہ پُر جوش ہو گیا تھا۔ "کیا غزنی کے چند بدمست، مملکتِ اسلامی کا مستقبل تاریک کر دیں گے؟ نہیں امیرِ معظم! ایسا نہیں ہو سکتا۔ اگر چہ اب میرے بازوؤں سے شرارے نہیں اُٹھتے، لیکن خدائے لازوال کی بخشی ہوئی طاقت کی قسم! میری شمشیر کی کاٹ میں اب بھی وہی تیزی ہے۔ اگر حکم ہو تو ان ضمیر فروشوں کے سر قطع کر کے آپ کے قدموں میں رکھ دوں۔"

جوشِ جذبات کے سبب حماد بن ساریہ کے چہرے کی جھریوں میں عجیب سا تناؤ پیدا ہو گیا تھا۔ امیر سبکتگین نے بے قرار ہو کر بوڑھے سالار کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے۔ "نہیں میرے بزرگ! ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے۔" امیرِ غزنی کے لہجے میں ہلکا سا ارتعاش تھا۔ "میں چاہتا ہوں کہ آپ

ابو مسلم کی ان سرگرمیوں پر نظر رکھیے، جن کا تعلق براہِ راست افواجِ غزنی سے ہے۔ اگر اس نے میرے لشکروں کی زمین میں نفرت و بغاوت کے بیج بو دیئے تو پھر یہ زہریلی فصل ہماری عسکری قوت کو تباہ کر ڈالے گی۔"

"میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں امیرِ محترم!" حماد بن ساریہ کا لہجہ بہت زیادہ پُر جوش ہو گیا تھا۔ "آپ مطمئن رہیں، میں ابو مسلم کو ملکی سالمیت پر شب خون مارنے نہیں دوں گا۔"

"بزرگ! میری ایک اور خواہش ہے۔" امیر سبکتگین نے بوڑھے سالار کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ غزنی کے لشکروں کی قیادت کریں اور میرے بیٹے محمود کو ایک شاگرد کی حیثیت سے جنگ کے اسرار و رموز سمجھائیں۔"

"نہیں امیرِ معظم!" حماد بن ساریہ نے کہا۔ "میں اپنے آپ کو اس منصب کا اہل نہیں سمجھتا۔ اللہ گواہ ہے کہ میرے دل میں قیادت کا جذبہ کبھی پیدا نہیں ہوا۔ بس اپنے سینے میں ایک ہی خواہش لئے آج تک زندہ ہوں کہ مقدور بھر اسلامی لشکر کی خدمت کر سکوں۔ یہاں تک کہ کسی محاذ پر میرے جسم کے ٹکڑے ہو جائیں اور پھر اپنے خالق سے اس حالت میں ملوں کہ پورا بدن لہو میں تر ہو۔" یہ کہتے کہتے حماد بن ساریہ کی آنکھیں اشکوں سے لبریز ہو گئیں۔ "مگر ابھی تک میری یہ دعا قبول نہیں ہوئی۔ ایسا لگتا ہے کہ بستر پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مروں گا۔"

"نہیں میرے بزرگ!" امیر سبکتگین نے تسکین آمیز لہجے میں کہا۔ "کون جانے کہ کب آسمان سے اس کی رحمت نازل ہو جائے۔ آپ کا شوقِ شہادت ہر مسلمان کے لئے ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ کاش! غزنی کے ہر باشندے کے دل میں یہی جذبہ بیدار ہو جائے۔"

"آمین۔" حماد بن ساریہ نے سر جھکا دیا۔ بوڑھے سالار کی آنکھوں سے اب بھی آنسو بہہ رہے تھے۔ پھر وہ شب بیدار سپاہی، امیرِ غزنی کی خلوت گاہ سے نکل کر چلا گیا۔

✻✻✻✻✻

سپہ سالار ابو مسلم نے بڑی ہوشیاری سے اپنے معتمد سپاہیوں کو اس کام پر متعین کر دیا کہ وہ امیر سبکتگین کے بارے میں دوسرے سپاہیوں کی رائے معلوم کر سکیں۔ ابو مسلم کے جاسوسوں نے جلد ہی اسے یہ اطلاع بہم پہنچا دی کہ لشکر کے بیشتر سپاہی، امیر سبکتگین کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ابو مسلم اس قسم کی خبروں سے پریشان سا نظر آنے لگا۔ پھر اُس نے سردار تبریز کے سامنے اپنی اُلجھن بیان کرتے ہوئے کہا۔

"امیر سبکتگین کے خلاف بغاوت اتنی آسان نہیں ہے۔ میرے سو دو سو مخصوص سپاہیوں کے علاوہ پورا لشکر، سبکتگین کی حمایت کا دم بھرتا ہے۔"

"تمہیں پوری فوج کی بغاوت کا انتظار نہیں کرنا چاہئے۔" سردار تبریز نے اپنے ساتھی امراء کے سامنے ابو مسلم کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔ "تمہیں تو امیر سبکتگین اور اس کے بیٹے محمود کو قتل کرنا ہے۔ پھر غزنی کا تمام لشکر تمہارے سامنے سرِ اطاعت خم کر دے گا۔ تمہارے یہ سارے اندیشے امیر کی زندگی تک ہیں۔ جس دن امیر ہلاک ہو جائے گا، اسی روز تمہارے دل میں پیدا ہونے والے وسوسے بھی دم توڑ دیں گے۔"

''اور وہ بوڑھا حماد بن ساریہ بھی ہر وقت سائے کی طرح میرے تعاقب میں لگا رہتا ہے۔'' ابومسلم نے پریشان لہجے میں کہا۔ ''مجھے اس کی آنکھوں میں شک کے سائے لرزتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے، جیسے امیرِ غزنی نے اسے میری جاسوسی پر متعین کر دیا ہے۔''

''حماد بن ساریہ سے آج ہی پیچھا چھڑالو۔'' سردار تبریز نے کہا۔ ''غزنی کے سپہ سالار کی حیثیت سے اسے معزول کر دو۔ اگر امیر اس کا سبب پوچھے تو کہہ دینا کہ وہ بہت زیادہ بوڑھا ہو چکا ہے اور ایسے ضعیف سپاہی اتنے اہم منصب کے لائق نہیں ہوتے۔ حماد بن ساریہ کو ہٹانے کے بعد تمام بڑے عہدوں پر اپنے اعتبار کے آدمی فائز کر دو۔ اس کے بعد سبکتگین بھی بے دست و پا ہو جائے گا۔ اور بغاوت بھی آسان ہو جائے گی۔''

سردار تبریز کی اس تجویز کو تمام امراء نے پسند کیا۔ اور ابومسلم کے چہرے پر بھی خوشی کی ایک تیز لہر دوڑ گئی۔ اب وہ تصور میں غزنی کے تخت کو اپنے قدموں کے نیچے دیکھ رہا تھا۔

دوسرے دن ہی نائب سپہ سالار، حماد بن ساریہ کو ایک خاص منصوبے کے تحت معزول کر دیا گیا۔ جب ابومسلم نے امیر سبکتگین کو یہ اطلاع دی تو غزنی کے فرمانروا کو یوں محسوس ہوا، جیسے کسی دشمن نے بے خبری کے عالم میں اس کے سر پر آہنی ضرب لگائی ہو۔ مگر سبکتگین خود بھی فولادی اعصاب رکھنے والا انسان تھا، اس لئے اس غیر متوقع چوٹ کو بڑے صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کر گیا۔

''امیرِ محترم! حماد بن ساریہ بوڑھا ہو چکا ہے۔'' ابومسلم نے بڑی عیاری کے ساتھ غزنی کے لائق ترین سپاہی کی معزولی کا جواز پیش کرتے ہوئے کہا۔ ''میں بیرونی خطرات کے پیش نظر، نئے تقاضوں کی بنیاد پر افواجِ غزنی کی ترتیب دینا چاہتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ اعلیٰ منصب تک صرف وہی سپاہی پہنچے جس کا جسم بھی جوان ہو، جذبہ بھی اور دماغ بھی۔''

''میں تمہارے خیالات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔'' امیر سبکتگین اپنے آپ پر جبر کر کے مسکرایا۔

''میں امیرِ معظم کا تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ میری کوششوں کو انتہائی فراخ دلی کے ساتھ سراہا گیا۔'' ابومسلم نے بڑی بے شرمی کے ساتھ جھوٹ بولا اور رخصت ہو گیا۔

ابومسلم کے جاتے ہی محمود، خلوت گاہ میں داخل ہوا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ ''آپ دیکھ رہے ہیں، امیرِ محترم؟'' خلافِ معمول محمود کی آواز بہت بلند تھی۔

امیر سبکتگین نے اثبات میں اپنے سر کو جنبش دی۔

''آخر والیٔ غزنی کو اب کس بات کا انتظار ہے؟'' محمود کا لہجہ تلخ تھا۔ ''ابومسلم کو معزول کیوں نہیں کیا جاتا! کیا آپ اس وقت کوئی حکم صادر فرمائیں گے، جب ابومسلم تمام جاں نثار فوجیوں کو بے دست و پا کر چکا ہو گا؟''

''نہیں فرزند! ابھی میں ابومسلم کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔'' امیر سبکتگین نے انتہائی اطمینان سے کہا۔ ''ابھی اسے اپنے چہرے کو مکمل طور پر بے نقاب کر لینے دو۔ میری نظر صرف ابومسلم پر نہیں، میں اس کے پیچھے کچھ اور چہرے بھی دیکھ رہا ہوں۔ یہ ایک گہری سازش ہے۔ میں اس سازش کے پس پردہ حرکت کرنے والے تمام کرداروں کو سامنے لانا چاہتا ہوں۔''

جواب میں محمود کچھ کہنا چاہتا تھا کہ حماد بن ساریہ نے حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔ پھر جب غزنی کا معزول شدہ سالار اپنے امیر کی خدمت میں حاضر ہوا تو سبکتگین نے دیکھا کہ حماد بن ساریہ مسکرا رہے تھے۔

''ابنِ ساریہ! مجھے تم سے اسی اعلیٰ ظرفی کی توقع تھی۔'' امیر سبکتگین نے اپنے نائب سپہ سالار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''امیر! میری فکر چھوڑ دیں۔'' حماد بن ساریہ نے شگفتہ لہجے میں کہا۔ ''اس طوفان پر نظر رکھیں جو اپنی تمام تر ہولناکیوں کے ساتھ مملکتِ غزنی کی طرف بڑھ رہا ہے۔''

''ابنِ ساریہ! میں ابومسلم کی سرگرمیوں سے بے خبر نہیں ہوں۔'' امیر سبکتگین نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔

''مگر وہ تو کسی روک ٹوک کے بغیر قصرِ شاہی میں چلا آتا ہے۔'' اچانک ابن ساریہ کے ہونٹوں کا تبسم غائب ہو گیا تھا اور وہ بہت زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگے تھے۔

''آپ کیا کہنا چاہتے ہیں ابنِ ساریہ؟'' امیر سبکتگین نے چونک کر پوچھا۔

''امیرِ معظم سے اس بوڑھے کی عاجزانہ درخواست ہے کہ آئندہ ابومسلم سے ایک مخصوص فاصلے کے ساتھ ملاقات کریں۔'' حماد بن ساریہ نے اپنے اندیشوں کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''اور قصرِ شاہی کے محافظ دستے کو واضح طور پر ہدایت دے دیجئے کہ ابومسلم جب بھی آپ سے ملنے کی خواہش کرے، اسے تنہا آنے دیا جائے۔''

امیر سبکتگین کی پیشانی کی لکیریں کچھ اور گہری ہو گئی تھیں۔

''اگر ابومسلم اپنے ماتحت سپاہیوں کے ہمراہ قصرِ شاہی کا رُخ کرے تو اس کے ساتھیوں کو دروازے پر روک دیا جائے۔'' حماد بن ساریہ نے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

امیر سبکتگین بڑی حیرت سے ابنِ ساریہ کی گفتگو سن رہا تھا۔

''میری حقیر رائے میں فی الوقت یہی مناسب ہے کہ قلعے کے محافظوں کی تعداد کم سے کم تین گنا کر دی جائے۔'' ابنِ ساریہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''صدر دروازے کے نگہبانوں کی تعداد میں چار گنا......اور قصرِ شاہی کے اندرونی محافظوں کی تعداد میں آٹھ گنا اضافہ کر دیا جائے۔''

''ابنِ ساریہ! موت تو اپنے وقت پر ہی آئے گی۔'' یکایک امیر سبکتگین مسکرانے لگا۔

''میں موت کے گرد پہرہ نہیں بٹھا رہا ہوں۔'' حماد بن ساریہ نے پُر زور لہجے میں کہا۔ ''یہ ابومسلم کے اس منصوبے کے خلاف ایک حفاظتی تدبیر ہے۔ میرے خیال میں ابھی وہ کچھ اور فوجی عہدے داروں کو معزول کرے گا۔ اگر ایسا ہوا تو آپ سمجھ لیجئے گا کہ اس کی نیت میں فتور ہے۔''

محمود بھی یہ باتیں بہت غور سے سن رہا تھا۔ اس کی نظریں مسلسل بوڑھے سپہ سالار کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

❀❀❀❀❀

پھر ابنِ ساریہ کی قیاس آرائی درست ثابت ہوئی۔ ابومسلم نے تقریباً تمام بڑے عہدے داروں کو معزول کر کے ان کی جگہ اپنے پسندیدہ اور معتبر سپاہیوں کو نامزد کر دیا تھا۔ اس کے بعد وہ منافقت کی نئی قبا پہن کر امیر سبکتگین سے ملا۔ ابومسلم، والیٔ غزنی سے ملاقات کرنے کے لئے تنہا آیا تھا۔

''امیرِ معظم کو میرے ان اقدامات پر کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟'' ابومسلم نے نہایت عاجزانہ لہجے

میں کہا۔

"نہیں ابو مسلم!" امیر سبکتگین نے بھی مصلحتاً لہجہ بدل دیا تھا۔ "مجھے تم پر بہت زیادہ اعتبار ہے۔ اس لئے کہ تم جو کچھ بھی کرو گے، اس میں مملکت کی فلاح کا کوئی نہ کوئی پہلو ضرور پوشیدہ ہوگا۔"

ابو مسلم نے انتہائی ریاکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے نصف قد تک جھک کر امیر سبکتگین کو سلام کیا اور خلوت گاہ سے رخصت ہو گیا۔ قصرِ شاہی سے واپس آتے ہوئے اس کے قدم زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ ابو مسلم کو یقین ہو گیا تھا کہ امیر سبکتگین ایک احمق فرمانروا ہے اور اس کی یہی سادہ لوحی عنقریب اسے عبرت ناک انجام تک پہنچا دے گی۔

ابو مسلم کے جاتے ہی امیر سبکتگین نے حماد بن ساریہ کو خلوت گاہ میں طلب کیا اور ابو مسلم سے ہونے والی گفتگو حرف بہ حرف منتقل کر دی۔

ابنِ ساریہ کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اُبھر آئی۔ "میں جانتا تھا، امیرِ معظم! کہ وہ ایسا ہی کرے گا۔"

"میں آپ کی ذہانت کا قائل ہوں ابنِ ساریہ!" امیر سبکتگین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اب آپ کا کیا مشورہ ہے؟"

"ابو مسلم کے نامزد کردہ عہدے داروں کے گرد اپنے جاسوسوں کا دائرہ اتنا تنگ کر دیجئے کہ وہ آزادی سے سانس لے سکیں۔" حماد بن ساریہ نے امیرِ غزنی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "ان عہدیداروں کی ایک ایک حرکت پر گہری نظر رکھی جائے کہ وہ سپاہیوں سے کس قسم کی گفتگو کرتے ہیں۔ اگر وہ لشکر میں آپ کے خلاف سرکشی کی تبلیغ کرتے ہیں تو انہیں فوراً گرفتار کر کے زنداں کے حوالے کر دیا جائے۔"

سبکتگین نے حیرت سے بوڑھے سپہ سالار کی طرف دیکھا۔

"امیر! مجھے فضاؤں میں انسانی خون کی بُو محسوس ہو رہی ہے۔" اچانک ابنِ ساریہ کا لہجہ اُداس ہو گیا تھا۔ "اللہ ان مسلمانوں کے حالِ زار پر رحم فرمائے۔ یہ نادان اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے مضبوط مکانوں کی بنیادیں کھودنا چاہتے ہیں۔ انہیں اپنے سروں پر عافیت کے سائبان پسند نہیں۔ وحدہٗ لاشریک کی قسم! ان عاقبت نااندیشوں نے ذلت و بربادی کی دھوپ نہیں دیکھی ہے۔"

"آپ مطمئن رہیں ابنِ ساریہ!" امیر سبکتگین نے پُرجلال لہجے میں کہا۔ "یہ چند منافق، عافیت کے اس سائبان میں ہلکا سا شگاف بھی نہیں ڈال سکتے۔"

"اللہ کرے، ایسا ہی ہو۔" ابنِ ساریہ نے حسرت آمیز لہجے میں کہا اور وہ امیر سبکتگین کو ابو مسلم سے دُور رہنے کا مشورہ دے کر چلے گئے۔

❀❀❀❀❀

سردار تبریز اور اُس کے ہم نوا امیروں کا خیال تھا کہ غزنی کے اقتدار پر ابو مسلم کی گرفت مضبوط ہو گئی ہے۔ اپنے حق میں فضا ہموار ہوتے ہی سردار تبریز نے ایک بوڑھی کنیز کو شادی کا پیغام دے کر نگار خانم کے پاس بھیجا۔

اس پیغام کو سن کر نگار خانم نے محسوس کیا، جیسے سردار تبریز کھلی شاہراہ پر اُسے بے لباس کر دینا چاہتا ہے۔ وہ بہت ذلت آمیز لہجے میں اس پیغام کا جواب دینا چاہتی تھی، مگر اُس نے اپنے اعصاب پر قابو پانے کی کوشش کی اور بوڑھی کنیز کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ شیخ نظام شاہ اُس کی نظر میں باپ کا درجہ رکھتے ہیں اور باپ کی موجودگی میں ایک بیٹی کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ آزادانہ طور پر اپنے مستقبل کا فیصلہ کر سکے۔

بوڑھی کنیز نے اپنے آقا کے روبرو نگار خانم کے الفاظ دہرا دیئے۔ سردار تبریز نے سمجھا کہ نگار خانم دلی طور پر راضی ہو چکی ہے اور شرم و حیا کی رسم کو نبھانے کے لئے نظام شاہ کے اقرار کا سہارا لے رہی ہے۔ اپنی اسی غلط فہمی کی بنیاد پر سردار تبریز نے ایک معتمد کارندے کو نظام شاہ کے پاس بھیجا۔

"سردار تم سے ملنا چاہتے ہیں۔" تبریز کے کارندے نے مسجد میں داخل ہو کر نظام شاہ سے کہا۔

"میں کسی سردار تبریز کو نہیں جانتا۔" نظام شاہ نے شائستہ اور پُرسکون لہجے میں کہا۔ "میرا مزاج ہے کہ میں جس شخص کو جانتا نہیں، اس سے ملاقات بھی نہیں کرتا۔ اور اگر تمہارے سردار کو اس فقیر سے ملنے کا اتنا ہی شوق ہے تو اُس سے کہہ دو کہ وہ خود اپنے قدموں سے چل کر یہاں تک آئے...... مانگنے کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں...... سوالی تمہارا سردار ہے، میں نہیں۔"

جب کارندے نے سردار کے سامنے نظام شاہ کے الفاظ دہرائے تو غزنی کا بدمست سردار غصے سے پاگل ہو گیا۔ "وہ گداگر ایک رئیسِ اعظم کو سوالی سمجھتا ہے۔" سردار تبریز کے منہ سے کف اُڑ رہا تھا۔ "میں اس بہروپئے کی ولایت کو دیکھوں گا۔" یہ کہہ کر سردار تبریز نے اپنے آٹھ مسلح خدمت گاروں کو حکم دیا کہ وہ نظام شاہ کو "قصرِ سرخ" تک لے آئیں۔ قصرِ سرخ، سردار تبریز کے مکان کا نام تھا۔ قصرِ شاہی کے بعد یہ غزنی کی سب سے زیادہ شاندار عمارت تھی، جس کی ساخت سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کا مکین کسی علاقے کا حکمران ہے یا پھر صاحبِ خانہ، بے اندازہ دولت کا مالک ہے۔

جب مسلح محافظ کمرے سے باہر جانے لگے تو سردار تبریز نے چیخ کر کہا۔ "اگر وہ چپ چاپ چلا آئے تو اسے ہاتھ نہ لگانا۔ اور اگر انکار کر دے تو کسی جانور کی طرح کھینچتے ہوئے لانا میں اس شعبدہ باز کو سردار تبریز کا جاہ و جلال دکھانا چاہتا ہوں۔"

عشاء کی نماز ادا کی جا چکی تھی اور مسجد، اللہ کے بندوں سے خالی ہو چکی تھی۔ غزنی کے بام و در گہری تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ شہر پناہ کے دروازوں کے ساتھ غزنی کے باشندوں نے بھی اپنے گھروں کے دروازے بند کر لئے تھے۔ اسی سکوت اور سناٹے کے عالم میں سردار تبریز کے مسلح محافظ مسجد میں داخل ہوئے۔ نظام شاہ، خلافِ عادت مسجد کے فرش پر لیٹے ہوئے تھے۔ آج اُنہیں دوپہر ہی سے تیز بخار تھا، اس لئے وہ رات کے وقت مزدوری کرنے بھی نہ جا سکے تھے۔ سردار تبریز کے ایک محافظ نے آگے بڑھ کر نظام شاہ کے پیروں پر ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔

"اُٹھ! مسجد میں سو رہا ہے۔"

نظام شاہ جاگ رہے تھے۔ کسی اجنبی کے اس ناروا طرزِ عمل پر چونک کر اُٹھے۔ "اللہ کے گھر ہی میں تو سو رہا ہوں...... تمہیں کیا اعتراض ہے؟ یہ جگہ تمہاری ملکیت تو نہیں۔"

"تجھے سردار تبریز نے بلایا ہے۔" محافظ نے ایک اور گستاخی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"کل دوپہر کے وقت ایک اور شخص بھی یہی پیغام لے کر آیا تھا۔" نظام شاہ نے انتہائی شائستہ لہجے میں کہا۔ "کیا اُس نے میرا جواب، سردار تبریز تک نہیں پہنچایا؟"

"سردار تبریز کسی کو پیغام نہیں، حکم دیتے ہیں۔" محافظ کے لہجے سے انتہائی رعونت جھلک رہی تھی۔

"میں اللہ کے سوا کسی کا حکم ماننے کا عادی نہیں ہوں۔" نظام شاہ کا طرزِ گفتگو پُرجلال ہونے کے

باوجود عاجزانہ تھا۔

"تجھے اسی وقت ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔" یہ کہہ کر سردار تبریز کے محافظ نے نظام شاہ کے چہرے ایک زوردار ٹھوکر لگائی۔ ضرب اتنی شدید تھی کہ نظام شاہ پشت کے بل فرش پر گر پڑے۔ ان کے خون جاری تھا۔ ابھی وہ اُٹھنے کی کوشش کر ہی رہے تھے کہ باقی مسلح محافظ بھی شکاری درندوں کی ط نظام شاہ پر جھپٹے اور انہیں بڑی بے رحمی سے کھینچ کر کھڑا کر دیا۔

"میرے نادان بھائیو! یہ تم کیا کر رہے ہو؟" نظام شاہ نے اسی پُرسکون اور نرم لہجے میں کہا۔ بات کا تو لحاظ کرو کہ یہ کون سی جگہ ہے۔ یہاں تو گناہ گار سے گناہ گار انسان کو بھی پناہ مل جاتی ہے۔"

"مگر تُو اتنا بڑا گناہ گار ہے کہ تیرے لئے مسجد میں بھی کوئی پناہ نہیں۔" دوسرے محافظ نے پ طاقت سے نظام شاہ کے منہ پر تھپڑ مارتے ہوئے کہا۔

نحیف و لاغر جسم رکھنے والے نظام شاہ لڑکھڑا کر دوبارہ فرش پر گر گئے۔ "ہاں! تم نے سچ کہا۔ واقعی اتنا بڑا گناہ گار ہوں کہ مجھے کسی گوشۂ زمین پر پناہ نہیں ملنی چاہئے۔" یہ کہتے ہوئے نظام شاہ اُٹھنے کوشش کرنے لگے۔ "چلو! میں تمہارے سردار کے پاس چلتا ہوں۔"

"آ گیا راہِ راست پر؟" تیسرے محافظ نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "اب تجھے سردار تبریز کی طا کا اندازہ ہوا؟"

نظام شاہ نے کوئی جواب دینے کے بجائے اپنا کمبل اُٹھا کر کاندھے پر ڈالا اور آہستہ قدموں مسجد کے دروازے کی طرف بڑھے۔ کچھ فاصلے پر ان محافظوں کے گھوڑے کھڑے تھے۔ ایک م نے نظام شاہ کو اپنے گھوڑے پر بٹھایا اور پھر تمام گھوڑے برق رفتاری کے ساتھ قصرِ سرخ کی طر روانہ ہو گئے۔

تقریباً نصف گھنٹے بعد مسلح محافظوں نے نظام شاہ کو اس حالت میں لے جا کر سردار تبریز کے سا کھڑا کر دیا کہ ان کے چہرے سے خون بہہ کر داڑھی کو تر کر رہا تھا۔

"یہ ہے غزنی کا ولی کامل؟" سردار تبریز انتہائی تحقیر آمیز انداز میں ہنسا۔ "کہاں گئی تیری کرام تُو نے ان لوگوں کو جلا کر خاک نہیں کیا؟"

نظام شاہ خاموش کھڑے رہے۔

"اب بتا، کون سوالی ہے؟" سرار تبریز نے چیخ کر کہا۔

"سوال تو ہمیشہ تُو ہی کرے گا۔" نظام شاہ کے ہونٹوں پر وہی دلنواز تبسم اُبھر آیا، جسے دیکھ کر قراروں کو سکون ملتا تھا۔

"میں تیری بیٹی، نگار خانم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" سردار تبریز اسی گستاخانہ لہجے میں بولا۔

"یہ ممکن نہیں۔ چاہے زمین و آسمان اپنے محور سے ہٹ جائیں۔" نظام شاہ کا اطمینان قابلِ دید تھا سردار تبریز، جنگل کی آگ کی طرح بھڑک اٹھا۔ "اس شعبدہ باز پر اتنا تشدد کرو کہ اس کی ولا سارا بھرم کھل جائے اور پھر یہ میرے قدموں پر گر کر اپنی زندگی کی بھیک مانگے۔"

آقا کا حکم سنتے ہی مسلح محافظ، نظام شاہ کے ناتواں جسم پر تازیانوں کی بارش کرنے لگے۔ ہر تازیا کی ضرب پر نظام شاہ کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا۔ مگر ہونٹوں سے کوئی چیخ بلند نہیں ہوتی تھی۔

تبریز کے بے رحم محافظ کچھ دیر تک نظام شاہ کے جسم پر مشقِ ستم کرتے رہے۔ یہاں تک کہ غزنی کا مردِ قلندر، بے ہوش ہو کر فرش پر گر پڑا۔

"اسے ملازموں کے ایک کمرے میں قید کر دو۔" سردار تبریز نے اپنے محافظوں کو حکم دیتے ہوئے کہا۔ "اور یہ قالین بھی بدل دو کہ ایک گداگر کے خون نے اس کا سارا حُسن داغ دار کر دیا ہے۔"

پھر جب وہ محافظ، نظام شاہ کے بے ہوش جسم کو اُٹھا کر باہر لے جانے لگے تو سردار تبریز نے غضب ناک لہجے میں کہا۔ "یہ ہوش میں آ جائے تو اس پر دوبارہ تشدد کرو۔ اور اپنا عمل اس وقت تک جاری رکھو، جب تک اس کی زبان میرے رحم کو پکارنے کی عادی نہ ہو جائے۔"

❁❁❁❁❁

اُسی رات فجر کی اذان سے پہلے امیر سبکتگین نے سیّد امیر علی شاہ کو خواب میں دیکھا، جو نہایت مضطرب لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"اے غزنی کے بے خبر حکمراں! تُو اپنی خواب گاہ میں چین کی نیند سو رہا ہے..... اور ہمارے محبوب، نظام شاہ پر قیامت توڑی جا رہی ہے۔"

خوف و دہشت سے امیر سبکتگین کی آنکھ کھل گئی۔ اسی وقت قریب کی مسجد سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی۔ سبکتگین نے بڑی بے چینی کے عالم میں نماز ادا کی اور چند مسلح محافظوں کے ساتھ نظام شاہ کی مسجد کی طرف روانہ ہو گیا۔ سبکتگین کی آمد پر لوگوں میں ہلچل سی مچ گئی۔ امیرِ غزنی گھبرایا ہوا مسجد میں داخل ہوا، مگر وہاں نظام شاہ موجود نہیں تھے۔ سبکتگین نے پیش امام سے دریافت کیا، مگر اس نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔

سبکتگین کی وحشت بڑھتی جا رہی تھی۔ پھر وہ اسی اضطراب کی حالت میں سابق فوجی کی بیوہ کے مکان پر پہنچا، جہاں نگار خانم قیام پذیر تھی۔ مگر وہاں سے بھی نظام شاہ کی کوئی خبر نہ مل سکی۔ بس نگار خانم اتنا ہی بتا سکی کہ نظام شاہ کل دن میں ظہر کی نماز کے بعد کچھ دیر کے لئے آئے تھے۔ سبکتگین نے اپنے ان سپاہیوں کو طلب کیا، جو تقریباً ایک ماہ سے شب و روز نگار خانم کے مکان کے گرد پہرہ دے رہے تھے۔

"اگر شیخ ادھر تشریف لائیں تو فوراً مجھے مطلع کیا جائے۔" سبکتگین نے اپنے جاسوس سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اور کوئی بھی مشکوک آدمی اس طرف نظر آئے تو اسے بے دریغ گرفتار کر لیا جائے۔"

یہ کہہ کر سبکتگین قصرِ شاہی کی جانب روانہ ہو گیا۔

پھر اس نے اپنے بیٹے محمود کو بھی اپنے خواب سے آگاہ کر دیا۔ یہ خبر سن کر محمود بھی بدحواس نظر آنے لگا۔ "آخر بابا کہاں جا سکتے ہیں؟"

"کچھ پتہ نہیں۔" سبکتگین کے چہرے پر رنج و الم کی گہری پرچھائیاں لرز رہی تھیں۔ پھر اس نے حماد بن ساریہ کو بھی طلب کر کے اپنا خواب سنا دیا۔

"قیامت توڑے جانے سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ نظام شاہ ایک طویل عرصے تک قید میں رہے ہوں۔" حماد بن ساریہ نے اپنے طور پر خواب کی تعبیر بیان کرتے ہوئے کہا۔

"مگر اب تو وہ قید سے آزاد ہیں۔" سبکتگین نے پریشان لہجے میں کہا۔ "ابنِ ساریہ! مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ بہت جلد یہاں کوئی خوفناک واقعہ پیش آنے والا ہے۔"

"اللہ اپنا رحم کرے۔" ابنِ ساریہ کے چہرے پر بھی فکر کے آثار نمایاں نظر آنے لگے تھے۔
سبکتگین اور حماد بن ساریہ بہت دیر تک اس خواب کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتے رہے۔ مگر
کو نہ سمجھ سکے کہ نظام شاہ پر کیا قیامت توڑی جا رہی ہے۔ مجبوراً امیرِ غزنی نے اپنے جاسوسوں کا
ایک اور دستہ روانہ کر دیا، جنہیں ہر حال میں نظام شاہ کی تلاش جاری رکھنی تھی۔

✻✻✻✻✻

ادھر نظام شاہ ہوش میں آتے تو ان سے وہی مطالبہ کیا جاتا کہ وہ خوشی سے اپنی بیٹی کا ہاتھ سردار
کے ہاتھ میں دے دیں۔ مگر نظام شاہ سختی سے انکار کر دیتے۔ مسلح محافظ ایک بار پھر نظام شاہ کو جبر و
تشدد کا نشانہ بناتے اور غزنی کا یہ بے سروساماں درویش مسلسل ضربات کی تاب نہ لاتے ہوئے بے
ہو جاتا۔ آخر سردار تبریز خود اس کمرے میں آیا، جہاں نظام شاہ قید تھے۔
پھر جب انہیں ہوش آیا تو وہ اپنی اسی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ سردار تبریز سے مخاطب ہوئے
"اگر تُو اپنے شیطانی دماغ سے میری بیٹی نگار خانم کا خیال نکال دے تو میں تجھ سے ان زخموں کا
طلب نہیں کروں گا، جو میرے جسم پر جگہ جگہ اُبھر آئے ہیں۔"
"تیری حیثیت ہی کیا ہے، غزنی کے گداگر!" سردار تبریز کے لہجے میں بڑا تکبر تھا۔ "وہ تیرا
عقیدت مند، سبکتگین بھی مجھ سے حساب طلب کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ غزنی
لوگ، سردار تبریز پر اُنگلیاں اُٹھائیں کہ ایک رئیسِ اعظم نے دو بھکاریوں کو اپنی بے پناہ طاقت کے
جھک جانے پر مجبور کر دیا۔ مگر اب میں ایسا ہی کروں گا۔ تُو کچھ دیر بعد اپنی خوں بار آنکھوں سے یہ
دیکھے گا کہ تیری غیرت مند بیٹی کس طرح میری شریکِ حیات بننے کا اقرار کرے گی۔"
"اسے تیرے غلیظ ہاتھ چھو بھی نہیں سکتے سردار تبریز!" اگرچہ نظام شاہ کا پورا جسم لہولہو تھا، لیکن وہ
بھی مسکرا رہے تھے۔
"جاؤ! نگار خانم کو جبراً اُٹھا کر یہاں لے آؤ۔ تاکہ اس گداگر کو سردار تبریز کی طاقت کا اندازہ ہو
سکے۔" غزنی کے رئیسِ اعظم نے اپنے مسلح محافظوں سے کہا...... اور بڑے آمرانہ انداز میں قدم اٹھاتا
ہوا اپنی نشست گاہ کی طرف چلا گیا۔

✻✻✻✻✻

کچھ دیر بعد سردار تبریز کے محافظ واپس لوٹ آئے۔ ان کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔
"کیا ہوا؟ تمہارے چہروں پر یہ موت کی زردی کیوں برس رہی ہے؟" سردار تبریز نے انتہائی
قہرناک لہجے میں اپنے زرخرید غلاموں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
"حضورِ والا!" ایک محافظ نے سر جھکا کر کہا۔ "اُس مکان کے چاروں طرف غزنی کے مسلح سپاہی
آ رہے ہیں۔ بلا مبالغہ ان کی تعداد سینکڑوں پر مشتمل ہو گی۔" محافظ کی آواز کانپ رہی تھی۔
"تم جھوٹ بولتے ہو۔" سردار تبریز اتنی زور سے چیخا کہ اس کی آواز پھٹ گئی۔
"آقا اپنی روشن آنکھوں سے یہ منظر خود ملاحظہ کر سکتے ہیں۔" کئی محافظوں نے بیک زبان کہا۔
سردار تبریز یک بیک چونک اُٹھا۔ اور پھر اس کے غصے کی آگ آہستہ آہستہ سرد ہونے لگی۔ "ا...
میں خود اپنی بینائی کے ذریعے تمہاری دی ہوئی خبر کی تصدیق کروں گا۔" یہ کہہ کر سردار تبریز، قصرِ سرخ
نکلا اور نگار خانم کے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔
وہ بڑا حیران کن منظر تھا، جب سردار تبریز نے اپنی آنکھوں سے ہزاروں سپاہیوں کو حرکت کرتے
ہوئے دیکھا۔ حالانکہ وہاں مشکل سے آٹھ دس سپاہی تھے، جو مختلف گوشوں میں چھپے ہوئے نگار خانم کی
نگرانی کر رہے تھے۔ مگر سردار تبریز کو وہاں غزنی کے فوجیوں کا ایک بڑا اجتماع نظر آیا۔ وہ کچھ دیر تک
گہرے سکوت کے عالم میں گھوڑے کی پشت پر بیٹھا رہا، پھر اس نے بڑے عجیب انداز سے اپنے سر کو
جنبش دی۔
"اس کا مطلب ہے کہ سبکتگین نے اپنی فوج کے بڑے حصے کو ایک لڑکی کی نگرانی پر مامور کر دیا
ہے۔" سردار تبریز نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ "اس طرح قدرت ہماری فتح کا انتظام کر رہی ہے۔"
یہ کہہ کر اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ دی اور قصرِ سرخ کی جانب پلٹا۔
کچھ دیر بعد سردار تبریز کے تمام ہم نوا، امیر اور سپہ سالار ابومسلم اُس کے مکان پر موجود تھے۔
"حضرات! میرے ہمراہ تشریف لائیں۔ میں آپ کو ایک حیرت انگیز اور دلچسپ منظر دکھاتا ہوں۔"
یہ کہہ کر سردار تبریز اس کمرے کی طرف بڑھا، جہاں نظام شاہ قید تھے۔ ساتھی، اُمراء اور ابومسلم اس کے
پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔
"یہ ہے وہ غزنی کا شعبدہ باز، جسے آپ لوگوں کی کم نظری نے ایک طویل عرصے سے ولایت کے
اعلیٰ ترین منصب پر فائز کر رکھا ہے۔" سردار تبریز نے کمرے کا دروازہ کھول کر نظام شاہ کی طرف اشارہ
کرتے ہوئے کہا۔
"یہ زخم میرے محافظوں کے بخشے ہوئے ہیں۔" سردار تبریز نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ "اگر یہ ادنیٰ
درجے کا بھی ولی ہوتا تو اب تک میرے محافظوں پر، میرے محل پر اور میری ذات پر آسمانی عذاب نازل
ہو چکا ہوتا۔"
"بے شک! وہ ہمارا فریبِ نظر تھا۔" ترکمان بن داؤد نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"واپس چلیں۔ آج اس فریبِ نظر کا خاتمہ ہو گیا۔" سردار تبریز نے کہا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔
"لوگو! ملت کی جڑیں نہ کاٹو کہ تمہاری شہ رگیں، خنجرِ قضا کے بہت نزدیک ہیں۔" نظام شاہ کی پُر
جلال آواز گونجی۔ "اللہ کی پکڑ سے بچو کہ اُس کی پکڑ بہت سخت ہے۔"
"ہذیان بک رہا ہے۔" جواب میں سردار تبریز کا قہقہہ گونجا۔ "زخموں کی شدت نے اس کے دماغ
میں خلل ڈال دیا ہے۔"
تمام بدمست اُمراء نے سردار تبریز کی تائید کی اور نشست گاہ میں داخل ہو گئے۔
"غزنی کا شعبدہ باز میری قید میں ہے۔" سردار تبریز نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اب یہ سبکتگین کی
مدد کو نہیں پہنچ سکے گا۔"
ابومسلم اور ترکمان بن داؤد نے اثبات میں اپنے سروں کو جنبش دی۔
"اس احمق امیر نے اپنی فوج کا بڑا حصہ، نگار خانم کی حفاظت پر مامور کر رکھا ہے۔" سردار تبریز نے
اپنے ساتھیوں کے سامنے نیا انکشاف کرتے ہوئے کہا۔ "یہ بہترین موقع ہے کہ ہم اپنے راستے کے پتھر کو
آسانی سے ہٹا سکتے ہیں۔"

طویل مذاکرات کے بعد نیا منصوبہ ترتیب دیا گیا۔ وہ منصوبہ کچھ اس طرح تھا کہ ابو مسلم اپنی
عقد سردار تبریز کے بیٹے سے کر دے گا اور اس تقریب میں سبکتگین، محمود اور حماد بن ساریہ کے ساتھ
تمام امراء کو مدعو کیا جائے گا، جو فرمانروائے غزنی کی حمایت کا دم بھرتے ہیں۔ پھر ان سب کو کھانے
زہر دے کر قصرِ شاہی پر قبضہ کر لیا جائے گا۔

سردار تبریز نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ یہ منصوبہ بنایا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی سپہ سالار ابو
کے بیٹے کے ساتھ کر دے۔ اس طرح اسے افواجِ غزنی کی براہِ راست حمایت حاصل ہو جائے گی
وہ امیر سبکتگین کی دسترس سے دُور ہو جائے گا۔ سردار تبریز، حالات کے اس سنگین پہلو پر بہت دن سے
کر رہا تھا کہ وہ غزنی کا رئیسِ اعظم ہوتے ہوئے بھی امیر سبکتگین کے سامنے ایک کمزور انسان ہے۔
معاشرے میں سرمائے کی حیثیت کچھ بھی ہو، مگر طاقت کا توازن ہمیشہ شمشیر و سناں کے حق میں ہوتا ہے۔
یہی سوچ کر سردار تبریز پریشان رہا کرتا تھا۔ پھر اس نے فوج کا تعاون حاصل کرنے کے لئے ابو مسلم
خاندانی رشتہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ ابو مسلم نے سوچے سمجھے بغیر اس رشتے پر آمادگی کا اظہار اس لئے
دیا کہ وہ خود بھی سردار تبریز اور دوسرے امراء کا تعاون چاہتا تھا۔ کچھ دن سے اس کی آنکھیں جاگتے
بھی اقتدار کے خواب دیکھنے لگی تھیں اور اس خواب کی تعبیر کے لئے ضروری تھا کہ اسے غزنی کے
گر" امراء کی زیادہ سے زیادہ حمایت حاصل ہو۔ دراصل سردار تبریز اور ابو مسلم دونوں ایک دوسرے کو
ڈھونڈنے کی کوشش کر رہے تھے۔ دونوں خودغرض تھے، اس لئے بظاہر دوست تھے مگر درپردہ ایک دوسرے
کو فریب دینے کی کوشش کر رہے تھے۔

"اب ہمیں جلد از جلد سبکتگین سے چھٹکارا حاصل کر لینا چاہئے۔" سردار تبریز نے اپنے منصوبے کی
تفصیلات بیان کرتے ہوئے کہا۔ "بہترین ترکیب یہی ہے کہ سبکتگین اور اس کے حامیوں کو ایک ہی
میں زہر دے کر ہلاک کر دیا جائے۔"

تمام امراء نے اس طرح اپنے سروں کو جنبش دی، جیسے وہ سردار تبریز کی بات سے صد فیصد
ہوں۔ مگر ترکمان بن داؤد کے چہرے پر اضطراب و فکر کی گہری پرچھائیاں لرز رہی تھیں۔ "کیا سبکتگین
اس کے ہم نواؤں کو زہر دے کر مسئلہ حل ہو جائے گا؟" ترکمان بن داؤد نے ابو مسلم اور سردار تبریز
مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "امیر کے قتل کی خبر سن کر غزنی کے گلی کوچوں میں ایک طویل خونریز جنگ
چھڑ جائے گی؟ آخر سبکتگین کے حامی سپاہیوں کی تعداد بھی تو ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ کیا یہ سب کے
اپنے طاقتور ہاتھوں کو ریشمی رسیوں سے باندھ کر خاموش بیٹھے رہیں گے؟"

"تمہارے یہ تمام اندیشے درست ہیں ترکمان بن داؤد!" سردار تبریز نے مسکراتے ہوئے کہا۔
قسمتی سے ابھی تم نے سازش کے محاذ پر کوئی جنگ نہیں لڑی ہے، اس لئے تمہیں سیاست کے داؤ پیچ
آتے۔ ہمارا منصوبہ بہت صاف ستھرا ہے۔ اس میں کوئی اُلجھاؤ نہیں۔ ادھر امیر سبکتگین اپنے شکم میں
اُتار رہا ہو گا اور اُدھر نائب سپہ سالار حارث بن شعبان قصرِ شاہی پر یلغار کر رہا ہو گا۔" سردار تبریز
انتہائی سرد لہجے میں کہا۔ "قلعے پر قبضہ ہوتے ہی سارا کھیل ختم ہو چکا ہو گا۔ افواجِ غزنی کے تمام
عہدیدار، ابو مسلم کے ماتحت بھی ہیں اور وفادار بھی۔ میں نے آج تک ایسی کوئی جنگ نہیں دیکھی
عام سپاہی اپنے افسر کی مرضی کے بغیر آزادانہ طور پر کوئی قدم اُٹھا سکیں۔ پھر بغاوت کا سوال کہاں

ہوتا ہے؟"

سردار تبریز کی دلیل سن کر ترکمان بن داؤد کی پریشانی ختم ہو گئی تھی اور وہ مطمئن نظر آنے لگا تھا۔

"ہاں! مجھے ایک بات کی فکر ہے۔" سردار تبریز نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "کہیں امیر سبکتگین اس
تقریب میں شریک ہونے سے انکار نہ کر دے۔ ابو مسلم کے بیٹے کے ساتھ میری بیٹی کا رشتہ اسے پسند
نہیں آئے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح وہ شبہ میں مبتلا ہو جائے اور عین موقع پر انکار کر کے اپنا دامن بچا
لے۔"

"پھر؟" ترکمان بن داؤد نے گھبرا کر سوال کیا۔

"اگر ایسا ہوا تو ہمیں کچھ دن مزید انتظار کرنا پڑے گا۔" سردار تبریز نے بے پروائی کے انداز میں
کہا۔ "ابھی میرا دماغ شل نہیں ہوا ہے۔ بہت جلد کوئی دوسرا منصوبہ تراش لوں گا۔ ویسے میرا خیال ہے کہ
امیر سبکتگین اس تقریب میں شرکت کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔"

"وہ کس طرح؟" ترکمان بن داؤد نے ایک بار پھر گھبرا کر پوچھا۔

"تمام امرائے سلطنت کو اس تقریب میں مدعو کیا جائے گا۔" سردار تبریز نے خیال آرائی کرتے
ہوئے کہا۔ "پھر سبکتگین کے لئے یہ گنجائش باقی نہیں رہتی کہ وہ شرکت سے انکار کر دے۔ اور بالفرض محال
اُس نے عدم شرکت کا کوئی بہانہ تراش لیا تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ وہ ہماری طرف سے بہت زیادہ
محتاط ہو گیا۔ اگر ایسا ہوا تو ہمیں اس کے گرد بہت باریک جال بچھانا ہو گا۔ اتنا باریک کہ ہزار کوششوں کے
بعد بھی کسی کو نظر نہ آ سکے۔"

الغرض ہر طرح اطمینان کر لینے کے بعد سپہ سالار ابو مسلم، سبکتگین سے ملا اور اسے اپنے بیٹے کی شادی
کی خبر دیتے ہوئے بولا۔ "امیرِ معظم! یہ میری دلی خواہش ہے کہ غریب خانے پر اپنے مبارک اور فاتح
قدم رکھ کر اس تقریب کو یادگار بنا دیں۔"

"میں تمہاری خوشی میں برابر کا شریک ہوں ابو مسلم!" اچانک یہ خبر سن کر امیر سبکتگین حیران ہوا تھا۔
مگر اس نے اپنے جذبات کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ "آخر تم میرا دایاں بازو ہو۔" سبکتگین نے خوش دلی کے
ساتھ کہا۔ "مگر یہ رشتہ کہاں ہو رہا ہے؟"

ابو مسلم سنبھل گیا۔ پھر اُس نے امیرِ غزنی کے چہرے پر نظریں مرکوز کرتے ہوئے کہا۔ "سردار تبریز
کی لڑکی سے۔" یہ کہہ کر ابو مسلم، سبکتگین کے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔ وہ فرمانروائے غزنی کے جذبات و
احساسات کو بغور پڑھنا چاہتا تھا تاکہ وہ آنے والے لمحوں کے بارے میں کوئی واضح فیصلہ کر سکے۔

سردار تبریز کا نام سن کر امیر سبکتگین کے دماغ میں حیرت و تعجب کی مزید لہریں اُٹھیں مگر اس نے اپنے
چہرے پر ایک اور دبیز پردہ ڈال دیا۔ "یہ رشتہ نہایت مناسب ہے۔" امیر سبکتگین نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"سردار تبریز ایک آسودہ حال انسان ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے خاندان سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ میرا
ذاتی خیال ہے کہ یہ رشتہ تمہارے لئے بہت زیادہ مبارک ثابت ہو گا۔"

ابو مسلم نے اطمینان کا گہرا سانس لیا اور منافقت کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے سر جھکا دیا۔ "میں اپنی
خاندانی خوشی کے اس یادگار موقع پر امیر کی دعاؤں کا طالب ہوں۔"

"ابو مسلم! ہم تو ہر وقت تمہارے لئے دعائیں ہی کرتے رہتے ہیں۔" امیر سبکتگین کے ہونٹوں کی

مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوگئی تھی مگر غزنی کا سپہ سالار یہ اندازہ نہیں کرسکتا تھا کہ اس کے حکمران کے دماغ میں کیسے کیسے طوفان اُٹھ رہے ہیں اور آج کے بعد سے تو ان دعاؤں میں مزید شدت آجائے گی۔

"امیرِ معظم کا بے حد شکریہ!" ابومسلم یہ کہتا ہوا اُٹھا۔ "صاحبزادہ محمود اور خواتینِ معظمہ بھی اس تقریب میں مدعو ہیں۔" ابومسلم کا اصل نشانہ تو محمود تھا، مگر اُس نے خواتینِ معظمہ کو دعوت نامہ اس لئے دیا تھا کہ سبکتگین کے ذہن میں شبہات کا ہلکا سا عکس بھی باقی نہ رہے۔

"تمہاری اس خوشی میں پورا محل شریک ہوگا ابومسلم!" امیر سبکتگین نے اس طرح مسکراتے ہوئے کہا جیسے یہ اس کے اپنے خاندان کی تقریب ہو۔

ابومسلم، احترامِ امیر میں نصف قد تک جھکا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا سبکتگین کی خلوت گاہ سے نکل گیا۔

❀❀❀❀❀

ابومسلم کے جاتے ہی سبکتگین نے معزول شدہ نائب سپہ سالار، حماد بن ساریہ اور محمود کو خلوت میں طلب کرلیا۔

"ابنِ ساریہ! تم نے کچھ سنا؟" سبکتگین کے چہرے پر غیر معمولی سنجیدگی طاری تھی۔ "سردار تبریز کی لڑکی کی شادی، ابومسلم کے بیٹے سے ہورہی ہے۔"

"جی امیرِ معظم!" حماد بن ساریہ نے آہستہ سے کہا۔ "آپ کو تقریب میں شرکت کی دعوت دینے سے پہلے وہ میرے پاس بھی آیا تھا اور تقریب میں شریک ہونے کے لئے اصرار کررہا تھا۔"

"مجھے ابومسلم اور سردار تبریز کے درمیان یہ رشتہ کچھ عجیب سا محسوس ہورہا ہے۔" سبکتگین نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"اس رشتے کو عجیب نہیں، عجیب تر کہیے، امیرِ محترم!" بوڑھے ابنِ ساریہ کی آنکھوں میں ایک مخصوص چمک اُبھر آئی تھی۔ "بلکہ عجیب ترین کہیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔ جب دو منافق آپس میں اس طرح مل جائیں تو ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ کوئی خوفناک واقعہ پیش آنے والا ہے۔"

"اس بات سے تمہارا کیا مقصد ہے ابنِ ساریہ؟" اگرچہ سبکتگین خود بھی اس تقریب کے پس پردہ کسی نئے فتنے کی آہٹ محسوس کررہا تھا، لیکن اس سلسلے میں وہ اپنے سے زیادہ تجربہ کار اور جہاندیدہ شخص کی رائے معلوم کرنا بھی ضروری سمجھتا تھا۔

"اس وقت میری حقیر رائے یہی ہے کہ آپ ابومسلم کی تقریب میں شرکت نہ فرمائیں۔" ابنِ ساریہ نے بصد احترام اپنے امیر کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔ "میں اس ہنگامی تقریب کے انعقاد سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ سلطنتِ غزنی کے تمام جاں نثاروں کو یکجا کرکے کوئی ہنگامہ کھڑا کرنا چاہتا ہے۔"

"ہنگامے سے تمہاری کیا مراد ہے؟" امیر سبکتگین نے اپنے بوڑھے مشیر سے ایک اور سوال کیا۔

"خاکم بدہن......" ابنِ ساریہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "تقریبِ کیف ونشاط کی آڑ میں وہ فرمانروائے غزنی کو گرفتار کرکے مملکت کے تمام جاں نثاروں کو تہہ تیغ کردینا چاہتا ہے۔ مجھے ابومسلم اور سردار تبریز کے درمیان قائم ہونے والے اس نئے رشتے سے کسی سنگین بغاوت کی بُو آرہی ہے۔"

"ابنِ ساریہ! ہمارے ذہن میں بھی کچھ اسی قسم کے اندیشے سر اُبھار رہے ہیں۔" امیر سبکتگین نے جواباً کہا۔ "مگر ہم وہاں جائیں گے ضرور۔ ورنہ سردار تبریز ہمیں بزدلی کا طعنہ دے گا۔"

"ایک منافق اور اُس کی طعنہ زنی کی کوئی حیثیت نہیں۔" حماد بن ساریہ نے سبکتگین کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ہم ابومسلم سے وعدہ کرچکے ہیں اور ہمیں اپنے وعدے کا بہت لحاظ رہتا ہے۔" سبکتگین نے پُرجلال لہجے میں کہا۔

"میں اپنے امیر کی اس صفتِ خاص سے بخوبی واقف ہوں۔ مگر منافقوں کی جماعت، ایفائے عہد کے مفہوم کو نہیں سمجھتی۔ گروہِ قاتلاں کو رحم وکرم کا درس دینا ایسا ہی ہے، جیسے کسی مہکتے ہوئے تروتازہ گلاب کو بادِصرصر کے حوالے کردیا جائے اور یہ توقع رکھی جائے کہ گرم ہوائیں اپنی فطرت بدل کر گلاب کو شادابی ولطافت بخش دیں گی۔"

ابنِ ساریہ نے حقائق کی روشنی میں اپنا بڑا عجیب تجربہ بیان کیا تھا۔ مگر سبکتگین نے غزنی کے نائب سپہ سالار کے اس مشورے کو قبول نہیں کیا۔

"کچھ بھی ہو، ابنِ ساریہ! ہم ابومسلم کے یہاں ضرور جائیں گے۔" یہ کہتے کہتے شدتِ جذبات سے امیرِ غزنی کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ "اگر ہماری قسمت میں یہی تحریر کردیا گیا ہے کہ ہم ابومسلم کے ہاتھوں قتل ہوجائیں یا ایک شکست خوردہ قیدی کی طرح زندگی کے باقی دن گزاریں تو پھر تقدیر کے اس فیصلے سے کون جنگ کرسکتا ہے؟"

"میرے محبوب امیر!" بوڑھا ابنِ ساریہ بہت زیادہ مضطرب نظر آرہا تھا۔ "ہر شخص اور ہر مملکت کی زندگی میں کچھ گراں لمحات آتے ہیں۔ اس وقت آپ بھی ان گراں لمحات سے دوچار ہیں۔ اگر ان لمحات کو پوری ہوش مندی اور صبر وضبط کے ساتھ نہیں ٹالا جائے گا تو پھر بڑے خوفناک نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔"

"تم ہماری پوری زندگی سے خوب واقف ہو ابنِ ساریہ!" سبکتگین کے لہجے سے بڑی بے نیازی جھلک رہی تھی۔ "تمہارا امیر جب زندگی کے خون آشام سمندر میں اُترا تھا تو اس کے پاس ایک تنکے کا بھی سفینہ نہیں تھا۔ بس اپنے اللہ کے بھروسے پر ان بلاخیز موجوں سے اُلجھ پڑا تھا۔ ابنِ ساریہ! تمہیں تو اندازہ ہوگا کہ میں کتنی بار ڈوبا ہوں اور کتنی بار اُبھرا ہوں۔"

"میں گواہ ہوں، امیرِ ذیشان!" ابنِ ساریہ نے اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔

"پھر ایسا کیوں سوچتے ہو کہ ابومسلم اور سردار تبریز مل کر میرے سفینۂ حیات کو غرق کردیں گے؟" امیر سبکتگین نے کہا۔

اس سے پہلے کہ حماد بن ساریہ، امیرِ غزنی کے سوال کا جواب دیتے، محمود بے اختیار بول اُٹھا۔ "بابا جان! مجھے بزرگوں کی گفتگو کے درمیان مداخلت کا کوئی حق تو نہیں ہے، مگر میرے ناقص خیال میں استادِ محترم کا مشورہ درست ہے کہ ان گراں لمحات کو ہوشیاری سے ٹال دیا جائے۔" جب سے امیر سبکتگین نے ولی عہدِ سلطنت کو حماد بن ساریہ کی شاگردی میں دیا تھا، اسی روز سے محمود، ابنِ ساریہ کو استادِ محترم کہہ کر مخاطب کیا کرتا تھا۔

"نہیں فرزند!" امیر سبکتگین نے بیٹے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔ اب میں سردار تبریز اور ابومسلم کو زیادہ مہلت نہیں دے سکتا۔ آج رات اس کا فیصلہ ہوجائے گا کہ یہاں

کون کتنا بڑا مجرم ہے؟"

جب حماد بن ساریہ کو یقین آ گیا کہ امیر سبکتگین اس تقریب میں شرکت کرنے سے باز نہیں رہے گا تو بوڑھے سپہ سالار نے چند تجاویز پیش کرتے ہوئے کہا۔

"میری التجا ہے کہ آپ ابومسلم یا سردار تبریز کے یہاں کسی قسم کا مشروب یا طعام قبول نہیں کریں گے۔"

امیر سبکتگین نے چونک کر ابنِ ساریہ کی طرف دیکھا اور اثبات میں سر کو جنبش دی۔

"میری دوسری التجا یہ ہے کہ ابومسلم کے نامزد کردہ تمام اعلیٰ فوجی افسروں کو شام کے وقت پوری رازداری کے ساتھ الگ الگ نظر بند کر دیا جائے۔" حماد بن ساریہ نے امیر غزنی کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔ "اور خواتین کی شرکت کے سلسلے میں بہت زیادہ احتیاط سے کام لیا جائے۔"

سبکتگین کی آنکھوں میں ایک عجیب سا رنگ اُبھر کر ڈوب گیا اور ایسا محسوس ہونے لگا، جیسے وہ خود تو اپنی خلوت گاہ میں موجود ہے مگر اس کا ذہن کہیں دُور بھٹک رہا ہے۔

✻✻✻✻✻

شادی کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ ابومسلم اور سردار تبریز کے مکانوں کو آراستہ کیا جا چکا تھا۔ دوپہر کے وقت ابومسلم اور سردار تبریز کی آخری ملاقات ہوئی اور یہ طے پایا کہ نوشاہ (دولہا) کے گھر امیر سبکتگین اور اس کے حامیوں کی شربت اور خشک میوے سے تواضع کی جائے اور اسی مشروب میں زہر شامل کر دیا جائے۔ ابومسلم کچھ دیر کے لئے گھبرا گیا۔

"نہیں سردار! یہ کام تمہارے دولت کدے پر ہونا چاہئے۔"

"تم خوب جانتے ہو کہ میرے اور سبکتگین کے تعلقات حد سے زیادہ کشیدہ ہیں۔" سردار تبریز نے ابومسلم کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "امیر کو مجھ پر ذرا بھی اعتبار نہیں ہے۔ وہ میرے یہاں کھانا نہیں کھائے گا۔"

آخر ابومسلم، اپنے یہاں سبکتگین کو زہر دینے پر آمادہ ہو گیا۔ "وہ نظام شاہ کہاں ہے؟" اچانک ابومسلم نے چونک کر کہا۔

"وہ میری قید میں ہے۔ مگر تمہیں یکایک اس کا خیال کیوں آیا؟" سردار تبریز نے پوچھا؟

"بس یونہی۔ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔" ابومسلم کے لہجے سے گھبراہٹ کا اظہار ہو رہا تھا۔

"کبھی کبھی مجھے اس شخص سے بہت ڈر لگتا ہے۔ میں نے دوسرے لوگوں سے اس کے بارے میں بے شمار افسانے سنے ہیں۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ وہ بے پناہ روحانی قوتوں کا مالک ہے۔"

"کبھی کبھی تمہاری توہم پرستی پر رونے کو جی چاہتا ہے، ابومسلم!" سردار تبریز کے لہجے میں کسی قدر تلخی شامل تھی۔ "آؤ! اپنی آنکھوں سے دیکھو کہ غزنی کا وہ شعبدہ باز کس بے کسی کے عالم میں اپنی آخری سانسیں لے رہا ہے۔ اگر میں چاہتا تو وہ کب کا زندگی کی قید سے آزاد ہو چکا ہوتا۔ مگر یہ میرا مزاج نہیں ہے کہ میں اپنی توہین کرنے والوں کو اتنی آسانی کے ساتھ اس دنیا سے رخصت کر دوں۔ سردار تبریز کی آنکھیں وہ نشاط انگیز منظر دیکھنا چاہتی ہیں، جب نظام شاہ اپنی تمام تر روحانی قوتوں کے ساتھ میرے قدموں پر جھک جائے گا، میں اس وقت تک اسے زندہ رکھوں گا۔ فی الحال میری ساری توجہ، سبکتگین کے انجام پر مرکوز ہے۔ آج رات وہ یقیناً اپنے انجام کو پہنچ جائے گا۔ اس کے بعد میں تمہیں غزنی کے اس نام

نہاد درویش کا تماشا دکھاؤں گا۔ میرے ساتھ آؤ۔"

یہ کہہ کر سردار تبریز اپنی خلوت گاہ سے نکلا۔ ابومسلم اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ پھر وہ دونوں عمارت کے پچھلے حصے میں پہنچے، جہاں سردار تبریز کے ملازمین رہا کرتے تھے۔ غزنی کے رئیسِ اعظم نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا۔

نظام شاہ حسبِ عادت سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کا لباس جگہ جگہ سے پھٹ گیا تھا اور پورے جسم پر سردار تبریز کے دیئے ہوئے زخموں کی گل کاری صاف نظر آ رہی تھی۔

"اب تو تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ابومسلم! کہ غزنی کا یہ ولیٔ کامل کتنا مجبور اور بے اثر انسان ہے۔" سردار تبریز نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

ابھی کمرے میں سردار تبریز کی استہزائیہ ہنسی کی گونج باقی تھی کہ شیخ نظام شاہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ ابومسلم اور سردار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنے لگے۔

"حجت پوری ہو چکی اور وقتِ معلوم سر پر آ پہنچا۔"

ابومسلم نے گھبرا کر سردار کی طرف دیکھا۔ "یہ شخص کیا کہہ رہا ہے؟" ابومسلم کو نظام شاہ کی آنکھوں میں عجیب سی سرخ روشنی نظر آئی تھی، جیسے انگارے دہک رہے ہوں۔

ابھی سردار تبریز، ابومسلم کی بات کا جواب دینے نہیں پایا تھا کہ نظام شاہ نے دوبارہ اپنی زبان سے وہی کلمات ادا کئے۔

"حجت پوری ہو چکی......اور وقتِ معلوم سر پر آ پہنچا۔"

"ہذیان بک رہا ہے۔" سردار تبریز نے ابومسلم کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔ "چلو! اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔"

"اب مجھے یقین آ گیا کہ یہ شخص ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔" ابومسلم نے تنگ و تاریک کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔ "امیر سبکتگین نے خوامخواہ ایک عام انسان کو شیخ اور مرشد کا درجہ دے دیا ہے۔" ابومسلم کے لہجے سے تحقیر کا رنگ جھلک رہا تھا۔

"ایسا ہی ہوتا ہے ابومسلم!" سردار تبریز نے بلند آواز میں کہا۔ "جب کسی پر زوال آتا ہے تو اس کی عقل مر جاتی ہے۔ اور پھر وہ بے جان پتھروں کو خدا بنا لیتا ہے۔ سبکتگین بھی ایک ایسا ہی بدنصیب اور احمق شخص ہے کہ جس نے ایک شعبدہ باز کی روحانی طاقت کے نشے میں مجھ جیسے "بادشاہ گر" دوست کو ناراض کر لیا......خیر! چند گھنٹوں کی تو بات ہے، اسے کچھ دیر اور فریب میں مبتلا رہنے دو۔ جیسے ہی غزنی کے در و بام پر تاریکی چھائے گی، اس کا مقدر بھی لامحدود اندھیروں میں ڈوب جائے گا۔"

سبکتگین کے ذکر پر ابومسلم کو کچھ یاد آ گیا۔ "سردار! آپ نے کہا تھا کہ غزنی کی نصف فوج اس لڑکی، نگار خانم کے مکان پر پہرہ دے رہی ہے۔"

"ہاں! اُس نادان نے میری طاقت سے خوف زدہ ہو کر ایک لڑکی کے مکان کو محاذِ جنگ بنا لیا ہے۔" سردار تبریز نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"مگر میرے خیال میں تو ایسا ممکن نہیں۔" ابومسلم نے رک رک کر کہا۔

"تو پھر کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں؟" سردار تبریز کا لہجہ کسی قدر ترش ہو گیا تھا۔

"مجھے آپ کی آنکھوں پر بہت زیادہ بھروسہ ہے سردار!" ابو مسلم نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "لیکن میرے جائزے کے مطابق سارے فوجی اپنے اپنے خیموں میں موجود ہیں...... میں کئی مرتبہ انہیں شمار کر چکا ہوں۔"

"تمہارے ماتحت سپاہیوں کے علاوہ بھی غزنی میں کچھ فوجی دستے رہتے ہیں۔" سردار تبریز نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "یہ شاہی دستے کہلاتے ہیں...... ان سے فوج کا سپہ سالار بھی واقف نہیں ہوتا...... یہ مخصوص سپاہی، امیر کی حفاظت اور قلعے کی نگہبانی پر مامور ہوتے ہیں۔ سبکتگین نے اپنے ان ہی فوجی دستوں کو نگار خانم کی حفاظت پر متعین کر دیا ہے...... اگر تمہیں شک ہے تو آؤ، ایک بار خود اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھو۔"

اگرچہ سردار تبریز نے بڑے مضبوط دلائل کے ساتھ گفتگو کی تھی، لیکن ابو مسلم اب بھی اُلجھا اُلجھا نظر آ رہا تھا۔ پھر جب سردار تبریز اپنی مخصوص سواری میں غزنی کے سپہ سالار کو لے کر نگار خانم کے مکان کے قریب پہنچا تو فرطِ حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اسے دور تک سپاہی ہی سپاہی نظر آ رہے تھے۔ مسلح اور چاق و چوبند سپاہی جو مسلسل حرکت میں تھے۔

"میرے خدا......!" ابو مسلم کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "سردار! آپ نے درست فرمایا تھا کہ امیر سبکتگین نے ایک لڑکی کے مکان کو محاذِ جنگ بنا دیا ہے۔"

"اللہ جو کرتا ہے، بہتر کرتا ہے۔" سردار تبریز نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "ہماری فتح کے سارے انتظامات، آسمان کی طرف سے ہو رہے ہیں۔"

"بے شک!" ابو مسلم نے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔

"اگر سبکتگین ایسا نہ کرتا تو ہمیں اس پر غلبہ حاصل کرنے میں بڑی دشواریاں پیش آتیں۔" سردار تبریز نے اس طرح کہا، جیسے وہ تختِ غزنی پر قابض ہو چکا ہو۔ "میں نے مختلف اوقات میں یہاں آ کر خود اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا ہے...... وہ دوپہر ہو یا رات کا پچھلا پہر، یہ سپاہی ہمہ وقت پہرے پر موجود رہتے ہیں۔ اس کے بعد ہی میں نے فیصلہ کیا تھا کہ سبکتگین کو راستے سے ہٹا دیا جائے...... میرا اندازہ ہے کہ قصرِ شاہی کی نگہبانی پر مشکل سے چند سپاہی مامور ہوں گے...... اس طرح قلعے کے تمام دروازے غیر محفوظ اور کھلے ہوئے ہیں۔ تم جس دروازے سے چاہو، داخل ہو جاؤ اور سبکتگین کی بساطِ اقتدار اُلٹ دو۔"

"سردار! میں آپ کے تدبر اور ذہانت کا قائل ہو گیا ہوں۔" جوشِ جذبات میں ابو مسلم نے اپنا ہاتھ سردار تبریز کے کاندھے پر رکھ دیا۔ "اب تختِ غزنی اور ہمارے بڑھتے ہوئے قدموں کے درمیان محض چند قدموں کا فاصلہ ہے۔"

*****

حماد بن ساریہ کے منصوبے کے مطابق امیر سبکتگین نے شام ہونے سے ذرا پہلے نائب سپہ سالار حارث بن شعبان کو خلوت میں طلب کر لیا۔ یہ وہی شخص تھا، جسے ابو مسلم نے حماد بن ساریہ کو معزول کرنے کے بعد نائب سپہ سالاری کے عہدے پر فائز کیا تھا۔ حارث بن شعبان کے ساتھ ابو مسلم کے تمام نامزد کردہ اعلیٰ فوجی افسر بھی طلب کر لئے گئے تھے۔ اس طرح ممکنہ بغاوت کے سارے بنیادی اراکین

سبکتگین کی حراست میں تھے۔ مگر ان لوگوں کو محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ اُڑنے سے پہلے ہی انہیں بال و پر سے محروم کر دیا گیا ہے۔

"مجھے میرے جاسوسوں نے خبر دی ہے کہ ملتان کے راجہ کی نیت میں فتور آ گیا ہے اور وہ غزنی پر حملہ کرنے کے منصوبے بنا رہا ہے۔" امیر سبکتگین نے حارث بن شعبان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"امیرِ معظم! یہ بڑی عجیب خبر ہے۔" حارث بن شعبان حیرت زدہ رہ گیا۔

"میرے نزدیک یہ کوئی حیران کن خبر نہیں ہے۔" اگرچہ سبکتگین کے دل میں نفرت و غضب کے طوفان اُٹھ رہے تھے، لیکن اسے اپنے لہجے پر مکمل قابو حاصل تھا۔ "جب تک انسان زندہ ہے، اسے ایسی خبریں سننے کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہئے۔"

حارث بن شعبان خاموش بیٹھا رہا، مگر سبکتگین کی آنکھوں نے اس کے چہرے پر ایک عجیب سا رنگ اُبھر کر ڈوبتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم سیاسی صورتِ حال کو سمجھ لو اور فوری طور پر سرحدوں کی نگرانی شروع کر دو۔" امیر سبکتگین کی نظریں مسلسل حارث بن شعبان کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ "میں تو ابو مسلم کے بیٹے کی شادی میں شریک ہونے جا رہا ہوں۔ مگر حماد بن ساریہ تمہیں جاسوسوں کی فراہم کردہ اطلاعات کی تفصیل بتا دیں گے۔"

ابھی خلوت کدے میں امیر سبکتگین کے الفاظ کی گونج باقی تھی کہ حارث بن شعبان گھبرا کر بول اُٹھا۔ "امیرِ محترم! مجھے بھی ابو مسلم کی تقریب میں شریک ہونا ہے...... اگر مناسب سمجھیں تو کل کسی وقت......" حارث بن شعبان نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

امیر سبکتگین نے بہت غور سے نائب سپہ سالار کی طرف دیکھا۔ حارث بن شعبان کے چہرے پر نمایاں ہونے والی گھبراہٹ کسی مجرمانہ کیفیت کی غمازی کر رہی تھی۔ اس لئے امیرِ غزنی کو یقین ہو چلا تھا کہ آج کی رات بہت زیادہ غیر معمولی ہے۔ سبکتگین نے دل ہی دل میں حماد بن ساریہ کی ذہانت کی تعریف کی اور پھر نہایت پُرجلال لہجے میں حارث بن شعبان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"آج غزنی کی سرحدوں کی حفاظت سے زیادہ ضروری کام کوئی دوسرا نہیں ہے...... تم حماد بن ساریہ کی سنو کہ وہ کیا کہتے ہیں؟" سبکتگین نے دوسرے فوجی افسروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں بھی ابو مسلم کو مبارکباد دے کر جلد ہی لوٹ آؤں گا۔"

امیر کا حکم سن کر حارث بن شعبان اور دوسرے فوجی افسروں کے چہرے بجھ گئے۔ سبکتگین نے ایک ہی نظر میں ان سب کی دلی کیفیات کا جائزہ لے لیا۔ اور یہ کیفیات کسی خوفناک سازش کی طرف اشارہ کر رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد حارث بن شعبان اور دیگر فوجی افسروں کو ایک وسیع و عریض کمرے میں پہنچا دیا گیا، جہاں حماد بن ساریہ پہلے سے موجود تھے۔ معزول نائب سپہ سالار نے بڑی خوش دلی کے ساتھ آنے والوں کا استقبال کیا تا کہ کسی کے ذہن میں کوئی شک پیدا نہ ہو سکے...... پھر کمرے کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ حارث بن شعبان اور تمام فوجی افسر اس طریقِ کار کو رازدارانہ گفتگو کا ایک انداز سمجھ رہے تھے۔ مگر بدقسمتی سے انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ دروازہ بند ہوتے ہی سو سے زیادہ مسلح سپاہیوں نے اس کمرے کو

چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔

❀❀❀❀❀

امیر سبکتگین نے ابو مسلم کے مکان کی طرف روانہ ہونے سے پہلے اپنے معتبر فوجیوں کا ایک دستہ سردار تبریز کے محل ''قصرِ سرخ'' کی جانب اس ہدایت کے ساتھ بھیج دیا تھا کہ وہ دن کے اُجالے میں ایک فاصلے پر رہیں کہ کسی کو ان کی موجودگی کی خبر نہ ہو سکے۔ پھر جیسے جیسے رات گہری ہوتی جائے، تمام سپاہی آہستہ آہستہ قصرِ سرخ کی طرف بڑھتے رہیں۔ یہاں تک کہ سردار تبریز کے محل کے گرد مسلح فوجیوں کا ایک حصار قائم ہو جائے۔ بس قصرِ سرخ کے صدر دروازے کو چھوڑ دیا جائے تا کہ آنے والے کسی قسم کا شبہ نہ کر سکیں۔

اسی طرح دوسرے فوجی دستے کو یہ حکم تھا کہ امیر کے داخل ہوتے ہی تمام سپاہی، ابو مسلم کے مکان کا محاصرہ کر لیں۔ آخری ہدایت دینے کے بعد امیر سبکتگین، محمود کو لے کر قصرِ شاہی سے باہر نکلا۔ اس کے ہمراہ پچاس کے قریب مسلح سپاہی تھے۔ ابو مسلم کا مکان، قصرِ شاہی سے زیادہ دُور نہیں تھا۔ پھر بھی محل سے سپہ سالار کی رہائش گاہ تک قدم قدم پر نقیب کھڑے کئے گئے تھے، جو بلند آوازوں کے ساتھ امیرِ غزنی کی آمد کا اعلان کر رہے تھے۔

آدابِ شاہی کے مطابق ابو مسلم نے اپنے مکان سے نکل کر تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر امیر سبکتگین اور ولی عہدِ سلطنت کا استقبال کیا۔

''یہ امیرِ عالی مقام کی ذرّہ نوازی ہے کہ ایک خادم کے غریب خانے کو اپنے روشن وجود سے منور کیا۔'' ابو مسلم آج بے پناہ عجز و انکسار کا پیکر نظر آ رہا تھا۔

''تمہاری خدمات اس بات کی متقاضی تھیں، ابو مسلم! کہ امیرِ غزنی خود چل کر اس بزمِ نشاط تک پہنچے۔'' امیر سبکتگین کے ایک ایک لفظ میں گہرا طنز پوشیدہ تھا۔ مگر ابو مسلم کے ذہن کی رسائی وہاں تک ممکن نہیں تھی۔

''میں ولی عہدِ سلطنت کا بھی شکر گزار ہوں کہ غزنی کے عظیم وارث نے یہاں تشریف لا کر اس رنگ تقریب کو قوسِ قزح سے بھی زیادہ دلکش بنا دیا ہے۔'' ابو مسلم نے خوشامد کا ایک اور مظاہرہ کیا تا کہ امیرِ غزنی کو کسی قسم کا شبہ نہ ہو سکے۔

محمود نے ابو مسلم کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ باپ کی ہدایت کے مطابق صرف مسکرا کر رہ گیا۔ اس کے بعد ابو مسلم نے امیر سبکتگین سے پوچھا۔ ''ملکۂ عالیہ اور دوسری خواتینِ معظمہ تشریف نہیں لائیں؟''

''وہ لوگ بھی عنقریب پہنچنے والے ہیں۔'' سبکتگین نے نہایت خوش دلی کے ساتھ کہا۔

''اُن کے بغیر یہ تقریبِ نشاط نامکمل ہے۔'' ابو مسلم نے کہا اور امیر کی سواری کے آگے آگے چلنے لگا۔

شادی کے گھر کو دُلہن سے بھی زیادہ آراستہ کیا گیا تھا۔ پھر جیسے ہی امیر کی سواری، دروازے پر پہنچی ایک فوجی دستے نے سلامی پیش کی اور کچھ دیر تک آتش بازی چھوڑی جاتی رہی۔ غزنی کے دیگر امراء پہلے ہی شاملِ تقریب ہو چکے تھے۔ سبکتگین کی آمد کا شور سن کر وہ بھی دروازے پر آ گئے اور اپنے فرمانروا کا استقبال کرنے کے لئے نصف قد تک جھک گئے۔ امیر سبکتگین بڑے باوقار انداز میں اندر داخل ہوا اور اس مسند پر بیٹھ گیا، جو غزنی کے حکمراں کے لئے مخصوص کر دی گئی تھی۔ دائیں ہاتھ پر محمود بیٹھا اور بائیں

ہاتھ پر دوسرے امراء۔ سبکتگین کے ساتھ آنے والے پچاس سپاہیوں میں سے دس سپاہی، امیر کے پیچھے اپنی تلواریں بے نیام کئے کھڑے تھے اور باقی چالیس سپاہی، دروازے پر اس طرح متحرک نظر آ رہے تھے، جیسے کچھ دیر بعد انہیں دشمن پر یلغار کرنا ہو۔

جیسے ہی امیر سبکتگین، مسند پر بیٹھا، ابو مسلم کا لڑکا، فرمانروائے غزنی کے سلام کے لئے حاضر ہوا۔ سبکتگین نے رسمِ دنیا کے مطابق اُسے خوشحالی اور کامیابی کی دعائیں دیں۔ اتنے میں دروازے پر شور برپا ہوا کہ ملکۂ عالیہ اور دوسری خواتینِ معظمہ تشریف لے آئی ہیں۔ ابو مسلم کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ وہ سردار تبریز کے منصوبے کے مطابق امیر کے تمام حرم کو گرفتار کر لینا چاہتا تھا۔

ملکۂ غزنی کی پالکی کے ساتھ پچاس پالکیاں اور تھیں، جن میں حرم سرا کی معزز خواتین موجود تھیں۔ ہر پالکی کو چار طاقتور کہار اُٹھائے ہوئے تھے اور یہ پالکیاں، مسلح سپاہیوں کے درمیان سے گزر رہی تھیں۔ دروازے پر موجود ابو مسلم کے سپاہیوں نے پالکیوں کی بڑی تعداد کو حیرت سے دیکھا تھا مگر کسی میں دم مارنے کی ہمت نہیں تھی۔ کچھ دیر بعد یہ پالکیاں، صدر دروازے سے گزر کر زنان خانے تک پہنچ گئیں۔ زنان خانہ، مردانہ حصے سے کافی فاصلے پر تھا۔

ملکۂ غزنی کے آتے ہی ابو مسلم نے اپنے ملازموں کو اشارہ کیا، جو ایک گوشے میں خشک میوے کے طباق اُٹھائے ہوئے کھڑے تھے۔ سبکتگین نے طبیعت کی ناسازی کا بہانہ کر کے میوہ کھانے سے انکار کر دیا۔ ایک لمحے کے لئے ابو مسلم کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ مگر دوسرے ہی لمحے اُس نے مسکراتے ہوئے اپنے ملازموں کو حکم دیا۔

''امیرِ معظم کی خدمت میں شربتِ نیلوفری پیش کیا جائے کہ اس سے طبعِ مبارک، فرحت محسوس کرے گی۔''

ملازموں نے دوڑ کر برابر کے کمرے سے صراحیاں اُٹھائیں اور ایک طلائی پیالہ لبریز کر کے سبکتگین کی طرف بڑھایا۔ امیرِ غزنی نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر پیالہ لے لیا اور مسکراتے ہوئے ابو مسلم سے کہا۔

''اس خوشی کے موقع پر ہم تمہیں اپنے ہاتھ سے یہ شربت پیش کرتے ہیں۔''

سبکتگین کے اس غیر متوقع اقدام پر ابو مسلم بدحواس ہو گیا۔ ''اس پیالے پر صرف امیرِ معظم کا نام کندہ ہے۔ میری زبان اور ہونٹ اس قابل نہیں کہ وہ اسے چھو بھی سکیں۔''

''ہم کہتے ہیں کہ اسے پیئو۔'' سبکتگین کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی تھی۔ ''ہم اس پیالے کو تمہارے نام کرتے ہیں کہ ہماری بخشش و عطا کا ایک یہ انداز بھی ہے۔''

''نہیں امیرِ ذیشان! میں اس عنایت و کرم کے لائق نہیں۔'' ابو مسلم کی آواز سے ہلکا ہلکا ارتعاش نمایاں تھا اور چہرے پر خاک سی اُڑ رہی تھی۔

سبکتگین نے زاویہ بدل کر اس خدمت گار کی طرف دیکھا، جو چند قدم کے فاصلے پر صراحی اُٹھائے کھڑا تھا۔ ''تم اسے پی لو کہ آج ہمارا لطف و کرم عام ہے۔'' امیر نے نہایت شگفتہ لہجے میں ابو مسلم کے خدمت گار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''حضور! میں تو آپ کا ادنیٰ ترین غلام ہوں۔'' خدمت گار اپنے امیر کی مہربانی کا یہ انداز دیکھ کر گھبرا گیا تھا۔

"کوئی آقا نہیں، کوئی غلام نہیں۔" امیر سبکتگین کے لہجے کی شگفتگی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ "سپہ سالار، ابو مسلم کی بزمِ نشاط ہے.......آج کے دن ہم اس فرق کو بھی مٹائے دیتے ہیں۔ لو، اسے پی لو۔"

شدتِ جذبات سے خدمت گار کا جسم کانپنے لگا اور وہ صراحی فرش پر رکھ کر آگے بڑھا۔ پھر اس نے لرزتے ہاتھوں سے وہ طلائی پیالہ لے لیا اور گھونٹ گھونٹ کر کے پینے لگا۔ ایک معمولی خدمت گار، امیر غزنی کی اس غیر معمولی عنایت پر بہت خوش نظر آ رہا تھا۔

اس دوران ابو مسلم، پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اپنے ملازم کو دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے کا رنگ کفن کی طرح سفید ہو گیا تھا۔

جیسے ہی شربتِ نیلوفری، خدمت گار کے حلق سے اُترا، اُس کی حالت غیر ہونے لگی۔ پہلے اُس نے دل پر ہاتھ رکھا اور پھر چیختا ہوا فرش کی طرف جھکنے لگا۔ "حضور! یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟......میرے پورے جسم میں ایک آگ سی دہک رہی ہے۔"

سبکتگین اپنی نشست پر کھڑا ہو گیا اور اُس نے درباری طبیب کی طرف دیکھا، جو امیر کے بائیں جانب سب سے آخر میں بیٹھا تھا۔ "یہ شخص بے گناہ اور بے ضرر ہے.....اسے مرنے سے بچا لیجیے۔ ہمیں زندگی بھر ایک معصوم انسان کی موت کا افسوس رہے گا۔"

درباری طبیب ایک لمحہ ضائع کئے بغیر مسند سے اُترا اور خدمت گار کے منہ میں تریاق کے قطرے ٹپکانے لگا۔

ابو مسلم کو کچھ دیر کے لئے سکتہ سا ہو گیا تھا.......پھر وہ سنبھلا اور زنان خانے کی طرف بھاگا۔

"ہوشیار باش!" سبکتگین کے پیچھے کھڑے ہوئے ایک مسلح محافظ نے پوری طاقت سے چیختے ہوئے کہا۔ ابھی اس نعرے کی گونج ختم نہیں ہوئی تھی کہ صدر دروازے پر بھی یہی نعرہ بلند ہوا۔ "ہوشیار باش!" اور پھر دُور دُور تک یہی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

ابو مسلم، مردانہ نشست سے نکل کر زنان خانے میں داخل ہوا تو وہاں صورتِ حال ہی کچھ اور تھی۔ پچاس پالکیوں میں ملکۂ غزنی یا دوسری خواتینِ معظمہ نہیں بلکہ سبکتگین کے جو مسلح سپاہی آئے تھے، جب ان لوگوں نے "ہوشیار باش" کی آوازیں سنیں تو وہ دروازے کی طرف بڑھے، جس کا راستہ مردانہ نشست کی طرف جاتا تھا۔ ابو مسلم، زنان خانے میں داخل ہو کر ایک خفیہ راستے سے کسی محفوظ مقام کی طرف جانا چاہتا تھا۔

"تیرے لئے فرار کے تمام راستے بند ہیں۔" ایک سپاہی نے چیختے ہوئے کہا۔

ابو مسلم گھبرا کر پلٹا اور زنان خانے کے ایک چھوٹے دروازے سے نکل کر سبزہ زار کی طرف بھاگا۔ شاہی پالکیوں میں چھپ کر آنے والے مسلح سپاہی بھی عقابوں کے ایک غول کے مانند ابو مسلم پر جھپٹے۔

"انقلاب.......انقلاب!" ابو مسلم بھاگتے بھاگتے چیخ رہا تھا۔ یہ ایک خفیہ نعرہ تھا، جو اپنے سپاہیوں کو متوجہ کرنے کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔ ابو مسلم کی ہدایت تھی کہ جب "انقلاب" کا نعرہ بلند ہو تو امیر سبکتگین، محمود اور دوسرے امرائے مملکت پر بے دریغ حملہ کر دیا جائے۔

ابو مسلم کے اس نعرے کے جواب میں کچھ اور آوازیں بھی بلند ہوئیں مگر یہ سب آوازیں بہت کمزور تھیں۔ اس کے برعکس پوری فضا "ہوشیار باش" کے نعروں سے گونج رہی تھی۔ "ہوشیار باش" کا نعرہ

سبکتگین اور حماد بن ساریہ کا تخلیق کردہ تھا۔ بظاہر یہ نعرہ اس وقت بلند کیا جاتا تھا، جب امیر اپنے دربار میں داخل ہوتا تھا یا اس کی سواری کسی شاہراہ سے گزرتی تھی۔ مگر آج کے دن اس نعرے کا مفہوم یکسر بدل گیا تھا۔ ابو مسلم یہی سمجھا تھا کہ سبکتگین کے سپاہی، مملکت کی قدیم رسم کے مطابق "ہوشیار باش" کے نعرے بلند کر رہے ہیں۔ مگر اسے یہ خبر نہیں تھی کہ امیرِ غزنی، محل سے روانہ ہونے سے پہلے ہی تمام حفاظتی انتظامات مکمل کر چکا ہے۔

پھر جب ابو مسلم کا خدمت گار، زہر پی کر فرش پر گر گیا تو غزنی کے سپہ سالار کو احساس ہوا کہ اس کی سازش بے نقاب ہو گئی ہے۔ پھر وہ ذلت و رسوائی کے خوف سے بھاگ کھڑا ہوا۔ ابو مسلم نے ایک غلطی کی تھی کہ وہ غیر مسلح حالت میں گھوم رہا تھا۔ پہلے اس نے سوچا تھا کہ وہ اپنے جسم کو ہتھیاروں سے آراستہ کر لے، لیکن بعد میں یہ خیال اس لئے ترک کر دیا گیا تھا کہ کہیں اسے مسلح دیکھ کر امیر سبکتگین کسی شبے میں مبتلا نہ ہو جائے۔ مصلحتاً ابو مسلم نے اپنے تمام ہتھیار کھول کر رکھ دیئے تھے اور وہ سادہ لباس میں آنے والوں کا استقبال کر رہا تھا۔ مگر جب صورتِ حال اچانک بدل گئی تو ابو مسلم کو اپنی کوتاہی کا احساس ہوا اور وہ جان بچانے کے لئے اپنے مکان میں کوئی پناہ گاہ ڈھونڈنے لگا۔ ایک فوجی ہونے کی حیثیت سے ابو مسلم نے اپنے زنان خانے میں ایک خفیہ تہہ خانہ بنایا تھا، جس سے گزر کر ایک طویل سرنگ تک پہنچا جا سکتا تھا۔ اور پھر یہی سرنگ اسے شہر غزنی کی حدود سے باہر لے جا سکتی تھی۔ سازش کے بے نقاب ہو جانے کے بعد ابو مسلم یہی سوچ کر زنان خانے کی طرف بھاگا تھا کہ وہ اس خفیہ راستے سے نکل کر کسی محفوظ مقام تک پہنچ جائے گا۔ مگر گردشِ تقدیر نے اس کی ساری چالیں اُسی پر اُلٹ دی تھیں۔

پھر جب وہ زنان خانے میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں ملکۂ عالیہ اور خواتینِ معظمہ کے بجائے امیر سبکتگین کے مسلح سپاہی موجود تھے۔ مجبوراً ابو مسلم کو زنان خانہ بھی چھوڑنا پڑا۔ اب وہ سبزہ زار میں اس طرح دوڑ رہا تھا، جیسے کوئی ہرن، درندوں کے درمیان گھر گیا ہو اور شکاری جانور، لحظہ بہ لحظہ اُس کے گرد اپنا دائرہ تنگ کرتے جا رہے ہوں۔

موت کو اس قدر نزدیک پا کر ابو مسلم نے "نعرۂ انقلاب" بلند کیا مگر کوئی بھی سپاہی اس کی مدد کو نہیں پہنچ سکا۔ مردانہ نشست گاہ میں ابو مسلم کے چند سپاہی موجود تھے۔ لیکن امیر سبکتگین کے محافظوں نے ان پر بہت جلد قابو پا لیا تھا۔ البتہ صدر دروازے پر ابو مسلم کے حامیوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ باغی فوجیوں نے بھرپور مزاحمت کی۔ نعرۂ انقلاب سن کر کچھ سپاہی مردانہ نشست گاہ میں داخل ہونا چاہتے تھے، لیکن امیر سبکتگین کے چالیس سپاہی ان کے راستے کی دیوار بنے ہوئے تھے۔ صدر دروازے پر ایک خونریز جنگ جاری تھی۔ بہت ممکن تھا کہ ابو مسلم کے حامی سپاہی، سبکتگین کے محافظوں کو تہہ تیغ کر کے امیرِ غزنی تک پہنچ جاتے مگر اسی دوران وہ شاہی دستہ بھی وہاں پہنچ گیا تھا، جسے سبکتگین نے ایک خاص منصوبے کے تحت بہت پہلے روانہ کر دیا تھا۔

ابو مسلم تنہا اپنے سبزہ زار میں اِدھر اُدھر دوڑ رہا تھا۔ چیختے چیختے اُس کی آواز بیٹھ گئی تھی۔ مگر ابھی تک کوئی ماتحت، مدد کو نہیں آیا تھا۔ اور آتا بھی کیسے کہ ابو مسلم کے محافظوں کی گردنیں، شاہی نگہبانوں کی شمشیروں کی زد پر تھیں۔ جن باغی سپاہیوں نے اپنے جسموں کو ہلکی سی بھی جنبش دی تھی، ان کے کٹے ہوئے سر فرش پر پڑے تھے اور ان کا ارزاں خون، قیمتی قالینوں میں جذب ہو رہا تھا۔ خود ابو مسلم کا بیٹا بھی

زخمی ہو کر کمرے کے ایک گوشے میں کھڑا تھا۔ اس کا لباسِ عروسی جگہ جگہ سے کٹ گیا تھا اور خون کے بڑے بڑے دھبوں نے اس قبائے خاص کی شکل بگاڑ دی تھی۔

زنان خانے سے بھی عورتوں کے چیخنے کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ امیر سبکتگین کے مسلح محافظوں کی آوازیں بھی اُبھر رہی تھیں۔

"اگرچہ ابومسلم غدار ہے، لیکن ہماری نظروں میں اس کے خاندان کی تمام عورتیں معزز و محترم ہیں۔ امیر سبکتگین کے عہدِ اقتدار میں کسی عورت کی عزت کو کوئی خطرہ نہیں۔ جیسے ہی بغاوت کے تمام مجرم اپنے اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے، خواتین بھی آزادی کی سانس لے سکیں گی۔ یہ ایک مختصر سی نظربندی ہے، جسے خوش دلی کے ساتھ ہر عورت کو قبول کرنا ہوگا۔"

امیر سبکتگین کے محافظوں نے ابومسلم کے خاندان کی عورتوں کو امن و عافیت کا مژدہ سنا دیا تھا، لیکن وہ پھر بھی چیخ رہی تھیں۔

ابومسلم، عورتوں کی چیخیں سن رہا تھا مگر اسے خواتین کی گریہ وزاری سے زیادہ اپنی جان کی فکر تھی۔ اس نے کئی بار درختوں کی آڑ میں چھپنا چاہا لیکن آج کی رات اس کے لئے کہیں پناہ نہیں تھی۔ غزنی کے سالار پر خود اس کے اپنے گھر کی زمین تنگ ہو چکی تھی۔ سبکتگین کے مسلح محافظ تیزی سے اس کی طرف بڑھتے آ رہے تھے۔ پھر جب ابومسلم چاروں طرف سے گھر گیا تو اس نے بھاگنے کی کوشش ترک کر دی اور کمر میں لگا ہوا خنجر نکال لیا۔

"وہیں ٹھہر جاؤ!" ابومسلم نے آگے بڑھتے ہوئے سپاہیوں کو چیخ کر مخاطب کیا۔ "میں تمہارا سالار ہوں، اس لئے حکم دیتا ہوں کہ وہیں ٹھہر جاؤ۔"

"اب تُو افواجِ غزنی کا سالار نہیں، محض ایک غدار ہے۔ ایک لعنت زدہ انسان، جس نے تمام عہد توڑ دیئے۔" سبکتگین کے آگے بڑھتے ہوئے محافظوں نے بیک زبان انتہائی تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔

"کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم میرے جسم پر قابو پالو گے؟" ابومسلم ہذیانی انداز میں چیخ رہا تھا۔ "کچھ بھی سہی، مگر میں تمہارا سردار ہوں۔ بے شک! وقت کے نادیدہ اور طاقتور ہاتھوں نے میری بچھائی ہوئی بساط اُلٹ دی، لیکن میں تم جیسے محکوموں کو اپنا جسم چھونے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ کیا تم جانتے نہیں کہ یہ اعلیٰ نسب، ابومسلم کا جسم ہے۔" غزنی کا سالار ڈوبتے وقت عجیب انداز سے لاف زنی کر رہا تھا۔

"تُو اعلیٰ نسب نہیں ابومسلم!" سبکتگین کے ایک محافظ نے حقارت سے کہا۔ "تُو غزنی کی گلیوں میں مارے پھرنے والے کتوں سے بھی کم تر ہے۔ ابھی کچھ دیر بعد اہلِ شہر اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ لیں گے کہ تیری قبائے آبرو، گناہوں کی سیاہی سے آلودہ ہوگی اور تیرا نسب نامہ، ورق ورق ہواؤں میں اُڑ رہا ہوگا۔"

"یہ کہاں ممکن ہے کہ تم اور تمہارا امیر ایک مجرم کے مانند مجھے غزنی کی گلیوں میں پھرا سکو؟" ابومسلم نے کسی وحشی کی طرح قہقہہ لگایا۔ اس کے اعصاب مکمل طور پر شکستہ ہو چکے تھے۔

امیر سبکتگین کے محافظ آہستہ آہستہ دائرہ تنگ کرتے جا رہے تھے۔ ان کی شمشیریں بے نیام تھیں، مگر سبکتگین کا حکم تھا کہ ابومسلم کو معمولی زخم دے کر زندہ گرفتار کیا جائے، اس لئے تمام محافظ سپاہی بہت احتیاط سے آگے بڑھ رہے تھے۔

پھر جب چند قدم کا فاصلہ رہ گیا تو ابومسلم نے اپنا خنجر اپنی ہی شہ رگ پر پھیر لیا۔ خون کا ایک فوارہ سا

اُبل پڑا، جیسے کسی مرغ کو ذبح کر دیا گیا ہو۔

"تم مجھے...... گرفتار...... نہیں...... کر سکتے۔" ابومسلم نے بڑی مشکل سے آخری الفاظ ادا کئے، پھر وہ لڑکھڑا کر ریشم جیسی گھاس پر گرا اور ذبح کئے جانے والے جانور کی طرح تڑپنے لگا۔

سبکتگین کے محافظوں نے دوڑ کر ابومسلم کو اُٹھایا اور بھاگتے ہوئے اپنے امیر کے حضور میں پہنچے۔ سالارِ غزنی آخری ہچکیاں لے رہا تھا۔

"اسے کیا ہوا؟" سبکتگین نے گھبرا کر پوچھا۔ "کیا تم نے میرے حکم کو نظرانداز کرتے ہوئے اسے مار ڈالا؟"

"نہیں امیرِ معظم!" کئی محافظوں نے بیک وقت کہا۔ "سالار ابومسلم نے خودکشی کر لی۔"

نزع کے عالم میں گرفتار ابومسلم کے جسم کو فرش پر رکھ دیا گیا۔ امیر سبکتگین نے درباری طبیب کی طرف دیکھا۔

چند لمحوں تک ابومسلم کی نبض دیکھنے کے بعد درباری طبیب نے نفی میں سر کو جنبش دی۔ "اب کچھ نہیں ہو سکتا امیرِ محترم! جسم کا سارا خون ضائع ہو چکا ہے۔ اور پھر شہ رگ کو جوڑا بھی نہیں جا سکتا۔"

ابھی درباری طبیب کا جملہ مکمل بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ ابومسلم کا پورا جسم زور سے تھرتھرایا اور پھر اس کی گردن ایک طرف کو ڈھلک گئی۔ فرشتۂ اجل نے سالارِ غزنی کی سانسیں غصب کر لی تھیں اور انسان کو دی ہوئی مہلت ختم ہو چکی تھی۔

"معاذ اللہ! معاذ اللہ!" امیر سبکتگین کی زبان سے بے اختیار نکلا۔ "کیا مردِ شجاع تھا اور کیسی حرام موت مرگیا۔" سبکتگین نے ابومسلم کی طرف دیکھا، جس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور چہرہ نیلا پڑ گیا تھا۔

سبکتگین چند قدم پیچھے ہٹا اور ابومسلم کے اس خدمت گار کو دیکھنے لگا، جس نے کچھ دیر پہلے امیر غزنی کے حکم پر زہریلا مشروب پیا تھا۔ درباری طبیب کے بروقت تریاق دینے پر زہر کا اثر زائل ہو گیا تھا اور اب ابومسلم کا بے خبر ملازم، موت کے خطرے سے محفوظ نظر آ رہا تھا۔ تاہم اس کے چہرے سے انتہائی نقاہت ٹپک رہی تھی۔ خدمت گار نے امیر غزنی کو اپنے قریب پایا تو گھبرا کر اُٹھنے کی کوشش کرنے لگا، مگر پھر فوراً ہی لڑکھڑا کر فرش پر گر گیا۔

"اطمینان سے بیٹھے رہو۔ ابھی تم بہت کمزور ہو۔" امیر سبکتگین نے مہربان لہجے میں کہا۔

"حضور والا!" خدمت گار نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ اس کا جسم تیز ہوا میں کسی زرد پتے کے مانند کانپ رہا تھا۔ "اللہ گواہ ہے کہ میں اس سازش سے بے خبر تھا۔ میں نے آپ کے مشروب میں زہر کی آمیزش نہیں کی۔"

"ہم جانتے ہیں۔" امیر سبکتگین نے کہا۔ اور پھر اپنے درباری امراء سے مخاطب ہو کر بولا۔ "اللہ، حماد بن ساریہ کو جزائے خیر دے کہ اُن کی ذہانت نے ایک بہت بڑے حادثے کو ٹال دیا۔ ابن ساریہ کا خیال تھا کہ اس دعوت میں مجھے اور میرے امراء کو زہر دے کر مملکتِ غزنی کے خلاف ایک انتہائی سنگین سازش کی جائے گی۔ اسی لئے حماد بن ساریہ نے مشورہ دیا تھا کہ درباری طبیب کو بھی ساتھ لے لیا جائے۔ بالآخر ان کا یہ مشورہ ہمارے کام آ گیا۔ اللہ نے کئی جانیں بچالیں اور ملک کو ایک خوفناک سازش سے محفوظ رکھا۔"

تمام امراء اپنی اپنی نشستوں سے اُتر کر امیر سبکتگین کے قریب آ گئے تھے اور ان کے چہروں پر خوف دہشت کی ہلکی ہلکی پرچھائیاں لرز رہی تھیں۔

یکایک امیر سبکتگین اپنے دائیں جانب مڑا اور محمود کے کانوں میں سرگوشی کرتے ہوئے بولا۔ "احتیاط کے ساتھ یہاں سے نکل جاؤ اور سردار تبریز کو فوراً گرفتار کر لو۔ شاہی دستہ پہلے ہی اس کے مکان کا محاصرہ کر چکا ہوگا۔ مملکت کے جاں نثار بس تمہارے اشارے کا انتظار کر رہے ہیں۔ مگر خیال رکھنا کہ سردار تبریز اور اُس کے حامی تمہاری شمشیرِ خوں چکاں کا نشانہ نہ بن جائیں۔ تمہیں ہر حال میں ان غداروں کو زندہ گرفتار کرنا ہوگا تاکہ سازش کے تمام مہرے عدالتِ عالیہ کے سامنے اپنے گناہوں پر گواہی دے سکیں۔ بس، جاؤ! اللہ تمہاری حفاظت کرے۔"

محمود کو بڑے رازدارانہ انداز میں ہدایت دے کر امیر سبکتگین، سپہ سالار ابو مسلم کے مکان کی طرف متوجہ ہوا، جہاں تمام سازشی افراد بے دست و پا کئے جا چکے تھے یا امیر کے جاں نثاروں نے انہیں تہہ تیغ کر دیا تھا۔

مکان کے مردانہ حصے کے ساتھ زنان خانے کے بھی ایک ایک چپے کی تلاشی لی گئی۔ اس دوران ابو مسلم کے خاندان کی عورتیں چیخ چیخ کر امیر سبکتگین کے انصاف کو آواز دے رہی تھیں۔ پھر جب انہیں بتایا گیا کہ ابو مسلم نے ذلت و رسوائی کے خوف سے خودکشی کر لی ہے تو سالارِ غزنی کی حرم سرا میں ایک کہرام سا برپا ہو گیا۔

"یہ خودکشی نہیں، کھلا ہوا قتل ہے۔" ابو مسلم کی بیوی وحشیانہ انداز میں چیخنے لگی۔ "میرے شوہر کو سبکتگین کے حکم پر قتل کیا گیا ہے۔ غزنی کا امیر ایک جابر و ظالم حکمران ہے۔ بہت دنوں سے اس کا یہی مشغلہ ہے کہ اپنے جاں نثاروں کو قتل کر رہا ہے۔" ابو مسلم کی بیوی پاگل سی ہو گئی تھی۔ امیر سبکتگین بھی اُس کی الزام تراشیاں سن رہا تھا، مگر امیرِ غزنی نے کمال صبر و ضبط سے کام لیتے ہوئے مکمل خاموشی اختیار کر لی تھی۔

پھر جب ابو مسلم کی حرم سرا میں کوئی مشکوک یا روپوش فرد نظر نہیں آیا تو امیر سبکتگین نے اپنے محافظوں کو باہر نکل آنے کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ ہی ابو مسلم کی لاش اُٹھوا کر فوجی مرکز بھیج دی گئی اور حکم دیا گیا کہ غدار سالارِ غزنی کو کسی اعزاز کے بغیر رات کے اندھیرے میں دفن کر دیا جائے۔

*****

ابو مسلم کے مکان سے نکل کر امیر سبکتگین صدر دروازے پر آیا تو یہ ناکام بغاوت اپنے انجام کو پہنچ چکی تھی۔ دُور تک مقتول سپاہیوں کی لاشیں زمین پر پڑی ہوئی تھیں۔ ابو مسلم کے حامی سپاہیوں کی اکثریت قتل کی جا چکی تھی۔ چند باغی سپاہی انتہائی شکستہ حالت میں گرفتار کئے جا چکے تھے۔ خود امیرِ غزنی کے پچاس ساٹھ سپاہی اس مختصر سی معرکہ آرائی میں کام آ گئے تھے۔

جیسے ہی سبکتگین صدر دروازے پر نمودار ہوا، امیر کے جاں نثاروں کی پُرشور آوازوں سے فضا گونج اُٹھی۔

"امیرِ معظم زندہ باد۔"

امیر سبکتگین نے ان آوازوں کے جواب میں اپنا دایاں ہاتھ بلند کر دیا۔ اُس کی شمشیرِ بے نیام اندھیرے میں بھی چمک رہی تھی۔ "اللہ کے سوا اس کائنات میں کسی کو دوام حاصل نہیں۔ بس وہی زندہ

رہنے والا ہے اور وہی "حی و قیوم" ہے۔"

"غدارانِ مملکت مُردہ باد!" دوسری بار وہی پُرشور آوازیں گونجیں۔

"باطل، جھوٹ اور فریب کا مقدر ذلت آمیز موت کے سوا کچھ نہیں۔" امیر سبکتگین نے انتہائی بارعب لہجے میں کہا اور نیچے اُتر آیا۔

اب اُس کا رخ سردار تبریز کے مکان کی طرف تھا۔

*****

پھر جب امیرِ غزنی اپنے سابق دوست کے عظیم الشان محل "قصرِ سرخ" پہنچا تو سردار تبریز کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ سردار تبریز کے پاس چند مسلح محافظ تھے، جو شاہی دستے کے جانبازوں کا مقابلہ نہ کر سکے اور تھوڑی ہی دیر میں یا تو قتل کر دیئے گئے یا پھر وہ اپنی جان بچانے کے لئے ہتھیار پھینک کر امیر سبکتگین کے قدموں میں جھک گئے۔

سردار تبریز نے مشکل سے دو چار لمحے تک مزاحمت کی، مگر جلد ہی اُس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی وہ زخمی ہو کر فرش پر گر پڑا۔ پھر اُسے زنجیریں پہنا دی گئیں۔ سردار تبریز کے ہم نوا امیروں میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ وہ تلوار ہی اُٹھا لیتے۔ مجبوراً انہوں نے اپنے آپ کو حالات کے سپرد کر دیا اور لرزتی ہوئی زبانوں کے ساتھ سبکتگین سے امان طلب کرنے لگے۔

"امیر! ہم بے قصور ہیں۔ اس صورتِ حال کا ذمہ دار صرف سردار تبریز ہے، جس نے ابو مسلم جیسے جاں نثاروں کو بغاوت پر اُکسایا۔"

سبکتگین نے باغی اُمراء کی فریادوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بس ایک نگاہِ حقارت سے دیکھا۔ پھر اس کے بعد غزنی کے ان اعلیٰ نسب لوگوں کو بھی زنجیریں پہنا دی گئیں۔

ابو مسلم کی طرح سردار تبریز کے حرم سرا میں بھی حشر سا برپا تھا۔ تمام خواتین پاگلوں کی طرح چیخ رہی تھیں۔ شادی کا گھر آن کی آن میں ایک خوفناک ماتم کدہ بن گیا تھا۔

"ہم بے غیرت اور بزدل نہیں کہ خواتین کو ذلیل و رسوا کریں۔" امیر سبکتگین نے شادی کی تقریب میں جمع ہونے والی خواتین کو مخاطب کر کے کہا۔ "تم سب ہماری امان میں ہو۔ تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ مگر تمہارے شوہروں اور عزیز داروں نے ایک سنگین جرم کیا ہے، اس کی سزا انہیں ضرور ملے گی۔ ہماری یہ عادت بھی نہیں کہ ہم ایک شخص کے گناہوں کا بوجھ کسی دوسرے کے کاندھے پر ڈال دیں۔ جس نے بویا ہے، وہی کاٹے گا۔" یہ کہہ کر سبکتگین، حرم سرا سے باہر نکل آیا۔ مگر عورتیں مسلسل چیختی رہیں۔"

جب سردار تبریز کے تمام خدمت گاروں کو بھی زنجیریں پہنا دی گئیں تو امیر سبکتگین نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ہم جانتے ہیں کہ تم اپنے آقا کے حکم کے تابع ہو، اس لئے تمہیں کسی سزا کا خوف نہیں ہونا چاہئے۔" خلافِ توقع امیر سبکتگین کا لہجہ بہت نرم تھا۔ "تم بہت جلد رہا کر دیئے جاؤ گے۔ مگر اس کی ایک شرط ہے کہ اپنے امیر کے سامنے سب کچھ سچ سچ بیان کر دو۔"

"حضور والا جو کچھ دریافت کریں گے، ہم اس کا صحیح جواب دیں گے۔" سردار تبریز کے کئی خدمت گاروں نے بیک زبان کہا۔ "ہم تو حضور کے سائے میں زندہ رہنا چاہتے ہیں۔"

"تو پھر بتاؤ کہ قصرِ سرخ میں کتنے تہہ خانے ہیں اور وہاں کون کون روپوش ہے؟" امیر سبکتگین نے سوال کیا۔ کمزور اور غریب خدمت گاروں نے اس کی بہت بڑی مشکل آسان کر دی تھی۔

"یہاں کئی تہہ خانے ہیں، مگر اس وقت وہاں کوئی شخص روپوش نہیں ہے۔" ایک خدمت گار نے امیرِ غزنی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "ہاں! مجھے یاد آیا کہ ملازمین کے ایک کمرے میں ایک بے قصور شخص کئی دن سے قید ہے اور جس پر روزانہ تشدد کیا جاتا ہے۔"

"کون ہے وہ شخص؟" امیر سبکتگین نے پوچھا۔

"کوئی نظام شاہ ہے۔" خدمت گار نے کہا۔ "سردار کہتے ہیں کہ وہ غزنی کا ایک جادوگر ہے، جو یہاں کے مسلمانوں کو گمراہ کر رہا ہے...... اسی لئے اسے صبح و شام اذیت ناک سزا دی جاتی ہے...... کئی کئی گھنٹے تک مسلسل زدوکوب کیا جاتا ہے...... بے چارہ بڑی مصیبت میں گرفتار ہے۔ مگر ہے بہت قوتِ برداشت والا۔ زخم کھا کر بھی چیختا نہیں۔"

نظام شاہ کا نام سن کر سبکتگین کا دماغ جھنجھنا اُٹھا۔ اُسے اپنے سر میں چنگاریاں سی پھوٹتی محسوس ہو رہی تھیں۔ یہ اتنی غیر متوقع خبر تھی کہ امیر سبکتگین چند لمحوں کے لئے ساکت ہو کر رہ گیا۔ پھر وہ سنبھلا اور اس نے خدمت گار سے پوچھا۔ "نظام شاہ کہاں قید ہیں؟"

"حضورِ والا میرے ساتھ چلیں۔" خدمت گار نے کہا اور اس طرح آگے بڑھا کہ اُس کے پیروں کی بیڑیاں بج اُٹھیں۔

"میرے پیچھے پیچھے آؤ۔" یہ کہہ کر امیر سبکتگین تیزی سے مڑا۔

پھر جب کچھ دیر کی جدوجہد کے بعد مسلح محافظوں نے کمرے کا قفل توڑا تو سبکتگین دیوانہ وار اندر داخل ہوا اور مشعل کی روشنی میں نظام شاہ کو دیکھ کر چیخ اُٹھا۔

"شیخ! آپ یہاں......؟"

نظام شاہ انتہائی زخمی حالت میں فرش پر لیٹے ہوئے تھے۔ سبکتگین کی چیخ سن کر انہوں نے آنکھیں کھولیں اور حسبِ عادت مسکرانے لگے۔ "امیرِ غزنی کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہم فقیر ایسے ہی مقامات پر رہتے ہیں۔ تمہیں میری حالت دیکھ کر تعجب کیوں ہوا؟"

سبکتگین گھٹنوں کے بل جھکا۔ اس کے دونوں ہاتھ، نظام شاہ کے قدموں پر تھے۔ "یہ سارے زخم میرے جسم پر آئے ہیں۔"

"اللہ نہ کرے کہ تمہارے بدن پر کبھی کوئی زخم آئے۔" یہ کہتے ہوئے نظام شاہ نے اُٹھنے کی کوشش کی۔ زیادہ خون بہہ جانے سے وہ بہت کمزور ہو گئے تھے۔ امیر سبکتگین نے انہیں سہارا دیا۔ "تمہیں زخموں سے بچانے کے لئے تو ہم دیوانے زخم کھاتے ہیں۔"

نظام شاہ کی قوتِ برداشت دیکھ کر سبکتگین رو پڑا۔ پھر غزنی کا یہ درویش اس طرح باہر آیا کہ امیر کا ایک ہاتھ، نظام شاہ کی کمر کے گرد تھا...... اور نظام شاہ کا ایک ہاتھ سبکتگین کے کاندھے پر تھا۔ نظام شاہ بہت آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ آخر اس کشمکش میں ان کے کئی زخم کھل گئے اور بدن سے چپکا ہوا پیرہن دوبارہ رنگین ہو گیا۔

باہر آ کر نظام شاہ نے دیکھا کہ سردار تبریز اور دوسرے باغی امراء، زنجیریں پہنے، سر جھکائے کھڑے

تھے۔

"شیخ! یہ ہے بدترین زمانہ شخص، سردار تبریز، آپ کا مجرم۔" امیر سبکتگین نے غزنی کے رئیسِ اعظم کی طرف بڑی حقارت سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں اس سے آپ کے ایک ایک زخم کا حساب اس طرح لوں گا کہ تاریخ کے اوراق اس واقعے کو ہمیشہ کے لئے اپنے اندر جذب کر لیں گے...... اور پھر آنے والی نسلوں کو بتائیں گے کہ اہلِ اللہ کے ساتھ وحشیانہ سلوک کرنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔"

امیر سبکتگین اس طرح بول رہا تھا کہ اس کے چہرے پر نفرت و انتقام کے تیز شعلے بھڑک رہے تھے۔

"نہیں امیر! ایسا ہرگز نہ کرنا۔" نظام شاہ نے ایک نظر سردار تبریز کی طرف دیکھا اور اپنے اسی مخصوص زیرِ لب تبسم کے ساتھ کہا۔ وہی تبسم جس میں نہ کوئی طنز تھا، نہ کوئی اندازِ تحقیر۔ بس سادگی ہی سادگی اور معصومیت ہی معصومیت تھی۔ "سردار تبریز پر میرے کسی زخم کا حساب واجب نہیں...... میں نے اس شخص کو معاف کیا...... میرے اس عمل پر اہلِ دنیا میں سے کوئی گواہ ہو یا نہ ہو، لیکن اللہ ضرور گواہ ہے۔"

سردار تبریز نے اس درویش کی باتیں سنیں جسے وہ غزنی کا شعبدہ باز اور بازارِ ضرورت میں دن رات بکنے والی کوئی ارزاں جنس کہہ کر پکارتا تھا...... سردار تبریز کا سارا جاہ و جلال لٹ چکا تھا۔ اور اب اس کے پاس احساسِ ندامت کے سوا کچھ نہیں بچا تھا۔ مجبوراً اس نے سر جھکا لیا۔

امیر سبکتگین، نظام شاہ کے علاج کے لئے انہیں قصرِ شاہی لے جانا چاہتا تھا، مگر غزنی کے درویش نے انکار کر دیا۔

"میں اپنی بیٹی، نگار خانم کے پاس جانا چاہتا ہوں...... وہ کئی دن سے شدید انتظار کی اذیت میں مبتلا ہوگی۔"

سبکتگین نے محمود کی نگرانی میں تمام باغیوں کو زنداں کی طرف روانہ کیا اور خود نظام شاہ کے ساتھ ایک پالکی میں سوار ہو کر اُس خستہ سے مکان کی جانب چلا، جہاں نگار خانم بڑے کرب کی حالت میں اپنی زندگی کے دن بسر کر رہی تھی۔

*****

غریبوں کے ایک محلے میں امیرِ غزنی کو دیکھ کر ہلچل سی مچ گئی تھی۔ پھر جب پالکی، گھر کے اندر پہنچی اور نظام شاہ، سبکتگین کا سہارا لے کر نیچے اُترے تو نگار خانم بے اختیار چیخ اُٹھی۔

"بابا! آپ اتنے دن سے کہاں تھے؟ اور آپ کی یہ حالت کس نے بنائی ہے؟" نگار خانم اس قدر مضطرب تھی کہ اس نے فرمانروائے غزنی کی موجودگی کو بھی نظر انداز کر دیا تھا۔

نظام شاہ اپنی مخصوص مسکراہٹ کے پردے میں تمام زخموں کو چھپا لینا چاہتے تھے مگر امیر سبکتگین نے مختصراً سب کچھ بتا دیا۔ اور پھر شاہی طبیب کو حکم دیا کہ وہ نظام شاہ کے زخموں کا علاج کرے۔ اس کے بعد اس نے نظام شاہ سے اجازت طلب کی۔

"شیخ! میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ آپ کے زخموں پر اپنے ہاتھوں سے مرہم رکھوں اور دین و دنیا کی ایک سعادتِ عظیم حاصل کروں۔ مگر غزنی کے چند فتنہ پردازوں نے اچانک میرا کام بڑھا دیا ہے۔"

"ہاں، ہاں! تم جاؤ۔" نظام شاہ اسی والہانہ انداز میں مسکرائے۔ "ابھی تمہیں بہت کام کرنا ہے۔"

امیر نے نظام شاہ سے مصافحہ کیا اور باہر نکل آیا۔ سبکتگین کے متعین کردہ محافظ بھی امیر کے سلام کے

لئے حاضر ہو گئے تھے۔

"اب تم اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔" سبکتگین نے ان محافظوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا جو تقریباً ایک ماہ سے نگار خانم کے مکان کے گرد پہرہ دے رہے تھے۔ "تم نے بڑی جانفشانی سے اپنا فرض ادا کیا۔ میں تم سے بہت خوش ہوں۔"

محافظوں نے اپنے امیر کے حضور رخصتی سلام پیش کیا اور آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتے ہوئے اندھیرے میں گم ہو گئے۔

یہ وہی چند محافظ تھے، جنہیں دیکھ کر سردار تبریز کو محسوس ہوتا تھا، جیسے غزنی کا نصف لشکر، نگار خانم کے مکان کے چاروں طرف پہرہ دے رہا ہے۔ یہ نظام شاہ کی بڑی کرامت تھی۔ مگر سردار تبریز اپنی فطرت اور گمراہی کے سبب اس کرامت کا مشاہدہ نہیں کر سکا۔ اور اس کی یہی کم نظری اسے عبرت ناک انجام کی طرف کھینچے لئے جا رہی تھی۔

❊❊❊❊❊

دوسرے دن امیر سبکتگین نے دربار آراستہ کیا۔ دراصل یہ دربار ایک مخصوص مجلسِ انصاف تھی، جس میں سردار تبریز اور دوسرے باغیوں کا مقدمہ پیش ہونا تھا۔ سبکتگین نے اپنے برابر قاضیٔ عدالت کی مسند قائم کی تھی۔ سارے مقدمات کا فیصلہ قاضیٔ عدالت شیخ مجد احمد ہی کرتے تھے۔ مگر اس مقدمے کا مدعی خود امیر سبکتگین تھا۔ تاہم اُس نے قاضی شیخ مجد احمد کو بھی پورے عزت و احترام کے ساتھ دربار میں طلب کیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد تبریز اور مملکت کے باغی اُمراء اس طرح دربار میں لائے گئے کہ ان کے پیروں میں زنجیریں بج رہی تھیں اور بارِ ندامت سے سر جھکے ہوئے تھے۔

امیر سبکتگین نے اپنے درباریوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "شہر غزنی کے ایماندار اور غیور باشندو! ایک نظر ان لوگوں کی طرف دیکھو، جو مملکت کی فلاح کے دعوے کرتے تھے۔ مگر درپردہ ملکی سالمیت اور یکجہتی کے تناور درخت کی جڑیں کاٹ رہے تھے۔ یہ اللہ کی بے مثال شانِ کرم ہے کہ جس نے مجھے بروقت خبردار کیا اور میرے کمزور ہاتھوں میں اتنی طاقت دی کہ وہ ان کی گردنوں تک پہنچ سکے۔"

ابھی امیر سبکتگین کے الفاظ کی گونج باقی تھی کہ سردار تبریز وحشیوں کی طرح چیخ اُٹھا۔ "ہم شرفاء مملکت پر یہ ایک سنگین تہمت ہے۔ میں قاضیٔ عدالت، شیخ مجد احمد سے احتجاج کرتا ہوں۔ ہم میں سے کسی کو سبکتگین پر اعتبار نہیں۔ وہ ایک تنگ نظر اور منتقم المزاج حکمران ہے۔ دنیا داروں کا یہی اصولِ سیاست ہے کہ وہ جن دوستوں کے کاندھوں پر سوار ہو کر تختِ شاہی تک پہنچتے ہیں، اقتدار ملتے ہی سب سے پہلے ان ہی کو قتل کرا دیتے ہیں تاکہ ان کے ماضی کی پستیوں پر گہرا پردہ پڑا رہے اور بے خبر عوام یہ نہ جان سکیں کہ ان کے حکمران کے روشن چہرے کے پیچھے ایک مسخ شدہ اور کریہہ چہرہ بھی ہے۔" سردار تبریز اس طرح بول رہا تھا جیسے وہ کوئی مجرم نہ ہو بلکہ سبکتگین نے خود اس کے خلاف کوئی سنگین سازش کی ہو۔ "میرا جرم یہ ہے قاضی صاحب! کہ میں نے ایک نشست میں سبکتگین کو غلام زادہ کہہ کر پکارا تھا۔" سردار تبریز نے شیخ مجد احمد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "پھر میری اسی لغزشِ زبان نے امیر کے دل میں گرہ ڈال دی۔ اور اب یہ کم ظرف انسان اسی گرہ کو میری گردن کے لئے پھانسی کا پھندا بنا دینا چاہتا ہے۔

پورے دربار پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ محافظ سپاہی اپنی اپنی نشستوں پر کھڑے پہلو بدل رہے تھے۔ ان کے ہاتھ شمشیروں کے قبضوں پر جمے ہوئے تھے اور نظریں سبکتگین کے چہرے پر مرکوز تھیں کہ امیر کا ہلکا سا اشارہ ہو اور وہ باغیوں کی گردنیں اُڑا دیں۔

"اسی لئے میں شیخ مجد احمد سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مسندِ انصاف پر جلوہ افروز ہوں اور میرے مقدمے کا فیصلہ کریں۔" ایک مختصر سے وقفۂ سکوت کے بعد سردار تبریز دوبارہ بولا۔ "میں سبکتگین کی حیثیت کو تسلیم نہیں کرتا کہ اس مقدمے میں وہ خود ہی مدعی ہے اور خود ہی منصف۔ وہ جس طرح چاہے گا، میرے خلاف گواہ پیش کر دے گا اور جس طرح چاہے گا، فیصلہ سنا دے گا...... یہی وجہ ہے کہ میں اس وقت ایک غیر جانبدار شخص کو آواز دے رہا ہوں۔ اور وہ غیر جانبدار شخص صرف آپ ہیں، شیخ مجد احمد!...... آپ کے سوا پوری مملکت میں کوئی غیر جانبدار نہیں۔ شیخ! میری محرومی تو دیکھئے کہ آج مجھے اپنے سائے پر بھی شک ہے...... سب کے سب اقتدار اور طاقت کو سجدہ کر رہے ہیں۔ خدا کے لئے، آپ آگے بڑھیے اور اس مملکت کو سب سے بڑی ناانصافی سے بچا لیجئے۔" سردار تبریز ایک نہایت عیار انسان تھا، اس لئے موت کے منہ میں کھڑے ہو کر بھی نئے حیلے تراش رہا تھا۔ "اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو شیخ! آپ بھی قیامت کے دن طوقِ رُسوائی پہن کر اپنے اللہ کے حضور میں حاضر ہوں گے...... پھر اس وقت آپ کو قدرت کی گرفت سے کون بچائے گا؟" سردار تبریز کا لہجہ اس قدر جذباتی تھا کہ چند لمحوں کے لئے اہلِ دربار بھی شک میں مبتلا ہو گئے تھے اور ان کے ذہنوں میں یہ خیال اُبھرنے لگا تھا کہ کہیں ذاتی دشمنی کی آڑ لے کر سبکتگین، سردار تبریز اور دوسرے امراء کو قتل کرنا تو نہیں چاہتا۔ خود شیخ مجد احمد کے چہرے کا رنگ بھی بدل گیا تھا اور وہ سردار تبریز کی مسلسل فریاد سے مضطرب ہو کر اپنی نشست پر کھڑے ہو گئے تھے۔

"شیخ! آپ تشریف رکھیں۔" امیر سبکتگین نے مجد احمد کے احترام کے باوجود خشک لہجے میں کہا۔ "قاضیٔ عدالت کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ایک مجرم کی جھوٹی تقریر سے متاثر ہو کر رسمِ انصاف کو فراموش کر دیں۔ آپ اسی مسند پر بیٹھ کر اس شخص کے سوال کا جواب دیں۔"

"بغاوت یا دیگر فوجی نوعیت کا کوئی مقدمہ میرے حلقۂ اختیار میں نہیں آتا۔" شیخ مجد نے سردار تبریز کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"یہ محض ایک فریب ہے کہ امیرِ غزنی نے عدالت کو بھی دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔" سردار تبریز کی یہ چال بھی ناکام ہو گئی تھی، مگر اس نے فوراً ہی ایک اور بہانہ تراش لیا۔ "باغی ابو مسلم تھا، اس لئے وہ خودکشی کر کے مر گیا۔ پھر مجھے کس جرم میں زنجیریں پہنائی گئی ہیں؟ کیا صرف اس لئے کہ میری بیٹی کی شادی، سالارِ غزنی کے بیٹے سے ہو رہی تھی؟ اہلِ دربار دیکھیں کہ یہ کیسا ظلم ہے؟" سردار تبریز نے اس طرح دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا جیسے کوئی گداگر کسی انسانی مجمع کے سامنے بھیک مانگ رہا ہو۔ "تمہارا یہ پرہیزگار امیر درپردہ ایک غاصب اوکر لالچی انسان ہے...... یہ مجھے بغاوت کے جھوٹے مقدمے میں ملوث کر کے میری بے اندازہ دولت پر قبضہ کر لینا چاہتا ہے۔"

سردار تبریز بہت دیر تک اسی انداز کی الزام تراشیاں کرتا رہا۔ پھر جب وہ خاموش ہوا تو امیر سبکتگین نے غزنی کے سپہ سالار حارث بن شعبان اور دوسرے اعلیٰ فوجی افسروں کو سرِ دربار طلب کر لیا۔ ان تمام باغیوں کو اسی رات حماد بن ساریہ نے گرفتار کر لیا تھا۔

حارث بن شعبان نے کسی جھجک کے بغیر اعتراف کرلیا۔ ''سردار تبریز ہی بغاوت کا بنیادی مجرم ہے۔ اسی شخص نے ابو مسلم جیسے جانباز کو گمراہ کیا...... اس کا منصوبہ یہ تھا کہ ابو مسلم کو تخت پر بٹھا کر در پردہ حکومت کرے۔''

حارث بن شعبان کے بعد ترکمان بن داؤد اور دوسرے باغی امراء نے بھی سردار تبریز کے خلاف گواہیاں پیش کیں۔ اس دوران سردار تبریز پاگلوں کی طرح چیختا رہا کہ یہ سب لوگ جھوٹے ہیں اور سبکتگین کی تلوار کے خوف سے میرے خلاف شہادتیں دے رہے ہیں۔

سبکتگین نے ترکمان بن داؤد اور دیگر امراء کے حق میں اسی وقت فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔ ''ان سب کو قتل کردیا جائے۔ اور اگر یہ لوگ زندگی چاہیں تو ان کی ساری جائیداد ضبط کر کے سرکاری خزانے میں داخل کردی جائے۔ اور پھر یہ محنت مزدوری کر کے اپنی زندگی کے باقی دن گزاریں۔''

تمام امراء نے دولت پر زندگی کو ترجیح دی اور سبکتگین کی شمشیرِ قہر سے اپنی گردنیں محفوظ رکھیں۔ مال متاع لٹ جانے کے باوجود وہ خوش تھے کہ یہ سودا بہر حال بہت سستا تھا۔

پھر سبکتگین نے سردار تبریز کے مقدمے کا فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔ ''اللہ گواہ ہے کہ میں اس سے رنجش کا حساب نہیں لے رہا ہوں...... اس کے بقول میں غلام زادہ سہی، مگر اب میرے دل میں بھی عکسِ ملال نہیں کہ اللہ نے مجھے بے پناہ آزادی بخش دی ہے۔''

یہ کہہ کر امیر سبکتگین چند لمحوں کے لئے خاموش ہوگیا۔ پھر انتہائی پُرجلال لہجے میں بولا۔ ''تمام دربار گواہ رہیں کہ اس شخص کے خلاف اسی کے دوستوں اور حامیوں نے شہادت دی ہے۔ میں ان شہادتوں کی بنیاد پر سردار تبریز کو موت کی سزا سناتا ہوں..... ایسی موت، جو مجرموں کے لئے باعثِ عبرت ہو اور بے گناہوں کے لئے سبق۔''

''اور تُو دے بھی کیا سکتا ہے احسان فراموش!'' سزائے موت سن کر سردار تبریز اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھا تھا اور سرِ دربار امیر سبکتگین کو گالیاں بک رہا تھا۔ ''میرے بے پناہ وسائل نے تجھے تختِ غزنی تک پہنچایا اور پھر تُو نے میری ہی پشت پر وار کردیا۔'' اگرچہ پشت پر وار کرنے کی بات خود سردار تبریز پر صادق آتی تھی، لیکن خوف ودہشت نے اُس کی عقل ماردی تھی۔

پھر جب چیختے چیختے سردار تبریز کی آواز بیٹھ گئی تو امیر سبکتگین نے اپنے خصوصی کارندوں کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

''سردار تبریز کے تمام قیمتی اثاثے ضبط کر کے سرکاری خزانے میں داخل کرو۔ میں ان ضبط شدہ رقموں سے ہتھیار اور گھوڑے خریدوں گا کہ غزنی کی حفاظت کے لئے اسلحے کی سخت ضرورت ہے۔ بس اتنی رقم چھوڑ دو کہ اس کے بیوی بچے آسودگی کی زندگی بسر کرسکیں...... آخر ان کا کیا قصور ہے؟ میں دوسرے جابر حکمرانوں کی طرح نہ تو اس کے بیوی بچوں کو تہہ تیغ کروں گا اور نہ انہیں بھکاریوں کی طرح در بدر پھراؤں گا۔ ان کے لئے کھلی معافی ہے اور امان ہی امان ہے۔''

پورے دربار پر سکوتِ مرگ سا طاری تھا۔ تمام حاضرین رُکی ہوئی سانسوں کے ساتھ امیر سبکتگین کا فیصلہ سن رہے تھے۔ ''اور اس کے عظیم الشان محل کا ایک مختصر حصہ اہلِ خانہ کے سر چھپانے کے لئے رہنے دو...... اور باقی حصے میں ایک شاندار مدرسہ قائم کرو کہ اس طرح علم کی توقیر ہوتی ہے اور طالب علم

سکون حاصل کرتے ہیں۔''

اس کے بعد امیر سبکتگین نے حکم دیتے ہوئے کہا۔

''سردار تبریز کا منہ کالا کر کے اسے تین دن تک غزنی کی گلیوں میں پھراؤ..... نقیب چیخ چیخ کر رعایا کو بتائیں..... یہ اس شخص کی سزا ہے جو ایک فلاحی مملکت سے غداری کر رہا تھا...... اور یہ اس شخص کا حشر ہے جو اسلامی نظام کا مذاق اُڑاتا تھا...... اور یہ اس شخص کی سزا ہے، جو اللہ کے دوستوں پر مشقِ ستم کرتا تھا۔''

یہ کہہ کر امیر سبکتگین نے نظام شاہ پر کئے جانے والے تشدد کی پوری تفصیل سنادی۔

اہلِ دربار جو بہت دیر سے سکتے کے عالم میں بیٹھے تھے، نظام شاہ پر کئے جانے والے مظالم کا ذکر سن کر چونک اُٹھے۔ پھر ان کے چہروں پر نفرت کے گہرے سائے لرزنے لگے۔ اکثر درباریوں نے زیرِ لب کہا۔

''نفرین ہو تجھ پر، سردار تبریز!''

''جب اُس کی رسوائی کی مکمل تشہیر ہوجائے تو اسے دار پر کھینچ دو۔'' امیر سبکتگین کی پُرجلال آواز گونجی۔ ''پھر اس کی لاش کو اسی حالت میں چھوڑ دو تا کہ غزنی کے زاغ وزغن (چیل کوّے) اس کا گوشت نوچ کر کھا جائیں۔''

*****

بڑا عبرت ناک منظر تھا۔ غزنی کے رئیسِ اعظم سردار تبریز کو منہ کالا کر کے ایک بدہیئت خچر پر بٹھا دیا گیا تھا اور پھر سرکاری کارندے اس معتوب شخص کو گلی گلی لئے گھوم رہے تھے۔ غزنی کی فضا کچھ دیر کے لئے پُرسکون ہوجاتی تھی اور پھر اچانک شاہی نقیبوں کی بلند آوازوں سے گونجنے لگتی تھی۔

''یہ اس شخص کی سزا ہے، جو ایک فلاحی مملکت کا غدار تھا۔''

''اور یہ اس شخص کا حشر ہے جو اسلامی نظام کا مذاق اُڑاتا تھا۔''

''اور یہ اس شخص کا انجام ہے جو اللہ کے دوستوں کو شعبدہ باز کہتا تھا اور ان کے پاکیزہ جسموں کو مشقِ ستم بناتا تھا۔''

سردار تبریز پر یہ قیامت کی گھڑیاں تھیں۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے آسمان پھٹ گیا ہے، زمین ہلائی جارہی ہے اور مُردے اپنی اپنی قبروں سے اُٹھ کر بھاگ رہے ہیں اور تمام مُردوں کے ہاتھوں میں ان کے اعمال نامے ہیں۔ سردار تبریز خود کو بھی ایک مُردہ ہی سمجھ رہا تھا۔ بس فرق تھا تو اتنا کہ بروزِ حشر اٹھائے جانے والے مُردوں کے اعمال نامے اُن کے ہاتھوں میں ہوں گے اور سردار تبریز کے گناہوں کا حساب اس کے چہرے پر لکھ دیا گیا تھا۔ غزنی کے بے خبر باشندے جو سردار تبریز کے چہرے کی سیاہی سے اس کے اعمال کا حساب نہیں کر سکتے تھے، انہیں شاہی نقیبوں کی پُرشور آوازیں ساری تفصیل سمجھا دیتی تھیں۔

سردار تبریز بار بار آسمان کی طرف دیکھتا تھا اور بڑے کرب ناک لہجے میں چیختا تھا۔

''اے گنبدِ نیلی فام! تجھ میں شگاف کیوں نہیں پڑ جاتے؟ اور تُو ٹوٹ کر ریزہ ریزہ کیوں نہیں ہو جاتا؟''

پھر بڑی حسرت سے زمین کی طرف دیکھتا۔ ''اے سنگدل زمین! مجھے تجھ سے یہ شکوہ نہیں کہ تُو نے

میرے ساتھ بے وفائی کیوں کی کہ یہ تو تیری پرانی عادت ہے، تیری قدیم رسم ہے۔ مگر اس کا گلہ نہیں کہ تُو پھٹ کیوں نہیں جاتی اور میں تیری آغوشِ بے درد میں سما کیوں نہیں جاتا؟"

پھر جب سردار تبریز کی ماتمی آوازیں بند ہو جاتیں تو سرکاری کارندے چیخ کر کہتے۔ "اتنی جلدی سے زیرِ زمین کس طرح چلا جائے گا؟ ابھی تو تیری رُسوائیوں کے کھیل کا بہت بڑا حصہ باقی ہے۔ تُو اپنے آپ کو سب سے کامیاب بازی گر کہتا تھا، مگر اب اپنی ناکامی بھی دیکھ اور تقدیر کی بازی گری بھی۔"

پھر غزنی کے گلی کوچوں میں سردار تبریز کی رُسوائیوں کا یہ سفر دوبارہ شروع ہو جاتا۔ جن علاقوں کے باشندے سردار تبریز کو نہیں جانتے تھے، ان سے اس معتوب شخص کا تعارف ان الفاظ میں کروایا جاتا تھا۔

"اے غزنی کے بلند کردار اور غیرت مند باشندو! اگر تم اس سیاہ رو انسان کو نہیں پہچانتے تو غور سے سن لو کہ یہ رسوائے زمانہ شخص، سردار تبریز ہے۔ اسے اپنی بے پناہ دولت پر بہت غرور تھا۔ اس نے امیرِ غزنی کے خلاف گھناؤنی سازشیں کیں اور نظام شاہ کو بدترین اذیتیں پہنچائیں۔ فوج کے نامور جاں نثاروں کو ورغلایا اور اسلامی نظام کے راستے میں زہریلے کانٹے بچھائے۔ بالآخر اس پر اللہ کا قہر نازل ہوا۔ اب یہ غزنی کا سب سے بڑا لعنت زدہ انسان ہے اور اس کی بے چارگی کا یہ حال ہے کہ لوگ اپنے اللہ سے پناہ مانگتے ہیں۔"

جب شاہی نقیب تعارف کی یہ رسم ادا کر چکتے تو سردار تبریز احساسِ رُسوائی کی شدت سے چیخنے لگتا۔ "بس بہت ہو چکا۔ تمہیں اپنے امیر کا واسطہ! مجھے قتل کر دو کہ اب یہ عذاب برداشت نہیں ہوتا۔"

مگر سرکاری کارندوں پر تبریز کی ان فریادوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ وہ اپنے امیر کے حکم کے پابند تھے۔ اس لئے مسلسل تین دن تک سردار تبریز کو اُس کی روسیاہی کے ساتھ غزنی کی ایک ایک گلی میں پھراتے رہے۔ پھر چوتھے دن ایک وسیع و عریض میدان میں اُسے سرِ دار لے جایا گیا۔

تبریز کو امیر سبکتگین اور دیگر اُمرائے مملکت کی موجودگی میں پھانسی دی گئی۔ اس موقع پر غزنی کے ہزاروں باشندے موجود تھے۔ پھر جب سردار تبریز کی گردن کھنچ کر لمبی ہو گئی اور آنکھیں حلقوں سے اُبل پڑیں اور جسم ساکت ہو گیا تو امیر سبکتگین نے معززینِ شہر اور عام رعایا کے سامنے طویل تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"اے غزنی کے رہنے والو! تم سے میرا رشتہ کوئی عام رشتہ نہیں۔ تمہارا اور میرا رشتہ ایک باپ اور اولاد کے رشتے سے بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ منصبِ امارت پر فائز ہونے کے باعث تم سب میرے لئے اولاد کا درجہ رکھتے ہو مگر ایسی اولاد جسے ایک باپ صراطِ مستقیم پر گامزن دیکھنا چاہتا ہے۔ جب تک تم سعادت مند اور فرمانبردار رہو گے، اس وقت تک تمہارا یہ باپ تمہاری خاطر دنیا کے تمام آفات و مصائب برداشت کرتا رہے گا۔ میری اس بات پر یقین کر لو کہ میں کسی بھی دستِ ستم کو تمہاری طرف بڑھنے نہیں دوں گا اور تمہارے جسموں کو مسائل کی دھوپ میں جلنے نہیں دوں گا کہ میں تمہارا سائبان ہوں اور تمہارے گھروں کو لٹنے نہیں دوں گا کہ میں تمہارا پہرے دار ہوں اور تمہاری آنکھوں کو بے خواب نہیں ہونے دوں گا کہ میں امن و عافیت کا سفیر ہوں اور سکون و راحت کا نغمہ گر ہوں۔"

یہ کہہ کر چند لمحوں کے لئے امیر سبکتگین خاموش ہو گیا، پھر اس نے انتہائی پُرجلال لہجے میں ہجومِ انسانی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"تم سب پورے ہوش و حواس کے ساتھ سن لو کہ میں اقتدار کا غاصب نہیں ہوں، مجھے تمام امرائے مملکت، افواجِ غزنی اور رعایا کا کھلا تعاون حاصل ہے۔ جن لوگوں نے مجھ سے بغاوت کی، وہ میرے ذاتی دشمن نہیں تھے۔ میرے اور ان کے درمیان رنجش اور کدورت کی بس ایک ہی بنیاد تھی کہ وہ اپنی گمراہیاں اور عیش پرستیاں ترک کرنے کے لئے آمادہ نہیں تھے اور میں انہیں سیدھے راستے پر لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر انہیں ان کی بے لگام نفسانی خواہشات نے فریب میں مبتلا کر دیا اور وہ میری زندگی کے درپے ہو گئے۔ اب اللہ نے کسے سربلند کیا اور کسے ذلیل کر دیا، یہ سارے مناظر تمہاری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ آج میں تم سے ایک عجیب سوال کرتا ہوں۔ میرا سوال بہت غور سے سنو! کیا میں نے تم میں سے کسی شخص کو کوئی آزار پہنچایا ہے؟ اور کیا کسی کمزور انسان کے حقوق غصب کر لئے ہیں؟ اور کیا سرکاری خزانے لوٹ کر اپنے گھر کو بھر لیا ہے؟ اگر کسی کو مجھ سے کوئی شکایت ہے تو سرِ عام کہہ دے۔ ربِ کائنات کی قسم! میں اس کی شکایت دُور کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔ ایک ایک سوال کا جواب دوں گا۔ جرأت و ہمت کے ساتھ آگے بڑھو، میں تمہاری خاموش زبانوں کو آج بے پناہ طاقتِ گفتار دیتا ہوں۔ آؤ، میرے قریب آؤ! مجھے آئینہ دکھاؤ اور میرا اعمال نامہ میرے منہ پر مار دو۔" یہ کہہ کر امیر سبکتگین نے ہجومِ انسانی پر نظر ڈالی۔

پورے میدان پر گہرا سکوت طاری تھا۔ پھر کچھ دیر بعد یہ سکوت ٹوٹ گیا۔ گوشے گوشے سے انسانی آوازوں کا شور اُبھر رہا تھا۔

"آپ نہ غاصب ہیں اور نہ ہوس پرست۔ آپ امانت دار بھی ہیں اور رعایا کے غمگسار بھی۔ آپ ہماری عزت و ناموس کے محافظ بھی ہیں اور ہم پر ہمارے باپوں سے زیادہ مہربان بھی۔ امیر! اللہ آپ کی عمر دراز کرے۔ یہاں تک کہ ہماری سانسیں بھی آپ کی سانسوں میں شامل ہو جائیں۔"

اپنی رعایا کے جذبات کی یہ وارفتگی دیکھ کر امیر سبکتگین کی آنکھوں میں نمی سی آ گئی۔ پھر اُس نے غزنی کے باشندوں سے آخری خطاب کرتے ہوئے کہا۔

"اور یہ بھی سن لو کہ میں نے سردار تبریز اور دوسرے باغی امراء کے جو اثاثے ضبط کئے ہیں، وہ سارے کے سارے اسلحے کی خریداری میں خرچ کئے جائیں گے اور میں تمہیں یہ بات اس لئے بتا رہا ہوں کہ تمہاری مملکت کو دشمنوں سے سنگین خطرہ لاحق ہے، اس لئے ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ جاگتا رہے۔ اگر ہم نے آپس کے اختلافات دُور نہیں کئے تو بڑے سے بڑا لشکر بھی تمہیں ذلت آمیز شکست سے نہیں بچا سکتا۔ میں عنقریب فوجی تربیت کے انتظامات کرنے والا ہوں تاکہ غزنی کے ہر جوان مرد کو شمشیر زنی اور شہسواری کی بنیادی تعلیم دی جائے۔ پھر اگر کبھی مملکت پر برا وقت پڑے تو تم خود اپنی عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کی حفاظت کرو۔" یہ کہہ کر امیر سبکتگین نے ہجومِ انسانی کی طرف سے پیٹھ پھیر لی۔ یہ ایک کھلا اشارہ تھا کہ تمام لوگ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔

"امیر سبکتگین زندہ باد!" غزنی کی رعایا واپس جاتے ہوئے بڑے بڑے جذباتی انداز میں اپنے فرمانروا کو خراجِ تحسین پیش کر رہی تھی۔ جب میدان خالی ہو گیا اور مسلح محافظوں اور دیگر سرکاری کارندوں کے علاوہ وہاں کوئی عام شخص موجود نہیں رہا تو امیر سبکتگین چند قدم آگے بڑھا اور پھانسی پر جھولتی ہوئی سردار تبریز کی لاش کے قریب پہنچ کر ٹھہر گیا۔ پھر بڑے کرب ناک لہجے میں کہنے لگا۔

"بے شک تُو ایک افلاس زدہ انسان تھا مگر قدرت نے تجھ پر ترس کھا کر اپنی نعمتوں کے دروازے کھول دیئے، پھر تُو سیم و زر کے انبار دیکھ کر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا اور اللہ کی زمین پر فتنہ و فساد کرنے لگا۔ کاش! تُو اس کے شکرگزار بندوں میں شامل ہوتا۔ مگر تجھے نظام شاہ کے صبر نے کھا لیا اور بے سہارا لڑکی کی خاموش فریادیں تجھے اس انجام تک پہنچا گئیں۔"

پھر امیرِ غزنی نے آسمان کی طرف دیکھا اور نہایت پُرسوز لہجے میں کہا۔ "اے اللہ! میں دنیا کے تمام فتنوں سے، ریاکار دوستوں کے شر سے اور انسانی حسد سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔"

پھر اپنے مسلح محافظوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ "سردار تبریز کی لاش کو اتنے دنوں تک لٹکا رہنے دو کہ میرے احکام کی تعمیل ہو جائے اور اہلِ غزنی اچھی طرح سمجھ لیں کہ ایک فلاحی مملکت میں باغیوں کا کیا حشر ہوتا ہے؟"

اس کے بعد سبکتگین اپنے چند محافظوں کے ہمراہ نگار خانم کے مکان پر پہنچا جہاں نظام شاہ عارضی طور پر مقیم تھے۔ امیرِ غزنی نے دیکھا کہ نظام شاہ مکان کے صحن میں ایک چٹائی پر لیٹے تھے اور ان کے قریب مرحوم فوجی کا آٹھ سالہ لڑکا، احمد سالار بیٹھا اپنا سبق دہرا رہا تھا۔ نظام شاہ کے زخم ابھی ہرے تھے، آسانی سے چل پھر نہیں سکتے تھے۔ اس لئے نگار خانم اور مرحوم فوجی کی بیوہ نے انہیں روک لیا تھا۔ نظام شاہ کسی کے مکان پر قیام نہیں کرتے تھے۔ امیر سبکتگین کو دیکھ کر سیدھے ہوئے اور اس تکیے کے سہارے بیٹھ گئے جسے وہ تکیے کے طور پر استعمال کرتے تھے۔

"آپ لیٹے رہیں شیخ!" امیر سبکتگین نے نظام شاہ کے قدموں میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آخر تم امیرِ مملکت ہو۔" نظام شاہ نے حسبِ عادت مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر تمہارے احترام میں کھڑا نہیں ہو سکتا تو پھر کم سے کم بیٹھ تو سکتا ہوں۔"

"نہیں شیخ! آپ پر میرا احترام واجب نہیں۔" امیر سبکتگین نے انتہائی انکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"تم اللہ سے ڈرنے والے ایک مختلف حکمراں ہو۔ اس لئے مجھ پر تمہارا احترام ہمیشہ ایک قرض کی طرح باقی رہتا ہے۔" نظام شاہ اپنی عادت کے مطابق بہت دھیمے لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر بول رہے تھے۔ "اگر میں تمہارا احترام نہیں کروں گا تو پھر ایک امیر کا رعب و جلال کس طرح برقرار رہے گا۔"

امیر سبکتگین نے محسوس کیا کہ نظام شاہ آج بہت زیادہ مہربان نظر آ رہے ہیں۔ بس وہ اسی لمحے کا منتظر تھا۔ "شیخ! میں آپ کی اس بے پناہ مشقت کو دیکھ کر کبھی کبھی بہت اُداس ہو جاتا ہوں۔" سبکتگین ڈرتے ڈرتے کہا۔

"اگر کوئی انسان مشقت نہیں کرے گا تو زندہ کس طرح رہے گا؟" نظام شاہ کے ہونٹوں پر ابھرنے والی مسکراہٹ کچھ اور شگفتہ ہو گئی تھی۔ "تن آسانی تو اسے ایک دن ہلاک کر ڈالے گی۔ چاہے یہ دین ہو یا وہ دنیا، ریاضت اور مشقت کے بغیر تو کوئی دنیا حاصل نہیں ہوتی۔"

نظام شاہ کی زبان سے ادا ہونے والے ایک ہی فقرے نے امیرِ غزنی کو لاجواب کر دیا تھا مگر وہ ہمت کر کے بولا۔ "شیخ! سرکاری خزانے سے تمام علماء کو وظائف جاری کئے جاتے ہیں تاکہ وہ فراغت کے ساتھ اپنا کام کر سکیں مگر میری تمام تر خواہش کے باوجود آپ نے یہ رعایت قبول نہیں کی۔ اب

معلوم ہوا ہے کہ آپ رات رات بھر مزدوری کرتے ہیں اور تین افراد کی کفالت کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ پھر دن میں اس بچے کو تعلیم دیتے ہیں۔ آخر محنت و مشقت کی کوئی انتہا تو ہوتی ہے۔"

نظام شاہ نے بہت غور سے امیر سبکتگین کی بات سنی اور پھر نہایت اطمینان سے جواب دیتے ہوئے بولے۔ "دوسرے علماء کیا کرتے ہیں، میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ کسی نے بوجھ اٹھانے کی طاقت بخشی ہے تو یہ بوجھ بھی اُٹھا لیتا ہوں، ورنہ میری کیا حیثیت ہے؟"

"آپ اپنے لئے نہیں تو کم سے کم ان لوگوں کے لئے سرکاری وظیفہ قبول فرما لیجئے۔" امیر سبکتگین نے بڑے عاجزانہ لہجے میں درخواست کرتے ہوئے کہا۔

"میں تم سے خوش ہوں کہ تم اپنی مملکت میں بسنے والے ضرورت مندوں کا بہت خیال رکھتے ہو۔" نظام شاہ نے ستائشی لہجے میں کہا۔ "مگر شاید یہ نہیں جانتے کہ زیادہ ضرورت مند کون ہے؟"

امیر سبکتگین گھبرا کر نظام شاہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"ان لوگوں سے کہیں زیادہ محتاج لوگ تمہاری مملکت میں بستے ہیں۔" نظام شاہ نے اپنے اہلِ خانہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "سرکاری وظائف پر ان ہی لوگوں کا حق ہے جو زیادہ حاجت مند ہیں۔"

"ضرورت مند تو یہ لوگ بھی ہیں شیخ!" امیر سبکتگین نے اپنی دانست میں ایک بہترین دلیل دے کر نظام شاہ کو قائل کرنے کی کوشش کی تھی۔

"امیر! تم ان لوگوں کو پہچانتے نہیں۔" اچانک نظام شاہ کے لہجے سے جلالِ روحانی کا اظہار ہونے لگا تھا۔ "بہتر یہی ہے کہ آج تم ان لوگوں سے مکمل تعارف حاصل کر لو۔ اس مکان کی مالکہ ایک فوجی کی بیوہ ہے، جو تمہارے تخت نشیں ہونے سے پہلے ایک معرکے میں شہید ہو گیا تھا۔ اصولی طور پر مرحوم کے بیوی اور بچے کو سرکاری خزانے سے ایک معقول وظیفہ ملنا چاہئے تھا۔ اس سے بڑی وطن کی خدمت اور کیا ہو گی کہ ایک شخص غزنی کی سرحدوں کی حفاظت کرتے کرتے اپنی جان سے گزر گیا۔"

ابھی نظام شاہ کی بات مکمل ہونے نہیں پائی تھی کہ امیر سبکتگین گھبرا کر بول اٹھا۔ "شیخ! یہ امیر ملکاتگین کے دور کا واقعہ ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" نظام شاہ نے اسی پُرجلال لہجے میں کہا۔ "مگر تمہارا جرم یہ ہے کہ تم اپنی مملکت کے جاں نثاروں سے بے خبر کیوں رہے؟"

"میں اس کا ازالہ کر دوں گا شیخ!" امیر سبکتگین بہت زیادہ شرمسار نظر آ رہا تھا۔ "آپ تو جانتے ہیں کہ میں کیسے کیسے داخلی ہنگاموں میں اُلجھا ہوا ہوں۔"

"اس کا وقت گزر چکا امیر!" نظام شاہ نے بے نیازانہ کہا۔ "اب یہ عورت بے سہارا نہیں۔ میری بہن ہے، حقیقی بہن کی طرح۔ اور یہ اس کا بچہ ہے احمد سالار جو مجھے اپنے بیٹے کی طرح عزیز ہے۔ اور وہ نگار خانم ہے، میری بہت چہیتی اور لاڈلی بیٹی۔ یہ سب میرے وارث ہیں اور میں اللہ کی طرف سے ان کا کفیل ہوں۔" یہ کہہ کر نظام شاہ کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گئے۔

امیر سبکتگین حیرت و سکوت کے عالم میں اس طرح بیٹھا تھا کہ اس کی پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھیں۔ شیخ کے انکار نے ایک بار پھر امیرِ غزنی کو مایوس کر دیا تھا۔

''اور غزنی کا فرمانروا خوب جانتا ہے کہ نظام شاہ کے وارث کسی کی بخشی ہوئی خیرات یا عطیات سے اپنے شکم کی آگ نہیں بجھاتے۔ اگر کبھی ایسا کوئی گراں وقت آیا تو ساری دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھے گی کہ یہ لوگ بھوک کے شعلوں میں جل کر راکھ ہو جائیں گے مگر اپنا دستِ طلب کسی کے سامنے دراز نہیں کریں گے۔''

امیر سبکتگین نے پہلی بار نظام شاہ کو اس قدر جلالی کیفیت میں دیکھا تھا۔ فرمانروائے غزنی کو محسوس ہوا جیسے اچانک زمین ہل رہی تھی اور ایک تند و تیز زلزلہ سا آ گیا ہے جس کی زد میں خود اس کا اپنا جسم بھی آ گیا ہے۔

''اور غزنی کا حکمراں یہ بھی جانتا ہے کہ نظام شاہ اپاہج نہیں ہے۔'' ایک درویشِ بے سر و ساماں اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ بول رہا تھا۔ ''جب ان لوگوں کا کفیل اپاہج نہیں ہے تو پھر یہ اپنا بوجھ سرکاری خزانے پر کیوں ڈالیں؟ اور بالفرضِ محال اگر میں اپاہج ہو بھی گیا تو میرا اللہ ان لوگوں کو اہلِ دنیا کے سامنے رُسوا نہیں کرے گا۔ وہ مجھ گناہ گار کی شرم اس طرح رکھے گا کہ یا تو اپنی زمین کے خزانے کھول دے گا یا پھر آسمان سے اپنی نعمتیں برسا دے گا تاکہ اس کے یہ بھوکے پیاسے بندے اپنی ضرورتوں کے مطابق سیراب ہو سکیں۔''

امیر سبکتگین کی یہ خواہش ایک بار پھر نا آسودہ ہو گئی تھی کہ وہ نظام شاہ کی کوئی خدمت کرے۔ فرمانروائے غزنی کچھ دیر تک سر جھکائے اُداس بیٹھا رہا۔ پھر بہت آہستہ سے بولا۔

''شیخ! یہ تو اللہ ہی جانتا ہے کہ میں آپ سے کتنی عقیدت رکھتا ہوں۔ جب سیّد امیر علی شاہ خواب میں تشریف لائے تھے اور مجھ سے فرمایا تھا کہ میرے ہوتے ہوئے ان کے محبوب نظام شاہ پر غزنی میں قیامت ڈھائی جاتی رہی ہے تو میں اس دن سے گزشتہ شب تک چین کی نیند نہیں سو سکا ہوں۔ شاید آج رات سکون سے سو سکوں کہ میں نے سردار تبریز کو دار پر کھینچ دیا ہے۔''

امیر سبکتگین کا خیال تھا کہ شیخ اس خبر کو سن کر بہت خوش ہوں گے۔ مگر خلافِ توقع اس نے نظام شاہ کو اُداس پایا۔

''افسوس!'' نظام شاہ نے ایک آہِ سرد کھینچی۔ ''وہ پیدائشی طور پر ایک گِدھ تھا، اس لئے اپنے بال و پر کی صحیح طاقت کا اندازہ نہ کر سکا اور غلطی سے ''عقابوں کے دائرۂ پرواز'' میں داخل ہو گیا۔ نتیجتاً بہت جلد تھک کر زمین پر گر گیا۔''

''اب میں اس کی لاش کو اس وقت تک دار پر لٹکا رہنے دوں گا، جب تک کہ غزنی کے گدھ اور کوّے اس کا سارا گوشت اس کی ہڈیوں سے جدا نہیں کر دیں گے۔'' یہ کہتے کہتے امیر سبکتگین کے چہرے پر نفرت و غضب کا گہرا رنگ نمایاں ہو گیا تھا۔

''ہرگز نہیں! ہرگز نہیں۔'' نظام شاہ یکایک وحشت زدہ نظر آنے لگے۔ امیر سبکتگین نے حیرت سے دیکھا کہ شیخ کا زرد مگر روشن و تابناک چہرہ اچانک دھواں دھواں ہو گیا تھا۔ ''بس بہت ہو گیا۔ بس بہت ہو گیا۔ کسی مسلمان کے لئے اس سے زیادہ جائز نہیں۔ واحد القہار کے جلال و جبروت کی قسم! اس سے زیادہ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں۔'' نظام شاہ ناقابلِ بیان اذیت کا شکار نظر آ رہے تھے۔ ''امیر! مجھے اسی وقت سردار تبریز کے پاس لے چلو۔ مجھے جانا ہی پڑے گا۔ ہاں! مجھے جانا ہی پڑے گا۔'' نظام شاہ کا اضطراب لحظہ بہ لحظہ بڑھ رہا تھا اور چہرے کی اُداسی میں بھی دم بہ دم اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

امیر سبکتگین عجیب و غریب تذبذب کا شکار تھا۔ وہ اس راز کو سمجھ ہی نہیں سکا کہ سردار تبریز کی پھانسی کی خبر سن کر اچانک نظام شاہ کی حالت غیر کیوں ہو گئی۔

''امیر! جلدی کرو۔ مجھ پر ایک ایک لمحہ بھاری ہے۔'' نظام شاہ کے لہجے سے شدید اذیت کا اظہار ہو رہا تھا۔

امیر سبکتگین شیخ کی بگڑتی ہوئی حالت دیکھ کر گھبرا گیا اور پھر اس نے فوراً ہی اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ شیخ کی سواری کے لئے شاہی پالکی حاضر کی جائے۔

نظام شاہ اپنے جسم کے زخموں اور تازیانوں کی بے شمار ضربات کے باعث چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ اس لئے مجبوراً پالکی میں سوار ہو گئے۔ امیر سبکتگین اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر شیخ کی پالکی کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

والیٔ غزنی نے سہارا دے کر نظام شاہ کو پالکی سے اُتارا اور پھر نظام شاہ سبکتگین کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس مقام تک پہنچے جہاں تختۂ دار پر سردار تبریز کی لاش لٹکی ہوئی تھی۔

غزنی کے رئیسِ اعظم کی بے چارگی دیکھ کر نظام شاہ نے آنکھیں بند کر لیں اور کچھ دیر اسی حالت میں کھڑے رہے۔ پھر آنکھیں کھولیں اور آسمان کی طرف دیکھنے لگے۔ امیر سبکتگین، نظام شاہ کے پیچھے ایک قدم کے فاصلے پر کسی مجسمے کے مانند ساکت کھڑا تھا۔

''اے اللہ! تیرا یہ حقیر بندہ نظام شاہ تیری تسبیح بیان کرتا ہے....... تیرے قہر سے پناہ مانگتا ہے....... اور ہر حال میں تیرے رحم کا طلب گار ہے۔'' نظام شاہ کے لہجے میں بڑی رقت تھی....... ''یہ شخص جو سرِ دار لٹک رہا ہے، اسے بروزِ حشر میرے حساب میں نہ پکڑنا۔ اے اللہ! تُو حاضر و ناظر بھی ہے اور علیم و خبیر بھی۔ میں نے سردار تبریز کو معاف کر دیا۔ اس کی طرف میرا کوئی قرض نہیں ہے۔ سو تُو بھی اسے معاف کر دے کہ تُو انسانی اندازوں سے بڑھ کر معاف کرنے والا ہے۔''

عجیب و غریب دعا تھی، جسے سن کر امیر سبکتگین کے جسم پر بھی لرزہ طاری ہو گیا تھا۔ اپنے بدترین دشمن کے حق میں دعائے مغفرت کرنے کے بعد نظام شاہ فرمانروائے غزنی سے مخاطب ہوئے۔

''امیر! اس مقہور و معتوب شخص کی سزا پوری ہو چکی۔ سردار تبریز نے تمہارا تختِ اقتدار اُلٹنا چاہا، تم نے اس کی بساطِ حیات اُلٹ دی۔ عام طور پر ایک باغی کی سزا یہی ہوتی ہے، اس سے زیادہ نہیں۔''

امیر سبکتگین نے حیرت سے نظام شاہ کی طرف دیکھا۔ شاید وہ شیخ کی گفتگو کا مفہوم نہیں سمجھا تھا۔

''یاد رکھنا کہ اللہ ایک مسلمان کی لاش کی تشہیر کو پسند نہیں کرتا۔'' نظام شاہ نے رک رک کر کہا۔ ان کے لہجے سے اندرونی کرب کا اظہار ہو رہا تھا۔ ''سردار تبریز کے اعمال کچھ بھی ہوں، مگر وہ اسلام کے دائرے سے خارج نہیں تھا۔''

''شیخ! شاید آپ نہیں جانتے کہ سردار تبریز، نظامِ اسلام کے نفاذ کو پسند نہیں کرتا تھا۔'' امیر سبکتگین نے اپنے اس جارحانہ اقدام کا جواز پیش کرتے ہوئے کہا۔

''اکثر دنیا پرست یہی چاہتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ وہ اللہ پر ایمان بھی رکھتے ہیں۔'' نظام شاہ نے سردار تبریز کی وکالت کرتے ہوئے کہا۔ ''سردار تبریز بھی ایک ایسا ہی دنیا دار انسان تھا....... مگر اس نے اللہ سے کھلی ہوئی بغاوت کا اعلان نہیں کیا تھا۔ سردار تبریز تمہاری نظروں میں کچھ بھی سہی، لیکن بہرحال وہ

مرتد نہیں تھا۔"

"مگر اس نے آپ کو ناقابلِ یقین اذیتیں پہنچائی تھیں۔" امیر سبکتگین کا لہجہ بہت زیادہ تلخ ہو گیا تھا۔

"امیر! اگر تم میرے حساب میں اُسے یہ لرزہ خیز سزا دے رہے ہو تو اللہ کے لئے، اسے دار سے اُتار لو اور جلد از جلد کسی گوشۂ زمین میں دفن کر دو۔" نظام شاہ کی آواز سے دلی رنج کا اظہار ہو رہا تھا۔ "تم خوب جانتے ہو کہ میں نے اسے معاف کر دیا۔ اب میرا اُس کی طرف کوئی قرض نہیں ہے۔"

ایک درویش کی کشادہ دلی اور اعلیٰ ظرفی کا یہ مظاہرہ دیکھ کر امیرِ غزنی حیران و پریشان نظر آ رہا تھا۔

"بالفرض اگر یہ کافر بھی تھا تو اسے مرنے کے بعد اس طرح رُسوا نہ کرو۔" مختصر سے سکوت کے بعد نظام شاہ دوبارہ سبکتگین سے مخاطب ہوئے۔ "تم تو جانتے ہو کہ اسلام ایک پاگل کتے کو بھی اذیت کے ساتھ قتل کرنے کا حکم نہیں دیتا۔ پھر یہ تو انسان تھا۔ میں تمہارے جذبات کی سرکشی سے واقف ہوں مگر اپنے دشمنوں کے معاملے میں بھی صبر و تحمل اور رواداری سے کام لیا کرو۔"

"شیخ! میں آئندہ آپ کی نصیحت پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کروں گا۔" امیر سبکتگین کچھ شرمسار سا نظر آ رہا تھا۔

"اسے میرے سامنے ہی دفن کر دو تاکہ مجھے ذہنی سکون حاصل ہو جائے۔" پہلی بار سبکتگین نے محسوس کیا کہ نظام شاہ کے لہجے میں ایک التجا سی پوشیدہ تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہی سردار تبریز کو مسلمانوں کے عام قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ اگرچہ نظام شاہ کسی سہارے کے بغیر کھڑے ہونے کے قابل نہیں تھے، پھر بھی انہوں نے اپنے آپ پر جبر کر کے سردار تبریز کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور تدفین کے بعد اس کی قبر پر با آواز بلند فاتحہ خوانی کی۔

"اے اللہ! تیرا کوئی شریک نہیں اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تجھے ہر شے پر مکمل اختیار اور قدرت حاصل ہے۔ تُو جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذابِ الیم دے۔ سردار تبریز بھی تیرا ایک بندہ تھا...... اور تُو ہی جانتا ہے کہ تُو اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ مگر میں تجھ سے تیرے رحم کی بھیک مانگ رہا ہوں۔ میرے معاملے میں سردار تبریز کی گرفت نہ کرنا۔"

اس کے بعد نظام شاہ پالکی میں بیٹھ کر سردار تبریز کے مکان پر گئے۔ اس کے بیوی بچوں اور اہلِ خاندان سے تعزیت کی اور نگار خانم کے پاس واپس چلے گئے۔

غزنی کے در و دیوار پر ایک دہشت سی طاری تھی۔ سردار تبریز کی لرزہ خیز موت اور ابو مسلم کی خودکشی نے ان لوگوں کو بھی خوف زدہ کر دیا تھا، جن کے دل و دماغ، امیر سبکتگین کی طرف سے صاف نہیں تھے۔ ان مسلسل واقعات سے سبکتگین کو بہت بڑا سیاسی فائدہ حاصل ہوا تھا۔ اور آئندہ کے لئے کسی مسلح بغاوت کا امکان باقی نہیں رہا تھا۔

❁❁❁❁❁

شہر کی فضا پُرسکون ہوئی اور نظام شاہ صحت یاب ہو گئے تو ایک دن نگار خانم نے ان سے کہا۔

"بابا! میں نہیں چاہتی کہ آپ رات رات بھر ہم لوگوں کے لئے مزدوری کریں اور پھر دن بھر ریاضت و عبادت کر کے اپنے آپ کو تھکا ڈالیں۔"

"پھر......؟" نظام شاہ نے حسبِ عادت مسکراتے ہوئے کہا۔ "آخر اس مسئلے کا کیا حل ہے؟"

"شاید آپ واقف نہیں کہ میں نے اپنی آسائش کے زمانے میں بے کار وقت گزارنے کے بجائے جنگی تربیت حاصل کی ہے۔" نگار خانم بہت پُرجوش لہجے میں بول رہی تھی۔ "میں غزنی کے کسی بھی بہترین شمشیر زن مرد کی طرح مقابلہ کر سکتی ہوں اور آپ دیکھیں گے کہ اِن شاء اللہ میں اس معرکہ آرائی میں ماہر و غالب رہوں گی۔"

"میں جانتا ہوں کہ اللہ میری بیٹی کو ہر معرکے میں سرخرو کرے گا۔ مگر ایک مسلمان عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ میدانِ کارزار میں مردوں کے دوش بہ دوش لڑنے کے بجائے خانہ داری کے محاذ پر بھرپور جنگ کرے۔" نظام شاہ نے بہت محبت سے نگار خانم کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"بابا! میں مردوں کے شانہ بہ شانہ لڑنے کی بات نہیں کر رہی ہوں۔" نگار خانم نے اپنے مقصد کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "میری خواہش ہے کہ میں غزنی کی خواتین کی فوجی تربیت کروں۔ اس طرح اگر کبھی ہماری مملکت پر کوئی برا وقت آ پڑے تو شہر کی یہ نرم و نازک اور مجہول سی آبادی دشمنوں کے خلاف مزاحمت کر سکے۔ میں اس سلسلے میں امیر سبکتگین کی اجازت چاہتی ہوں۔ فرمانروائے غزنی آپ کی بے حد تعظیم کرتے ہیں، اس لئے مناسب سمجھیں تو امیر سے میری سفارش کر دیں۔ اگر میری تجویز مان لی گئی تو اس گھر کا اقتصادی مسئلہ بھی حل ہو جائے گا اور میں بیکاری و تنہائی کے اس حصار سے بھی نکل جاؤں گی۔"

"میں امیرِ غزنی سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کروں گا۔" نظام شاہ نے جواب میں کہا۔ "تم خود کہہ کر دیکھ لو۔ مگر مجھے امید نہیں کہ سبکتگین اس تجویز کو مان لے۔ تمہارے جذبات یقیناً صادق ہیں، لیکن یہاں کا موسم سازگار نہیں۔"

کچھ دن بعد بہت مشکل سے سبکتگین نے نگار خانم کو شرفِ باریابی بخشا۔ امیرِ غزنی، اسد شیرازی کی بیٹی کی آمد سے اُلجھ کر رہ گیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ نگار خانم، غربت و مجبوری کی زندگی سے اُکتا گئی ہے، اس لئے کوئی رعایت طلب کرنے آئی ہے۔ مگر جب اس کم عمر دوشیزہ نے اپنی عجیب و غریب تجویز پیش کی تو کچھ دیر کے لئے ایک جانباز حکمراں سکتے میں رہ گیا۔ آج تک غزنی کی کسی عورت نے اس انداز سے نہیں سوچا تھا۔ سبکتگین کو نگار خانم کی یہ تجویز بہت پسند آئی تھی مگر فوراً ہی اس کے ذہن میں کچھ اندیشے اور وسوسے اُبھرنے لگے تھے۔ پھر اُس نے ایک فرمانروا کے لہجے میں نگار خانم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ابھی غزنی کے مرد اتنے کمزور نہیں ہوئے ہیں کہ وہ ملک کے دفاع کے لئے اپنی عورتوں کا سہارا لیں۔"

"امیرِ محترم! مجھے افواجِ غزنی کی شجاعت و جاں نثاری پر پورا بھروسہ ہے۔" نگار خانم کا لہجہ شائستہ بھی تھا اور اعتماد سے بھرپور بھی۔ "میں تو محض مستقبل کے خطرات کے پیشِ نظر عرض کر رہی ہوں کہ معمولی سی محنت کے بعد فوجیوں کی دوسری قطار بھی بنائی جا سکتی ہے۔ اگرچہ یہ قطار نسبتاً کمزور ہو گی لیکن دشمن اتنی آسانی سے اس دیوار کو مسمار نہیں کر سکتا۔"

"میں یہ بات تم سے بہتر جانتا ہوں کہ غزنی کا مستقبل کیا ہو گا؟" اچانک امیر سبکتگین کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔ "تم میرا قیمتی وقت برباد نہ کرو۔ ہاں، اگر تم حکومت سے کسی مالی رعایت کی طلب گار ہو تو میں بطورِ خاص تمہارے لئے وظیفہ جاری کر سکتا ہوں۔"

امیرِ غزنی کا تحقیر آمیز جواب سن کر نگار خانم کے شگفتہ چہرے پر غیرت و خودی کی سرخی نمایاں ہو گئی

اور اس نے بے نیازانہ انداز میں کہا۔ "امیرِ محترم کی اس نوازش کا شکریہ۔ اگر ہوسِ زر ہوتی تو اپنے باپ سے رشتہ کیوں توڑتی؟ پھر نہ سردار تبریز میری بے کسی کا مذاق اُڑاتا اور نہ کسی کی شانِ امارت میری غربت وافلاس پر طعنہ زنی کرتی۔" یہ کہہ کر نگار خانم، سبکتگین کی خلوت سے نکل گئی۔

امیرِ غزنی کچھ دیر تک سکتے کے عالم میں کھڑا رہا۔ پھر اس نے اطمینان کی گہری سانس لی اور غائبانہ طور پر نگار خانم کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"آخر تُو اسد شیرازی جیسے عیار انسان کی بیٹی ہے۔ محمود کی قربت کے لئے کیسے کیسے بہانے ڈھونڈ رہی ہے۔ مگر میں تیری کسی چال کو کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔"

نظام شاہ نے نگار خانم کی زبانی امیر سبکتگین کا جواب سنا تو مسکرانے لگے۔ "میں جانتا تھا بیٹی! کہ تیری طرف سے اُس کی بدگمانیاں کبھی دُور نہیں ہوں گی۔"

"بابا! امیرِ غزنی نے میری صلاحیتوں کو کفن پہنا دیا کہ وہ با اختیار ہیں۔ مگر میں کسی فالج زدہ عورت کی طرح گھر پر نہیں بیٹھ سکتی۔"

نگار خانم کا چہرہ جوشِ جذبات سے سرخ ہو گیا تھا۔ "میں غزنی کے خوشحال لوگوں کے یہاں مزدوری کرلوں گی، لیکن آپ کی تکلیف برداشت نہیں کرسکتی۔"

نگار خانم کی شدتِ احساس دیکھ کر نظام شاہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "جب تمہارا بابا دنیا سے چلا جائے تو سب کچھ کر لینا۔ بس یہ میرا آخری حکم ہے۔"

❊❊❊❊❊

ابو مسلم کی خودکشی کے بعد حماد بن ساریہ کو غزنی کا سپہ سالار بنا دیا گیا تھا۔ یہ بوڑھا سپاہی خلوت میں محمود کے سامنے جنگی موضوعات پر طویل تقریریں کرتا تاکہ ولی عہدِ سلطنت اس کے تجربوں کی روشنی میں حرب وضرب کے تمام اسرار و رموز سمجھ لے۔ اس طرح بظاہر حماد بن ساریہ ہی سالارِ غزنی تھا مگر جاننے والے جانتے تھے کہ سبکتگین نے درپردہ اپنے بیٹے کو اس نازک اور حساس منصب پر فائز کر دیا ہے۔

داخلی انتشار کے خاتمے کے بعد ابھی سبکتگین نے سکون و اطمینان کی چند سانسیں بھی نہ لی تھیں کہ اسے طغا نامی ایک حاکم کی درخواست موصول ہوئی۔ طغا نے مشرقی خراسان کے ایک شہر بست کے قلعے پر قبضہ کرلیا تھا۔ پھر طغا کو اس کے ایک دشمن پاتور نے قلعے سے باہر نکال دیا۔ طغا نے اپنی درخواست میں امیر سبکتگین سے التجا کرتے ہوئے لکھا تھا۔

"اگر امیر میرے دشمن پاتور کے مقابلے میں میری مدد فرمائیں اور میں دوبارہ قلعے پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جاؤں تو پھر تمام عمر خدمت گاروں اور خراج گزاروں کی طرح آپ کی اطاعت کے دائرے سے باہر قدم نہ رکھوں گا۔"

امیر سبکتگین نے طغا کی درخواست منظور کرلی اور بست پر لشکر کشی کرکے پاتور کو شکستِ فاش دی۔ اس جنگی مہم میں محمود بھی اپنے باپ کے ہمراہ تھا۔ جب پاتور میدانِ جنگ سے فرار ہونے لگا تو محمود نے اس کا تعاقب کیا اور پھر پاتور کا سر کاٹ کر سبکتگین کی خدمت میں پیش کر دیا۔

"فرزند! میں تمہارے اس کارنامے سے خوش ہوں مگر تمہیں اس طرح پاتور کا تعاقب نہیں کرنا چاہئے تھا۔ پتہ نہیں کہ اچانک کیا صورتِ حال پیش آ جاتی۔" امیر سبکتگین نے تشویش ناک لہجے میں کہا۔

"بابا جان! اگر اس معرکے میں محمود کی موت بھی لکھی جا چکی ہوتی تو پھر اس حادثے کو کوئی نہیں ٹال سکتا تھا۔" محمود نے ادب سے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ "میں تو صرف اپنے اللہ کے بھروسے پر دشمن سے جنگ کرتا ہوں۔ تمام نصرتیں اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور اللہ ہی اپنے بندوں کا محافظ ہے۔"

بیٹے کی حوصلہ مندی دیکھ کر امیر سبکتگین کے چہرے پر ایک عجیب سا رنگ اُبھرا اور پھر وہ دل ہی دل میں اپنے اللہ کی اس بخشش وعطا پر شکر ادا کرنے لگا۔

سبکتگین نے حسبِ وعدہ بست کا قلعہ طغا کو واپس کر دیا مگر وہ ایک فریب کار انسان تھا۔ اس نے امیرِ غزنی سے کئے ہوئے تمام وعدے فراموش کر دیئے۔ پھر جب ایک دن سبکتگین نے طغا کو اس کے وعدے یاد دلائے تو اس نے جواب میں کچھ ناشائستہ کلمات کہے اور بہت تیزی سے تلوار کھینچ کر سبکتگین پر حملہ کر دیا۔ عہد شکن طغا، امیرِ غزنی کو قتل کر دینا چاہتا تھا مگر وار اوچھا پڑا اور سبکتگین کے ہاتھ پر گہرا زخم آیا۔ سبکتگین نے اسی زخمی ہاتھ سے تلوار نکال کر طغا پر وار کیا لیکن طغا نے کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو بچا لیا۔ سبکتگین دوسرا وار کر کے طغا کا سر قلم کر دینا چاہتا تھا مگر اسی دوران دونوں حاکموں کے لشکروں نے ایک دوسرے پر حملہ کر دیا۔ پھر چاروں طرف ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور ایک جنگ مغلوبہ چھڑ گئی۔ اسی افراتفری کے عالم میں طغا کو جان بچانے کا موقع مل گیا اور وہ کرماچ کی طرف بھاگ گیا۔ طغا کے فرار ہوتے ہی سبکتگین نے دوبارہ قلعے پر قبضہ کرلیا۔ بست کے قلعے کی دستیابی سے سبکتگین کو جہاں اور سیاسی فائدے ہوئے، وہاں ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ اس کی ملاقات ابوالفتح سے ہو گئی۔ ابوالفتح مختلف علوم وفنون کا ماہر تھا۔ خصوصاً انشاء پردازی اور کتابت کے فن میں اپنی مثال آپ تھا۔ ابوالفتح پاتور کا میر منشی تھا اور اس کی شکست کے بعد گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ سبکتگین نے اس پر لطف وکرم کی بارش کی اور اسے ایک عہدے پر فائز کر دیا۔

بست کی مہم سے فارغ ہو کر امیر سبکتگین خضدار (بلوچستان) کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر بخارا کے حاکم کو نظر بند کیا اور پھر اپنا مطیع بنا کر خضدار کا علاقہ اسے جاگیر میں دے دیا۔ بخارا کی فتح کے بعد سبکتگین نے ایک بار پھر سیّد امیر علی شاہ کو خواب میں دیکھا۔ سیّد امیر علی شاہ انتہائی تند و تیز لہجے میں فرما رہے تھے۔

"سبکتگین! اللہ نے تیری زنجیرِ غلامی کاٹ دی مگر تُو نے اس سے کئے ہوئے وعدے کی تکمیل نہیں کی۔ ابھی وقت ہے، خوابِ غفلت سے بیدار ہو، قصرِ شاہی سے نکل اور باہر کے بتوں کو توڑ دے۔"

یہ خواب دیکھ کر سبکتگین پریشان ہو گیا۔ فوراً ہی اس نے رختِ سفر باندھا اور بخارا سے نکل کر غزنی پہنچا۔ پھر نظام شاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا خواب بیان کرنے لگا۔

"شیخ! میں بہت کم علم ہوں، اس لئے سیّد کی تنبیہ کا مفہوم سمجھنے سے قاصر ہوں۔ مجھے بتایئے کہ باہر کے بت توڑنے سے سیّد کی کیا مراد ہے؟"

پیر و مرشد کا ذکر سن کر نظام شاہ کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اور وہ بہت دیر تک روتے رہے۔ پھر جب حالت کچھ سنبھلی تو سبکتگین کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔ "امیر! تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو کہ ہندوستان بت خانوں اور بت پرستوں کا ملک ہے۔ پیر و مرشد نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ بلا تاخیر ان بت پرستوں سے جہاد کرو کہ جہاد ہی میں تمہاری نجات ہے۔"

پھر 367ھ کے آخر میں ہندوستان پہنچ کر سبکتگین نے چند قلعے فتح کیے۔ اکثر مقامات پر مجبوریاں قبول کروائیں اور بہت سا مالِ غنیمت لے کر واپس غزنی پہنچا۔ سبکتگین بہت خوش تھا کہ اُس کا حلقۂ اقتدار روز بروز وسیع تر ہوتا جا رہا تھا۔

❁❁❁❁❁

اسی دوران اسد شیرازی اور اس کی بیٹی ارمغانہ ٹھوکریں کھاتے ہوئے ملتان پہنچے۔ اس وقت ملتان پر راجہ جے پال کی حکومت تھی۔ راجہ جے پال، راجہ ست پال کا بیٹا تھا، جو برہمنوں کی اعلیٰ نسل سے تعلق رکھتا تھا۔ راجہ جے پال کی سلطنت سرہند سے کشمیر تک اور کشمیر سے ملتان تک پھیلی ہوئی تھی۔

اسد شیرازی اپنی بیٹی ارمغانہ کے ہمراہ راجہ جے پال کے دربار میں داخل ہوا۔ درباریوں کو بوڑھے اسد شیرازی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو ارمغانہ کے بے پناہ حُسن و جمال میں کھو کر رہ گئے تھے۔ ملتان کے برہمنوں اور راجپوتوں نے آج تک اتنی حسین عورت نہیں دیکھی تھی۔ عام درباریوں کا تو ذکر ہی کیا، راجہ جے پال کا سپہ سالار بلرام سنگھ جیسا جانباز بھی پلکیں جھپکائے بغیر ارمغانہ شیرازی کو دیکھے جا رہا تھا۔

"سمراٹ جے پال کا اقبال بلند ہو۔" یکایک اسد شیرازی کی آواز گونجنے لگی اور تمام درباری ارمغانہ کو نظر انداز کر کے اس بوڑھے کی طرف دیکھنے لگے۔ اہلِ ہند بھی آگ کے پجاری ہیں اور میں بھی آگ کا پرستار ہوں۔ اسی رشتے کے سبب میں سمراٹ کو خبردار کرنے آیا ہوں کہ ان کے اقتدار کو سخت خطرہ درپیش ہے۔"

راجہ جے پال نے بڑی حیرت سے اسد شیرازی کی بات سنی۔ "اے شخص! تُو کون ہے؟ اور اس لڑکی سے تیرا کیا تعلق ہے؟" راجہ جے پال نے انتہائی متکبرانہ لہجے میں کہا۔ ایک تو برہمن، دوسرے حکمراں۔ یہ دونوں فتنے آپس میں مل گئے تھے۔ اس لئے راجہ جے پال اپنے آپ کو اہلِ زمین سے بلند تر کوئی ماورائی مخلوق سمجھتا تھا اور اسد شیرازی کے سامنے وہ اپنی اسی برتری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ "ہم سے کہا گیا تھا کہ تُو کوئی پریشان حال فریادی ہے اور ہمارے انصاف کو آواز دے رہا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ تُو کون ہے؟ مگر ہم نے اپنی کریمانہ عادت سے مجبور ہو کر تجھے شرفِ باریابی بخش دیا۔ اور اب تُو کہہ رہا ہے کہ ہمارے اقتدار کو سنگین خطرہ لاحق ہے۔ تُو یہ کیسی بدشگونی کی باتیں کر رہا ہے؟"

"سمراٹ! میں سچ کہہ رہا ہوں۔" اسد شیرازی نے منافقت کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

"پہلے یہ بتا کہ تُو کون ہے؟" راجہ جے پال نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"میں ایران کے قدیم آتش پرست خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔" اسد شیرازی نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "ہم لوگ ایران کے معزز ترین افراد میں شمار ہوتے تھے مگر انقلابِ زمانہ نے سب کچھ زیر و زبر کر دیا۔ ہم خانہ بدوشوں کی طرح غزنی پہنچے اور سالہا سال کی بے پناہ محنت کے بعد اس قابل ہو سکے کہ آسائش کی زندگی بسر کر سکیں۔ غزنی کے باشندے کچھ دن پہلے مجھے سب سے بڑے تاجر کی حیثیت سے جانتے تھے مگر آج میں ایک غریب الوطن بھکاری ہوں، جسے کہیں کوئی پناہ حاصل نہیں۔" یکایک اسد شیرازی کا لہجہ بھی بدل گیا تھا اور آنکھیں بھی آنسوؤں سے لبریز ہو گئی تھیں۔ "امیر پری تگین نے مجھ پر بڑا ظلم کیا۔ اس نے جبراً میری بیٹی سے شادی کر لی۔" اسد شیرازی نے ارمغانہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو بڑی عیاری کے ساتھ سر جھکائے کھڑی تھی اور اپنے آپ کو دنیا کی مظلوم ترین عورت ثابت کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ "میں نے غزنی کے ایک ایک امیر کے دروازے پر اپنا دامن پھیلایا مگر کسی نے مجھے رحم کی بھیک نہیں دی۔ پھر میں نے اہرمن کو پکارا اور اپنا معاملہ مقدس آگ کے سپرد کر دیا۔ آخر ایک دن آسمانوں پر میری فریاد سن لی گئی۔ امیر سبکتگین نے پری تگین کا تختہ اُلٹ دیا اور مجھے کئی سال تک نازل ہونے والے عذابوں سے نجات مل گئی۔ پری تگین نے مجھ پر اور میری اس معصوم بیٹی پر جو مظالم ڈھائے تھے، اگر میں اُنہیں بیان کر دوں تو زمین کا سینہ شق ہو جائے اور یہ سربلند پہاڑ تکلیف کی شدت سے پگھل کر پانی ہو جائیں۔ پھر ایک روز اہرمن نے میرے ساتھ انصاف کر دیا۔ امیر پری تگین نے قید خانے میں خودکشی کر لی۔ اس کی موت کے بعد میں نے چین کی سانس لی مگر یہ سانس بہت مختصر تھی۔ امیر سبکتگین، پری تگین سے بھی زیادہ ستم گر ثابت ہوا۔ امیر سبکتگین نے میرا عالی شان محل اور سارا مال و متاع چھین کر مجھے شہر بدر ہو جانے کا حکم دے دیا۔" دنیا کا بدترین جھوٹ بولتے وقت اسد شیرازی کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں اور اس کی سفید داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی تھی۔

راجہ جے پال اپنے تمام تر غرور و تکبر کے باوجود اسد شیرازی کے فسانۂ الم سے متاثر ہو چلا تھا۔ "اے غم زدہ شخص! آخر تُو مجھ سے کیا چاہتا ہے؟ بے جھجک ہو کر اپنی خواہش بیان کر۔ راجہ جے پال نے آج تک کسی ضرورت مند کو مایوس نہیں کیا ہے۔ ہماری سخاوت کی داستانیں تو ہندوستان کے در و دیوار دن رات سناتے رہتے ہیں۔ عنقریب تُو بھی اپنے کانوں سے ہمارے لطف و کرم کے قصے سن لے گا۔"

"میں بھی آتش پرست ہوں اور آپ بھی آگ کے پجاری ہیں۔" اسد شیرازی نہایت ہوشیاری سے اپنا مطلب بیان کر رہا تھا۔ "اسی مقدس آگ کے رشتے سے میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔"

"پناہ تو تجھے حاصل ہو چکی۔" راجہ جے پال نے کہا۔ "جب تُو دربار میں داخل ہوا تھا، اسی وقت سے ہمارا کرم تجھ پر سایہ فگن ہو گیا تھا۔"

"میں کرم کے ساتھ آپ کا انصاف بھی چاہتا ہوں۔" اسد شیرازی کی عیاریوں نے ایک اور کروٹ لی۔

"کیسا انصاف؟" راجہ جے پال نے حیران ہو کر پوچھا۔

"امیر سبکتگین نے جس طرح میرا تمام سرمایہ لوٹا ہے اور میرے محلات پر غاصبانہ قبضہ کیا ہے۔ اسی طرح آپ بھی اس کی مملکت کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں اور پھر میری ساری دولت مجھے واپس کر دیں۔" اسد شیرازی نے اپنی شر انگیزی کی ابتدا کر دی تھی۔

"امیر سبکتگین سے تو ہمارا کوئی جھگڑا نہیں۔" راجہ جے پال نے بلند آواز میں کہا۔ "پھر ہم اس سے کس طرح جنگ کر سکتے ہیں؟"

"مگر وہ تو آپ کے وجود کو مٹانے کی قسم کھا چکا ہے۔" اسد شیرازی نے انتہائی سرد لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر کہا۔ "میں اُس کا رازدار ہوں، اس لئے بہت پہلے آپ کو آنے والے طوفان سے باخبر کر رہا ہوں۔ وہ عنقریب ہندوستان پر حملہ کرے گا۔ پھر مختلف مرحلوں میں اس وسیع و عریض ملک پر قبضہ کر لے گا اور آخر میں ہندو دھرم کا وجود بھی مٹا دے گا۔ یہی اُس کا خوفناک منصوبہ ہے۔"

"تُو ذاتی دشمنی کی بنیاد پر تو یہ بات نہیں کر رہا ہے؟" راجہ جے پال کے ماتھے پر کئی لکیریں نمایاں ہو

گئی تھیں۔

”سمراٹ میرے دعوے کی تصدیق کے لئے کچھ دن انتظار کر سکتے ہیں۔“ اسد شیرازی نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ وہ تمام خطرات سے بے نیاز نظر آ رہا تھا۔

”ہم انتظار کے نہیں، فوری تحقیق کے قائل ہیں۔“ راجہ جے پال نے تند و تیز لہجے میں کہا۔ ”اگر یہ سچ ہے کہ سبکتگین کسی ذہنی خلل کا شکار ہو گیا ہے تو ہم اُس کا دماغ درست کر دیں گے اور اُسے ایسا سبق پڑھائیں گے کہ وہ خوابوں میں بھی ہندوستان کا رُخ کرتے ہوئے ڈرے گا۔ پھر ہم تجھے اپنے خزانوں سے بھی گراں بہا انعام دیں گے اور تیری وہ دولت بھی واپس کرا دیں گے جس پر سبکتگین نے غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے۔“

”سمراٹ! بے شک، آپ تحقیق کرائیں۔ مگر میرا علم یہی کہتا ہے کہ سبکتگین آپ کی مملکت پر ضرور حملہ کرے گا۔“ اسد شیرازی نے ایک اور انداز سے برہمن راجہ جے پال کو متاثر کرنے کی کوشش کی۔

”کیسا علم؟ کیا تُو جیوتشی بھی ہے؟“ راجہ جے پال نے چونک کر پوچھا۔

”ہاں سمراٹ! مجھے اپنے علم پر ناز ہے۔ مگر سبکتگین نے میری قدر نہیں کی۔“ یکایک اسد شیرازی کا لہجہ اُداس ہو گیا تھا۔ ”میں نے اسے قبل از وقت خبردار کر کے سینکڑوں حادثات سے بچایا مگر وہ ایک احسان فراموش انسان ہے۔ اُس نے میرے علم کی بھی تحقیر کی اور مجھے بھی ذلیل و رُسوا کر کے اپنے ملک سے نکال دیا۔“

”ہم تیرے گیان کی جانچ کریں گے۔“ راجہ جے پال نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ”اگر تُو اپنے دعوے میں سچا ثابت ہوا تو تجھ پر اپنے خصوصی انعام و اکرام کی بارش کر دیں گے۔“

یہ کہہ کر راجہ جے پال اپنے سپہ سالار بلرام سنگھ سے مخاطب ہوا۔ ”تم اپنے جاسوسوں کو غزنی کی سرحدوں تک پھیلا دو اور جلد از جلد ہمیں خبر دو کہ سبکتگین کے کیا ارادے ہیں۔“

سپہ سالار بلرام سنگھ پچھلی نشست سے اُٹھا اور دربار سے نکل کر چلا گیا۔ جاتے ہوئے اس نے غور سے ارمغانہ کی طرف دیکھا جو خود بھی بہت دیر سے بلرام سنگھ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بلرام سنگھ ایک انتہائی وجیہہ انسان تھا۔ پینتالیس سال کا ایک خوبرو اور طویل القامت مرد، سرخ رنگ، مضبوط کاندھے اور چوڑا چکلا سینہ، اُس کی شخصیت کے نمایاں پہلو تھے۔ ارمغانہ کی طرف دیکھتے ہوئے بلرام سنگھ کی آنکھوں میں ایک خاص چمک پیدا ہو گئی تھی اور ارمغانہ نے بھی بلرام سنگھ کی نظروں کے اس زاویے کو دیکھ لیا تھا۔

❁❁❁❁❁

راجہ جے پال نے دربار برخاست کرنے کے بعد اسد شیرازی کو خلوت میں طلب کیا۔ سپہ سالار بلرام سنگھ اور پنڈت رگھوناتھ وہاں پہلے سے موجود تھے۔ رگھوناتھ نوے سال کا ایک کمر خمیدہ برہمن تھا۔ اُس کی گھنی اور دراز بھنویں آنکھوں پر جھکی ہوئی تھیں مگر بینائی میں ذرا بھی فرق نہیں آیا تھا۔ بات کرتے وقت اس کے لہجے میں ہلکی سی لرزش محسوس کی جا سکتی تھی۔ لیکن اس کے قوائے عقلی بہت مضبوط تھے اور وہ اتنے ہوش و حواس کے ساتھ گفتگو کرتا تھا کہ بڑے بڑے گیانی دنگ رہ جاتے تھے۔ رگھوناتھ کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ وہ علم نجوم (جیوتش) میں حرفِ آخر کا درجہ رکھتا ہے۔ اُس کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی۔ راجہ جے پال کی عقیدت کا یہ حال تھا کہ وہ رگھوناتھ کو گرو دیو کہہ کر پکارتا تھا اور

کوئی بھی کام اس وقت تک شروع نہیں کرتا تھا جب تک کہ رگھوناتھ اُس کی اجازت نہ دے دیتا۔

”گرو دیو! یہ اسد شیرازی ہے، ایران کا آتش پرست، مسلمانوں کے ظلم و تشدد کا شکار۔“ راجہ جے پال نے رگھوناتھ سے آنے والے کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ ”آپ اس کے گیان کی پریکشا (امتحان) لیں۔ یہ بڑی پریشان کن خبریں لے کر آیا ہے۔“

رگھوناتھ نے عجیب نظروں سے اسد شیرازی کی طرف دیکھا اور پھر نجوم کے بعض مشکل ترین موضوعات پر کچھ سوالات کئے۔ اسد شیرازی نے ایک ایک سوال کا جواب اس قدر وضاحت سے دیا کہ راجہ جے پال اور سپہ سالار بلرام سنگھ کے ساتھ پنڈت رگھوناتھ بھی حیران نظر آ رہا تھا۔ پھر جب اسد شیرازی خاموش ہوا تو بوڑھا پنڈت بے اختیار بول اُٹھا۔

”مہاراج! اس شخص نے جیوتش کا گیان حاصل کرنے میں بڑی ریاضت کی ہے۔“

اسد شیرازی اسی موقع کی تلاش میں تھا۔ ابھی راجہ جے پال کچھ کہنے بھی نہیں پایا تھا کہ اسد شیرازی، پنڈت رگھوناتھ کے قدموں میں جھک گیا اور اس نے بوڑھے برہمن کے پیروں کو چھوتے ہوئے کہا۔ ”گرو کے گیان کے سامنے میرے علم کی کیا حقیقت ہے۔ میں تو آپ کا ادنیٰ شاگرد بننے کا بھی لائق نہیں۔“

”سکھی رہو۔“ رگھوناتھ نے جواباً اسد شیرازی کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”میرا آشیرواد سدا تمہارے ساتھ رہے گا۔“

”گرو دیو! یہ شخص بہت بھیانک خبریں لایا ہے۔“ راجہ جے پال نے رگھوناتھ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اس کا کہنا ہے کہ غزنی کا حکمراں سبکتگین عنقریب ہندوستان پر حملہ کرنے والا ہے جس سے ہندو دھرم کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا۔“

راجہ جے پال کی زبانی یہ تکلیف دہ خبر سن کر پنڈت رگھوناتھ کے چہرے کی بے شمار جھریوں میں کچھ اور شکنوں کا اضافہ ہو گیا۔ پھر وہ کاغذ پر راجہ جے پال کی حکومت کا ”وقتی زائچہ“ بنانے لگا۔ کچھ دیر بعد ستاروں کی رفتار دیکھ کر رگھوناتھ نے اپنا سر اٹھایا۔ ”راجہ جے پال کی حکومت کو کوئی خطرہ ہے اور نہ ہندو دھرم پر کوئی آنچ آئے گی۔ ہو سکتا ہے کہ دشمن لالچ میں اندھا ہو کر ادھر کا رخ کرے مگر دیوتاؤں کی کرپا سے منہ کی کھائے گا۔ برہمنوں کے راج سنگھاسن کو کبھی زوال نہیں ہو گا۔ یہی میری پیش گوئی ہے۔“

رگھوناتھ کی باتیں سن کر راجہ جے پال کو اطمینان ہو گیا اور اسد شیرازی کی طرف سے اُس کے دل میں شکوک و شبہات اُبھرنے لگے تاہم وہ مصلحتاً خاموش رہا۔ پھر اس نے اسد شیرازی اور اس کی بیٹی ارمغانہ کو اپنے محل کے ایک کمرے میں بطورِ مہمان رہنے کی اجازت دے دی۔ اس کے ساتھ ہی خدمت گاروں کو ہدایت کر دی کہ وہ باپ بیٹی دونوں کی حرکات پر گہری نظر رکھیں۔

پھر تنہائی میں راجہ جے پال نے سپہ سالار بلرام سنگھ سے مشورہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اگر سبکتگین کے حملے کی خبر بے بنیاد ثابت ہوئی؟“

”تو پھر یہ شخص جھوٹا ہے اور سبکتگین کے جاسوس کی حیثیت سے ہماری مملکت میں داخل ہوا ہے۔“ سپہ سالار بلرام سنگھ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”اگر ایسا ہے تو پھر ہم اسے آسانی کے ساتھ قید خانے میں ڈال دیں گے۔ مہاراج خوامخواہ ایک بوڑھے شخص کی آمد سے پریشان ہو رہے ہیں۔“

''اور اس کی بیٹی؟'' ارمغانہ کا نام لیتے ہوئے راجہ جے پال کے چہرے پر ایک عجیب سا رنگ اُبھرا تھا۔ بلرام سنگھ نے فوراً محسوس کر لیا کہ راجہ جے پال بھی ارمغانہ کے توبہ شکن حُسن سے متاثر ہو چلا ہے۔

''اسے میرے حوالے کر دیں۔'' بلرام سنگھ نے بے اختیار کہا۔

''تم ایک سپاہی ہو بلرام سنگھ!'' راجہ جے پال نے تیز لہجے میں کہا۔ ''حُسن پرستی تمہارا شعار نہیں اگر تم ایک عورت کے خدوخال کی رنگینیوں میں اُلجھ گئے تو آگ اور خون کے محاذوں پر کس طرح جنگ لڑو گے؟ نہیں بلرام سنگھ! تم کسی کے گیسوؤں کے سائے میں آرام نہیں کر سکتے۔ انسانی لہو تمہاری غذا ہے جلتی ہوئی دھوپ تمہارا سائبان ہے۔ اگر تم نے ایک اجنبی عورت کے خوبصورت وجود سے اپنا شبستان سجا لیا اور گہری نیند سو گئے تو پھر ملک کی سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا؟''

''بے شک! میں اس ملک کا جانباز سپاہی ہوں۔ مگر آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں ایک کمزور عورت کے ہاتھوں اپنی شجاعت و مردانگی کو فروخت کر دوں گا؟'' بلرام سنگھ نے کسی جھجک کے بغیر کہا۔

اپنے سپہ سالار کا یہ بے باکانہ جواب سن کر راجہ جے پال چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے کسی قدر نرم لہجے میں کہا۔ ''بلرام سنگھ! یہ تو سوچو کہ اس عورت کا ہندو دھرم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ آگ کی پجاری ہے، ہم اس پر اعتبار نہیں کر سکتے۔''

''مہاراج! میں اسے پسند کر چکا ہوں۔'' بلرام سنگھ نے آج تک اپنے حکمران کے سامنے اس قدر کھل کر بات نہیں کی تھی۔ ''اور جب بلرام سنگھ کسی چیز کے حصول کا ارادہ کر لیتا ہے تو پھر موت بھی اسے اپنے ارادے سے باز نہیں رکھ سکتی۔ ارمغانہ میری پسند ہے اور میں اسے مجبور کر دوں گا کہ وہ میری خاطر اپنا مذہب تبدیل کر لے۔'' یہ کہتے کہتے جوشِ جذبات سے بلرام سنگھ کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور کشادہ آنکھوں سے اس کے خوفناک عزائم کی جھلک صاف نمایاں تھی۔

راجہ جے پال اپنے سپہ سالار کی سرکشی دیکھ کر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

''مہاراج میرے جنگی کارناموں پر گواہ ہیں کہ میں نے اس مملکت کی سلامتی کے لئے کتنی بار اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالا ہے۔ اور مہاراج یہ بھی جانتے ہیں کہ میں نے اپنی جانبازیوں کے صلے میں کبھی کچھ نہیں مانگا۔'' سپہ سالار بلرام سنگھ رک رک کر بول رہا تھا مگر اس کے لہجے میں بہت زیادہ اعتماد تھا۔ ''مگر آج میں اپنے سمراٹ سے اپنی سرفروشی کا ایک حقیر سا انعام مانگتا ہوں۔''

''مانگو بلرام سنگھ! کھل کر مانگو۔'' راجہ جے پال نے صبر و تحمل اور ذہانت سے کام لیتے ہوئے کہا۔ ''تم ہمارے دست و بازو ہو، ہمارے اقتدار کی عمارت کا سب سے مضبوط ستون ہو، اس لئے ہم سے کوئی حقیر چیز نہ مانگو بلکہ اعلیٰ ترین شے کی طلب کرو۔ ہمارا دستِ کرم تمہارے لئے ہر وقت کھلا ہے اور کھلا ہی رہے گا۔''

''تو پھر سمراٹ مجھے ارمغانہ شیرازی دے دیں۔'' بلرام سنگھ نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ پہلی بار ایک سپاہی کی زبان میں لرزش پیدا ہوئی تھی۔ بلرام سنگھ اپنے دل سے مجبور ہو گیا تھا۔ ''مہاراج! میں اس عورت کے لئے اپنے دل میں عجیب سی تڑپ محسوس کر رہا ہوں۔ آج تک میں نے اپنے آپ کو اتنا کمزور نہیں پایا۔ بھگوان ہی جانے کہ مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے۔''

خود راجہ جے پال کے دل و دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں مگر وہ اپنے سپہ سالار کے سامنے

مسکرانے پر مجبور تھا۔ ''دھیرج رکھو بلرام سنگھ! ہم تمہاری خواہش ضرور پوری کریں گے۔ مگر ایک بار پھر سوچ لو کہ عورت کی قربت تمہارے لئے مناسب نہیں ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ارمغانہ کو پا کر دشمن کا سر کاٹنے کی ادا ہی بھول جاؤ۔ ہم نے راج نیتی (سیاست) کی پوری تاریخ پڑھی ہے۔ دانشوروں نے یہی لکھا ہے کہ جس سپاہی کو آگ اور خون کے دریا نہ ڈبو سکے، وہ عورت کی آنکھوں میں ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔''

''نہیں سمراٹ! ایسا نہیں ہو گا۔'' بلرام سنگھ بہت مضطرب نظر آ رہا تھا۔ ''میرے سینے میں اُٹھنے والی یہ لہر عارضی ہے۔ اس عورت کو پاتے ہی پُرسکون ہو جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' راجہ جے پال نے معنی خیز انداز میں اپنے سر کو جنبش دی۔ ''ہم اس لڑکی سے بات کریں گے۔ اگر وہ رضامند ہو گئی تو پھر یہ خوبصورت تحفہ تمہارے قدموں میں ڈال دیں گے۔''

سپہ سالار بلرام سنگھ نے اپنے حکمراں کا شکریہ ادا کیا اور ایک خاص انداز سے چلتا ہوا راجہ جے پال کی خلوت گاہ سے نکل گیا۔ برہمن فرمانروا نے جاتے وقت بلرام سنگھ کو بہت غور سے دیکھا تھا۔ آج اس کی آنکھوں میں کچھ اور ہی رنگ نظر آ رہے تھے۔

راجہ جے پال شدید ذہنی کشمکش کا شکار تھا۔ وہ فطرتاً رنگین مزاج حکمراں تھا مگر برہمن ہونے کے باعث کھل کر رنگ رلیاں نہیں منا سکتا تھا۔ وہ شراب پیتا تھا مگر تنہائی میں...... چند مخصوص خدمت گاروں کے سوا یہ راز کسی کو نہیں معلوم تھا کہ راجہ جے پال بھی ایک بادہ نوش فرمانروا ہے۔ اسی طرح اسے حسین و دلکش عورتوں سے بھی بہت دلچسپی تھی لیکن مذہبی پابندیوں کے سبب وہ ایک سے زیادہ شادیاں نہیں کر سکتا تھا۔ مجبوراً جے پال نے اپنا ایک خفیہ عشرت کدہ سجا رکھا تھا، جہاں اُس کی سینکڑوں داشتائیں موجود تھیں۔ وہ رعایا کی نظروں میں ایک پارسا انسان تھا مگر در پردہ اُس نے ہر گناہ کو اپنے لئے جائز قرار دے دیا تھا۔ راجہ جے پال نہایت عیار اور فریب کار حکمران تھا۔ غصے کے وقت مسکراتا تھا اور اپنے دشمن کو دھوکے میں رکھ کر منافقت کے خنجر سے ذبح کرتا تھا۔ اس نے چہرے پر کئی خول چڑھا رکھے تھے اور اس کے جینے کا یہی انداز تھا۔

ارمغانہ شیرازی کو دیکھ کر راجہ جے پال بھی اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا لیکن اس نے کسی اضطراری حرکت سے اپنے جذبات کا اظہار نہیں ہونے دیا تھا۔ برہمن حکمران نے اپنی زندگی میں اتنی خوبصورت عورت نہیں دیکھی تھی۔ اگرچہ ارمغانہ شیرازی کی عمر پینتیس سال کے قریب تھی، لیکن روشن خدوخال اور متناسب جسم کا یہ عالم تھا کہ اس کے سامنے نوعمر لڑکیاں بھی ہیچ نظر آتی تھیں۔ راجہ جے پال کو ارمغانہ کے اسی توبہ شکن حسن نے ایک بڑے فتنے میں مبتلا کر دیا تھا۔ اور وہ دل ہی دل میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اسد کی بیٹی کو اپنی مملکت کی حدود سے باہر نہیں جانے دے گا۔ مگر جب اُس پر یہ راز فاش ہوا کہ سپہ سالار بلرام سنگھ بھی ارمغانہ کا شکار ہو چکا ہے تو جے پال کا اضطراب حد سے گزر گیا۔ وہ بہت دیر سے اپنے خلوت کدے میں شراب پی رہا تھا اور اس نازک ترین مسئلے کا حل تلاش کر رہا تھا۔ راجہ جے پال، بلرام سنگھ کو بھی کھونا نہیں چاہتا تھا کہ اس جیسا فنونِ جنگ کا ماہر پوری مملکت میں کوئی دوسرا موجود نہیں تھا۔ اور وہ ارمغانہ شیرازی سے بھی دستبردار ہونے کے لئے آمادہ نہیں تھا کہ حُسن و دلکشی کا ایسا مجسمہ آج تک اُس کی نظروں سے نہیں گزرا تھا۔

آخر طویل غور و فکر کے بعد نصف شب سے ذرا پہلے، اپنی ایک معتبر خادمہ کے ذریعے راجہ جے پال

نے ارمغانہ کو اپنی خلوت میں طلب کیا۔ برہمن حکمران کی خادمہ کو دیکھ کر اسد شیرازی کے ہونٹوں پر پُراسرار مسکراہٹ اُبھر آئی۔ پھر اُس نے سرگوشیوں میں اپنی بیٹی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"میں نے راجہ جے پال کی آنکھوں کو پڑھ لیا ہے۔" اسد شیرازی بڑی بے شرمی کے ساتھ اپنی بیٹی کو سیاست کے نئے انداز سکھا رہا تھا۔ "شاید ہندوستان میں یہ ہماری آخری پناہ گاہ ہے۔ بہت احتیاط اور ذہانت سے کام لینا۔ اگر تم نے یہ موقع ضائع کر دیا تو پھر در در کی گدائی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔"

ارمغانہ صرف مسکرا کر رہ گئی۔ اس کی گردن میں ایک عجیب سا خم تھا جیسے وہ راجہ جے پال کے غرور کو پامال کرتی ہوئی گزر رہی ہے۔

"راجہ جے پال انتہائی طاقتور حکمراں ہے۔" اسد شیرازی نے ایک بار پھر سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ "شاید اس کے ذریعے ہم سبکتگین اور اس کے بیٹے محمود سے انتقام لے سکیں۔"

ارمغانہ نے بڑے غرور کے ساتھ اپنے سر کو جنبش دی اور خادمہ کے ساتھ مختلف راہ داریوں سے گزرتی ہوئی راجہ جے پال کی خلوت گاہ میں داخل ہوئی۔

برہمن حکمراں اس وقت ایک اور جام لبریز کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ارمغانہ نے تیزی سے آگے بڑھ کر ہندوؤں کے انداز میں جے پال کو سلام کیا۔ جے پال کے صراحی کی طرف بڑھتے ہوئے ہاتھ رک گئے۔ اس نے بڑے عجیب سے انداز میں مسکراتے ہوئے ارمغانہ کے سلام کا جواب دیا۔

"اگر مہاراج کی اجازت ہو تو یہ خدمت میں انجام دے دوں؟" ارمغانہ نے ایک ادائے خاص کے ساتھ صراحی و جام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تمہارے آنے سے تو موسم اور خمار آلود ہو گیا ہے۔" راجہ جے پال کی آواز میں ہلکی ہلکی لرزش تھی۔

"اگر اس صراحی اور ساغر سے تمہارے ہاتھ مس ہو گئے تو پھر نشہ بھی بے مثال ہو جائے گا۔" راجہ جے پال پہلی ہی ملاقات میں ارمغانہ سے بے تکلف ہو گیا تھا۔

ارمغانہ شیرازی مسکراتی ہوئی آگے بڑھی اور راجہ جے پال کے سامنے گھٹنوں کے بل جھک گئی۔ پھر اس نے ساغرِ شراب لبریز کیا اور برہمن حکمراں کی طرف بڑھا دیا۔

"ہماری پوری زندگی میں کیف و نشاط کے ایسے لمحے آج تک نہیں آئے۔" راجہ جے پال نے آہستہ آہستہ گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "مگر اس نشے میں ایک گہری تلخی بھی پوشیدہ ہے، جو ہم سے برداشت نہیں ہوتی۔"

"کیسی تلخی مہاراج؟" ارمغانہ شیرازی نے بڑے ناز و غرور کے ساتھ پوچھا۔

"تجھے معلوم ہے کہ ہم ایک وسیع و عریض سلطنت کے مالک ہیں، بے شمار دولت ہمارے قبضہ قدرت میں ہے۔" راجہ جے پال نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔ اچانک اُس کے لہجے سے اُداسی جھلکنے لگی تھی۔ "مگر تو یہ نہیں جانتی کہ ہمارے دل کی دنیا میں کیسی ویرانی ہے اور کیسا سناٹا ہے؟ ہر طرف تنہائی اور محرومیوں کی دھول اُڑتی رہتی ہے۔ تجھے پہلی بار اپنے دربار میں دیکھا تو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے ویرانۂ دل میں بہار آ گئی ہے۔ مگر اب لگتا ہے کہ وہ ہماری نظروں کا دھوکا تھا۔ نا آسودہ تمناؤں نے خشک کانٹوں کو شاداب گلابوں کا لباس پہنا دیا تھا۔"

"مہاراج! اگر آپ نے اس کنیز کو بہار کا درجہ دیا تھا تو پھر یہ بہار مختلف راستوں سے گزر کر آپ

کے بہت زیادہ قریب آ گئی ہے۔" ارمغانہ کی حشر ساماں مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی تھی۔

"بے شک! ہمیں قربتِ بہار حاصل ہے مگر اپنی بدقسمتی کو کیا کہیں کہ ہماری ہی مملکت میں اس بہار پر اپنا حق جتانے والا ایک اور شخص پیدا ہو گیا ہے۔" راجہ جے پال کے لہجے کی افسردگی بڑھتی جا رہی تھی۔

"کون ہے وہ بے ادب، جس نے اپنے ان داتا کے خلاف یہ سرکشی اختیار کی ہے۔" یکایک ارمغانہ کی قوس جیسی بھنویں کھنچ گئی تھیں اور شفاف پیشانی پر ناگواری کے کئی بل نمایاں ہو گئے تھے۔

"وہ ہمارا اپنا ہی بازو ہے، ہمارا اپنا ہی اعتبار ہے اور ہمارا اپنا ہی سائبان ہے۔" یہ کہہ کر راجہ جے پال نے ارمغانہ کو سپہ سالار بلرام سنگھ کا پورا واقعہ سنا دیا۔ "ہم بلرام سنگھ کی خواہش کو بھی جھٹلا نہیں سکتے کہ اس نے پہلی بار ہم سے کچھ مانگا ہے۔ اور ہم تیری جدائی بھی گوارا نہیں کر سکتے کہ ہم نے پہلی بار اپنی پسندیدہ عورت دیکھی ہے۔" راجہ جے پال شدید ذہنی کشمکش کا شکار نظر آ رہا تھا۔

ارمغانہ کے لئے بلرام سنگھ کے حوالے سے یہ خبر غیر متوقع نہیں تھی۔ اُس نے سرِ دربار ہی اس سپہ سالار کی آنکھوں میں جذبات کا غبار دیکھ لیا تھا۔ مگر راجہ جے پال اتنی جلد موم کی طرح پگھل جائے گا، ارمغانہ کو اس حادثے کا یقین نہیں آ رہا تھا۔ یکایک اُس کے کانوں میں اسد شیرازی کے الفاظ گونجنے لگے۔ ارمغانہ نے دل ہی دل میں اپنے باپ کی پیش بینی کی غیر معمولی صلاحیت کا اعتراف کر لیا۔ پھر وہ سنبھل گئی اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بڑے والہانہ انداز میں کہنے لگی۔

"مہاراج! آپ فکرمند نہ ہوں۔ میں بلرام سنگھ کے سامنے ایسی شرط پیش کر دوں گی جس کی تکمیل اُس کے بس میں نہیں ہو گی۔ اس طرح وہ میرے نزدیک آنے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔"

"وہ کون سی شرط ہے؟" راجہ جے پال نے گھبرا کر پوچھا۔ یکایک اس کے اُداس چہرے پر خوشی کا تیز رنگ نمایاں ہو گیا تھا۔

"مہاراج! یہ مجھ پر چھوڑ دیں۔" ارمغانہ نے بڑے انداز کے ساتھ کہا۔ "میں سمراٹ کے حریمِ دل سے نکل کر کہیں اور نہیں جاؤں گی۔ لیکن اس کے ساتھ میری بھی کچھ شرائط ہیں۔"

"میں تمہاری ہر شرط ماننے کے لئے تیار ہوں۔" راجہ جے پال اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو چکا تھا۔

جواب میں ارمغانہ نے راجہ جے پال کو ایک طویل جھوٹی داستان سنائی، جس میں امیر پری تکین سے جبراً شادی کا ذکر بھی تھا اور سبکتگین کے بے پناہ مظالم کی تفصیل بھی موجود تھی۔ اس کے بعد ارمغانہ نے روتے ہوئے کہا۔

"مہاراج! میں بھاگتے بھاگتے تھک گئی ہوں۔ مجھے ایک مضبوط سہارا چاہئے۔" ارمغانہ اس وقت دنیا کی مظلوم ترین عورت نظر آ رہی تھی۔

"میں تمہیں سہارا دوں گا۔" راجہ جے پال نے اپنے لرزتے ہوئے ہاتھ ارمغانہ کی سرمگیں آنکھوں پر رکھ دیئے۔ تکلف کی ایک اور دیوار گر گئی تھی۔

"مگر اس طرح نہیں کہ میں ایک طاقتور حکمراں کی داشتہ بن کر رہ جاؤں۔" یہ کہتے ہوئے ارمغانہ شیرازی ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ "مجھے عزت و آبرو کی موت گوارا ہے لیکن ذلت و رسوائی کی یہ زندگی قبول نہیں۔"

کچھ دیر کے لئے راجہ جے پال کو محسوس ہوا جیسے اس کا نشہ ٹوٹ رہا ہے۔ پھر اس نے بڑی مشکل

سے اپنے آپ کو سنبھالا اور لڑکھڑاتے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''میں تم سے شادی کر سکتا ہوں لیکن اس کے لئے تمہیں اپنا دھرم چھوڑنا ہوگا۔''

''میں بھی آگ کی پرستش کرتی ہوں اور آپ بھی آگ کو مقدس مانتے ہیں۔ پھر مذہب کی تبدیلی کا کیا مفہوم ہے؟'' ارمغانہ شیرازی بڑے اطمینان سے بول رہی تھی اور راجہ جے پال کی بے قراری پر اسے عجیب سی خوشی کا احساس ہو رہا تھا۔

''تم جانتی ہو کہ میں ایک اعلیٰ نسل برہمن ہوں۔'' راجہ جے پال اپنی مجبوریاں بیان کر رہا تھا۔ ''میں علی الاعلان ایک سے زیادہ شادیاں نہیں کر سکتا۔''

''پھر کیا میں آپ کے محل میں گناہ گارانہ زندگی بسر کروں؟'' ارمغانہ کے ماتھے کی شکنوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔

''بس اس کی یہی ایک ترکیب ہے کہ تم ہندو دھرم اختیار کر لو۔'' راجہ جے پال نے عاجزانہ لہجے میں کہا۔ ''پھر میری قوم یہ سوچ کر مطمئن ہو جائے گی کہ میں نے تمہیں ہندو بنا کر ایک بڑا مذہبی فریضہ [illegible] دیا ہے۔ اس کے بعد میری اور تمہاری شادی میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہے گی۔''

راجہ جے پال کی بات سن کر ارمغانہ کے چہرے کا تناؤ ختم ہو گیا اور اُس کے سرخ و گداز ہونٹوں پر ایک دلفریب مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ ''میں آپ کی خاطر ہندو دھرم بھی اختیار کر لوں گی مگر میری ایک شرط یہ ہے کہ میں سلطنتِ غزنی کو تباہ و برباد دیکھنا چاہتی ہوں۔'' یکایک ارمغانہ کے چہرے کا رنگ [illegible] گیا اور وہ شگفتہ گلاب کے بجائے شعلۂ سوزاں نظر آنے لگی۔ ''مجھے آپ کے جذبوں اور خواہشوں کی زینت بننا منظور ہے مگر اس طرح کہ غزنی کا تخت اور سبکتگین کا سر میرے قدموں کے نیچے ہو اور میں اُنہیں روندتی ہوئی گزر جاؤں۔''

یہ ایک کڑی شرط تھی، جسے پورا کرنا آسان نہیں تھا۔ مگر ارمغانہ، راجہ جے پال کے حواس پر مسلط تھی۔ مجبوراً اُس نے اقرار کر لیا۔ ''مجھے یہ شرط بھی منظور ہے۔ لیکن غزنی پر حملے سے پہلے تمہیں میرے ساتھ شادی کرنا ہوگی۔''

ارمغانہ ایک بے حیا عورت تھی مگر جے پال کے سامنے اپنی پارسائی ظاہر کرنے کے لئے اُس نے شرما کر سر جھکا دیا۔

ارمغانہ شیرازی اور برہمن حکمراں کے درمیان یہ سیاسی معاہدہ طے پا چکا تھا لیکن اچانک راجہ جے پال چونک پڑا۔ ''اور بلرام سنگھ کا کیا ہوگا؟ یہ شادی تو اسے میری طرف سے بدگمان کر دے گی۔''

''آخر آپ بلرام سنگھ کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہیں؟'' ارمغانہ شیرازی نے بڑے بے نیاز انداز میں سوال کیا۔

''وہ میری فوجی طاقت کا قلب و جگر ہے۔'' راجہ جے پال نے کہا۔ ''میں کسی بھی حال میں بلرام کو کھونا نہیں چاہتا اور مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ وہ تمہاری آرزو کرے۔''

ارمغانہ شیرازی نے ایک مختصر سی ملاقات میں راجہ جے پال کی حالت کا اندازہ کر لیا تھا۔ برہمن حکمراں کے دل و دماغ میں ایک خوف ناک جنگ جاری تھی۔ ارمغانہ چاہتی تھی کہ اس جنگ میں جے پال کا دل اس کے دماغ پر غالب آ جائے۔ اور پھر مغرور برہمن حکمراں گھٹنوں کے بل اس کے

رینگنے لگے۔

''آپ مطمئن رہیں۔'' ارمغانہ نے اپنے ناز و ادا کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''نہ آپ بلرام سنگھ کو کھوئیں گے اور نہ بلرام سنگھ مجھے چھو سکے گا۔''

''ہاں! میں یہی چاہتا ہوں۔'' راجہ جے پال بے قرار ہو کر آگے بڑھا۔ مگر ارمغانہ شیرازی ایک ادائے خاص کے ساتھ چند قدم اور پیچھے ہٹ گئی۔ ''مجھے ایسی ہی دھرم پتنی کی ضرورت ہے، جو میرے دل کو بھی سکون بخشے اور سیاسی مسئلوں کا حل بھی پیش کرے۔'' راجہ جے پال عجیب سے خواب دیکھنے لگا تھا۔

✻✻✻✻✻

دوسرے دن سپہ سالار بلرام سنگھ تنہائی میں ارمغانہ شیرازی سے ملا۔

''میں ایک سپاہی ہوں، مجھے سیاست دانوں کے لہجے میں گفتگو کرنے کا سلیقہ نہیں آتا۔ بلرام سنگھ نے اپنی آواز کو نرم کرنے کی بہت کوشش کی تھی مگر اس کے لہجے کی فطری سختی کسی نہ کسی عنوان نمایاں تھی۔ ''ہو سکتا ہے کہ میری زبان سے ادا ہونے والے الفاظ تمہیں تلوار کی دھار کی طرح محسوس ہوں لیکن تم میرے دل کی طرف دیکھو، جو موم کی طرح پگھل رہا ہے۔''

''میں سینا پتی (سپہ سالار) کی باتوں کا مفہوم سمجھنے سے قاصر ہوں۔'' ارمغانہ شیرازی جان بوجھ کر انجان بن گئی تھی۔

''کیا مہاراج جے پال نے تمہیں کچھ نہیں بتایا؟'' بلرام سنگھ کے لہجے میں ہلکی سی جھنجلاہٹ تھی۔ ''میں تو یہی سمجھا تھا کہ تم اب تک میرے جذبات سے باخبر ہو چکی ہو گی۔''

''مجھے درمیانی رابطے پسند نہیں۔'' ارمغانہ کی بھنویں کھنچ گئی تھیں اور ماتھے پر کئی بل پڑ گئے تھے۔ ''میں ہر بات تمہاری زبان سے سننا چاہتی ہوں۔''

''تو پھر صاف صاف سن لو۔'' بلرام سنگھ کے لہجے کی کرختگی کچھ اور نمایاں ہو گئی تھی۔ ''میں تمہیں ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتا ہوں۔''

''اور اگر میں انکار کر دوں؟'' ارمغانہ نے مصنوعی غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''میں انکار سننے کا عادی نہیں ہوں۔'' بلرام سنگھ نے مطمئن لہجے میں جواب دیا۔ ''یہی میرا مزاج ہے کہ پہلے تو کسی شے کی تمنا نہیں کرتا ہوں مگر جب سینے میں کوئی خواہش جاگ اُٹھتی ہے تو پھر اس کی تکمیل کے لئے اپنی جان کی بازی بھی لگا دیتا ہوں۔''

''کیا یہی سپاہیوں کی روایت ہے کہ ایک کمزور اور بے سہارا عورت کو جبر و تشدد کا نشانہ بنایا جائے؟'' بلرام سنگھ کے لہجے کا ٹھہراؤ دیکھ کر ارمغانہ کو خوف محسوس ہونے لگا تھا، اس لئے فوراً ہی اُس نے راجپوت سپہ سالار کی غیرت و مردانگی کے جذبات کو اُبھارنے کی کوشش کی تھی۔

''میں تم پر کوئی ظلم کب کر رہا ہوں؟'' بلرام سنگھ کے چہرے پر غصے کا دُھندلا سا عکس تک نہیں تھا، مگر پھر بھی وہ کسی چٹان کی طرح سخت نظر آ رہا تھا۔ ''میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تم میری پسند ہو اور میں اپنی پسند کو کسی اور کا نہیں ہونے دوں گا۔'' یہ کہہ کر بلرام سنگھ نے بہت غور سے ارمغانہ کی طرف دیکھا اور پھر ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ ''میں تمہیں ساری زندگی اپنے سامنے رکھوں گا، مگر تمہاری مرضی کے بغیر تمہارے جسم کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔''

ارمغانہ حیرت زدہ رہ گئی۔ بلرام سنگھ ایک عجیب انسان تھا اور اس کی خواہش اس سے بھی عجیب تھی۔ سپہ سالار کے کردار کا یہ پہلو دیکھ کر ارمغانہ کا خوف زائل ہو گیا تھا مگر پھر بھی وہ مکمل طور پر [illegible] کر لینا چاہتی تھی۔ "یہ بھی تو ایک قسم کی سزا ہے جو تم مجھے دینا چاہتے ہو۔" ارمغانہ نے اس قدر اداس لہجے میں کہا جیسے چند لمحوں بعد وہ اپنی بے کسی پر رو پڑے گی۔

"کچھ بھی سمجھ لو، میں اپنے دل سے مجبور ہوں۔" بلرام سنگھ ایک سپاہی تھا، اس لئے بے جھجک اپنے جذبات کا اظہار کر رہا تھا۔

"مگر میری بھی تو کچھ مجبوریاں ہیں۔" ارمغانہ نے مخصوص نسوانی ادا کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"اپنی ساری مجبوریاں مجھ سے کہہ ڈالو۔" بلرام سنگھ کے لہجے میں بڑی سادگی اور تڑپ تھی۔ "تمہاری مجبوریاں میری مجبوریاں ہیں۔" بلرام کی باتوں سے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے اُس نے اپنی تلوار اُتار کر ارمغانہ کے قدموں میں رکھ دی ہے۔

"میں نے عہد کیا ہے کہ جو شخص امیر سبکتگین اور محمود کے کٹے ہوئے سر میرے سامنے پیش کرے گا میں اُس کی کنیز بن کر ساری زندگی گزار دوں گی۔" یہ کہتے کہتے ارمغانہ کا گل رنگ چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ "اگر تم میرے عہد کی آبرو رکھ سکتے ہو تو آگے بڑھو ورنہ مجھے یہاں سے جانے دو۔ میں ایک بدنصیب عورت ہوں۔" یکایک ارمغانہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رونے لگی۔

ارمغانہ کی شرط سن کر چند لمحوں کے لئے بلرام سنگھ کو سکتہ سا ہو گیا تھا۔ مگر وہ فوراً ہی سنبھل گیا اور آگے بڑھ کر اس نے ارمغانہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"تیرا عہد، میرا عہد ہے۔ اور تیری آبرو، میری آبرو ہے۔" بلرام سنگھ کے لہجے میں آگ برس رہی تھی۔

ارمغانہ نے عیاری کے ساتھ اپنی آنکھوں سے ہاتھ ہٹا لئے اور بھیگی پلکوں کے ساتھ بلرام سنگھ کی طرف دیکھنے لگی جس کا چہرہ انگارے کی طرح دہک رہا تھا۔ "اب میں تیرے پاس سبکتگین اور محمود کے سر لے کر ہی آؤں گا۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ موت کا کھلا ہوا سفر ہے۔ شاید ہی واپس لوٹ کر آؤں، مگر اس کے سوا کوئی راستہ بھی تو نہیں۔ بلرام سنگھ کی چاہت کا انداز ہی ایسا ہے۔ کبھی کبھی تو وہ موت کو بھی اپنا محبوب سمجھنے لگتا ہے۔" یہ کہہ کر بلرام جانے کے لئے مڑا مگر چند قدم آگے بڑھ کر رک گیا۔ پھر بڑے خوفناک لہجے میں بولا۔ "اگر تیری طرف کوئی بہکی ہوئی نظر اُٹھے تو مجھے بتا دینا۔ چاہے وہ راجہ جے پال کی نظر کیوں نہ ہو۔"

اتنا کہہ کر بلرام سنگھ کمرے سے نکل گیا اور ارمغانہ کے ہونٹوں پر ایک فتنہ انگیز مسکراہٹ اُبھر آئی۔ اپنی فتح کے اس احساس سے سرشار نظر آ رہی تھی کہ اس نے ایک ہی وقت میں دو طاقت ور مردوں کے دماغوں پر مکمل گرفت حاصل کر لی تھی۔

✽✽✽✽✽

بلرام سنگھ اپنے جذبۂ عشق میں سچا تھا مگر راجہ جے پال، ارمغانہ کے ساتھ ایک بھیانک کھیل کھیل رہا تھا۔ اس نے بہت غور و فکر کے بعد یہ منصوبہ بنایا تھا کہ وہ خفیہ طور پر ارمغانہ سے شادی کر لے گا۔ پھر اگر مناسب سمجھے گا تو غزنی پر حملہ کرے گا، ورنہ بہانہ سازی سے کام لے کر اپنی مملکت کی حدود میں

اطمینان سے بیٹھا رہے گا۔ اس طرح ارمغانہ کی ضد پوری ہو جائے گی۔ اور جب اسے نجات کا کوئی راستہ نہیں ملے گا تو وہ ایک داشتہ کی حیثیت سے جے پال کے خفیہ عشرت کدے کی زینت بن جائے گی۔

برہمن حکمراں اپنے عیارانہ منصوبے سے پوری طرح مطمئن تھا اور روزانہ نصف شب کے قریب ارمغانہ کو خلوت میں طلب کر کے پُرفریب باتیں کرتا اور پچھلے پہر تک شراب پیتا رہتا۔ ارمغانہ کی قربتوں نے جے پال کو نئے کیف و سرور سے آشنا کیا تھا۔ مگر اُس کا یہ نشہ اس وقت اُتر گیا، جب تقریباً ایک ماہ بعد سپہ سالار بلرام سنگھ نے حاضر ہو کر اسے یہ پریشان کن خبر دی۔

"اسد شیرازی سچ کہتا ہے، امیر سبکتگین ہندوستان کے کئی علاقوں پر قبضہ کر چکا ہے۔ اگر مسلمان حکمراں کو بروقت نہیں روکا گیا تو وہ دن دُور نہیں، جب سبکتگین اپنے گھوڑوں کے سموں سے ملتان کی سرزمین کو بھی روند ڈالے گا۔"

اس اطلاع نے جے پال کی نیندیں حرام کر دی تھیں۔ چند روز تک وہ تنہائی میں سپہ سالار بلرام سنگھ سے اپنی جنگی حکمتِ عملی پر بحث کرتا رہا اور پھر تمام نشیب و فراز کا جائزہ لینے کے بعد اس نے اسد شیرازی کو خلوت میں طلب کر لیا۔

"مجھے سبکتگین کی فوجوں کی تعداد، خفیہ راستوں اور مسلمانوں کے طریقۂ جنگ کے بارے میں تمام تفصیلات بتاؤ۔" راجہ جے پال نے تحکم آمیز لہجے میں کہا۔ "اگر بعد میں تمہاری فراہم کردہ کوئی اطلاع غلط ثابت ہوئی تو میں تمہیں بڑی دردناک سزا دوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارے دست و پا کاٹ کر تمہیں ملتان کے کسی ویران راستے پر پھینک دیا جائے۔ پھر نہ کوئی تمہارے حلق میں پانی کے چند قطرے ٹپکانے والا ہو گا اور نہ منہ میں روٹی کا ٹکڑا ڈالنے والا۔ تم اس کمرے میں بیٹھ کر خود بھی اندازہ کر سکتے ہو کہ وہ کیسی لرزہ خیز موت ہو گی۔ یکایک جے پال کے لہجے سے انتہائی سفاکی جھلکنے لگی تھی اور وہ کسی انسان کے بجائے ایک بھوکا درندہ نظر آنے لگا تھا۔

اسد شیرازی نے اپنی فطری عیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے فوراً ہی راجہ جے پال کے پاؤں چھو لئے اور دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

"سمراٹ! سبکتگین آپ کی طرح میرا بھی بدترین دشمن ہے۔" اس کے بعد اسد شیرازی نے برہمن حکمراں کے سامنے مملکتِ غزنی کے سارے راز اُگل دیئے۔ "سمراٹ! میں جانتا ہوں کہ سبکتگین کی فوج آپ کے لشکرِ جرار کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ مگر مجھے نظام شاہ کی طرف سے ہر وقت ایک خطرہ سا لگا رہتا ہے۔"

"کون نظام شاہ؟" راجہ جے پال نے تحقیر آمیز لہجے میں پوچھا۔

"وہ غزنی کا ایک جادوگر ہے۔" اچانک اسد شیرازی خوف زدہ نظر آنے لگا تھا۔ "اُس کی شعبدہ بازیوں نے بڑے گل کھلائے ہیں۔ سمراٹ کو میرا یہی مشورہ ہے کہ وہ غزنی پر حملہ آور ہونے سے پہلے نظام شاہ کے جادو کا ضرور توڑ کر لیں۔"

"میں نے ایسے ہزاروں نظام شاہ دیکھے ہیں۔" جے پال کے غرور و تکبر میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔ "پنڈت رگھوناتھ سے بڑا جادوگر کون ہو گا؟ گرو دیو، غزنی کے اُس چوہے کا بھی انتظام کر دیں گے۔"

پھر اُس رات جے پال نے ارمغانہ کو اپنے عشرت کدے میں طلب کر کے کہا۔ "میں نے غزنی پر

حملہ کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اب تم بھی اپنا وعدہ پورا کرو۔''

ارمغانہ کچھ دیر کے لئے پریشان ہو گئی، مگر اب اس کے سامنے کوئی راہِ فرار نہیں تھی۔ ''اگر بلرام کو اس کی خبر ہو گئی؟'' ارمغانہ نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''وہ میرا مسئلہ ہے۔'' راجہ جے پال نے غضب ناک لہجے میں کہا۔ ''میں غلاموں کے سوالوں کا جواب دینا پسند نہیں کرتا۔ بلرام سنگھ کچھ بھی سہی، لیکن اوّل و آخر وہ میرا ملازم ہے۔''

ارمغانہ، جے پال کے خلوت کدے سے نکلی اور رات بھر اسد شیرازی سے مشورے کرتی رہی۔

دوسرے دن اُس نے بڑی رازداری کے ساتھ درباری پنڈت برج موہن کے سامنے ہندو مذہب اختیار کر لیا اور ایک خوف ناک راستے پر چل پڑی۔

❀❀❀❀❀

راجہ جے پال اپنی اس فتح سے بہت خوش تھا۔ اس کی پسندیدہ عورت اس کے عشرت کدے میں داخل ہو چکی تھی۔ درباری پنڈت، برج موہن نے راجہ جے پال اور ارمغانہ کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کر دیا تھا۔ جب وہ برہمن حکمران کے ساتھ آگ کے گرد پھیرے لگا رہی تھی تو اس کے تصورات میں بڑے عجیب عجیب مناظر اُبھر رہے تھے۔ وہ کھلی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی کہ پورے غزنی میں آگ لگی ہوئی ہے اور سبکتگین کے تخت و تاج بھڑکتے ہوئے شعلوں میں جل رہے ہیں۔ پھر اُس کی آنکھوں نے یہ منظر دیکھا کہ سبکتگین کا کٹا ہوا سر اُس کے قدموں میں پڑا ہے اور وہ غزنی کی سابق ملکہ کے بجائے ملکۂ ہند بن گئی ہے اور بے شمار انسانی گردنیں اُس کے آگے جھکی ہوئی ہیں۔ ارمغانہ کے پورے جسم میں کیف و نشاط کی تند و تیز لہریں اُٹھ رہی تھیں اور انتہائی سرخوشی کے عالم میں لڑکھڑاتے قدموں سے آگ کے گرد پھیرے لگا رہی تھی۔

پنڈت برج موہن نے ارمغانہ شیرازی کا ہندوانی نام سمترا دیوی تجویز کیا تھا۔ ارمغانہ کو اپنا یہ نام بہت پسند تھا۔ خصوصاً ''دیوی'' کا لفظ کہ اس سے اقتدار، پرستش اور غلبے کا تاثر ملتا تھا۔ اگرچہ برج موہن کے سوا اس شادی کا کوئی دوسرا گواہ موجود نہیں تھا، لیکن ارمغانہ مطمئن تھی کہ وہ بہت جلد راجہ کو اپنا غلام بنا لے گی۔

برہمن حکمران نے اپنے خفیہ عشرت کدے کو اس طرح آراستہ کیا تھا کہ ارمغانہ کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔ اس نے اپنی پوری زندگی میں دولت کا ایسا عظیم الشان مظاہرہ نہیں دیکھا تھا۔ پھر جب راجہ جے پال نے اپنی نئی دُلہن کو ہیروں کے ہار پہنانے شروع کئے تو ان کے بوجھ سے ارمغانہ جھکنے لگی۔

''بس مہاراجہ!'' اس نے ایک ادائے خاص کے ساتھ دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ ''میں دولت کے انبار کی بھوکی نہیں ہوں۔ مجھے تو سمراٹ کی محبت چاہئے۔'' ارمغانہ ایسی دلفریب باتیں کر رہی تھی کہ راجہ جے پال گھٹنوں کے بل اس کے سامنے جھک گیا۔ ایک تو قدرتی حُسن اور دوسرے یہ بے پناہ آرائش۔ آج ارمغانہ کسی اور ہی دنیا کی مخلوق نظر آ رہی تھی۔

''سمترا! بے شک تُو کسی دیوی سے کم نہیں۔'' راجہ جے پال کے ہوش و حواس گم ہوتے جا رہے تھے۔ اُسے ایسا لگ رہا تھا، جیسے آکاش سے کوئی اپسرا اس دھرتی پر اُتر آئی ہو۔

ارمغانہ کی تیز نظروں نے چند لمحوں میں اندازہ کر لیا تھا کہ راجہ جے پال اُس کی غلامی پر رضامند

ہو چکا ہے۔ ''سمراٹ! مجھے اس پر فخر ہے کہ میں آپ کی شریکِ حیات بن کر اپنی زندگی کا نیا سفر شروع کر رہی ہوں۔'' ارمغانہ کی عشوہ طرازیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ''مگر ایک خلش ہمیشہ بے چین رکھے گی کہ عوامی سطح پر مجھے یہ اعزاز حاصل نہیں ہو سکا۔''

''پریشان نہ ہو سمترا!'' یہ کہتے ہوئے راجہ جے پال کچھ اور جھک گیا تھا۔ ''میں اپنے رسم و رواج کی سرکشی اور سپہ سالار بلرام سنگھ کی دیوانگی سے مجبور ہوں۔'' برہمن حکمران، ارمغانہ کے حضور اس طرح معذرت پیش کر رہا تھا جیسے وہ اُس کا ادنیٰ خدمت گار ہو۔ ''پہلے میں غزنی پر فتح حاصل کر کے تیرے خوابوں میں رنگ بھر دوں، پھر تجھے اپنی رعایا کے سامنے مہارانی کا اعزاز بخشوں گا۔ اگر میں سبکتگین پر لشکر کشی سے پہلے اپنے اور تیرے رشتے کا اعلان کر دوں تو بڑے ہنگامے برپا ہو جائیں گے۔ ابھی مجھے بلرام سنگھ سے بہت کام لینا ہے۔ میں اپنے سپہ سالار کو خوب جانتا ہوں۔ اگر اسے اس تعلق کی ہوا بھی لگ گئی تو وہ غصے سے پاگل ہو جائے گا اور سیاسی طور پر ایک پاگل انسان جنگ کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ میں بہرحال غزنی کی جنگ جیتنا چاہتا ہوں اور فی الوقت یہ فتح، بلرام سنگھ کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں۔''

اگرچہ ارمغانہ کے حُسنِ سوزاں نے راجہ جے پال کے دل و دماغ کو جلا کر رکھ دیا تھا لیکن پھر بھی وہ پورے ہوش و حواس میں تھا اور بہت ہوشیاری کے ساتھ اپنی نئی بیوی کو بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''میں سمراٹ کی زبان سے ادا ہونے والے ہر لفظ پر اعتبار کرتی ہوں، مگر بلرام سنگھ کی موجودگی میرے لئے ایک ایسا مسئلہ بن گئی ہے کہ جس کا بظاہر کوئی حل نظر نہیں آتا۔'' ارمغانہ نے رک رک کر کہا۔ وہ حقیقتاً بلرام سنگھ سے بہت زیادہ خوف زدہ تھی۔ ''جب غزنی کی فتح کے بعد آپ اس نئے رشتے کا اعلان کریں گے تو کیا وہ خاموشی سے سب کچھ برداشت کر لے گا؟'' ارمغانہ نے اپنے اندیشوں کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

شراب کے اثر سے راجہ جے پال بہکنے لگا تھا۔ اس نے دھندلی آنکھوں سے ارمغانہ کی طرف دیکھا اور پھر لڑکھڑاتے ہوئے لہجے میں کہنے لگا۔ ''ان فضول باتوں سے اس رات کے حُسن کو برباد نہ کرو۔ بلرام سنگھ کون ہے؟'' جے پال کی زبان میں لکنت تھی مگر آواز سے غیظ و غضب کا اظہار ہو رہا تھا۔ ''وہ کچھ بھی نہیں۔ اور اگر کچھ ہے تو صرف میرا غلام ہے۔ ایک غلام کی حیثیت ہی کیا؟ آقا کی جنبشِ چشم پر جی اُٹھتا ہے اور آقا کی آنکھ کے اشارے پر مر جاتا ہے۔ میں بلرام سنگھ کی موت اور زندگی کا مالک ہوں، جب چاہوں اُس کی سانسوں کا شمار ختم کر دوں۔ غزنی کی فتح کے بعد میں اسے اپنے انعام و اکرام سے نوازوں گا اور صاف صاف کہہ دوں گا کہ وہ تم سے دست بردار ہو جائے۔ اگر اس نے اپنے ماتھے پر شکن لائے بغیر میری بات مان لی اور آگے بڑھ کر میرے قدم چھو لئے تو میں اسے اپنے لطف و کرم کے سائے میں امان دے دوں گا...... اور اگر اُس کے چہرے پر ناگواری کا ہلکا سا عکس بھی اُبھر آیا تو پھر میری آتشِ قہر، بلرام سنگھ کی چتا کی آگ بن جائے گی۔''

راجہ جے پال کی جذباتی گفتگو سن کر ارمغانہ مطمئن ہو گئی اور اس نے اندازہ کر لیا کہ برہمن حکمران اُس کی غلامی پر رضامند ہو چکا ہے۔ یہ ایک بڑی فتح تھی اور اس فتح کے بعد ارمغانہ کے دل سے بلرام سنگھ کا خوف بھی زائل ہو گیا تھا۔ اب وہ نئے انداز سے حکمرانی کے خواب دیکھ رہی تھی۔ ایسی حکمرانی کہ

جس کے حصول کے لئے انسان اپنا مذہب، ضمیر، دل اور جسم، غرض سب کچھ فروخت کر دیتا ہے۔

❀❀❀❀❀

کچھ دن کیف و نشاط کے جزیرے میں گزارنے کے بعد راجہ جے پال اپنے عشرت کدہ سے باہر آیا اور اس نے سپہ سالار بلرام سنگھ کو طلب کر کے نئے احکامات جاری کر دیئے۔

"اس سے پہلے کہ امیر سبکتگین کی چیونٹیوں کا لشکر ہماری مملکت کی طرف بڑھے۔ ہمیں اپنے کوہ پیکر ہاتھیوں کی فوج کو غزنی کے راستے میں کھڑا کر دینا چاہئے تا کہ یہ پُر ہول مناظر دیکھ کر شدتِ خوف سے مسلمان سپاہیوں کے دل ٹکڑے ہو جائیں اور ان کی آئندہ نسلوں کے لئے راجہ جے پال کا نام دہشت کی ایک زندہ علامت بن کر رہ جائے۔" برہمن حکمراں کے لہجے میں بڑا غرور تھا۔

اپنے فرمانروا کا حکم سن کر بلرام سنگھ احتراماً نصف قد تک جھکا اور پھر سیدھا ہو کر بولا۔ "بہترین جنگی حکمتِ عملی یہ ہے کہ ہم دشمن پر بے خبری کے عالم میں حملہ کر دیں۔ اس طرح حریف کو نفسیاتی شکست ہو جاتی ہے اور وہ خوف و دہشت میں مبتلا ہو کر ہمت ہار بیٹھتا ہے۔ اگر ہم نے سبکتگین کو ملتان کی طرف بڑھنے دیا تو اس کے حوصلے بلند ہو جائیں گے۔ اس لئے میری رائے میں یہی مناسب ہے کہ جنگ غزنی کی حدود میں لڑی جائے۔" اگرچہ بلرام سنگھ ایک جواں سال سپہ سالار تھا، لیکن فطری ذہانت و تدبر کے باعث وہ بہت تجربہ کار نظر آتا تھا اور جنگ کے فلسفے کو کسی بوڑھے فوجی سے زیادہ بہتر انداز میں سمجھتا تھا۔

"بلرام سنگھ! تمہیں میری طرف سے پوری آزادی اور اختیار حاصل ہے۔" راجہ جے پال نے پُر جوش لہجے میں کہا۔ "تم جس طرح چاہو، دشمن سے جنگ کرو مگر اس جنگ کا فیصلہ ہمارے حق میں ہوا چاہئے۔ تم سبکتگین کو میرے قدموں میں جھکا دو یا اسے غزنی کی حدود میں قید کر دو، میں دونوں صورتوں میں تم پر اپنے لطف و کرم کی بارش کر دوں گا۔"

"سمراٹ کی اس محبت کا ہزار بار شکریہ۔ مگر بلرام سنگھ کسی انعام کی لالچ میں جنگ نہیں کرتا۔" بلرام سنگھ کا چہرہ جوشِ جذبات سے تمتمانے لگا تھا۔ "وہ تو ایک ایسا سپاہی ہے جو صرف اپنی "دھرتی اور دھرم" کی خاطر موت کے اس کاروبار میں حصہ لیتا ہے۔ ہار اور جیت کا اس کے یہاں کوئی تصور نہیں۔ ساری زندگی بھگوان سے ایک ہی پرارتھنا کی ہے کہ تمام زخم بلرام سنگھ کے سینے پر آئیں اور جب وہ دنیا سے رخصت ہو تو کوئی یہ نہ کہے کہ بلرام سنگھ کی پشت پر بھی کوئی گھاؤ موجود تھا۔" بلرام سنگھ سچ بول رہا تھا۔ وہ حقیقتاً اسی انداز کا سپاہی تھا مگر اس بار اس کے جنگی جنون میں ارمغانہ کی محبت بھی شامل ہو گئی تھی اور وہ دل کے تقاضوں سے مجبور ہو کر غزنی پر یلغار کرنا چاہتا تھا تا کہ اپنے وعدے کے مطابق امیر سبکتگین اور محمود کے سر کاٹ کر ارمغانہ کی بارگاہِ جمال میں پیش کر سکے۔ راجہ جے پال اپنے سالار کا یہ جذبۂ سرفروشی دیکھ کر بہت مسرور و مطمئن تھا مگر اسے یہ خبر نہیں تھی کہ اس مرتبہ بلرام سنگھ صرف ایک عورت کی خاطر وحشیانہ جنگ کے منصوبے بنا رہا ہے۔ وہ عورت جو انتہائی فریب کارانہ انداز سے برہمن حکمران کی بیوی بن چکی ہے۔

"میں تمہارے بے غرض جذبات کی قدر کرتا ہوں بلرام سنگھ!" راجہ جے پال نے چرب زبانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ برہمن حکمران اپنے سپہ سالار کی جنگی صلاحیتوں سے بھرپور کام لینا چاہتا تھا۔ "لڑو...... اور اس انداز سے لڑو کہ سب کچھ فنا ہو جائے۔ مگر تاریخ میں برہمنوں اور راجپوتوں کی آبرو باقی رہ جائے۔"

"ایسا ہی ہو گا سمراٹ!" بلرام سنگھ نے اپنی شمشیر کے قبضے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "بہت دنوں سے دھرتی کی پیاس نہیں بجھی ہے، مگر اس بار دشمنوں کے خون سے ریگستان بھی جل تھل ہو جائیں گے۔"

راجہ جے پال مسکرایا اور بلرام سنگھ، راج محل کے ایک مخصوص کمرے سے نکل کر ایسے میدان کی طرف چلا گیا جہاں راجپوت سپاہی بہت تیزی کے ساتھ جمع ہو رہے تھے۔

❀❀❀❀❀

پھر ایک ماہ کی مکمل تیاری کے بعد راجہ جے پال اپنا کثیر لشکر لے کر غزنی پر یلغار کے ارادے سے آگے بڑھا۔ اس دوران امیر سبکتگین کے جاسوس بھی غافل نہیں بیٹھے تھے۔ وہ برق رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر غزنی کی حدود سے بہت دُور نکل گئے تھے اور دشمن کی سرگرمیوں پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے۔ جیسے ہی راجہ جے پال کا لشکر آگے بڑھا، سبکتگین کے جاسوسوں نے اپنے امیر کو یہ خبر پہنچا دی کہ دشمن کے ارادے خطرناک ہیں۔ یہ اطلاع پاتے ہی امیر سبکتگین نے غزنی کے وسیع و عریض میدان میں اپنے سپاہیوں کو جمع کیا اور ایک طویل تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"اے میرے جانباز ساتھیو! میں تمہیں جس دن کی خبر دیا کرتا تھا، آخر وہ دن آ پہنچا۔ میں جانتا تھا کہ ہندوستان کے بت پرست ان لوگوں کو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتے جو ایک خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور جنہیں دنیا میں اسی لئے بھیجا گیا ہے کہ وہ اللہ کی زمین سے بت پرستی اور ظلم کی ناپاک رسموں کو مٹا دیں اور ایک ایک گوشے میں عدل و انصاف قائم کریں۔ یہ صرف عقائد اور نظریات کی جنگ ہے۔ وہ ہمارے وجود کو تسلیم نہیں کرتے، اس لئے ہم بھی اُن کی ذات کی نفی کرتے ہیں۔ اور ہم تو پہلے ہی اللہ کے سوا ہر طاقت کی نفی کر چکے ہیں۔ پھر یہ راجہ جے پال کون ہے؟ اور اس کی طاقت کی کیا حیثیت ہے؟ اگر سارا ہندوستان بھی غزنی پر اُمڈ آئے تو ہم خوف و ہراس میں مبتلا نہیں ہو سکتے۔ ہماری زندگی، اللہ کی ایک امانت ہے اور وہ جب ہم سے اپنی امانت طلب کرے گا تو ہم رضا و رغبت کے ساتھ اسے اس کی امانت لوٹا دیں گے۔ میری گناہگار آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ امانتیں واپس کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ تم بھی اس اشارۂ غیبی کو سمجھو اور اپنے دلوں کو فانی دنیا کی محبتوں سے خالی کر دو۔ یاد رکھو! دنیا کی محبت ہی انسان کو بزدل بناتی ہے اور پھر یہ بزدلی ذلت و رسوائی کی موت سے ہمکنار کرتی ہے یا غلامی کی زنجیریں پہنا دیتی ہے۔ تم اوّل و آخر مسلمان ہو، اس لئے ذلت و رسوائی کی موت بھی قبول نہیں کرو گے اور غلامی کی زنجیریں بھی نہیں پہنو گے۔ یہ دونوں چیزیں تمہارے لئے باعثِ شرم ہیں۔"

جواب میں تمام سپاہیوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور نہایت پُر جوش لہجے میں کہا۔ "امیر! ہم نے اپنے گھروں کی طرف پشت کر لی ہے اور دلوں سے بیوی بچوں کی محبت نکال پھینکی ہے۔ اب ہمیں اس کے سوا کچھ نظر نہیں آتا کہ دشمن ہمارے سامنے ہے اور ہم اپنی مملکت کی بقاء کی آخری جنگ لڑ رہے ہیں۔ بس ہمیں یلغار کا حکم دیجئے، پھر آپ خود دیکھ لیں گے کہ ہم کس طرح اپنا عہد نبھاتے ہیں۔"

اپنے سپاہیوں کی سرفروشی کا یہ جذبہ دیکھ کر امیر سبکتگین کے ہونٹوں پر خفیف سا تبسم اُبھر آیا اور پھر فوراً ہی اسے اپنی آنکھوں میں نمی کا احساس ہونے لگا۔ "اگر تم اپنے عہد نبھاؤ گے تو اللہ تم سے راضی ہو جائے گا۔" سبکتگین ایک بار پھر اپنے سپاہیوں سے مخاطب تھا۔ "اور اللہ کی رضا ہی سب کچھ ہے۔ اس کی رضا کے بعد تمہارے لئے دونوں جہاں میں امان ہے، عافیت ہے، عزت و آبرو ہے اور نجات ہے۔"

اپنی تقریر ختم کر کے سبکتگین نے سپاہیوں کو اُن کے خیموں میں جانے کا حکم دیا۔ پھر ایک مختصر سا لشکر غزنی کی حفاظت پر مامور کر کے حماد بن ساریہ کو اس کا نگراں بنا دیا۔

حماد بن ساریہ اس جنگی مہم میں شریک ہونے کے لئے بہت زیادہ بے قرار نظر آ رہے تھے۔ "امیر محترم! آخر آپ مجھے اس سعادت سے کیوں محروم رکھنا چاہتے ہیں؟" ابنِ ساریہ کے لہجے سے شدید کرب نمایاں تھا۔ "میں اسی دن کے انتظار میں تو زندہ ہوں امیرِ ذیشان! اب جان دینے کا موسم آیا تو مجھے زنجیریں پہنا کر گھر میں بٹھا دیا گیا۔ یہ قانون کی کیسی رسم ہے اور میرے امیر کا کیسا انصاف ہے؟" حماد بن ساریہ کی آنکھوں میں آنسو جھلکنے لگے تھے۔

"میں آپ کی خلشِ دل اور جذبوں کی تڑپ کو بہت شدت سے محسوس کر رہا ہوں ابنِ ساریہ!" امیر سبکتگین نے انتہائی پُرسوز لہجے میں کہا۔ "مگر میری مجبوری یہ ہے کہ میں غزنی کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔ میرے لئے یہ کام بہت آسان تھا کہ مملکت کے کسی امیر کو اپنا قائم مقام بنا کر میدانِ جنگ کی طرف چلا جاتا لیکن وہ نامزد کردہ امیر نہ آپ کی طرح مخلص ہو سکتا ہے اور نہ زمانۂ جنگ کے تقاضوں سے باخبر۔ مجبوراً میں نے غزنی کو آپ کے حوالے کر دیا ہے اور جہاں تک شریکِ جہاد ہونے کا تعلق ہے تو آپ دارالحکومت میں رہتے ہوئے بھی میرے شانہ بشانہ لڑتے رہیں گے۔" شدتِ جذبات سے امیر سبکتگین کی آواز لرزنے لگی تھی۔ اُس نے مضطرب ہو کر حماد بن ساریہ کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ "اگر آپ اس طرح بھی مطمئن نہیں تو پھر میں اپنے اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ میرے جہاد کا ثواب، ابنِ ساریہ کے اعمال نامے میں تحریر کر دے۔"

سبکتگین کے جذبوں کی یہ سچائی اور سادگی دیکھ کر حماد بن ساریہ رونے لگے۔ "امیر! اللہ آپ کو جزائے خیر دے اور میری ساری نیکیاں بھی آپ کے حساب میں رقم کر دے۔ میں کیا اور میرا شوقِ جہاد کیا؟ بس ایک خواب سا ہے جو یہ گناہگار آنکھیں تسلسل دیکھتی رہتی ہیں، اگر میرا یہ خواب بکھر بھی گیا تو کیا غم ہے کہ دوسرے اہلِ ایمان تو اپنے خوابوں کی تعبیر حاصل کر لیں گے۔ شاید اللہ ان تعبیروں کے صدقے میں میرے خواب کو بھی برباد ہونے سے بچا لے۔"

✻✻✻✻✻

پوری مملکت میں ایک شور سا برپا تھا۔ غزنی کے تمام باشندوں تک یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ مسلمان کو ایک خوفناک جنگ کا سامنا ہے اور راجہ جے پال کی یورش کو روکنے کے لئے امیر سبکتگین کے ساتھ ولی عہدِ سلطنت محمود بھی ملتان کی طرف روانہ ہو رہا ہے۔ اس خبر سے غزنی کے رہنے والوں میں ہلکی سی بے چینی ضرور تھی مگر کسی کے اعصاب پر خوف و ہراس طاری نہیں تھا۔ انتہا یہ ہے کہ مسلمان خواتین بھی اس جنگ کے سلسلے میں بہت زیادہ پُرجوش نظر آ رہی تھیں۔ تمام شادی شدہ عورتیں اپنے شوہروں کو، تمام مائیں اپنے بیٹوں کو اور تمام بہنیں اپنے بھائیوں کو یہ کہہ کر ہمت دلا رہی تھیں۔

"تم یہ سمجھ کر غزنی سے رخصت ہو کہ ہم لوگ اس دنیا میں موجود نہیں ہیں۔ اگر تم نے پیچھے مڑ کر اپنے گھروں کی طرف دیکھا تو دشمنوں کے دیئے ہوئے زخم تمہاری پشت پر اُبھریں گے اور یہ بڑی شرمناک بات ہوگی۔ اور اگر تمہارے سینوں میں ہماری یادوں کی لہریں اُٹھیں تو بڑھتے ہوئے قدم رک جائیں گے اور اس طرح تم فتح سے ہمکنار نہ ہو سکو گے اور یہ بھی انسانی زندگی کا بڑا ذلت آمیز رخ ہوگا کہ ایک غیرت

مند اور شجاع قوم اپنی عورتوں کی محبت کے سبب فتح کے قریب پہنچ کر ناکام و نامراد لوٹ آئی۔ اور اگر تمہیں تمہارے بچے یاد آئیں تو دست و بازو کی طاقت کمزور پڑ جائے گی اور کمزور ہاتھ، دشمنوں کی گردنیں کاٹنے سے عاجز رہ جائیں گے اور تمہارا یہ عمل بڑا تباہ کن ہوگا کہ اس کے بعد شکست و غلامی کے سوا کوئی تیسرا راستہ باقی نہیں رہ جاتا۔ خوب یاد رکھو کہ ہمیں ہمارے اللہ نے آزاد پیدا کیا ہے۔ ہم کسی بت پرست کی غلامی پر رضامند نہیں ہو سکتے۔ اس لئے تم اپنی زمین، اولاد و مال اور تمام رشتوں کو نظرانداز کر کے دشمن سے لڑو اور اپنے ذہنوں سے ان وسوسوں کو نکال پھینکو کہ تمہارے بعد ہمارا کیا ہوگا؟ اگر کوئی تم سے یہ کہے کہ تمہارے گھروں سے دھواں اُٹھ رہا ہے...... اور تمہاری عورتوں کو اسیری کی حالت میں شاہراہوں پر کھینچا جا رہا ہے...... اور دشمنوں کے نیزے تمہارے بچوں کے سینوں کے پار ہو گئے ہیں...... اور تمہارے تمام پیر و جواں حریف شمشیروں کی خوراک بن گئے ہیں، تب بھی تم اپنی سماعتوں کو متاثر نہ ہونے دینا کہ قوموں پر کبھی کبھی ایسا وقت بھی آ جاتا ہے۔"

خود نگار خانم نے بھی چند پڑھی لکھی خواتین کے ساتھ گھر گھر جا کر اس قسم کی اثر انگیز تقریریں کیں جنہیں سن کر غزنی کے سپاہی پہلی بار ایک نئے حوصلے اور ایک نئے ولولے سے آشنا ہوئے تھے۔ نگار خانم نے سبکتگین سے یہ درخواست بھی کی تھی کہ وہ اس جنگ میں اسے بھی اپنے ہمراہ لے چلیں۔

"آخر کیوں؟" سبکتگین نے کسی قدر ناگوار لہجے میں پوچھا۔ ابھی تک نگار خانم کی طرف سے اس کا دل صاف نہیں ہوا تھا۔

"تاکہ ہم اپنے زخمیوں کی تیمارداری کر سکیں۔" نگار خانم نے بڑی سچائی سے اپنے دل کی بات کہہ دی تھی۔ زخمی سپاہیوں کی دیکھ بھال کے علاوہ شریکِ جنگ ہونے میں نگار خانم کا یہ جذبہ بھی شامل تھا کہ اس طرح محمود اس کی نظروں کے سامنے رہے گا۔ اگرچہ سبکتگین کی جابرانہ پابندیوں کے سبب نگار خانم کی محبت راکھ کا ایک ڈھیر بن چکی تھی۔ لیکن اس راکھ کے نیچے اب بھی جذبوں کا ایک آتش فشاں موجود تھا۔ پھر جب اسے یہ خبر ملی کہ راجہ جے پال کے ساتھ اس خوفناک جنگ میں محمود بھی شریک ہو رہا ہے تو وہ بے قرار ہو گئی اور امیر سبکتگین کے حضور ایک ایسی درخواست لے کر چلی آئی جس کے منظور ہو جانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اور پھر ایسا ہی ہوا۔ امیرِ غزنی نے بڑے جارحانہ انداز میں نگار خانم کی درخواست کو مسترد کرتے ہوئے کہا۔

"ہم اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ فی الوقت غزنی کی خواتین پر یہی لازم ہے کہ وہ اپنے گھروں میں سکون سے بیٹھی رہیں۔"

امیر سبکتگین، نگار خانم کی روشن خیالی اور ذہانت کا معترف تھا لیکن اسد شیرازی کی عیاریوں نے اسے اس حد تک بدگمان کر دیا تھا کہ وہ کسی بھی قسم کا خطرہ مول لینے کے لئے آمادہ نہیں تھا۔ امیر کا خیال تھا کہ جب نگار خانم محاذِ جنگ پر جائے گی تو ولی عہد سلطنت سے بھی اس کا سامنا ہوگا اور پھر ممکن ہے کہ سویا ہوا فتنہ دوبارہ جاگ جائے۔ اس لئے سبکتگین دونوں کی ملاقات کے ہر امکان کو ختم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

نگار خانم تھکے ہوئے قدموں سے گھر لوٹ آئی۔ پھر جب حسبِ معمول رات کے وقت نظام شاہ اس سے ملنے آئے تو وہ بہت اُداس نظر آ رہی تھی۔ نظام شاہ نے اس افسردگی کا سبب پوچھا تو وہ بچوں کی طرح ان سے لپٹ کر رونے لگی۔

"بابا! آپ جانتے ہیں کہ محمود ایک خوفناک جنگ لڑنے جا رہا ہے۔"

"ہاں! مجھے خبر ہے۔" نظام شاہ نے عام سے لہجے میں کہا۔ "مگر بیٹی! تجھے اس خبر پر حیرت کیوں ہے؟ جب وہ ایک سپاہی ہے تو پھر جنگ ہی اس کا پیشہ ہے۔"

"نہیں بابا!" نگار خانم نے بے قرار ہو کر کہا۔ "یہ کوئی عام سی جنگ نہیں ہے۔ وہ آزمائش کی سخت ترین منزل کی طرف جا رہا ہے۔"

"ابھی تم نے آزمائش کی منزلیں کہاں دیکھی ہیں میری معصوم بیٹی!" نظام شاہ کے لہجے میں وہی بے مثال شفقت تھی۔ "ابھی تو آزمائش کے بڑے بڑے سنگین مقام آئیں گے۔ محمود کو ان سب سے گزرنا ہوگا۔ مگر تم کیا چاہتی ہو؟" یہ کہتے ہوئے نظام شاہ نے نگار خانم کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

ایک بے سہارا لڑکی پر محبت سایہ فگن ہوئی تو نگار خانم کے آنسو کچھ اور تیز ہو گئے۔ "میں یہی چاہتی ہوں بابا! کہ وہ آزمائش کی ہر منزل سے سلامتی کے ساتھ گزر جائے۔" آخر نگار خانم کی خواہش اس کے ہونٹوں تک آ گئی تھی اور اس نے اس طرح نظام شاہ کے زانو پر سر رکھ دیا تھا جیسے کوئی معصوم بچی اپنے باپ کے سامنے بے اختیار مچل گئی ہو۔ "میں یہ بھی چاہتی ہوں بابا! کہ وہ زندگی کے ہر معرکے میں کامیاب و کامران ہو۔ اور یہ بھی چاہتی ہوں کہ اس کے جسم پر ہلکی سی خراش تک نہ آئے...... اور یہ بھی چاہتی ہوں کہ میں اس کے سامنے دنیا سے گزر جاؤں۔" نگار خانم کی خواہش بظاہر بہت مختصر تھی مگر اس میں جذبوں اور تمناؤں کے بڑے دفتر پوشیدہ تھے۔

نظام شاہ حیرت سے اس لڑکی کی طرف دیکھنے لگے، جس کی عمر بمشکل سولہ سترہ سال تھی مگر اس کے ایثار و قربانی نے کئی صدیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

جب کچھ دیر تک نظام شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا تو نگار خانم مضطرب ہو کر دوبارہ بول اُٹھی۔ "بابا! اگر میری خواہش بے جا ہے تو اللہ سے دعا کریں کہ وہ محمود کے حصے کے تمام آفات و مصائب مجھ پر نازل کر دے۔"

"کیسی عجیب لڑکی ہے؟ اپنے لئے کچھ بھی نہیں مانگتی۔ محل چھوڑ کر جھونپڑی میں چلی آئی۔ دولت کے انبار لگا دیئے تو انہیں بے نیازی سے ٹھکرا دیا۔ اور اب زندگی کا سوال ہے تو اسے بھی ٹھکرا رہی ہے۔" نظام شاہ نے انتہائی پُرسوز لہجے میں کہا۔ اگر نگار خانم روبرو بیٹھی ہوتی تو یہ منظر بھی دیکھ لیتی کہ اس کی عرضِ تمنا پر خود نظام شاہ کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے بھر گئی ہیں۔

"بابا! اس کے بعد کچھ نہیں مانگوں گی۔" نگار خانم کے لہجے کی رقت کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

نظام شاہ بہت دیر تک خاموش بیٹھے نگار خانم کے سر پر ہاتھ پھیرتے رہے اور نگار خانم کی سسکیاں مسلسل بڑھتی رہیں۔ پھر اچانک اس نے گھبرا کر سر اٹھایا اور نظام شاہ کے چہرے کی طرف دیکھا۔ غزنی کے درویش کا چہرہ بھی دھواں ہو کر رہ گیا تھا۔ ایسا لگتا تھا، جیسے نظام شاہ بھی کسی اندرونی کرب سے دوچار ہیں۔

"آپ بولتے کیوں نہیں بابا؟" شدتِ جذبات کے سبب نگار خانم کو اپنے لہجے پر قابو نہیں رہا تھا اور اس کی آواز معمول سے زیادہ بلند ہو گئی تھی۔ "کیا میں نے آپ سے کسی غلط چیز کا مطالبہ کر دیا؟" نگار خانم نے اس طرح کہا جیسے وہ احساسِ جرم میں مبتلا ہو گئی ہو۔

"نہیں، تم سے کوئی غلطی نہیں ہوئی ہے۔" آخر طویل سکوت کے بعد نظام شاہ لب کشا ہوئے۔

"میری بیٹی کی طرح کوئی اور کیا مانگے گا؟"

"تو پھر آپ دعا کے لئے ہاتھ کیوں نہیں اٹھا دیتے؟" نگار خانم نے کسی ضدی بچے کی طرح کیا۔

"میں کیا، میری دعائیں کیا اور میرے پھیلے ہوئے ہاتھ کیا؟" نظام شاہ نے انتہائی رقت آمیز لہجے میں کہا۔ "پھر بھی میں تیرے لئے دعا کروں گا۔ اگر میری کسی دعا کا اثر اس دنیا میں ظاہر نہ ہو تو نظام شاہ کو معاف کر دینا۔ وہ بھی عام لوگوں کی طرح ایک گنہگار انسان ہے۔" یہ کہہ کر نظام شاہ کچھ دیر تک نگار خانم کو تسلیاں دیتے رہے اور پھر اپنے روزانہ کے معمولات کے مطابق رات کے اندھیرے میں مزدوری کرنے کے لئے چلے گئے۔

*****

محاذِ جنگ کی طرف روانہ ہونے سے پہلے امیر سبکتگین، نظام شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

"شیخ! میں تو ہمیشہ آپ کی دعاؤں کا طلب گار رہا ہوں۔ مگر آج مجھے ان دعاؤں کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ امید ہے کہ آپ مجھے مایوس نہیں فرمائیں گے۔"

جواب میں نظام شاہ مسکرائے۔ "ایک اسلامی مملکت کے امیر کو یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔ والیٔ غزنی کو معلوم ہونا چاہئے کہ ایک عادل و منصف حکمراں کی دعائیں کسی درویش کی دعاؤں سے زیادہ اثر رکھتی ہیں۔"

"ہو سکتا ہے۔ میں شیخ کی باتوں سے انحراف کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔" امیر سبکتگین بہت زیادہ بے قرار نظر آ رہا تھا۔ "کسی عادل و منصف فرمانروا کی دعاؤں میں یقیناً تاثیر ہو گی، مگر میں تو آپ کی دعاؤں کا محتاج ہوں۔"

امیرِ غزنی کی یہ عقیدت اور نیاز مندی دیکھ کر نظام شاہ کے چہرے پر ایک عجیب سا رنگ اُبھر آیا۔ "امیر! اللہ تمہیں تمہارے اس حُسنِ ظن کی جزا دے کہ جاہ و حشم کے مالک ہوتے ہوئے بھی ایک فقیرِ بے سروساماں کا اتنا خیال رکھتے ہو۔ تم تو میرے پیر و مرشد کی دعاؤں کے زیرِ سایہ ہو۔ پھر میری دعاؤں کی کیا حیثیت ہے؟"

امیر سبکتگین، نظام شاہ کے سامنے دو زانو بیٹھا تھا۔ مضطرب ہو کر اُس نے نظام شاہ کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے۔ "شیخ! میں نے اپنے دورِ غلامی میں سیّد امیر علی شاہ کو صرف ایک مرتبہ دیکھا ہے۔ مگر پھر آزادی میں ان کی نشانی کو بار بار دیکھتا ہوں۔ آپ سیّد ہی کا ایک حوالہ ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت سیّد ہی میرے رہبر ہیں۔"

پیر و مرشد کا ذکر سن کر نظام شاہ کے جسم پر شدید لرزہ طاری ہو گیا۔ پھر کچھ دیر بعد حالت ذرا سنبھلی تو کانپتے ہوئے لہجے میں کہنے لگے۔ "ہرگز نہیں امیر! ہرگز نہیں۔ کہاں وہ سیّد عالی نسب اور کہاں یہ حقیر ترین نظام شاہ؟ خاک کو آسماں سے کیا نسبت؟"

"پھر سیّد ہی کے واسطے سے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دیں۔" امیر سبکتگین نے انتہائی جذباتی لہجے میں کہا۔

"تمہارے لئے دن رات دعائیں ہی تو کرتا رہتا ہوں۔ اور مجھے دنیا میں کیا کام ہے؟" نظام شاہ نے امیر سبکتگین کے ہاتھوں پر اپنا دایاں ہاتھ رکھ دیا تھا اور اس کی گرفت مضبوط کر دی تھی۔ "اللہ کے

بھروسے پر بے خوف ہو کر دشمنوں سے جنگ کرو۔ مجھ بندۂ عاجز کے ہاتھ بھی اس وقت تک دعا کے لئے اُٹھے رہیں گے، جب تک بت پرستوں کی گردنیں تمہارے سامنے جھک نہیں جائیں گی۔ مگر یاد رکھنا کہ جب کوئی کمزور شخص یا عورتیں یا بوڑھے یا بچے تم سے امان مانگیں تو ان کے سروں پر اپنے سایۂ کرم کو دراز کر دینا...... اور جب تم دشمنوں پر مکمل غلبہ حاصل کر لو تو عام رعایا کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آنا تاکہ منکرینِ خدا بھی ایک مسلمان فاتح کا روشن و تابناک چہرہ دیکھ لیں اور اس راز کو سمجھ لیں کہ اللہ کے سپاہی اپنے نفس کی خاطر جنگ نہیں کرتے۔"

امیر سبکتگین، نظام شاہ کی بارگاہِ جلال سے اس طرح اُٹھا کہ اُس کا سر جھکا ہوا تھا مگر آنکھوں میں عزم، حوصلے اور جوش کا ایک سمندر موجزن تھا۔

❀❀❀❀❀

دوسرے دن غزنی کے لشکر کو محاذِ جنگ کی طرف روانہ ہونا تھا مگر روانگی سے پہلے ولی عہدِ سلطنت محمود نظام شاہ سے ملاقات کرنے کے لئے مسجد پہنچا۔ نظام شاہ نے اس بار بھی بڑے والہانہ انداز میں کھڑے ہو کر محمود کا استقبال کیا۔ بعض اراکینِ حکومت جو محمود کے ہمراہ تھے، انہوں نے اس منظر کو بڑی حیرت سے دیکھا اور یہ بات صاف طور پر محسوس کر لی کہ نظام شاہ، امیر سبکتگین کے احترام میں بھی کبھی کھڑے نہیں ہوتے، مگر محمود کو دیکھ کر نہ صرف نظام شاہ کے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے بلکہ وہ اپنی جگہ پر ایستادہ بھی ہو جاتے ہیں۔ اس بار بھی نظام شاہ نے یہی کیا تھا۔ پہلے محمود کو گلے لگایا اور پھر کئی بار اُس کی پیشانی کو بوسے دیئے۔

"شیخ! آپ کا یہ غلام کچھ دیر بعد اپنی زندگی کے پہلے معرکے میں شرکت کرنے کے لئے ایک طویل اور دُشوار سفر پر روانہ ہو جائے گا۔ آپ ہم سب کے حق میں دعا فرمائیں کہ اللہ اپنے نام لیواؤں کی مشکلیں آسان کر دے۔" محمود کا لہجہ مجاہدانہ تھا، مگر گردن جھکی ہوئی تھی۔

"غلام نہیں، میرا بت شکن۔" نظام شاہ نے اپنے مخصوص دلنواز تبسم کے ساتھ کہا۔ "تم ایک سفر کی بات کرتے ہو، تمہاری تو ساری زندگی ہی سفر میں گزرے گی اور ہر سفر تمہارے لئے نئی راحت کا پیغام لے کر آئے گا۔ تم ہر قدم پر اللہ کی نصرت کو چمکتے ہوئے سورج کی طرح دیکھو گے اور تائید غیبی کی یہ روشنی تمہیں شکست و ناکامی کے اندھیروں میں غرق نہیں ہونے دے گی۔" یہ کہہ کر نظام شاہ نے محمود کے سر پر کئی بار ہاتھ پھیرا۔

پھر ولی عہدِ سلطنت نے رخصت کی اجازت چاہی تو نظام شاہ نے فرمایا۔ "ہم خود اپنے بت شکن کو محاذِ جنگ کی طرف روانہ کریں گے۔"

اس کے بعد نظام شاہ مسجد سے باہر نکل آئے اور محمود کے ساتھ اُس کے گھوڑے پر سوار ہو کر غزنی کی سرحد تک پہنچے۔ غزنی کے تمام اُمراء اور اکثر باشندے اپنے مجاہدین کو رخصت کرنے کے لئے جمع ہوئے تھے۔ سبکتگین کو ولی عہدِ سلطنت کا انتظار تھا۔ پھر جب محمود کا گھوڑا اس طرح نمودار ہوا کہ نظام شاہ بھی اس پر سوار تھے تو سبکتگین شدید حیرت میں ڈوب گیا۔

نظام شاہ گھوڑے سے نیچے اُترے۔ محمود بھی احتراماً زمین پر آنا چاہتا تھا مگر نظام شاہ نے با آوازِ بلند کہا۔ "تم گھوڑے کی پشت پر بیٹھے رہو کہ ایک مجاہد کا یہی مقام ہے۔"

تمام لوگ حیرت زدہ تھے۔ پھر دیکھنے والوں نے ایک اور حیرت ناک منظر دیکھا۔ نظام شاہ نے محمود کے گھوڑے کی لگام پکڑی اور کچھ دُور تک آگے بڑھتے رہے۔ محمود بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا اور سبکتگین فرطِ حیرت سے دم بخود ہو کر رہ گیا تھا۔ کسی میں تابِ گویائی نہ تھی کہ نظام شاہ کے سامنے زبان کھولتا۔ تمام شہسوار اپنے اپنے گھوڑوں سے نیچے اُتر آئے تھے۔ بس ایک محمود تھا جو نظام شاہ کے حکم کے زیرِ اثر گھوڑے پر سوار تھا۔ مگر اس طرح کہ وہ بار بار پہلو بدل رہا تھا۔

کچھ دُور چل کر نظام شاہ رک گئے۔ پھر با آواز بلند دعا فرمائی۔ "اے بے پناہ رحم والے! اپنی راہ کے ان ناتواں مسافروں کو استقامت بخش دینا کہ تیرے کرم کے بغیر یہ خس و خاشاک سے بھی زیادہ حقیر ہیں۔"

پھر سبکتگین سے مخاطب ہو کر کہا۔ "امیر! اللہ کا نام لو اور آگے قدم بڑھاؤ۔"

نظام شاہ اس وقت تک مجاہدین کی قطاروں کو کھڑے دیکھتے رہے جب تک ایک ایک سپاہی نظروں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔

امیر سبکتگین کا لشکر برق رفتاری کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ سپہ سالار بلرام سنگھ کے اس منصوبے کو ناکام بنانا چاہتا تھا کہ راجہ جے پال کی فوج اپنی مملکت کی حدود سے نکل کر غزنی کے قرب و جوار میں داخل ہو جائے۔ بالآخر بلرام سنگھ کی جنگی حکمتِ عملی ناکام ہو گئی اور امیر سبکتگین کا لشکر ملتان کے قریب پہنچ گیا۔ بلرام سنگھ کو سبکتگین کی منصوبہ بندی پر حیرت تھی۔ اسے دل ہی دل میں یہ بات تسلیم کرنا پڑی کہ امیرِ غزنی ایک بہت باخبر انسان ہے۔ وہ اپنے دشمن کو اس کی مرضی کے بغیر جنگ کرنے کی مہلت نہیں دیتا۔

"یہ بہت اچھا ہوا بلرام سنگھ! کہ سبکتگین خود چل کر موت کے قریب پہنچ گیا ہے۔" راجہ جے پال نے انتہائی مغرور لہجے میں اپنے سپہ سالار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "دیوتا اسے ذلت و ناکامی کے نرک (دوزخ) تک لے آئے ہیں۔ اب سبکتگین کا ایک سپاہی بھی زندہ بچ کر نہیں جا سکتا۔"

"سمراٹ! ایسا ہی ہو گا۔" بلرام سنگھ نے مختصر جواب دے کر جے پال کو ٹالنے کی کوشش کی اور اپنی فوجوں کو ترتیب دینے لگا۔

پھر کچھ دیر بعد ملتان کی سرحدوں پر ایک خوفناک جنگ شروع ہو گئی۔ اس وقت محمود کی عمر سولہ سترہ سال ہو گی۔ کم سنی کے باوجود امیر سبکتگین نے اس پر ایک بڑی ذمہ داری عائد کر دی تھی۔ اگرچہ درپردہ سبکتگین تمام جنگی امور کی نگرانی کر رہا تھا لیکن ظاہری اعتبار سے محمود ہی اسلامی لشکر کا سالار تھا۔ سبکتگین کی خواہش تھی کہ محمود اپنے دماغ سے فیصلے کرے اور آزادانہ طور پر راجہ جے پال سے جنگ لڑے۔ پھر اگر اس سے کوئی لغزش ہو جائے تو سبکتگین مناسب ہدایات دے کر اس کی اصلاح کر دے۔ دراصل یہ اس بچے کا امتحان تھا، جسے کچھ دن تک چھوٹے دریاؤں میں تیراکی کی تربیت دے کر سمندر میں اُتار دیا گیا تھا۔

محمود بڑی بے جگری سے لڑا۔ کئی بار اس نے بلرام سنگھ کے لشکر کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔ تقریباً آٹھ روز تک مسلسل قسمت آزمائی ہوتی رہی مگر ابھی تک جنگ کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکا تھا۔ اس دوران ایک بار یوں بھی ہوا کہ راجپوت سپاہی آگے بڑھتے چلے گئے اور بلرام سنگھ کو اپنی فتح قریب تر نظر آنے لگی۔ مگر محمود نے اپنے فوجیوں کو ان کے عہد یاد دلائے اور پھر یہ پسپائی کی طرف جاتا ہوا لشکر اچانک پلٹ پڑا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے مجاہدینِ اسلام ایک کوہِ گراں بن گئے۔ یہاں تک کہ بلرام سنگھ کے

سپاہیوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔

پھر اسی رات ارمغانہ، راجہ جے پال کی اجازت لے کر سپہ سالار بلرام سنگھ سے ملی۔

"تم اس وقت یہاں کیوں آئی ہو؟" بلرام سنگھ نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔ ارمغانہ نے اپنی مرضی سے انتہائی شوخ اور چمکیلا لباس پہنا تھا۔

"مہاراج! یہ محاذِ جنگ ہے اور اس سنگین فضا میں میرے جسم پر یہ لباس زیب نہیں دیتا۔" ارمغانہ نے اپنے مصنوعی جذبوں کی نمائش کرتے ہوئے کہا۔

"جنگ اپنی جگہ ہے اور تمہارا حُسن اپنی جگہ۔" راجہ جے پال نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "ہم ایک حقیقت پسند حکمراں ہیں، میدانِ جنگ میں دشمنوں کے سر کاٹتے ہیں اور خلوت میں اپنا سر اپنے محبوب پر رکھ دیتے ہیں۔" اپنی اس حُسن پرستی کے جذبے سے مجبور ہو کر راجہ جے پال، ارمغانہ کو بھی جنگ پر لے کر آیا تھا اور اسے حکم دیا تھا کہ وہ ہر وقت بہترین ملبوسات سے آراستہ رہے۔

جب بلرام سنگھ نے ارمغانہ کی آرائش کے نئے انداز دیکھے تو اس کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور اس لڑکھڑاتی ہوئی زبان میں کہا۔ "تمہیں اس وقت یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔"

"کیوں؟" ارمغانہ نے ایک خاص ادائے دلنوازی کے ساتھ کہا۔

"جب میں اپنے دشمن کے مقابل ہوتا ہوں تو کسی عورت کے وجود کو برداشت نہیں کرتا۔" بلرام سنگھ کے لہجے سے کسی قدر ناگواری کا اظہار ہو رہا تھا۔ "ایک مرد ایک وقت میں ایک ہی محاذ پر جنگ کر سکتا ہے۔ میں دشمن سے لڑوں یا اپنے نفس کے خلاف جنگ کروں؟"

"میں تمہیں تمہارا عہد یاد دلانے آئی ہوں بلرام سنگھ!" ارمغانہ کے ہونٹوں پر بڑی توبہ شکن مسکراہٹ تھی۔

"مجھے سب یاد ہے۔" بلرام سنگھ نے بیزاری سے کہا۔

"پھر اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے؟" ارمغانہ بڑی عیاری سے راجپوت سپہ سالار کے جذبات کو بھڑکا رہی تھی۔ "سبکتگین اور اس کا بیٹا خود چل کر یہاں تک پہنچے ہیں اور انہوں نے اپنی گردنیں تمہاری شمشیر پر رکھ دی ہیں۔ اب تمہیں کس بات کا انتظار ہے؟ تم ان کے سر کاٹ کر میرے قدموں میں کیوں نہیں رکھ دیتے؟"

"یہ میدانِ جنگ ہے ارمغانہ!" بلرام سنگھ بری طرح جھنجلا گیا تھا۔ "کیف و نشاط کی کوئی رنگین محفل نہیں کہ ایک رقاصہ کو جس طرح چاہا، ناچنے پر مجبور کر دیا۔"

"کچھ بھی ہو بلرام سنگھ! میں جا رہی ہوں۔" ارمغانہ نے بڑے غرور سے اپنی خوب صورت آنکھوں کو گردش دیتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں بس ایک رات کی مہلت دیتی ہوں۔ اگر کل تک تم نے سبکتگین کی فوجوں پر غلبہ حاصل نہیں کیا تو پھر میرے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں۔" یہ کہہ کر ارمغانہ راجپوت سپہ سالار کے خیمے سے نکل گئی۔

بلرام سنگھ رات بھر ایک عجیب سی آگ میں سلگتا رہا۔

✻✻✻✻✻

پھر دوسرے دن بلرام سنگھ اپنے معتبر سپاہیوں کا ایک دستہ لے کر میدانِ جنگ میں داخل ہوا۔

دیوانہ وار جنگ کرتا ہوا اس مقام تک پہنچ گیا جہاں محمود گھوڑے کی پشت پر بیٹھا اپنے لشکر کو دشمن سے لڑا رہا تھا۔ اس کشمکش میں بلرام سنگھ کے تمام ساتھی زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے تھے یا پھر ہلاک ہو چکے تھے۔ اب راجپوت سپہ سالار تنہا تھا اور ہر طرف سے حریف سپاہیوں کے درمیان گھر چکا تھا۔

جب محمود تک پہنچنے کا کوئی راستہ باقی نہیں رہا تو بلرام سنگھ نے چیخ کر کہا۔ "میں راجہ جے پال کا سپہ سالار ہوں۔ مجھے کمتر درجے کا کوئی سپاہی ہاتھ نہ لگائے۔ اگر تم بہادروں کی نسل ہو تو اپنے سردار محمود تک میرا پیغام پہنچا دو کہ میں اس سے دست بہ دست جنگ کرنا چاہتا ہوں۔"

اس سے پہلے کہ سبکتگین کے سپاہی بلرام سنگھ پر ٹوٹ پڑتے اور اس کا کام تمام کر دیتے، محمود نے راجپوت سپہ سالار کی آواز سن لی تھی۔ غزنی کے ولی عہدِ سلطنت نے بلند آواز میں اپنے سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"خبردار! ہمارے کسی سپاہی کی تلوار اس کے بدن کو چھونے کی کوشش نہ کرے کہ ہم خود اس سے تنہا مقابلہ کریں گے۔"

مجاہدینِ اسلام کی اُٹھی ہوئی شمشیریں ہوا میں معلق ہو کر رہ گئیں۔ انہوں نے بڑی حیرت سے اپنے سردار محمود کا حکم سنا تھا اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہے تھے۔

نائب سپہ سالار حسام ترک جو ایک عمر رسیدہ اور تجربہ کار شخص تھا، گھبرا کر بولا۔

"صاحب زادے! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ نرغے میں آئے ہوئے دشمن کو فرار کا موقع دینا چاہتے ہیں؟ گستاخی معاف! آپ کا یہ حکم، آدابِ جنگ کے خلاف ہے۔ پتہ نہیں یہ کون شخص ہے جو اتنا بڑا جھوٹ بول کر آپ کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ خدا کے لئے اپنے جذبات پر قابو رکھئے۔ غصہ اور اشتعال وہ مہلک ہتھیار ہیں جو ایک سپاہی کو اندر سے زخمی کر دیتے ہیں اور انسان جیتی ہوئی جنگ ہار جاتا ہے۔ مجھے تو اس میں راجہ جے پال کی کوئی چال نظر آتی ہے۔"

"کچھ بھی ہو حسام!" محمود نے بے نیازانہ کہا۔ "اس نے ہماری پوری قوم کی غیرت پر طعنہ زنی کی ہے۔ ہم اس کی یہ خواہش ضرور پوری کریں گے۔" اور پھر محمود کے حکم پر اس کے سپاہی دور ہٹ گئے۔

بلرام سنگھ شدید عالمِ غضب میں تلوار لہراتا ہوا محمود کی طرف بڑھا۔

محمود نے اپنے دائیں بائیں کھڑے ہوئے نائب سپہ سالار حسام ترک اور دوسرے فوجی عہدیداروں کی طرف دیکھا۔ یہ ایک کھلا اشارہ تھا کہ تمام لوگ ولی عہدِ سلطنت کے قریب سے ہٹ جائیں اور کوئی شخص اس انفرادی جنگ میں مداخلت نہ کرے۔ حسام ترک کے چہرے سے شدید ناگواری کے آثار ظاہر ہو رہے تھے مگر وہ محمود کے حکم کے آگے مجبور تھا۔

بلرام سنگھ اپنی شمشیر کو فضا میں گردش دیتا ہوا تیزی سے محمود پر جھپٹا۔ ولی عہدِ غزنی نے اپنے گھوڑے کو بائیں طرف ہٹایا۔ بلرام سنگھ اپنے زور میں چند قدم آگے نکل گیا۔ پھر فوراً ہی برق رفتاری کے ساتھ پلٹا۔ دونوں جانبازوں کی تلواریں ٹکرائیں، عجیب سی جھنکار پیدا ہوئی۔ اگرچہ اس وقت سورج اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا لیکن پھر بھی دیکھنے والوں نے کچھ چنگاریاں اُڑتے دیکھیں۔ یہ چنگاریاں فولادی تلواروں کے تصادم سے پیدا ہوئی تھیں۔ پھر بار بار شمشیریں ٹکرائیں اور بار بار چنگاریاں اُڑیں۔ راجپوت سپہ سالار شمشیر زنی کے بہترین فن کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ بلرام سنگھ کا خیال تھا کہ نوعمر ولی عہدِ سلطنت زیادہ

دیر تک اس کے حملوں کی تاب نہ لا سکے گا۔ مگر اُس کی ساری قیاس آرائیاں غلط ثابت ہوئیں۔ محمود نے صرف بلرام سنگھ کے پے در پے حملوں کو روکا تھا بلکہ اس کے جسم پر کئی کاری زخم بھی لگائے تھے۔ اس کے برعکس محمود کے جسم پر ہلکی سی خراش تک نہیں آئی تھی۔ بلرام سنگھ حیران تھا کہ آخر یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ خود محمود کو بھی اس لمحے اپنی سلامتی پر شدید حیرت تھی۔ ولی عہدِ غزنی اسے اپنے فن کی چابک دستی سمجھ رہا تھا۔ مگر وہ یہ راز نہیں جانتا تھا کہ نظام شاہ اس کے تحفظ کے لئے روز و شب دعائیں کر رہے ہیں۔ اور میدانِ جنگ میں اس کے جسم پر خراش نہ آنے کی دعائیں محض نگار خانم کی التجاؤں کا نتیجہ تھیں۔

یہ خوف ناک انفرادی جنگ کئی گھنٹے تک جاری رہی۔ محمود کے دست و بازو شل ہوتے جا رہے تھے۔ بلرام سنگھ زخموں سے چُور تھا۔ اس نے ہندوؤں کی طاقت کی دیوی دُرگا کو مدد کے لئے پکارا اور آخری بار محمود پر فیصلہ کن حملہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر اس کا یہ مذہبی جنون بھی رائیگاں گیا۔ بلرام سنگھ بہت زیادہ زخمی ہو چکا تھا۔ پھر جب اس کے جسم پر کچھ تازہ زخم اُبھرے تو ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی۔

بلرام سنگھ دشمنوں کے درمیان بے یار و مددگار کھڑا تھا۔ صرف تلوار ہی اُس کی ساتھی تھی، جس نے ایک نازک ترین موڑ پر اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ بلرام نے گھبرا کر چاروں طرف دیکھا۔ وہ گھوڑے کی پشت پر سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دائیں بائیں اور آگے پیچھے محمود کے جاں نثار سپاہی اپنی شمشیریں بے نیام کئے کھڑے تھے۔ بلرام سنگھ کے لئے اب کوئی راہِ فرار باقی نہیں رہی تھی۔ اور وہ فرار ہونا بھی نہیں چاہتا تھا کہ ایک راجپوت کے لئے میدانِ جنگ کی طرف پشت کر لینا بڑی ذلت کی بات تھی۔

"تیرا شوق پورا ہو گیا بلرام سنگھ!" محمود نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ولی عہدِ غزنی کے لہجے میں جوانی کا جوش بھی تھا اور حاصل ہونے والی فتح کا شدید احساس بھی۔ "ہم نے آدابِ جنگ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے تجھے اس بات کا موقع دیا کہ تُو اپنی خواہش کی تکمیل کر سکے مگر قسمت نے تیرا ساتھ نہیں دیا۔"

بلرام سنگھ زخموں کی کثرت کے سبب گھوڑے کی پشت پر بیٹھا جھوم رہا تھا اور صاف محسوس کر رہا تھا کہ جریانِ خون کے باعث اس کے جسم کی توانائی سلب ہوتی جا رہی تھی اور وہ زیادہ دیر تک اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکتا۔

"اب تیرے لئے صرف ایک ہی راستہ کھلا ہوا ہے۔ ناکامی و نامرادی کی حالت میں واپسی کا راستہ۔" محمود نے بلرام سنگھ کو دوبارہ مخاطب کیا۔ "میرے سپاہی تیرے لئے راستہ کھلا چھوڑ دیں گے یہاں تک کہ تُو سلامتی کے ساتھ اپنے لشکر میں واپس چلا جائے گا۔"

"میرا دشمن خوب جانتا ہے کہ راجپوت اس قسم کی واپسی کو دنیا کی سب سے بڑی لعنت سمجھتے ہیں۔" شدید زخمی ہونے کے باوجود بلرام سنگھ کے لہجے میں وہی گرج اور آگ تھی۔

"راجپوت سپہ سالار کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہم مسلمانوں کے سوا دنیا کی کوئی دوسری قوم اپنے دشمن کو اتنی مہلت نہیں دیتی۔" ولی عہد غزنی نے انتہائی باوقار لہجے میں کہا۔ "وہ وقت یاد کر، جب تُو میرے جاں نثاروں کے ہجوم میں تنہا کھڑا تھا۔ میری ہلکی سی جنبشِ چشم تیرے قومی غرور کو اس طرح خاک میں ملا سکتی کہ اب تک تیری سانسیں ختم ہو چکی ہوتیں اور پھر تیرا مُردہ جسم کسی گوشۂ صحرا میں پڑا جنگلی جانوروں کا انتظار کر رہا ہوتا۔ میں نے تیرے مرتبے کا لحاظ رکھتے ہوئے آدابِ جنگ کی خلاف ورزی کی اور تجھے دست بدست لڑنے کا موقع فراہم کیا۔ اب یہ صورتِ حال ہے کہ تُو میرے سامنے بے دست و پا کھڑا ہے اور میں تجھے سلامتی کے ساتھ لوٹ جانے کی پیش کش کر رہا ہوں۔ بلرام سنگھ! کیا اتنی مراعات کسی دشمن کو دی جا سکتی ہیں؟ تُو خود بتا کہ میں اس کا فیصلہ تجھ ہی پر چھوڑتا ہوں۔"

بلرام سنگھ ان سوالوں کا کیا جواب دیتا۔ وہ خاموشی سے محمود کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کا چہرہ کسی پتھر کی چٹان کی طرح سخت اور بے جان نظر آ رہا تھا۔

"اب تُو مجھ سے اور کیا چاہتا ہے؟" بلرام سنگھ کو خاموش پا کر محمود نے بلند آواز میں کہا۔

"جسم میں جو خون کے قطرے بچ گئے ہیں، میں انہیں اسی جگہ بہا دینا چاہتا ہوں۔" راجپوت سپہ سالار نے اپنی تمام تر توانائیوں کو سمیٹتے ہوئے کہا۔

"تو پھر اپنی تلوار اٹھا لے۔" محمود نے بے نیازانہ لہجے میں کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ جب تُو اپنے لشکر میں جائے تو مسلمانوں کے اوصاف کھل کر بیان کرے اور اپنے ہم قبیلہ لوگوں کو بتائے کہ مسلمان کیسی زندہ اور اعلیٰ ظرف قوم ہے۔"

سپہ سالار بلرام سنگھ بمشکل اپنے گھوڑے کی پشت سے اُترا اور تلوار کی طرف بڑھا جو چند قدم کے فاصلے پر خاک آلود ہو رہی تھی۔ بلرام سنگھ نے جھک کر تلوار اُٹھائی۔ پھر محمود کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"ولی عہدِ غزنی! تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ تیرا یہ حریف اب اس قابل نہیں رہا کہ گھوڑے کی پشت پر بیٹھ کر جنگ کر سکے۔ اس لئے میں تجھے آواز دیتا ہوں کہ تُو بھی گھوڑے سے نیچے اُتر آ اور مردوں کی طرح برابری کی سطح پر مجھ سے جنگ کر۔"

دشمن کی یہ بڑی عجیب و غریب خواہش تھی جسے سن کر محمود مسکرانے لگا۔

"نہیں صاحب! ہرگز نہیں۔" نائب سپہ سالار حسام ترک چیخ کر بولا۔ "آپ نے دشمن کو جس قدر مراعات دی ہیں، وہ سب کی سب خلافِ عقل تھیں۔ اب بلرام سنگھ کو کوئی رعایت نہیں دیجئے گا۔ یہ جنگ ہار چکا ہے اور ہارے ہوئے لوگ یا تو قتل کر دیئے جاتے ہیں یا پھر انہیں زنجیریں پہنا دی جاتی ہیں۔ مگر آپ پھر بھی نرم دلی سے کام لے کر اسے اپنے لشکر کی طرف لوٹ جانے کی اجازت دے رہے ہیں۔ خدا کی قسم! جنگ و جدل کے مذہب میں یہ جائز نہیں۔" حسام ترک بہت زیادہ جذباتی ہو گیا تھا۔

محمود نے اپنے نائب سپہ سالار کی باتوں کو غور سے سنا مگر انہیں قابلِ عمل نہیں سمجھا۔ چند لمحوں بعد ولی عہدِ غزنی مسکراتا ہوا گھوڑے کی پشت سے نیچے اُتر آیا اور آہستہ آہستہ بلرام سنگھ کی طرف بڑھا۔

محمود کے تمام سپاہی اپنے سردار کی اس حرکت پر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ لیکن کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ لب کشائی کر سکے۔

پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ راجپوت سپہ سالار بلرام سنگھ اور غزنی کے ولی عہدِ سلطنت محمود میں دوبارہ دست بدست جنگ شروع ہو گئی ہے۔ مگر یہ جنگ انتہائی مختصر تھی۔ شدید زخمی ہونے کے سبب سپہ سالار بلرام سنگھ، محمود کے پے در پے حملوں کو برداشت نہیں کر سکا اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔

اپنے سردار کی اس شاندار فتح پر مجاہدینِ اسلام خاموش نہ رہ سکے اور بڑی دیر تک فضا اللہ اکبر کے نعروں سے گونجتی رہی۔ نائب سپہ سالار حسام ترک بہت تیزی کے ساتھ گھوڑے سے اُترا اور بھاگتا ہوا محمود کے قریب پہنچا۔

"اللہ کا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے اس عجیب و غریب معرکے میں ہمارے سردار کو سر بلند کیا۔" شدتِ جذبات سے حسام ترک کی آواز لرز رہی تھی۔ "بلرام سنگھ راجپوتوں کا غرور تھا مگر خالقِ کائنات نے ان کے غرور کو خاک میں ملا دیا۔ اب آپ اس کا سر کاٹ دیں اور مُردہ جسم کو گھوڑے سے باندھ کر راجپوت لشکر کی طرف لوٹا دیں۔ جب یہ گھوڑا اپنے آقا کی لاش لے کر راجہ جے پال کے سامنے پہنچے گا تو مجھے یقین ہے کہ دشمنوں کے قدم میدانِ جنگ سے اُکھڑ جائیں گے۔ اور پھر فتح کی منزل ہمارے بہت قریب تر آ جائے گی۔"

محمود نے حسام ترک کی پُر جوش باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر بلرام سنگھ کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اگرچہ بلرام سنگھ کے پورے جسم پر زخموں کی گل کاری تھی اور وہ سر سے پاؤں تک خون میں نہایا ہوا تھا لیکن پھر بھی اس کے چہرے پر عجیب سی آسودگی اور طمانیت نظر آ رہی تھی۔

"اور بالفرض اگر راجپوتوں نے اپنے سالار کی موت کا گہرا اثر قبول نہ کیا، تب بھی اتنا ضرور ہوگا کہ ان کے دلوں پر ہماری ہیبت چھا جائے گی۔ پھر ہم انہیں کسی دوسرے محاذ پر آسانی کے ساتھ شکست دے سکیں گے۔" حسام ترک مسلسل بولے جا رہا تھا اور بار بار محمود کو اس بات پر اُکسا رہا تھا کہ وہ اپنی شمشیر سے بلرام سنگھ کا سر قلم کر دے۔

"نہیں حسام! ہم ایسا نہیں کریں گے۔" محمود نے اپنے نائب سپہ سالار کو ہاتھ کے اشارے سے خاموش ہو جانے کے لئے کہا۔ "پہلے ہم یہ تصدیق کریں گے کہ یہ شخص بلرام سنگھ ہے یا نہیں؟ ممکن ہے کہ اس نے ہمیں دھوکا دینے کے لئے راجپوت سپہ سالار کا بہروپ بھرا ہو۔ اگر یہ شخص فریب کار ثابت ہوا تو پھر اس کے خون سے اپنی شمشیر کی پیاس بجھا دیں گے۔ اور اگر واقعتاً یہ بلرام سنگھ ہے تو پھر اس کے صحت یاب ہونے کا انتظار کریں گے۔ پھر جب یہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر بولنے لگے گا تو ہم اس سے پوچھیں گے کہ اس نے یہ حماقت کیوں کی؟ آخر اس پر کیا گزری تھی کہ یہ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ موت کے کھلے ہوئے منہ میں چلا آیا؟ ہمارے نزدیک یہ تحقیق و تفتیش بہت ضروری ہے۔ اس لئے ہمیں کچھ دن انتظار کرنا ہوگا۔" یہ کہہ کر محمود نے اپنے چند سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ بلرام سنگھ کو اٹھا کر خیمہ گاہ میں لے جائیں اور درباری طبیب کے حوالے کر دیں۔

اس کے بعد محمود کے حکم پر بلرام سنگھ کے گھوڑے کو راجہ جے پال کے لشکر کی طرف ہانک دیا گیا۔ جب بلرام سنگھ کا گھوڑا اپنے سوار کے بغیر راجہ جے پال کے لشکر میں پہنچا تو ایک ہلچل سی مچ گئی۔ راجپوت سپاہی بے اختیار گھوڑے کی طرف دوڑے اور جب انہوں نے اس وفادار گھوڑے کی پشت پر انسانی خون کے دھبے دیکھے تو وہ بری طرح چونک اُٹھے۔ پھر تھوڑی دیر بعد ہی پورے لشکر میں یہ خبر عام ہو گئی کہ سپہ سالار بلرام سنگھ دشمن سے مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا۔

یہ خبر راجہ جے پال نے بھی سنی۔ وہ چند لمحوں کے لئے بدحواس ہو گیا۔ اسے بلرام سنگھ کی صلاحیتوں پر حد سے زیادہ اعتماد تھا۔ وہ کچھ دیر تک سکتے کے عالم میں کھڑا رہا۔ پھر اس نے اپنے بکھرے ہوئے اعصاب پر قابو پایا اور چیخ کر بولا۔

"مجھے بہت افسوس ہے کہ ہندوستان کا ایک نامور سپوت اپنے "دھرم اور دھرتی" کی حفاظت کے لئے مارا گیا۔ دیوتا اس کی بے چین آتما کو شانتی دیں...... مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ "مہاناپتی" کی موجودگی میں بہادر راجپوتوں کی پوری فوج بے کار ہو گئی ہے۔ تم لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ میری فوج کا ہر سپاہی بلرام سنگھ ہے۔"

اس کے بعد برہمن حکمران خیمے سے باہر نکل آیا اور اپنی فوجوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"میری نظر میں تم سب کے سب بلرام سنگھ کے جانشین ہو اور تم پر اپنے سالار کی موت کا بدلہ فرض ہے۔ آگے بڑھو اور مسلمان حملہ آوروں کو بتا دو کہ راجپوت ناقابلِ تسخیر ہیں اور بھارت ورش پر دیوتاؤں کا سایہ ہے۔ اور جو زمین دیوتاؤں کے سائے میں ہوتی ہے، اسے کسی طرح نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا۔ اس لئے تم ہر خوف و خطر سے بے نیاز ہو کر لڑو۔ فتح صرف تمہارا مقدر ہے۔ اور برہما نے تمہارے دشمنوں کی قسمت میں شکست تحریر کر دی ہے۔ یاد رکھو کہ اس تحریر کو کوئی نہیں مٹا سکتا۔"

راجہ جے پال نے اپنے فوجیوں کو ہمت دلانے کے لئے بڑی پُر جوش اور ولولہ انگیز تقریر کی تھی اور یہ اسی تقریر کا اثر تھا کہ راجپوت سپاہیوں کے جسموں میں چنگاریاں سی بھر گئی تھیں اور آنکھوں میں نفرت و انتقام کے شعلے بھڑکنے لگے تھے۔

پھر اسی روز راجہ جے پال نے ایک دوسرے راجپوت سردار ہنومان سنگھ کو اپنی افواج کا سالار مقرر کر دیا۔ ہنومان سنگھ ایک پچاس سالہ دراز قامت اور تنومند راجپوت سپاہی تھا۔ وہ بلرام سنگھ کی طرح ذہین تو نہیں تھا مگر پھر بھی جنگ لڑنے کا ایک وسیع تجربہ رکھتا تھا۔ ہنومان سنگھ کی شخصیت کے دو پہلو بہت زیادہ نمایاں تھے۔ ایک یہ کہ وہ بہت غصہ ور اور غضب ناک انسان تھا۔ درشت مزاجی اس کی فطرتِ ثانیہ تھی۔ وہ وحشیوں کی طرح جنگ کرتا تھا اور اپنے دشمنوں کو سخت اذیتیں دے کر اسے ایک خاص قسم کی لذت محسوس ہوتی تھی۔ وہ اکثر مفتوح لوگوں کے ساتھ انتہائی بہیمانہ سلوک کرتا تھا۔ ہنومان سنگھ اپنے دشمنوں کے دست و پا کاٹ دیتا اور پھر ان کی بے چارگی پر ہذیانی انداز میں قہقہے لگاتا۔ مختصر یہ کہ وہ اپنی پوری قوم میں ایک نہایت سفاک اور جابر شخص مشہور تھا۔ دوسرے یہ کہ ہنومان سنگھ، راجپوتوں اور برہمنوں کے علاوہ کسی تیسری ہندو قوم کو آدمیت کے زمرے میں شمار نہیں کرتا تھا۔ اس کا قول تھا کہ پرماتما نے ان لوگوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ بھیڑ بکریوں، گھوڑوں اور اونٹوں کی طرح راجپوتوں کی خدمت کے فرائض انجام دیتے رہیں اور پھر ایک دن خاک میں مل جائیں۔

سالاری کے عہدے پر فائز ہوتے ہی ہنومان سنگھ نے شعلہ بار لہجے میں اپنے سپاہیوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"تم لوگ خوب جانتے ہو کہ میں کون ہوں اور کیا چاہتا ہوں۔ مجھے امیر سبکتگین اور اس کے بیٹے محمود کے کٹے ہوئے سر درکار ہیں۔ یا پھر کم سے کم بارِ ندامت سے جھکے ہوئے ان کے سر اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے ان کے جسم۔ میں ان دونوں میں سے کسی ایک بات پر راضی ہو جاؤں گا۔ لیکن میرے مذہب میں کوئی تیسرا راستہ جائز نہیں ہے۔ اگر تم لوگ دھرتی ماں کے دشمنوں کو خاک و خون میں غرق نہیں کر سکتے تو پھر خود اپنے ہی لہو میں نہا کر اس دنیا سے چلے جاؤ۔"

یہ کہہ کر ہنومان سنگھ چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گیا اور اپنے سپاہیوں کے ردِ عمل کا انتظار کرنے لگا۔ پھر کچھ ہی دیر بعد ملتان کی فضائیں انسانی شور سے گونجنے لگیں۔ سینکڑوں راجپوت سپاہی ہذیانی انداز میں چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے۔

"اے ہمارے سردار! جو تُو چاہتا ہے، ہم ویسا ہی کریں گے۔ اس دھرتی پر ہمارے دشمنوں کا وجود اسی وقت برقرار رہ سکتا ہے، جب ہمارے سر ہمارے کاندھوں پر باقی نہ رہیں۔"

"اور یہ بھی سن لو! کہ جب مہاراج جے پال نے مجھے تمہارا سردار مقرر کیا تو میں سب سے پہلے مندر پہنچ کر دُرگا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پھر میں نے طاقت کی دیوی کے قدموں میں سر رکھ کر تمہارے لئے یہ دعا مانگی کہ اے ماتا! ہمیں اپنی لازوال اور بے پناہ شکتیوں کے سائے میں رکھ اور ہم راجپوتوں کو دشمنوں پر ایسا غلبہ دے کہ ہندوستان کی پوری تاریخ میں اس کی کوئی دوسری مثال نہ مل سکے۔ پھر میں نے ماتا سے یہ عہد کیا کہ میں اپنے بھائی بلرام سنگھ کی موت کا بدلہ لوں گا اور دس ہزار مسلمان سپاہیوں کے سروں کی بھینٹ دُرگا کے چرنوں میں چڑھاؤں گا۔ اگر یہ تعداد اس جنگ میں پوری نہ ہو سکی تو اس وقت تک اپنی جدوجہد جاری رکھوں گا جب تک میری قسم پوری نہیں ہو جاتی۔ مجھ پر ہر حال میں دس ہزار مسلمانوں کا قتل واجب ہو گیا ہے۔ کیا تم دُرگا ماتا کے سامنے کھائی جانے والی اس قسم کو پورا کرنے میں مجھ سے تعاون کرو گے؟" ہنومان نے انتہائی تند و تیز لہجے میں اپنے سپاہیوں سے سوال کیا۔

"یقیناً اے ہمارے سردار!" بیک وقت سینکڑوں آوازیں سنائی دیں۔ "تُو اس سفر میں تنہا نہیں ہے۔ ہم اپنی جانوں کے ساتھ تیرے قدم بہ قدم چل رہے ہیں۔ جہاں تُو اشارہ کرے گا، ہم بھی اپنے سروں کی بھینٹ چڑھا دیں گے۔ تیرا عہد تنہا عہد نہیں ہے۔ اور ہم بھی اس عہد میں برابر کے شریک ہیں۔ آج سے مسلمان حملہ آوروں کا قتل ہمارا مذہبی فریضہ بن گیا ہے۔" ہنومان سنگھ کی پُرجوش اور جذباتی تقریر نے راجپوت سپاہیوں کے جسموں میں آگ سی لگا دی تھی اور وہ عقل و ہوش سے بے گانہ ہو کر وحشیوں کی طرح چیخ رہے تھے۔

"اور یہ بھی سن لو کہ اگر میں ماتا سے کیا ہوا عہد پورا نہ کر سکا تو پھر اپنا ہی سر اس کی بھینٹ چڑھا دوں گا۔" ہنومان سنگھ کا مذہبی جنون اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا۔

❋❋❋❋❋

مذہبی تعصب کی بنیاد پر کی جانے والی تقریروں نے راجپوت سپاہیوں کے دلوں میں نفرت کے طوفان اٹھا دیئے تھے اور وہ اپنے انجام سے بے خبر ہو کر جنگ کر رہے تھے۔ چھوٹی چھوٹی ٹولیاں دیوانہ وار آگے بڑھتیں اور امیر سبکتگین کے سپاہیوں پر حملہ آور ہو جاتیں۔ مگر ابھی تک اس جنگ کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔ کبھی غزنی کے لشکر کو یہ محسوس ہوتا کہ وہ راجہ جے پال کی فوج پر غالب آ گیا ہے...... اور کبھی برہمن حکمراں کو یہ احساس ہوتا کہ وہ فتح کے قریب تر پہنچ گیا ہے۔ لیکن جب دونوں حریفوں کی نظروں کے سامنے سے خوش گمانیوں کا غبار چھٹتا تو حقائق کا صاف چہرہ اُبھر آتا...... اور حقائق یہ تھے کہ دونوں میں سے نہ کوئی غالب تھا، نہ مغلوب اور نہ کوئی فاتح تھا، نہ مفتوح۔ پھر بھی راجہ جے پال کے مقابلے میں امیر سبکتگین کی طرف کسی قدر جانی نقصان کم ہوا تھا۔

ہنومان سنگھ کا خیال تھا کہ وہ تین چار روز میں اسلامی لشکر کو شکست فاش سے ہمکنار کر دے گا۔ مگر آٹھ دن گزر جانے کے باوجود راجپوت سپہ سالار کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا تھا۔ ہنومان سنگھ بار بار راجہ جے پال کی خلوت میں حاضر ہوتا اور شدید ندامت کے ساتھ اپنی پریشانی کا اظہار کرتا۔

"بس کچھ دن اور انتظار کر لو۔" راجہ جے پال اپنے سپہ سالار کو صبر و ضبط کی تلقین کرتے ہوئے کہتا۔

"دیوتاؤں کی مدد آنے ہی والی ہے۔ وشواس رکھو کہ دشمن اپنے گھروں کو لوٹ کر نہیں جائیں گے۔ اسی میدان میں ان کی قبریں بنیں گی۔ اور پھر تم ہمیشہ کے لئے خوف و دہشت سے مکتی (نجات) حاصل کر لو گے۔" اپنے حکمراں کی حوصلہ افزا باتیں سن کر ہنومان سنگھ کے چہرے کی سرخی لوٹ آتی اور اس کی ویران آنکھوں میں دوبارہ نفرت و غضب کے انگارے دہکنے لگتے۔

تنہائی کی اس رازدارانہ گفتگو کے دوران راجہ جے پال اپنے درباری نجومی پنڈت رگھوناتھ کو بھی طلب کر لیتا اور ہندوستان کے سب سے بڑے جوتشی سے اس جنگ کے بارے میں پوچھتا۔

"گرودیو! کیا دیوتا ہم سے ناراض ہیں؟"

"نہیں سمراٹ! آپ تو دیوتاؤں کے پیارے ہیں۔" بوڑھا پنڈت رگھوناتھ ہلتے ہوئے سر کے ساتھ جواب دیتا۔ شدید ضعیفی اور ناتوانی کے سبب بات کرتے وقت اس کی زبان بھی لڑکھڑانے لگتی تھی۔

"اگر دیوتا ہم پر مہربان ہیں تو پھر ہمیں دشمن پر غلبہ حاصل کرنے میں اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے؟" برہمن حکمران بے قرار ہو کر اپنے درباری جوتشی سے سوال کرتا۔

"سمراٹ! ایک برہمن ہونے کے باعث آپ خود بھی تو عالم و فاضل انسان ہیں اور اس راز سے بخوبی واقف ہیں کہ بھگوان کے یہاں ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے۔" پنڈت رگھوناتھ مطمئن لہجے میں جواب دیتا۔ "بس کچھ دنوں کی بات ہے۔ جب منگل (مریخ) کا برہسپت (مشتری) سے ملاپ ہو گا تو آپ کو عظیم الشان فتح کی خوشخبری ملے گی۔ دشمن شکست کھا کر اپنے ٹھکانے کی طرف لوٹ جائے گا یا پھر اسے بیڑیاں پہنا کر آپ کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ مہاراج دھیرج رکھیں۔ دونوں میں سے ایک بات ضرور ہو گی۔ ورنہ میں جھوٹا، میرا علم جھوٹا۔"

راجہ جے پال کے ساتھ سپہ سالار ہنومان سنگھ بھی پنڈت رگھوناتھ کی حوصلہ افزا باتیں سنتا اور مطمئن ہو کر میدانِ جنگ کی طرف چلا جاتا۔ راجپوت سپاہی اپنے سالار کی پُرجوش گفتگو سن کر پوری توانائیوں کے ساتھ اسلامی لشکر پر حملہ آور ہوتے اور شام تک ایک خوں ریز جنگ جاری رہتی۔ مگر پھر بھی کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوتا۔ گزشتہ پندرہ دنوں سے دونوں لشکروں کا یہی معمول تھا کہ روز صبح ہوتے ہی میدانِ کارزار میں داخل ہوتے اور جب سورج غروب ہو جاتا تو اپنے اپنے خیموں کی طرف لوٹ جاتے۔

جنگ کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہونے کے سبب ارمغانہ شیرازی بہت زیادہ پریشان نظر آ رہی تھی۔ اسے خدشہ تھا کہ اگر راجہ جے پال یہ جنگ ہار گیا تو امیر سبکتگین اسے اور اسد شیرازی کو معاف نہیں کرے گا۔ اسی اندیشے کے سبب ارمغانہ کی نیندیں اُڑ گئی تھیں۔ اور وہ رات بھر اپنے راجہ جے پال سے جنگی صورت حال پر مختلف سوالات کرتی رہتی تھی۔ برہمن حکمران اپنی خوب صورت اور جوان بیوی کو مطمئن کرنے کے لئے انتہائی پُرجوش لہجے میں کہتا۔

"سمترا دیوی! آپ کا یہ منصب نہیں کہ جنگ و جدل کی باتیں کر کے رات کی رنگینیوں کو تباہ کر ڈالیں۔ آپ کو اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ ہماری آنکھیں دن بھر انسانی خون کا بہتا ہوا دریا دیکھتی ہیں اور ہمارے کان مسلسل دردناک چیخیں سنتے رہتے ہیں۔ پھر ہم اس امید پر تمہارے پاس آتے ہیں کہ رات کا یہ تھوڑا سا وقت سکون کی حالت میں گزر جائے گا۔ تمہاری آنکھوں کا گلابی خمار ہمارے ذہن سے خون

رنگ مناظر کے گہرے نقوش مٹا دے گا۔ اور تمہارے گداز ہونٹوں سے پھوٹنے والی موسیقی ہماری ساعتوں کو تلواروں کی جھنکار سے اور مرتے ہوئے انسانوں کی چیخوں کے شور سے کچھ دیر کے لئے نجات دلا دے گی۔ اور تمہارے مرمریں ہاتھوں سے مس ہو کر ہمارے پیاسے لبوں تک پہنچنے والا جام ہم کو میدانِ جنگ سے نکال کر خوابوں کے جزیرے میں لے جائے گا۔ ہم تم سے بس یہی توقع رکھتے ہیں ہو دیوی!'' راجہ جے پال نے ارمغانہ شیرازی کو اس کے نئے نام سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''ہم تمہارے چہرے پر فکر و پریشانی کا دُھندلا سا عکس بھی دیکھنا نہیں چاہتے۔ تم گلاب کے پھول کی طرح شاداب رہو، بس یہی تمہارا کارِ منصبی ہے۔ جنگ کس طرح لڑی جائے گی، یہ ہم پر چھوڑ دو۔ تم تو بس مسکراؤ۔ رات کے اندھیرے میں اپنے حُسن کے چراغ روشن کرو...... اور اس خالی ساغر میں اپنی محبت کی سرمستیاں بھر دو۔''

''مہاراج! میں آپ کی بیوی ہوں۔'' ارمغانہ نے ایک خاص ادائے دلنوازی کے ساتھ کہا۔ ''پھر اس سنگین صورتِ حال میں کس طرح آپ کو تنہا چھوڑ سکتی ہوں؟ مجھے زندگی کے اس دُشوار سفر میں ایک لمحے کے لئے بس اپنے آپ سے جدا نہ کیجئے۔ اگر میں اس جنگ کے بارے میں فکر مند نہ ہوں گی تو پھر کون ہوگا؟''

''ہم تمہارے جذبات کی سچائی پر گواہی دیتے ہیں سمترا!'' راجہ جے پال کے اعصاب پر ارمغانہ کے ساحرانہ وجود اور پُرفریب باتوں کا نشہ طاری ہوتا جا رہا تھا۔ ''ہم زندگی کے اس سفر میں تمہاری رفاقت پر ناز کرتے ہیں۔''

''پھر آپ مجھے فتح کی خوشخبری کیوں نہیں سناتے؟'' ارمغانہ شیرازی اس الہڑ دوشیزہ کی طرح مچل گئی، جو محبت کے ابتدائی دنوں میں اپنے محبوب سے عجیب عجیب فرمائشیں کرتی ہیں۔

''گرو دیو نے کہا ہے کہ پندرہ دن بعد مریخ اور مشتری کا ملاپ ہوگا۔ پھر ہمیں ایک بڑی فتح حاصل ہوگی۔'' راجہ جے پال نے پنڈت رگھوناتھ سے ہونے والی گفتگو کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے کہا۔ ''پریشان نہ ہو کہ ہم عنقریب تمہیں تمہارے خوابوں کی تعبیر بخشنے والے ہیں۔''

ارمغانہ مطمئن ہو کر راجہ جے پال کے لئے نیا جام لبریز کرنے لگی۔ 'جنگ کا کچھ بھی نتیجہ ہو، مگر بلرام سنگھ جیسے وحشی سے نجات مل چکی ہے۔' ارمغانہ نے راجہ جے پال کی طرف ساغر بڑھاتے ہوئے سوچا۔ 'یہ ایک بڑی کامیابی ہے۔'

*****

اس دوران درباری طبیب کی مسلسل نگہداشت کے باعث سپہ سالار بلرام سنگھ کے زخم تیزی سے بھرتے جا رہے تھے اور اب وہ اس قابل ہو گیا تھا کہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر کسی سہارے کے بغیر کچھ دُور تک چل سکے۔ بلرام سنگھ کو ایک الگ خیمے میں رکھا گیا تھا، جس کے گرد ہر وقت سخت ترین پہرہ رہتا تھا۔

ایک دن محمود، بلرام سنگھ کے خیمے میں داخل ہوا۔ ولی عہد غزنی کو دیکھ کر بلرام تیزی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر شدید غصے کے آثار نظر آ رہے تھے۔

''محمود! آخر تم مجھے کب تک ذلیل کرو گے؟'' بلرام سنگھ کے لہجے میں بڑی وحشت اور آگ تھی۔

''میں بہت بے چینی سے تمہارے صحت یاب ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔'' محمود نے انتہائی صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''تم نے مجھے مار کیوں نہیں ڈالا؟'' بلرام سنگھ کے لہجے میں وہی برہمی تھی۔ ''میں اپنے دشمن کو کبھی یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ میری تیمارداری کرے۔ ہزاروں انسانوں نے اپنی آنکھوں سے میری شکست کا منظر دیکھا ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ میں ایک ہارا ہوا انسان ہوں۔ اور جب راجپوت ہار جاتے ہیں تو ان سے زندہ رہنے کا حق چھین لیا جاتا ہے۔ اس لئے میں نہیں چاہتا کہ میرا دشمن مجھے زندگی کی بھیک دے۔ میں تم جیسے اعلیٰ ظرف اور بہادر حریف سے صرف آبرومندانہ موت کی توقع رکھتا ہوں۔ تم خود یہ کام کر دیا اپنے کسی خدمت گار کو حکم دو کہ وہ میرا سرتن سے جدا کر دے۔ پھر میری لاش راجہ جے پال کے پاس بھیج دی جائے تا کہ میری پانچ سالہ بچی شکنتلا آخری بار اپنے شکست خوردہ باپ کا چہرہ دیکھ سکے۔ اور میری بیوی ساوتری اپنے شوہر کی جلتی ہوئی چتا کے ساتھ خود بھی بھڑکتے ہوئے شعلوں کی خوراک بن جائے۔''

''اگر ہم تمہیں قتل کرنا چاہتے تو اس وقت یہ کام بہت آسان تھا، جب تم بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے تھے۔'' محمود نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''مگر ہم تم جیسے بہادر انسان کو یہ جانے بغیر قتل نہیں کرنا چاہتے تھے کہ آخر تمہاری اس وحشت کے پیچھے وہ کون سا جذبہ کارفرما تھا جو تمہیں موت کے کھلے ہوئے دہانے کی طرف کھینچ لایا تھا؟''

بلرام سنگھ کچھ دیر تک خاموش کھڑا سوچتا رہا، پھر کسی قدر دھیمے لہجے میں بولا۔ ''محمود! میں تم سے ایک سودا کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیسا سودا؟'' محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔

''اگر تم وعدہ کرو، مجھے میری مرضی کے مطابق قتل کر دیا جائے گا تو میں مرنے سے پہلے اپنی زندگی کا ایک خوفناک راز فاش کر دوں گا۔'' بلرام سنگھ نے اسی بے نیازانہ لہجے میں کہا۔

بلرام سنگھ کی عجیب و غریب شرط سن کر محمود کے ماتھے پر کئی بل پڑ گئے۔ پھر اس نے انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ''اگر تم سچ بولے اور مجھے تمہاری بات پر اعتبار آ گیا تو میں تمہاری خواہش ضرور پوری کر دوں گا۔''

''محمود! ایک عورت نے میرے چہرے پر ذلت و شکست کی وہ سیاہی ملی ہے کہ جسے گنگا اور جمنا کا پانی بھی نہیں دھو سکتا۔'' یہ کہہ کر بلرام سنگھ نے ارمغانہ اور اسد شیرازی کی آمد کا پورا واقعہ تفصیل سے سنا دیا۔ ''بس یہی ایک عورت ہے جس نے مجھے میری زندگی کے سب سے بڑے فتنے میں مبتلا کر دیا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھ جیسا آہنی انسان دیکھتے دیکھتے مٹی کا ایک کھلونا بن جائے گا۔'' اندرونی کرب کی شدت سے بلرام سنگھ کی تانبے جیسی رنگت نیلگوں ہو گئی تھی۔ وہ بڑے شکستہ لہجے میں بول رہا تھا۔

''ایک راجپوت دل کے ہاتھوں اتنا مجبور بھی ہو سکتا ہے، یقین نہیں آتا۔ میں ارمغانہ کی آمد سے پہلے (دھرتی اور دھرم کے لئے لڑنے والا) ایک جانباز سپاہی تھا۔ لوگ میری شجاعت اور حب الوطنی کی مثالیں دیا کرتے تھے۔ مگر اب ایک عورت کی وجہ سے میری زندگی دنیا کی بدترین لعنت بن کر رہ گئی ہے۔ میں ارمغانہ کو حاصل کرنا چاہتا تھا مگر اس نے یہ شرط عائد کر دی تھی کہ میں تم دونوں باپ بیٹے کے سر کاٹ کر اس کے قدموں میں ڈال دوں۔ پھر کئی دن کی مسلسل ناکامیوں کے بعد ایک رات وہ میرے خیمے میں آئی اور اس نے مجھ پر طعنہ زنی کی۔ میں اوّل و آخر ایک مرد تھا۔ عورت کی زبان سے ادا ہونے والے طعنے کو

برداشت نہ کر سکا اور دوسرے روز اپنے انجام سے بے پروا ہو کر میں نے تم پر حملہ کر دیا۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا مگر میں چاہتا تھا کہ مرنے سے پہلے تمہیں ہلاک کر ڈالوں۔ اس طرح میری موت کے بعد کوئی شخص مجھ پر الزام تراشی نہیں کر سکتا تھا کہ بلرام سنگھ ایک عورت سے شکست کھا گیا۔ بس یہی سوچ کر اپنے دو سو جاں نثار ساتھیوں کے ہمراہ موت کے منہ میں چلا آیا تھا۔ اب سر سے وحشت و انتقام کا سیلاب گزر گیا ہے تو سوچتا ہوں کہ میری ضد کی خاطر کیسے کیسے راجپوت سورما مارے گئے۔ اگر وہ لوگ میرے دوش بدوش لڑنے سے آزاد ہو کر کسی دوسرے محاذ پر لڑتے تو یقیناً شجاعت و مردانگی کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کر جاتے۔ ہائے، کیا لوگ تھے جو مجھ پاگل کے ایک اشارے پر قربان ہو گئے۔" یہ کہتے کہتے بلرام سنگھ کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی جھلکنے لگی۔

محمود کو راجپوت سپہ سالار کی اس جذباتی کیفیت پر بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے پہلی بار کسی مغرور چٹان میں شگاف پڑتے ہوئے دیکھا تھا۔

"محمود! میں تمہیں اپنی زندگی کا سب سے خوفناک راز بتا چکا۔ اس لئے اب تم بھی اپنا عہد پورا کرو۔" چند لمحوں کے مختصر سے سکوت کے بعد بلرام سنگھ دوبارہ ولی عہد غزنی سے مخاطب ہوا۔ اس کے لہجے میں راجپوت قوم کا وہی روایتی جوش تھا۔

"کیسا وعدہ؟" محمود نے جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے کہا۔

"یہی کہ تم مجھے قتل کر دو گے۔" یکایک بلرام سنگھ کا لہجہ انتہائی تلخ ہو گیا تھا اور چہرے پر شدید غصے کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ "محمود! کیا تم اپنے وعدے سے انحراف کر رہے ہو؟ میں تو سمجھتا تھا کہ تم بہت سچے اور بہادر انسان ہو۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ تم اس طرح عہد شکنی کرو گے۔"

"مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔" محمود نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مگر میں تمہارے قتل سے پہلے ایک اور راز بھی جاننا چاہتا ہوں۔"

"کیسا راز؟" بلرام سنگھ نے اسی عالم طیش میں کہا۔

"آخر تم کس لئے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا چاہتے ہو؟" محمود نے بلرام سنگھ سے پوچھا۔ "تمہارے سینے میں زندگی سے بیزاری اور موت کی شدید ترین خواہش کیوں ہے؟"

"میں اپنے حصے کی زندگی بسر کر چکا اور اب موت ہی میری زندگی ہے۔" بلرام سنگھ نے اسی غضب ناک لہجے میں کہا۔ "بھیک میں دی ہوئی زندگی لے کر میں اپنی قوم کے سامنے جانا نہیں چاہتا اور غلامی کی زنجیریں پہن کر سانس لینا میرا مزاج نہیں۔ پھر تم ہی بتاؤ کہ موت کے سوا کون سا راستہ باقی ہے؟ اگر تم میری زندگی کا خاتمہ نہیں کر سکتے تو پھر اپنی تلوار مجھے دے دو۔ میں خود اپنی شہ رگ کاٹ کر سانسوں کے اس کھیل کو ختم کر دوں گا۔"

"مگر ہم تم جیسے بہادر کو کھونا نہیں چاہتے بلرام سنگھ!" محمود نے انتہائی جذباتی انداز میں آگے بڑھ کر راجپوت سپہ سالار کے کاندھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے۔ "تم اپنے معاشرے کی جاہلانہ رسموں کے اسیر ہو اس لئے شکست کھا کر خودکشی کر لینا چاہتے ہو۔" محمود بہت دیر تک بلرام سنگھ کو اسلامی عقائد اور بت پرستی کے نظام کا فرق سمجھاتا رہا۔ پھر بہت نرم اور شیریں لہجے میں بولا۔ "تمہارے بقول تم اپنے حصے کی زندگی بسر کر چکے ہو۔ اب میری خواہش ہے کہ تم کچھ دن ہم مسلمانوں کے ساتھ بھی گزار کر دیکھ لو۔ اگر ہماری

ہمیں تمہارے دل میں زندہ رہنے کی تڑپ پیدا کر دیں تو پھر باقی زندگی ہمارے ساتھ ہی بسر کرو۔"

بلرام سنگھ کچھ دیر تک حیرت و سکوت کے عالم میں کھڑا رہا، پھر آہستہ سے بولا۔ "اگر مجھے تمہاری باتیں پسند نہیں آئیں؟" یہ کہتے ہوئے ایک بار پھر راجپوت سپہ سالار کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔

"تو پھر تم یہاں سے چلے جانا۔" محمود نے اونچی آواز میں کہا۔ "مگر یاد رکھنا کہ میرا کوئی سپاہی تمہیں قتل نہیں کرے گا۔ اگر تمہیں شوقِ ہلاکت ہے تو خود اپنے ہاتھ سے اپنی گردن کاٹ لینا۔ لیکن یہ خودکشی ہمارے علاقے میں نہیں ہوگی۔ اور میں تمہیں کوئی خنجر بھی فراہم نہیں کروں گا۔" یہ کہہ کر محمود جانے کے لئے مڑا اور پھر جاتے جاتے اچانک پلٹ کر بولا۔ "اب تم ہمارے مہمان ہو۔ ایک معزز مہمان۔ تمہیں یہاں کوئی شخص غلامی یا شکست کا طعنہ نہیں دے گا۔ اگر تمہاری خاطر و مدارات میں کسی سے کوئی کوتاہی ہوئی تو تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گے کہ میں اس شخص کے ساتھ کیسا سلوک کروں گا۔"

محمود، بلرام سنگھ کے خیمے سے جا چکا تھا اور راجپوت سپہ سالار بہت دیر تک کسی پتھر کے مجسمے کے مانند ساکت کھڑا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ اُس کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔ "یہ کیسے عجیب لوگ ہیں جو اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی اس قسم کا سلوک کرتے ہیں۔"

❊❊❊❊❊

پھر اسی رات محمود نے نظام شاہ کو خواب میں دیکھا۔ شیخ اپنے مخصوص تبسم کے ساتھ فرما رہے تھے۔

"محمود! کل ہمارا ایک دوست تمہارے پاس آئے گا۔ تم اس کی بات بہت غور سے سننا۔"

گھبرا کر محمود کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ ابھی رات کا ایک پہر باقی تھا۔ محمود اپنے خیمے سے نکل کر امیر سبکتگین کے خیمے میں داخل ہوا۔ اس وقت والیٔ غزنی اپنے رب کے حضور گریہ و زاری کر رہا تھا۔

"اے بے پناہ اور لازوال قوتوں کے مالک! اپنے اس حقیر اور ناتواں بندے سبکتگین کو دشمنوں پر غلبہ عطا کر۔"

محمود خیمے کے ایک گوشے میں کھڑا امیر کی دعاؤں کے ختم ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ پھر جب سبکتگین اپنی دعاؤں سے فارغ ہوا تو محمود نے آگے بڑھ کر باپ کی خدمت میں سلام پیش کیا۔

"فرزند! تم اس وقت یہاں؟......خیر تو ہے؟" سبکتگین نے چونک کر بیٹے سے پوچھا۔

جواب میں محمود نے اپنا خواب بیان کر دیا۔ "ابھی کچھ دیر پہلے میں نے شیخ کو دیکھا ہے۔"

"تم نے شیخ کو کس عالم میں دیکھا ہے فرزند؟" سبکتگین نے گھبرا کر پوچھا۔

"شیخ بہت خوش نظر آ رہے تھے۔" یہ کہتے کہتے محمود کے چہرے پر ایک عجیب سی چمک اُبھر آئی تھی۔

"تو پھر اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟" امیر سبکتگین بھی مسکرانے لگا تھا۔ "صبح کا انتظار کرو۔ یقیناً تم پر کوئی اہم راز فاش ہونے والا ہے۔ حالتِ خواب میں شیخ کا تشریف لانا بے سبب نہیں ہے۔ اطمینان رکھو کہ اللہ کے ہر کام میں اس کے بندوں کے لئے فلاح و بہتری کا کوئی نہ کوئی پہلو ضرور پوشیدہ ہوتا ہے۔"

محمود مطمئن ہو کر جانے لگا تو سبکتگین نے پکار کر کہا۔ "میرے قریب آؤ فرزند!"

محمود باپ کا حکم سن کر پلٹا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا امیر سبکتگین کے قریب پہنچ کر گھٹنوں کے بل جھک

گیا۔ شفیق و مہربان باپ نے بے قرار ہو کر بیٹے کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"محمود! میں تم سے بہت خوش ہوں۔" شدتِ جذبات کے سبب سبکتگین کی آواز میں ہلکا سا ارتعاش پیدا ہو گیا تھا۔ "تم نے بلرام سنگھ جیسے تجربہ کار اور جنگجو انسان کو دونوں محاذوں پر شکست فاش دی ہے میں آئندہ بھی تم سے ایسی ہی فتوحات کی توقع رکھتا ہوں۔ مگر کبھی کبھی تمہاری جذباتیت سے بہت ڈر لگتا ہے۔ اللہ تمہیں اپنی امان میں رکھے اور دشمنوں کی نظرِ بد سے بچائے کہ تم ہی میرا سرمایہ ہو اور تم ہی میری زندگی کا سب سے خوبصورت خواب ہو۔"

محمود نے عقیدت و احترام کا مظاہرہ کرتے ہوئے باپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور پھر اُلٹے قدموں خیمے سے نکل کر چلا گیا۔

✻✻✻✻✻

دوسرے دن صبح ایک ستر سالہ بوڑھا سادھو اس علاقے میں داخل ہوا، جہاں پر امیر سبکتگین کے سپاہی خیمہ زن تھے۔ مسلمان فوجیوں نے ایک ایسے شخص کو جو ظاہری وضع قطع سے ہندو نظر آ رہا تھا، اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو سنبھل گئے۔

"میرا نام نند لال ہے اور مجھے نظام شاہ نے بھیجا ہے۔ میں تمہارے سردار، محمود سے ملنا چاہتا ہوں۔" بوڑھے سادھو نے پُرجلال لہجے میں کہا۔

مسلمان سپاہی، بوڑھے سادھو کو راجہ جے پال کا کوئی جاسوس سمجھ رہے تھے۔ مگر جب اس نے نظام شاہ کا نام لیا تو تمام سپاہی چونک اٹھے اور پھر فوراً ہی ایک فوجی نے محمود کو نند لال کی آمد کی خبر دی۔

محمود نے حیرت و خوشی کے ساتھ اس خبر کو سنا اور پھر اسے نظام شاہ کے الفاظ یاد آنے لگے......"کل صبح ہمارا ایک دوست تمہارے پاس آئے گا۔" محمود کو محسوس ہوا جیسے نظام شاہ حالتِ بیداری میں اسے حکم دے رہے ہیں۔ اس تاثر کے ساتھ ہی وہ خیمے سے نکلا اور بہت تیزی سے اس طرف روانہ ہو گیا، جہاں نند لال، ولی عہد غزنی کا انتظار کر رہا تھا۔

نند لال نے محمود کو آتے ہوئے دیکھا تو دیوانہ وار آگے بڑھا۔ سپاہیوں نے بوڑھے سادھو کو روکنے کی کوشش کی مگر محمود کا حکم سنتے ہی وہ اپنی اپنی جگہ ٹھہر گئے۔

"اسے مت روکو، یہ میرا دوست ہے۔ کیا تم جانتے نہیں کہ میں اس شخص کے استقبال کے لئے اپنے خیمے سے نکل کر یہاں تک پہنچا ہوں۔"

نند لال پاگلوں کی طرح محمود سے لپٹ کر رونے لگا۔ "میرے مسیحا! تُو نے آنے میں اتنی دیر کیوں کی؟ کیا تجھے نہیں معلوم کہ میں ایک بیمار بوڑھا ہوں۔" نند لال، بار بار محمود کی پیشانی اور آنکھوں کو بوسہ دیتا اور چیخنے لگتا۔ "تُو دیر سے آیا۔ مگر آ تو گیا۔"

محمود نے دوسرے سپاہیوں کے سامنے نند لال سے گفتگو کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس لئے وہ بوڑھے سادھو کو لے کر اپنے خیمے میں آیا اور پھر بصد ادب و احترام نظام شاہ کے دوست سے مخاطب ہو کر بولا۔

"بزرگ! اطمینان سے بیٹھیں اور مجھے بتائیں کہ آپ کون ہیں؟"

"میں کون ہوں، یہ بعد میں بتاؤں گا۔" نند لال نے کہا۔ "فی الوقت میں تمہیں ایک بہت اہم خبر دینے آیا ہوں۔ میری بات غور سے سنو۔"

محمود ہمہ تن گوش ہو گیا۔

"راجہ جے پال کا لشکر جہاں ٹھہرا ہوا ہے، وہاں کچھ فاصلے پر ایک صاف پانی کا چشمہ بہہ رہا ہے۔" سادھو نند لال بڑے رازدارانہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "تم آج ہی اپنے کچھ سپاہیوں کو حکم دو کہ وہ وہاں پہنچ کر اس چشمے میں تھوڑی سی غلاظت ڈال دیں۔ پھر اس جنگ کا فیصلہ ہو جائے گا۔"

سادھو نند لال کی بات سن کر محمود حیران رہ گیا۔

"بزرگ! یہ سب کچھ کیسے ہو گا؟ آپ کی گفتگو سمجھنے سے میرا دماغ قاصر ہے۔" ولی عہد غزنی شدید تذبذب کا شکار نظر آ رہا تھا۔

"تمہیں سمجھنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟" بوڑھے سادھو نند لال نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "جلدی کرو۔ وقت گزرتا جا رہا ہے۔"

"آپ شاید نہیں جانتے کہ جو بات میری سمجھ میں نہیں آتی، میں اس پر عمل بھی نہیں کرتا۔" محمود کا لہجہ نرم تھا مگر اس کے چہرے سے صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ نند لال کے منصوبے کی وضاحت سے پہلے کوئی قدم نہیں اٹھائے گا۔

"تو پھر میں جا رہا ہوں۔" بوڑھے سادھو نے بے نیازی کے انداز میں اپنے کاندھے پر چادر ڈالتے ہوئے کہا۔ "نظام شاہ سے ملاقات ہو تو کہہ دینا کہ میں ان کے حکم کے مطابق حاضر ہوا تھا مگر کسی نے میری بات نہیں سنی۔"

یہ کہہ کر نند لال واپس جانے کے لئے چند قدم آگے بڑھا۔

محمود کے ذہن میں آندھیاں سی چلنے لگیں اور سماعت میں نظام شاہ کے الفاظ گونجنے لگے۔

"محمود! تمہارے پاس ہمارا ایک دوست آئے گا۔ تم اس کی بات بہت غور سے سننا۔"

نظام شاہ کے الفاظ یاد آتے ہی محمود آگے بڑھا اور نند لال کی عبا کا دامن پکڑ لیا۔

"بزرگ! مجھ سے اس طرح ناراض ہو کر نہ جائیں۔" ولی عہد غزنی کے لہجے میں التجا تھی۔ "میں آپ کی بات پر شک نہیں کرتا۔ بس یہ چاہتا ہوں کہ اس عجیب و غریب صورتِ حال کو پوری طرح سمجھ لوں۔"

نند لال آگے بڑھتے بڑھتے رک گیا۔ پھر اس نے پلٹ کر محمود کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ "میں تم سے ناراض تو ہو ہی نہیں سکتا میرے مسیحا!" بوڑھے سادھو کے لہجے سے ولی عہد غزنی کے لئے بے پناہ عقیدت اور محبت کا اظہار ہو رہا تھا۔ "میں کون ہوں، کیوں آیا ہوں اور اس چشمے کا کیا راز ہے؟ میں تمہارے ایک ایک سوال کا جواب دوں گا۔ مگر ابھی نہیں۔ فی الوقت میں نے تم سے جو کچھ کہا ہے، اس پر عمل کرو۔" بوڑھا سادھو محبت آمیز لہجے میں بول رہا تھا۔

"مگر یہ کیسے ہو گا؟" نوعمر محمود، بوڑھے نند لال کی باتوں میں اُلجھ کر رہ گیا۔ "پانی کے چشمے میں ذرا سی غلاظت ڈال دینے پر جنگ کا فیصلہ ہو جائے گا، یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"میرے بچے! تم انتہائی قیمتی وقت برباد کر رہے ہو۔" سادھو نند لال نے ایک بار پھر بہت پیار سے محمود کو سمجھانے کی کوشش کی۔

بالآخر ولی عہد غزنی اس بوڑھے شخص کی بات ماننے پر مجبور ہو گیا جسے نظام شاہ نے اپنا دوست کہہ کر پکارا تھا۔

"جب راجہ جے پال کا لشکر پانی کے چشمے کے قریب ٹھہرا ہوا ہے تو یقیناً وہاں دشمن سپاہیوں کا اجتماع ہوگا۔" محمود نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اس صورت میں میرے سپاہی وہاں کس طرح پہنچیں گے؟" عہد غزنی کے ذہن میں بیک وقت کئی اندیشے سر اُبھارنے لگے تھے۔

"بہرحال یہ خطرہ تو تمہیں مول لینا ہی پڑے گا۔" سادھو نند لال نے جواباً کہا۔ "اگر کوئی بڑی فتح حاصل کرنے کے لئے اپنے چند سپاہیوں کی قربانی دے دی جائے تو یہ گھاٹے کا سودا نہیں ہے۔"

"جب راجہ جے پال، چشمے کی اہمیت کو سمجھتا ہے تو پھر اس کے گرد سخت ترین پہرہ بھی لگایا ہوگا؟" محمود نے ایک اور سوال کیا۔

"نہیں۔ وہ کچھ نہیں جانتا۔" بوڑھے سادھو نند لال نے تیز لہجے میں کہا۔ "راجہ جے پال، پتھر کے مجسموں کو پوجتا ہے اور ایک بت پرست، پانی کے اس چشمے کی حقیقت کو ہرگز نہیں سمجھ سکتا۔"

محمود کو اس انکشاف پر شدید حیرت ہوئی تھی۔ اس کے خیال میں سادھو نند لال خود بھی بت پرست تھا اور ایک بت پرست، دوسرے بت پرست کا مذاق اُڑا رہا تھا۔ یہ بڑی عجیب بات تھی۔ محمود، نند لال سے اس موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا تھا مگر یہ سوچ کر ٹال گیا کہ کہیں بوڑھا سادھو دوبارہ ناراض نہ ہو جائے۔ دراصل محمود، نند لال کی ناراضگی سے نہیں بلکہ نظام شاہ کی ناراضگی سے ڈرتا تھا۔ اس لئے خاموشی سے اس کی یہ عجیب و غریب پُراسرار گفتگو سنتا رہا۔

پھر طویل غور و فکر کے بعد یہ طے پایا کہ محمود کے فوجیوں کا ایک دستہ رات کے اندھیرے میں سفر کرے گا، پھر طلوعِ آفتاب سے قبل اپنا کام کر کے واپس لوٹ آئے گا۔

"نہیں۔ تمہارے فوجی اس انداز میں اپنی مہم پر روانہ نہیں ہوں گے۔" اچانک سادھو نند لال نے درمیان میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"پھر کس طرح میرے بزرگ؟" محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔

"تمام سپاہی، خانہ بدشوں کے لباس میں سفر کریں گے۔" سادھو نند لال نے محمود کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "تمہارے فوجی بظاہر غریب مسافر نظر آئیں گے لیکن وہ اندرونی طور پر پوری طرح مسلح ہوں گے کہ اگر مقابلے کی ضرورت پیش آجائے تو یہ لوگ اپنے آپ کو بے یار و مددگار محسوس نہ کریں۔"

اگرچہ سادھو نند لال کی تمام باتیں انتہائی پُراسرار تھیں لیکن پھر بھی محمود نے پچاس سپاہیوں پر مشتمل ایک مختصر سا فوجی دستہ بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔

محمود اپنے نائب سپہ سالار حسام ترک اور سادھو نند لال کے ساتھ رات بھر جاگتا رہا۔ حسام ترک، بوڑھے نند لال کو راجہ جے پال کا جاسوس سمجھ رہا تھا، مگر اُس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ محمود کے سامنے اپنے شکوک و شبہات کا اظہار کر سکے۔

بالآخر نصف شب کے قریب سادھو نند لال نے محمود کے سپاہیوں کو چشمے تک پہنچنے کا راستہ بتایا اور پھر یہ پچاس مجاہدینِ اسلام، رات کے اندھیرے میں اپنی زندگی کے سب سے عجیب محاذ پر روانہ ہو گئے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ پانی کے چشمے میں تھوڑی سی غلاظت ڈال دینے پر جنگ کا فیصلہ کس طرح ہوگا؟ غرض اپنے ذہنوں میں شدید اُلجھن لئے، محمود کے یہ جاں نثار سپاہی آہستہ روی کے ساتھ چشمے کی طرف روانہ ہوئے۔

❁❁❁❁❁

رات کے اندھیرے میں مجاہدینِ اسلام کے گھوڑے اتنی سست رفتار کے ساتھ چل رہے تھے، جیسے وہ کسی پسندیدہ چراگاہ میں گھاس پر منہ مارتے ہوئے رینگ رہے ہوں۔ محمود کے سپاہیوں کا منصوبہ یہی تھا کہ شب کے سناٹے میں گھوڑوں کی ٹاپوں کی تیز آواز نہ اُبھرے اور وہ سکون و احتیاط سے یہ دُشوار سفر طے کر لیں۔ اندھیرا ہونے کے سبب جاں فروشوں کا یہ مختصر سا قافلہ راستے سے بھٹک گیا۔ پھر جب صبح کے دھندلکے میں سپاہیوں کی آنکھیں کچھ دیکھنے کے قابل ہوئیں تو ان پہاڑیوں کا دور دور تک کوئی پتہ نہیں تھا، جن کی نشاندہی سادھو نند لال نے کی تھی۔ ان ہی پہاڑیوں کے درمیان وہ مخصوص چشمہ بہہ رہا تھا۔ تمام سپاہی کچھ دیر تک کھلے میدان میں حیران و پریشان کھڑے رہے۔ پھر اُنہیں کچھ فاصلے پر ایک کسان نظر آیا، جو منہ اندھیرے اپنے کھیت میں ہل چلا رہا تھا۔ سپاہیوں نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ دی اور کسان کے قریب پہنچے۔ کسان اجنبی سواروں کو دیکھ کر گھبرا گیا۔ محمود کے سپاہیوں نے اسے مخاطب کر کے کہا۔

"تم پریشان نہ ہو کہ ہم لوگ غریب مسافر ہیں، جو راستہ بھٹک گئے ہیں۔"

مقامی کسان شدید حیرت کے ساتھ اجنبیوں کے چہرے دیکھتا رہا۔ ان مسافروں کی زبان اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ پھر بھی بہت دیر بعد محمود کے سپاہی بڑی مشکل سے اپنا مفہوم سمجھانے میں کامیاب ہو سکے۔ ملتان کے مقامی کسان نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں اس چشمے کا پتہ بتایا، جو وہاں سے تقریباً چار پانچ میل دور تھا۔

محمود کے سپاہیوں نے اپنے اپنے گھوڑوں کی باگیں موڑ لیں اور تیز رفتاری کے ساتھ کسان کے بتائے ہوئے راستے پر روانہ ہو گئے۔ سورج آہستہ آہستہ طلوع ہو رہا تھا اور دن کی روشنی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس لئے محمود کے سپاہیوں نے گھوڑوں کی رفتار بڑھا دی تھی۔ وہ جلد از جلد مطلوبہ چشمے تک پہنچ جانا چاہتے تھے۔

پھر اندازاً نصف گھنٹے کے بعد محمود کے سپاہی ان پہاڑیوں کے قریب پہنچ گئے، جن کے درمیان یہ عجیب و غریب چشمہ موجود تھا۔ مجاہدینِ اسلام کی منزل نزدیک تر تھی۔ مگر اچانک ایک پہاڑی کی اوٹ سے راجہ جے پال کے سپاہیوں کا ایک دستہ نمودار ہوا۔ یہ سپاہی تعداد میں کوئی ڈیڑھ دو سو کے قریب تھے اور اپنے فرمانروا کے حکم کے مطابق اس علاقے میں گشت کر رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر مجاہدینِ اسلام کو رک جانا پڑا۔ اگرچہ محمود کے سپاہی، خانہ بدوشوں کے لباس میں سفر کر رہے تھے لیکن ان کے شگفتہ و شاداب چہرے، تیکھے نقش و نگار، کشادہ پیشانیاں اور مخصوص وضع کی داڑھیاں دیکھ کر ایک عام انسان بھی یہ اندازہ کر سکتا تھا کہ وہ کسی اور ہی ملک کے باشندے ہیں۔ راجہ جے پال کے سپاہیوں نے یہی قیاس کیا اور تیز رفتاری کے ساتھ ان کی طرف بڑھے۔ اپنے دشمنوں کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر محمود کے سپاہی بھی سنبھل گئے اور ایک دوسرے کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔

"شاید دشمن نے ہمیں پہچان لیا ہے، اس لئے ہوشیار ہو جاؤ کہ اب یہ کام ایک خونریز معرکہ آرائی کے بغیر انجام تک نہیں پہنچے گا۔"

اتنی دیر میں راجہ جے پال کے سپاہی، مجاہدینِ اسلام کے قریب پہنچ چکے تھے۔

"تم لوگ کون ہو؟" راجپوت فوجیوں کے نگراں نے چیخ کر کہا۔

محمود کے سپاہیوں کے لئے دشمنوں کی زبان اجنبی تھی۔ اس لئے وہ بس اندازہ ہی کر سکتے تھے کہ راجہ جے پال کے آدمی ان سے کیا پوچھ رہے ہیں۔

"ہم شکستہ حال مسافر ہیں اور پانی کی تلاش میں یہاں تک آئے ہیں۔" محمود کے ایک سپاہی نے جواباً کہا اور ہاتھ کے مختلف اشاروں سے اپنی بات سمجھانے کی کوشش کی۔

راجپوت سپاہی، اجنبی مسافروں کی دلیل سے مطمئن نہ ہو سکے۔ "تمہیں راجہ جے پال کے سامنے پیش ہونا ہوگا۔" راجپوت سپاہیوں کے نگراں نے چیخ کر کہا۔ "سمراٹ کی اجازت کے بعد ہی تم لوگ یہاں سے منزل کی طرف جا سکتے ہو۔ ورنہ تمہیں، ساری زندگی قید میں بسر کرنا ہوگی یا پھر ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔"

محمود کے سپاہی، راجپوت فوجی کی گفتگو کا صحیح مفہوم سمجھنے سے عاجز تھے۔ مگر انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ صورتِ حال بگڑ گئی ہے اور وہ آزادانہ طور پر اپنے خیموں کی طرف لوٹ کر واپس نہیں جا سکیں گے۔ مجبوراً انہوں نے بوسیدہ عباؤں کے نیچے سے اپنی شمشیریں نکالیں اور راجپوت سپاہیوں پر ٹوٹ پڑے۔

"ہم انہیں روکنے کی کوشش کرتے ہیں اور تم اپنا کام مکمل کرو۔" محمود کے سپاہیوں نے اپنے ایک ساتھی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تم وہ غلاظت چشمے میں ڈال دو اور یہاں سے نکل کر تمام صورتِ حال سے سردار محمود کو باخبر کر دو۔ یہ لوگ اتنی آسانی سے زیر نہیں ہوں گے۔ کچھ دیر بعد ان لوگوں کی مدد کے لئے تازہ فوجی کمک آ پہنچے گی اور ہم سب کے سب محصور ہو کر رہ جائیں گے۔ اب تو ایسا لگتا ہے کہ شاید یہیں ہماری قبریں بنیں گی۔ بہرحال تم ہمارے سردار محمود سے کہہ دینا کہ آپ کے جاں نثاروں نے اپنے عہد پورے کئے۔"

چند لمحوں کے لئے تو راجپوت سپاہی یہ سمجھ ہی نہیں سکے کہ خانہ بدوش مسافر کیا چاہتے ہیں۔ مگر جب انہوں نے اجنبیوں کے ہاتھوں میں چمکتی ہوئی تلواریں دیکھیں تو وہ بھی سنبھل گئے۔ اور پھر دونوں گروہوں میں گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔

محمود کے سپاہی بڑے جارحانہ انداز میں حملے کر رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے، کسی طرح جلد از جلد راجہ جے پال کے یہ ڈیڑھ دو سو سپاہی لقمۂ اجل بن جائیں اور برہمن حکمران کی طرف سے کوئی تازہ دم فوجی کمک نہ پہنچ سکے۔ راجپوت سپاہی بھی بڑی بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ لیکن محمود کے سپاہیوں کے حملوں کو روکنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ مجاہدینِ اسلام نے پہلی ہی یلغار میں پچاس ساٹھ راجپوت سپاہیوں کو تہہ تیغ کر دیا۔

اس دوران آگے بڑھ کر محمود کے ایک سپاہی نے گھوڑے کا تھوڑا سا فضلہ پانی کے اس چشمے میں ڈال دیا۔ غلاظت پڑتے ہی آن کی آن میں سرد ہوائیں چلنے لگیں اور آسمان پر گہرے بادل چھانے لگے۔ پھر یکایک چاروں طرف اندھیرا پھیل گیا۔ بجلی اتنی زور سے کڑکنے لگی کہ وہاں موجود تمام لوگوں کو اپنے کانوں کے پردے پھٹتے محسوس ہونے لگے۔ بڑی عجیب و غریب صورتِ حال تھی۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اس آفتِ ناگہانی سے گھبرا کر راجپوت سپاہی اپنے لشکر کی طرف پلٹے۔ محمود کے فوجیوں نے بھی اپنے گھوڑوں کی لگامیں کھینچیں اور اپنے ٹھکانے کی طرف لوٹ پڑے۔ تاریکی اس قدر بڑھ چکی تھی کہ تھوڑے فاصلے کی چیزیں بھی صاف نظر نہیں آ رہی تھیں۔ محمود کے سپاہی بس اندازے سے اپنی خیمہ گاہ کی طرف

لوٹنے کی کوشش کر رہے تھے۔

❁❁❁❁❁

جب آسمان پر سیاہ بادل چھا گئے، سرد ہوائیں چلنے لگیں اور بجلی کڑکنے لگی تو سادھو نند لال نے انتہائی مسرت آمیز لہجے میں چیختے ہوئے محمود سے کہا۔

"تمہارے آدمیوں نے اپنا کام پورا کر دیا۔ اب بہت جلد اس جنگ کا فیصلہ ہو جائے گا۔"

"بزرگ!" محمود نے سادھو نند لال کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی کہ میرے آدمی اپنا کام پورا کر چکے ہیں؟"

"یہ موسمی انقلاب اس بات کی علامت ہے کہ پانی کے چشمے میں غلاظت ڈالی جا چکی ہے۔" سادھو نند لال کے چہرے پر ایک عجیب و غریب چمک موجود تھی، جیسے اسے اپنی زندگی کا مقصد حاصل ہو چکا ہو۔

"اس موسمی انقلاب سے جنگ کے فیصلے کا کیا تعلق ہے؟" محمود نے سادھو نند لال سے پوچھا۔

"تم دیکھتے رہو میرے مسیحا!" نند لال نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ بگڑا ہوا موسم کچھ دیر بعد راجہ جے پال اور اس کے سپاہیوں کو مجبور کر دے گا کہ وہ لوگ تم سے اپنی زندگی کی بھیک مانگیں گے۔"

محمود کی حیرت میں دم بہ دم اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ پہلے تو اس کے لئے یہ بات ناقابلِ یقین تھی کہ پانی کے ایک چشمے میں تھوڑی سی غلاظت ڈال دینے پر موسمی تغیر پیدا ہو سکتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ آسمان پر سیاہ بادل چھا جانے یا تیز ہوائیں چلنے سے راجہ جے پال کو شکست بھی ہو سکتی ہے۔ محمود کے لئے یہ دونوں انکشافات بڑے حیران کن تھے۔

"بزرگ! معاف کیجئے گا کہ یہ ساری باتیں میری عقل سے بالاتر ہیں۔"

محمود کے لہجے میں شدید اُلجھن تھی، مگر پھر بھی اس نے نند لال کے ادب و احترام کو ملحوظِ خاطر رکھا تھا۔

"تم ابھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ یہ بگڑا ہوا موسم راجہ جے پال کے سپاہیوں کے لئے کیسی تباہیاں لائے گا۔" سادھو نند لال کے ہونٹوں پر واضح تبسم موجود تھا، جیسے وہ اپنی ہی قوم کی شکست و بربادی پر خوشی کا اظہار کر رہا ہو۔

پھر ایسا ہی ہوا۔ اچانک فضا میں ٹھنڈک پیدا ہو گئی۔ پھر یہ سردی اس قدر بڑھی کہ راجہ جے پال کے تمام گھوڑے اور بار برداری کے دوسرے جانور ٹھٹھر کر مر گئے۔ راجپوت سپاہی، سردی کی شدت سے ہلاک نہیں ہو سکے لیکن ان کے جسم اکڑنے لگے اور وہ نقل و حرکت سے معذور ہو گئے۔ دراصل راجہ جے پال کے سپاہی اور جانور ایک گرم علاقے کے رہنے والے تھے اس لئے وہ اچانک پیدا ہونے والی غیر معمولی سردی کو برداشت نہ کر سکے نتیجتاً اُن کی سانسیں تو جاری تھیں مگر جسم مفلوج ہو کر رہ گئے تھے۔ اس کے برعکس محمود اور اس کے سپاہی نسبتاً سرد علاقے کے باشندے تھے اس لئے اس آفتِ ناگہانی کو بڑی مشکل سے برداشت کر سکے۔

راجہ جے پال کے لشکر میں ایک حشر سا برپا تھا۔ سردی سے ٹھٹھرے ہوئے سپاہی کانپتی ہوئی آوازوں میں چیخ رہے تھے۔

"سمراٹ! یہ کیسا عذاب ہے جو ہم پر نازل ہو رہا ہے؟ کیا دیوتا ہم سے ناراض ہو گئے ہیں؟ ہم نے آج تک جاڑے کے موسم میں اتنے غضب کی سردی نہیں دیکھی۔ پھر گرمی کے موسم میں یہ بلا کیسے

ٹوٹ پڑی؟ کیا حملہ آور ملیچھوں نے ہم پر کوئی جادو تو نہیں کر دیا؟ بھگوان کے لئے اس جادو کا توڑ کیجئے ورنہ ہم سب اسی میدان میں برف کی طرح جم جائیں گے اور پھر دشمن سے جنگ کئے بغیر ہماری قسمت کا فیصلہ ہو جائے گا۔"

راجہ جے پال شدید ذہنی اذیت میں مبتلا تھا۔ بگڑے ہوئے موسم نے برہمن حکمراں کے اعصاب کو بری طرح متاثر کر رکھا تھا۔ راجہ جے پال کو محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا پورا جسم سن ہوتا جا رہا ہے۔ یہی حال راجپوت سپہ سالار ہنومان سنگھ کا بھی تھا۔ ایک تنومند اور طاقتور انسان ہونے کے باوجود اس کے دانت بج رہے تھے اور پورے بدن پر لرزہ طاری تھا۔ آخر اس آفتِ ناگہانی کا سبب دریافت کرنے کے لئے راجہ جے پال نے بوڑھے برہمن رگھوناتھ کو اپنے خیمے میں طلب کیا۔ ضعیفی اور ناتوانی کے سبب رگھوناتھ اس غیر معمولی سردی سے اتنا متاثر تھا کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔ مجبوراً اسے ایک طاقتور سپاہی اپنے کاندھوں پر اٹھا کر راجہ جے پال کے خیمے تک لایا اور فرش پر بٹھا دیا۔

برہمن حکمراں لرزتے ہوئے جسم کے ساتھ اور کانپتی ہوئی آواز میں پنڈت رگھوناتھ سے کہنے لگا۔

"گرو دیو! یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے؟ بھگوان کے لئے کوئی اپائے (ترکیب) کیجئے ورنہ یہ رن بھومی (میدانِ جنگ) ہمارے لئے شمشان گھاٹ بن جائے گی۔ اور پھر ہماری چتاؤں کو کوئی آگ لگانے والا بھی نہ ہوگا۔"

پنڈت رگھوناتھ نے بڑی مشکل سے اپنی پوتھی (نجوم کی کتاب) کھولی اور لرزتے ہاتھوں سے کاغذ پر کچھ لکیریں کھینچنے لگا۔ بڑھاپے اور سردی نے مل کر رگھوناتھ کے ہاتھوں میں انتہائی رعشہ پیدا کر دیا تھا۔ اس لئے کوئی لکیر درست نظر نہیں آ رہی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ کاغذ پر مختلف خانے بناتا رہا اور ان میں ستاروں کی رفتاریں بھرتا رہا۔ پھر بہت دیر بعد اس کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی مگر رگھوناتھ کی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ واضح نہیں تھے۔ راجہ جے پال گھبرا کر اس قدر جھکا کہ اس کے کانوں اور رگھوناتھ کے ہونٹوں میں برائے نام فاصلہ رہ گیا تھا۔ راجہ جے پال نے بڑی دشواری کے ساتھ سنا۔ پنڈت رگھوناتھ لڑکھڑاتی ہوئی زبان میں کہہ رہا تھا۔

"سمراٹ! سارے ستارے آپ کے حق میں ہیں۔ علم نجوم کی رو سے آپ کو عظیم الشان فتح حاصل ہوگی۔ مگر یہ کیسا عذاب ہے، میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" یہ کہتے کہتے پنڈت رگھوناتھ کے ہاتھ سے قلم چھوٹ گیا اور وہ اپنے سامنے بکھرے ہوئے کاغذات پر اوندھے منہ گر پڑا، چند ہچکیاں لیں اور اس طرح دنیا سے رخصت ہو گیا کہ اس کی آنکھیں شدتِ کرب سے پھٹی ہوئی تھیں اور ہونٹ اس طرح کھلے ہوئے تھے جیسے وہ راجہ جے پال سے کچھ کہنا چاہتا ہو اور درمیان ہی میں فرشتۂ اجل نے اس کی سانسیں غصب کر لی ہوں۔

پنڈت رگھوناتھ کی موت نے راجہ جے پال کو بہت زیادہ خوف زدہ کر دیا تھا۔ اگرچہ درباری نجومی نے برہمن حکمران کی فتح کی پیش گوئی کی تھی لیکن راجہ جے پال کی سماعت میں پنڈت رگھوناتھ کے آخری الفاظ گونج رہے تھے اور اس کے ساتھ ہی موسم کی ہولناکیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ بالآخر ملتان کا مغرور فرمانروا، امیر سبکتگین سے صلح کرنے پر مجبور ہو گیا۔

پھر اسی بگڑے ہوئے موسم میں اپنے چند معتبر اُمراء کو صلح کا پیغام دے کر امیر سبکتگین کی خدمت میں

پہنچا۔ اس وقت محمود اور سادھو نند لال بھی امیر کے خیمے میں موجود تھے۔ جیسے ہی راجہ جے پال کے ایلچی، خیمے میں داخل ہوئے، محمود نے عجیب سی نظروں سے بوڑھے سادھو نند لال کی طرف دیکھا جو سر جھکائے ہوئے آنکھیں بند کئے خاموش بیٹھا تھا۔ ولی عہدِ غزنی اس وقت خوشی اور حیرت کے جذبات سے سرشار تھا۔ خوشی اس لئے کہ ہولناک جنگ کے بغیر راجہ جے پال جیسے طاقتور حکمراں نے امیر سبکتگین کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے تھے اور محمود کو حیرت اس لئے ہو رہی تھی کہ بوڑھے سادھو نند لال کی پیش گوئی حرف بہ حرف درست ثابت ہوئی تھی اور پانی کے چشمے میں غلاظت ڈالتے ہی واقعتاً جنگ کا فیصلہ ہو گیا تھا۔ ولی عہدِ غزنی کو مزید حیرت اس بات پر تھی کہ درمیان میں سینکڑوں میل کا فاصلہ حائل ہونے کے باوجود نظام شاہ نے اپنے ایک دوست کے آنے کی خبر دی تھی اور یہ دوست سادھو نند لال تھا جو بظاہر ہندو نظر آتا تھا۔ محمود یہ راز سمجھنے سے قاصر تھا کہ آخر نظام شاہ اور نند لال کی دوستی کس انداز کی ہے اور دونوں کے درمیان یہ رابطہ کس طرح قائم ہوتا ہے۔ ابھی محمود یہ سوچ ہی رہا تھا کہ راجہ جے پال کے ایلچیوں نے امیر سبکتگین کے حضور اپنے حکمراں کا خط پیش کیا۔

"اس خط کا ایک ایک حرف با آواز بلند پڑھا جائے۔" امیر سبکتگین کی پُرجلال آواز گونجی اور محمود کے خیالات کی رو ٹوٹ گئی۔ ولی عہدِ غزنی چونک کر راجہ جے پال کے ایلچیوں کی طرف دیکھنے لگا۔

"امیر سبکتگین کے نام!" راجہ جے پال کے ایک ایلچی نے اپنے فرمانروا کا خط پڑھنا شروع کیا۔

"میں والیٔ سرہند و کشمیر، ملتان راجہ جے پال، امیر سبکتگین کی طرف صلح اور دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں اور اپنے مقابل حکمران پر یہ حقیقت واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اس جنگ سے دونوں فریقوں کو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ جنگ ہمیشہ ہلاکت و بربادی کا پیغام لے کر آتی ہے۔ میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ اس جنگ میں بھی ہزاروں انسان کام آ جائیں گے اور پھر بھی کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ اس لئے یہی بہتر ہے کہ ہم دونوں اپنے سینوں سے نفرت و انتقام کے جذبات نکال کر امن و عافیت کے ساتھ زندہ رہنے کا کوئی راستہ تلاش کر لیں۔ اگر امیر نے میری صلح کی اس پیشکش کو قبول کر لیا تو میں والیٔ غزنی کی خدمت میں کوہ پیکر ہاتھیوں کی کچھ قطاریں اور چند بیش قیمت تحفے ارسال کروں گا اور اس کیساتھ ہی امیر کو یہ یقین دہانی بھی کراؤں گا کہ آئندہ میری طرف سے کوئی جنگی اقدام نہیں کیا جائے گا۔"

امیر سبکتگین نے پوری سنجیدگی کے ساتھ راجہ جے پال کا خط سنا اور پھر کچھ دیر سوچنے کے بعد انتہائی باوقار انداز میں بولا۔ "تم اپنے حکمراں سے کہہ دینا کہ اس جنگ کا آغاز ہم نے نہیں کیا تھا۔ اگر ہم حملہ آور ہوتے تو پھر یہ ممکن تھا کہ صلح کی اس پیشکش پر کسی زاویے سے کچھ سوچنے کی زحمت گوارا کرتے۔ چونکہ ہم جارح نہیں، اس لئے جنگ کی ساری ذمہ داری راجہ جے پال پر عائد ہوتی ہے۔" امیر سبکتگین نے راجہ جے پال کے ایلچیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اب اس جنگ کا خاتمہ اس وقت تک نہیں ہوگا، جب تک فاتح اور مفتوح کی شکلیں صاف نظر نہ آنے لگیں۔ اور اپنے حکمراں سے یہ بھی کہہ دینا کہ ہم مسلمان خوامخواہ انسانی خون نہیں بہاتے۔ ہم ایک خاص مقصد کے تحت جنگ کرتے ہیں۔ اور جب یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے تو اپنے گھوڑوں کی لگامیں کھینچ لیتے ہیں اور شمشیریں نیام میں کر لیتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ابھی تک ہمیں اپنا مقصد حاصل نہیں ہوا، اس لئے یہ جنگ ابھی جاری رہے گی۔"

راجہ جے پال کے ایلچی ناکام و نامراد واپس لوٹ آئے۔ جب برہمن حکمراں نے امیر سبکتگین کا

جواب سنا تو اس کا چہرہ بجھ کر رہ گیا۔ ابھی وہ کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ راجپوت سپہ سالار ہنومان سنگھ جذباتی انداز میں چیختے ہوئے بولا۔

"سمراٹ! کچھ بھی ہو، ہم ان ملیچھوں سے جنگ جاری رکھیں گے۔ سبکتگین کا یہ جواب ہم راجپوتوں کی کھلی ہوئی توہین ہے۔"

ہنومان سنگھ کا یہ جذباتی طرزِ عمل دیکھ کر راجہ جے پال غضب ناک نظر آنے لگا۔ "ہنومان سنگھ! کیا پاگل ہو گیا ہے؟" برہمن حکمران نے انتہائی برہم لہجے میں کہا۔ "کیا راجپوتوں کی آن برہمنوں کی آن سے بڑھ کر ہے؟ ہرگز نہیں۔ تُو ایک ادنیٰ سپاہی ہے، جسے اندھوں کی طرح لڑنے کے سوا کچھ نہیں آتا۔ ہم کو بھگوان نے عقل دی ہے۔ اور اس عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیں ہر قیمت پر سبکتگین سے صلح کر لینی چاہئے۔"

سپہ سالار ہنومان نے سر جھکا دیا۔ "جیسی سمراٹ کی مرضی۔" ہنومان سنگھ کا لہجہ نرم تھا۔ مگر اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار صاف نظر آ رہے تھے۔

راجہ جے پال نے آگے بڑھ کر ہنومان سنگھ کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ اپنے سپہ سالار کو کسی حال میں ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا کہ آخر ہنومان سنگھ اس کا دایاں بازو تھا اور اگر یہ ہاتھ کٹ جاتا یا مفلوج ہو جاتا تو صورتِ حال مزید خراب ہو جاتی۔ اس لئے برہمن حکمراں نے گہری سیاست سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"ہنومان سنگھ! بے شک تم ایک انتہائی شجاع اور جاں نثار سپاہی ہو۔ تمہاری تلوار کی کاٹ کو دشمن بھی تسلیم کرتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی حالات اتنے پیچیدہ ہو جاتے ہیں کہ تلوار کی کاٹ اپنا اثر کھو دیتی ہیں۔ ایسے مواقع پر انسان کو اپنی عقل استعمال کرنی چاہئے۔ عقل کی کاٹ بعض حالات میں تلوار کی کاٹ سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ ہمیں اس وقت راج نیتی کے اس مشہور اصول کے مطابق کام کرنا ہو گا کہ جب فوج دشمن کے نرغے میں گھر جائے تو اسے بہت ہوشیاری کے ساتھ شکست و بربادی کے بھنور سے نکال کر کنارے تک لایا جائے۔ میں بس ایسا ہی کر رہا ہوں۔"

سپہ سالار ہنومان سنگھ اپنے عیار حکمراں کی پُرفریب باتوں سے بہل گیا۔

اس کے بعد راجہ جے پال نے امیر سبکتگین کی خدمت میں دوسرا صلح نامہ بھیجا۔ برہمن حکمراں نے واضح طور پر اپنے خط میں یہ عبارت تحریر کی تھی۔

"میں راجہ جے پال ایک بار پھر امیر سبکتگین کی طرف صلح اور دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔ میرا وعدہ ہے کہ میں امیر کی خدمت میں قیمتی تحائف پیش کرنے کے علاوہ ہر سال باقاعدگی کے ساتھ خراج کی رقم بھی ادا کرتا رہوں گا۔ مزید یہ کہ اپنے ملک میں امیر کا حکم بھی جاری کروں گا۔"

راجہ جے پال نے علی الاعلان اپنی شکست تسلیم کر لی تھی۔ امیر سبکتگین انسانی ہمدردی کے طور پر تیار تھا کہ وہ راجہ جے پال کی یہ پیشکش قبول کر لے اور دونوں لشکر مزید کشت و خون سے محفوظ رہیں مگر ولی عہدِ غزنی نے اس امر پر اپنے باپ سے شدید اختلاف کرتے ہوئے کہا۔

"امیرِ معظم! ہم راجہ جے پال سے اس وقت تک جنگ کریں گے، جب تک اس مغرور حکمراں کا لشکر نیست و نابود نہ ہو جائے۔ تاکہ یہ عیار دشمن ہمارے سامنے دوبارہ سر اُٹھانے کی جرأت نہ کر سکے۔"

امیر سبکتگین اپنے جواں سال بیٹے کی اس دلیل کو آسانی سے رد نہیں کر سکا۔ اس نے یہ کہہ کر

جے پال کے ایلچیوں کو واپس کر دیا۔ "مجھے اس صلح نامے کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے لئے کچھ وقت درکار ہے۔"

راجہ جے پال کے سفیر ایک بار پھر ناکام و نامراد واپس لوٹ گئے اور انہوں نے اپنے حکمراں کو صاف صاف بتا دیا کہ امیر سبکتگین کا بیٹا محمود اس صلح کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

راجہ جے پال کچھ دیر تک سوچتا رہا اور پھر اپنے ایک دوسرے معتبر ایلچی کو ولی عہدِ غزنی کے پاس بھیجا۔ وہ ایلچی انتہائی ذہین، تعلیم یافتہ اور چرب زبان تھا۔ اس نے نہایت اثر انگیز لہجے میں محمود کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ابھی آپ اہلِ ہند اور خصوصاً راجپوت قوم کے مزاج سے پوری طرح واقف نہیں ہیں۔ راجپوتوں پر جب کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہتا تو یہ انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اپنے انجام سے بے پروا ہو کر تمام مال و اسباب اور بیش قیمت اشیاء آگ کی نذر کر دیتے ہیں اور اپنے اس فعل کو آخرت کی بہتری تصور کرتے ہیں...... لیکن اگر اس کے بعد بھی اس مصیبت سے نجات پانے کی کوئی راہ نظر نہیں آتی تو اپنے قدیم رسم و رواج کے مطابق اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی آگ میں جھونک دیتے ہیں۔ پھر شکست و فتح کے تصور سے بے نیاز ہو کر دشمن کے ساتھ خوفناک جنگ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ خود بھی فنا ہو جاتے ہیں اور اپنی جاگیروں اور وراثتوں کو بھی مٹی کا ایک ڈھیر بنا دیتے ہیں۔"

یہ کہہ کر راجہ جے پال کا ایلچی موہن داس چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گیا اور پھر انتہائی پُرجوش لہجے میں محمود کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"ولی عہدِ غزنی کو معلوم ہونا چاہئے کہ راجپوتوں کی مصیبت اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ وہ اپنی قدیم رسم پر عمل کرنے کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ اگر آپ کو ان سب کی تباہی و بربادی ہی منظور ہے تو خیر...... ورنہ میرے خیال میں بہتر یہی ہے کہ صلح کا راستہ اختیار کر کے ہم سب کو اپنا ممنون بنائیں۔"

ہندو ایلچی موہن داس کی تقریر اس قدر اثر انگیز تھی کہ محمود بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ پھر ولی عہدِ غزنی نے راجہ جے پال کے تحریر کردہ صلح نامے میں ایک نئی شرط کا اضافہ کر دیا۔ وہ شرط یہ تھی کہ برہمن حکمراں ایک لاکھ درہم اور مزید پچاس ہاتھی نذرانے کے طور پر پیش کرے گا۔

راجہ جے پال نے فوراً ہی شرط منظور کر لی۔ اس کے ساتھ ہی امیر سبکتگین نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ محاذِ جنگ چھوڑ دیں اور اپنے اپنے خیموں کی طرف لوٹ جائیں۔

✽✽✽✽✽

اس دوران زخمی سپہ سالار بلرام سنگھ ایک بہت بڑے ذہنی انقلاب سے دوچار ہو چکا تھا۔ اسے مسلمانوں کے طریقۂ عبادت نے بہت زیادہ متاثر کیا تھا۔ جب وہ دیکھتا کہ نماز کے دوران امیر سبکتگین ایک عام سپاہی کے کاندھے سے کاندھا ملائے برابر برابر کھڑے ہیں تو وہ اس رسمِ مساوات پر حیران رہ جاتا اس کے علاوہ مسلمانوں کی رسمِ مدارات نے بھی اس کے دل و دماغ پر گہرا اثر چھوڑا تھا۔ والیٔ غزنی سے لے کر عام سپاہی تک ہر مسلمان اس طرح بلرام سنگھ کی دلجوئی کرتا جیسے وہ کوئی جنگی قیدی نہ ہو بلکہ معزز و محترم مہمان ہو۔ آخر ایک دن شدتِ جذبات سے مغلوب ہو کر بلرام سنگھ نے تنہائی میں محمود سے کہا۔

"سردار! میں اس مختصر عرصے میں دو بار قتل ہو چکا ہوں۔ پہلے تم نے مجھے میدانِ جنگ میں شکست دی، پھر اپنی اعلیٰ ظرفی اور رواداری کے خنجر سے ہلاک کر ڈالا۔ اب تم ہی بتاؤ، میں کیا کروں؟" بلرام سنگھ کے لہجے میں بڑا کرب تھا۔

"کیا راجپوت سالار کو ہماری رسمیں پسند نہیں آئیں؟" محمود نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"یہ تمہاری رسمیں ہی تو ہیں جو میری روح کی گہرائیوں تک اُتر چکی ہیں۔" بلرام سنگھ نے اسلامی اقدار کی بلندیوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ "پہلے میں صرف اپنے جسم کو تمہارا قیدی سمجھتا تھا، مگر اب میرے دل و دماغ بھی نادیدہ زنجیروں کے اسیر ہو چکے ہیں۔"

"تو کیا تم ان زنجیروں کو توڑنا چاہتے ہو؟" محمود نے سوال کیا۔

"اگر ایسا کر سکتا تو اب تک ان زنجیروں کو توڑ کر رات کے اندھیرے میں کہیں دُور چلا گیا ہوتا اور اپنی اس نامراد زندگی کا خاتمہ کر چکا ہوتا۔" بلرام سنگھ بڑی سچائی سے اپنے جذبات کا اظہار کر رہا تھا۔ "مگر کیا کروں کہ میرے قدم اس حصار سے باہر ہی نہیں جاتے۔ ہر بار تمہاری کوئی نہ کوئی رسم مجھے اندر کھینچ لیتی ہے۔"

"میں یہی چاہتا ہوں کہ تم اس حصار سے باہر نہ جا سکو۔" محمود نے انتہائی پُر جوش لہجے میں کہا۔ "ہمارے ساتھ رہ جاؤ! ہمارے بھائی بن کر، ہمارے سردار بن کر۔"

محمود کی اس محبت نے بلرام سنگھ کو رُلا دیا اور لوہے کی چٹان موم بن کر بہنے لگی۔ پھر جب آنسوؤں کا سیلاب رُکا تو بلرام سنگھ کی دنیا ہی بدل چکی تھی۔ راجپوت سپہ سالار نے علی الاعلان مذہب اسلام قبول کر لیا تھا۔ امیر سبکتگین نے اس خوشی میں ایک جشنِ عام منعقد کیا۔ پھر فوراً ہی والئ غزنی نے اپنے ایک قاصد کو خط دے کر راجہ جے پال کے پاس بھیجا۔

امیر سبکتگین نے اپنے اس خط میں واضح طور پر لکھا تھا۔ "راجہ جے پال کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس کا زخمی سپہ سالار بلرام سنگھ صحت یاب ہو چکا ہے اور اس نے پورے ہوش و حواس میں کسی جبر کے بغیر اسلام قبول کر لیا ہے۔ اب وہ مذہبی رشتے سے ہمارا بھائی ہے۔ اس لئے ایک بھائی کی طرف سے والئ غزنی مطالبہ کرتا ہے کہ تم اس کی بچی شکنتلا اور بیوی ساوتری کو بحفاظت ہم تک پہنچا دو۔ نئی صورتِ حال میں اب یہی ہمارے صلح نامے کی پہلی شرط ہے۔ اگر تم نے کسی وجہ سے یہ شرط ساقط کر دی تو ہم بھی اس صلح نامے کو چاک کر کے اس کے پُرزے ہوا میں اُڑا دیں گے۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ اگر تم نے کسی مذہبی تعصب کی بنیاد پر بلرام سنگھ کی بیوی اور بچی کو کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو اس کے بڑے خوفناک نتائج برآمد ہوں گے۔"

❁❁❁❁❁

امیر سبکتگین کا خط پڑھ کر راجہ جے پال کے دل و دماغ جل اُٹھے۔ مگر اس نے غزنی کے قاصد کے سامنے اپنے جذبات پر قابو رکھا اور بڑے فریب کارانہ انداز میں مسکرانے لگا۔

"ہمیں امیر سبکتگین کی یہ شرط بھی دل و جان سے قبول ہے۔ والئ غزنی اطمینان رکھیں! ہم لاہور پہنچتے ہی بلرام سنگھ کی بیوی اور بچی کو پورے عزت و احترام کے ساتھ امیر کے پاس بھیج دیں گے۔"

اس کے بعد راجہ جے پال نے اپنی حکومت کے ایک معتبر آدمی دولت رام کو بطور ضمانت امیر سبکتگین کی خدمت میں بھیج دیا۔ دولت رام، راجہ جے پال کی حکومت میں وزیر اعظم کا درجہ رکھتا تھا۔ پھر برہمن حکمران مسلمانوں کی ایک جماعت کو اپنے ساتھ لے کر لاہور آیا تا کہ صلح نامے کی شرائط کے مطابق رقم، ہاتھی اور دوسرے تحائف ان کے حوالے کر سکے۔ اس دوران امیر سبکتگین کا لشکر غزنی کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔

لاہور پہنچ کر راجہ جے پال نے بدعہدی کی۔ بلرام سنگھ کی بیوی اور بچی کو بہیمانہ انداز میں قتل کر دیا اور اپنے ساتھ آنے والے مسلمانوں کو گرفتار کر لیا۔ بس ایک شخص کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ وہ غزنی واپس جائے اور اپنے امیر سے کہہ دے کہ مسلمان اس وقت تک قید رہیں گے، جب تک میرا وزیر اعظم دولت رام بحفاظت مجھ تک نہیں پہنچ جاتا۔ اگر دولت رام کے جسم پر ایک بھی زخم آیا تو میں تمام مسلمانوں کو قتل کر دوں گا۔

❁❁❁❁❁

امیر سبکتگین فتح کے نشے سے سرشار غزنی کی حدود میں داخل ہوا۔ اکثر باشندے اپنے فرماں روا کا استقبال کرنے شہر سے باہر نکل آئے تھے۔ وہ دیوانہ وار امیر سبکتگین اور صاحب زادہ محمود کا نام لے کر زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔ بعض افراد سرخوشی کے عالم میں اپنے علاقے کی رسم کے مطابق دف بجا کر رقص بھی کر رہے تھے۔

اس سفر میں بوڑھا سادھو نند لال بھی محمود کے ہمراہ تھا۔ جب ملتان میں راجہ جے پال نے اپنی شکست تسلیم کر لی تھی تو سرد ہواؤں کا طوفان بھی تھم گیا تھا۔ اس عجیب و غریب فتح کے بعد محمود نے سادھو نند لال سے پوچھا تھا۔

"بزرگ! اب مجھے بتائیں کہ آپ کون ہیں؟ اور یہ جو انوکھا واقعہ پیش آیا ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟"

سادھو نند لال کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا اور پھر آہستہ آہستہ کہنے لگا۔ "میرے مسیحا! یہ رنج و الم اور محرومیوں کی عجیب داستان ہے۔ میرے گرو مراری لال، ہندو مذہب کے باغی تھے۔ داتا کے کرم سے نوجوانی ہی میں ان پر یہ راز فاش ہو گیا تھا کہ اس سنسار کا پالن ہار (مالک) اپنی ذات میں ایک ہے۔ وہ ہندوؤں کے عام عقیدے کے مطابق ہزاروں دیوتاؤں کے قائل نہیں تھے، اس لئے پتھر کے پجاریوں کے سماج میں ان پر زمین تنگ ہو گئی تھی۔ گرو مراری لال اپنی ضد کے اس قدر پکے تھے کہ وہ خاموشی سے ہر ستم برداشت کرتے رہے مگر انہوں نے کسی رسم کے آگے سر نہیں جھکایا۔ وہ برملا کہا کرتے تھے کہ میں ان مورتیوں کو سجدہ نہیں کر سکتا، جنہیں انسان نے خود اپنے ہاتھوں سے تراشا ہو۔ میرے گرو کا عقیدہ تھا کہ اس دنیا کا مالک تنہا ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں۔ وہ اس چشمے کے کنارے دن رات آنکھیں بند کئے اسی نادیدہ ہستی کے تصور میں کھوئے رہتے تھے۔" سادھو نند لال انتہائی اثر انگیز لہجے میں اپنے گرو مراری لال کی کہانی سنا رہا تھا۔ "میرا تعلق ملتان کے ایک اچھوت خاندان سے ہے۔ بستی کے لوگ بتاتے تھے کہ میری ماں ایک بہت خوب صورت عورت تھی۔ اُس وقت میری عمر مشکل سے ڈیڑھ سال ہو گی، ہندوستان میں یہ ایک نہایت غلیظ اور وحشیانہ رسم ہے کہ یہاں کے برہمن، اچھوتوں کو گائے بیل اور بھیڑ بکریوں کے برابر بھی درجہ نہیں دیتے۔ اچھوتوں پر تمام مندروں کے دروازے بند رہتے ہیں۔ نہ انہیں

دیوتاؤں کی پوجا کرنے کا حق حاصل ہے اور نہ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے برابر کھڑے ہونے کا۔ یہ محض ایک ناپاک مخلوق ہیں، جن کے چھو لینے سے دنیا کی ہر شے ناپاک ہو جاتی ہے۔ یہاں ایک اور ذلیل رسم بھی صدیوں سے جاری وساری ہے۔ وہ یہ کہ ہندوستان کے برہمن، اچھوت عورتوں کو بے دریغ اپنی ہوس کا نشانہ بنا لیتے ہیں۔ ان کے اس ظلم کے خلاف کوئی اچھوت احتجاج نہیں کرسکتا کہ اعلیٰ نسل کے ہندو خود ہی عدالت ہیں، خود ہی منصف، خود ہی انصاف اور خود ہی قانون۔ یہاں جب کسی اچھوت لڑکی کی شادی ہوتی ہے تو اس مظلوم لڑکی کو اپنے شوہر کے یہاں جانے سے پہلے ایک رات کسی سردار کے ساتھ گزارنی پڑتی ہے۔ میری ماں کے ساتھ بھی یہی شرم ناک واقعہ پیش آیا تھا۔ مگر خاندان کے کسی فرد نے اس طرزِ عمل پر کوئی ذلت محسوس نہیں کی کہ اس بستی کی یہی رسم تھی اور اس نگری کا یہی قانون تھا۔“

یہ کہتے کہتے بوڑھا سادھو نند لال رونے لگا۔ ”پھر میری پیدائش کے بعد کسی اور سردار نے دوبارہ میری ماں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنا ڈالا۔ اس مرتبہ وہ یہ ذلت برداشت نہ کرسکی اور اس نے دریا میں کود کر خودکشی کر لی۔ میرا باپ شدید ذہنی صدمے کے سبب اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا۔ وہ تین چار ماہ تک پاگلوں کی طرح بستی میں پھرتا رہا۔ پھر ایک دن وہ یہ کہتا ہوا پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ گیا کہ میں اپنی بیوی کے پاس جا رہا ہوں۔ بستی کے کچھ لوگوں نے میرے باپ کو روکنے کی بہت کوشش کی، مگر اُس کی زندگی کے دن پورے ہو چکے تھے۔ وہ پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ گیا اور اپنی بیوی کا نام لیتا ہوا نیچے کود پڑا۔ یہاں کے بڑے بوڑھے بتاتے ہیں کہ پہاڑی سے گرنے کے بعد اس کے بدن کا کوئی حصہ سلامت نہیں تھا۔ پورے جسم پر زخم ہی زخم تھے۔ اس نے بمشکل چند ہچکیاں لیں اور مجھے یتیمی کی حالت میں چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ پھر میرے کچھ رشتے داروں نے مجھے غلاموں کی طرح پرورش کیا۔ جب میں چار پانچ سال کا ہوا تو بستی والوں کے سامنے کچھ بھجن گا کر بھیک مانگنے لگا۔ میرے عزیزوں نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر بھیک نہیں مانگوں گا تو روٹی بھی نہیں ملے گی۔ مجبوراً لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر اپنا پیٹ بھرتا رہا۔ پھر جب ہوش سنبھالا تو اپنے ماں باپ کی دردناک موت کے واقعات سنے اور اس بے رحم دنیا سے نفرت ہو گئی۔ برہمنوں کا تو ذکر ہی کیا کہ انٰ کے نزدیک تو پوری اچھوت قوم ہی جانوروں سے بدتر تھی۔ مگر میرے اذیت وکرب میں اس وقت ناقابلِ بیان اضافہ ہو جاتا تھا۔ جب میری برادری بھی مجھے بھکاری سمجھ کر حقارت سے ٹھکرا دیتی تھی۔ دیکھنے میں ایشور کی یہ دھرتی کتنی وشال ہے۔ مگر میرے لئے یہاں کوئی ایسا گوشہ موجود نہیں تھا، جہاں بیٹھ کر میں عزت وسکون کی ایک سانس بھی لے سکوں۔ پوری بستی میں میرا کوئی غم گسار بھی نہیں تھا۔ ہر آنکھ میں میرے لئے اجنبیت کا دھواں تھا۔ اور ہر دل میں نفرت کا غبار۔ کبھی کبھی دل چاہتا تھا کہ میں بھی اپنے ماں باپ کی طرح خودکشی کر کے غموں کے اس لامحدود سلسلے کو ختم کر دوں۔ مگر کوئی انجانی سی طاقت مجھے روک لیتی تھی۔ پھر ایک دن میں اُداس اور تھکا ہوا اس پہاڑی کی طرف نکل گیا، جہاں گرو مراری اپنے گیان دھیان میں مگن رہتے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگے۔

”کب تک اپنے آپ سے بھاگتا رہے گا؟ مورکھ! اُس کو پہچان اور حیوانوں کی بستی سے نکل کر انسانوں کی دنیا میں قدم رکھ۔“

گرو مراری لال کے لہجے میں بڑی اپنائیت تھی۔ ایسا لگا کہ جیسے میرا باپ زندہ ہو کر بات کر رہا ہو اور

اس نے میرے بے قرار وجود کو سکون دینے کے لئے اپنی آغوشِ محبت وا کر دی ہو۔ میں بے اختیار ہو کر گرو مراری لال کے قدموں میں جھک گیا۔ مگر یہ اُن کی اعلیٰ ظرفی تھی کہ انہوں نے مجھے زمین سے اُٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ پھر میں انہی کے رنگ میں رنگ گیا اور سنسار کو اس طرح تیاگ دیا جیسے اس سے کبھی کوئی جان پہچان ہی نہ تھی۔ گرو کی شکشا (تعلیم) کے دوران ہی مجھ پر یہ راز فاش ہوا کہ اس سنسار کی جنم داتا کوئی ایک ہستی ہے۔ گرو بھی اسی واحد ذات کو مانتے تھے اور کہتے تھے کہ ایک دن ہزاروں دیوتاؤں کی نفی کرنے والے لوگ ادھر آئیں گے اور پھر انہیں مکمل نجات حاصل ہو جائے گی۔ مگر ان کے بھاگ میں تم لوگوں کے درشن نہیں تھے۔ گرو کی یہ بھوش وانی (پیش گوئی) درست ثابت ہوئی کہ ایک ہستی کے ماننے والے اُس دھرتی پر آئے لیکن خود اُن کی سانسیں پوری ہو چکی تھیں۔ پچھلے سال گرو مراری لال کا دیہانت (انتقال) ہو گیا۔ مرنے سے پہلے وہ دن رات رویا کرتے تھے۔ میں نے نصف شب کے سناٹے میں ان کی چیخیں سنی ہیں۔ گرو شدید گریہ وزاری کرتے ہوئے کہتے تھے۔ ”میں نے تیرے انتظار میں سو سال گزار دیئے مگر تُو ایک بار بھی مجھ غریب کی جھونپڑی کی طرف نہیں آیا۔ میں نہیں جانتا کہ میں تجھے کیسے چاہوں اور کیسے پوجوں میں بہت کمزور اور کم علم انسان ہوں۔ میں تیری حقیقت کو نہیں پہچانتا کہ تُو کون ہے۔ مگر اتنا ضرور جان گیا ہوں کہ جو پتھروں کی شکل میں ڈھل سکتا ہے، تُو وہ ہرگز نہیں ہے، جسے یہ جنم جنم کے اندھے صدیوں سے پوج رہے ہیں۔ مجھے اعتراف ہے کہ ساری عمر گزار دینے کے باوجود میں تیری ہستی کو نہیں سمجھ سکا۔ اور تیری اپنی خواہش کے مطابق پرستش نہیں کرسکا۔ لیکن پھر بھی تُو خوب جانتا ہے کہ میں نے تجھے ان بے جان مورتیوں کی قطار میں کھڑا نہیں کیا۔ بس میری بے چین آنکھوں کو اپنی ایک ہلکی سی جھلک دکھا دے اور بس۔ ایک بار میرے دلِ داغ داغ پر اپنی ذات کا انکشاف کر دے کہ اب میں بہت تھک گیا ہوں۔ ایسا لگتا ہے کہ کچھ دیر بعد مجھے نیند آ جائے گی۔ مگر میں تجھے دیکھے بنا سونا نہیں چاہتا۔ مجھ پر دیا کر داتا! دیا کر کہ تیری دیا کا کوئی انت نہیں۔ اور تیرا کرم اپار (لامحدود) ہے۔“

اپنے گرو مراری لال کے عشقِ سوزاں کی داستان سناتے سناتے سادھو نند لال کا دامن بھیگ چلا تھا۔

”پھر ایک دن گرو دیو نے بڑے کرب ناک اور حسرت آمیز لہجے میں کہا کہ ان کی زندگی کا آخری دن آ پہنچا ہے۔ انہوں نے مرنے سے پہلے مجھے وصیت کی تھی کہ جب ان کی سانس کی ڈوری ٹوٹ جائے تو انہیں ایک کوری چادر میں لپیٹ کر دریا کے حوالے کر دیا جائے۔ انہوں نے آخری سانس لینے سے پہلے یہ بھی کہا تھا کہ ایک ہستی کے ماننے والے ایک دن ضرور آئیں گے اور جنموں کی تڑپتی ہوئی پیاسی آتماؤں کو نروان (نجات) کا امرت پلائیں گے۔ اور جو نیچ بنا دیئے گئے ہیں، انہیں مانوتا (انسانیت) کی اونچائی پر لے جائیں گے۔ اور جن کی زبانیں جبر وستم کی شمشیروں سے کاٹ دی گئی ہیں۔ انہیں نئی زبانیں دیں گے۔ انہیں عزت وآبرو کے نئے لباس پہنائیں گے۔ اور جنہیں دولت واقتدار کے جنگل میں چوپایہ بنا کر چھوڑ دیا گیا ہے، انہیں پھر سے آدمیت کے سنگھاسن (تخت) پر بٹھائیں گے۔ میرے گیان اور تپسیا نے مجھے خبر دی ہے کہ وہ لوگ بہت جلد یہاں پہنچنے والے ہیں۔ مگر افسوس کہ میں ان کا استقبال کرنے کے لئے اس وقت موجود نہیں ہوں گا۔ کیا کروں کہ آکاش پر یہی لکھا گیا ہے۔ پھر جب آنے والے آ جائیں، انہیں میرا سلام کہنا اور یہ بھی کہہ دینا کہ مراری لال بہت تھک گیا تھا، تمہارا انتظار کرتے کرتے چلا گیا۔“

یہ کہتے کہتے سادھو نند لال کے آنسو کچھ اور تیزی سے بہنے لگے تھے۔ ”گرو دیو نے مجھے یہ ہدایت

بھی کی تھی کہ میں کشمکشِ انتظار سے گھبرا کر کہیں اور چلا نہ جاؤں۔ کبھی کبھی گرو دیو کی آنکھوں میں چراغ سے جل اُٹھتے تھے اور شدتِ جذبات کے سبب چہرے پر ایک انجانی آگ سی بھڑکنے لگتی تھی اور وہ مجھے مخاطب کر کے کہتے تھے۔

''نند لال! یہ ہو سکتا ہے کہ سورج پورب کے بجائے پچھم سے نکل آئے۔ مگر آنے والوں کا آنا نہیں ٹلے گا۔ میں تو بدنصیب تھا۔ اس لئے اس سمے کو نہیں پا سکا۔ لیکن تُو اپنی جگہ رہنا کہ وہ ایک دن ادھر سے ضرور گزریں گے۔ اور آنکھیں کھلی رکھنا کہ آنے والے بجلی کی طرح آئیں گے۔ کہیں تیری پلکیں نہ جھک جائیں۔ اور راتوں کو جاگتے رہنا، کہیں وہ شبھ گھڑی بے پاؤں چپ چاپ نہ گزر جائے۔ آنے والوں کا دامن بھکاریوں کی طرح پکڑ لینا۔ اگر تُو ایک پل کے لئے بھی جھجکا تو وہ آندھی کی طرح چلے جائیں گے۔'' یہ کہہ کر سادھو نند لال کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور چہرے پر عجیب سی دھند چھائی تھی۔

گرو مراری لال کی داستانِ فراق سن کر ولی عہدِ غزنی اُداس ہو گیا تھا اور اُس کی آنکھوں سے ہلکی ہلکی نمی جھلکنے لگی تھی۔ ''اُس کے بعد کیا ہوا بزرگ؟'' محمود نے نند لال کو خاموش پا کر کہا۔

''پھر وہ لوگ اس علاقے میں داخل ہو گئے، جن کی خبر میرے گرو دیو مراری لال نے دی تھی۔'' سادھو نند لال نے انتہائی پُر جوش لہجے میں کہا۔ ''مگر میں بہت دنوں تک ان لوگوں کی آمد سے بے خبر رہا اور مجھے خبر بھی کس طرح ہوتی کہ میں نے تو اپنی ساری عمر اسی ایک گوشۂ ویرانی میں گزار دی ہے۔ نہ کوئی ادھر آتا ہے اور نہ میں کسی سے ملنے جاتا ہوں۔ پھر کون مجھے بتاتا کہ جن کا انتظار کرتے کرتے میرے گرو اس سنسار سے چلے گئے، وہی لوگ ملتان کی حدوں میں آ پہنچے ہیں۔ پھر میں نہ جانے کب تک بے خبر رہتا، ایک روشن چہرے والا جواں شخص میرے خواب میں آیا اور مجھ سے کہنے لگا...... ''نند لال! تجھے جن لوگوں کا برسوں انتظار تھا، وہ تیرے گھر کے دروازے تک آ گئے ہیں اور تُو بے خبر پڑا سو رہا ہے۔ اُٹھ اور اپنے مہمانوں کا استقبال کر۔ مسلمانوں کے سردار محمود کے پاس جا کہ وہ میرا بیٹا بھی ہے اور تیرا نجات دہندہ بھی۔ محمود سے کہہ دینا کہ تجھے نظام شاہ نے بھیجا ہے اور تُو اُس کا دوست ہے...... یہ کہہ کر وہ روشن چہرے والا شخص غائب ہو گیا اور میری آنکھ کھل گئی۔'' سادھو نند لال کے چہرے پر عجیب سی چمک تھی اور لہجے میں عجیب سا ارتعاش تھا۔ ''پھر میں سیدھا اپنے مسیحا کے پاس چلا آیا کہ نظام شاہ نے یہی کہا تھا۔ اگرچہ میں نظام شاہ کی دوستی کے لائق نہیں ہوں لیکن یہ اُن کی اعلیٰ ظرفی ہے کہ انہوں نے مجھے یہ منفرد اعزاز بخشا۔ اگر وہ مجھے بروقت جھنجوڑ کر نہ اُٹھاتے تو میں یوں ہی بے خبر سوتا رہتا اور میری مرادوں کا قافلہ میرے دروازے کے سامنے سے چپ چاپ گزر جاتا۔ پھر قافلہ گزر جانے کے بعد میری آنکھ کھلتی تو کیسا عبرت ناک منظر ہوتا کہ ایک بھکاری کے آنگن میں ہیروں اور موتیوں کی بارش ہو رہی ہے اور وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ میں تو شاید رنج و الم کی شدت سے مر ہی جاتا۔ مگر ایشور دونوں جہان میں نظام شاہ کا بھلا کرے کہ انہوں نے مجھے وقت سے پہلے جگا دیا اور ایک گم کردہ راہ کو اُس کی منزل پر لے جا کھڑا کر دیا۔''

یہ کہتے ہوئے سادھو نند لال نے محمود کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے اور انہیں ایک طویل بوسہ دینے کی کوشش کی۔ مگر ولی عہدِ غزنی نے فوراً ہی اپنے دونوں ہاتھ کھینچ لئے اور انتہائی ادب و احترام کے ساتھ سادھو نند لال کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''ہم مسلمانوں میں یہ ایک مکروہ فعل ہے۔ خود نظام شاہ بھی اسے پسند نہیں کرتے۔''

''بڑی عجیب بات ہے کہ ایک مذہب کے ماننے والے انسان کے پاک اور صاف ہاتھوں کو چومنا بھی اچھا نہیں سمجھتے اور دوسرے مذہب کے پیروکار، جانوروں کی غلاظت کھانے کو اپنے لئے ذریعۂ نجات سمجھتے ہیں۔'' (واضح رہے کہ ہندوؤں کی ایک بڑی اکثریت آج بھی گائے کے گوبر اور دوسری غلاظتوں کو انتہائی متبرک اور پاک سمجھتی ہے۔ سادھو نند لال نے اسی طرف اشارہ کیا تھا۔)

''ہمیں اس سے غرض نہیں کہ دوسرے مذہب کے لوگوں کا طرزِ عمل کیا ہے۔'' محمود نے نہایت باوقار انداز میں ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''مگر آپ یہ تو بتائیں کہ پانی کے اس چشمے میں تھوڑی سی غلاظت ڈال دینے پر اتنا بڑا طوفان کیسے اُٹھ کھڑا ہوا؟ آخر یہ کیا راز ہے؟''

سادھو نند لال کچھ دیر تک خاموش بیٹھا رہا اور پھر آہستہ آہستہ کہنے لگا۔ ''اس چشمے میں میرے گرو مراری لال اشنان کیا کرتے تھے۔ اور یہ اُنہی کی روحانیت کا اثر تھا کہ جنگلی جانور بھی شدید پیاس کے باوجود چشمے میں منہ ڈالنے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ پیاسی گائے اور بھینسیں ادھر آتی تھیں، مگر چشمے کے قریب پہنچ کر اچانک چیختی ہوئی بھاگ کھڑی ہوتی تھیں۔ یہ میرے گرو کا روحانی جلال تھا کہ کوئی ناپاک انسان یا جانور اس چشمے میں نہا ہی نہیں سکتا تھا۔ ہاں، اتنا ضرور تھا کہ کوئی پیاسا ذی روح اپنی پیاس بجھا سکتا تھا۔ پھر ایک دن ایک شرابی سردار نے اس چشمے کے پانی سے نہانے کی کوشش کی، مگر جیسے ہی وہ اندر گھسا، گہرے بادلوں، بجلی کی کڑک اور تیز ہواؤں کا طوفان آ گیا۔ سردار گھبرا کر چشمے سے باہر نکلا مگر نشے کی حالت میں ہونے کے سبب وہ چند قدم آگے جا کر گر پڑا اور سردی سے ٹھٹھر کر مر گیا۔ میں نے گرو دیو سے اس طوفان کی وجہ پوچھی تو وہ خاموش بیٹھے رہے۔ مگر جب میرا اصرار حد سے بڑھ گیا تو وہ بڑے راز دارانہ لہجے میں کہنے لگے۔

''نند لال! یہ اس شخص کے نہانے کی جگہ ہے، جس نے ساری زندگی ایک ہی ذات کی پوجا کی ہے۔ پھر بھلا اس چشمے میں وہ لوگ کیسے اشنان کر سکتے ہیں جو ہزاروں خداؤں کے پجاری ہیں؟ یاد رکھنا کہ اس میں جب بھی غلاظت ڈالی جائے گی، ایسے ہی طوفان اُٹھیں گے۔ مجھے گرو کی یہ بات یاد تھی۔ اس لئے جیسے ہی تم یہاں آئے، میں نے یہ راز فاش کر دیا۔ اور پھر جو کچھ ہوا، تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔''

اس چشمے سے وابستہ عجیب و غریب کہانی ختم ہو چکی تھی۔ محمود بہت دیر تک حیرت و سکوت کے عالم میں بیٹھا رہا۔ پھر نند لال کے ساتھ اُٹھ کر اس چشمے تک آیا اور گرد و نواح کا جائزہ لیتا رہا۔ پانی کا یہ چشمہ ایک مختصر سا تالاب تھا۔ محمود نے جھک کر اپنے دونوں ہاتھوں میں تھوڑا سا پانی لیا اور اسے پینے لگا۔ بہت ٹھنڈا اور شیریں پانی تھا۔

''بڑی حیران کن بات ہے۔'' محمود نے سادھو نند لال کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ اس معمولی چشمے سے اس قدر ہولناک طوفان اُٹھیں گے۔''

اس کے بعد محمود نے گھاس پھونس کی اس جھونپڑی کو بھی دیکھا، جہاں گرو مراری لال نے ستّر سال تک شدید ریاضت کی تھی۔ محمود کو اس تاریک جھونپڑی میں ایک عجیب سی روشنی نظر آئی مگر وہ اس روشنی کو کوئی نام نہیں دے سکتا تھا۔ بس اتنا کہہ سکا۔

"بزرگ! آپ کے گرو یقیناً ایک سچے انسان تھے۔ انہیں قدرت کی طرف سے ایک خاص ادراک بخشا گیا تھا جس کے زیر اثر گرو مراری لال نے ہزاروں معبودوں کی نفی کر کے ایک ہستی کو اپنی عبادت کا محور بنا لیا تھا۔ مگر اس سے زیادہ ہدایت ان کی قسمت میں نہیں تھی۔ گرو کو ان کے گیان نے صرف اتنی خبر دی تھی کہ اس سرزمین پر کسی زمانے میں ہدایت یافتہ لوگ آئیں گے۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ اللہ کون ہے اور اس کا پسندیدہ طریقۂ عبادت کیا ہے۔ اپنی اسی محرومی کے سبب وہ رات کے سناٹے میں گریہ زاری کیا کرتے تھے۔ بے شک وہ اپنی منزل کو نہ پا سکے مگر اُن کے دل کی تڑپ اور ذہنی خلش اس بات کی گواہ ہے کہ وہ آخری سانس تک اس کائنات کے خالق کو تلاش کرتے رہے۔ ایک انسان کے لیے یہ بھی بڑی سعادت ہے اور اللہ بہت بڑا معاف کرنے والا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ گرو مراری لال کو بتوں سے انکار کے سلسلے میں بخش دے۔ تمہارے گرو نے جن آنے والوں کی خبر دی تھی، وہ اپنے وقت پر آئے۔ لیکن افسوس، مراری لال کی آنکھیں ہمیں دیکھنے سے پہلے ہی بجھ گئیں۔ اللہ اُن کی بے چین روح کو سکون دے۔" محمود نے انتہائی پُرسوز لہجے میں کہا۔ "لیکن بزرگ! آپ تو خوش نصیب ہیں کہ آپ نے آنے والوں کے چہرے دیکھ لیے۔"

"ہاں! میں اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتا ہوں۔ مگر ابھی میری کشمکشِ انتظار ختم نہیں ہوئی ہے۔" یہ کہتے کہتے سادھو نند لال کے چہرے پر اُداسی کا گہرا رنگ اُبھر آیا۔ محمود حیران ہو کر بوڑھے سادھو کی طرف دیکھنے لگا۔

"میری خوش نصیبی کی داستان اس وقت مکمل ہو گی، جب میں اپنی گناہ گار آنکھوں سے نظام شاہ کا روشن چہرہ دیکھوں گا۔" سادھو نند لال کے لہجے میں ایک عجیب سی حسرت پوشیدہ تھی۔ "اس مردِ باکمال نے مجھے دوست کہہ کر پکارا ہے۔ ایک دوست، دوسرے دوست سے کب تک جدا رہ سکتا ہے؟" یہ کہتے کہتے سادھو نند لال کی آنکھوں میں ہلکی نمی جھلکنے لگی تھی۔ "اور میرے گرو نے بھی یہی کہا تھا کہ جب آنے والے آ جائیں تو تم بھی اُن کے ہمراہ یہاں سے چلے جانا۔ یہ جگہ کسی وادیٔ عذاب سے کم نہیں۔ یہاں رہنے والوں کے دماغ مُردہ ہو گئے ہیں اور روحیں ہلاک ہو چکی ہیں۔ پھر تم مُردوں کی ایسی بستی میں رہ کر کیا کرو گے؟" اور اب وہی نند لال ایک طویل سفر طے کر کے محمود کے ہمراہ غزنی کی حدود میں داخل ہو رہا تھا۔

"ان میں نظام شاہ تو نہیں ہیں؟" نند لال نے فاتح لشکر کا استقبال کرنے والے معززینِ شہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ بہت بے قرار نظر آ رہا تھا۔

"ہمارے شیخ دنیا داروں کے ہجوم میں نظر نہیں آتے۔" محمود نے انتہائی فخریہ لہجے میں کہا۔ "وہ تو مسجد کے ایک گوشے میں اپنے رب کے حضور دست بستہ کھڑے رہتے ہیں یا پھر رات کے اندھیرے میں مزدوری کر کے اپنی اور دیگر تین افراد کی کفالت کرتے ہیں۔"

"مزدوری؟" شدید حیرت کے تاثرات سادھو نند لال کے پورے چہرے پر پھیل گئے تھے۔

"ہاں، وہ ایسے ہی مردِ غیور ہیں کہ شاہی خزانوں کو بھی اپنی ٹھوکر پر رکھتے ہیں۔" نظام شاہ کی صفات بیان کرتے وقت محمود کے لہجے میں عجیب سا غرور آ گیا تھا۔ "درحقیقت وہی اس مملکت کے شہنشاہ ہیں اور ہم لوگ تو ان کے سامنے ایک ادنیٰ بھکاری سے زیادہ کچھ نہیں۔ آؤ، میں تمہیں اپنے شہنشاہ کے پاس لے چلتا ہوں۔ پھر تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا کہ میرا شہنشاہ کیسا ہے اور اس کے جینے کی کیا شان ہے؟"

پھر جب محمود، سادھو نند لال کو لے کر مسجد کے قریب پہنچا تو نظام شاہ مسجد کے صحن میں ٹہل رہے تھے اور بار بار دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ محمود پر نظر پڑتے ہی نظام شاہ بے اختیار مسجد سے باہر نکل آئے اور ولی عہدِ غزنی کو گلے سے لگاتے ہوئے بولے۔ "آؤ میرے بت شکن!" نظام شاہ کے لہجے میں بڑی شفقت تھی۔ "تمہیں یہ عظیم الشان فتح مبارک ہو۔ مگر ابھی اس سے بھی بڑی فتوحات تمہاری منتظر ہیں۔" نظام شاہ نے محمود کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ پھر اُس کے پورے جسم کا جائزہ لیتے ہوئے کہنے لگے۔ "فرزند! کہیں تمہارے زخم تو نہیں آیا؟" یہ پوچھتے وقت نظام شاہ کے لہجے میں عجیب سی بے قراری تھی۔

"میں شیخ کی دعاؤں کے طفیل اپنے اللہ کے کرم کے سائے میں تھا۔" محمود نے انتہائی عجز و انکسار کے ساتھ کہا۔ "میری طرف دشمن کی کوئی تلوار اُٹھی ہی نہیں۔ اور اگر اُٹھی بھی تو وقت سے پہلے ہی کند ہو گئی یا پھر ٹوٹ گئی...... اور یہ فتح عجیب و غریب فتح ہے کہ جس میں ہمارے سپاہیوں کی کوششوں کو زیادہ دخل نہیں تھا۔ شیخ میرے خواب میں تشریف لائے اور پھر راجہ جے پال کے لشکر پر قیامت ٹوٹ پڑی۔"

نظام شاہ اور محمود کی گفتگو کے دوران سادھو نند لال حیرت و سکوت کے عالم میں کھڑا اُس مردِ درویش کو دیکھ رہا تھا، جس کے بدن پر ایک معمولی لباس تھا۔

نظام شاہ نے مسکراتے ہوئے محمود کے سر پر ہاتھ رکھا اور پھر مڑ کر سادھو نند لال سے مخاطب ہو گئے۔ "اے جانِ بے قرار! میری طرف آ کہ یہی تیری منزل ہے۔" یہ کہتے ہوئے نظام شاہ نے بڑے والہانہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ "فراق کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور ساعتِ وصال آ پہنچی...... اللہ نے اپنے صبر کرنے والے بندوں سے اسی دن کا وعدہ کیا ہے۔"

سادھو نند لال کے جسم پر شدید لرزہ طاری تھا اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"اگر دوست ہے تو تکلف کیسا؟" یہ کہتے ہوئے نظام شاہ خود آگے بڑھے اور سادھو نند لال کو گلے لگا لیا۔

نظام شاہ کے سینے سے لگنے کی دیر تھی کہ نند لال کی آنکھوں کے بند ٹوٹ گئے اور اشکوں کے دھرے اس طرح بہنے لگے جیسے کسی دریا میں شدید طغیانی آ گئی ہو۔ "نظام شاہ! میں بہت دُکھی ہوں۔" سادھو نند لال اس طرح ہچکیاں لے کر رویا تھا جیسے برسوں کا بچھڑا ہوا بچہ اپنی غمگسار ماں سے ملا ہو اور زمانے کے ظلم و ستم کی شکایت کر رہا ہو۔ "مجھے پتھر کے پجاریوں نے بڑے آزار پہنچائے ہیں۔ اگر گرو مراری لال نہ ہوتے تو اب تک میری چتا کی راکھ بھی ہواؤں میں بکھر کر زمین کی مٹی کا ایک حصہ بن چکی ہوتی۔" سادھو نند لال نے اپنی روح پر کھائے ہوئے ایک ایک زخم کو بیان کر دیا۔

"ایسا کیسے ممکن تھا؟" نظام شاہ نے بڑے والہانہ انداز میں نند لال کی پشت کو تھپکتے ہوئے کہا۔ "اللہ نے تمہاری قسمت میں آگ کی خوراک بننا نہیں لکھا تھا۔ اب تک جو دکھ تم نے جھیلے، وہ بہت عارضی تھے۔ انسان کی کامیابی یہ نہیں کہ وہ عیش و نشاط کی چند گھڑیاں گزار کر دائمی عذاب میں مبتلا ہو جائے۔ بلکہ کامیابی تو یہ ہے کہ آدمی کی ساری زندگی دُکھوں میں بسر ہو جائے لیکن آخری وقت میں اُسے خبر دی جائے کہ اس پر کبھی نہ ختم ہونے والی خوشیوں اور آسائشوں کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔ نند لال! تمہیں نوید ہو کہ تم زندگی کے امتحان میں کامیاب قرار پائے۔ اب تمہیں کوئی غم نہیں ہو گا۔"

اس کے بعد نظام شاہ محمود اور سادھو نند لال کو لے کر مسجد میں داخل ہو گئے۔ اسی دوران امیر سبکتگین بھی اپنے دوسرے امراء کے ساتھ نظام شاہ کی خدمت میں سلام کے لئے حاضر ہو چکا تھا۔

نظام شاہ نے والیٔ غزنی اور دیگر امراء کی موجودگی میں سادھو نند لال کو مشرف بہ اسلام کیا اور امیر سبکتگین سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''امیر! یہ ہمارے دینی بھائی ہیں اور ان کی تواضع ہم پر فرض ہے۔ یہاں نند لال کا کوئی عزیز اور کوئی شناسا نہیں ہے۔ اس لئے میری درخواست ہے کہ انہیں کسی بھی لمحے اپنی تنہائی کا احساس نہیں ہونا چاہئے۔''

''شیخ! آپ کی زبان سے ادا ہونے والا ہر لفظ میرے لئے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔'' امیر سبکتگین، نظام شاہ کے سامنے دست بستہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

سادھو نند لال، نظام شاہ کے ساتھ مسجد میں قیام کرنا چاہتا تھا۔ مگر شیخ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا۔ ''مجھے خانۂ خدا کے ایک گوشے میں تنہا پڑا رہنے دو۔''

سادھو نند لال سمجھ گیا تھا کہ نظام شاہ اپنی تنہائی میں کسی کی شرکت برداشت نہیں کرتے۔ اس لئے وہ خاموشی سے امیر سبکتگین کے ساتھ قصرِ شاہی کی طرف چلا گیا۔

❀❀❀❀❀

اسی رات نظام شاہ حسبِ معمول نگار خانم کے پاس پہنچے۔ غزنی کے تمام باشندوں کو شاہی لشکر کی واپسی کا علم ہو چکا تھا۔ نظام شاہ نے غور سے نگار خانم کی طرف دیکھا۔ وہ بہت زیادہ بے قرار نظر آ رہی تھی۔ نظام شاہ اُس کی بے قراری کا سبب جانتے تھے مگر قصداً خاموش رہے۔ نگار خانم بار بار ان کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی، مگر جب کچھ دیر تک ان کے ہونٹوں کو جنبش نہیں ہوئی تو نگار خانم سے یہ سکوت برداشت نہ ہو سکا اور وہ بے اختیار بول اُٹھی۔

''بابا! کیا محمود آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا؟''

''ہاں! وہ ایک سعادت مند بیٹا ہے۔'' نظام شاہ نے اپنے مخصوص تبسم کے ساتھ کہا۔

''آپ نے اُسے غور سے دیکھا......وہ ٹھیک تو ہے؟'' نگار خانم نے شرگیں لہجے میں کہا۔

''اللہ نے اسے ہر قدم پر اپنے کرم کے سائے میں رکھا۔'' یکایک نظام شاہ کا لہجہ بہت اُداس ہو گیا تھا۔ ''اُس کے جسم پر ہلکی سی خراش تک نہیں تھی۔''

نظام شاہ کے اس انکشاف پر نگار خانم نے اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ بس لمبی سانس کھینچی اور آنکھیں بند کر لیں۔

یہ بڑے سنگین لمحات تھے۔ نظام شاہ کے قلبِ حساس پر قیامت سی گزر گئی۔

''بیٹی! تم اُسے بھول کیوں نہیں جاتیں؟'' نظام شاہ نے انتہائی کرب ناک لہجے میں کہا۔

نگار خانم نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ اس طویل عرصے میں اُس نے پہلی بار محسوس کیا کہ نظام شاہ کے دل و دماغ پر ایک بارِ گراں ہے اور اس کی شدت سے ان کی آواز لرز رہی ہے۔ ''بابا! میں اپنے دل سے مجبور ہوں۔ نادانی میں ایک عہد کر لیا تھا۔ اب اس عہد کو کیسے توڑ دوں؟'' یہ کہتے کہتے نگار خانم رونے لگی۔ ''اگر اس کو توڑ دوں تو نظام شاہ کی بیٹی کیسے کہلاؤں گی؟''

نظام شاہ نے مضطرب ہو کر نگار خانم کو اپنی آغوشِ محبت میں چھپا لیا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے

لگے۔ ''بیٹی! اللہ نے اس فقیر کی دعاؤں سے غلام کو تاج دار بنا دیا اور محتاجوں کو شانِ امارت دی۔ مگر آج وہی فقیر اپنی بیٹی کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ سو اپنا دامن پھیلایا، مگر دینے والے کی طرف سے انکار کے سوا کچھ نہیں ملا۔'' شدید رقت کے سبب نظام شاہ کی آواز ڈوبتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ نگار خانم نے گھبرا کر سر اُٹھایا اور چراغ کی مدھم روشنی میں نظام شاہ کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔ اگرچہ روشنی کم تھی، لیکن پھر بھی نگار خانم نے یہ جاں گداز منظر دیکھ لیا کہ غزنی کا درویش زار و قطار رو رہا تھا۔

''بابا! آپ میرے لئے رو رہے ہیں؟'' نگار خانم نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

''اگر میں نہیں روؤں گا تو پھر تیرے لئے کون روئے گا؟'' نظام شاہ نے انتہائی دردناک لہجے میں کہا۔ ''یہاں کسے اتنی فرصت ہے کہ وہ دوسروں کی طرف دیکھے؟''

نگار خانم کچھ کہنا چاہتی تھی، مگر نظام شاہ نے اُس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''بیٹی! اپنے دل میں یہ خیال کبھی نہ لانا کہ میں نے تیرے لئے کچھ نہیں مانگا۔ بہت کچھ مانگتا ہوں اور مانگتا ہی رہتا ہوں، مگر اُس کی بے نیازی دیکھ کر کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ اُس نے ہمیں اپنے سایۂ کرم سے باہر نکال دیا ہے۔ ہم اُسی کے سایۂ کرم ہی میں تو رہتے ہیں۔ اگر ایک لمحے کے لئے بھی اُس کی رحمتوں کا سایہ ہمارے سروں سے ہٹ جائے تو ہم ہلاک ہو جائیں اور پھر اس زمین پر ہمارے لئے کوئی پناہ گاہ باقی نہ رہے۔ اپنی مرضی سے تمہیں جو کچھ دینا چاہتا ہے، اسی میں تمہاری نجات ہے۔ اُس کی بخشش و عطا پر کبھی شک نہ کرنا۔ ورنہ دونوں جہاں میں خالی ہاتھ رہ جاؤ گی۔''

''میں اُس کے فیصلے پر راضی ہوں بابا!'' نگار خانم نے جبراً مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ نہیں چاہتی تھی، کہ اس کی شکستہ حالت دیکھ کر نظام شاہ مزید پریشان ہو جائیں۔

''اُس کے فیصلے پر ہمیشہ اسی طرح راضی بہ رضا رہنا۔'' یہ کہتے ہوئے نظام شاہ اُٹھے اور گھر سے نکل کر اپنی مزدوری کی تلاش میں چل دیئے۔

❀❀❀❀❀

راجہ جے پال سے ہونے والی طویل جنگ میں محمود نے غیر معمولی ذہانت اور شجاعت کا مظاہرہ کیا تھا۔ اُس وقت ولی عہدِ غزنی کی عمر سولہ یا سترہ سال تھی۔ اس کم سنی کے زمانے میں بڑے بڑے سورماؤں کو شکستِ فاش دینا جنگ و جدل کی تاریخ میں ایک یادگار کارنامہ تھا۔ اس عظیم الشان فتح کا جشن منانے کے لئے امیر سبکتگین نے سرکاری طور پر ایک خاص تقریب منعقد کی تھی، جو تقریباً پندرہ دن تک جاری رہی۔ غزنی کے تمام امراء نے ولی عہدِ سلطنت کی خدمت میں قیمتی نذریں پیش کیں۔ امیر سبکتگین کی طرف سے پندرہ دن تک عام رعایا کے لئے کھانے کا انتظام کیا گیا اور اس کے ساتھ ہی ضرورت مند انسانوں میں کچھ نقد رقم اور کپڑے تقسیم کئے گئے۔ محمود انتہائی سرشاری کے عالم میں اپنے آدمیوں کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا کہ وہ لوگ راجہ جے پال کے دیئے ہوئے قیمتی تحائف لے کر غزنی پہنچیں گے اور اسطرح تمام دنیا کے سامنے برہمن حکمران کی شکست پر مُہرِ تصدیق ثبت ہو جائے گی۔ ابھی یہ انتظار جاری تھا کہ امیر سبکتگین کا ایک سپاہی راستے کے گرد و غبار میں اٹا ہوا سرِ دربار پہنچا اور اُس نے راجہ جے پال کی عہد شکنی کی خبر دی۔

یہ اطلاع پا کر دربارِ غزنی میں ہلچل سی مچ گئی اور امیر سبکتگین کا چہرہ نفرت و غضب کی آگ سے جلنے

لگا۔ اس نے فوراً ہی راجہ جے پال کے ایلچی دولت رام کو دربار میں طلب کرتے ہوئے کہا۔

"تیرے حکمراں نے غزنی کے شیروں کے ساتھ گیدڑوں اور کتوں جیسا سلوک کیا۔" سبکتگین کے لہجے سے آگ برس رہی تھی۔ "ہمارے نزدیک تیرے اس گناہ کی تلافی ممکن نہیں ہے۔ اگر راجہ جے پال اپنے ہاتھوں سے اپنا منہ کالا کر کے غزنی کی ایک ایک گلی سے گزرے، تب بھی اُس کا یہ جرم معاف نہیں کیا جا سکتا۔"

"تیرے بدعہد اور بزدل آقا نے ہمارے جاں باز سپاہیوں کی رہائی کی یہ شرط رکھی ہے کہ پہلے تجھے آزاد کر دیں۔"

دولت رام نے سبکتگین کی غضب ناک حالت دیکھ کر دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ "امیر! میں بے قصور ہوں۔ بھگوان کی سوگند! مجھے راجہ جے پال کے فریب و عیاری کا اندازہ نہیں۔"

"تو کیوں قسمیں کھاتا ہے؟" امیر سبکتگین کی پُر جلال آواز سارے دربار میں گونج رہی تھی۔ "ہم اپنے جاں بازوں کی جانوں کے صدقے میں تجھے زندگی کی بھیک دی۔ یہاں سے فوراً چلا جا کہ تو ابھی امان میں ہے۔ تجھے کوئی کچھ نہیں کہے گا...... اور غور سے سن لے کہ جب تُو ذلیلوں کے ذلیل اور حقیروں کے حقیر جے پال کے پاس پہنچے تو اُس سے کہہ دینا کہ ہم اپنے پورے قہر و جلال کے ساتھ اُس کی طرف آ رہے ہیں۔ اگر ہمارے جاں بازوں میں طاقت ہے تو اپنے ساتھیوں کو اس کی قید سے رہا کرا لیں گے اور اس سے یہ بھی کہہ دینا کہ اس نے بدعہدی کے ساتھ بزدلی کی بھی بدترین تاریخ رقم کی ہے۔ بلرام سنگھ کی معصوم بچی اور بے سہارا بیوی کا قتل ہماری نظر میں بڑا سنگین جرم ہے۔"

ابھی دربار میں امیر سبکتگین کے الفاظ کی گونج باقی تھی کہ بلرام سنگھ اپنی نشست پر کھڑا ہو گیا اور انتہائی باوقار لہجے میں بولا۔ "امیر محترم! یہ میرا ذاتی فرض ہے۔ اپنے اس بوجھ کو میں خود اُتار لوں گا۔"

"نہیں بلرام سنگھ!" امیر سبکتگین نے بلند آواز میں کہا۔ "تم ہمارے بھائی ہو، اس لئے تمہارا غم ہمارا ہی غم ہے۔ صرف تم ہی نہیں، عنقریب ساری دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھے گی کہ ہم تمہارے غم میں کس طرح شرکت کرتے ہیں۔"

اس کے بعد امیر سبکتگین نے ایلچی دولت رام کو اپنے چند سپاہیوں کی نگرانی میں ملتان روانہ کیا اور خود ایک لشکرِ جرار لے کر ہندوستان کی جانب بڑھا۔

❊❊❊❊❊

اُس زمانے میں ہندو راجاؤں کے دربار کا یہ دستور تھا کہ ملک کے دانشمند برہمن، راجہ کی دائیں طرف اور راجپوت سپہ سالار بائیں جانب بیٹھتے تھے۔ جب کوئی معاملہ درپیش ہوتا تو یہ معزز درباری اپنے حکمراں کو مشورے دیا کرتے تھے۔ اس قانون کے مطابق امیر سبکتگین کے ساتھ بدعہدی کے مسئلے پر غور و فکر کا موقع آیا تو تمام درباری اس نتیجے پر پہنچے کہ راجہ جے پال کا یہ فعل انتہائی نامناسب ہے۔ دائیں بائیں دونوں طرف سے ایک ہی آواز بلند ہوئی۔

"ایسے طاقتور دشمن سے وعدہ خلافی کرنا احتیاط اور عاقبت اندیشی کے خلاف ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بدعہدی ہمارے لئے تباہی و بربادی کا پیغام لے کر آئے اور ہم پر وہ آفات و مصائب نازل ہوں کہ دنیا میں ہمارا نشان تک باقی نہ رہے۔ اس لئے احتیاط اور مصلحت کا یہی تقاضا ہے کہ ہم اس ترک

(سبکتگین) سے جس کا خوف خاص و عام سب ہی کے دلوں میں بیٹھا ہوا ہے، بدعہدی کر کے جنگ نہ کریں اور رعایا کے امن و امان کا خیال رکھتے ہوئے کسی حجت کے بغیر وہ رقم ادا کریں، جس کی بنیاد پر صلح ہوئی ہے۔"

مشیروں کی رائے زنی کے دوران راجہ جے پال خاموش بیٹھا رہا۔ مگر اس کے چہرے پر مختلف رنگ اُبھر کر ڈوبتے رہے۔ پھر جب تمام مشیر خاموش ہو گئے تو راجہ جے پال انتہائی تلخ لہجے میں اپنے اراکینِ سلطنت سے مخاطب ہوا۔

"تم سب کے دماغ کھوکھلے ہو چکے ہیں۔" برہمن حکمران کا طرزِ گفتگو نہایت تحقیر آمیز تھا۔ "تم میں سے کوئی بھی راج نیتی (سیاست) نہیں جانتا۔ میں نے جو کچھ کیا، ٹھیک کیا۔ مجھے دشمن سے مہلت حاصل کرنا تھی، سو حاصل کر لی۔ سبکتگین اچھا شاطر نہیں تھا، اس لئے میری چالوں کو نہیں سمجھ سکا اور مات کھا گیا۔"

تمام مشیر راجہ جے پال کی کم عقلی اور تنگ نظری کا ماتم کرتے ہوئے دربار سے اُٹھ کر چلے گئے۔ اور برہمن حکمران نے اپنے تیز رفتار قاصدوں کو انتہائی جذباتی انداز میں تحریر کردہ خطوط دے کر تمام ہندو راجاؤں کے پاس بھیج دیا۔ ان خطوط میں صاف صاف لکھا تھا۔

"میں راجہ جے پال، تمہیں باخبر کرتا ہوں کہ ہندو مذہب کا بدترین دشمن امیر سبکتگین دوبارہ ہندوستان کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اگر اس وقت تم نے مجھے تنہا چھوڑ دیا تو یاد رکھو کہ ایک دن تمہارے محلوں میں دھول اُڑے گی اور تمہاری چتاؤں میں آگ لگانے والا بھی کوئی موجود نہیں ہوگا۔ اس لئے میری مدد کو آؤ اور اپنے دیوتاؤں کی ناموس کو بچاؤ۔"

جے پال کے اس جذباتی خط کا ہندو راجاؤں پر خاطر خواہ اثر ہوا اور تمام حکمران اُس کی مدد پر آمادہ ہو گئے۔ خصوصاً دہلی، کالنجر، قنوج اور اجمیر کے فرمانرواؤں نے بے شمار وسائل کے ساتھ لاتعداد سپاہی، جے پال کی مدد کے لئے روانہ کر دیئے۔

پھر جب برہمن حکمراں، سبکتگین کے مقابلے کے لئے لاہور سے نکلا تو اس کے پاس ایک لاکھ سوار اور ان گنت پیدل سپاہی موجود تھے۔

انسانی سروں کا سمندر دیکھ کر راجہ جے پال کے مشیر جو اسے احمق قرار دے رہے تھے، بے اختیار چیخ اُٹھے۔ "اب سبکتگین کو دنیا کی کوئی طاقت شکست سے نہیں بچا سکتی۔"

❊❊❊❊❊

یہ جنگ پہلی جنگ سے بہت مختلف تھی۔ اس وقت راجہ جے پال نے تنہا اپنی فوجی طاقت کی بنیاد پر امیر سبکتگین کا مقابلہ کیا تھا، مگر اس بار اُسے تقریباً سارے ہندوستان کی عسکری پشت پناہی اور قوت حاصل تھی۔ تمام ہندو راجاؤں نے اپنے اپنے وسائل کے مطابق راجہ جے پال کے ساتھ عملی تعاون کیا تھا۔ نتیجتاً برہمن حکمراں کے پرچم تلے کئی لاکھ سوار اور پیدل سپاہی جمع ہو گئے تھے اور فوجیوں کی اسی کثرت کو دیکھ کر کہنے والوں نے کہا تھا کہ راجہ جے پال اور امیر سبکتگین کے درمیان طاقت کا کوئی توازن موجود نہیں۔ اس لئے اہلِ ہند کو غزنی کے فرماں روا کی شکست یقینی نظر آ رہی تھی۔

اگرچہ اس وقت ہندوستان مختلف چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو چکا تھا، لیکن "ہندو مذہب

بچاؤ" کے نعرے نے تمام راجاؤں کو راجہ جے پال کی مدد پر مجبور کر دیا تھا۔ ان کے دلوں میں اب بھی نفاق و تعصب کے شعلے بھڑک رہے تھے مگر مذہب کے حوالے نے انہیں وقتی طور پر آپس کے اختلافات بھول جانے کی راہ دکھائی تھی۔

بظاہر وہ ہندو دھرم کو بچانے کی فکر میں تھے، لیکن درپردہ وہ اپنے اپنے اقتدار کی حفاظت کر رہے تھے۔ سیاسی صورتِ حال کا یہ پہلو صاف نمایاں تھا کہ اگر راجہ جے پال جیسا طاقتور حکمراں امیر سبکتگین سے شکست کھا جاتا تو پھر چھوٹی ریاستوں کے مستقبل کی بھی ضمانت نہیں دی جا سکتی تھی۔

ایک بار مسلمانوں کے قدیم ہندوستان کی سرزمین پر قدم جم جاتے تو پھر ان کی فتوحات کا سلسلہ دراز ہوتا چلا جاتا۔ یہی سوچ کر کالنجر، دہلی، قنوج اور اجمیر کے راجاؤں نے اپنے اپنے خطوط میں راجہ جے پال کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا۔

"ہندوستان کی تاریخ گواہ ہے کہ برہمنوں اور راجپوتوں کے درمیان ہمیشہ سے اٹوٹ رشتے قائم رہے ہیں۔ ان ہی مقدس رشتوں کے حوالے سے ہمارے افراد اور وسائل کی تمام تر قوتیں آپ کے لئے وقف ہیں۔ آپ سامانِ رسد اور فوجی طاقت سے بے نیاز ہو کر امیر سبکتگین سے جنگ کیجئے۔ ہمارے پاس اتنی خوراک ہے کہ اگر یہ جنگ دس سال تک بھی جاری رہے تو غذائی اجناس کے ذخائر میں ذرا بھی کمی واقع نہیں ہوگی۔ اور اپنے دھرم پر قربان ہونے کے لئے ہمارے پاس اتنے سر ہیں کہ دشمنوں کے دست و بازو شل ہو جائیں گے اور تلواریں کند ہو کر ٹوٹ جائیں گی۔ مگر ان سے سروں کی یہ فصل نہیں کاٹی جائے گی۔"

اس قسم کے خطوط نے راجہ جے پال کے دل و دماغ پر ایک نشہ سا طاری کر دیا تھا...... اور طاقت کا نشہ ہوتا ہی اتنا خوف ناک ہے کہ انسان کو اپنی نفسانی خواہشات کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اسی نشے کے زیرِ اثر راجہ جے پال کی آنکھیں بھی بس ایک ہی منظر دیکھ رہی تھیں کہ اس نے امیر سبکتگین کو خاک و خون میں ملا دیا ہے اور تاجِ غزنی اُس کی ٹھوکروں سے ریزہ ریزہ ہو رہا ہے۔

خیالی نصرت و فتح کا یہ خواب ابھی جاری تھا کہ اسی دوران ایلچی دولت رام اپنے حکمراں سے جا ملا۔ راجہ جے پال دولت رام کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ "تُو یہاں کیسے آیا ہے؟ کیا تُو نے اپنی ذہانت سے سبکتگین کی آہنی سلاخوں کو پگھلا دیا اور اس کی سنگی دیواریں مسمار کر دیں؟"

"نہیں سمراٹ!" دولت رام کا لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔ "سبکتگین نے مجھے ذلیل کر کے اپنے ملک سے باہر نکال دیا۔" اس کے ساتھ ہی دولت رام نے انتہائی رنگ آمیزی کے ساتھ پورے واقعے کی تفصیل سنا ڈالیں اور اپنی طرف سے اس بدترین جھوٹ کا اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"سمراٹ! سبکتگین نے آپ کی ذاتِ گرامی کے ساتھ آپ کے دیوتاؤں کی مقدس ہستیوں کو بھی دشنام طرازی کا ہدف بنایا ہے۔ اس نے مجھ سے کہا ہے کہ وہ ہمارے مندروں کو ویران کھنڈروں میں بدل دے گا، سبزہ زاروں اور کھیتوں کو جلا ڈالے گا اور ہمارے متبرک دریاؤں کو انسانی خون سے سرخ کر دے گا۔"

دولت رام نے اپنی چرب زبانی سے راجہ جے پال کو اس قدر مشتعل کر دیا تھا کہ وہ تخت سے اٹھ کھڑا ہو گیا اور پاگلوں کے سے انداز میں ہندو راجاؤں کے سفیروں کو مخاطب کر کے بولا۔

"تم نے اپنے کانوں سے سن لیا کہ دولت رام کیا کہہ رہا ہے؟" شدتِ غضب کے باعث راجہ جے پال کے منہ سے جھاگ اُڑ رہے تھے۔

"مہاراج پہلے ہی دشمن کے عزائم کا ذکر کر چکے ہیں۔" ہندو راجاؤں کے سفیروں نے بہ یک زبان کہا۔

"نہیں۔ وہ سبکتگین کے ارادوں کی ایک دھندلی سی تصویر تھی۔" راجہ جے پال کے ہونٹوں سے آگ برس رہی تھی۔ "میں نے تمہارے آقاؤں اور اپنے دوست حکمرانوں کو جو کچھ لکھا تھا، اس سے صورتِ حال کی صحیح عکاسی نہیں ہوتی۔ کیونکہ بعض باتوں سے میں خود بھی بے خبر تھا۔ مگر دولت رام نے میری آنکھوں سے کچھ اور پردے ہٹا دیئے ہیں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم بھی اپنی نظروں سے آنے والے وقت کے حقیقی خدوخال دیکھ لو۔" راجہ جے پال بڑی عیاری سے ہندوؤں کے مذہبی جنون کو ہوا دے رہا تھا۔ دوسرے راجاؤں کے سفیروں کی موجودگی میں اس قدر اشتعال انگیز باتیں کرنے کا ایک ہی مقصد تھا کہ وہ "دھرم اور دھرتی" کی بنیاد پر اپنے ہم قوم حکمرانوں سے زیادہ سے زیادہ مالی اور فوجی امداد حاصل کر سکے۔ دراصل راجہ جے پال کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ والئ غزنی امیر سبکتگین کی مفروضہ ہندو دشمنی کی آڑ میں اپنی شرم ناک شکست اور بدترین عہد شکنی پر سیاست کا گہرا پردہ ڈال سکے۔ وہ ایک زر پرست حکمراں تھا۔ دولت کی اندھی محبت کے سبب راجہ جے پال ہر سال امیر سبکتگین کو خراج کی ایک کثیر رقم ادا نہیں کر سکتا تھا۔ نتیجتاً اُس نے بدعہدی کا راستہ اختیار کیا۔ پھر جب اسے یہ خطرہ محسوس ہوا کہ امیر سبکتگین دوبارہ بھی خروج کر سکتا ہے تو اس نے ہندو مذہب بچاؤ کا پُرشور نعرہ لگا کر ایک جذباتی ناٹک رچایا اور دیوی دیوتاؤں کے ناموس کا واسطہ دے کر ہندو راجاؤں سے نہ صرف افرادی قوت حاصل کر لی بلکہ دولت کا بھی ایک بہت بڑا ذخیرہ جمع کر لیا۔

اب وہ مطمئن انداز میں لاہور کی حدود سے نکلا۔ راجہ جے پال کو یقین تھا کہ اب کی بار وہ آسانی کے ساتھ سبکتگین پر غلبہ حاصل کر لے گا...... اور پھر امیرِ غزنی کو شکست دے کر ہندوستان کے دوسرے راجاؤں کی طرف متوجہ ہوگا اور ان کے وسائل ان ہی کے خلاف استعمال کرتے ہوئے اپنے حریف ہندو حکمرانوں کو بھی اقتدار سے محروم کر دے گا۔ غرض اپنے سینے میں نفرت، انتقام، فریب اور نفاق کا ایک طوفان چھپائے راجہ جے پال، محاذِ جنگ کی طرف بڑھا۔

❁❁❁❁❁

اس بار بھی ارمغانہ شیرازی اپنے شوہر راجہ جے پال کے ہمراہ تھی۔ اسد شیرازی بھی کسی غلام کی طرح برہمن حکمراں کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ درباری پنڈت رگھوناتھ کی موت کے بعد اسد شیرازی کی اہمیت کچھ اور بڑھ گئی تھی کہ اب وہی راجہ جے پال کی نظروں میں ہندوستان کا سب سے بڑا ماہرِ نجوم تھا۔ برہمن حکمراں کا لشکر کسی مقام پر خیمہ زن ہوا تو رات کی تنہائی میں جے پال نے اسد شیرازی کو اپنی خلوت میں طلب کر لیا۔

"پنڈت رگھوناتھ بھی یہ کہتے کہتے دنیا سے رخصت ہو گئے کہ مجھے امیر سبکتگین کے مقابلے میں عظیم فتح حاصل ہوگی۔ مگر ان کی مکمل پیش گوئی تو کجا، اس کا ایک حرف بھی درست ثابت نہیں ہو سکا۔" یہ کہتے ہوئے راجہ جے پال نے شراب کا لبریز پیالہ اپنے حلق میں انڈیل لیا۔ پھر اپنے ہونٹوں کو صاف

کرتے ہوئے بولا۔ "اسد شیرازی! تُو نے بھی تو یہی کہا تھا کہ اس معرکے میں فتح ہمارے قدم چومے گی۔ لیکن تیرا علم بھی جھوٹا ثابت ہوا۔" برہمن حکمراں کے لہجے سے حقارت اور تلخی جھلک رہی تھی۔

اسد شیرازی نے گھبرا کر دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ "گرو دیو رگھوناتھ بھی ٹھیک کہتے تھے اور آپ کا نمک خوار بھی درست کہتا ہے۔" اسد شیرازی ایک بار پھر اپنی روایتی لفاظی سے کام لے رہا تھا۔ "یہ آپ کی فتح، فتح نہیں تھی اور آپ کی شکست، شکست نہیں تھی۔ وہ تو موسم کا ایک مذاق تھا، جس نے سبکتگین کو خوامخواہ سرخرو کر دیا۔ اس نے وہ جنگ اپنے زورِ بازو سے نہیں جیتی تھی۔ اس لئے آپ نے بھی ذہانت سے کام لیا اور ہاری ہوئی بازی برابر کر دی۔ میری نظر میں اس سے بہتر سیاسی چال نہیں تھی۔ ہواؤں نے آپ کے سپاہیوں کے ساتھ شرارت کی اور ان کی رگوں میں دوڑنے والے خون کو منجمد کر دیا۔ اسی طرح آپ نے بھی سبکتگین کے ساتھ شرارت کی اور اسے غزنی کی طرف خالی لوٹا دیا۔ میں نے پوری زندگی میں آپ جیسا ذہین حکمران نہیں دیکھا۔ بے شک آپ کو صرف ہندوستان ہی پر نہیں ساری دنیا پر حکومت کرنے کا حق حاصل ہے...... اور ایک دن ایسا ہی ہوگا۔ ستارے بھی یہی کہتے ہیں اور آپ کا کم ترین خدمت گار بھی یہی کہتا ہے۔" اسد شیرازی کی خوشامد اور چرب زبانی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔

"تو ٹھیک کہتا ہے اسد شیرازی!" شراب اور خوشامد کے اثر سے راجہ جے پال جھوم رہا تھا۔ "اس میں ہماری عقل اور سیاست کا کوئی توڑ نہیں ہے۔ سبکتگین نہیں جانتا کہ ہم کیسی اُلجھی ہوئی چالیں چلتے ہیں۔ دشمن کی سمجھ میں ہماری چالیں اس وقت آتی ہیں، جب بازی مات ہونے لگتی ہے۔ سبکتگین بھی ہمیں اس وقت پہچانے گا، جب اسے مکمل شکست ہو جائے گی۔" یہ کہتے کہتے راجہ جے پال کے چہرے پر انتہائی غرور و تکبر کا رنگ نمایاں ہو گیا تھا۔

"سمراٹ مجھ سے ہزار درجہ بہتر جانتے ہیں کہ قوانینِ حرب و ضرب کیا ہیں اور جنگ کیسے لڑی جاتی ہے۔" اسد شیرازی نے رک رک کر کہا۔ "مگر سپہ سالار بلرام سنگھ کا مسلمان ہو جانا ہمارے لئے بہت خطرناک ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ اس بار وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف جنگ کرے گا۔ وہ گھر کا بھیدی ہے۔ اس لئے بلرام سنگھ کی یہ حیثیت ہمیں کسی نہ کسی عنوان سے متاثر کر سکتی ہے۔"

"تُو ہمارے جنگی منصوبے کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اسد شیرازی!" راجہ جے پال اچانک سے بھڑک اٹھا۔ "بلرام سنگھ ہمارے کچھ فوجی رازوں سے واقف ہے۔ مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ اب کی بار ہم نے پوری بساطِ جنگ بدل ڈالی ہے۔ کیا تُو نے خیمے سے نکل کر ہماری افرادی قوت کا جائزہ لیا ہے؟ کیا تُو نے ان سروں کی گنتی کی ہے، جو ہمارے سامنے اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ جھکے ہوئے ہیں؟ کیا تُو نے ان تلواروں کا شمار کیا ہے جو ہمارے حکم پر فضا میں ناگوں کی طرح لپک رہی ہیں اور اپنے دشمن کو ڈسنے کے لئے بے قرار ہیں۔"

اسد شیرازی نے نہایت عیاری کے ساتھ سر جھکا دیا۔ "بے شک! سمراٹ کی عسکری قوت لامحدود ہے۔ امیر سبکتگین اس سیلِ بلاخیز کی تاب نہیں لا سکے گا۔"

"پھر تُو بلرام سنگھ کا ذکر کیوں کر رہا ہے؟" راجہ جے پال نے انتہائی تند و تیز لہجے میں کہا۔ "ایک بزدل سپاہی ہے، جس نے میدانِ جنگ میں پیٹھ دکھا دی اور چند سانسوں کے لئے حرص و ہوس کے

بازار میں اپنے دیوتاؤں کو بیچ دیا۔ ہم نے دُرگا کی قسم کھائی ہے کہ اگر ایک بار بلرام سنگھ ہمارے قبضے میں آ گیا تو ہم اسے بڑی ذلت آمیز اور دردناک سزا دیں گے۔"

"ایسا ہی ہوگا سمراٹ! ایسا ہی ہوگا۔" اسد شیرازی نے انتہائی خوشامدانہ لہجے میں کہا اور پھر سجدے کے سے انداز میں رخصتی سلام کر کے خیمے سے نکل گیا۔

اسد شیرازی کے جاتے ہی ارمغانہ نے بڑے ناز و غرور کے ساتھ راجہ جے پال سے کہا۔ "سمراٹ! بلرام سنگھ میرا مجرم ہے، اس لئے اس کی سزا بھی میں ہی تجویز کروں گی۔" کہتے کہتے ارمغانہ کے چڑھی ہوئی کمان جیسے ابرو مزید کھنچ گئے تھے۔ صاف و شفاف پیشانی پر کئی شکنیں نمودار ہو گئی تھیں اور شفق رنگ چہرہ بھڑکتی ہوئی آگ کی طرح سرخ ہو گیا تھا۔

"تم خوب جانتی ہو سمترا! کہ بلرام سنگھ نے بیک وقت تین ناقابلِ معافی گناہ کئے ہیں۔" راجہ جے پال نے ارمغانہ کو اس کے نئے نام سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "پہلے وہ ہمارا گناہ گار ہے کہ اس نے ہمارے اعتبار کا خون کیا ہے۔ پھر اس نے دھرتی ماں سے غداری کی ہے۔ اور آخر میں سب سے بڑھ کر اُس نے دیوتاؤں کے تقدس کو نیلام کیا ہے۔" راجہ جے پال نے شرربار لہجے میں بلرام سنگھ کے گناہوں کی فہرست پیش کرتے ہوئے کہا۔

"میں جانتی ہوں سمراٹ! کہ بلرام سنگھ کا سیاہ اعمال نامہ بہت طویل ہے۔ مگر آپ اُس کے اس گناہ کو بھی شمار کیوں نہیں کرتے کہ وہ میرے لئے اپنے دل میں ہوس کا غبار رکھتا تھا۔ اس عورت کے لئے، جو مہاراج جے پال کی عزت و ناموس ہے۔"

"ہم جانتے ہیں سمترا! ہم جانتے ہیں۔" جے پال بے قرار ہو گیا اور ارمغانہ کی بکھری ہوئی زلفوں میں منہ چھپاتے ہوئے کہنے لگا۔ "بے شک! اُس کا یہ گناہ تمام گناہوں پر حاوی ہے۔"

"تو پھر سمراٹ مجھے بلرام سنگھ کی زندگی پر اختیار کیوں نہیں دیتے؟" ارمغانہ نے عجیب سی طفلانہ ضد کرتے ہوئے کہا۔ اگرچہ بلرام سنگھ، راجہ جے پال کی دسترس سے بہت دُور تھا، مگر وہ مغرور عورت اس جانباز انسان کی زندگی پر اختیار حاصل کرنے کے لئے بچوں کی طرح مچل رہی تھی۔

"تم ہم سے راضی ہو سمترا!" راجہ جے پال کی رگ رگ میں شراب سرایت کر چکی تھی۔ وہ بے خود ہو کر ارمغانہ کی آغوش میں گر پڑا۔ "ہم نے تمہیں اُس حرام کار بلرام سنگھ کی جان پر پورا اختیار دیا۔" یہ راجہ جے پال کے آخری الفاظ تھے۔ اس کے بعد وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔

ارمغانہ نے بے دلی سے راجہ جے پال کو اپنے آپ سے الگ کیا اور انتہائی سرکش انداز میں اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ سر سے پاؤں تک ایک دہکتا ہوا انگارہ بن گئی تھی۔

"سبکتگین! میں کسی بھی حال میں رہوں، زندگی کی ناکامیوں کا زہر پیوں یا کامرانیوں کا آبِ حیات اپنے حلق سے اُتار لوں، مگر ایک دن تجھے ذلیل و رسوا ضرور دیکھوں گی۔" یہ کہتے کہتے ارمغانہ کا گلرنگ چہرہ دھواں دھواں ہو گیا تھا۔

*****

ادھر ارمغانہ شیرازی، بلرام سنگھ سے انتقام لینے کے لئے عجیب عجیب منصوبے بنا رہی تھی اور ادھر غزنی سے روانہ ہوتے وقت بلرام سنگھ، ولی عہدِ سلطنت محمود سے کہہ رہا تھا۔

''سردار! اس جنگ میں راجہ جے پال اور فریب کار عورت ارمغانہ شیرازی میری تلوار کا پہلا ہدف ہوں گے۔ اس سلسلے میں میری گزارش ہے کہ محاذِ جنگ پر مجھے آزاد چھوڑ دیا جائے۔ میں اپنی مرضی سے لڑنا چاہتا ہوں اور میری مرضی اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اپنے دونوں دشمنوں کو بدترین انجام تک پہنچا دوں۔''

''بلرام سنگھ! کیا تمہاری زندگی ایک انتقام تک محدود ہو کر رہ گئی ہے؟'' محمود نے انتہائی محبت آمیز لہجے میں راجپوت سپہ سالار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''آپ نہیں جانتے سردار! کہ میں ہر وقت اپنی معصوم بچی اور بے گناہ بیوی کی چیخیں سنتا رہتا ہوں۔'' بلرام سنگھ نے شدید کرب ناک لہجے میں کہا۔ ''آپ ہی بتائیں کہ میں ان کی چیخوں کا جواب کس طرح دوں؟ اگر خاموشی اختیار کرلوں تو کیا میں اس دنیا کا سب سے بے حس اور بے غیرت انسان نہیں کہلاؤں گا؟''

''ہرگز نہیں......'' محمود نے مہربان لہجے میں بلرام سنگھ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''اب تم ایک راجپوت سپاہی نہیں، مجاہدِ اسلام ہو۔ ایک مجاہد، دنیا کے تمام رشتوں سے بے نیاز ہو کر صرف اپنے اللہ کے لئے جنگ کرتا ہے۔ تم سے میرا وعدہ ہے کہ اگر میں نے اس جنگ میں راجہ جے پال پر غلبہ حاصل کرلیا تو میں برہمن حکمراں کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔ تم اسلامی قانون کے مطابق راجہ جے پال سے اپنی بیوی اور بچی کا قصاص طلب کر سکتے ہو۔ مگر جہاں تک ایک عیار عورت سے انتقام کا سوال ہے تو تم اپنے دل کو اس غبار سے صاف کر ڈالو کہ انسانیت کے درجے سے گری ہوئی عورتوں سے انتقام لینا تمہارے شایانِ شان نہیں۔ تم فطرتاً ایک غیرت مند، اعلیٰ ظرف اور بہادر انسان ہو۔ قبولِ اسلام کے بعد تمہاری ان صفات کو مزید اُجاگر ہونا چاہئے۔ لیکن اگر تم تبدیلیٔ مذہب کے باوجود بت پرستی کے اس حصار میں حیران و پریشان پھرتے رہے تو پھر تمہیں نجات حاصل نہیں ہوگی بلرام سنگھ!'' محمود نے انتہائی اثر انگیز لہجے میں کہا۔ ''حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ایک انسان اپنے جذبے، اپنی خواہشیں اور یہاں تک کہ اپنی جان بھی اللہ کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔ بالفرض اگر راجہ جے پال شکست کھا کر مسلمان ہو جائے اور پھر وہ تمہارے سامنے آئے تو تم اس کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟''

محمود کا سوال سن کر بلرام سنگھ حیرت زدہ رہ گیا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ولی عہدِ غزنی کے سوال کا کیا جواب دے۔ ذہنی کشمکش کے سبب بلرام سنگھ کے چہرے پر ایک عجیب سا غبار تھا اور آنکھوں میں دُھند بھری ہوئی تھی۔

''مجھے جواب دو بلرام سنگھ! کہ تم اس حالت میں راجہ جے پال کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟'' محمود نے اپنا سوال دہرایا۔

بلرام سنگھ چونک کر اپنے خیالات کی دنیا سے باہر نکل آیا۔ ''سردار! میں کسی فیصلے پر نہیں پہنچ پا رہا ہوں۔'' بلرام سنگھ نے بڑی جرأت سے اپنی کشمکش کا اعتراف کرلیا۔

''اس سے پہلے کہ ہمارے اور راجہ جے پال کے درمیان تلواریں کھنچ جائیں، تم جلد از جلد کسی نتیجے پر پہنچ جاؤ۔ اپنے نفس کی پرستش یا ذات وحدہٗ لاشریک کی بے غرض عبادت؟ آج تمہیں جان لینا چاہئے کہ میں شیخ نظام شاہ کا معنوی فرزند ہوں۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ میرا شیخ کس طرح دنیا کی ہر مادی طاقت کی نفی

کرتا ہے اور اس نے کس طرح اپنے نفس کے اندر چھپے ہوئے بتوں کو ریزہ ریزہ کر کے باہر نکال پھینکا ہے۔ میرے شیخ کو مجھ سے بڑی توقعات وابستہ ہیں۔ تم نے شاید نہ دیکھا ہو، مگر غزنی کے بڑے بڑے لوگ جانتے ہیں کہ نظام شاہ اپنے اس فرزند کو بت شکن کہہ کر پکارتے ہیں۔ انہوں نے میری ذات سے زندگی کا سب سے بڑا خواب وابستہ کر دیا ہے۔ اور ان کا یہ خواب اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں جب تک زندہ رہوں، بت پرستوں کے خلاف جنگ کرتا رہوں۔ یہاں تک کہ لڑتے لڑتے مارا جاؤں یا اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرلوں۔''

بلرام سنگھ، محمود کی باتوں میں کھو کر رہ گیا تھا۔ اچانک ولی عہدِ غزنی نے راجپوت سپہ سالار کے کاندھوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ دیئے۔ ''تم میری باتیں سن رہے ہو نا بلرام سنگھ؟'' محمود نے آہستہ آہستہ راجپوت سپہ سالار کو جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

''ہاں سردار! میں پورے ہوش و حواس کے ساتھ سن رہا ہوں۔'' بلرام سنگھ کا لہجہ کسی چٹان کی طرح سخت تھا۔

''تو ایک بار پھر سن لو کہ میں نظام شاہ کا خواب ہوں اور بت شکنی میرا پیشہ ہے۔ میں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا، جب تک ایک ایک بت کو اس کے معبد سے باہر نہ نکال پھینکوں۔ غور سے سنو کہ تمہاری شخصیت نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا ہے۔ میں تمہیں اپنے کاروبارِ بت شکنی میں شریک کرنا چاہتا تھا مگر یہ سن کر افسوس ہوا کہ تم اپنی بیوی اور بچی کے قتل کا انتقام لینے کے لئے میرے ہمراہ ہندوستان کی طرف جا رہے ہو یا پھر ایک فریب کار عورت ارمغانہ شیرازی ہے کہ جس کی طعنہ زنی تمہیں چین سے سونے نہیں دیتی اور تم اُس کی زبان کاٹ دینا چاہتے ہو۔'' محمود کا لہجہ انتہائی جذباتی ہو گیا تھا۔ ''اگر تمہاری زندگی کا مقصد اتنا ہی محدود ہے تو پھر اسی وقت مجھ سے بچھڑ جاؤ اور اپنی مرضی سے جنگ کرو۔ جس سے جس طرح چاہو انتقام لو اور جس کے ساتھ جیسا چاہو سلوک کرو۔'' یہ کہہ کر محمود اپنے خیمے کی طرف چلا گیا۔

بلرام سنگھ نے وہ رات بڑے کرب کے عالم میں گزاری۔ راجپوت سپہ سالار ساری رات اپنے خیمے میں ٹہلتا رہا۔ اُس کے اندر حشر سا برپا تھا۔ بلرام سنگھ نے پوری سچائی کے ساتھ اسلام قبول کیا تھا اور اس کے عقیدے میں ذرہ برابر بھی کھوٹ نہیں تھا۔ لیکن وہ راجہ جے پال اور ارمغانہ شیرازی سے اپنے نفس کی تسکین کی خاطر بھرپور انتقام لینا چاہتا تھا۔ اور محمود کی دعوتِ جہاد اسے کسی دوسرے راستے کی طرف بلا رہی تھی۔ پوری رات اسی کشمکش میں گزر گئی کہ بلرام سنگھ اپنے دل و دماغ سے مسلسل لڑتا رہا۔ یہاں تک کہ صبح صادق کے آثار نظر آنے لگے۔ اور پھر کھلے میدان میں مؤذن کی جانفزا اور دلنواز صدا اُبھری جو اپنے اللہ کی کبریائی بیان کر رہا تھا۔ توحید کا یہ نغمۂ سرمدی سن کر بلرام سنگھ کو قرار سا آ گیا۔ پھر اُس نے نمازِ فجر ادا کی اور چشم نم کے ساتھ بہت دیر تک دعا مانگتا رہا۔

''اے اللہ! اپنے اس عاجز بندے کو ہدایت کے ساتھ استقامت بھی دے کہ وہ انتہائی کم نظر اور کمزور انسان ہے۔''

اس دعا کے بعد بلرام سنگھ، ولی عہدِ غزنی کے خیمے میں داخل ہوا اور با آواز بلند پکار کر کہنے لگا۔

''سردار! میں نے کل رات اپنے اندر کے تمام بتوں کو توڑ دیا۔ اب میں دل و جان کے ساتھ آپ

کے کاروبارِ بت شکنی میں شرکت کرنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ مجھے اپنی رفاقت اور ہم سفری کا اعزاز بخشیں گے؟" آج خلافِ عادت بلرام سنگھ کے لہجے میں سختی کے بجائے بڑی عجیب سی خلش تھی اور بڑا عجیب سا گداز تھا۔

محمود بے اختیار ہو کر سپہ سالار سے لپٹ گیا۔ "مجھے یقین تھا کہ تم ایک دن اسی منزلِ نجات کی طرف لوٹ کر آؤ گے۔ بلرام سنگھ! تم بہت کھرے اور سچے انسان ہو۔ تمہارا آئینۂ دل زیادہ دیر تک غبار آلود نہیں رہ سکتا۔ تم مذہبی رشتے سے عام مسلمان کی طرح میرے دینی بھائی ہو، مگر آج سے میں ایک اور رشتے کا بھی اعلان کرتا ہوں کہ تم میرے لئے بڑے بھائی کی حیثیت بھی رکھتے ہو۔ اگرچہ ہم دونوں کے باپ جدا جدا ہیں، لیکن میں تمہیں اپنے ہی خاندان کا ایک فرد سمجھتا ہوں۔ ایسا فرد جو امیر سبکتگین کے بعد میرے لئے سب سے زیادہ قابلِ احترام ہے۔"

یہ بے مثال محبت دیکھ کر بلرام سنگھ بھی رونے لگا۔ "سردار! اپنے بیوی، بچوں، دوستوں اور عزیزوں سے بچھڑ کر میں بہت تنہا رہ گیا تھا۔ لیکن آج آپ نے میری الم ناک تنہائی دُور کر دی۔ بے شک اہلِ اسلام کے سینے بہت کشادہ اور دماغ بہت روشن ہوتے ہیں۔"

❁❁❁❁❁

اس جنگی سفر میں ستر سالہ بوڑھا سادھو، نند لال بھی مجاہدینِ اسلام کے دوش بہ دوش چل رہا تھا۔ سبکتگین نے اسے بہت سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ غزنی کے ایک پُرسکون گوشے میں بیٹھ کر یکسوئی کے ساتھ عبادت کرتا رہے کیونکہ یہ طویل اور دُشوار گزار سفر اس کی صحت کے لئے نقصان دہ بھی ہوسکتا ہے۔ نند لال نے اطمینان سے والیٔ غزنی کی گفتگو سنی اور پھر نہایت پُرجوش لہجے میں کہنے لگا۔

"امیر! آج میں سب جوانوں سے زیادہ جوان ہوں۔ دنیا کا کوئی شخص میری اندرونی طاقت کا اندازہ نہیں کرسکتا۔ مجھے یہ سنگلاخ راستہ، پھولوں کی نرم و نازک سیج نظر آ رہا ہے۔ اگر میں اپنی ضعیفی سے گھبرا کر غزنی کے ایک گوشے میں بیٹھ گیا تو پھر بت پرستوں کی زمین پر ہونے والا تماشا کون دیکھے گا؟"

"کیسا تماشا؟" امیر سبکتگین نے چونک کر سادھو نند لال کی طرف دیکھا۔

"برہمنوں اور راجپوتوں کی ذلت و بربادی کا تماشا۔" یہ کہتے کہتے بوڑھے نند لال کے چہرے پر عجیب سی چمک آ گئی تھی۔

"تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ اس جنگ میں ہندوستان کے برہمن اور راجپوت، ذلت و بربادی سے دوچار ہوں گے؟" امیر سبکتگین نے بڑے تعجب کے ساتھ نند لال سے دوسرا سوال کیا۔

"میرے گرو مراری لال نے یہی کہا تھا کہ جب ایک ہستی کے ماننے والے ادھر سے گزریں گے تو بتوں کی سرزمین کو تہ و بالا کر دیں گے۔" شدتِ جذبات کے باعث سادھو نند لال کے لہجے میں ہلکا سا ارتعاش تھا۔ "میرے گرو دیو کہا کرتے تھے کہ آنے والوں کی تلواروں کے سامنے راجپوتوں کی شمشیریں کسی درخت کی ڈالیاں ثابت ہوں گی۔ وہ پتھر کے پجاریوں کی گردنیں اس طرح کاٹ دیں گے جیسے کسانوں کی درانتیاں گیہوں اور دھان کی بالیوں کو کاٹ دیتی ہیں۔ میں آپ کے ہمراہ اس لئے جا رہا ہوں کہ راجپوتوں کے کٹے ہوئے سروں اور برہمنوں کی زمین پر گری ہوئی پگڑیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکوں۔ امیر! اسی دن کے انتظار میں تو یہ دُھندلی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔" یہ کہتے کہتے سادھو نند لال کی

آنکھیں بھیگ گئیں۔ "کون جانے کہ کب موت کی تیز آندھی چلنے لگے اور میری منتظر آنکھوں کے چراغ بجھ کر رہ جائیں۔ میرے مشفق و مہربان فرماں روا! اس سے پہلے کہ میرے تھکے ماندے وجود پر قبر کا اندھیرا چھا جائے، مجھے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ لینے دیجئے۔" سادھو نند لال کے لہجے میں بچوں جیسی التجا تھی۔

"اس ذاتِ ذوالجلال نے چاہا تو تم اپنی آنکھوں سے یہ تماشا ضرور دیکھو گے۔" امیر سبکتگین نے انتہائی پُرسوز لہجے میں کہا اور سادھو نند لال کو اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دے دی۔

❁❁❁❁❁

پھر دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئے۔ راجہ جے پال اپنی افواج کی کثرت پر اس قدر نازاں تھا کہ اس نے سبکتگین کے سپاہیوں کی موجودگی کو انتہائی حقارت کے ساتھ نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ اپنے فوجیوں کے ذہن کو گرمانے اور ان کا حوصلہ بڑھانے کے لئے بار بار چیخ رہا تھا۔

"اے لازوال اور بے پناہ طاقتوں والی دُرگا ماں کے پجاریو! آج جو لوگ تمہارے مقابل ہیں، انہیں اچھی طرح پہچان لو اور سمجھ لو کہ یہ محض چند لٹیرے ہیں جو تمہاری عبادت گاہوں پر شب خون مارنے آئے ہیں۔ یہ پہاڑوں میں رہنے والے مفلس و بد حال لوگ اپنی محرومی اور غربت سے تنگ آ چکے ہیں، اس لئے ان کی حریص نظریں تمہارے زرخیز میدانوں اور دولت سے بھرے ہوئے مندروں پر پڑ رہی ہیں۔ یہ تمہارے لہلہاتے ہوئے کھیتوں کی فصلیں کاٹنے اور تمہارے دیوتاؤں کی ہیرے جواہرات سے مرصع مورتیاں چرانے آئے ہیں۔ انہیں تمہاری بے پناہ طاقت کا اندازہ نہیں تھا۔ اس لئے یہ اندھوں کی طرح دیوتاؤں کی روشن نگری میں داخل ہو گئے ہیں۔ انہیں سپاہی ہرگز نہ سمجھنا اور ان کے ساتھ وہی سلوک کرنا جو تم اپنے کھیتوں میں گھس آنے والے جانوروں کے ساتھ کرتے ہو۔" راجہ جے پال کی اس طویل تقریر کا ایک ایک لفظ وسائل کی طاقت کے نشے میں ڈوبا ہوا تھا۔

امیر سبکتگین نے ایک پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر راجہ جے پال کی افرادی قوت کا اندازہ کیا۔ وہ انسانی سروں کا ایک سمندر تھا، جس کی سرکش موجیں حدِ نظر تک دیکھی جا سکتی تھیں۔ والیٔ غزنی نے فوراً ہی محسوس کر لیا کہ اس کے بعض سردار، راجہ جے پال کی کثرتِ افواج سے کچھ ہراساں نظر آ رہے ہیں۔

"طاقت میں تمہارا جوشِ جہاد زیادہ ہے یا دشمن کے سپاہی؟" امیر سبکتگین نے بڑے جذباتی انداز میں اپنے سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"دنیا کی کوئی شے ہمارے جذبۂ جہاد سے زیادہ قوی نہیں۔" جواب میں بیک وقت بے شمار آوازیں اُبھریں۔

"یاد رکھو کہ موت، اللہ کا ایک اٹل قانون ہے، جسے کوئی التجا، کوئی دعا اور کوئی نیکی نہیں ٹال سکتی۔ ہمیشہ اپنے ذہنوں میں یہ بات تازہ رکھنا کہ جب وقت آیا تو انبیائے کرام جیسی برگزیدہ اور مقدس ہستیاں بھی دنیا سے رخصت ہو کر اپنے ربِ جلیل کی بارگاہ میں حاضر ہو گئیں، پھر ہم گناہگاروں کی کیا حیثیت ہے؟ اگر تم فولادی تہہ خانوں میں بھی چھپ جاؤ تو موت تلاش کر لے گی۔ تم اپنے بیوی بچوں اور غمگساروں کے ہجوم میں بھی مر سکتے ہو۔ دنیا کے بہترین طبیب تمہاری نبض دیکھتے رہیں گے اور آبِ حیات جیسا اثر رکھنے والی دوائیں تمہارے حلق میں ڈالتے رہیں گے اور قافلۂ جاں اس طرح چپ چاپ گزر جائے گا کہ انہیں خبر تک نہ ہو گی۔ پھر کس لئے کثرتِ اعدا سے ہراساں ہوتے ہو؟ عیسائی فرماں روا

ابرہہ بھی تو اپنی کثرت پر نازاں تھا مگر وہ خانۂ کعبہ کو مسمار کرتا تو کجا، اس کی ایک اینٹ کو بھی نقصان نہیں پہنچا سکا۔ یہاں تک کہ اپنے سپاہیوں اور ہاتھوں کی فوج کے ساتھ خود بھی کھایا ہوا بھوسہ بن گیا۔ آج راجہ جے پال بھی ابرہہ کے مانند ہمارے کعبۂ جاں پر حملہ آور ہوا ہے اور جانیں اللہ کی امانت ہیں اور وہی ان کی حفاظت کرنے والا ہے۔ اس معرکۂ خیر وشر میں اپنے یقینِ راسخ کا ثبوت دو۔ اگر تمہارے دلوں میں کروٹیں لینے والے جذبے سچے ہیں اور تمہارے ذہن وسوسوں کے غبار سے پاک ہیں تو پھر یقین رکھو کہ اس معرکہ میں تم ہی غالب رہو گے۔ اور اگر تمہارے دلوں میں ذرا سی بھی کھوٹ ہے اور ذہنوں میں پراگندگی کی دھول اُڑ رہی ہے تو پھر تمہاری ہی اُٹھائی ہوئی دیواریں تم پر گر جائیں گی اور تم اس ساحلِ عافیت پر پہنچ کر بھی ڈوب جاؤ گے۔"

امیر سبکتگین کی مختصر سی تقریر نے مجاہدینِ اسلام کے جسموں میں نئی روح پھونک دی تھی اور وہ بازور شور اپنے اللہ کی کبریائی بیان کرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"امیر! اللہ علیم وخبیر ہے اور وہ جانتا ہے کہ ہمارے دلوں میں کیا ہے۔ پھر بھی ہم زبانی طور پر اپنے عہد کی تصدیق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم اہلِ یقیں کی طرح لڑیں گے۔ خواہ ہمارا انجام کچھ بھی ہو۔"

اپنے سپاہیوں کو جہاد کا مفہوم سمجھانے کے بعد امیر سبکتگین، پہاڑی سے اُتر کر میدان میں آیا اور پانچ پانچ سو سواروں کے دستے بنا کر انہیں دشمن پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ولی عہدِ غزنی، محمود کا فوجی دستہ ایک ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ امیر سبکتگین نے بطورِ خاص سپہ سالار بلرام سنگھ کو بھی اسی دستے میں شامل کر دیا تھا۔

خلافِ توقع یہ جنگ بہت مختصر ثابت ہوئی۔ امیر سبکتگین کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ اس کے فوجی دستے باری باری جنگ کریں۔ پہلے ایک دستہ میدانِ کارزار میں جائے۔ پھر جب وہ تھک جائے تو دوسرا روانہ ہو۔ اس طرح تازہ فوجی کمک کا سلسلہ قائم رہے گا۔ راجہ جے پال اپنی کثرتِ افواج کے نشے میں غرق تھا۔ اس لئے سبکتگین کی حکمتِ عملی کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ اس کے سپاہی بھی مسلمانوں کی قلتِ تعداد دیکھ کر بدمست ہو گئے تھے۔ اس لئے کسی نظم وضبط کے بغیر اندھا دھند جنگ کر رہے تھے اور ان کی جانیں بہت تیزی سے برباد ہو رہی تھیں۔ شروع کے تین دنوں میں راجہ جے پال کو اپنی تباہیوں کا اندازہ نہیں ہو سکا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کے لشکر میں انتشار پھیلنے لگا۔ جب غزنی کے سپاہیوں نے یہ دیکھا کہ دشمن کے حوصلے پست ہو رہے ہیں اور وہ بدحواس نظر آ رہے ہیں تو مجاہدینِ اسلام کے تمام فوجی دستوں نے مل کر بھرپور حملہ کر دیا۔ یہ حکمتِ عملی اس قدر اثر انگیز ثابت ہوئی کہ راجہ جے پال کے سپاہی میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ برہمن حکمران انہیں دیوی دیوتاؤں کے واسطے دے کر پکارتا رہا مگر انہوں نے اپنے فرماں روا کی ایک نہیں سنی۔ ان کے دل ودماغ پر مسلمانوں کی ہیبت طاری ہو چکی تھی۔ اس لئے وہ میدانِ جنگ سے فرار ہو کر کسی گوشۂ عافیت کی تلاش میں تھے۔ مگر مسلمان سپاہیوں نے ان کی تمام راہیں مسدود کر دی تھیں۔ بالآخر راجہ جے پال کے ہزاروں سپاہی تہہ تیغ کر دیئے گئے۔

برہمن حکمران اپنے لشکر کے قلب میں ایک ہاتھی پر سوار ہو کر اُلٹی ہوئی بساط کو دوبارہ آراستہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ یکایک اُس پر بلرام سنگھ کی نظر پڑی۔ جے پال کو دیکھتے ہی بلرام سنگھ کو یوں محسوس ہوا کہ اس کی رگوں میں دوڑنے والا خون اچانک جل اُٹھا ہے۔ پھر اپنے لہو کی اسی حرارت سے مجبور ہو کر

بلرام سنگھ، راجہ جے پال پر جھپٹا۔

"کمزور اور بے سہارا عورتوں کے قاتل! میں آ رہا ہوں۔" یہ کہہ کر بلرام سنگھ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ دی اور راجہ جے پال کی طرف بڑھا۔

برہمن حکمران تک پہنچنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ وہ اپنے سینکڑوں مسلح سپاہیوں کے نرغے میں اس طرح محفوظ تھا جیسے کوئی مسلح شخص اپنے مضبوط گھر کی چار دیواری میں بیٹھا ہو۔

"بلرام سنگھ! یہ بدترین عاقبت نااندیشی ہے۔" محمود چیخ چیخ کر اپنے سپہ سالار کو روکتا رہا۔ "یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم ہلاکت کے حصار کی طرف کیوں جا رہے ہو؟ واپس لوٹ آؤ! راجہ جے پال بچ کر نہیں جائے گا۔ اسے شکست ہو چکی ہے۔ وہ بہت جلد ایک قیدی کی حیثیت سے تمہارے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔" محمود پکارتا رہا مگر بلرام سنگھ کی سماعت پر ان آوازوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ ایسا لگتا تھا جیسے راجپوت سپہ سالار بہرا ہو چکا ہے۔

بلرام سنگھ نے راجہ جے پال کے بہت سے محافظوں کو موت کے گھاٹ اتارا اور خود بھی بے شمار زخم کھاتا ہوا برہمن حکمران تک پہنچ گیا۔ اس کے جوش کا یہ عالم تھا کہ اس نے اپنے گرد وپیش میں پھیلے ہوئے تمام خطرات کو نظر انداز کر دیا تھا۔ اسے بس ایک ہی فکر تھی کہ وہ کسی طرح راجہ جے پال پر قابو حاصل کر لے۔ بلرام سنگھ کا وفادار گھوڑا، راجہ جے پال کے کوہ پیکر ہاتھی کے مقابل تھا۔ راجپوت سپہ سالار نے راجہ جے پال پر حملہ کرنے کے لئے اپنے گھوڑے کی لگامیں کھینچیں۔ گھوڑا پچھلے پیروں پر کھڑا ہو گیا۔ اسی دوران جے پال کے ہاتھی نے پوری طاقت سے اپنی سونڈ لہرائی۔ بلرام سنگھ کا گھوڑا اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور پیچھے کی طرف اُلٹ گیا۔ اس کے ساتھ ہی راجپوت سپہ سالار بھی زمین پر گر پڑا۔

محمود دور سے بلرام سنگھ کی تنہائی اور بے کسی کا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے فوراً اپنے فوجی دستے کو حکم دیا۔ "راجہ جے پال پر یلغار کرو۔ بلرام سنگھ کی جان خطرے میں ہے۔"

اتنے میں بلرام سنگھ زمین سے اُٹھ کر سنبھل چکا تھا۔ مگر اس کے چاروں طرف سینکڑوں مسلح سپاہی موجود تھے۔ اس سے پہلے کہ راجہ کے محافظ، بلرام سنگھ پر کسی شکاری جانور کی طرح جھپٹ پڑتے، اچانک جے پال نے چیخ کر کہا۔ "اس گیدڑ کو چھوڑ دو تاکہ ایک برہمن شیر اسے اپنی خوراک بنا سکے۔ یہ میرا مجرم ہے۔ اس لئے میں ہی اس کی سزا بھی تجویز کروں گا۔" یہ کہہ کر راجہ جے پال نے مہاوت کو حکم دیا کہ وہ ہاتھی کو آگے بڑھائے اور بلرام سنگھ کو روند ڈالے۔

بلرام سنگھ کی تیز نظریں ہاتھی کی حرکت پر جمی ہوئی تھیں۔ ہاتھی چنگھاڑتا ہوا آگے بڑھا اور اس نے بڑے وحشیانہ انداز میں بلرام سنگھ پر حملہ کر دیا۔ بلرام سنگھ نے برق رفتاری کے ساتھ کئی پینترے بدلے اور اپنے آپ کو اس وحشی جانور کے حملوں سے محفوظ رکھا۔ پھر جیسے ہی وہ کوہ پیکر ہاتھی ایک مخصوص زاویے پر آیا، بلرام سنگھ نے اس کی طاقتور سونڈ پر اپنی تلوار کا ایک بھرپور وار کیا۔ پھر ایسا لگا جیسے کسی درخت کی شاخ کا اوپری حصہ کٹ کر زمین پر گر گیا ہو۔ ہاتھی کی سونڈ کٹ چکی تھی اور وہ تکلیف کی شدت سے اِدھر اُدھر بھاگتا پھر رہا تھا۔

اپنے حکمران کے منصوبے کو ناکام ہوتا دیکھ کر جے پال کے سپاہی بلرام سنگھ پر ٹوٹ پڑے۔ وہ مردِ جاں باز بڑی استقامت سے اپنے سینکڑوں دشمنوں کا مقابلہ کر رہا تھا اور اس کے دست و بازو جواب

دیتے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ کچھ دیر بعد بلرام سنگھ کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا اور پھر لہرا کر زمین پر گر پڑا۔

اس سے پہلے کہ راجہ جے پال کا کوئی سپاہی آگے بڑھ کر بلرام سنگھ کا سر کاٹ لیتا، اچانک ایک نعرہ بلند ہوا۔ جے پال کے فوجیوں نے گھبرا کر دیکھا۔ محمود کا فوجی دستہ ان کے سروں پر آ پہنچا تھا۔ جے پال کے سپاہی، زخمی بلرام سنگھ کو چھوڑ کر پیچھے ہٹ جائے۔ جب راجہ جے پال نے محمود کے سپاہیوں کو خونخوار آندھی کی طرح آگے بڑھتے دیکھا تو اپنے سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"ان لٹیروں کو روکو۔"

اپنے سپاہیوں کو مقابلے کا حکم دے کر راجہ جے پال نے مہاوت سے کہا۔

"اس زخمی ہاتھی کو میدانِ جنگ سے نکال کر کسی محفوظ مقام پر لے جاؤ۔ ہم یہ لڑائی ہار چکے ہیں۔"

جے پال کے بچے کھچے سپاہی کچھ دیر تک محمود کے حملوں کو روکتے رہے۔ پھر مایوس ہو کر میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ راجہ جے پال پہلے ہی فرار ہو چکا تھا۔

محمود نے بلرام سنگھ کے بے ہوش جسم کو چند سپاہیوں کی مدد سے اٹھایا اور اپنے خیمے میں لوٹ آیا۔

مجاہدینِ اسلام نے دریائے نیلاب کے کنارے تک راجہ جے پال کے سپاہیوں کا پیچھا کیا اور بڑے پیمانے پر قتل و غارت گری کی۔ اس معرکے میں بہت سے مالِ غنیمت کے ساتھ دریائے نیلاب کے کنارے تک لمغان اور پشاور کے علاقے بھی مسلمانوں کے ہاتھ آ گئے۔ پھر جب موجِ خوں سروں سے گزر گئی اور ہر طرف امن قائم ہو گیا تو ولی عہدِ غزنی محمود، لمغان اور پشاور کے بت خانوں میں داخل ہوا اور ان کے پجاریوں سے مخاطب ہو کر بولا۔

"پتھر کے پجاریو! تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تمہارے اقتدار کا سورج غروب ہو چکا اور اب تمہاری قسمت میں رات کی تاریکیوں کے سوا کچھ نہیں۔ اب تم ایک مفتوح قوم ہو۔ اس لئے اپنی شکست کا ذائقہ چکھو اور خوش دلی کے ساتھ فاتحِ وقت کا استقبال کرو۔ اگر اپنی تنگ نظری اور تاریک دماغی کے باعث ہمارے عقائد اختیار نہیں کر سکتے تو پھر زندگی بھر خراج ادا کرتے رہو۔ ہم تمہاری جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ کریں گے اور تمہیں ہر طرح امن و عافیت کے سائے میں رکھیں گے۔"

مندر کے پجاری اپنی اس جاں بخشی پر بہت خوش نظر آ رہے تھے مگر ان کی تمام خوشی اس وقت کافور ہو گئی، جب محمود نے با آواز بلند کہا۔

"تم اپنے دلوں میں بت سجا سکتے ہو، مگر تمہارے صنم خانوں میں آج کے بعد سے کوئی بت نظر نہیں آئے گا۔ اب یہ زمین ایک اللہ کے ماننے والوں کی ملکیت ہے اور وحدانیت پرستوں کی بستی میں کسی پتھر کی مورتی کا وجود ممکن نہیں۔" یہ کہہ کر محمود نے اپنا بھاری گرز اُٹھایا اور بتوں کو توڑنے کے لئے آگے بڑھا۔

مندر کے پجاری دیوانہ وار اُس کے قدموں سے لپٹ گئے اور رو رو کر التجائیں کرنے لگے۔

"آپ ان بتوں کو نہ توڑیئے۔ یہ ہمارا روحانی سرمایہ ہے۔ پوری ہندو قوم سے اس کی ساری دولت لے لیجئے مگر دیوتاؤں کا وجود برقرار رہنے دیجئے۔"

اس کے بعد مندر کے پجاریوں اور ہندو مہاجنوں نے محمود کے قدموں میں سیم و زر کے انبار لگا دیئے

مگر ولی عہدِ غزنی نے دولت کے اس گراں بہا ذخیرے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

پھر بڑی عیاری کے ساتھ پجاریوں نے ایک نئی چال چلی اور جواں سال محمود کے سامنے سینکڑوں حسین ترین دیوداسیاں لا کر کھڑی کر دیں۔ پجاریوں کا خیال تھا کہ محمود عہدِ شباب کے تقاضوں سے مجبور ہو کر ان کی اس کیف آور پیش کش کو قبول کر لے گا۔ محمود نے غور سے ان مجبور عورتوں کی طرف دیکھا، جن کے چہروں پر ہزاروں خوں شدہ تمناؤں اور مقتول آرزوؤں کی جاں گداز داستانیں تحریر تھیں۔

"صدیوں سے برہمنی نظام کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی بدنصیب عورتو! ہم حرص و ہوس کے سوداگر نہیں، بیمار انسانیت کے مسیحا ہیں۔ تمہیں خوش خبری ہو کہ تمہاری بدترین غلامی کے دن ختم ہو چکے ہیں۔ آج کے بعد سے تم آزاد بھی ہو اور اپنی زندگی کی مالک بھی۔ مذہب کے نام پر بنائے جانے والے اس مقتل کی چار دیواری سے باہر نکلو اور دیکھو کہ اللہ کی زمین کیسی دلکش اور کتنی کشادہ ہے۔"

"ہم یہاں سے نکل کر کہاں جائیں گی کہ اس زندانِ جبر سے باہر ہمارے لئے کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔" تمام دیوداسیاں زار و قطار رو رہی تھیں۔ "آپ ہی ہمیں اپنے ساتھ لے چلئے۔ خدمت کرنا ہمارا کام ہے۔ لیکن آپ کی خدمت گزاری، دیوتاؤں کی خدمت سے بہر حال بہتر ہو گی۔"

مجبور عورتوں کی فریاد سن کر محمود کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "اگر اتنی وسیع و عریض زمین پر تمہارے لئے کوئی آبرومندانہ پناہ گاہ نہیں تو پھر ہم تمہارے لئے عزت و وقار کا سائبان بن جائیں گے۔ ہمیں ہمارے اللہ نے اسی کام کے لئے یہاں بھیجا ہے۔"

یہ کہہ کر محمود نے تمام بتوں کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ اور پتھر کے مجسموں میں چھپے ہوئے قیمتی ہیرے جواہرات ولی عہدِ غزنی کے قدموں میں بکھرتے رہے

یہ محمود کی پہلی رسمِ بت شکنی تھی۔

*****

راجہ جے پال نے کسی نہ کسی طرح اپنی جان تو بچا لی، مگر ہزاروں راجپوت سپاہی لقمۂ اجل بن گئے۔ یہ ایک بڑا نقصان تھا جسے ہندوستان کے تمام راجاؤں نے پوری شدت سے محسوس کیا۔ انہیں مالی وسائل سے زیادہ اپنے جانباز سپاہیوں کی موت کا افسوس تھا۔ کشت و خون کا طوفان تھم جانے کے بعد جب محاذ کی خبریں دیگر ہندو فرماں رواؤں کے کانوں تک پہنچیں تو انہیں اندازہ ہوا کہ راجہ جے پال ایک انتہائی خود غرض اور عاقبت نا اندیش حکمران ہے۔ اتنے بڑے لشکر کو اپنے گھر میں تباہ و برباد کرا دینا اس بات کا کھلا ہوا ثبوت تھا کہ راجہ جے پال آدابِ جنگ سے قطعاً ناواقف ہے۔ برہمن حکمراں کی اس شکست پر تبصرہ کرتے ہوئے کالنجر، دہلی، قنوج اور اجمیر کے حکمرانوں نے راجہ جے پال کو انتہائی سخت الفاظ میں خطوط تحریر کئے۔

"ہم نے صرف مذہب کے نام پر تمہاری فوجی اور مالی امداد کی تھی۔ تمہیں شاید ہمارے جذبات کا اندازہ نہ ہو کہ ہم نے دیوتاؤں کے ناموس کی خاطر اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے تھے اور ریاست کے منتخب جانبازوں کو تمہارے حوالے کر دیا تھا تاکہ تم "دھرم" اور "دھرتی" کو دشمن کی دست درازیوں سے محفوظ رکھ سکو۔ مگر افسوس! صد ہزار بار افسوس کہ تم میدانِ جنگ میں دنیا کے بدترین اور ناکارہ سپہ سالار ثابت ہوئے۔ اگر اتنے وسائل اور ایسے جانباز سپاہی کسی اندھے حکمران کی نگرانی میں دے دیئے جاتے،

تب بھی وہ اس جنگ کو آسانی سے جیت لیتا۔ لیکن تم نے ہماری تمام تر توقعات کے خلاف ہندو تاریخ کی سب سے شرمناک شکست کھائی اور جنگجو راجپوتوں کی تمام روایتوں کو پامال کر ڈالا اور ہمارے چہروں پر ایسی کالک مل دی کہ جسے شاید گنگا اور جمنا کا سارا پانی بھی دھونے سے قاصر رہے۔ ہمیں اس کا افسوس نہیں کہ ہمارے بھیجے ہوئے سیم و زر کے انبار، دشمن نے سمیٹ کر اپنی جھولی میں ڈال لئے۔ ہمیں تو دکھ صرف اس بات کا ہے کہ تم نے اپنی غلط حکمت عملی کے باعث ہمارے کیسے کیسے سورماؤں کو بھیڑ بکریوں کی طرح موت کے منہ میں جھونک دیا۔ اگر تم اپنی جان بھی دے دو تو اس گناہ کا کفارہ ادا نہیں ہو سکتا۔ لیکن تمہاری نامراد زندگی کے ختم ہو جانے سے اتنا ضرور ہوگا کہ زمین اپنے آپ کو کسی قدر ہلکا محسوس کرنے گی۔"

اپنے حلیف راجاؤں کے طنز آمیز خطوط پڑھ کر راجہ جے پال مسکرانے لگا اور خودکلامی کے انداز میں بولا۔

"تم نادان لوگ کیا جانو کہ راج نیتی کسے کہتے ہیں۔ میں آئندہ کسی محاذ پر سبکتگین کو بھی دیکھوں گا اور تمہارے اس ذلت آمیز سلوک کا بھی جواب دوں گا۔"

اپنے شوہر کی باتیں سن کر ارمغانہ شیرازی بھی جبراً مسکرانے لگی۔ اس غیر متوقع شکست کے بعد اس کے تمام خواب ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گئے تھے۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے وہ اپنے آپ کو ہندوستان کے ایک بہت بڑے علاقے کے ساتھ غزنی کی بھی خود مختار ملکہ سمجھنے لگی تھی۔ لیکن جب تصورات کا یہ جھوٹا طلسم ٹوٹا تو وہ اپنے ارمانوں کی لاش پر بین کرنے لگی۔ اس وقت بھی اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ چیخ چیخ کر روئے اور راجہ جے پال کا منہ نوچ ڈالے۔ لیکن انتہائی کرب کے عالم میں اسے مسکرانا پڑ رہا تھا۔

"مہاراج! آپ دل شکستہ نہ ہوں کہ ابھی بہت سے امتحانات باقی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ان کڑی آزمائشوں سے سلامتی کے ساتھ گزر جائیں گے۔" ارمغانہ شیرازی نے اپنے چہرے پر ریاکاری کی ایک دبیز نقاب ڈال لی تھی اور اپنے ہونٹوں پر ایک فریب کار تبسم سجا لیا تھا۔ "یہ عارضی شکست ہے جو عنقریب آپ کی جہدِ مسلسل کے باعث ایک بڑی فتح میں تبدیل ہو جائے گی۔ میں بھی تو قدم بہ قدم آپ کے ہمراہ چل رہی ہوں۔ پھر یہ احساسِ تنہائی کیوں؟" ارمغانہ نے اپنے مخصوص اندازِ دلربائی کے ساتھ کہا۔

"ہاں سمترا! تم ٹھیک کہتی ہو۔" ارمغانہ کی قربت نے جے پال کی آنکھوں میں یکایک جذبوں کے چراغ روشن کر دیئے تھے۔ "مجھے تمہاری ہمسفری پر ناز ہے۔ جب تک تم زندگی کی ان ناہموار راہوں پر میرے ساتھ چلتی رہو گی، میں کسی سبکتگین کے سامنے شکست تسلیم نہیں کروں گا۔" جے پال کے دل و دماغ پر جذبات اس قدر غالب آ گئے تھے کہ وہ کسی شکست خوردہ عاشق کی طرح ارمغانہ کے گیسوئے مشک بار کے سائے میں پناہ ڈھونڈنے لگا۔ "اگر تم مجھ سے بچھڑ گئیں سمترا! تو میں اپنے اقتدار اور زندگی دونوں کی بازی ہار جاؤں گا۔"

"سمراٹ! یہ داسی آپ کے قدموں کو چھوڑ کر کہاں جائے گی؟" ارمغانہ نے منافقت کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ کنیز اس کے سوا کچھ نہیں چاہتی کہ آپ اپنی رعایا کے سامنے اپنے اور میرے درمیان قائم ہونے والے رشتے کا اعلان کر دیں۔" آخر ارمغانہ کی خواہش اس کی زبان پر آ ہی گئی۔

سبکتگین سے شکست کھانے کے بعد ارمغانہ کو اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا تھا۔ اس لئے وہ چاہتی تھی کہ جے پال جلد از جلد اس کی قانونی حیثیت کا اعلان کر دے تا کہ وہ برہمنوں اور راجپوتوں کی مہارانی بن کر کچھ دن تک اقتدار کی لذت حاصل کر لے۔ ورنہ کون جانے کہ راجہ جے پال کی ڈگمگاتی ہوئی نیا کب ڈوب جائے اور حالات کے بھنور میں ارمغانہ ایک حقیر تنکے کی طرح چکراتی رہے۔ اس کے علاوہ اس کا منصوبہ یہ بھی تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹ کر گردشِ ایام کے تمام تر خطرات سے محفوظ رہ سکے۔ اور پھر جیسے ہی راجہ جے پال اقتدار سے محروم ہو، وہ اُس کی مملکت کی حدود سے نکل کر کسی دوسرے طاقتور راجہ کی پناہ میں چلی جائے اور نئے انداز سے اپنی فریب کاریوں کا سلسلہ جاری رکھے۔ ارمغانہ کو اپنے بے پناہ حسن کی طاقت پر پورا بھروسہ تھا۔ اس کے دلفریب نقش و نگار اور توبہ شکن عشوہ طرازیاں کسی بھی حکمران کو ورغلا سکتی تھیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی ارمغانہ کو اپنی ڈھلتی ہوئی عمر کا احساس بھی ستاتا رہتا تھا۔ گردش روز و شب کے عمل سے گزرتے ہوئے تو سورج پر بھی ایک لمحہ ایسا آتا ہے کہ اس کی آتش فشانیاں راکھ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ پھر ایک عورت کے حُسنِ جہاں سوز کی کیا حیثیت تھی، جسے بہت جلد ہمیشہ کے لئے بجھ جانا تھا۔ یہی سوچ کر ارمغانہ شیرازی بار بار راجہ جے پال سے ایک ہی مطالبہ کر رہی تھی۔

اگرچہ راجہ جے پال پر مدہوشی کا عالم طاری تھا، لیکن ارمغانہ کی بات سن کر وہ چونک جانے پر مجبور ہو گیا تھا۔ برہمن حکمران نے عجیب سی نظروں سے ارمغانہ کی طرف دیکھا اور پھر بہت دھیمے لہجے میں بولا۔

"ابھی نہیں سمترا! ابھی نہیں۔" جے پال کا لہجہ ایک مایوس اور تھکے ہوئے انسان کا لہجہ تھا۔ "میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ سبکتگین کو شکست دینے کے بعد میں اپنی رعایا کو دو بڑی خوشخبریاں سناؤں گا۔ ایک سلطنتِ غزنی پر برہمنوں کے اقتدار کا پرچم اور دوسرے مہارانی سمترا کے اختیارات کا اعلان...... مگر افسوس میں اپنی قوم کو ایک خوشخبری بھی نہیں سنا سکا۔ اب اس شکست خوردگی کے عالم میں ہندو دھرم کے رسم و رواج کو کس طرح توڑوں گا۔ ہندو مذہب سے بغاوت تو درکنار کہ وہ ایک الگ مسئلہ ہے لیکن میں سیاسی طور پر اپنے حلیف راجاؤں اور درباری عہدیداروں کی سوالیہ نظروں کا سامنا کیسے کروں گا؟ وہ لوگ مجھ سے یہ نہیں پوچھیں گے کہ دشمنوں کے قدم لمغان اور پشاور کی زمین کو پامال کر رہے ہیں۔ اور تو ایک گوشے میں بیٹھا جشنِ نشاط منا رہا ہے؟ نہیں سمترا! میں ایسا نہیں کر سکتا۔ مجھ میں لوگوں کی تحقیر آمیز نگاہوں کا سامنا کرنے کی طاقت نہیں ہے۔" یکایک جے پال کے چہرے پر وحشت سی برسنے لگی تھی اور ایسا لگ رہا تھا، جیسے شراب اور ارمغانہ کی قربت کا نشہ ٹوٹتا جا رہا ہو۔

"پھر؟" ارمغانہ نے تیز آواز میں کہا۔ "کیا میں اپنی باقی زندگی بھی اسی طرح بسر کروں گی؟" شدتِ جذبات سے ارمغانہ کی آواز لرز رہی تھی۔ "چوروں، مجرموں اور گنہگاروں کی طرح؟...... ایک داشتہ کی طرح؟" ارمغانہ کے سرخ و گداز ہونٹوں سے تلخیوں کا زہر ٹپک رہا تھا اور شگفتہ و شاداب چہرے پر غصے کی آگ بھڑک رہی تھی۔

"اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے سمترا! تو پھر سب کچھ برداشت کرنا ہوگا۔" اچانک راجہ جے پال کا لہجہ بدل گیا تھا اور اُس کے اندازِ گفتگو سے آمرانہ بے رخی جھلک رہی تھی۔ "ہم نے تم جیسی برباد شدہ عورت کی بہت زیادہ پذیرائی کی ہے۔ ہمارا یہ احسان کم نہیں ہے کہ ہم نے تمہیں اپنی قانونی بیوی کا درجہ دیا۔ ہم اس پر پوری طرح قادر تھے کہ تمہیں ایک ادنیٰ درجے کی داشتہ بنا کر چھوڑ دیتے اور ہماری طرف سے اس

بات کی بھی اجازت نہ ہوتی کہ تم ہمارے خلاف کوئی حرفِ احتجاج بلند کر سکو۔"

راجہ جے پال کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر ارمغانہ کا گل رنگ چہرہ زرد پڑ گیا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں سمراٹ؟" ارمغانہ کی آواز اس طرح لڑکھڑا رہی تھی، جیسے وہ لکنت کی مریضہ ہو۔

"ہماری بات غور سے سنو سمترا!" راجہ جے پال نے انتہائی ناخوشگوار لہجے میں ارمغانہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "آج یہ مسئلہ ہمیشہ کے لئے حل ہو جانا چاہئے۔"

"کیسا مسئلہ مہاراج؟" جے پال کا نیا روپ دیکھ کر ارمغانہ شدتِ خوف سے کانپنے لگی تھی۔

"یہی کہ تم آئندہ اپنی شادی کے سرکاری اعلان کے لئے اصرار نہیں کرو گی۔" راجہ جے پال نے اپنی مرضی کے مطابق ارمغانہ کی قسمت کا فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔ "جب ہم کوئی بڑی فتح حاصل کر لیں گے تو پھر تمہیں بھی مہارانی کا اعزاز بخش دیں گے۔" یہ کہہ کر برہمن حکمران کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا اور پھر یکایک چونکتے ہوئے بولا۔ "ہاں! ہمیں فتح کے نام پر یاد آیا کہ تمہارا وہ نجومی باپ کہاں ہے جو بڑے زور دعوؤں کے ساتھ ہماری عظیم الشان فتح کی پیش گوئی کر رہا تھا؟ ہم اس سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ ستاروں کی چالیں کیسے اُلٹ گئیں اور آسمان پر لکھی ہوئی تحریر کس طرح تبدیل ہو گئی؟ اسے اسی وقت ہمارے حضور پیش کرو۔ وہ ہمیں بہت دن سے نظر نہیں آ رہا ہے۔" راجہ جے پال کے لہجے سے اسد شیرازی کے لئے شدید نفرت جھلک رہی تھی۔

پھر کچھ دیر بعد ہی اسد شیرازی سہما ہوا راجہ جے پال کی خلوت میں حاضر ہوا۔

"تُو بھی جھوٹا، تیرا علم بھی جھوٹا۔" راجہ جے پال نے انتہائی غضب ناک اور حقارت آمیز لہجے میں کہا۔ "اگر کسی نجومی کی دو پیش گوئیاں غلط ثابت ہو جائیں تو پھر ہمیشہ کے لئے اُس کا اعتبار اُٹھ جاتا ہے۔ آج سے ہم تجھے بھی ایک نامعتبر انسان سمجھتے ہیں۔" شدتِ غضب کے باعث جے پال کی مخمور آنکھوں سے چنگاریاں سی نکلنے لگی تھیں۔ "دل تو یہ چاہتا ہے کہ ہم تیرا منہ کالا کر کے ملتان اور لاہور کی گلیوں میں پھرائیں مگر کیا کریں کہ تُو ہماری دھرم پتنی کا باپ ہے۔ اور یہی رشتہ ہمارے قہر کی آگ کو پوری طرح بھڑکنے نہیں دیتا۔"

اسد شیرازی کو اپنا انجام بہت قریب نظر آ رہا تھا۔ لیکن ارمغانہ کی پشت پناہی کے سبب وہ مکمل طور پر بے اماں اور غیر محفوظ نہیں تھا...... اور اسی احساسِ تحفظ نے اسد شیرازی سے اس کے ہوش و حواس نہیں چھینے تھے۔ وہ چند لمحوں کے لئے سخت دہشت و اضطراب میں مبتلا ہو گیا تھا لیکن فوراً ہی سنبھل گیا اور اس نے عیار لومڑی کی طرح نئی چالیں چلنا شروع کر دیں۔

"اگر سمراٹ میری جاں بخشی کا وعدہ فرمائیں تو میں اس شکست کے سلسلے میں ایک حیرت انگیز انکشاف کر سکتا ہوں۔"

"کیسا انکشاف؟" راجہ جے پال نے چونک کر کہا۔ ایک لمحے میں اس کا سارا غصہ زائل ہو گیا تھا۔

"میں نے سمراٹ سے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ تمام ستارے آپ کے حق میں گردش کر رہے ہیں۔ اگر میرے اس دعوے کو دنیا کا کوئی ماہرِ نجوم اپنے علمی دلائل سے غلط ثابت کر دے تو میں سزا کے طور پر خود ہی اپنی شہ رگ کاٹ لوں گا۔" یکایک اسد شیرازی کا لہجہ بہت زیادہ پُر جوش ہو گیا تھا۔

"پھر؟" راجہ جے پال کے حیرت و استعجاب میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

"پہلی جنگ میں بھی فتح آپ کا مقدر تھی اور دوسرے معرکے میں بھی نصرت و کامرانی آپ ہی کے قدم چومتی لیکن اس شعبدہ باز نظام شاہ کی ساحرانہ کرشمہ سازیوں نے ساری بساط اُلٹ کر رکھ دی۔" اسد شیرازی نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "میں ایک بار پھر عرض کرتا ہوں کہ اگر اس جادوگر نظام شاہ کو بہت جلد راستے سے نہ ہٹایا گیا تو ایک آپ کی سلطنت کیا، پورا ہندوستان زیر و زبر ہو کر رہ جائے گا۔ میں اس راز سے اچھی طرح باخبر ہوں کہ امیرِ غزنی سبکتگین اور ولی عہدِ سلطنت محمود کو اسی جادوگر کی تائید روحانی حاصل ہے۔ میں نے بارہا اپنے کانوں سے سنا ہے کہ نظام شاہ، محمود کو "بت شکن" کہہ کر پکارتا ہے۔ اور یہ اسی عقیدت کا نتیجہ ہے کہ محمود نے لمغان اور پشاور کے بت خانوں میں ہمارے دیوتاؤں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا۔"

راجہ جے پال بہت دیر تک کسی مجسمے کے مانند ساکت بیٹھا رہا۔ مگر اس کا ذہن اپنے خفیہ عشرت کدے سے بہت دُور مختلف شاہراہوں پر بھٹک رہا تھا۔ پھر وہ حیرت و سکوت کے دائرے سے باہر نکلا اور انتہائی قہرناک لہجے میں اسد شیرازی کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"اگر نظام شاہ کی جادوگری ہی ہمارے کھیل کو بگاڑ رہی ہے تو پھر اس جادوگر کو بے دریغ ہلاک کر دو۔ ساحری کا فن تو ہندوستانی جادوگروں پر ختم ہے۔ پھر یہ نظام شاہ کس شمار و قطار میں ہے؟"

"سمراٹ بہتر جانتے ہیں کہ نظام شاہ کو ہلاک کرنے کے لئے ہندوستان کا کون سا جادوگر مناسب رہے گا۔" اسد شیرازی، غلاموں کے سے لہجے میں بولا۔ "میں تو آپ کا ایک ادنیٰ خیر خواہ ہوں اور حقِ نمک ادا کرنے کے لئے اس شخص کو بے نقاب کر رہا ہوں، جس کا وجود ہندوؤں کے دھرم اور دھرتی کے لئے موت اور بربادی کا کھلا ہوا پیغام ہے۔" اسد شیرازی دل ہی دل میں بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ ایک تو اس کی جان بچ گئی تھی اور دوسرے اُسے یقین ہو چلا تھا کہ ہندوستان کے جادوگر اپنی تانترک وِدیا (جادوئی علم) سے نظام شاہ کو ہلاک کر ڈالیں گے اور اسے اپنے برسوں پرانے ایک خواب کی تعبیر مل جائے گی۔

✽✽✽✽✽

پھر بیک وقت ہندوستان کے کئی نامور جادوگر، راج بھون (محل) میں طلب کر لئے گئے۔ جے پال نے انہیں بڑے انعام و اکرام کا لالچ دیتے ہوئے کہا۔

"اگر تم لوگوں نے اپنے گیان کے ذریعے نظام شاہ کو ہلاک کر دیا تو میں نہ صرف تمہیں بلکہ تمہاری آئندہ آنے والی نسلوں کو بھی خوشحال و آباد کر دوں گا۔"

برہمن حکمران کی اس پیشکش کے جواب میں جادوگروں نے بڑے پُرشور دعوے کرتے ہوئے کہا۔ "سمراٹ! بس سمجھ لیجئے کہ نظام شاہ کا نام زندہ لوگوں کی فہرست سے کاٹ دیا گیا ہے۔ ہمارا عمل سات دن تک جاری رہے گا۔ یا تو پہلے ہی دن نظام شاہ کی سانسوں کا کھیل ختم ہو جائے گا یا پھر زیادہ سے زیادہ تیسرے دن وہ اپنی قبر میں پہنچ جائے گا۔" تمام جادوگر بڑے متکبرانہ لہجے میں گفتگو کر رہے تھے، جیسے وہ اس دنیا کے مالک ہوں اور انسان کی موت و حیات پر پورا اختیار رکھتے ہوں۔ "مہاراج! آپ اطمینان رکھیں۔ نظام شاہ، سات دن بعد کھلا آسمان نہیں دیکھے گا۔ اب دو گز زمین اور کبھی نہ ختم ہونے والا اندھیرا ہی اُس کا مقدر ہے۔"

ہندوستان کے باکمال ساحروں کے دعوے سن کر راجہ جے پال کے بجھے ہوئے چہرے پر خوشی کی ایک تیز لہر دوڑ گئی۔ پھر اس نے ان جادوگروں کے لئے اپنے ہی محل میں رہائش کا انتظام کر دیا۔ گفتگو کے دوران جادوگروں نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر وہ راج بھون کے ایک گوشے میں بیٹھ کر اپنے منتروں کا آغاز اختتام کریں تو پھر سمراٹ کی قیام گاہ پر کبھی کوئی آفت نازل نہ ہوگی اور ان کا اقتدار ہمیشہ کے لئے دشمنوں کی دست درازیوں سے محفوظ ہو جائے گا۔ یہی وجہ تھی کہ راجہ جے پال نے جادوگروں کو اپنے محل میں بہترین آسائشیں مہیا کی تھیں۔ وہ جادوگر تعداد میں سات تھے۔ اس لئے انہیں علیحدہ علیحدہ سات کمرے دے دیئے گئے تھے۔

جادوگروں نے اپنے اپنے کمروں میں جانے سے پہلے راجہ جے پال سے درخواست کی تھی کہ سات دن تک کوئی سرکاری کارندہ اندر داخل نہ ہو۔ اور اس دوران کھانے کے لئے کچھ پھل اور غسل کے لئے بڑی مقدار میں پانی رکھوایا جائے۔ تمام کمروں کے عقبی دروازے انتہائی دلکش سبزہ زار میں کھلتے تھے۔ جادوگروں نے اپنے غسل کے لئے اسی پُر فضا مقام کا انتخاب کیا تھا۔

سات دن تک راج محل کی فضا نے عجیب سی پُر اسراریت کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔ تمام مکین ذہنی کشمکش اور دبے دبے جوش کا شکار تھے۔ سبکتگین سے دو بار شکست کھانے کے بعد انہیں نفسیاتی خوف اور دہشت نے گھیر لیا تھا۔ مگر جادوگروں کے دعوے، مایوسیوں کی تاریک راہوں میں اُمید کے نئے چراغ جلا رہے تھے۔ اور ان ہی چراغوں کی روشنی میں راج بھون کے رہنے والوں نے نئے خواب دیکھنے شروع کر دیئے تھے۔ خود راجہ جے پال بھی مسلسل کئی راتوں سے ایک ہی خواب دیکھ رہا تھا کہ کسی باریش انسان کے جسم میں آگ لگ گئی ہے اور وہ چیخ چیخ کر اپنی مدد کے لئے لوگوں کو بلا رہا ہے۔ مگر انسانی ہجوم میں سے کوئی شخص اس کے قریب نہیں آتا۔ یہاں تک کہ وہ باریش انسان جل کر راکھ کا ایک ڈھیر بن جاتا ہے۔ راجہ جے پال نے اسد شیرازی اور دوسرے درباری نجومیوں کو تنہائی میں طلب کر کے اپنا خواب بیان کیا تو سب نے بیک زبان ایک ہی بات کہی۔

"سمراٹ! یہ ہمارے مہمان جادوگروں کے اس منتر کا ردِعمل ہے، جو راج بھون کے ایک گوشے میں پورے زور و شور کے ساتھ جاری ہے۔ جب آپ نے خواب کی حالت میں ایک شخص کو آگ میں جلتے ہوئے دیکھ لیا تو پھر پورے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کے دشمن نظام شاہ کو پوتر اگنی (مقدس آگ) نے ہلاک کر ڈالا۔"

جب تمام جوتشی، راجہ جے پال کے خواب کی تعبیر بیان کر کے خاموش ہو گئے تو اسد شیرازی نہایت پُر جوش لہجے میں بولا۔

"مہاراج! درباری جوتشیوں میں سے کسی نے نظام شاہ کو نہیں دیکھا ہے۔ اس لئے ان کی بیان کردہ تعبیر محض قیاس آرائی پر مبنی ہے۔ مگر میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ باریش شخص نظام شاہ ہی ہے، جسے سمراٹ نے اپنی آنکھوں سے جلتے اور پھر راکھ کا ڈھیر بنتے دیکھا ہے۔ میں نے مہاراج کے سامنے آج تک کوئی دعویٰ نہیں کیا، لیکن آج میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی اپنے پربھو (مالک) کے روبرو پہلا اور آخری دعویٰ کر ڈالوں۔" یہ کہہ کر اسد شیرازی نے انتہائی عیاری کے ساتھ سر جھکا لیا۔

"کہو اسد شیرازی! تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" راجہ جے پال بہت زیادہ بے چین نظر آ رہا تھا۔ "ہمارے

لونِ قلب کے لئے تم بھی کوئی دعویٰ کر ڈالو۔ تمہیں نہیں پتہ کہ ہم کتنے اُداس اور مضطرب ہیں۔"

"سمراٹ کے خواب کے مطابق نظام شاہ کا پورا وجود جل کر خاک ہو چکا۔" عیار اسد شیرازی پوری اور تحفظ کے ساتھ بول رہا تھا۔ "اور اسی خواب کی روشنی میں میرا دعویٰ ہے کہ اب دنیا کی کوئی آپ کی فتوحات کے سلسلے کو نہیں روک سکتی۔ گردش کا ایک مقررہ وقت تھا، جو گزر چکا اور گہن کی بہت دُور جا چکی۔ اب آپ کے اقتدار کا سورج پوری آب و تاب کے ساتھ چمکے گا۔"

"کاش ایسا ہی ہو۔" راجہ جے پال کے لہجے میں بڑی نا آسودہ حسرت پوشیدہ تھی۔

پھر سات دن گزر جانے کے بعد جے پال کے سپاہیوں نے دھڑکتے دلوں کے ساتھ ساتوں کمروں کے دروازے کھولے۔ اس موقع پر خود برہمن حکمران بھی اپنے درباری اُمراء اور اسد شیرازی کے ساتھ موجود تھا۔ لاہور اور ملتان کے فرماں روا پر شدید اضطرابی کیفیت طاری تھی۔ وہ بڑی بے چینی سے اس بات کا منتظر تھا کہ ہندوستان کے باکمال جادوگر اُس کی نامراد اور شکست خوردہ زندگی کے لئے نئی کامرانیوں کی خبر لے کر اپنے اپنے کمرے سے برآمد ہوں گے۔ مگر راجہ جے پال اس وقت حیران رہ گیا جب اس نے اپنے سپاہیوں کو کمروں کے دروازوں سے گھبرا کر باہر نکلتے ہوئے دیکھا۔ تمام سپاہیوں نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لئے تھے اور ان کی آنکھوں سے خوف جھلک رہا تھا۔

"کیا ہوا؟ تم لوگ اتنے دہشت زدہ کیوں نظر آ رہے ہو؟" یہ کہتا ہوا راجہ جے پال حیرت و پریشانی کے عالم میں آگے بڑھا۔

"سمراٹ!" ایک سپاہی نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "وہ...... وہ...... مر چکا...... کمرے میں...... اُس کی سڑی ہوئی لاش...... پڑی ہے۔"

اس انکشاف نے راجہ جے پال کے ہوش و حواس اُڑا دیئے۔ اسے اپنے سپاہی کی بات پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس لئے وہ خود کمرے میں داخل ہوا مگر فوراً ہی اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر باہر نکل آیا۔ جادوگر کی لاش سڑ جانے کے سبب کمرے میں اس قدر تعفن تھا کہ اگر جے پال وہاں چند لمحے بھی ٹھہر جاتا تو اسے قے ہو جاتی۔ برہمن حکمران نے اپنی آنکھوں سے ایک انتہائی پُر ہول منظر دیکھا تھا۔ وہ جادوگر جو اپنے علم اور ریاضتِ فن سے سات دن پہلے نظام شاہ کو عبرت ناک انداز میں ہلاک کر دینے کا دعویٰ کر رہا تھا، آج وہی ساحر کمرے کے فرش پر مُردہ حالت میں اس طرح پڑا ہوا تھا کہ کوئی شخص اُس کی لاش کے پاس جانے کا بھی روادار نہیں تھا۔ راجہ جے پال پر اس قدر دہشت طاری تھی کہ شدتِ خوف سے اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ پھر اس نے بڑی مشکل سے ڈرتے ڈرتے دوسرے جادوگروں کا حال دریافت کیا۔ اور سرکاری کارندوں نے ایک ہی جواب دیا کہ تمام جادوگر مر چکے ہیں اور ان کی سڑی ہوئی لاشوں سے سخت تعفن اُٹھ رہا ہے۔

یہ بڑی حیرت ناک بات تھی کہ تمام ساحر ایک ہی زاویے سے اپنے لرزہ خیز انجام کو پہنچے تھے۔ راجہ جے پال کے حکم پر فوراً درباری طبیب کو طلب کر لیا گیا۔ وید رام داس نے جادوگروں کی لاشوں کا جائزہ لینے کے بعد راجہ جے پال کو بتایا کہ ان سب کی موت کئی دن پہلے واقع ہو چکی ہے۔ شاید یہ سب کے سب پہلے دن ہی مر چکے تھے۔

پھر لاہور کے کچھ اچھوتوں نے بڑی کراہیت کے ساتھ جادوگروں کی سڑی ہوئی لاشیں اُٹھائیں (اور

اعلیٰ نسل ہندوؤں کے بقول) اپنے ناپاک ہاتھوں سے ان کی ارتھیاں بنا کر شمشان گھاٹ تک پہنچائیں۔ پھر ہندوستان کے باکمال ساحروں کی چتاؤں میں اس طرح آگ لگا دی گئی کہ وہاں موجود مجمع ... نظر آ رہا تھا۔ لوگوں کی سراسیمگی اور دہشت کا یہ عالم تھا کہ انہیں تیز ہوا کی سرسراہٹ اور دریا کی ... کے شور پر بھی کسی عذابِ آسمانی کا گمان ہوتا تھا۔

❋❋❋❋❋

جادوگروں کی دہشت ناک موت کے بعد راجہ جے پال کے خوشامد پرست مصاحبوں نے اسد شیرازی کے خلاف زہر اُگلنا شروع کیا۔

''سمراٹ! جب سے اس شخص کے منحوس قدم ہماری زمین پر پڑے ہیں، برہمنی سلطنت مسلسل آفتوں کا شکار ہو رہی ہے۔ وہ جس فتح کے بارے میں پیش گوئی کرتا ہے، وہی اچانک شکست میں تبدیل ہو جاتی ہے۔''

مصاحبوں کا خیال تھا کہ راجہ جے پال، اسد شیرازی سے بدظن ہو کر یا تو اسے ملک بدر کر دے گا یا پھر کم سے کم اپنے دربار سے ذلیل کر کے نکال دے گا۔ مگر برہمن حکمران نے اپنے مصاحبوں کی گفتگو کا کوئی تاثر قبول نہیں کیا۔

''اسد شیرازی بھی کیا کرے گا؟ نظام شاہ جادوگر ہی اتنا بڑا ہے کہ اس پر کسی منتر، کسی جاپ کا اثر نہیں ہوتا۔ اپنے بہترین جادوگر کھو دینے کے بعد شاید یہی بہتر ہے کہ ہم نظام شاہ کو ہلاک و برباد کرنے کا خیال چھوڑ دیں۔'' برہمن حکمران بہت زیادہ شکستہ نظر آ رہا تھا۔

''نہیں سمراٹ!'' تمام مصاحبوں نے بیک زبان کہا۔ ''ابھی ہمارے ترکش میں آخری تیر باقی ہے۔ ملتان کے جنگلوں میں رہنے والا جوگی تیج ناتھ بڑا صاحبِ کمال انسان ہے۔ کچھ لوگ اس کی روحانی طاقت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر وہ ہاتھ کا اشارہ کر دے تو پورے جنگل میں آگ لگ جائے۔ آپ بھی جوگی تیج ناتھ کو طلب کیجئے۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ صحرا نشیں انسان چند لمحوں میں نظام شاہ کی جادوئی طاقتیں فنا کر دے گا۔''

شدید مایوسی کی ظلمتوں میں جوگی تیج ناتھ کی ذات روشنی کی ایک تیز لکیر تھی۔ جے پال کی برباد حسرتیں روشنی کی اس لکیر کو کسی فانوس یا قندیل کی طرح دیکھنا چاہتی تھیں۔ اپنے اسی جذبے کے زیرِ اثر راجہ جے پال نے اسد شیرازی کو بھی طلب کر لیا اور مصاحبوں سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

''تم سب لوگ اسی وقت ملتان چلے جاؤ اور اس کے سامنے تمام صورتِ حال بیان کر ڈالو۔ اس سے کہو کہ وہ ہماری خدمت میں حاضر ہو کر یہ مذہبی فریضہ انجام دے۔ اگر وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گیا تو ہم اس پر اپنے الطاف و کرم کی بارش کر دیں گے۔''

راجہ جے پال کا حکم سنتے ہی اسد شیرازی اور دوسرے مشیر برق رفتار گھوڑوں پر بیٹھ کر ملتان کی طرف روانہ ہو گئے اور گھنے جنگل میں پہنچ کر جوگی تیج ناتھ سے ملے۔ جب اسد شیرازی نے اپنی فطری شیریں زبانی سے کام لیتے ہوئے برہمن حکمران کی دلی خواہش کا اظہار کیا تو جوگی تیج ناتھ انتہائی غضب ناک نظر آنے لگا۔

''میں کیوں جاؤں اُس بھکاری کے پاس؟'' جوگی تیج ناتھ کے لہجے سے آگ برس رہی تھی۔

بھی گداگروں کے در پر جاتے ہیں؟ تم لوگ غور سے سن لو کہ کچھ دن پہلے مجھے میری ریاضت نے دنیا سے بے نیاز کر دیا تھا۔ مگر جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے، میں اپنے آپ کو شہنشاہ سمجھنے لگا ہوں۔''

جوگی کے اس انکشاف پر اسد شیرازی اور جے پال کے مشیروں کو سکتہ سا ہو گیا۔

''جوگی! کیا تم نے اپنا دھرم بیچ دیا اور گمراہوں کی قطار میں شامل ہو گئے؟'' اسد شیرازی نے لڑکھڑاتی ہوئی زبان میں کہا۔

''یہ تو کیا کہہ رہا ہے لعنت زدہ انسان؟'' جوگی تیج ناتھ کے لہجے میں شدید نفرت و حقارت پوشیدہ تھی۔ ''تو کچھ بھی کر لے، مگر تیرا انجام بڑا بھیانک ہوگا۔'' یہ کہہ کر تیج ناتھ، راجہ جے پال کے دوسرے مشیروں سے مخاطب ہوا۔ ''اپنے بھکاری آقا سے کہہ دینا کہ اگر وہ ایک خدا پر ایمان لے آئے اور نظام شاہ سے اپنی گستاخیوں کی معافی مانگ لے تو پھر اس کے تخت و تاج بھی محفوظ رہیں گے اور اس کی آخرت بھی سنور جائے گی۔ اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو ایک دن بڑی ذلت کی موت مارا جائے گا۔''

اسد شیرازی اور دوسرے مشیر ناکام و نامراد واپس لوٹ گئے۔

سادھو نند لال کی طرح جوگی تیج ناتھ بھی ہندوؤں کے ہزاروں دیوتاؤں پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ذاتِ واحد کو تلاش کرتا ہوا ملتان کے جنگلوں میں روپوش ہو گیا تھا۔ پھر جب پہلی بار امیر سبکتگین اس علاقے پر حملہ آور ہوا تو نند لال کی طرح تیج ناتھ بھی والئ غزنی سے ملا تھا اور مسلمانوں کے ایک خدا پر ایمان لے آیا تھا۔ اس کے بعد نند لال، مجاہدینِ اسلام کے ساتھ غزنی چلا گیا۔ مگر جوگی تیج ناتھ اپنے آبائی وطن میں ہی ٹھہر گیا۔ اس نے امیرِ غزنی سے کہا تھا کہ وہ اسی مقام پر رہ کر بھٹکے ہوئے انسانوں کو سیدھا راستہ دکھانے کی کوشش کرے گا۔ پھر جب مسلمانوں کا فاتح لشکر غزنی کی طرف لوٹ گیا تو جوگی تیج ناتھ نے پورے زور و شور کے ساتھ اپنے منصوبے کا آغاز کر دیا۔ وہ روزانہ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد جنگل سے باہر آتا اور ملتان کے مضافاتی علاقوں میں بسنے والے دیہاتی باشندوں کو اسلام کا پیغام سناتا۔ مگر صدیوں سے بت پرستی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے سادہ لوح انسان، تیج ناتھ کی اجنبی آواز سن کر اپنی سماعتوں کے دروازے بند کر لیتے۔ یہاں تک کہ تیج ناتھ بری طرح جھنجلا جاتا اور ملتان کے دیہاتیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگتا۔

''اگر تم میری پھولوں اور شبنم جیسی زبان نہیں سمجھو گے تو پھر ایک دن آنے والے تمہیں شمشیروں کی زبان میں سمجھائیں گے...... مگر افسوس! اس وقت تک کچھ بھی باقی نہ بچے گا، سب کچھ راکھ ہو چکا ہوگا۔''

پتھر کے پجاری اس شیشہ نما انسان کی باتیں سن کر قہقہے لگاتے اور بڑے جارحانہ انداز میں کہتے کہ تیج ناتھ پاگل ہو گیا ہے۔ اور اس کے دل و دماغ پر ناپاک روحوں نے سایہ کر لیا ہے۔

پھر اسی دوران راجہ جے پال کے مشیر ایک گراں بہا انعام کی پیشکش لے کر تیج ناتھ سے ملے۔ مگر اس نے انہیں اس طرح اپنے آپ سے دُور کر دیا جیسے کوئی شخص کسی خارش زدہ کتے کو پتھر مار کر بھگا دیتا ہے۔

پھر جب اسد شیرازی اور دوسرے مشیروں نے تیج ناتھ کے مسلمان ہونے اور راجہ جے پال کو بھکاری کہہ کر پکارنے کے واقعات پوری رنگ آمیزی کے ساتھ سنائے تو برہمن حکمران غصے سے پاگل ہو

گیا۔ پھر اُس نے تیج ناتھ کو گرفتار کر کے اپنے حضور پیش کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ مگر تمام اہلکار
کوشش میں ناکام ہو گئے۔ انہیں تیج ناتھ سامنے بیٹھا ہوا نظر آتا تھا۔ مگر جب وہ اس کے قریب پہنچتے
کی آنکھوں کی روشنی زائل ہو جاتی تھی۔

آخر تنگ آ کر راجہ جے پال نے ملتان کے حاکم کو حکم دیا کہ وہ پہلے پورے جنگل کا محاصرہ کرے
پھر اس میں آگ لگا دے۔ بظاہر یہ ایک بہت وحشیانہ منصوبہ تھا لیکن جوگی تیج ناتھ کی روحانی قوت نے
برہمن حکمران کا منصوبہ اُسی پر اُلٹ دیا۔ جب راجہ جے پال کے سپاہی، جنگل کو آگ لگانے کی کوشش
کرتے تو اچانک تیز ہوائیں چلنے لگتیں اور وہ آگ ان ہی کو جلا ڈالتی۔

مجبوراً جے پال نے جوگی تیج ناتھ کا پیچھا چھوڑ دیا اور اپنے حریف ہندو راجاؤں کو اس نئی صورت
سے باخبر کرتے ہوئے تفصیلی خط لکھے۔

"میرے دوستوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ مجھے اس جنگ میں غلط حکمت عملی کی وجہ سے شکست
ہوئی ہے۔ بلکہ اس شکست کے پیچھے غزنی کے جادوگر نظام شاہ کا ہاتھ ہے۔ اگر فوری طور پر اسے
سے نہیں ہٹایا گیا تو پورا ہندوستان آفات و مصائب کا شکار ہو جائے گا۔ پھر نہ دھرم بچے گا اور نہ
اس لئے مجھے ملامت کرنے کے بجائے میری باتیں بہت غور سے سنو اور اس بلائے بے درماں کو روکنے کی
کوشش کرو جو بہت جلد اپنی تمام تر تباہ کار قوتوں کے ساتھ ہم پر جھپٹنے والی ہے۔"

راجہ جے پال کے خطوط پڑھ کر کالنجر، دہلی، قنوج اور اجمیر کے طاقتور راجپوت حکمران بھی
پریشانی میں مبتلا ہو گئے۔ پھر اپنی اپنی ریاستوں کے دانشوروں سے طویل مشوروں کے بعد تمام راجاؤں
نے اپنے اپنے علاقوں کے بہترین پنڈت، گیانی، پجاری، جوگی، سادھو اور جادوگر لاہور روانہ کر دیے
تا کہ یہ سب مل کر نظام شاہ کو ہلاک کر ڈالیں یا پھر کم سے کم اس کی جادوئی قوتوں کو بے اثر کر دیں۔

❁❁❁❁❁

ادھر سانپوں، بچھوؤں، بندروں اور نیل کنٹھوں کو اپنا دیوتا ماننے والی قوم امیر سبکتگین، محمود اور
شاہ کو ہلاک کرنے کے لئے بے سروپا منتروں اور جاپوں میں اُلجھی رہی...... اور ادھر غزنی کا دائرہ اثر
روز بروز وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ لمغان اور پشاور کے علاقوں پر قابض ہونے کے بعد سبکتگین نے
ناصر الدین کا لقب اختیار کیا اور اسی نام سے اس کا خطبہ اور سکہ جاری ہوا۔ پھر امیر ناصر الدین نے
ایک معتمد سردار کو دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ پشاور میں چھوڑا اور اس علاقے کے آس پاس کے افغان
خلجی صحرا نشینوں کو بھی مطیع کرتا ہوا واپس غزنی پہنچا۔

اسی زمانے میں بخارا کے حاکم فائق نے امیر نوح سامانی کے ساتھ سخت نازیبا حرکات کیں اور
معزز حکمران کو مختلف طریقے سے ذلیل و رسوا کیا۔ وہ آل سامان کی انتہائی گردش کا وقت تھا۔ مجبوراً
نوح نے سبکتگین سے مدد کی درخواست کی۔ درخواست پڑھ کر امیر سبکتگین بہت زیادہ مضطرب ہو گیا اور
وہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر ماوراء النہر کی طرف بڑھا۔ امیر نوح سرخس تک سبکتگین کے استقبال کے لئے
پھر جیسے ہی سبکتگین کی نظر امیر نوح کے چہرے پر پڑی تو وہ رعب شاہی سے مجبور ہو کر بے اختیار
گھوڑے سے اُتر آیا اور امیر نوح کی رکاب کو بوسہ دیا۔ امیر نوح بھی سبکتگین کے اخلاق عالیہ سے اس قدر
متاثر ہوا کہ اس نے بے قرار ہو کر والیٔ غزنی کو گلے سے لگا لیا اور سبکتگین کی پیشانی کو طویل بوسہ

سبکتگین! تم نے ایک مجبور انسان کی عزت کر کے ثابت کر دیا کہ تم عزیزوں کے عزیز اور شریفوں
شریف ہو۔ اللہ تمہارے عزت و شرف میں مزید اضافہ کرے۔"

پھر امیر نوح اور امیر سبکتگین، امیر فائق کی سرکوبی کے لئے بخارا کی طرف روانہ ہوئے۔
اس وقت فائق، ابو علی ہجوری کے پاس پناہ گزیں تھا۔ جب ان دونوں کو امیر نوح اور امیر سبکتگین
کی خبر ہوئی تو وہ سخت پریشان ہوئے اور انہوں نے فخر الدولہ دیلمی سے فوجی امداد کی
درخواست کی۔ فخر الدولہ دیلمی پہلے ہی امیر سبکتگین کی بڑھتی ہوئی طاقت سے ہراساں تھا۔ اس لئے اس
سیاسی پیش بینی کے طور پر اس موقع کو غنیمت جانا اور ابو علی ہجوری اور امیر فائق کی مدد پر آمادہ ہو گیا۔
یک سیاسی تجارت تھی۔ اور فخر الدولہ دیلمی اس کا بھرپور سود وصول کرنا چاہتا تھا۔

امیر ابو علی ہجوری اور امیر فائق ایک لشکرِ جرار لے کر امیر نوح اور امیر سبکتگین سے مقابلہ کرنے کے
آگے بڑھے۔ انہیں اپنی بے پناہ فوجی طاقت پر اس قدر بھروسہ تھا کہ وہ مقابل کو ایک کمزور اور بیمار
یف سمجھ رہے تھے۔ خود عام سپاہیوں کا بھی یہ اندازہ تھا کہ اس معرکہ آرائی میں شکست و بربادی کے سوا
نوح اور امیر سبکتگین کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ بظاہر دونوں لشکروں میں طاقت کا کوئی توازن موجود
تھا، اس لئے دیکھنے والے امیر نوح اور امیر سبکتگین کی شکست کی پیش گوئی کر رہے تھے۔

امیر سبکتگین نے اس فوجی عدم توازن کو نظر انداز کرتے ہوئے جنگ کے لئے ایک وسیع میدان کا
اب کیا۔ پھر میمنہ اور میسرہ کو سپاہیوں سے آراستہ کر کے خود امیر نوح اور اپنے بیٹے محمود کے ساتھ لشکر
کے درمیان میں کھڑا ہو گیا۔

پھر جب دونوں جانب صف آرائی کے بعد جنگ شروع ہوئی تو ابو علی ہجوری کا میمنہ اور میسرہ، امیر
کے دونوں دستوں پر غالب آ گیا۔ یہ انتہائی سنگین لمحات تھے۔ ابو علی ہجوری کے سپاہیوں کی یلغار
ت خیز تھی۔ اس لئے امیر نوح کے لشکر کے قدم اُکھڑنے لگے۔ عین ممکن تھا کہ بساطِ جنگ اُلٹ جاتی
گر اچانک ابو علی ہجوری کے ایک سردار، ابنِ قابوس نے لشکر کے قلب سے نکل کر حملہ کیا اور پھر جب وہ
نوں صفوں کے درمیان پہنچا تو اس نے اپنی سپر پیچھے کی طرف کر لی اور امیر نوح کے سامنے حاضر ہو کر
آواز بلند بولا۔

"امیر! میں ان دونوں سے بیزار ہوں۔" ابنِ قابوس کا اشارہ ابو علی ہجوری اور امیر فائق کی طرف
تھا۔ "یہ دونوں خود غرض اور بدعہد حکمراں ہیں۔ اس لئے ملت اسلامیہ کو ان سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔
اگر اجازت دیں تو میں آپ کی طرف سے جنگ کروں۔ یہ میرے لئے بڑا اعزاز ہو گا۔ بہت ممکن ہے کہ
میں اس جنگ میں مارا جاؤں۔ مگر مرتے وقت مجھے یہ اطمینان ضرور حاصل ہو گا کہ میں نے اپنی زندگی
کے آخری لمحات میں شریف النفس انسانوں کا ساتھ دیا۔"

ابنِ قابوس کی گفتگو سن کر کچھ دیر تک تو امیر نوح پر حیرت و سکوت کی کیفیت طاری رہی۔ پھر اس نے
سر کے اشارے سے ابنِ قابوس کو جنگ کرنے کی اجازت دے دی اور انتہائی شفقت آمیز لہجے میں کہا۔
"اللہ تمہاری مدد کرے۔"

جب ابو علی ہجوری اور امیر فائق کے دوسرے وزیروں اور سرداروں نے یہ صورتِ حال دیکھی تو کچھ

دیر کے لئے ان پر وحشت سی طاری ہو گئی۔ وہ سمجھے کہ ابنِ قابوس نے تنہا غداری نہیں کی ہو گی بلکہ صفوں میں اس کے دوسرے ساتھی بھی موجود ہوں گے۔ اس ذہنی کشمکش اور خوف و ہراس نے ابو علی ہجوری اور امیر فائق کے لشکروں کو مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔

پھر جب امیر سبکتگین نے دشمن کے لشکر کا یہ انتشار دیکھا تو اس نے اپنے منتخب بہادروں کے دستے کو ساتھ لے کر بھرپور حملہ کر دیا۔ خراسانی لشکر جو پہلے ہی ذہنی طور پر منتشر ہو چکا تھا، امیر سبکتگین کے اس حملے کی تاب نہ لا سکا اور بدحواس ہو کر سامنے کی طرف بھاگ نکلا۔

اس موقع پر ولی عہدِ غزنی، محمود نے ذہانت اور بے جگری کا ثبوت دیا۔ اس نے فرار ہونے والے سپاہیوں کا بہت دور تک تعاقب کیا۔ نتیجتاً ان میں سے بیشتر سپاہی قتل کر دیئے گئے اور جو باقی بچے انہیں قیدی بنا لیا گیا۔

جب امیر ابو علی ہجوری اور امیر فائق، نیشاپور کی طرف فرار ہو گئے تو امیر نوح نے فتح کے ایک جشنِ خاص میں ولی عہدِ غزنی محمود کو "سیف الدولہ" کا خطاب دیتے ہوئے کہا۔

"فرزند! مجھے تم پر ناز ہے اور میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ تمہاری ذات سے ملتِ اسلامیہ کا روشن مستقبل وابستہ ہے۔"

اس کے ساتھ ہی امیر نوح نے غدار ابو علی ہجوری کو نمک حرام قرار دیا اور اس کے بجائے محمود کو "امیر الامراء" مقرر کیا۔ اس کے بعد امیر نوح کامیاب و کامران، بخارا کی طرف روانہ ہوا۔

پھر جب امیر سبکتگین اور محمود بڑی آن بان کے ساتھ نیشاپور کی جانب بڑھے تو امیر ابو علی ہجوری اور امیر فائق بدحواس ہو کر جرجان کی طرف بھاگ گئے اور خانہ بدوشوں کی طرح فخر الدولہ ویلمی کے یہاں پناہ گزیں ہوئے۔

اس موقع پر محمود نے اپنے باپ کی طرف دیکھتے ہوئے فخریہ لہجے میں کہا۔ "بابا جان! آج کوئی بھی مقابل نہیں ہے۔ اور میری بلند اقبالی کا یہ عالم ہے کہ میں جہاں جاتا ہوں، دشمن وہاں سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔"

"ہاں فرزند! ایسا ہی ہے۔" امیر سبکتگین نے انتہائی مسرت آمیز لہجے میں کہا اور بیٹے کی پشت پر ہاتھ رکھ دیا۔

پھر جب فتح کے نشے میں سرشار امیر سبکتگین، غزنی کی طرف روانہ ہو گیا اور محمود، نیشاپور میں تنہا رہ گیا تو ابو علی ہجوری اور امیر فائق نے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ اس سے پہلے کہ امیر نوح اور امیر سبکتگین محمود کی مدد کو پہنچتے، دونوں نے مل کر اس پر حملہ کر دیا۔ اس جنگ میں محمود کو شکست ہوئی اور وہ میدانِ جنگ سے فرار ہونے پر مجبور ہو گیا۔

پھر اسی رات محمود نے نظام شاہ کو خواب میں دیکھا۔ شیخ انتہائی عالمِ طیش میں فرما رہے تھے۔
"محمود! تُو جانتا ہے کہ تجھے یہ شکست کیوں ہوئی؟ یاد رکھ کہ ناشکر گزار بندوں کا یہی حشر ہوتا ہے۔ تُو نے اپنے سے کہیں زیادہ طاقتور لشکر پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد اللہ کی کبریائی بیان نہیں کی بلکہ اپنے منہ سے اپنی ہی تعریف کرنے لگا۔ تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ اس کائنات میں اللہ کے سوا کوئی بڑا نہیں ہے۔ سب چھوٹے ہیں، بہت چھوٹے، انسانی عقل کے اندازوں سے بھی زیادہ چھوٹے۔ بس وہی ایک بڑا ہے اور

اس کی بڑائی قائم رہنے والی ہے۔"

خواب کی حالت میں نظام شاہ کی سخت تنبیہ سن کر محمود کی آنکھ کھل گئی۔ نیند کے عالم میں بھی نظام شاہ کے جلالِ روحانی کا یہ عالم تھا کہ ولی عہدِ غزنی، شدتِ خوف سے کانپ رہا تھا اور اس کا پورا جسم پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ پھر جب نیند کا خمار زائل ہو گیا تو محمود کو اپنی خوف ناک غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے فتح و کامرانی کے نشے میں انتہائی ناشکر گزاری اور غرور کا مظاہرہ کیا۔ اس احساس کے ساتھ ہی ولی عہدِ غزنی کا سر ندامت سے جھک گیا۔ پھر محمود گھبرا کر اُٹھا، اپنے خیمے سے باہر نکلا، وضو کیا اور نماز کی نیت باندھ کر مالکِ کائنات کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ نصف شب کے سناٹے میں محمود کا جسم لرز رہا تھا اور اسے اپنے دل کی دھڑکنیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

پھر نماز ختم کر کے ولی عہدِ غزنی سجدے میں چلا گیا اور اس قدر رویا کہ اس کے آنسوؤں سے مصلّی بھیگ گیا۔

"اے مالکِ بحر و بر! یہ تیرا گناہ گار بندہ محمود تیری بارگاہِ جلال میں سجدہ ریز ہے۔ تُو اس کی تمام کوتاہیوں اور لغزشوں سے درگزر فرما کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں اور اپنی ناپاک زبان سے اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ تُو ہی عزیز و جلیل ہے اور تُو ہی جبار و متکبر۔ تمام غرور و کبریائی تیری ہی ذات کے لئے ہے۔ اور تیری ان صفات میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ تیرا رحم، تیرے قہر پر غالب ہے۔ اس لئے مجھے اپنی اسی شانِ کریمی کے صدقے میں معاف فرما دے۔ تیرے بے پناہ کرم اور لازوال قدرت نے میرے باپ دادا کے پیروں میں پڑی ہوئی غلامی کی زنجیریں کاٹ دیں، ہم خانہ بدوشوں کو مسائل کی تیز دھوپ سے بچانے کے لئے قصرِ شاہی کا سائبان دیا...... اور کل تک ہمارے جن سروں پر ذلت و افلاس کی دھول اُڑا کرتی تھی، ان سروں کو تاجِ زرنگار سے سجایا۔ مگر ہم تیرے ناشکر گزار تھے کہ تیرے بے پایاں کرم کو فراموش کر بیٹھے اور حرص و ہوس کے خنجر سے اپنے نفس کو ہلاک کر ڈالا۔ کل تک دشمنوں کے دلوں پر میری ہیبت چھائی رہتی تھی، مگر آج کھلے آسمان کے نیچے اس طرح بے یار و مددگار کھڑا ہوں کہ میرے چہرے پر شکست کی سیاہی ملی ہوئی ہے اور قبائے ذات، ذلت کے گرد و غبار سے اٹ کر رہ گئی ہے۔ اگر تُو نے میرے حالِ زار پر نظرِ کرم نہ فرمائی تو ایک دن میں خود بھی راستے کی دھول بن کر رہ جاؤں گا...... اے حی و قیوم! مجھے بے نشان ہونے سے بچا لے اور میرے اس گناہ کو بخش دے جس کے سبب مجھے اپنی زندگی کے شرمناک دور سے گزرنا پڑ رہا ہے۔"

محمود سجدے کی حالت میں اذانِ فجر تک گریہ و زاری کرتا رہا۔ پھر اُس نے نماز ادا کی اور بہت دیر تک مشرق کی جانب منہ کر کے خلا میں گھورتا رہا۔ پھر جب سورج طلوع ہونے لگا تو محمود نے دوبارہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔

"اے قادرِ مطلق! جس طرح تُو نے سورج کو فنا (غروب) کی منزل سے گزرنے کے بعد نئی زندگی بخشی ہے، اسی طرح اپنے عاجز و گناہ گار بندے محمود کو بھی وہی روشنی اور تابنا کی عطا فرما دے، جو اس کی غلطیوں اور کوتاہیوں کے باعث کہیں گم ہو گئی ہے۔"

اس دعا کے بعد محمود، امیر ابو علی ہجوری اور امیر فائق سے دوبارہ جنگ کرنے کی منصوبہ بندی کرنے لگا۔ وہ ہر حال میں نیشاپور کو دشمن کے غلبے سے آزاد کرانا چاہتا تھا۔ مگر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ دو

طاقتور امیروں سے کس طرح مقابلہ کرے گا۔

❁❁❁❁❁

اسی دوران امیر سبکتگین نے یہ افسوس ناک خبر سنی تو اسے کچھ دیر کے لئے سکتہ سا ہو گیا اور اس کے چہرے پر رنج و ملال کے گہرے سائے پھیل گئے۔ محمود کی شکست نے امیر سبکتگین کے ساتھ پورے غزنی کو سوگوار بنا دیا تھا۔ دارالحکومت کے ایک ایک گھر کے در و دیوار پر اس طرح اُداسی چھائی ہوئی تھی کہ جیسے پورا غزنی اچانک ماتم کدہ بن گیا ہو۔ اور اس سرزمین پر بسنے والے ایک ایک فرد کا چہرہ اس طرح اُترا ہوا تھا کہ جیسے کوئی اُس کا قریبی عزیز مر گیا ہو۔

اس خبر نے نگار خانم کو اس قدر شکستہ کر دیا تھا کہ وہ دن بھر روتی رہی۔ حسبِ معمول جب نظام شاہ رات کے وقت اس سے ملنے کے لئے آئے تو وہ بے اختیار اُن سے لپٹ گئی۔ پھر آنسوؤں اور ہچکیوں کے درمیان کہنے لگی۔

''بابا! آپ کا بت شکن ہار گیا۔''

''بیٹی! یہ شکست اس کے لئے بہت ضروری تھی۔'' نظام شاہ نے انتہائی شفقت سے نگار خانم کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور آہستہ آہستہ کہنے لگے۔ ''ابھی وہ بچہ ہے، اس لئے ایک معمولی سی فتح پر مغرور ہو گیا تھا اور اللہ کو غرور کسی بھی حالت میں پسند نہیں۔''

''بابا! وہ تو بچہ ہے، اس لئے بھٹک گیا۔ مگر آپ اُس کے حال سے کیسے بے خبر رہے؟'' نگار خانم نے انتہائی کرب ناک لہجے میں نظام شاہ سے شکایت کرتے ہوئے کہا۔

''میں اس سے بے خبر کب رہا بیٹی؟'' نظام شاہ کی آواز سے روح کا سوز جھلک رہا تھا۔ ''کبھی کبھی تو اپنے آپ سے بھی بے خبر ہو جاتا ہوں۔ مگر میرا بت شکن ایک لمحے کے لئے بھی ذہن سے محو نہیں ہوتا۔''

''اگر محمود آپ کے اتنے ہی قریب رہتا ہے تو پھر آج وہ شکست و بربادی کے غبار میں لپٹا ہوا در بدر کیوں پھر رہا ہے؟ اس کی روشن پیشانی پر رُسوائی کا یہ داغ کیوں ہے؟'' نگار خانم کسی معصوم بچے کی طرح ضدیں کر رہی تھی۔ ''آپ تو روحانیت کے بادشاہ ہیں، پھر اس داغ کو مٹا کیوں نہیں دیتے؟'' یہ کہتے کہتے نگار خانم ایک بار پھر ہچکیوں سے رونے لگی تھی۔

''کیا یہ میری خدائی ہے کہ جسے جو چاہوں بخش دوں؟'' نظام شاہ، نگار خانم کی سادہ لوحی اور معصومیت پر مسکرانے لگے تھے۔ ''میری نادان بیٹی! آج تُو اس حقیقت کو سمجھ لے کہ تیرا باپ نظام شاہ، روحانیت کے سفر میں سب سے پیچھے رہ جانے والا مسافر ہے۔ بارگاہِ ربِ ذوالجلال میں مخلوقِ خدا کی بھلائی کے لئے اپنا دامن اور ہاتھ پھیلا کر دعائیں مانگنے والا ایک کمزور و ناتواں گداگر۔ بس اس کے سوا نظام شاہ کچھ نہیں۔''

''آپ روحانیت کی منزل میں کس درجے کے مسافر ہیں، میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتی۔'' نگار خانم کی طفلانہ ضد اپنی جگہ پر برقرار تھی۔ ''میں تو اتنا چاہتی ہوں کہ میری زندگی میں محمود نصرت و کامرانی کی انتہائی بلندیوں کو چھو لے۔ آپ بس ایک ہی دعا مانگئے، محمود کی سرخروئی اور سربلندی کی دعا۔''

''بیٹی! میں دعائیں مانگنے سے کبھی غافل نہیں رہتا۔'' نظام شاہ نے انتہائی محبت آمیز لہجے میں نگار خانم کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''اس کے سوا مجھے کام ہی کیا ہے؟''

''تو پھر محمود کیوں شکست کھا گیا؟'' نگار خانم ایک بار پھر بچوں کی طرح مچل اُٹھی تھی۔ ''آپ یا تو اس کی طرف سے غافل ہو گئے ہیں یا پھر آپ کی دعائیں بابِ قبولیت سے واپس لوٹ آتی ہیں۔'' نگار خانم نے اپنے روحانی باپ، نظام شاہ سے بڑی عجیب سی شکایت کی تھی۔

''یہ تو ہو سکتا ہے کہ اس گناہ گار کی دعائیں، بابِ قبولیت سے واپس لوٹ آئیں مگر یہ ممکن نہیں کہ میں اپنے فرزند، محمود کو بھول جاؤں۔'' یکایک نظام شاہ کے لہجے سے جلالِ روحانی نمایاں ہو گیا تھا۔ ''اور میرے نزدیک یہ شکست بھی کوئی شکست نہیں، محض ایک غیبی تنبیہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کے بعد میرا بت شکن سنبھل جائے گا اور پھر آئندہ اپنے نفس کے فریب میں نہیں آئے گا۔'' نظام شاہ اس لڑکی کو سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے، جس کی بے غرض محبت نے اپنے محبوب کی شکست سے دل برداشتہ ہو کر دیوانگی کا رنگ اختیار کر لیا تھا۔

''یہ شکست اس بیماری کے مماثل ہے، جس سے انسان کچھ دن کے لئے اپنی توانائی کھو بیٹھتا ہے۔ مگر اس کا اثر زائل ہوتے ہی انسان دوبارہ اُٹھ بیٹھتا ہے اور پھر اس کی وہی گمشدہ توانائی واپس لوٹ آتی ہے۔ محمود بھی اسی عارضی سانحے کے باعث بیمار ہو گیا ہے۔ مگر اس بیماری سے اس کی موت واقع نہیں ہو گی۔ اِن شاء اللہ! وہ بہت جلد اپنی کھوئی ہوئی صحت حاصل کر لے گا۔ اور عنقریب عزت و استقامت کا کوہِ گراں بن جائے گا، جس سے ٹکرانے والی تمام باطل قوتیں فنا ہو جائیں گی۔''

❁❁❁❁❁

محمود کی شکست کی خبر ملتے ہی امیر سبکتگین نے اپنے درباری امراء سے مشورے کئے اور ایک لشکرِ جرار لے کر نیشاپور کی طرف بڑھا۔ اس جنگی سفر میں راجپوت سپہ سالار بلرام سنگھ بھی اس کے ہمراہ تھا۔ طوس کے قریب ابو علی ہجوری اور امیر فائق کے لشکروں سے سبکتگین کا آمنا سامنا ہوا۔ پھر دونوں حریفوں نے بڑی احتیاط کے ساتھ صف بندی شروع کر دی۔ اس سے پہلے کہ دونوں فوجیں آپس میں اُلجھ پڑیں اور قتل و غارت کا بازار گرم ہو جائے، امیر سبکتگین نے امیر ابو علی ہجوری اور امیر فائق کے نام ایک خط دے کر اپنے سفیر کو حریف لشکر کی طرف بھیجا۔ اس خط میں امیر ابو علی اور امیر فائق کو مخاطب کرتے ہوئے امیر ناصر الدین (سبکتگین) نے لکھا تھا۔

''تم دونوں نے حیلہ سازی سے کام لیتے ہوئے میرے فرزند محمود پر یلغار کی اور اسے نیشاپور سے بے دخل کر دیا۔ مگر تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں ایک ناقابلِ شکست لشکر کے ساتھ تمہارے سروں پر آ پہنچا ہوں۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمہیں دوبارہ شکست و رسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے اور بندگانِ خدا کے خون سے یہ زمین سرخ نہ ہو تو پھر خاموشی کے ساتھ نیشاپور کا علاقہ چھوڑ کر کہیں دُور چلے جاؤ۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس حالت میں میرے سپاہی تمہیں با عافیت گزر جانے دیں گے۔ اور اگر تم نے میری بات کا مفہوم سمجھنے میں کج ذہنی سے کام لیا تو یاد رکھو کہ اس مرتبہ بہت خون بہے گا اور تمہاری بڑی رسوائی ہو گی۔''

اگرچہ امیر سبکتگین جانتا تھا کہ امیر فائق اور امیر ابو علی جیسے خود غرض و عیار حکمراں آسانی کے ساتھ نیشاپور کے علاقے سے دستبردار نہیں ہوں گے لیکن پھر بھی اس نے نفسیاتی حربے کے طور پر الفاظ کے ذریعے اپنی طاقت اور رعب و جلال کا مظاہرہ کیا تھا۔

امیر ابو علی ہجوری اور امیر فائق نے یکے بعد دیگرے امیر سبکتگین کا مکتوب پڑھا اور پھر بڑی حقارت

کے ساتھ اس خط کے پُرزے پُرزے کر کے ہوا میں اُڑا دیئے اور انتہائی تمسخر آمیز انداز میں قہقہے لگاتے ہوئے دونوں امیروں نے بیک زبان کہا۔

''ایک غلام زادے کے نامزد سفیر! تُو نے اپنے آقا کے خط کا حشر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ ہماری طرف سے اس غلام ابن غلام کے خط کا جواب یہی ہے۔'' امیر ابوعلی ہجوری اور امیر فائق انتہائی ہتک آمیز انداز میں امیر سبکتگین کو گالیاں دے رہے تھے۔ ''جس طرح تُو نے اپنے آقا کے مکتوب کے پُرزے ہوا میں اُڑتے دیکھے ہیں اسی طرح بہت جلد تُو اس کی قبائے اقتدار کی دھجیاں اُڑتے دیکھے گا۔'' امیر ابوعلی اور امیر فائق کا غرور و تکبر انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ ''اور اس غلام زادے سے یہ بھی کہہ دینا کہ ابھی تو ہم نے اسے صرف نیشاپور سے بے دخل کیا ہے مگر آنے والے چند دنوں میں ہم ان دونوں باپ بیٹے کو اس دنیا سے بے دخل کر دیں گے۔''

امیر سبکتگین نے بڑے صبر و تحمل سے امیر ابوعلی اور امیر ابو فائق کا تحقیر آمیز جواب سنا۔ پھر وہ زیرِ لب تبسم کے ساتھ اپنے فوجی سرداروں سے مخاطب ہوا۔ ''میں ان دونوں حکمرانوں کے ظرف اور ذہنی حالت کا اندازہ کرنا چاہتا تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ میری تمام قیاس آرائیاں درست ثابت ہوئیں۔ وہ دونوں طاقت کے نشے سے سرشار ہیں۔ اس لئے انہیں اپنے دائیں بائیں اور عقب میں حرکت کرنے والے سائے نظر نہیں آ رہے ہیں۔''

''تو پھر ہماری منزل بہت آسان ہو جائے گی امیر!'' جیسے ہی سبکتگین خاموش ہوا، راجپوت سردار بلرام سنگھ بول اٹھا۔

''ان شاء اللہ، ایسا ہی ہوگا۔'' امیر سبکتگین نے نیلگوں آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تمام نصرت اللہ کی طرف سے ہے۔''

اس کے بعد امیر سبکتگین نے جنگی صورتِ حال کے مطابق دوبارہ اپنی صفیں درست کیں اور پوری طاقت سے دشمن پر حملہ آور ہوا۔

امیر ابوعلی اور امیر فائق اپنی کثرتِ افواج پر نازاں تھے، اس لئے بے خوف ہو کر جنگ کر رہے تھے۔ یہ معرکہ آرائی کئی دن تک جاری رہی۔ دونوں طرف بے پناہ جوش تھا، مگر ابھی تک جنگ کا کوئی نتیجہ ظاہر نہیں ہو سکا تھا۔ اس دوران ایک روز امیر ابوعلی ہجوری کے لشکر کے عقب سے گرد و غبار اٹھتا دکھائی دیا۔ کچھ دیر بعد یہ غبار پورے میدانِ جنگ پر چھا گیا اور سپاہیوں کے چہرے گرد آلود ہو گئے۔ اس عجیب و غریب صورتِ حال کو دیکھ کر امیر ابوعلی اور امیر فائق پریشان نظر آنے لگے۔

''یہ کیسا گرد و غبار ہے؟'' امیر ابوعلی بار بار چیخ رہا تھا۔ ''نہ موسم میں کوئی خلل واقع ہوا ہے اور نہ آندھی کے آثار ہیں۔ پھر دھول کے یہ بادل کہاں سے آئے ہیں؟''

امیر ابوعلی کی طرح امیر سبکتگین بھی کچھ پریشان سا دکھائی دے رہا تھا۔ کثرتِ گرد و غبار کے باعث دونوں حریفوں کو کچھ دیر کے لئے جنگ روک دینا پڑی تھی۔ پھر جب یہ غبار چھٹا تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ولی عہدِ غزنی محمود اپنا لشکر لے کر امیر ابوعلی ہجوری کی پشت پر آ پہنچا ہے۔

امیر ابوعلی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ شکست خوردہ محمود کسی زخمی شیر کے مانند دوبارہ رزم گاہ کی طرف پلٹ پڑے گا۔ صورتِ حال کی اس ناگہانی تبدیلی کو دیکھ کر امیر ابوعلی نے فوری طور پر اپنی

حکمتِ عملی بدل ڈالی۔ اس نے اپنے لشکر کے میمنہ اور میسرہ کے دونوں دستوں کو ملا کر امیر فائق کے سپاہیوں کے ساتھ امیر سبکتگین کے قلبِ لشکر پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ بڑے بڑے مردانِ شجاع کے قدم میدانِ کارزار سے اُکھڑ جاتے۔ مگر امیر سبکتگین نے بڑی پامردی اور دلیری سے اس حملے کو روکا۔ امیر ابوعلی اور امیر فائق، سبکتگین کے لشکر پر گھبرا گھبرا کر پے در پے حملے کر رہے تھے تاکہ حریف لشکر میں انتشار برپا ہو جائے اور سبکتگین کو اپنے بیٹے محمود کی فوجی کمک سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو سکے۔ ان دونوں کا خیال تھا کہ امیر سبکتگین بہت جلد میدانِ جنگ سے فرار ہو جائے گا اور پھر محمود کا آنے والا تازہ دم لشکر بھی نفسیاتی طور پر مغلوب ہو کر رہ جائے گا۔ مگر ان کے سارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ امیر سبکتگین کے تمام سپاہی اس طرح دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے جیسے کسی نے میدانِ کارزار میں پوری مضبوطی کے ساتھ آہنی میخیں ٹھونک دی ہوں اور انتہائی کوشش کے باوجود ان میخوں کو جنبش نہ دی جا سکتی ہو۔ امیر سبکتگین کے فوجیوں کی یہ استقامت دیکھ کر امیر ابوعلی اور امیر فائق حیران و پریشان نظر آ رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ دشمن کو پسپا کرنے کے لئے کون سی نئی چال چلیں۔

ابھی ان دونوں کی یہ ذہنی کشمکش جاری تھی کہ اتنے میں محمود کا لشکر سر پر آ پہنچا۔ ولی عہدِ غزنی کے پورے سپاہی پورے زور و شور کے ساتھ فتح کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ دشمن کے سپاہیوں پر ان بلند و بانگ نعروں کا نفسیاتی اثر اس طرح مرتب ہوا کہ وہ بدحواس نظر آنے لگے۔ اور یہ محض نعرے ہی نہ تھے بلکہ محمود کے سپاہی اس قدر بے جگری سے لڑ رہے تھے کہ آن کی آن میں امیر ابوعلی اور امیر فائق کی صفیں کی صفیں اُلٹ کر رکھ دی گئیں۔ ان دونوں شاطر حکمرانوں نے ایک لمحے کے لئے بھی نہیں سوچا تھا کہ اس طرح اچانک میدانِ جنگ کا نقشہ بدل جائے گا اور ان کے لشکر ایک مخصوص دائرے میں محصور ہو کر رہ جائیں گے۔

سامنے امیر سبکتگین کے تجربہ کار سپاہی تھے اور عقب میں محمود کے تازہ دم فوجی۔ اس طرح امیر ابوعلی اور امیر فائق کے لشکری گندم کے وہ دانے بن کر رہ گئے تھے جنہیں چکی کے دو بھاری پاٹ تیزی سے پیس رہے تھے۔ گردشِ وقت نے امیر ابوعلی اور امیر فائق کی دانائی کا یہ منصوبہ ان ہی پر اُلٹ دیا تھا۔ محمود کے تازہ دم سپاہیوں نے دشمن کے بے شمار فوجیوں کو تہ تیغ کیا۔ یہاں تک کہ امیر ابوعلی ہجوری اور امیر فائق بمشکل اپنی جان بچا کر فرار ہو گئے۔ یہ دونوں نمک حرام حاکم جنہوں نے امیر نوح جیسے شریف النفس انسان کو بہت آزار پہنچائے تھے، گیدڑوں کی طرح بھاگ کر ''کلات'' کے قلعے میں پناہ گزین ہو گئے۔ یہ قلعہ خراسان اور طوس کے درمیان واقع تھا۔

مکمل فتح حاصل کرنے کے بعد امیر سبکتگین اور ولی عہدِ غزنی کا آمنا سامنا ہوا۔ جوشِ محبت سے بے قرار ہو کر سبکتگین گھوڑے کی پشت سے نیچے اُتر آیا اور اس نے بے اختیار بیٹے کو گلے لگا لیا۔

''فرزند! مجھے تمہاری شجاعت و مردانگی پر ناز ہے۔'' شدتِ جذبات سے سبکتگین کی آواز لرز رہی تھی۔ ''تم نے جس طرح ہاری ہوئی بازی جیتی ہے، وہ ایک عظیم الشان کارنامہ ہے۔ جنگ و جدل کی تاریخ میں اس کارنامے کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔''

''نہیں امیرِ محترم!'' محمود نے سر جھکاتے ہوئے جواب دیا۔ ''اس فتح میں میری کسی صلاحیت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ صرف میرے اللہ کا کرم تھا، جس نے میرے پیراہنِ ذات سے شکست و رسوائی کے داغ

کو مٹا دیا۔ ورنہ میں وہی محمود ہوں جو کچھ دن پہلے اپنی جان بچانے کے لئے اسی میدانِ کارزار سے فرار ہوا تھا۔"

یہ کہہ کر ولی عہدِ غزنی نے اپنا وہ خواب بیان کر دیا جس میں نظام شاہ نے اس کی پہلی شکست کا سبب بیان کیا تھا۔

محمود کا خواب سن کر امیر سبکتگین کی گردن بھی ندامت کے ساتھ جھک گئی۔ "اللہ ہماری اس لاف زنی اور ناشکر گزاری کو معاف فرمائے۔ بے شک! ساری تعریفیں اور بڑائیاں اللہ کے لئے ہیں۔"

اس کے بعد محمود اپنے باپ کے ہمراہ غزنی آیا اور نظام شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پھر اس مردِ درویش کے قدموں سے لپٹ کر رونے لگا۔

"شیخ! میں نے اپنے نفس پر بڑا ظلم کیا ہے۔" محمود کسی کم سن بچے کی طرح رو رہا تھا۔ "اگر آپ مجھے بروقت تنبیہ نہ کرتے تو میں اب تک ہلاک ہو چکا ہوتا۔"

"نہیں فرزند! ایسا ہرگز نہیں۔ تم ایک بار پھر غلطی کر رہے ہو۔" نظام شاہ نے انتہائی پُرسوز لہجے میں کہا۔ "اس کائنات میں نظام شاہ کی کیا حیثیت ہے۔ وہ ذاتِ بے نیاز جس طرح تمہیں ہدایت دیتی ہے، اس طرح نظام شاہ بھی اسی کی ہدایت کا محتاج ہے۔ تم نے اپنی غلطی کا احساس کر لیا اور بارگاہِ ذوالجلال میں معافی کے لئے اپنے کمزور ہاتھ پھیلا دیئے۔ بس یہی تمہارے گناہ کا کفارہ ہے۔ جب تک اس کی سرکار میں ایک بھکاری کے مانند کھڑے رہو گے، دنیا تمہیں اپنا امیر سمجھتی رہے گی۔"

❁❁❁❁❁

امیر ابو علی ہجوری اور امیر فائق کی شکست کے بعد امیر سبکتگین کے راستے کے تمام زہریلے کانٹے دُور ہو چکے تھے اور اب وہ نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ اپنے علاقوں پر حکومت کر رہا تھا۔ عدل و انصاف اور صلۂ رحمی، سبکتگین کی سیاست کے رہنما اصول تھے۔ اس لئے اس کے دورِ حکومت میں رعایا کو بہت زیادہ خوشحالی میسر آئی تھی۔ پھر جب اہلِ غزنی اور دوسرے علاقوں کے رہنے والوں کے سروں سے مسائل کی تیز دھوپ ہٹ گئی اور ہر طرف فراغت و عافیت کا ابر چھا گیا اور سکون و راحت کی خوشگوار ہوائیں چلنے لگیں تو اس نے ایک دن محمود کو نیشا پور سے طلب کر کے کہا۔

"فرزند! اب تمہاری عمر تیس سال کے قریب ہو گئی ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم سرورِ کونین ﷺ کی ایک معروف سنت پر عمل کرو کہ اس کے بغیر انسانی زندگی نامکمل بھی ہے اور پُرخطر بھی۔"

محمود حیران ہو کر سوالیہ نظروں سے باپ کی طرف دیکھنے لگا۔

"میرا اشارہ تمہاری شادی کی طرف ہے۔" امیر سبکتگین نے اپنے مقصد کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"امیرِ محترم کی ہر خوشی میرے لئے حکم کا درجہ رکھتی ہے مگر......" محمود نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

"مگر کیا؟" سبکتگین نے کسی قدر بلند آواز میں کہا۔

"امیرِ ذیشان! میری نظر میں شادی ایک انسانی ضرورت ہے، مگر زندگی کا اعلیٰ ترین مقصد نہیں۔" محمود کے لہجے سے ادب و احترام بھی جھلک رہا تھا اور شان و وقار بھی۔ "آپ سیاسی امور کے متعلق مجھ سے بہتر جانتے ہیں کہ ابھی ہمارے گرد بے شمار خطرات موجود ہیں۔ ابھی راجہ جے پال بھی زندہ ہے اور اس نے شکست کو فراموش نہیں کیا ہے۔ مجھے اندازہ ہے کہ ہندوستان کے دوسرے راجہ اس شکست پر کس طرح پیچ و تاب کھا رہے ہوں گے۔ اس صورتِ حال کی روشنی میں امیرِ معظم سے میری درخواست ہے کہ مجھے اس وقت تک اس فریضے کی ادائیگی سے معذور سمجھا جائے جب تک راجہ جے پال اور دوسرے ہندو فرمانرواؤں کی ریشہ دوانیوں کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم نہ ہو جائے۔ میں آپ سے اہلِ ہنود کی کیا شکایت کروں کہ وہ تو پتھروں کے پجاری ہیں۔ ذرا اپنے کلمہ گو بھائیوں کی طرف نظر کیجئے کہ ان کے دلوں میں نفرت و حسد کا کیسا غبار بھرا ہوا ہے اور وہ ہماری مملکت کے خلاف کیسی کیسی سازشیں کر رہے ہیں۔ میں انتہائی عاجزانہ لہجے میں جناب والا سے التماس کرتا ہوں کہ پہلے ان زیر زمین پرورش پانے والے فتنوں کی طرف توجہ کیجئے، پھر فرصت ملی تو یہ جشنِ نشاط بھی منا لیں گے۔"

"مجھے تمہاری اس فہم و فراست پر ناز ہے فرزند! کہ تم اپنی ذمہ داریوں کا شدید احساس رکھتے ہو۔" سبکتگین نے انتہائی مشفقانہ لہجے میں کہا۔ "میں اپنے اللہ کی اس بخشش و عطا کا بھی شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے میرے بیٹے کو بہت دُور تک دیکھنے کی صلاحیت بخشی ہے اور ہر وقت بیدار رہنے والا ذہن عطا کیا ہے۔ غزنی کے دشمنوں کے بارے میں تمہارے تمام اندیشے درست ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان اپنی زندگی کے دوسرے فرائض سے غافل ہو جائے۔"

محمود کا خیال تھا کہ سبکتگین اس کا عذر قبول کر لے گا۔ مگر والیٔ غزنی کا اصرار قائم رہا اور پھر محمود شادی کے لئے مجبور ہو گیا۔ اس نئے رشتے کو تسلیم کرتے ہوئے محمود کے تصورات میں بار بار نگار خانم کا پیکرِ رعنائی اُبھر رہا تھا اور اُس کے دل پر گہری اُداسی چھا جاتی تھی۔

❁❁❁❁❁

وہ دن اہلِ غزنی کے لئے ایک یادگار دن تھا، جب شہر کے بام و در کو نئے انداز سے آراستہ کیا گیا۔ محمود کی شادی ایک ترک سردار، عبداللہ بن اسحاق کی بیٹی میمونہ سے طے پائی تھی۔ عبداللہ بن اسحاق، غزنی کے نائب سپہ سالار حماد بن ساریہ کا قریبی عزیز تھا۔ اگرچہ میمونہ ایک دلکش اور نیک سیرت دوشیزہ تھی، لیکن نگار خانم سے اس کا کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس شادی کی پُرشکوہ تقریب کے نشاط انگیز ہنگاموں میں بھی محمود ایک ناقابلِ بیان خلش محسوس کر رہا تھا۔

"کاش! یوں ہوتا کہ بابا جان میرے دل کی آواز سن لیتے اور ناآسودہ جذبوں کی زبان سمجھنے کی کوشش کرتے۔" محمود نے کئی بار سوچا اور اسے یوں محسوس ہوا کہ روشنی کے بے شمار قمقمے بجھ کر رہ گئے ہیں اور چاروں طرف دھواں پھیلتا جا رہا ہے۔

دوستوں نے ولی عہدِ غزنی کا اُداس چہرہ دیکھا تو سرگوشیوں کے انداز میں شرارت آمیز باتیں شروع کر دیں۔ محمود صورتِ حال کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے فوراً ہی سمجھ گیا اور اس نے اپنے ہونٹوں پر بھرپور مسکراہٹ سجا لی۔

پھر اس وقت نکاح کی تقریب میں تعطل پیدا ہو گیا، جب محمود نے اپنے عقب میں کھڑے ہوئے خدمت گاروں سے پوچھا کہ شیخ نظام کہاں ہیں؟ اور ابھی تک تشریف کیوں نہیں لائے؟

محمود کی اس بات کا جواب دیتے ہوئے امیر سبکتگین نے کہا۔ "شیخ کو شادی کی تقریب میں شرکت کا

دعوت نامہ بھیج دیا گیا تھا۔ مگر تم اچھی طرح جانتے ہو کہ نظام شاہ ایک گوشہ نشیں انسان ہیں۔ وہ ایسی ہنگامہ خیز تقریبات میں شریک ہونا پسند نہیں کرتے۔ شاید اسی لئے تشریف نہیں لائے۔"

امیر سبکتگین کا جواب سن کر محمود مسند پر کھڑا ہو گیا۔ "عالی جاہ، حضرت نظام شاہ کی شخصیت سے بخوبی واقف ہیں۔ پھر انہیں ایک عام انسان کی طرح دعوت نامہ کیوں بھیجا گیا؟" محمود نے بڑے ادب کے ساتھ والیٔ غزنی سے سوال کیا۔

امیر سبکتگین کے پاس بیٹے کے اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ خاموشی سے محمود کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"کیا امیرِ عالی مقام سمجھتے ہیں کہ نظام شاہ اس طرح ہماری تقریب میں تشریف لے آئیں گے؟" محمود کے لہجے سے کرب جھلک رہا تھا۔ "وہ جس منصب کے انسان ہیں، اس کا ایک ہی تقاضا تھا کہ ہم خود ان کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کرتے۔"

پوری محفل پر گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ پوری مجلس کو آج اندازہ ہوا تھا کہ ولی عہدِ غزنی، درویش نظام شاہ کو کس قدر چاہتا ہے۔

"میں خود شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر التجا کروں گا کہ وہ اس بے رنگ تقریب کو رونق بخش دیں۔" باپ کے احترام کے پیشِ نظر محمود کی آواز زیادہ بلند نہیں تھی لیکن اس کے چہرے سے جوشِ جذبات کا اظہار ہو رہا تھا۔ "امیرِ ذیشان! آپ خود ملاحظہ کیجئے کہ نظام شاہ کے بغیر یہاں کیسا اندھیرا ہے۔ اگرچہ ہزاروں فانوس اور قمقمے جل رہے ہیں لیکن در و دیوار کی تاریکی اور ویرانی نہیں جاتی۔" محمود نے اس عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، جہاں شادی کی تقریب منعقد کی جا رہی تھی اور جس کے ایک ایک گوشے کو رنگا رنگ پھولوں اور روشنیوں سے اس طرح سجایا گیا تھا کہ غزنی کی پوری تاریخ میں تزئین و آرائش کی ایسی کوئی دوسری مثال نہیں مل سکتی تھی۔ "اور پھر میرا نکاح بھی تو شیخ ہی کو پڑھانا ہے۔ اس لئے ان کی شرکت کے بغیر یہ تقریب اپنے اختتام کو کس طرح پہنچے گی؟"

"فرزند! تمہارا نکاح، امام رکن الدین مسعود پڑھائیں گے کہ یہ غزنی کے سب سے بڑے عالم ہیں۔" امیر سبکتگین نے امام رکن الدین مسعود کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو درباری علماء میں سب سے زیادہ قابلِ احترام سمجھے جاتے تھے۔

امام رکن الدین مسعود بظاہر علم کا سمندر نظر آتے تھے مگر اس کے ساتھ ہی وہ دنیا داری کے اسرار و رموز سے بھی خوب واقف تھے۔ مصلحت وقت کے پیشِ نظر انہوں نے کبھی امیر سبکتگین کے کسی فیصلے سے اختلاف نہیں کیا تھا۔ اس کے علاوہ امام رکن الدین مسعود دوسرے درباری امراء کے مرتبے کا بھی لحاظ رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے انہیں اراکینِ سلطنت میں بہت زیادہ شہرت و مقبولیت حاصل تھی۔

امیر سبکتگین کے انکشاف پر ولی عہدِ غزنی محمود نے چونک کر امام رکن الدین مسعود کی طرف دیکھا، جو مسندِ نکاح پر دائیں جانب بیٹھے تھے اور جن کے چہرے سے جلالِ روحانی کے بجائے دنیوی شان و شوکت ظاہر ہو رہی تھی۔

"میری نظر میں شیخ نظام شاہ سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے۔" محمود نے امیر سبکتگین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اہلِ غزنی نے علم کا کیا معیار مقرر کیا ہے یہ وہ جانیں۔ مگر میرا نکاح نظام شاہ ہی پڑھائیں گے۔ میں خود شیخ کو لینے جا رہا ہوں۔" یہ کہہ کر محمود مسند سے نیچے اُتر آیا۔

امام رکن الدین مسعود اپنی یہ توہین برداشت نہ کر سکے اور والیٔ غزنی سے رخصت کی اجازت مانگنے لگے۔ "امیرِ محترم! مجھے ایسی تقریب میں شرکت سے معذور سمجھا جائے، جہاں نام نہاد اور جاہل درویشوں کو اہلِ علم پر ترجیح دی جاتی ہے۔" امام رکن الدین مسعود کے لہجے میں نظام شاہ کے لئے انتہائی حقارت پوشیدہ تھی۔

"محمود ابھی بچہ ہے اور نظام شاہ سے انتہائی عقیدت رکھتا ہے۔" امیر سبکتگین نے امام رکن الدین مسعود کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "اور اپنی اسی عقیدت کی وجہ سے وہ آپ کی شان میں گستاخی کر بیٹھا۔ ورنہ ساری دنیا جانتی ہے کہ آپ فضل و کمال کے کس درجے پر فائز ہیں۔"

امیر سبکتگین نے پوری سچائی کے ساتھ ایک عالم کے لئے انتہائی عزت و احترام کا مظاہرہ کیا تھا۔ لیکن امام رکن الدین مسعود نے والیٔ غزنی کی معذرت قبول نہیں کی اور وہ اپنے غصے کا اظہار کرتے ہوئے تقریب سے اُٹھ کر چلے گئے۔ "میں اس مقام پر ایک لمحے کے لئے بھی نہیں ٹھہر سکتا، جہاں جاہل و بے ہنر لوگوں کو محفل کی رونق قرار دیا جاتا ہے۔"

ساری تقریب بے مزہ ہو کر رہ گئی تھی۔ امیر سبکتگین، امام رکن الدین مسعود کو روک سکتا تھا اور نہ اپنے بیٹے محمود کو جبراً اس کے ارادوں سے باز رکھ سکتا تھا کہ درمیان میں نظام شاہ کی ذاتِ گرامی تھی۔ امیر سبکتگین اُداس نظروں سے اس محفلِ نشاط کو دیکھتا رہا، جہاں کچھ دیر پہلے مسرت انگیز ہنگامے برپا تھے اور اب اسی محفل پر گہرا سکوت طاری تھا جیسے یہاں کوئی الم ناک حادثہ پیش آ گیا ہو۔

✽✽✽✽✽

محمود، شاہی رتھ میں سوار ہو کر اس مسجد کی طرف روانہ ہوا، جہاں نظام شاہ ایک عرصہ دراز سے سکونت پذیر تھے مگر وہاں پہنچ کر ولی عہدِ غزنی کو معلوم ہوا کہ نظام شاہ مسجد میں موجود نہیں ہیں۔ پھر بہت تلاش کے بعد محمود نے اس مردِ درویش کو پا لیا۔ جو رات کے اندھیرے میں ایک عام مزدور کی حیثیت سے کسی جاگیردار کے مکان کی تعمیر کر رہا تھا۔ نظام کے دونوں ہاتھ اور کپڑے، مٹی کے گارے سے آلودہ تھے۔ یہ منظر دیکھ کر محمود کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ بہت تیزی کے ساتھ رتھ سے اُترا اور نظام شاہ کے سامنے پہنچ کر انتہائی رقت آمیز لہجے میں کہنے لگا۔

"شیخ! جس باپ کا بیٹا، غزنی کا ولی عہد ہو، وہ اس طرح آزار اٹھائے اور ایسے دکھ جھیلے؟"

"فرزند! ہر شخص کو اپنے اعمال کا بوجھ خود ہی اٹھانا پڑتا ہے۔" نظام شاہ نے حسبِ عادت مسکراتے ہوئے کہا۔

محمود اس راز سے باخبر تھا کہ نظام شاہ، امیر سبکتگین کی پیش کردہ شاہانہ مراعات کو کئی بار ٹھکرا چکے تھے۔ اس لئے وہ اس مردِ غیور سے محنت و مزدوری چھوڑ دینے کی درخواست نہیں کر سکتا تھا۔ مجبوراً ولی عہدِ غزنی نے مختصر الفاظ میں اپنا مدعا بیان کیا اور حسرت زدہ نظروں سے نظام شاہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیوں اپنی تقریب کو بے رنگ اور بے مزہ کرتے ہو؟" نظام شاہ کے ہونٹوں پر وہی مخصوص دلنواز تبسم موجود تھا۔ "کسی بزمِ کیف و نشاط میں ایک فقیر کا گزر کیا معنی؟ لذت و عیش کے بندے اور حرص و ہوس کے غلام ناحق پریشان ہوں گے۔ ان کی صاف و شفاف پیشانیاں شکنوں سے بھر جائیں گی، آنکھوں میں بیزاری کا غبار اُڑنے لگے گا اور دلوں میں بے دلی کے طوفان اُٹھنے لگیں گے۔ جاؤ فرزند! ایسے کیف

آور لمحات کو اور اتنی پُرشکوہ تقریب کو کیوں برباد کرتے ہو؟ اور پھر اس پریشان حال انسان کے پاس کیا ایسا لباس بھی تو نہیں جو تمہاری بزمِ جاہ و جلال کے شایانِ شان ہو۔ کہاں یہ مٹی اور کیچڑ سے اٹا ہوا لباس اور کہاں شرکائے محفل کے زرق برق لباس؟ نہیں فرزند! دونوں میں کوئی میل نہیں۔ تم ایک لمحہ ضائع کئے بغیر قصرِ شاہی کی طرف لوٹ جاؤ اور اپنی زندگی کے نئے سفر کا آغاز کر دو۔ میری دعائیں ہر قدم پر تمہارے ساتھ ہیں۔ میرے لئے تمہاری یہی عنایت کافی ہے کہ مجھے میرا باقی ماندہ کام مکمل کر لینے دو۔ اگر آج کی رات یہ کام تکمیل تک نہیں پہنچا تو پھر مجھے مزدوری نہیں ملے گی اور اس صورت میں میرے متعلقین بھوکے مر جائیں گے۔" نظام شاہ کا اشارہ مرحوم فوجی کی بیوہ، اس کے بیٹے احمد سالار اور نگار خانم کی طرف تھا۔ نظام شاہ گزشتہ دس سال سے تن تنہا ان تینوں افراد کی کفالت کر رہے تھے۔ اگرچہ احمد سالار اب اٹھارہ سال کا ایک صحت مند نوجوان تھا، لیکن نظام شاہ نے اسے کوئی دوسرا کام کرنے سے منع کر دیا تھا۔ احمد سالار شب و روز مذہبی اور دنیوی علوم و فنون سیکھنے میں مصروف رہتا تھا۔

نظام شاہ کی باتیں سن کر محمود کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں میں مزید شدت پیدا ہو گئی۔ "اگر شیخ اس پر راضی ہو جاتے ہیں تو میں اپنا سارا جاہ و جلال اور شانِ امارت آپ کے قدموں میں ڈھیر کر رہا ہوں۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ حضور والا ایسی کسی شے کو قبول نہیں فرمائیں گے۔" ولی عہدِ غزنی رک رک کر بول رہا تھا، جیسے وہ اپنے آنسوؤں کو پینے کی کوشش کر رہا ہو۔ "پھر بھی فرزند ہونے کی حیثیت سے مجھے اتنا یقین ضرور ہے کہ میں خالی ہاتھ نہیں جاؤں گا۔ اور اگر شیخ کی بے نیازی نے مجھے ناکام و نامراد واپس لوٹا دیا تو پھر یہ تقریبِ نکاح بھی درہم برہم ہو کر رہ جائے گی۔ سارے مہمانانِ گرامی اُٹھتے ہوئے سروں کو جھکائے اپنے گھروں کی طرف لوٹ جائیں گے۔ رنگا رنگ قندیلیں اور فانوس بجھا دیئے جائیں گے اور اہلیانِ غزنی چیخ چیخ کر کہیں گے کہ نظام شاہ کا بت شکن ایک نافرمان بیٹا ہے۔"

بالآخر محمود کی ضد کے آگے نظام شاہ مجبور ہو گئے۔ پھر غزنی کے درویش نے مٹی سے بھرے ہوئے ہاتھ دھوئے اور اسی غبار آلود لباس میں قصرِ شاہی کی طرف روانہ ہو گئے۔

❊❊❊❊❊

وہ بڑے عجیب لمحات تھے، جب امرائے غزنی نے نظام شاہ کو محمود کے ساتھ شاہی رتھ سے نیچے اُترتے اور پھر عمارت کے دروازے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ ہر طرف ایک شور سا برپا تھا کہ نظام شاہ تشریف لے آئے۔ امیر سبکتگین نے یہ آوازیں سنیں تو دوڑتا ہوا دروازے کے قریب پہنچا اور انتہائی عاجزانہ انداز میں جھک کر نظام شاہ کا استقبال کیا۔

"خوش رہو!" نظام شاہ نے رسمی انداز میں والیٔ غزنی کو دعا دی اور تیزی سے اس مسند کی طرف بڑھنے لگے، جسے نہایت پُرتکلف انداز میں سجایا گیا تھا۔ محمود سر جھکائے نظام شاہ کے پیچھے چل رہا تھا۔ اہلِ محفل حیرت و سکوت کے عالم میں اس مردِ آزاد کو اپنے قریب سے گزرتے دیکھ رہے تھے، جو کسی رسمِ شاہی کا پابند نہیں تھا اور جس نے بڑی بے نیازی سے اقتدار کی تمام کافرانہ روایتوں کو پامال کر دیا تھا۔ دولت کے نشے میں بدمست بعض شرکائے محفل کی نظریں نظام شاہ کے بوسیدہ اور غبار آلود لباس پر پڑیں تو وہ تمسخر کے ساتھ ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرنے لگے۔ "یہ ہے ولی عہدِ غزنی کا شیخ؟"

مگر جب ان بدمستوں نے نظام شاہ کے چہرے کی طرف دیکھا تو ان کی کثیف و غلیظ روحیں لرز

اُٹھیں۔ کچھ دیر بعد نظام شاہ نے خطبۂ نکاح پڑھا۔ قرأت کا عجیب انداز تھا۔ اہلِ محفل کو محسوس ہو رہا تھا، جیسے ان کے دل سینوں سے کھنچے جا رہے ہیں۔ خطبۂ نکاح کے بعد نظام شاہ نے باآواز بلند محمود کی درازیٔ عمر اور بلند اقبالی کے لئے دعا کی۔ پھر اپنی نشست سے اُٹھ کر محمود کو گلے سے لگایا اور ولی عہدِ غزنی کی پیشانی کو طویل بوسہ دیا۔ اس کے بعد اپنے کاندھے سے رومال اُتار کر ولی عہدِ غزنی کے سر پر باندھ دیا۔

"یہ ایک درویش بے سروساماں کی طرف سے تمہاری شادی کا تحفہ ہے۔ اگر ہو سکے تو اس کی حفاظت کرنا۔" نظام شاہ نے بہت آہستہ لہجے میں کہا اور واپس جانے کے لئے مڑے۔

"مگر شیخ! ابھی تو شرکتِ طعام باقی ہے۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"مجھے یہ غذائیں ہضم نہیں ہوتیں۔" نظام شاہ نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "ویسے بھی کچھ بھوکے میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ میں ان کے بغیر کھانا نہیں کھاتا۔"

"شیخ! آپ ذرا ٹھہریں۔ میرے خدمت گار، شاہی سواری میں آپ کو مسجد تک پہنچا دیں گے۔" محمود نے نظام شاہ کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے کہا۔

"نہیں فرزند! ابھی یہ پاؤں سلامت ہیں۔" نظام شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "دیر سے سہی، مگر اپنی منزل تک پہنچ جاؤں گا۔"

نظام شاہ کا جواب سن کر محمود اُداس ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ شیخ کی مرضی کے بغیر ان سے کوئی بات تسلیم نہیں کرائی جا سکتی تھی۔

پھر امیر سبکتگین اور ولی عہدِ غزنی، نظام شاہ کو رخصت کرنے کے لئے دروازے تک آئے۔ دروازے سے قدم باہر رکھتے ہی نظام شاہ مڑے اور والیٔ غزنی سے مخاطب ہو کر بولے۔

"امیر محترم! آپ کو اپنے فرزند کی شادی مبارک ہو۔" نظام شاہ کے لہجے میں بڑی عجیب سی خلش تھی جسے والیٔ غزنی بھی محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔

"یہ سب شیخ کی دعاؤں کا صدقہ ہے۔" امیر سبکتگین نے خفیف سے لہجے میں کہا۔ فرماں روائے غزنی، نظام شاہ کی بات کا مفہوم سمجھ گیا تھا۔

"اللہ تمہیں اور تمہاری اولاد کو مزید کامرانیاں بخشے۔" یہ کہہ کر نظام شاہ آگے بڑھ گئے۔ عمارت کے باہر بہت اندھیرا تھا۔ امیر سبکتگین اور محمود کچھ دیر تک نظام شاہ کو جاتے ہوئے دیکھتے رہے، پھر وہ مردِ قلندر اُن کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

پورے شہر غزنی میں جشن کا سماں تھا۔ مگر نگار خانم کا گھر ایک خاموش ماتم کدہ بن کر رہ گیا تھا۔ اس رات نظام شاہ کے اصرار کے باوجود نگار خانم نے کھانا نہیں کھایا۔ نتیجتاً باقی افراد کو بھی بھوکا رہنا پڑا۔ نگار خانم رات بھر روتی رہی اور نظام شاہ اس طرح خاموش بیٹھے اسے دیکھتے رہے جیسے اپنی بیٹی کو تسلی دینے کے لئے ان کے پاس کوئی لفظ باقی نہ رہا ہو۔

پھر جب غزنی کی فضاؤں میں اذانِ فجر کی گونج سنائی دینے لگی تو نظام شاہ "سورۂ رحمٰن" کی یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

"سب کچھ فنا ہو جانے والا ہے۔ بس وہی ایک ذات ذوالجلال والاکرام باقی رہنے والی ہے۔"

*****

دوسرے دن غزنی کے تمام امراء اور ان کی بیگمات، محمود کو شادی کی مبارک باد اور قیمتی نذریں پیش کر رہے تھے۔ پھر جب ولی عہدِ غزنی کو اپنی خواصوں کے ذریعے یہ معلوم ہوا کہ نگار خانم بھی مبارک باد پیش کرنے کے لئے حاضر ہوئی ہے تو محمود بے قرار ہوگیا۔ اس نے فوراً ہی تمام امراء کو روک دیا اور نگار خانم کو تنہائی میں طلب کرلیا۔

محمود کو سکتہ سا ہوگیا۔ نگار خانم ایک معمولی لباس پہنے کھڑی تھی اور طویل غربت و افلاس کی زندگی گزارنے کے سبب اس کے دلکش خدوخال بجھ کر رہ گئے تھے۔

"یہ تم ہو نگار خانم؟" ولی عہدِ غزنی نے انتہائی شکستہ لہجے میں کہا۔

"ہاں! یہ میں ہی ہوں۔" نگار خانم نے باوقار انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "میری شکل میں دوسرا کون ہوسکتا ہے؟"

"میں بہت مجبور تھا نگار خانم! بہت مجبور۔" محمود کی آنکھوں میں آنسو جھلکنے لگے تھے۔

"میں ولی عہدِ غزنی کی مجبوریوں کا مذاق اُڑانے نہیں آئی ہوں۔" نگار خانم بہت آہستہ بول رہی تھی۔ "مجھ پر آپ کا ایک قرض تھا۔ سوچا کہ مرنے سے پہلے اس قرض کی ادائیگی کردوں۔"

"کیسا قرض؟" محمود نے گھبرا کر پوچھا۔

"شادی کی مبارک باد کا قرض۔" نگار خانم نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔ "اللہ ولی عہدِ غزنی کو ہر محاذ پر کامران و بامراد رکھے۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ اس شادی سے مجھ پر کیا گزری ہے؟" یہ کہتے کہتے محمود کے چہرے پر اذیت ناک کرب کی گہری پرچھائیاں لرزنے لگی تھیں۔ "میری بیوی نے میرے چہرے کے داغوں کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں میں ناپسندیدگی کے رنگ اُبھر آئے۔ کاش! وہ میرے دل کی طرف دیکھتی، میرے دماغ پر نظر کرتی۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ وہ ایک عام سی عورت ہے، ظاہر پرست عورت...... اس کی نگاہیں میری بدصورتی پر طعنہ زن ہیں...... مگر زبان مجبوریوں کی زنجیر میں جکڑی ہوئی ہے۔ تم مجھے چھوڑ کر کہاں چلی گئیں نگار خانم؟" آہنی اعصاب رکھنے والا فاتح آج ایک شکست خوردہ انسان کی طرح رو رہا تھا۔ "ایک تم ہی تو تھیں جو میرے دل کی طرف دیکھتی تھیں۔"

محمود کی شکستہ حالت دیکھ کر نگار خانم بھی رونے لگی۔ "میں آپ کو چھوڑ کر کہاں گئی ہوں؟" شدتِ جذبات سے نگار خانم کی آواز لرز رہی تھی۔ "میں آج بھی حالات کے گرد و غبار میں اٹی ہوئی اسی راستے پر بیٹھی ہوں۔"

محمود ابھی کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ نگار خانم درمیان میں بول اُٹھی۔ "اپنی زندگی کے عظیم تر مقصد کی طرف دیکھئے۔ تنگ دل اور کم نظر عورتوں کی رفاقت آپ کا مقصدِ حیات نہیں۔"

یہ کہہ کر نگار خانم چند لمحوں کے لئے خاموش ہوگئی اور پھر ٹھہر ٹھہر کر بولی۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں اس پُرمسرت موقع پر آپ کی خدمت میں کوئی قیمتی نذر پیش نہ کرسکی۔ اگر میں اسد شیرازی کی بیٹی ہوتی تو ولی عہدِ غزنی کے شایانِ شان تحفہ پیش کرتی۔ مگر حضورِ والا کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں نظام شاہ کی بیٹی ہوں اور نظام شاہ ایک محنت کش مزدور ہیں۔ مجھے گردشِ روز و شب نے

سمجھا دیا ہے کہ بارگاہِ شاہی میں ایک مزدور کے تحفے کو شرفِ قبولیت حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے چند دعائیں ہی میرا سرمایہ ہیں اور میں وہی دعائیں آپ کی نذر کئے جارہی ہوں۔"

یہ کہہ کر نگار خانم واپس جانے کے لئے مڑی، مگر چند قدم آگے بڑھنے کے بعد یکایک پلٹی اور محمود کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔

"بے شک! آپ ایک بڑے فاتح، بڑے جنگجو اور بڑے مدبر ہیں، مگر پھر بھی ایک کمزور عورت کی یہ بات ہمیشہ یاد رکھئے گا کہ زندگی کے بازار میں دل کی دکان کھولنے والے بڑا نقصان اٹھاتے ہیں۔ یہاں پتھروں کے سوداگر ہیں، دل کا خریدار کوئی نہیں۔"

*****

جیسے ہی نگار خانم محمود کی خلوت گاہ سے باہر نکلی۔ امیر سبکتگین کی جاسوس کنیزوں نے والیٔ غزنی کو اس بات سے باخبر کردیا۔

"شاید ابھی یہ آگ سرد نہیں ہوئی ہے۔" سبکتگین نے خود کلامی کے انداز میں کہا اور فوراً ہی محمود کو تنہائی میں طلب کرلیا۔

"فرزند! انسانی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔" سبکتگین نے محمود کو سخت لہجے میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ہوسکتا ہے کہ میں کل ہی دنیا سے رخصت ہوجاؤں۔"

"اللہ امیرِ محترم کی زندگی میں میری عمر بھی شامل کردے۔" محمود نے انتہائی سعادت مند بیٹے کے لہجے میں کہا۔

"میری بات بہت غور سے سنو!" سبکتگین کے لہجے کی سختی کچھ اور نمایاں ہوگئی تھی۔ "میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم میرے مرنے کے بعد بھی اسد شیرازی کی بیٹی نگار خانم سے شادی نہیں کروگے۔ اگر تم نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی تو بروزِ حشر اللہ کی عدالت میں جواب دہ ہوگے۔"

"میں ہر حال میں امیرِ محترم کی مرضی کا پابند رہوں گا۔" محمود نے سر جھکالیا اور اسے یوں محسوس ہوا کہ جبر و اقتدار کے خنجر نے اس کے دل میں کئی شگاف ڈال دیئے ہوں۔

امیر سبکتگین نے بہت غور سے بیٹے کی طرف دیکھا۔ محمود کا چہرہ بجھا بجھا تھا اور آنکھیں ویران نظر آرہی تھیں۔

"فرزند! کیا تمہیں میرا حکم شاق گزر رہا ہے؟" والیٔ غزنی نے نرم لہجے میں محمود سے پوچھا۔

ولی عہدِ سلطنت نے چونک کر باپ کی طرف دیکھا۔ "حکم آخر حکم ہے۔ وہ دل و دماغ پر گراں گزرے یا انسان اسے سن کر سکون و اطمینان محسوس کرے، ہر حال میں حکم کی تعمیل ضروری ہے۔" اگرچہ محمود نے سعادت مندانہ لہجہ اختیار کیا تھا لیکن اس کے الفاظ میں گہری تلخی پوشیدہ تھی۔

"میرے محبوب بیٹے! اپنے باپ کے جذبات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔" والیٔ غزنی نے محمود کی برہمی کو پوری طرح محسوس کرلیا تھا، اس لئے اس کے لہجے میں مزید نرمی آگئی تھی۔ "میں نے ایک فرماں روا کی حیثیت سے تمہیں حکم نہیں دیا ہے۔ میں اوّل و آخر تمہارا باپ ہوں۔ اور ایک باپ اپنی اولاد کے مستقبل پر تباہی و بربادی کے سائے لرزتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ میمونہ ایک اعلیٰ نسب خاندان کی لڑکی ہے۔ اس کا باپ عبداللہ بن اسحاق معزز و محترم بھی ہے، غیور و جسور بھی ہے اور ملتِ اسلامیہ کا وفادار بھی۔" امیر سبکتگین

نے اپنے انتخاب کے بارے میں پُرزور دلائل پیش کرتے ہوئے کہا۔ ''اس کے برعکس نگار خانم بزدل، عیار، منافق اور دشمنِ اسلام، اسد شیرازی کی بیٹی ہے۔ کیا تم ان دونوں خاندانوں میں کوئی فرق نہیں کر سکتے؟'' یہ کہتے کہتے امیر سبکتگین کی آواز بلند ہو گئی تھی۔ ''کیا نسب ناموں، قوموں اور خاندانوں کے بارے میں قائم کئے ہوئے صدیوں پرانے معیار بے حقیقت ہیں؟ کیا تم نے کبھی گندم کی بالیوں سے جو برآمد ہوتے دیکھے ہیں؟ اور کیا کبھی کسی ببول کے درخت پر گلاب کھل سکتے ہیں؟''

اگرچہ امیر سبکتگین نے اپنی دانست میں ایک ناقابلِ تنسیخ دلیل پیش کی تھی، لیکن محمود کی بے پناہ ذہانت نے فوری طور پر اس دلیل کو رد کرتے ہوئے کہا۔

''امیرِ ذیشان! اس خادم کی گستاخی معاف کہ پیڑ اور پودوں کے اصولوں کا اطلاق انسانوں پر نہیں ہو سکتا۔ ایک فاسق و فاجر کا بیٹا ولیٔ کامل بھی بن سکتا ہے اور ایک قطب الاقطاب کا فرزند گمراہی کا بد راستہ بھی اختیار کر سکتا ہے۔'' محمود کے لہجے میں احترام بھی تھا اور احتجاج بھی۔ ''میں عبداللہ بن اسحاق کی بیٹی میمونہ اور اسد شیرازی کی دختر نگار خانم کا موازنہ کرنا نہیں چاہتا کہ ان باتوں کا وقت گزر چکا۔ پھر والیٔ غزنی کو اتنا ضرور معلوم ہونا چاہئے کہ ان کے محبوب بیٹے کو دل کے محاذ پر شکست ہو چکی ہے۔ شاید امیرِ محترم کی سیاست انسانی جذبات کو کوئی اہمیت نہ دے، لیکن میں شوہر اور بیوی کی ذہنی ہم آہنگی کو ضروری خیال کرتا ہوں۔ مگر میری بدنصیبی یہ ہے کہ اس نعمت سے محروم کر دیا گیا۔ اب میرے سامنے صرف محاذِ جنگ کھلا ہے اور میں والیٔ غزنی کو یقین دلاتا ہوں کہ آسمان کی آنکھ کسی محاذ پر میری پشت نہیں دیکھے گی۔ امیرِ محترم نے مجھے زمین کا جو ٹکڑا وراثت میں بخشا ہے، میں اس کے طول و عرض کو اتنی وسعت دوں گا کہ آلِ یزدجرد اس کا تصور بھی نہ کر سکے گی۔''

جوشِ جذبات سے محمود کا تمتمایا ہوا چہرہ دیکھ کر امیر سبکتگین مسکرانے لگا۔ ''میں یہی چاہتا ہوں فرزند کہ تم تاریخِ آدم کے عظیم تر کشور کشا کہلاؤ۔''

''اللہ مجھے توفیق دے کہ میں امیرِ ذیشان کی توقعات پر پورا اُتر سکوں۔'' یہ کہہ کر محمود والیٔ غزنی کی بارگاہ سے اُٹھا اور پھر کچھ دن دارالحکومت میں قیام کرنے کے بعد اپنی بیوی میمونہ کے ہمراہ نیشاپور چلا گیا۔

•

محمود کے نیشاپور جانے کے بعد امیر سبکتگین کے ایماء پر غزنی کے کئی معزز سرداروں نے نگار خانم سے رشتے کے لئے اپنے پیغامات بھیجے مگر نگار خانم نے بڑی خوش سلیقگی سے انکار کر دیا۔ امیر سبکتگین کو یقین تھا کہ نگار خانم کسی نہ کسی سردار کی شانِ امارت سے متاثر ہو کر اس رشتے پر راضی ہو جائے گی۔ اس وقت والیٔ غزنی کے حیرت و اضطراب میں شدت پیدا ہو گئی، جب نگار خانم نے کسی ایک شخصیت کو بھی قابلِ اعتناء نہیں سمجھا اگرچہ ایک معزز و محترم خاندان کی لڑکی سے محمود کی شادی ہو چکی تھی، لیکن نیشاپور روانہ ہونے سے پہلے ولی عہدِ غزنی کے چہرے پر ناپسندیدگی کا جو رنگ اُبھر آیا تھا، اسے دیکھ کر امیر ایک بار پھر نئے اندیشوں میں مبتلا ہو گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ پردے میں رہ کر مسلسل کوشش کر رہا تھا کسی نہ کسی طرح نگار خانم کی شادی ہو جائے اور پھر کسی فتنے کے سر اُٹھانے کے امکانات باقی نہ رہیں۔ بظاہر محمود نے اس سے وعدہ بھی کر لیا تھا کہ وہ نگار خانم کے ساتھ ازدواجی رشتہ قائم نہیں کرے گا لیکن سابقہ تجربات کی روشنی میں امیر سبکتگین نفسیاتی طور پر تذبذب اور بے یقینی کا شکار ہو گیا تھا۔

نگار خانم کی جانب سے مسلسل انکار سن کر امیر سبکتگین کو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ایک بے سہارا، کمزور لڑکی اس کے جاہ و جلال اور جبروت و اقتدار کا پیہم مذاق اُڑا رہی ہے۔ کبھی کبھی والیٔ غزنی کا نفس سرکشی اختیار کر لیتا اور پھر اُس کی یہ خواہش ہوتی کہ وہ اپنی طاقت استعمال کر کے نگار خانم کو کسی سردار کے ساتھ شادی پر مجبور کر دے۔ مگر فوراً ہی اس کے دل و دماغ پر خوفِ خدا طاری ہو جاتا۔ فطری طور پر امیر سبکتگین ایک نرم مزاج اور عادل و منصف حکمران تھا، مگر سیاست کے تقاضوں نے اسے مجبور کر دیا تھا کہ وہ محمود اور نگار خانم کے درمیان ایک ناقابلِ شکست دیوار کھینچ دے۔

نگار خانم کو ناپسند کرنے کے دو بنیادی اسباب تھے۔ پہلا یہ کہ وہ منافق و مرتد انسان اسد شیرازی کی بیٹی اور ایک فاحشہ عورت ارمغانہ کی چھوٹی بہن تھی۔ اس لئے وہ نگار خانم کو محمود کی شریکِ حیات بنا کر کوئی فتنہ انگیز صورتِ حال پیدا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ دوسرے یہ کہ غزنی میں نگار خانم کے خاندان کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اس کے برعکس عبداللہ بن اسحاق کا خاندان معزز و محترم ہونے کے ساتھ ایک سیاسی طاقت بھی رکھتا تھا۔ میمونہ سے محمود کے رشتے کی بات کرتے وقت امیر سبکتگین کی نظروں میں ترک سپاہیوں کی وہ ہزاروں شمشیریں بھی تھیں جو عبداللہ بن اسحاق کے ایک اشارے پر محمود کی حمایت میں بے نیام ہو سکتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے نگار خانم بنت اسد شیرازی کے مقابلے میں میمونہ بنت عبداللہ کا انتخاب کیا۔

اگرچہ امیر سبکتگین اپنے منصوبے میں کامیاب ہو چکا تھا، لیکن پھر بھی نگار خانم کی غیر شادی شدہ حیثیت اُسے ذہنی پریشانی میں مبتلا رکھتی تھی۔ کچھ دن تو وہ اس خوش فہمی میں رہا کہ محمود کی شادی ہو جانے کے بعد نگار خانم اپنی فاقہ کش زندگی اور تنہائی سے گھبرا کر کسی با اثر شخص کا دامن تھام لے گی۔ لیکن اس کے مسلسل انکار نے والیٔ غزنی کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ نگار خانم ایک نرم و نازک سی دوشیزہ کے پیکر میں کوئی آہنی چٹان ہے، جسے آلۂ جبر و اقتدار سے ریزہ ریزہ تو کیا جا سکتا ہے لیکن پگھلایا نہیں جا سکتا۔ مجبوراً امیر سبکتگین نے نگار خانم کے سلسلے میں اپنی منصوبہ بندی کا سلسلہ ختم کر دیا اور امورِ سلطنت کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اسی دوران جب نگار خانم کی شادی کے سلسلے میں مختلف سرداروں سے پیغامات آ رہے تھے۔ ایک دن نظام شاہ نے تنہائی میں نگار خانم سے کہا۔

''بیٹی! میری بھی یہی خواہش ہے کہ تم کسی نہ کسی رشتے کو دل سے نہ سہی، ضرورتاً قبول کر لو۔''

''کیسی ضرورت بابا؟'' نگار خانم نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا تھا۔

''شادی انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔'' نظام شاہ نے انتہائی مشفقانہ لہجے میں اپنی سرکش بیٹی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''عورت و مرد کی تنہا زندگی بہت پُرخطر اور خوف ناک ہوتی ہے۔ اس تنہائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شیطان کسی وقت بھی حملہ آور ہو سکتا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہارے شب و روز شیطانی حملے کی زد پر رہیں۔''

''گستاخی معاف! آپ بھی تو تنہا ہیں بابا!'' نگار خانم نے شادی سے انکار کرنے کا بڑا عجیب و غریب جواز تراشا تھا۔

اگرچہ یہ بڑی بے ادبی تھی، لیکن نظام شاہ کے ماتھے پر نہ ہلکی سی شکن نمایاں ہوئی اور نہ آنکھوں میں کوئی دھندلا سا رنگِ غضب اُبھرا۔ بس ایک لمحے کے لئے ہونٹوں پر افسردہ سا تبسم مچل کر رہ گیا۔

''میری محبوب بیٹی! تم میری ذات کو درمیان میں کیوں لے آئیں؟ میں تو ایک جاں سوختہ انسان
ہوں۔ مجھ ناکارہ کو اپنی بیٹی کون دیتا؟ اسی لئے تنہا رہ گیا۔''

''تو پھر مجھے بھی اپنی طرح جاں سوختہ بنا دیجئے۔'' یہ کہتے ہوئے نگار خانم، نظام شاہ کے قدموں سے
لپٹ گئی۔ ''شادی کی دعائیں کیوں دیتے ہیں؟ جل کر خاک ہو جانے کی دعا کیوں نہیں دیتے؟'' نگار خانم
کسی بچے کے مانند ہچکیوں کے ساتھ رونے لگی تھی۔

نظام شاہ کچھ دیر تک سکوت کے عالم میں آسمان کی طرف دیکھتے رہے، پھر نگار خانم کے سر پر ہاتھ
پھیرتے ہوئے اسی پُر جلال لہجے میں بولے۔

''اچھا! تیری یہی مرضی ہے تو پھر جل کر راکھ ہو جا اور راکھ ہو کر اکسیر بن جا!''

❁❁❁❁❁

وقت تیزی سے گزرتا رہا۔ اس دوران کسی سیاسی فتنے نے سر نہیں اٹھایا اس لئے امیر سبکتگین بڑے
اطمینان سے اپنی حکومت کی بنیادیں مضبوط کرنے کے ساتھ ساتھ مستقبل کی منصوبہ بندی کرتا رہا۔ ولی عہد
غزنی محمود مستقل طور پر نیشاپور میں سکونت پذیر تھا اور بڑی ذہانت سے اپنے علاقے میں سیاسی اصلاحات
نافذ کر رہا تھا جن کے باعث اس کی رعایا خوش حال تھی اور آسودہ زندگی بسر کر رہی تھی اور اسی خوش حالی
اور آسودگی کے سبب مقامی باشندے محمود سے بہت زیادہ محبت کرنے لگے تھے۔ اگرچہ سیاسی اعتبار سے
محمود کی مقبولیت اور محبوبیت میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا لیکن اس کی جذباتی زندگی شدید اضطراب
اور نا آسودگی کا شکار ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کی بیوی میمونہ ایک ظاہر پرست خاتون تھی۔ اس لئے اکثر اس کی
نظریں اپنے شوہر کی بدصورتی کا مذاق اُڑاتی رہتی تھیں۔

اپنی شریکِ سفر کے اس سنگدل طرزِ عمل سے محمود کبھی کبھی انتہائی احساسِ کمتری میں مبتلا ہو جاتا تھا اور
پھر یہی ذہنی خلفشار اس قدر بڑھ جاتا کہ وہ تنہائی میں آئینہ توڑ دیتا اور وحشت زدہ ہو کر چیخنے لگتا۔

''میں والیٔ غزنی امیر سبکتگین کا بیٹا محمود ہوں، اس لئے لوگ مجبوراً میرے آگے سر جھکا دیتے ہیں۔
اگر ان کے سروں سے شمشیرِ جبر و اقتدار ہٹا لی جائے تو وہ مجھ جیسے بدصورت انسان کے پاس بیٹھنا تو کجا،
میرے پاس سے گزرنا بھی گوارا نہیں کریں گے۔ صد حیف کہ میں بھی کیسا بدنصیب انسان ہوں دنیا میں تو
ایسے حکمراں بھی گزرے ہیں کہ ان کے چہروں سے چنگاریاں پھوٹتی تھیں۔ نقش و نگار کی دلکشی اور تابناکی
کا یہ عالم تھا کہ انہیں دیکھنے والے مجسمۂ حیرت بن کے رہ جاتے تھے۔ مگر ایک میں ہوں، جو خود بھی آئینے
میں اپنی صورت نہیں دیکھ سکتا۔ پھر کسی سے کیا شکوہ؟'' یہ کہتے کہتے محمود کے دل و دماغ پر گہری اُداسی مسلط
ہو جاتی۔ ''خالقِ کائنات نے میری تخلیق کے وقت بہت بخل سے کام لیا۔'' شاید مایوسی کے عالم میں محمود
جیسا حوصلہ مند انسان بھی جاہل اور ناشکر گزار بندوں کی طرح باتیں کرنے لگتا۔ ''کاش! وہ لامحدود قوتوں
اور خزانوں کا مالک مجھے جلالِ اقتدار کے ساتھ جمالِ ذات بھی عطا کر دیتا۔'' ولی عہدِ غزنی پر بہت دیر تک
مایوسی کی یہ کیفیت طاری رہتی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ محرومی کے اس گرداب سے نکل جاتا اور اپنی شمشیر بے
نیام کر کے اس طرح فضا میں لہراتا کہ جیسے کوئی خوف ناک دشمن اس کے سامنے موجود ہے اور وہ پوری
قوت کے ساتھ اپنے حریف پر حملہ آور ہو رہا ہے۔

''ظاہری شکل و صورت کے پجاریو! تم نے میرے اندر کے انسان کو نہیں دیکھا کہ وہ کیسے جاہ و جلال

کا مالک ہے۔ میں عنقریب ایسا آئینہ خانہ بناؤں گا جس میں میرے چہرے کے سوا کسی دوسرے کا عکس
نظر نہیں آئے گا۔ تم نہیں جانتے کہ وہ چہرہ کیسا روشن و تابناک ہو گا۔ نصف النہار کے سورج کی طرح
چمکتا ہوا چہرہ!''

محمود تنہائی میں ہی اپنے الفاظ کی گونج سنتا اور پھر اس کے ذہن کے پردے پر نگار خانم کا پیکرِ رعنائی
ابھرتا اور ولی عہدِ غزنی کو یوں محسوس ہوتا جیسے فضاؤں میں جلترنگ سے بجنے لگے ہوں۔

شادی کی مبارکباد دیتے ہوئے نگار خانم نے کہا تھا۔ ''محمود! تم صرف اپنے مقصد کی طرف دیکھو کہ
تمہارا مقصدِ حیات ان سب چیزوں سے عظیم تر ہے۔''

پھر ان ہی الفاظ کی مسلسل بازگشت محمود کو مایوسیوں کے بھنور سے نکال کر اُمیدوں کے ساحل تک
لے آتی اور پھر وہ ان تاریخ ساز شخصیتوں کے بارے میں سوچنے لگتا، جن کے ہیبت و جلال کے افسانے
آج بھی گردشِ ماہ و سال کے سینے پر نقش تھے۔

❁❁❁❁❁

محمود کے دُور ہو جانے کے سبب امیر سبکتگین اپنے چھوٹے بیٹے اسماعیل سے زیادہ قریب ہو گیا اور
اس قربت کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اسماعیل، امیر سبکتگین کی دوسری بیوی کے بطن سے پیدا ہوا تھا اور سبکتگین
کی دوسری بیوی امیر الپتگین کی بیٹی تھی۔ اور امیر الپتگین اوّل و آخر سبکتگین کے لئے ایک حکمراں سے زیادہ
محسن و مہربان آقا کا درجہ رکھتا تھا۔ اور احسان شناسی کے اس احساس کے زیرِ اثر وہ اپنی پہلی بیوی سے
زیادہ دوسری بیوی کو چاہتا تھا۔ امیر الپتگین کی بیٹی ایک انتہائی ذہین عورت تھی۔ اس نے اپنی خاندانی
وجاہت سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور آہستہ آہستہ امیر سبکتگین کے دل و دماغ پر اس حد تک تسلط حاصل کر لیا
کہ والیٔ غزنی اپنی دوسری بیوی کی کسی بات کو آسانی سے نہیں ٹال سکتا تھا۔ امیر الپتگین کی بیٹی مناسب
مواقع پر بڑی احتیاط و ہوشیاری کے ساتھ اپنے باپ کے احسانات کا ذکر کرتی تاکہ امیر سبکتگین اپنے دورِ
غلامی کو فراموش نہ کر سکے۔ اس ذہین عورت نے کبھی اپنے شوہر پر طعنہ زنی نہیں کی مگر اسے اس احساس
کے دائرے سے باہر نکلنے بھی نہیں دیا کہ وہ کسی زمانے میں اس کے باپ کا غلام رہ چکا ہے۔ امیر الپتگین
کی بیٹی یہ ساری منصوبہ بندی محض اس لئے کر رہی تھی کہ اس کا بیٹا اسماعیل اپنے باپ کی محبت و توجہ کا مرکز
بن جائے۔ پھر ایسا ہی ہوا۔ محمود، امیر سبکتگین کی نظروں میں معتوب تو نہ بن سکا مگر اس کی پہلے جیسی
محبوبیت بھی برقرار نہ رہ سکی۔ نتیجتاً والیٔ غزنی اپنے چھوٹے بیٹے اسماعیل کو اپنے بڑے فرزند محمود پر ترجیح
دینے لگا۔

درباری امراء بھی بڑی دلچسپی کے ساتھ سیاست کا یہ نیا تماشا دیکھ رہے تھے۔ انہیں خوشی تھی کہ محمود
اپنے باپ سے دُور اور اسماعیل قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔

پھر جلد ہی وہ منزل بھی آ گئی کہ امرائے غزنی کو واضح طور پر نئے سیاسی انقلاب کے قدموں کی
چاپ سنائی دینے لگی۔ اور یہ انقلاب اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ محمود کی جگہ اسماعیل تخت و تاج کا وارث
بن جائے گا۔ درباری امراء بھی یہی چاہتے تھے کہ محمود کی پُر جلال شخصیت سیاست و اقتدار کے پس منظر
میں چلی جائے۔ اس خواہش کی بس ایک ہی وجہ تھی کہ وہ محمود کی حد سے زیادہ خود اعتمادی، بلند حوصلگی،
جنون اور سرکشی کے باعث ذہنی طور پر پریشان رہتے تھے۔ انہیں خدشہ تھا کہ اگر محمود برسرِ اقتدار آ گیا

تو وہ اپنی من مانی نہیں کر سکیں گے اور ان میں سے اکثر کی امارتیں خطرے میں پڑ جائیں گی۔ عیش پرست اور غیر ذمہ دار لوگ یہی چاہتے ہیں کہ ان کا افسرِ اعلیٰ بھی بزدل اور ناکارہ ہوتا کہ وہ آسانی کے ساتھ ان کے اشاروں پر رقص کر سکے۔ تمام امراء نے محسوس کر لیا تھا کہ وہ اسماعیل کے دورِ حکومت میں سکون و عافیت سے اپنے پسندیدہ انداز میں زندگی بسر کر سکیں گے۔ اس لئے سارے امیر، والیٔ غزنی کے سامنے اس کے چھوٹے بیٹے اسماعیل کی تعریفیں کرتے رہتے۔ ان جھوٹی اور ریاکارانہ تعریفوں نے امیر سبکتگین کو بڑے فریب میں مبتلا کر دیا اور وہ آہستہ آہستہ اپنے لائق ترین فرزند، محمود سے دُور ہوتا چلا گیا۔

پھر اچانک غزنی کی تاریخ نے ایک نئی کروٹ لی۔ امیر سبکتگین اپنے دربار میں بیٹھا تھا کہ یکایک اسے ہلکی سی سردی کا احساس ہوا اور کچھ دیر بعد تیز بخار ہو گیا۔ سبکتگین نے بہت کوشش کی کہ وہ بخار کی حالت میں بھی امورِ سلطنت انجام دیتا رہے۔ مگر بخار کی شدت نے اسے دربار سے اُٹھ کر قصرِ شاہی جانے پر مجبور کر دیا۔

تمام درباری طبیب فوری طور پر طلب کر لئے گئے اور پھر ان سب حاذق حکماء نے والیٔ غزنی کی نبض دیکھ کر بیک زبان کہا۔

''امیرِ معظم! یہ موسمی بخار ہے۔ اِن شاء اللہ بہت جلد اُتر جائے گا۔''

طبیبوں کی روایتی تسکین آمیز گفتگو سن کر امیرِ غزنی مسکرانے لگا۔ مگر دیکھنے والے دیکھ رہے تھے کہ سبکتگین کی مسکراہٹ میں ایک عجیب سی تھکن پوشیدہ تھی۔

پھر یہ بخار شدت اختیار کرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ امیر سبکتگین پر بار بار غشی طاری ہو جاتی۔ مملکت کے تمام اعلیٰ طبیب باہم مشورے کے بعد مختلف تیز اثر دوائیں آزما رہے تھے مگر کسی طرح بھی بخار نہیں ٹوٹتا تھا۔ بس ان دواؤں میں اتنی ہی تاثیر باقی رہ گئی تھی کہ کچھ دیر کے لئے بخار میں کمی واقع ہو جاتی تھی اور سبکتگین ہوش میں آ جاتا تھا۔

بیماری کے دوران امیر سبکتگین ترمذ میں قیام پذیر تھا۔ اس کی شدید خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح غزنی پہنچ جائے۔ امیر کو جب بھی ہوش آتا، وہ اپنے وزیروں سے مخاطب ہو کر کہتا۔ ''مجھے دارالحکومت لے چلو۔ میں آخری بار اس شہر کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں، جس سے میرے لڑکپن اور جوانی کی بے شمار یادیں وابستہ ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہاں میرے شیخ نظام شاہ موجود ہیں۔ اس سے پہلے کہ زندگی اپنی فطرت کے مطابق والیٔ غزنی سے بھی بے وفائی کرے، مجھے نظام شاہ کے حضور لے چلو۔ صحت ملے یا نہ ملے مگر مرتے وقت کم سے کم ایک مردِ مومن کا چہرہ تو آنکھوں کے سامنے ہوگا۔''

امیر سبکتگین کی خواہش سن کر تمام طبیب و غمگسار انتہائی شکستہ لہجے میں کہتے۔ ''امیرِ محترم اس طویل سفر کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ ذرا توانائی بحال ہو جانے دیجئے۔ بس چند روز اور۔''

''اگر تمہارے خیال میں میری موجودہ صحت اس طویل راستے کی دشواریوں کو برداشت نہیں کر سکتی تو کم سے کم نظام شاہ تک میرا پیغام ہی پہنچا دو۔ اور شیخ سے کہو کہ شاید دوا کا وقت گزر گیا اور اب اس خادم کو ان کی دعا کی ضرورت ہے۔'' امیرِ غزنی کے لہجے سے ایسی شکستگی جھلک رہی تھی کہ جیسے اس کا آخری وقت قریب آ گیا ہو۔

والیٔ غزنی کی باتیں سن کر درباری طبیب اپنے امیر کے سامنے تو کچھ نہ کہہ سکے مگر ان سب نے

ملکت سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

''امیرِ محترم پر شدید نقاہت طاری ہے، اس لئے مایوسی کی گفتگو کر رہے ہیں۔ ہمارا ذاتی اندازہ یہی ہے کہ ضعف و ناتوانی چند روز میں دُور ہو جائے گی۔'' دراصل درباری طبیبوں کو نظام شاہ کا ذکر پسند نہیں تھا۔ ان کے خیال میں دوائیں ہی کسی بیمار انسان کو شفایابی کی منزل تک پہنچا سکتی تھیں۔ اور جب دوائیں اپنا اثر چھوڑ دیں تو پھر دنیا میں کوئی طریقۂ علاج باقی نہیں رہتا۔ وہ لوگ دعاؤں کے ذریعے روحانی علاج کے قائل ضرور تھے، مگر انہیں نظام شاہ پر اعتماد نہیں تھا۔ درباری طبیبوں کے خیال میں نظام ایک مجذوب الحال شخص تھا، جسے امیر سبکتگین کی بے پناہ اور اندھی عقیدت نے شہرت بخش دی تھی۔ اسی لئے تمام طبیبوں نے سبکتگین کی اس خواہش کو کوئی اہمیت نہیں دی اور وہ وزرائے مملکت سے یہی کہتے رہے کہ فکر کی کوئی بات نہیں، امیر بہت جلد صحت یاب ہو جائیں گے۔

بعض وزیروں کی رائے تھی کہ امیر کے حکم پر عمل کیا جائے اور ایک تیز رفتار قاصد ترمذ سے غزنی کی جانب روانہ کر دیا جائے تاکہ نظام شاہ، امیر کی علالت سے باخبر ہو سکیں۔ مگر جب سبکتگین کی دوسری بیوی (امیر الپتگین کی بیٹی) کو شوہر کی اس خواہش کا علم ہوا تو اس نے انتہائی سخت لہجے میں کہا۔

''کسی قاصد کو غزنی بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ کیا یہ اپنے فن کے ماہر طبیب جھوٹ بول رہے ہیں؟ یقین ہے کہ امیرِ محترم بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔''

وزرائے مملکت نے ملکۂ غزنی کا حکم سن کر اپنی گردنیں جھکا لیں۔

امیر الپتگین کی بیٹی اس راز سے بخوبی واقف تھی کہ اس کا سوتیلا بیٹا محمود، نظام شاہ کا محبوب ہے۔ اور بڑا لڑکا ہونے کی حیثیت سے بھی وراثت میں محمود کو اوّلیت حاصل ہے۔ اس لئے اگر امیر سبکتگین اپنی زندگی میں غزنی پہنچ کر نظام شاہ سے ملاقات کر لیتا تو بہت ممکن تھا کہ وہ شیخ سے بے پناہ عقیدت کے سبب محمود کو اپنا جانشین نامزد کر دیتا اور اس طرح امیر الپتگین کی بیٹی کا سارا منصوبہ خاک میں مل جاتا۔ یہی سبب تھا کہ امیر الپتگین کی بیٹی نے اپنے شوہر کے حکم کو یکسر نظر انداز کر دیا یہاں تک کہ اس نے محمود اور اس کی والدہ کو بھی امیرِ غزنی کی علالت کی خبر نہیں ہونے دی۔ اس وقت محمود کی ماں غزنی میں قیام پذیر تھی اور شوہر سے بے پناہ محبت کرنے والی عورت کو اتنا بھی پتہ نہیں تھا کہ اس کا شوہر موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہے۔

اگر امرائے سلطنت چاہتے تو انتہائی تیز رفتار قاصدوں کو نیشاپور بھیج کر محمود تک امیرِ غزنی کی بیماری کی خبر پہنچا سکتے تھے مگر ان کی تو دلی خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح محمود جانشینی کے منصب سے محروم ہو جائے اور پھر وہ کم سن اسماعیل کو سیاست کی دکان کا کھلونا بنا ڈالیں۔ الغرض ملکۂ ثانی (امیر الپتگین کی بیٹی) سے لے کر ایک عام وزیر تک سب کے سب اپنے اپنے مفادات کے مطابق چالیں چل رہے تھے اور پوری اسلامی سلطنت، شطرنج کی بساط بن کر رہ گئی تھی۔

اپنی ماں کے حکم پر سختی سے عمل کرتے ہوئے امیر سبکتگین کا چھوٹا بیٹا اسماعیل ہر وقت باپ کے بستر کے قریب موجود رہتا تھا۔ جب بھی والیٔ غزنی ہوش میں آتا اور اپنے چھوٹے فرزند اسماعیل کو کسی خدمت گار کی طرح دست بستہ کھڑے ہوئے دیکھتا تو اس کے خشک ہونٹوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ اُبھر آتی اور وہ بہت تھکے ہوئے لہجے میں کہنے لگتا۔

''فرزند! میں جذبۂ جاں نثاری کو پوری شدت کے ساتھ تمہارے چہرے پر موجزن دیکھ رہا ہوں۔
مجھے یقین ہے کہ اگر کبھی وقت پڑا تو تم اپنے باپ کو بچانے کے لئے اپنی جان سے بھی گزر جاؤ گے۔''
یہ کہہ کر امیر سبکتگین نے اپنے مشیرِ خاص شیخ ابوالفتح کی طرف دیکھا اور ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے
بولا۔ ''ابوالفتح! تمہیں پورے ہوش و حواس کے ساتھ میری یہ بات سن لینا چاہئے کہ میں اپنے اس فیصلے
سے راضی ہوں۔''

شیخ ابوالفتح ایک انتہائی عالم و فاضل انسان تھا۔ سیاست کے پیچ و خم پر اُس کی گہری نظر تھی اور فہم
و تدبر میں دُور دُور تک اُس کا کوئی دوسرا حریف نہیں تھا...... یہ شیخ ابوالفتح کے ذہن رسا کا کمال تھا کہ اس
نے بڑے بڑے اُلجھے ہوئے سیاسی مسائل حل کئے تھے، جس کے باعث امیر سبکتگین کی حکومت کو
زیادہ استحکام حاصل ہوا تھا اور اسی وجہ سے والئ غزنی شیخ ابوالفتح کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔

شیخ ابوالفتح نے اپنے امیر کا نیا حکم سنا اور سر جھکا لیا۔ مگر اس کے چہرے پر اُبھر کر ڈوبنے والے
کو کسی نے نہیں دیکھا۔

پھر جب کچھ دیر کے لئے اسماعیل اپنے باپ کے پاس سے ہٹا تو شیخ ابوالفتح نے سرگوشی کے انداز
میں والئ غزنی کے حضور عرض کیا۔

''امیرِ ذیشان اپنی مملکت کے اسرار و رموز مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ مگر صاحب زادہ محمود کو اس طرح
نظرانداز کر دینا آدابِ سیاست کے منافی ہے۔'' شیخ ابوالفتح نہایت باوقار لہجے میں بول رہا تھا۔ ''اور ابھی
صاحب زادہ اسماعیل کم عمر بھی ہیں۔''

شیخ ابوالفتح نے چند لفظوں میں جانشینی کا مسئلہ حل کرتے ہوئے والئ غزنی کو بہت مناسب مشورہ دیا
تھا۔ مگر اپنے مشیرِ خاص کی بات سن کر امیر سبکتگین برہم نظر آنے لگا۔

''لیکن میں تو ابھی زندہ ہوں ابوالفتح!'' شدید نقاہت کے باوجود امیر سبکتگین کے لہجے میں اقتدار کی
وہی گرج تھی۔

''اللہ آپ کی زندگی میں میری عمر بھی شامل کر دے مگر میں حقِ نمک ادا کرنے سے باز نہیں رہ سکتا۔''
ابوالفتح نے امیر کی مرضی کے خلاف مثالی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اور حقِ نمک یہی ہے کہ میں
اپنی عقل کے مطابق حضورِ والا کو مشورہ دوں۔''

''میں اس وقت تم سے مشورہ طلب نہیں کر رہا ہوں ابوالفتح!'' امیر سبکتگین کے لہجے سے بدستور
جھلک رہی تھی۔ ''میں تمہیں حکم دے رہا ہوں کہ اگر تمہارا امیر اس دنیا میں موجود نہ رہے تو پھر تم پر
صاحبزادہ اسماعیل کی اطاعت لازم ہے۔ بے شک! ابھی وہ بچہ ہے، مگر تمہاری عمر کی پختگی اور تمہارے
مشاہدات و تجربات کی وسعت کس کام آئے گی؟ مجھ سے وعدہ کرو کہ تم میری طرح اسماعیل کے بھی وفادار
رہو گے۔''

ابوالفتح خاموش بیٹھا رہا۔ اس جیسا مدبر اور دانشمند ایک نوعمر لڑکے کی سرداری پر اتنی آسانی کے ساتھ
حلف نہیں اٹھا سکتا تھا۔

''ابوالفتح!'' امیر سبکتگین نے دوبارہ اپنے مشیرِ خاص کو مخاطب کیا۔ ''تمہاری خاموشی بتا رہی ہے کہ تم
کسی ذہنی کشمکش کا شکار ہو۔''

ابوالفتح جانتا تھا کہ مسلسل بیماری نے امیر سبکتگین کے دماغ کو بھی تھکا دیا ہے، اس لئے اُس نے مصلحتاً
زار کر لیا۔ ''میں ہر حال میں امیرِ محترم کی وراثت کا خیر خواہ رہوں گا۔'' ابوالفتح نے بڑی ذہانت کے
ساتھ وراثت کا لفظ استعمال کیا تھا۔ اور محمود کا نام بھی امیر کے وارثوں میں شامل تھا۔ مگر سبکتگین نے یہی
سمجھا کہ ابوالفتح، اسماعیل کی اطاعت پر رضامند ہو گیا ہے۔

اپنے مشیرِ خاص کی بات سن کر امیر سبکتگین نے اطمینان کی سانس لی۔ ''ابوالفتح! میں نے بہت سوچ
سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔ محمود میرا بیٹا ہے، اس لئے تمہاری نسبت میں اسے زیادہ جانتا ہوں۔ وہ ایک سخت
مزاج نوجوان ہے۔ اور کامیاب حکمرانی کے لئے سخت گیری کے ساتھ ساتھ نرمی بھی اختیار کرنی پڑتی ہے۔
مگر محمود کی ذات میں کسی قسم کی لچک نظر نہیں آتی۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر امرائے سلطنت اُس سے ناراض
رہتے ہیں۔ ایک دانشور کی حیثیت سے تم خود ہی غور کرو کہ جب کسی فرماں روا سے اراکین سلطنت خفا ہو
جائیں تو وہ پھر کس طرح حکومت کرے گا؟'' اگرچہ بات کرتے وقت سبکتگین کی سانس اُکھڑ اُکھڑ جاتی
تھی لیکن پھر بھی وہ اپنی زندگی کے اہم ترین فیصلے کی توجیہہ بیان کئے جا رہا تھا۔ ''اور سب سے بڑھ کر یہ
کہ محمود کے مقابلے میں اسماعیل کو خواص و عوام کی زیادہ حمایت حاصل رہے گی۔ وہ میرے آقا امیر
الپتگین کا نواسہ ہے اور اس نسبت سے تمام ترک سرداروں کے سر اس کے آگے ہمیشہ خم رہیں گے۔ اس
کے برعکس محمود کو یہ سیاسی تائید حاصل نہیں ہو سکتی۔ میں نے ان ہی تمام حقائق کے پیش نظر جانشینی کے
نازک ترین مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تجربے اور مشاہدے کے اعتبار سے
اسماعیل ایک کمزور لڑکا ہے۔ وہ سیاست کے خارزار میں بار بار لڑکھڑائے گا اور بار بار زخمی ہو گا۔ مگر جب
بھی ایسا ہو تو تم اپنے تدبر کا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دینا۔ وہ فوراً سنبھل جائے گا۔ اور اگر اسماعیل اپنی کم
فہمی کے ہتھیار سے خود ہی زخمی ہو جائے تو تم ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اس کے زخم پر اپنی عقل و دانش کا مرہم
رکھ دینا۔ اس طرح مجھے یقین ہے کہ وہ چند روز میں شفایاب ہو جائے گا۔''

ابوالفتح بہت غور سے والئ غزنی کی گفتگو سن رہا تھا۔ پھر جب سبکتگین خاموش ہو گیا تو ابوالفتح نے بہت
آہستہ لہجے میں رک رک کر کہا۔

''گستاخی معاف! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ امیرِ محترم اس قدر مایوسی کی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟
اگر صاحب زادہ اسماعیل ہی کو سلطنتِ غزنی کا وارث ہونا ہے تو پھر وہ آپ ہی کے زیر نگرانی سیاست کے
تمام اسرار و رموز سیکھ جائیں گے۔''

''کاش! یہ ممکن ہوتا۔'' امیر سبکتگین نے ایک آہِ سرد کھینچی۔ ''ایسا لگتا ہے کہ میری مہلتِ زیست ختم ہو
گئی۔'' یہ کہتے کہتے امیر سبکتگین کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی جھلکنے لگی تھی۔

''نہیں امیرِ ذیشان!'' ابوالفتح نے بے قرار ہو کر کہا۔ ''آپ کی حوصلہ مندی تو تاریخِ غزنی کا ایک
روشن باب ہے۔ اگر آپ بھی ایسی شکستگی کی باتیں کرنے لگیں گے تو پھر کیا باقی رہے گا؟ ہر طرف گہری
تاریکی پھیل جائے گی۔ تمام درباری طبیبوں کی متفقہ رائے ہے کہ آپ کو کوئی لاعلاج مرض لاحق نہیں ہے۔
اور پھر آپ کی عمر بھی ایسی نہیں ہے کہ سلطنتِ غزنی کے جاں نثار آپ کی شفایابی سے مایوس ہو جائیں۔''

''درباری طبیب میرا دل رکھنے کے لئے جھوٹ بھی بول سکتے ہیں۔'' امیر سبکتگین نے جبراً مسکرانے
کی کوشش کی۔ ''اور اگر ہم ان کی تشخیص کو درست مان لیں، تب بھی وہ محض طبیب ہی رہیں گے۔ ان کی

آنکھیں میرے جسم کی دیوار کے پیچھے دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ مگر میں فرشتۂ اجل کے قدموں کی چاپ کئی روز سے سن رہا ہوں، جو لحظہ بہ لحظہ تیز تر ہوتی جا رہی ہے۔ کل رات میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے۔" یہ کہہ کر امیر سبکتگین چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گیا۔

'اپنا خواب بیان فرمایئے امیرِ محترم! شاید آپ کا یہ کم علم خدمت گار اس خواب کی خوش گوار تعبیر پیش کر سکے۔" شیخ ابوالفتح کی آواز میں ہلکا ہلکا ارتعاش تھا۔

"میں نے خواب میں ایک بہت بڑے تناور درخت کو جڑ سے اُکھڑ کر زمین پر گرتے دیکھا ہے۔" امیر سبکتگین کا لہجہ اُداس تھا۔ "میرے نزدیک یہ کسی مقتدر ہستی کے انتقال کی علامت ہے۔"

والیٔ غزنی کا خواب سن کر شیخ ابوالفتح سناٹے میں آ گیا تھا مگر پھر بھی اس نے اپنے لہجے میں مصنوعی شگفتگی پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ کے نزدیک اس خواب کی یہی تعبیر ہے تو پھر وہ مقتدر ہستی کوئی اور بھی ہو سکتی ہے۔"

"نہیں ابوالفتح! اب خوش گمانیوں سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔" یکایک امیر سبکتگین کے لہجے میں تلخی آ گئی تھی۔ "زمین پر گرنے والا وہ درخت میں ہی ہوں۔ بے شک تم مجھ سے زیادہ علم رکھتے ہو مگر میری ایک بات بہت غور سے سنو! شاید تمہارے کسی کام آئے۔ ہم انسان نازل شدہ مصائب کو دُور کرنے کی تدبیریں اور لاحق شدہ امراض سے نجات حاصل کرنے کے طریقے سوچتے رہتے ہیں۔ یہ ایسی ہی بات ہے کہ جیسے کوئی قصاب کسی بھیڑ کو اس کے بال کترنے کے لئے پہلی مرتبہ زمین پر پٹکتا اور اس کے پاؤں مضبوطی سے باندھ دیتا ہے۔ بھیڑ اپنے اوپر ایک نئی اور عجیب مصیبت نازل ہوتے دیکھ کر زندگی سے مایوس ہو جاتی ہے اور مرنے کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ لیکن قصاب اپنے کام سے فارغ ہو کر اسے آزاد کر دیتا ہے اور وہ خوشی سے اُچھلنے کودنے لگتی ہے۔ یعنی وہ یہ خیال بھی کرتی ہے کہ اسے ذبح کر دیا جائے گا اور اس کے ساتھ ہی یہ اُمید بھی ہوتی ہے کہ گزشتہ موقع کی طرح اس مرتبہ بھی اسے رہا کر دیا جائے گا۔ اور جب قصاب اس کے بال کتر کر اسے آزاد کر دیتا ہے تو وہ پھر خوش ہو جاتی ہے اور موت کا خوف اس کے دل سے نکل جاتا ہے۔ پھر تیسری بار جب قصاب اسے ذبح کرنے کے لئے زمین پر گراتا ہے اور اسے کسی قسم کا خوف نہیں ہوتا اور وہ سمجھتی ہے کہ پہلے کی طرح اس بار بھی تھوڑی سی دیر کے لئے اس کی آزادی سلب کی گئی ہے اور کچھ لمحوں کے بعد وہ پہلے کی طرح آزاد ہو جائے گی۔ اس وقت وہ بھیڑ بے خوفی اور بے خبری کی کیفیت میں سانس لیتی ہے اور پھر اسی عالم میں اُس کے گلے پر چھری پھیر دی جاتی ہے۔ ہم انسان بھی چونکہ ہمیشہ طرح طرح کی مصیبتوں اور نت نئے امراض میں آئے دن مبتلا رہتے ہیں، اس لئے ہر مصیبت اور مرض سے رہائی کا خیال کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ آخری مصیبت، موت کا پیغام لے کر آتی ہے۔ اور اس غفلت کے عالم میں ہماری گردن میں موت کا پھندا ڈال کر ہمیں اس دنیا سے لے جاتی ہے۔"

یہ کہہ کر امیر سبکتگین نے ایک لمحے کے لئے سکوت اختیار کیا اور پھر بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "ابوالفتح! تمہارا امیر بھی اس وقت اسی کیفیت سے دوچار ہے۔"

شیخ ابوالفتح رونے لگا۔ امیر سبکتگین نے موت و زیست کا عجیب فلسفہ بیان کیا تھا۔ سلطنتِ غزنی کا مشیرِ خاص اپنے فرمانروا کی دلجوئی کے لئے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر سبکتگین شدید نقاہت کے سبب بے ہوش ہو

یا۔ چار دن تک والیٔ غزنی کی یہی حالت رہی۔ کچھ دیر کے لئے ہوش میں آتا اور پھر طویل غشی طاری ہو جاتی۔ اسی دوران امیر سبکتگین نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں امرائے سلطنت کے سامنے اپنے چھوٹے بیٹے اعیل کی جانشینی کی وصیت کی اور وحدانیت و رسالت پر گواہی دیتا ہوا دنیا سے رخصت ہو گیا۔

❀❀❀❀❀

وہ شعبان کا مہینہ تھا، جب امیر سبکتگین نے اس عالمِ خاکی کو الوداع کہا۔ سبکتگین کا انتقال 387ھ میں نہ کے مقام پر ہوا۔ انتقال کے وقت سبکتگین کی عمر 56 سال تھی۔ اس نے عدل و انصاف کے ساتھ 20 ایک حکومت کی۔ امیر سبکتگین کی وصیت کے مطابق اس کے جسم کو تابوت میں رکھ کر غزنی لایا گیا۔ امیر کی موت کی خبر سن کر پورے غزنی میں ایک کہرام سا برپا تھا۔ کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان کا وہ مہربان فرماں روا اتنی خاموشی کے ساتھ اچانک اپنے آخری سفر پر روانہ ہو جائے گا۔

محمود کی ماں شدتِ غم سے نڈھال تھی اور چیخ چیخ کر امرائے سلطنت سے کہہ رہی تھی۔ "کیا تم نے بات کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی کہ مجھے میرے شوہر کی بیماری کی اطلاع فراہم کر دی جائے؟ ب دو کہ اس بے حسی اور غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیوں کیا گیا؟"

امرائے سلطنت، ملکۂ اوّل کے سوال کا کیا جواب دیتے کہ ملکۂ ثانی امیر الپتگین کی بیٹی نے بہت ان کی زبانوں پر مہریں لگا دی تھیں اور تمام حرکات و سکنات پر سخت پہرے بٹھا دیئے تھے۔

ملکۂ اوّل کی خواہش تھی کہ شیخ نظام شاہ، امیر سبکتگین کی نمازِ جنازہ پڑھائیں لیکن ملکۂ ثانی کے حکم پر اری عالم، امام رکن الدین مسعود نے والیٔ غزنی کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

امیر سبکتگین کا آخری دیدار کرنے والوں میں نظام شاہ بھی شریک تھے۔ نظام شاہ نے نم ناک آنکھوں والیٔ غزنی کا چہرہ دیکھا اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔

"امیر! اللہ تمہاری مغفرت کرے کہ تمہارے نامۂ اعمال میں بہت سی نیکیاں ہیں۔ مگر تم نے یہ کیا کیا آخری وقت میں لڑکھڑا گئے۔ حق دار کو اس کا حق دیا ہوتا کہ تمہارے عدل و انصاف کی داستان مکمل ہو یا۔ کاش! تمہیں معلوم ہوتا کہ تمہارے اس فیصلے کے بعد یہاں کتنے طوفان اُٹھیں گے اور اس زمین پر نی مقدار میں انسانی خون بہے گا۔ اللہ تمہیں معاف کرے! اللہ تمہیں معاف کرے۔" نظام شاہ نے ہائی مضطرب لہجے میں کہا اور واپس جانے کے لئے مڑے۔

ولی عہدِ غزنی اسماعیل جنازے کے قریب ہی کھڑا تھا اور اس نے نظام شاہ کی زبان سے ادا ہونے لا ایک ایک لفظ سن لیا تھا۔ پھر جیسے ہی نظام شاہ جانے کے لئے مڑے، اسماعیل نے اس مردِ قلندر کا ستہ روک لیا۔

"کیا میں اس سلطنتِ غزنی کا جائز حق دار نہیں ہوں؟" اسماعیل نے انتہائی تلخ اور متکبرانہ لہجے میں کہا۔ "اور کیا میرے عادل و منصف باپ نے مجھے اپنا جانشین نامزد کر کے ناانصافی سے کام لیا ہے؟"

"یقیناً تم اس منصبِ عظیم کے لائق نہیں تھے اور تمہارے عادل و منصف باپ نے آخری وقت میں ناانصافی سے کام لیا۔ میں ایک بار پھر اپنے اللہ سے امیر سبکتگین کی مغفرت کے لئے دعا کرتا ہوں۔" نظام شاہ نے اپنی روایتی شانِ بے نیازی کا مظاہرہ کیا۔ ان کے ایک ایک لفظ سے جلالِ روحانی

کا اظہار ہو رہا تھا۔

"میرے معزز و محترم باپ نے تجھ جیسے خاک نشین کو اپنے سر پر بٹھا کر بے مثال عزت بخشی اور تُو اپنے اسی محسن کی ذاتِ گرامی پر ناانصافی کی سنگین تہمت لگا رہا ہے۔" ولی عہدِ غزنی اسماعیل کا لہجہ گستاخانہ تھا۔ "ناشکر گزار انسان! میں تیرے اس جرم کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔"

یہ کہہ کر اسماعیل اپنے سپاہیوں سے مخاطب ہوا۔ "اس احسان فراموش کو پکڑ کر زنداں کے اندھیروں میں غرق کر دو۔ اور اس پر اس وقت تک سورج کی روشنی حرام رکھو جب تک یہ میری ولی عہدی کے حق کو تسلیم نہ کر لے۔"

پھر شرکائے میت نے رُکی ہوئی سانسوں کے ساتھ یہ منظر دیکھا کہ نظام شاہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے زنداں کی طرف جا رہے تھے اور ان کے ہونٹوں پر وہی قلندرانہ تبسم موجود تھا، جس سے دنیا کے مادی اقتدار کی نفی ہوتی تھی۔

باپ کے جسم کو قبر میں اُتارنے کے بعد اسماعیل نے محمود کے تمام حامیوں کو داخلِ زنداں کر دیا۔ ان قیدیوں میں نومسلم راجپوت سردار امین الدین (بلرام سنگھ) بھی شامل تھا۔

پھر سب سے آخر میں امیر الپتگین کی بیٹی کے حکم پر غزنی کی ملکۂ اوّل کو بھی عام قیدیوں کی طرح زنجیریں پہنا دی گئیں اور مطالبہ کیا گیا کہ جب تک محمود، اسماعیل کے حق میں دستبردار نہیں ہوگا، انہیں اس زنداں سے رہائی نہیں ملے گی۔

❁❁❁❁

سرکاری طور پر اسماعیل کی جانشینی کا اعلان ہو چکا تھا اور غزنی کے تمام سرداروں نے اسے اپنا امیر تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن سبکتگین کی وفات کے باعث ابھی تاجپوشی کی تقریب منعقد نہیں ہوئی تھی۔ اس دوران ملکۂ ثانی امیر الپتگین کی بیٹی جو انقلابِ زمانہ کے باعث ملکۂ اوّل بن چکی تھی، کئی بار قید خانے جا کر محمود کی والدہ سے ملی اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اپنے بیٹے کو اسماعیل کے راستے سے ہٹ جانے پر مجبور کر دے۔

محمود کی والدہ جو ایک زابلی شریف کی بیٹی تھی، ان دھمکیوں سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوئی۔

"جو کچھ تمہارے دل میں ہے، اس پر عمل کر ڈالو۔ مگر یاد رکھو، محمود اپنے حق سے دستبردار نہیں ہوگا۔" محمود کی والدہ کے لہجے سے اسی رعب و جلال کا اظہار ہو رہا تھا کہ جیسے وہ آج بھی غزنی کی ملکۂ اوّل ہو اور امورِ سلطنت میں پورا اختیار رکھتی ہو۔

"غور سے سنو کہ میں نے کبھی اپنے شوہر کو تمہارے خلاف نہیں ورغلایا اور زندگی کے اس طویل سفر میں کسی موڑ پر بھی تمہاری حق تلفی نہیں کی۔ مگر تم نے میرے ساتھ یہ کیسا بے رحمانہ سلوک کیا کہ مجھے میرے شوہر کی بیماری کی خبر تک نہیں دی۔ میرے شریکِ زندگی کو جانا تھا، سو چلا گیا۔ میری موجودگی بھی اسے جانے سے روک نہیں سکتی تھی لیکن تم ایک بددیانت، سفاک اور خائن عورت ہو۔ تمہارا یہ عمل کیا وحشیانہ نہ تھا کہ ایک بیٹا اپنے باپ کی علالت سے بے خبر رہا اور ایک عورت کو اس کے شوہر کی خدمت سے محروم کر دیا گیا۔ تم نے لوگوں کو ان کی امانتیں نہیں پہنچائیں، اس لئے بہت جلد تمہارے حقوق بھی سلب کر لئے جائیں گے اور تمہیں اس زمین پر کوئی گوشۂ عافیت میسر نہیں آئے گا۔"

"دنیا کا ہر محروم انسان اسی طرح آسودہ حال لوگوں کو بددعائیں دیتا ہے مگر کلماتِ بد ان خوش نصیبوں پر اثر انداز نہیں ہوتے جن کی تقدیریں سورج کی کرنوں سے لکھی جاتی ہیں۔" امیر الپتگین کی بیٹی نے ... ہوئے کہا۔ "میں تمہیں آخری بار حکم دیتی ہوں کہ تم اپنے بیٹے محمود کو میرے فرزند اسماعیل کی اطاعت پر مجبور کر دو۔ ورنہ تم زیادہ دن تک زنداں کی سختیوں کو برداشت نہ کر سکو گی۔ میں نے ابھی تک ...ت و رواداری سے کام لیا ہے مگر یہ بات مجھے بھی نہیں معلوم کہ میری آتشِ غضب کس وقت بھڑک اٹھے گی اور پھر اس آگ میں کیا کچھ جل کر راکھ ہو جائے گا۔"

"تم اس راز سے بخوبی واقف ہو کہ میں غزنی کی ملکۂ اوّل ہوں اور مجھے اپنے شوہر کے سوا کسی اور کا حکم سننے کی عادت نہیں ہے۔" محمود کی والدہ کے لہجے میں وہی شاہانہ طمطراق تھا۔ "غاصب ملکہ کو معلوم ہونا چاہئے کہ آج تک میں نے صرف ان لوگوں کی التجائیں سنی ہیں۔ اگر مادرِ اسماعیل بھی مجھ سے التجا کریں تو ممکن ہے کہ میں اپنے ماضی کی روایت برقرار رکھتے ہوئے ان کے الفاظ کو سماعت کا اعزاز بخش دوں۔"

"تمہارے ماضی پر وقت کے آہنی ہاتھوں نے کبھی نہ مٹنے والی سیاہی پھیر دی ہے۔" امیر الپتگین کی بیٹی نے انتہائی تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ "اب تم صرف اپنے حال کی طرف دیکھو اور تمہارا حال یہ ہے کہ تم زنجیروں میں جکڑی ہوئی ایک مجبور عورت ہو، جس کی ہر سانس پر مجھے مکمل اختیار حاصل ہے۔ اگر میں چاہوں تو اسی وقت تمہاری سانسوں کا شمار ختم ہو سکتا ہے۔" غزنی کی موجودہ ملکہ اسی لہجے میں بول رہی تھی، جو عورت کی کوکھ سے پیدا ہوتا ہے اور پھر بڑھتے بڑھتے ہامان و شداد، فرعون و نمرود کے دعوؤں کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

"جسے اپنی سانسوں پر اختیار نہ ہو، وہ کسی دوسرے کی سانسیں کس طرح غصب کر سکتا ہے؟" محمود کی والدہ نے بڑے صبر و تحمل سے جواب دیا۔

"تم اپنے بیٹے محمود کو لکھو کہ امیر سبکتگین مرحوم اپنی زندگی میں وراثت کا فیصلہ کر چکے ہیں۔" غزنی کی نئی ملکہ کے اعصاب پر طاقت کا نشہ طاری تھا۔ اس لئے وہ سیاسی تقاضوں سے بے نیاز ہو کر بول رہی تھی۔ "امیر کے فیصلے کے بعد اقتدار کا مسئلہ متنازع نہیں رہا۔ اسماعیل کسی شرکت کے بغیر اس تاجِ غزنی کا وارث ہے۔ اس لئے محمود کو سرِ اطاعت خم کرتے ہوئے دارالحکومت پہنچ جانا چاہئے اور پھر اسماعیل کی جشنِ تاجپوشی میں شرکت کر کے اپنے نئے امیر کے ہاتھ پر بیعت کر لینی چاہئے۔ اسی میں اس کی ...ہے۔"

"میں نے اپنے بیٹے کو زندگی بھر صرف دو سبق دیئے ہیں۔" معزول ملکہ نے اسی شاہانہ وقار کے ساتھ کہا۔ "پہلا یہ کہ اپنے حق کی حفاظت کے لئے ہر سود و زیاں سے بے نیاز ہو کر آخری سانس تک ... دوسرا یہ کہ بندگانِ خدا کے حقوق پر غاصبانہ قبضہ تو کجا، ان کی طرف حریصانہ نظروں سے دیکھنا ... اُسے۔"

"اب تمہیں اپنے بیٹے کو تیسرا سبق بھی دینا ہوگا۔" ملکۂ غزنی کے متکبرانہ لہجے میں مزید شدت پیدا ہو گئی۔ "اور وہ سبق یہ ہے کہ اگر محمود اپنی جان کی بقاء چاہتا ہے تو بلا تاخیر اسماعیل کے سامنے گھٹنوں ... جھک جائے۔"

"معاذ اللہ!" معزول ملکہ نے اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ "اگر محمود پر ایسا وقت آ گیا تو میں اس کی موت کے لئے ہاتھ اٹھانا زیادہ پسند کروں گی۔"

"اور اسے یہ بھی لکھ دو کہ اگر اس نے ہمارا مطالبہ تسلیم نہیں کیا تو پھر تمہاری زندگی کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔" محمود کی والدہ کو خوف زدہ کرنے کے لئے ملکۂ غزنی نے بڑا اوچھا ہتھیار استعمال کیا تھا۔

"میں اپنے بیٹے کو خوب جانتی ہوں۔" قیدی ملکہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر تم محمود کے پاس میری لاش بھی بھیج دو تو وہ اپنے حق سے دستبردار نہیں ہوگا۔"

ملکۂ غزنی مایوس ہو کر چلی گئی۔ پھر اس نے اپنے تمام ہم نوا سرداروں کو تنہائی میں طلب کرتے ہوئے پوری صورتِ حال سے آگاہ کیا اور محمود کی والدہ کے انکار کے سلسلے میں مشورہ مانگا۔

ابھی تمام وزرائے مملکت گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے کہ ملکۂ غزنی خود ہی بول اٹھی۔ "میرا خیال ہے کہ اگر اس بد دماغ عورت پر ہلکا سا تشدد کیا جائے تو اس کے ہوش و حواس درست ہو جائیں گے اور پھر وہ محمود کو اسماعیل کی اطاعت پر مجبور کر دے گی۔"

"نہیں ملکۂ عالیہ!" تمام وزرائے مملکت نے بیک زبان کہا۔ "آپ کی یہ سوچ درست نہیں ہے۔ ایک تو وہ عورت ہیں اور دوسرے غزنی کی ملکۂ اوّل بھی رہ چکی ہیں۔ اس لئے ان کے ساتھ تشدد کا رویہ مناسب نہیں۔ جب اہلِ غزنی کو یہ خبر پہنچے گی تو ایک مظلوم عورت ہونے کے سبب رعایا کے دلوں میں ان کا احترام بڑھ جائے گا۔ اور اس کے برعکس آپ کے وقار کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا۔" وزرائے مملکت دُور اندیشی سے کام لیتے ہوئے غزنی کی جذباتی ملکہ کو مشورہ دے رہے تھے۔ "ویسے ہماری ذاتی رائے تو یہی ہے کہ آپ انہیں زنداں کی تاریکی سے نکال کر قصرِ شاہی کے کسی آراستہ کمرے میں منتقل کر دیں۔"

"اس طرح تو رعایا سے اس کا رابطہ قائم ہو سکتا ہے۔" اپنے وزیروں کا مشورہ سن کر ملکۂ غزنی کی پیشانی شکنوں سے بھر گئی تھی۔ "اور اس رابطے کے پردے میں کوئی بغاوت بھی پرورش پا سکتی ہے۔" امیر الپتگین کی بیٹی کا اندازِ گفتگو تحقیر آمیز تھا جیسے وہ اپنے وزیروں کے مشورے کا مذاق اُڑا رہی ہو۔

"کسی بغاوت کا امکان تو موجود نہیں کہ غزنی کے عوام پر ہماری گرفت مضبوط تر ہے۔" ایک وزیر نے جواباً کہا۔ "ہم نے ملکۂ عالیہ کو یہ مشورہ نہیں دیا کہ صاحبزادہ محمود کی والدہ کو ایسے چھوڑ دیا جائے اور وہ قصرِ شاہی کی حدود سے نکل کر غزنی کے باشندوں کو آپ کے خلاف بھڑکاتی پھریں۔ ہم نے تو صرف اتنا عرض کیا تھا کہ آہنی زنجیروں کو ان کے جسم سے الگ کر دیا جائے تا کہ غزنی کے عوام آپ کے فراخ دلانہ طرزِ عمل کو ستائشی نظروں سے دیکھیں اور آپ کی ذاتِ گرامی پر کوئی حرف نہ آئے۔ آپ زیادہ سے زیادہ انہیں قصرِ شاہی کے ایک کمرے میں بند کر دیں تا کہ عوامی رابطے کے سارے اندیشے ختم ہو جائیں اور ان کے حلقۂ اثر کے لوگ آپ کی طرف انگشت نمائی نہ کر سکیں۔"

وزرائے مملکت نے انتہائی مناسب مشورہ دیا تھا، مگر غزنی کی جذباتی اور ضدی ملکہ نے اپنے مشیروں کی رائے کو لائق اعتناء نہیں سمجھا۔ امیر الپتگین کی بیٹی نے محمود کی والدہ پر کسی قسم کا تشدد تو نہیں کیا مگر ان کی زنجیریں بھی نہیں کاٹیں اور ملکۂ اوّل کو ایک عام قیدی کی طرح اپنے روز و شب بسر کرنے پر مجبور کر دیا۔

پھر ایک دن اپنے وزیروں سے مشورہ کئے بغیر ملکۂ غزنی نے خفیہ طور پر ایک معتبر قاصد کو محمود کے نام خط دے کر نیشاپور کی طرف روانہ کیا۔ اس خط میں واضح طور پر تحریر تھا۔

"محمود! تمہیں علم ہونا چاہئے کہ امیر سبکتگین مرحوم نے مجھے تمام سردارانِ قوم کے سامنے اپنا جانشین نامزد کیا ہے۔ اس لئے میں سلطنتِ غزنی کا جائز وارث ہوں اور تم پر میری اطاعت فرض ہے۔ اس لئے اگر تم اپنی اور اپنی والدہ کی زندگی چاہتے ہو تو میرا خط پاتے ہی مجھے اپنا امیر تسلیم کر لو اور مجھے اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا ثبوت دینے کے لئے فوری طور پر سپاہیوں کے ایک مختصر سے دستے کے ساتھ غزنی پہنچ کر کھلے عام میری امارت کا اعلان کرو۔" یہ خط اسماعیل کی طرف سے تھا جس کا ایک ایک حرف ملکۂ غزنی کی مرضی کے مطابق تحریر کیا گیا تھا۔

❁❁❁❁❁

قاصد کو نیشاپور روانہ کرنے کے بعد امیر الپتگین کی خود سر بیٹی، نظام شاہ کی طرف متوجہ ہوئی۔ وہ ایک عام دنیا دار عورت تھی اس لئے نظام شاہ کے روحانی مرتبے کو سمجھنے سے قاصر رہی۔ دوسرے دنیا پرستوں کی طرح ملکۂ غزنی کا بھی یہی خیال تھا کہ اس کے شوہر کی اندھی عقیدت نے غزنی کی گلیوں میں گھومنے والے ایک مفلوک الحال شخص کو ولایت کے درجے تک پہنچا دیا ہے۔ ورنہ حقیقتاً نظام شاہ کے روحانی فضائل کی کوئی حیثیت نہیں۔ اور جب ملکۂ غزنی کو اس کے بیٹے اسماعیل نے پوری رنگ آمیزی کے ساتھ یہ واقعہ سنایا کہ نظام شاہ نے ہزاروں انسانوں کی موجودگی میں امیر سبکتگین کو غیر منصف مزاج حکمران کہہ کر پکارا ہے اور مرحوم فرمانروا کی وصیت کو ناجائز قرار دیا ہے تو ملکۂ غزنی مشتعل ہو گئی۔ اور اس نے شدید عالمِ غضب میں اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ نظام شاہ کو قید خانے سے نکال کر اس کے روبرو پیش کریں۔

ملکۂ غزنی کے اس حکم سے پہلے امام رکن الدین مسعود اور دوسرے درباری علماء، نظام شاہ کے خلاف امیر الپتگین کی بیٹی کے کان بھر چکے تھے۔

"ملکۂ عالیہ نظام شاہ ایک جاہل اور گمراہ شخص ہے، جسے صاحبزادہ محمود کی توہم پرستی نے ولئ کامل بنا دیا ہے۔" امام رکن الدین مسعود نے نہایت ہوشیاری سے محمود کی ذات کو اپنے انتقام کا ہدف بنایا تھا۔ وہ زمانہ ساز عالم خوب جانتا تھا کہ اس وقت محمود ملکۂ غزنی کا بدترین دشمن ہے اور ایک عورت کی اسی نفسیاتی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امام رکن الدین مسعود، نظام شاہ اور محمود دونوں سے اپنی توہین کا انتقام لینا چاہتا تھا۔ "امیر مرحوم پر یہ سنگین تہمت ہے کہ وہ گلیوں کے ایک بھکاری کو ولئ کامل سمجھتے تھے۔ ملکۂ عالیہ کو یاد ہوگا کہ امیر مرحوم نے محمود کا نکاح پڑھانے کے لئے مجھے طلب کیا تھا مگر محمود نے عین موقع پر پوری تقریب کو درہم برہم کر کے رکھ دیا تھا اور پھر خود شاہی رتھ میں سوار ہو کر اس جاہل نظام شاہ کو لینے چلا گیا تھا۔"

یہ کہہ کر امام رکن الدین مسعود ایک لمحے کے لئے خاموش ہوئے اور بڑے ریاکارانہ انداز میں کہنے لگے۔

"امیر مرحوم ایک نہایت مشفق و مہربان باپ تھے، اس لئے بیٹے کی بے جا ضد کے سامنے مجبور ہو گئے۔"

رکن الدین مسعود کے یاد دلانے پر ملکۂ غزنی کی نظروں کے سامنے محمود کی شادی کا پورا منظر اُبھر آیا۔

"ہاں! میں اس واقعے کو فراموش نہیں کر سکتی۔" ملکۂ غزنی نے امام رکن الدین مسعود کی بات سن کر

عجیب انداز میں اپنے سر کو جنبش دی۔

''یہی وجہ ہے کہ وہ ناشکرا انسان امیرِ مرحوم کی وصیت کا مذاق اُڑا رہا ہے۔'' ملکۂ غزنی کو مشتعل کرنے کے لئے امام رکن الدین نے مزید زہر فشانی کی۔ ''امیرِ مرحوم ایک انتہائی اعلیٰ ظرف مگر سادہ لوح انسان تھے۔ والئ غزنی سے یہ کوتاہی سرزد ہوئی کہ انہوں نے اقتدار سنبھالتے وقت اسی نام نہاد درویش کے ہاتھوں سے تاج پہنا تھا۔ پھر امیرِ ذیشان کی یہی عنایتِ خاص نظام شاہ کے لئے عظمت و بزرگی کی دلیل بن کر رہ گئی تھی اور اسی روز سے اہلِ غزنی اس جاہل شعبدہ باز کو ولی کامل سمجھنے لگے ہیں۔ مگر ملکۂ غزنی کو شاید یاد نہ ہو کہ امیر ملکاتگین کے دورِ حکومت میں یہی گمراہ انسان دس سال تک زنداں میں ایک معتوب قیدی کی حیثیت سے رہ چکا ہے۔ یہ بھی امیر سبکتگین کا کرم خاص تھا کہ نظام شاہ، امیر ملکاتگین کے قہر و غضب سے محفوظ رہا۔ ورنہ اُس بے دین شخص کا قصہ بہت پہلے پاک ہو چکا ہوتا۔ کاش! ایسا ہو جاتا۔''

امام رکن الدین بڑے حسرت زدہ انداز میں کفِ افسوس مل رہے تھے۔ ''مجھے امیر جنت مکاں سے بس یہی ایک شکایت تھی کہ انہوں نے اپنی شرافتِ نفس اور سادہ لوحی کے سبب اس فتنے کو پرورش پانے کے لئے سازگار فضا فراہم کی۔ اگر اس فتنے کو ابتدا ہی میں کچل دیا جاتا تو آج سلطنتِ غزنی کی وراثت کا یہ سنگین مسئلہ بھی کھڑا نہ ہوتا۔''

''اس سے تمہارا کیا مطلب ہے امام؟'' ملکۂ غزنی کے ماتھے پر کئی بل پڑ گئے تھے۔

''امیر سبکتگین کی عنایاتِ مسلسل اور نوازشاتِ پیہم نے اُس شعبدہ باز نظام شاہ کو غزنی کے عوام کا محبوب بنا دیا ہے اور یہی محبوبیت صاحبزادہ اسماعیل کی جانشینی کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔'' امیر رکن الدین کے دل میں نظام شاہ کے خلاف بھرا ہوا نفرتوں کا زہر قطرہ قطرہ ہونٹوں سے ٹپک رہا تھا۔

''تمہاری باتیں بہت اُلجھی ہوئی ہیں۔'' ملکۂ غزنی کی بھنویں کچھ اور کھنچ گئی تھیں۔ ''اپنا مقصد پوری وضاحت کے ساتھ بیان کرو۔''

''کامیاب حکومت کے لئے رعایا کی [illegible]بانی اور دلی تائید حاصل ہونا ضروری ہے۔'' امام رکن الدین مسعود نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''اور ملکۂ عالیہ کو معلوم ہونا چاہئے کہ غزنی کی رعایا کے دل، نظام شاہ کے ساتھ ہیں اور اسی نسبت سے لوگوں کی تمام تر جذباتی ہمدردیاں، محمود سے وابستہ ہو کر رہ گئی ہیں۔''

''پھر؟'' ملکۂ غزنی نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''دلوں کے دھڑکنے کے انداز بدلے جا سکتے ہیں۔'' امام رکن الدین کی آنکھوں سے منافقانہ سیاست کا گہرا رنگ نمایاں تھا۔ ''اور باشندگانِ غزنی کی جذباتی ہمدردیوں کا رخ بھی آسانی سے موڑا جا سکتا ہے۔''

''وہ کس طرح؟'' ملکۂ غزنی نے زمانہ ساز عالم سے پوچھا۔

''نظام شاہ کو اس بات پر مجبور کر دیجئے کہ وہ مجمعِ عام میں صاحبزادہ اسماعیل کی امارت کو تسلیم کر لے۔'' امام رکن الدین مسعود نے ملکۂ غزنی کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔ ''پھر جانشینی کا مسئلہ ہمیشہ کے لئے حل ہو جائے گا۔ یاد رکھئے کہ نظام شاہ ہی لوگوں کے دلوں سے محمود کی محبت کے نقوش مٹا سکتا ہے۔''

ایک لمحے کے لئے ملکۂ غزنی کے چہرے پر نشاط و مسرت کا رنگ اُبھرا لیکن فوراً ہی ڈوب گیا۔ ''اور نظام شاہ نہیں مانا؟'' یہ کہتے کہتے امیر الپتگین کی بیٹی، مایوسیوں کے گرداب میں اُلجھ گئی تھی۔ ''میں نے سنا ہے کہ امیر الپتگین کے دور میں سردار تبریز نے بھی نظام شاہ پر بے پناہ تشدد کیا تھا مگر اس نے سر نہیں جھکایا۔'' ایک مردِ قلندر کا ماضی بیان کرتے کرتے ملکۂ غزنی کی آواز میں ہلکا ہلکا ارتعاش پیدا ہو گیا تھا۔

''وہ اُس کی جوانی کا زمانہ تھا، اس لئے تازیانوں کی ضرب برداشت کر گیا۔'' امام رکن الدین مسعود کے ہونٹوں پر بڑی سفاکانہ مسکراہٹ اُبھر آئی تھی۔ ''اب نظام شاہ کی ضعیفی اور ناتوانی کا دور ہے۔ ہلکی سی چوٹ بھی برداشت نہیں کر سکے گا۔''

ملکۂ غزنی عجیب سے تذبذب کا شکار نظر آ رہی تھی۔ ''اور اگر کر گیا؟'' ملکۂ غزنی کے لہجے سے لکنت صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔

''تو پھر جبر و تشدد کی لے اس قدر بڑھا دیجئے گا کہ اس کی سانسیں رک جائیں اور سازِ حیات ٹوٹ کر بکھر جائے۔'' امام رکن الدین مسعود نے جذبہ و احساس کا ہر دروازہ بند کر لیا تھا اور اب وہ ہر حال میں نظام شاہ جیسے بے گناہ انسان کو سرِ بازار رُسوا دیکھنا چاہتا تھا۔

درباری عالم کا یہ جابرانہ مشورہ سن کر ملکۂ غزنی نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔

''ملکۂ عالیہ کے سارے خدشات بے بنیاد ہیں۔'' رکن الدین مسعود نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔ ''پہلے آپ اسے نگاہِ قہر سے دیکھیں۔ پھر اندازہ ہو جائے گا کہ نظام شاہ میں اذیتیں برداشت کرنے کی کتنی طاقت موجود ہے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ وہ آتشِ جلال کی ہلکی سی تپش بھی برداشت نہ کر سکے گا اور آپ کی نظروں کے سامنے دیکھتے ہی دیکھتے جل کر راکھ ہو جائے گا۔''

امام رکن الدین کی باتیں سن کر ملکۂ غزنی پُر امید نظر آنے لگی تھی۔ ''میں نے نظام شاہ کو اپنے حضور میں طلب کیا ہے۔ سپاہی اسے لے کر یہاں پہنچنے والے ہوں گے۔ پھر دیکھنا ہے کہ تمہاری قیاس آرائیاں کہاں تک درست ثابت ہوتی ہیں۔''

''اگر نظام شاہ، صاحبزادہ اسماعیل کی حمایت کرنے پر آمادہ نہ ہو تو پھر آپ خاموشی کے ساتھ اسے زہر دے دیجئے گا کہ نظام شاہ کی موت سے آپ کی دنیا بھی سنور جائے گی اور آخرت بھی۔ اس کے مرتے ہی محمود، غزنی کے ہزاروں باشندوں کی حمایت سے محروم ہو جائے گا۔ اور پھر آپ آسانی سے صاحبزادہ اسماعیل کے لئے رعایا کی تائید حاصل کر سکیں گی۔ دنیاوی اعتبار سے یہ ایک بڑا سیاسی فائدہ ہو گا۔ اور آخرت کا مفاد یہ ہے کہ آپ کے ذریعے بے شمار انسان گمراہی سے نجات پا جائیں گے اور ایک مذہبی فتنہ اپنی ہی کھودی ہوئی قبر میں ہمیشہ کے لئے دفن ہو جائے گا۔ نظام شاہ کا قتل آپ کی سیاسی ضرورت بھی ہے اور کارِ ثواب بھی۔''

ابھی ملکۂ غزنی اور امام رکن الدین کے درمیان یہ گفتگو جاری تھی کہ سپاہی نظام شاہ کو لئے ہوئے قصرِ شاہی کے ایک مخصوص کمرے میں داخل ہوئے۔ نظام شاہ نے اسلامی روایت کے مطابق ملکۂ غزنی اور امام رکن الدین کو سلام کیا مگر دونوں میں سے کسی ایک نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ نظام شاہ نے بڑے بے نیازانہ انداز میں دونوں کی طرف دیکھا اور خاموش کھڑے رہے۔

ملکۂ غزنی کا خیال تھا کہ نظام شاہ اس کے جلالِ اقتدار سے مرعوب ہو کر خود ہی پوچھیں گے کہ

انہیں کیوں طلب کیا گیا ہے۔ مگر جب کچھ دیر تک اس مردِ قلندر نے اپنے ہونٹوں کو جنبش نہیں دی تو امیر الپتگین کی مغرور بیٹی غضب ناک لہجے میں بول اُٹھی۔

"نظام شاہ! میں تجھ سے اس احسان فراموشی کی شکایت نہیں کروں گی کہ تُو نے اپنے آقائے نعمت امیر سبکتگین کو مرنے کے بعد غیر منصف مزاج کہا، جب کہ ان کے عدل و انصاف کی دھوم سارے جہان میں تھی۔" ملکۂ غزنی کا لہجہ متکبرانہ بھی تھا اور گستاخانہ بھی۔

"جب کوئی شکایت نہیں ہے تو پھر آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں؟" نظام شاہ نے حسبِ عادت مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں چاہتی ہوں کہ تُو غزنی کی رعایا کے سامنے اپنے گناہوں سے تائب ہو جا۔" ملکہ کے لہجے سے اسی بے ادبی کا اظہار ہو رہا تھا۔"

نظام شاہ نے بڑی عجیب سی نظروں سے ملکۂ غزنی کی طرف دیکھا اور فوراً ہی سر جھکا لیا۔ "میرا گناہ کیا ہے؟ اور میں کس طرح توبہ کروں کہ آپ مطمئن ہو جائیں؟" نظام شاہ کے ہونٹوں کا تبسم کچھ اور گہرا ہو گیا تھا۔

"تیرے گناہوں کے کفارے کی اب ایک ہی صورت ہے کہ تُو مجمعِ عام میں امیر سبکتگین مرحوم کی وصیت کے مطابق ولی عہد اسماعیل کو اپنا امیر تسلیم کر لے۔" ملکۂ غزنی سر سے پاؤں تک قہر و جلال کا پیکر بنی ہوئی تھی۔

"آپ مطمئن رہیں ملکۂ عالیہ!" غزنی کے مردِ قلندر نے زمانہ ساز عالم رکن الدین مسعود کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر نظام شاہ نے کوئی گناہ کیا ہے تو اسے مجمع میں بھی اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے کوئی ندامت محسوس نہیں ہوگی۔"

کچھ دیر تک ملکۂ غزنی نہایت حیرت و سکوت کے عالم میں اپنی نشست پر کسی مجسمے کے مانند بیٹھی رہی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ نظام شاہ جیسا سرکش انسان اتنی آسانی سے اس کی بات مان لے گا۔

"ملکۂ عالیہ! کیا سوچ رہی ہیں؟" نظام شاہ نے امیر الپتگین کی بیٹی کو خاموش پا کر کہا۔ "کیا انہیں غزنی کے ایک بھکاری کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا ہے؟" نظام شاہ کے ایک ایک لفظ سے مادی اقتدار کی نفی ہو رہی تھی مگر طاقت کے نشے میں ڈوبی ہوئی ایک خود پسند عورت ایک مردِ قلندر کی زبان کے نشتروں کو محسوس نہ کر سکی اور گھبرا کر بول اُٹھی۔

"ابھی پوری مملکت میں امیر کی موت کا سوگ جاری ہے۔ چہلم کی رسم ادا ہوتے ہی صاحب زادہ اسماعیل کی تاج پوشی کا جشنِ عام منعقد کیا جائے گا اور اسی جشنِ عام میں تجھے اپنے گناہوں سے تائب ہونا ہے۔" ملکۂ غزنی نے ایسے جابرانہ لہجے میں کہا جیسے وہ اپنے کسی ادنیٰ ترین غلام کو اس کی غلطی پر سرزنش کر رہی ہو۔

"مجھ جیسے گناہ گار کے لئے یہی بہتر رہے گا کہ وہ مجمعِ عام میں اپنے گناہ کا اعتراف کرے۔" نظام شاہ نے بہت نرم اور آہستہ لہجے میں کہا۔ "میں ملکۂ عالیہ کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے میرے گناہ یاد دلائے۔ ورنہ یہاں کون کسی کی خبر رکھتا ہے؟"

نظام شاہ کے اقرار سے ملکۂ غزنی کی وحشت دُور ہو گئی تھی اور اس کے چہرے پر پہلے جیسی شادابی

آ گئی تھی۔ "نظام شاہ! اگر تُو نے ہماری مرضی کے مطابق عمل کیا تو ہم تجھ پر اپنی عنایات و نوازشات کی بارش کر دیں گے۔" ملکۂ غزنی کے لہجے میں اسی غرور و تکبر کی آمیزش تھی۔ "اور پھر ہمارے کرم کا دائرہ اتنا وسیع ہو جائے گا کہ اس میں تیری بھوکی اور پیاسی ذات سما کر رہ جائے گی اور تُو اپنی تنگیٔ داماں کا شکوہ کرنے لگے گا۔"

"نہیں ملکۂ عالیہ! مجھ گداگر کے دریدہ دامن میں اتنی گنجائش کہاں ہے کہ وہ آپ کی عنایاتِ شاہانہ کے اس بارِ گراں کو برداشت کر سکے۔" نظام شاہ نے بدستور نظریں جھکائے ہوئے کہا۔ اگرچہ ملکۂ غزنی کے چہرے پر نقاب موجود تھی، لیکن پھر بھی انہوں نے ایک نامحرم عورت کی طرف دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ جبکہ امام رکن الدین مسعود کی نظریں مستقل ملکۂ غزنی کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ "میری ملکۂ عالیہ سے یہ درخواست ہے کہ وہ اپنے بے مثال کرم کو برباد نہ کریں۔ میں دنیا کی ہر لذت و آسائش سے محروم انسان آپ کی بخشی ہوئی ان نعمتوں کا شکر کیسے ادا کر سکوں گا؟"

"یہ تیری اپنی کم نظری ہے کہ تُو ہمارے دستِ کرم کی وسعتوں کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ مگر اطمینان رکھ کہ ہم اس روز تجھے اپنی حیثیت کے مطابق نوازیں گے۔" ملکۂ غزنی، نظام شاہ کی شانِ بے نیازی اور گفتگو کے اسرار و رموز کو سمجھنے سے قاصر تھی، اس لئے وہ اپنے اسی رعونت زدہ لہجے میں بولتی رہی۔ "لیکن اگر تُو نے ایسا نہیں کیا نظام شاہ! تو پھر یہ تیری بے مروّت آنکھیں کھلا آسمان نہیں دیکھ سکیں گی اور زنداں کا ایک تاریک گوشہ تیری بے نشان قبر بن کر رہ جائے گا۔"

نظام شاہ نے ملکۂ غزنی کی اس جابرانہ تنبیہ کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے سر جھکائے کھڑے رہے۔

"امیر سبکتگین کی ذاتِ گرامی پر تہمت طرازی اور بدترین احسان فراموشی کے علاوہ بھی تیرے نامۂ اعمال میں ایک اور بڑا گناہ درج ہے۔" ملکۂ غزنی کے لہجے کی غضب ناکی بڑھتی جا رہی تھی۔

"اگر ملکۂ عالیہ میرے اس گناہ کی بھی نشاندہی فرما دیں تو میں آخری سانس تک ان کا ممنونِ کرم رہوں گا۔" نظام شاہ نے بہت آہستہ لہجے میں کہا۔ ان کی نظریں بدستور جھکی ہوئی تھیں۔

"یہ راز ہمیں بہت دیر سے معلوم ہوا مگر پھر بھی ہم غزنی کے سب سے زیادہ معتبر عالم، امام رکن الدین مسعود کے احسان مند ہیں کہ ان کی خصوصی توجہ کے باعث ہماری نظروں کے سامنے سے ایک تاریک پردہ ہٹ گیا۔" ملکۂ غزنی اسی گستاخانہ لہجے میں نظام شاہ سے مخاطب تھی۔ "ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تُو ایک گمراہ اور بدعقیدہ انسان ہے اور غزنی کے سادہ لوح مسلمانوں کی روحوں میں اپنی اسی بدعقیدگی کا زہر اُتارنا چاہتا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ امیر سبکتگین تیرے منافقانہ کردار کے اس پہلو سے کیوں بے خبر رہے اور والیٔ غزنی نے بااختیار ہوتے ہوئے بھی تجھے عبرتناک سزا کیوں نہیں دی۔" ملکۂ غزنی کے لہجے سے نفرت و غضب کے شرارے پھوٹ رہے تھے۔

"واقعتاً یہ امیرِ مرحوم کی بڑی سنگین غلطی تھی کہ وہ مجھ جیسے بدعقیدہ انسان کو بیس سال تک برداشت کرتے رہے۔ اللہ ان کی مغفرت کرے اور میرے گناہوں کی پردہ پوشی پر انہیں جزائے خیر دے۔" یہ کہتے ہوئے نظام شاہ نے ایک نظر امام رکن الدین مسعود کی طرف دیکھا، پھر پلٹ کر جھکی ہوئی نگاہوں کے ساتھ امیر الپتگین کی بیٹی سے مخاطب ہوئے۔

"اگر ملکۂ عالیہ سمجھتی ہیں کہ میری بدعقیدگی سے اہلِ غزنی کا ایمان متاثر ہو رہا ہے تو پھر جلد از جلد اس گناہ گار کے سلسلۂ حیات کو منقطع کر دیجئے۔" نظام شاہ نے بڑے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "شاید یہ ہے کہ اب مجھے بھی یہ سر اپنے کاندھوں پر گراں محسوس ہونے لگا ہے۔ ہو سکے تو آپ ہی اس بوجھ کو ہٹا کر دیجئے۔"

نظام شاہ کی یہ جرأتِ گفتار دیکھ کر ملکۂ غزنی چند لمحوں کے لئے سناٹے میں آ گئی مگر پھر فوراً ہی سنبھل کر بولی۔ "امیر کا معاملہ امیر کے ساتھ قبر میں چلا گیا۔ اب میں اہلِ غزنی کے دیگر حقوق کے ساتھ ان کے عقائد کی بھی نگہبان ہوں۔ اس لئے ازراہِ کرم تجھے ایک بار موقع دیا جاتا ہے کہ تُو راہِ راست پر آ جائے اور اس مجمعٔ عام میں اپنی بدعقیدگی سے تائب ہو جائے۔"

"آج میں بہت خوش ہوں کہ ملکۂ مہربان کو بندگانِ خدا کے حقوق کی حفاظت کے ساتھ ان کے عقائد کی درستگی کا بھی خیال آیا۔" نظام شاہ کے لہجے میں ناقابلِ بیان کرب پوشیدہ تھا۔ مگر وہ پھر بھی حسبِ عادت مسکرا رہے تھے۔ "ملکۂ عالیہ اطمینان رکھیں کہ یہ فقیرِ بے سروساماں نظام شاہ انہیں مایوس نہیں کرے گا۔"

"تو پھر ہم بھی تجھے اپنے الطاف و کرم کی بارش میں نہلا دیں گے تاکہ تیرے جسم کے ساتھ تیری روح کا میل بھی اُتر جائے۔" نظام شاہ کے جھکے ہوئے سر نے ملکۂ غزنی کو بڑے فریب میں مبتلا کر دیا تھا اور وہ اپنی اس فتح پر بے اختیار مسکرانے لگی تھی۔ پھر اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیتے ہوئے کہا۔ "نظام شاہ کی زنجیریں کھول دو کہ اب یہ ہمارے فرماں برداروں کی صف میں شامل ہو گیا ہے۔"

سپاہیوں نے فوری طور پر ملکۂ غزنی کے حکم کی تعمیل کی اور نظام شاہ کو زنجیروں سے آزاد کر کے زنداں کی طرف لے گئے۔

جب نظام شاہ، ملکۂ غزنی کے کمرے سے نکل رہے تھے تو انہوں نے رکن الدین مسعود کی آواز سنی۔ سلطنتِ غزنی کے سب سے بڑے درباری عالم انتہائی استہزائیہ لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"میں نے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ ملکۂ عالیہ کی ایک ہی نگاہِ قہر سے اس شعبدہ باز کا پورا وجود جل کر راکھ ہو جائے گا۔ وہ تو امیرِ مرحوم ہی تھے جو اپنی خوش عقیدگی کے سبب نظام شاہ کی ذات کا سائبان بنے ہوئے تھے۔ اب وہ سائبان اس کے سر سے ہٹا ہے تو وقت کی تیز دھوپ نے اس کی جھوٹی ولایت کا پیرہن جلا ڈالا ہے اور وہ گداگروں کے لہجے میں آپ کے ابرِ کرم کی بھیک مانگ رہا ہے۔"

"امام! ہم تمہارے شکرگزار ہیں کہ تمہاری بے مثال ذہانت نے اس سنگین سیاسی مسئلے کو حل کر دیا۔" ملکۂ غزنی نے گہری سانس لی۔ جیسے اس کے سر سے ناقابلِ برداشت بوجھ اُتر گیا ہو۔ "ذرا صاحب زادہ اسماعیل کی رسمِ تاجپوشی ادا ہو جائے، پھر ہم تمہارا قرض بھی ادا کر دیں گے۔"

"کیسا قرض ملکۂ محترم؟" امام رکن الدین مسعود نے حریصانہ لہجے میں پوچھا۔

"ہمیں اندازہ ہے کہ سرکاری سطح پر تمہاری مذہبی اور علمی خدمات کا بھرپور اعتراف نہیں کیا گیا ہے۔" ملکۂ غزنی نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔ "ہم بہت جلد تمہیں قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز کر دیں گے اور اس کے ساتھ ہی ایک بڑی جاگیر بھی بخش دیں گے تاکہ تم پورے سکون و اطمینان سے اپنے فرائض انجام دے سکو۔"

"سلطنتِ غزنی کا یہ پرانا نمک خوار، ملکۂ عالیہ کے کرم کا منتظر رہے گا۔" یہ کہہ کر امام رکن الدین مسعود نے سر جھکا دیا۔

❁❁❁❁❁

پھر جب امیر سبکتگین کے چہلم کے بعد سرکاری سطح پر سوگ کا سلسلہ ختم ہو گیا تو ایک دن اچانک دارالحکومت کی گلیاں اس پُرشور اعلان سے گونجنے لگیں۔

"اہلِ غزنی کو حکم دیا جاتا ہے کہ مقررہ وقت پر صاحب زادہ اسماعیل کے جشنِ تاجپوشی میں شرکت کریں۔ تاجپوشی کی یہ رسم، شیخ نظام شاہ کے مبارک ہاتھوں سے ادا ہوگی۔"

یہ بڑا گمراہ کن اعلان تھا۔ جسے سن کر غزنی کے تمام باشندے سناٹے میں آ گئے تھے۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ نظام شاہ کے طرزِ عمل میں اس قدر حیرت انگیز تبدیلی آ جائے گی۔ لوگ سکتے کے عالم میں ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے اور آنکھوں ہی آنکھوں میں سوال کر رہے تھے۔

"محمود کو بت شکن اور اپنا محمود کہنے والے نظام شاہ نے یہ کیا کیا؟ وہ اپنے الفاظ بھول گئے یا ناسازگار موسم نے ان کا مزاج بدل ڈالا؟"

بعض افراد نے ڈرتے ڈرتے یہ بھی کہا۔ "قید کی سختیوں نے نظام شاہ کو اپنے الفاظ بھول جانے پر مجبور کر دیا ہوگا۔"

کچھ دریدہ دہن اور زمانہ پرست لوگوں نے یہ بھی کہا۔ "وقت کے ساتھ ساتھ نظام شاہ بھی بدل گئے...... کب تک غربت و افلاس اور محرومیوں کی زندگی بسر کرتے؟ آخر وہ بھی انسان ہیں...... حکومت کے ساتھ کوئی تاجرانہ سمجھوتہ کر لیا ہوگا۔"

غرض ہزاروں منہ تھے اور لاکھوں باتیں...... ہر شخص اپنے اپنے ظرف اور ذہن کے مطابق اس اعلان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

پھر تاجپوشی کا دن آیا تو شہر غزنی کے در و بام کو اس طرح سجایا گیا کہ ماضی کی تمام زینتیں اور آرائشیں ماند ہو کر رہ گئیں۔

تاجپوشی کی تقریب کا اہتمام ایک وسیع و عریض میدان میں کیا گیا تھا تاکہ غزنی کے ہزاروں باشندے اس تقریب میں شریک ہو سکیں۔ ملکۂ غزنی بھی اسماعیل کی تاجپوشی کا یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی تھی، مگر شرعی پابندیوں نے اسے مجبور کر دیا تھا کہ وہ عدت کے دن ختم ہونے سے پہلے قصرِ شاہی سے باہر قدم نہیں رکھ سکتی تھی۔ پھر امام رکن الدین نے ملکۂ غزنی کی بیٹی کی شرکت کا یہ جواز تلاش کر لیا کہ عورت کا گھر سے نکلنا ناگزیر ہو تو ایک بیوہ، عدت کے دوران بھی مکان کی چار دیواری سے باہر جا سکتی ہے۔ امام کے نزدیک جشنِ تاجپوشی میں شرکت ایک ناگزیر صورتِ حال تھی، اس لئے ملکۂ غزنی بھی بنفسِ نفیس اس تقریب میں شریک ہوئی۔

پھر جب نظام شاہ مسندِ زرنگار پر نمودار ہوئے تو ہر طرف قبرستان کا سا سکوت طاری ہو گیا۔ لوگ دلوں کی بے ترتیب دھڑکنوں اور اُداس چہروں کے ساتھ اپنے اس روحانی مسیحا کو دیکھ رہے تھے، جو کچھ دیر بعد اپنے ہی ایک مشہور قول کی نفی کرنے والا تھا۔

نظام شاہ چند لمحوں تک وسیع و عریض میدان میں جمع ہونے والے اپنے عقیدت مندوں کو دیکھتے

رہے۔ پھر ان کی پُر جلال آواز اُبھری...... غزنی کے مردِ قلندر نے پہلے اپنے اللہ کی کبریائی بیان کی
انتہائی پُرسوز لہجے میں رسالتؐ پر گواہی دی اور اس کے بعد انسانی ہجوم سے مخاطب ہوئے۔

”اے غزنی کے سادہ دل اور ایماندار لوگو! آج تم پورے ہوش و حواس کے ساتھ سن لو کہ میرا اقرار کیا ہے۔ تم خوب جانتے ہو کہ میں نے زندگی بھر ہر مادی اقتدار کی نفی کی ہے۔ میں صرف اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کرتا ہوں اور تمہیں بھی حسبِ مقدور یہی سبق دیتا رہا ہوں۔ تم گواہ ہو کہ میں نے تمہاری معصوم عقیدتوں کو پرستش کے قالب میں ڈھلنے نہیں دیا...... اللہ علیم و خبیر ہے کہ اس کے اس گناہ گار و عاجز بندے نظام شاہ نے نہ خود کوئی بت تراشا اور نہ اپنے فانی وجود کو بت بنانے کی کوشش کی۔ میں ایک خاک بسر انسان ہوں۔ خاک ہی سے پیدا ہوا اور ایک دن خاک ہی میں مل جاؤں گا۔ تم خوب جانتے ہو کہ مجھے شاہانِ عصر اور اُمرائے وقت سے کبھی کوئی نسبت نہیں رہی۔ مگر ملکۂ غزنی فرماتی ہیں کہ امیر سبکتگین مرحوم کی بے جا عنایتوں نے مجھ گناہ گار کو سرفراز و سرخرو کر دیا ورنہ میں غزنی کی گلیوں میں گھومنے والا ایک گداگر ہوتا...... افسوس! ملکۂ معظمہ کو یہ راز معلوم نہیں ہو سکا کہ میں آج بھی بھکاری ہوں اور مرتے وقت بھی بھکاری ہی رہوں گا...... مگر کسی امیر کے در کا بھکاری نہیں، اپنے خالق و رازق کی بارگاہ کا بھکاری...... اگر امیرِ مرحوم زندہ ہوتے تو یقیناً اس امر پر شہادت دیتے کہ میں نے کبھی غزنی کے بیت المال سے ایک دینار یا درہم حاصل نہیں کیا۔ خیر! امیر تو دنیا سے جا چکے ہیں مگر ان کے بہت سے وزرائے سلطنت اس تقریب میں موجود ہیں...... اگر مجھ گداگر کے کمزور کاندھوں پر کسی کے بیش بہا تحفے اور کسی کی قیمتی نذر کا بارِ گراں ہے تو برسرِ محفل اُٹھ کر بتائے کہ میرے نزدیک یہ صاحبزادہ اسماعیل کا جشنِ تاجپوشی نہیں، بھکاری نظام شاہ کا یومِ حساب ہے۔“

یہ کہہ کر نظام شاہ چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گئے اور اپنے دائیں اور بائیں بیٹھے ہوئے امرائے مملکت کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھنے لگے۔ پورے مجمع پر سکوتِ مرگ طاری تھا۔ ہزاروں انسانوں کے ہجوم میں کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں تھا کہ جس کی سماعت تک نظام شاہ کی آواز نہ پہنچی ہو...... اور غزنی کے مردِ قلندر کی یہ ایک بڑی کرامت تھی۔

”اللہ میری اس کم ظرفی کو معاف فرمائے کہ میں تمہارے سامنے اپنے روز و شب کا حساب پیش کر رہا ہوں۔ اہلِ غزنی! تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ مجھے اپنی سانسوں کا سلسلہ برقرار رکھنے اور اپنے شکم کی آگ بجھانے کے لئے رات رات بھر مزدوری کرنی پڑتی ہے۔ بعض امرائے سلطنت اس بات پر گواہی دے سکتے ہیں کہ میں نے اپنے کمزور ہاتھوں سے ان کے پختہ مکانات کی تعمیر کی ہے...... مگر افسوس! ان محترم ہستیوں نے میری محنت و مزدوری پر کوئی شہادت نہیں دی اور پھر سمجھ لیا گیا کہ نظام شاہ، امیر سبکتگین مرحوم کی عنایات و نوازشات کے صدقے میں شاہی خزانے کے رحم و کرم پر پلنے والا ایک بھکاری ہے۔ میں غزنی کے با اختیار انسانوں سے اس بات کی شکایت نہیں کرتا کہ ان کی زمانہ سازی اور مصلحت پسندی نے مجھے ملکۂ عالیہ کی نظروں میں ایک گداگر بنا دیا ہے۔ بس گلہ ہے تو ان علمائے وقت سے، جو میری ذات پر بدعقیدگی اور گمراہی کی تہمت لگا رہے ہیں...... میرے ان فریب خوردۂ سیاست بھائیوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں اپنے پیر و مرشد سیّد امیر علی شاہ کے حکم پر غزنی آیا تھا تا کہ اپنے تحمل سے بندہ و آقا کی تفریق مٹا سکوں۔ یہاں کتنے ہونٹ تھے جو میری دست بوسی کے لئے بے قرار رہتے تھے اور کتنے ہاتھ

تھے جو میرے پیروں کو چھونے کے لئے مسلسل لپکتے رہتے تھے مگر میں نے انہیں اس بدعت و گمراہی سے دور رکھا اور ایک لمحے کے لئے بھی اپنا بت تراشنے نہیں دیا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ اس مملکتِ اسلامی میں کتنے ظاہری اور باطنی بت موجود ہیں اور کون کس کو کس انداز سے سجدہ کر رہا ہے۔ میں انہی بتوں کو توڑنے کے لئے یہاں آیا تھا۔ پہلے میں نے اپنے نفس کے بت کو ہلاک کیا...... پھر میں چاہتا تھا کہ اہلِ غزنی بھی اپنی آستینوں میں، اپنے دلوں میں اور اپنی روحوں میں چھپے ہوئے بتوں کو ریزہ ریزہ کر ڈالیں۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ اور پھر مجھے بے دین و گمراہ کہہ کر زنداں کے حوالے کر دیا گیا۔ یہ تو اللہ ہی جانتا ہے کہ اربابِ اقتدار میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ مگر اس سے پہلے میں اپنی گناہ گار ذات کو تمہاری عدالت میں پیش کرتا ہوں۔ اگر تم نے اپنی آنکھوں سے میرے کسی عمل میں بے دینی یا گمراہی کا ہلکا سا عکس بھی دیکھا ہے تو تمہیں تمہارے پیدا کرنے والے کی قسم ہے کہ تم سب مل کر پتھر اٹھا لو اور مجھے اس تاجپوشی کی رسم کے دوران سنگسار کر ڈالو۔ آج میں بھی تمہارے ہاتھوں سے تاجِ ملامت پہننا چاہتا ہوں۔“

نظام شاہ کی اذیت و کرب میں ڈوبی ہوئی تقریر سن کر حاضرین کے دل و دماغ میں آگ سی لگ گئی اور وہ بے قرار ہو کر چیخنے لگے۔ ”آپ کو گمراہ کہنے والے خود بدعقیدہ ہیں...... جھوٹے ہیں اور منافق و ریاکار ہیں۔ ہماری آنکھوں نے غزنی میں آپ سے زیادہ سچا اور باعمل مسلمان کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔“

اپنی رعایا کے پُرشور نعرے سن کر ملکۂ غزنی کے چہرے پر وحشت برسنے لگی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ نظام شاہ اس جرأت و بے باکی کے ساتھ اس کی بچھائی ہوئی پوری بساطِ سیاست اُلٹ کر رکھ دیں گے۔ زرنگار مسند پر بیٹھے ہوئے امرائے سلطنت کا بھی برا حال تھا کہ آج وہ پہلی بار عوام کے سامنے بے نقاب ہوئے تھے اور انہیں رُسوا کرنے والا ایک ضعیف و ناتواں مزدور تھا۔ رات کے اندھیرے میں مزدوری کرنے والا نظام شاہ۔

ملکۂ غزنی کو اس بات کا یقین ہو چلا تھا کہ نظام شاہ اس کے منصوبے کے مطابق عمل نہیں کریں گے۔ مگر پھر بھی وہ اس سرکش انسان کی زبان سے آخری لفظ سننے کی منتظر تھی تا کہ حجت پوری ہو سکے اور نظام شاہ پر تشدد کرنے کا قانونی جواز حاصل ہو سکے۔

اور پھر نظام شاہ نے ایسا ہی کیا۔

”لوگو! ملکۂ غزنی کی خواہش ہے کہ میں اپنے ہاتھوں سے ان کے چھوٹے صاحب زادے کو تاج پہناؤں اور اس کے ساتھ ہی اسماعیل کو اپنا امیر بھی تسلیم کر لوں۔“ مختصر سے سکوت کے بعد ایک بار پھر نظام شاہ کی بارُعب آواز پورے میدان میں گونج رہی تھی۔ ”اہلِ غزنی غور سے سن لیں کہ یہ بدترین حق تلفی ہے اور میں اس ناانصافی کے خلاف شدید احتجاج کرتا ہوں۔ ملکۂ عالیہ اور ان کے وفادارانِ سلطنت کو خواہ کتنا ہی گراں گزرے مگر یہ سچ ہے کہ امیر سبکتگین سے آخری وقت میں غلطی سرزد ہوئی۔ مرحوم فرمانروا خوب جانتے تھے کہ صاحب زادہ اسماعیل نوعمر بھی ہیں اور ناتجربہ کار بھی...... ان کی مختصر سی زندگی قصرِ شاہی کے عشرت زدہ اور کیف آور ماحول میں گزری ہے...... ان کے نرم و نازک ہاتھ ایک شمشیر کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتے تو وہ اتنی بڑی سلطنت کا بارِ گراں کیسے برداشت کر سکیں گے۔ اقتدار کی امانت تو پہاڑوں سے بھی زیادہ وزن رکھتی ہے۔ اس لئے میں ملکۂ عالیہ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ عدل و انصاف سے کام لیتے ہوئے صاحب زادہ محمود کو غزنی طلب فرمائیں اور امیرِ مرحوم کی وراثت بحسن و خوبی

انہیں منتقل کر دیں کہ وہی سلطنتِ غزنی کے جائز وارث ہیں۔"

ابھی نظام شاہ کے الفاظ کی گونج باقی تھی کہ ملکۂ غزنی کے اشارے پر چند سپاہی آگے بڑھے اور نظام شاہ کو پکڑ کر مسند سے نیچے لے جانے کی کوشش کرنے لگے۔

"لوگو! میں جا رہا ہوں۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ میری اور تمہاری آخری ملاقات ہو..... اقتدار کے نمائندوں نے میری قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ میں نے ان کی آنکھوں میں لکھی ہوئی ساری تحریریں پڑھ لی ہیں۔ مگر تم مایوس نہ ہونا کہ میرا فرزند، میرا محبّ اور میرا بت شکن محمود ایک دن ضرور آئے گا۔ تم اپنے گھروں میں خاموش رہ کر اس کا انتظار کرنا۔ میں تمہیں تنبیہ کرتا ہوں کہ تم اپنی زبانیں نہ کھولنا۔ میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ جبر و ستم کی تمام شمشیریں بے نیام ہو چکی ہیں۔ طاقت کے نشے میں ڈوبے ہوئے یہ وحشی تمہاری جنبشِ لب کا بہانہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ اگر تمہارے ہونٹ کانپے تو تم اپنی زبانوں سے محروم ہو جاؤ گے اور تمہارے آباد گھروں کو ویران کھنڈروں میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تم پر کوئی آفت نازل ہو۔ میں بغاوت کے اس جرم میں تنہا ہوں اور تنہا ہی رہنا چاہتا ہوں۔ اللہ تمہارے حقوق کی حفاظت کرے۔"

نظام شاہ کی آواز دُور ہوتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ ملکۂ غزنی کے سپاہی انہیں کھینچتے ہوئے میدان کے عقبی حصے سے نکال کر زندان کی طرف لے گئے۔

صاحبزادہ اسماعیل کے جشنِ تاجپوشی پر یکایک کسی ماتمی تقریب کا گمان ہونے لگا تھا۔ غزنی کے ہزاروں باشندے اشکبار آنکھوں اور شکستہ دلوں کے ساتھ اس طرح خاموش کھڑے تھے جیسے وہ اپنی محبوب ہستی کے جنازے میں شرکت کے لئے آئے ہوں۔ میت دفن ہو چکی ہو اور اب وہ حسرت زدہ نظروں سے خاک کے ڈھیر کو دیکھ رہے ہوں۔

اکثر لوگ ملکۂ غزنی کے سامنے اپنے مسیحا کی گرفتاری پر احتجاج کرنا چاہتے تھے مگر اب تک ان کی سماعتوں میں نظام شاہ کے الفاظ گونج رہے تھے۔

"تم اپنے گھروں میں خاموش رہ کر محمود کا انتظار کرنا۔"

پھر غزنی کے عوام نے خود اپنی آنکھوں سے نظام شاہ کے الفاظ کی صداقت کا مشاہدہ کر لیا۔ بے نیام تلواریں اُن کے سروں پر برقِ ستم کی طرح لہرا رہی تھیں۔ یہ ایک کھلا ہوا خاموش اشارہ تھا کہ وہ اپنی زبانیں بند رکھے۔

نظام شاہ کے جاتے ہی ملکۂ غزنی نے امام رکن الدین مسعود کو حکم دیا کہ وہ ولی عہدِ غزنی اسماعیل کی رسمِ تاجپوشی اپنے ہاتھوں سے ادا کریں۔ درباری عالم کے لئے ان کی زندگی کا یہ سب سے بڑا اعزاز تھا۔ امام رکن الدین مسعود عجیب سی سرشاری کے عالم میں اپنی نشست سے اُٹھے اور ملکۂ غزنی کے آگے نصف قد تک خم ہو گئے۔

"امام! صاحبزادہ اسماعیل کو تاجِ زرنگار پہناؤ اور پھر رعایا کے سامنے ایک طویل اور پُرجوش تقریر کرو تاکہ ان بے خبر لوگوں پر امیر سبکتگین مرحوم کی وصیت کی اہمیت ظاہر ہو سکے اور ان کی پریشان اور وحشت زدہ نظریں اپنے نئے فرمانروا کے حضور سجدہ ریز ہو جائیں۔" ملکۂ غزنی نے سرگوشی کے انداز میں امام رکن الدین مسعود کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

ایک زمانہ ساز عالم کے اعصاب پر جلالِ شاہی اس طرح طاری ہو چکا تھا کہ جب امام رکن الدین مسعود نے تاجِ زرنگار اٹھایا تو ان کے ہاتھوں میں ہلکی ہلکی لرزش موجود تھی۔ فاصلہ زیادہ ہونے کے باعث غزنی کے عوام تو یہ منظر نہیں دیکھ سکے مگر امرائے سلطنت اور دیگر سردارانِ قوم نے بڑی حیرت سے دیکھا کہ صاحبزادہ اسماعیل کے سر پر تاج رکھتے ہوئے امام رکن الدین مسعود کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

پھر جب اسماعیل نے تاجِ زرنگار پہن لیا تو مسندِ شاہی پر بیٹھے ہوئے تمام امرائے سلطنت کھڑے ہو گئے اور ملکۂ غزنی کو مبارکباد پیش کرنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی سینکڑوں وفادارانِ حکومت کی پُرجوش آوازیں گونجنے لگیں۔

"ملکۂ عالیہ اور امیرِ غزنی کو یہ تقریبِ سعید مبارک ہو اور خدا اس عظیم خاندان کی بلند اقبالی کو دشمنوں کے فتنہ و شر اور حاسدوں کی نظرِ بد سے محفوظ رکھے۔"

جیسے ہی سردارانِ قوم کی آوازیں بلند ہوئیں، پورا میدان مبارک باد کے شور سے گونجنے لگا۔ مگر یہ آوازیں غزنی کی رعایا کی نہیں، ان ہزاروں سپاہیوں کی تھیں جو اپنی بے نیام شمشیروں کے ساتھ مقامی باشندوں پر مسلط کر دیئے گئے تھے۔ غزنی کی رعایا نے ابھی تک اپنے نئے امیر کی اطاعت کا اعلان نہیں کیا تھا۔ مگر جب مسلح سپاہیوں نے انہیں موت کی دھمکیاں دے کر مجبور کر دیا تو پھر وہ بھی سلطنت کے دوسرے نمک خواروں کی آواز میں آواز ملانے لگے۔ لیکن یہ آوازیں جذبات سے خالی اور بہت تھکی ہوئی آوازیں تھیں۔ اہلِ غزنی کی زبانوں پر جبر و ستم کی تیز شمشیروں کے پہرے تھے، اس لئے وہ شدید حالتِ مجبوری میں امیر اسماعیل کی اطاعت کا اعلان کر رہے تھے۔ مگر ان کے دل محمود کے ساتھ تھے اور دلوں پر دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی پہرے نہیں بٹھا سکتی تھی۔

پھر جب مبارک بادوں کا شور ختم ہوا تو امام رکن الدین مسعود، ملکۂ عالیہ کی خواہش کے مطابق انسانی ہجوم سے مخاطب ہوئے۔

"اے غزنی کے غیرت مند باشندو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم آنکھیں بند کر کے ایک شعبدہ باز کے پیچھے چل رہے ہو؟" امام رکن الدین مسعود ایک توانا انسان تھے، اس لئے پوری طاقت سے بول رہے تھے۔ "تم جانتے ہو کہ تمہاری اس روش کا انجام کیا ہو گا؟ تم ایک بدعقیدہ انسان کی تقلید کر کے اپنی دنیا بھی برباد کر ڈالو گے اور اپنی آخرت بھی۔" امام رکن الدین مسعود، نظام شاہ پر یہ الزام تراشی اس لئے کر رہے تھے کہ ان کے ظاہری علم کی بھرپور نمائش ہو سکے۔ اور پھر اہلِ غزنی کے دلوں میں ان کے لئے عقیدت و احترام کے جذبات پیدا ہو جائیں۔ "تم نہیں جانتے کہ نظام شاہ کون ہے؟" امام کے لہجے میں ان کا فطری حسد نمایاں ہو رہا تھا۔ "وہ ایک جاہل شخص ہے۔ جسے نہ قرآن کا علم آتا ہے اور نہ حدیث کا۔ وہ کسی بھی مذہبی مسئلے میں تمہاری رہنمائی نہیں کر سکتا۔ پھر کیوں تم نے اپنی گردنوں کو اس کے آگے خم کر دیا؟ کیا تمہیں اپنی آخرت عزیز نہیں؟ اور کیا تم اپنے اللہ سے نہیں ڈرتے؟"

امام رکن الدین مسعود کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔

"میں نے سنا ہے کہ تم نظام شاہ کو ولی کامل سمجھتے ہو۔ آخر تم نے اُس کی مجہول شخصیت میں ایسی کون سی علامت دیکھی ہے؟ اگر وہ ولایت کے درجے پر فائز ہوتا تو پھر اتنی آسانی سے زنجیریں کیوں پہن لیتا؟" امام رکن الدین مسعود اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لئے بڑی جاہلانہ دلیل پیش کر رہے

تھے۔ ”اگر وہ ولی ہے تو پھر عام قیدیوں کی طرح جانبِ زنداں کیوں چلا گیا؟ زنجیریں اس کے جسم سے ٹ کر پگھل کیوں نہیں گئیں؟ اور اس کی نگاہِ جلال نے قید خانے کو آگ کیوں نہیں لگا دی؟“

یہ کہہ کر امام رکن الدین مسعود چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گئے۔ وہ غزنی کے عوام پر اپنی گفتگو کا ردِ عمل دیکھنا چاہتے تھے۔

اہلِ غزنی چپ چاپ کھڑے رہے مگر اُن کے چہروں پر شدید ناگواری کے آثار نمایاں تھے۔

”آج تمہیں اس حقیقت کو سمجھ لینا چاہئے کہ نظام شاہ ایک بھٹکا ہوا انسان ہے۔“ امام رکن الدین مسعود نے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”اور اُسے ولی کامل سمجھنے والے بھی یکسر گمراہ ہیں۔ غزنی میں صرف اس لئے ٹھہرا ہوا ہے کہ تمہارے عقائد کی مضبوط عمارت میں گہرے شگاف ڈال دے اور پھر تم ایک دن بے عمل مسلمان بن کر رہ جاؤ۔ یاد رکھو! کہ اگر تم نظام شاہ کے حلقۂ عقیدت سے باہر نہ نکلے تو اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے...... اور پھر تمہارے لئے گمراہی کے سوا کچھ باقی نہیں رہے گا۔“

ابھی امام رکن الدین مسعود کے الفاظ کی ہلکی سی گونج باقی تھی کہ مجمع سے چند آوازیں اُبھریں۔

”امام! تم جھوٹ بولتے ہو۔ ہم نے تم جیسا زمانہ پرست عالم نہیں دیکھا۔ تم نے ہر دور میں اقتدار کو سجدہ کیا ہے...... اور اس وقت بھی تم طاقت کے سامنے سر جھکائے کھڑے ہو۔ نظام شاہ کچھ بھی سہی مگر ہم نے انہیں کبھی اقتدار کے آگے سجدہ ریز نہیں دیکھا۔“

یہ آوازیں ان چند جانبازوں کی تھیں، جن سے نظام شاہ پر لگائی جانے والی تہمت برداشت نہیں ہو سکی تھی اور جو ہزار پہروں کے درمیان اپنے دل کی بات کہنے سے باز نہیں رہ سکے تھے۔

ابھی ان صداؤں کی گونج باقی تھی کہ فضا میں ایک اور گرج دار آواز اُبھری۔

”اگر یہ امیر اسماعیل کے جشنِ تاجپوشی کا پُر مسرت موقع نہ ہوتا تو ان بے ادبوں کی زبانیں دہن سے الگ کر دی جاتیں اور ان کے اُٹھے ہوئے مغرور سروں کو کاندھوں سے جدا کر دیا جاتا۔“ غزنی کا نیا سپہ سالار سردار امیر جلال، آتش بار لہجے میں بول رہا تھا۔ محمود کا حامی ہونے کے باعث بوڑھے حماد بن ساریہ کو زنداں کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ ”میں اس دھنک رنگ تقریب کو ان گستاخوں کے خون سے رنگین کرنا نہیں چاہتا۔“ سردار امیر جلال نے اپنے سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اس لئے انہیں قید خانے میں ڈال دو۔ یہ ایک عالمِ دین کی شان میں گستاخی کے مرتکب ہوئے ہیں اور در پردہ امیرِ معظم کے اقتدار کی نفی کر رہے ہیں۔ اس تقریب کے اختتام کے بعد عدالتِ عالیہ ان سرکشوں کے جرائم کا تفصیلی جائزہ لے گی اور پھر مناسب سزا تجویز کرے گی۔“

اس حکم کے ساتھ ہی سالارِ غزنی، امیر جلال کے سپاہی نظام شاہ کے چند بے دست و پا عقیدت مندوں کو زد و کوب کرتے ہوئے میدان سے باہر لے گئے۔ اس وقت جشنِ تاجپوشی میں جمع ہونے والے ہزاروں انسانوں کو نظام شاہ کے الفاظ کی بازگشت سنائی دی۔

”تم اپنی زبانیں بند رکھنا کہ جبر و ستم کے یہ نمائندے تمہاری موت کا بہانہ ڈھونڈ رہے ہیں۔“

اپنے چند ہم نواؤں کے ساتھ اقتدارِ اعلیٰ کا یہ جابرانہ سلوک دیکھ کر اہلِ غزنی کے دل رو رہے تھے مگر ان کی زبانیں خاموش تھیں۔

پھر جب آمریت کمزور انسانوں کے سامنے اپنی طاقت کا بھرپور مظاہرہ کر چکی تو امام رکن الدین

مسعود بڑے ریاکارانہ لہجے میں دوبارہ غزنی کے عوام سے مخاطب ہوئے۔

”لوگو! مجھے اس بات کا دکھ نہیں کہ تم میرے بارے میں کیا سوچتے ہو۔ میرا غم یہ ہے کہ تم نے اپنی کم علمی یا بے خبری کے سبب اپنے عقائد تباہ کر ڈالے ہیں۔ ایک نام نہاد اور جاہل درویش تمہیں بغاوت کی ترغیب دیتا ہے تاکہ آخرت کے ساتھ تمہاری دنیا بھی خراب ہو جائے۔ اگر نظام شاہ کوئی مذہبی عالم ہوتا تو نہیں بتاتا کہ امیر کسے کہتے ہیں اور اطاعت کیا ہوتی ہے؟“

یہ کہہ کر امام رکن الدین مسعود چند لمحوں کے لئے خاموش ہوئے اور مجمعِ عام پر نظر ڈالی۔ مگر وہاں بیشتر انسانوں کے چہروں پر نفرت و بیزاری کے سوا کسی اور جذبے کا دھندلا سا عکس بھی نہیں تھا۔ بے شمار ہجوم کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر امام رکن الدین مسعود کو احساس ہو چلا تھا کہ وہ کسی طرح بھی اہلِ غزنی کے دلوں سے نظام شاہ کے لئے عقیدت و احترام کے نقوش کو مٹا نہیں سکیں گے۔ مگر حقِ نمک ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اقتدار حاصل کرنے کے لئے وہ پورے زور و شور سے بول رہے تھے۔

”لوگو! میری طرف غور سے دیکھو اور پورے ہوش و حواس کے ساتھ سنو! جب امیر سبکتگین مرحوم کی وصیت موجود ہے تو پھر اسے جھٹلانے والا میں کون ہوتا ہوں؟“ امام رکن الدین مسعود نے غزنی کے عوام کو متاثر کرنے کے لئے عجیب انداز اختیار کیا تھا۔ ”تم اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتے کہ امیرِ مرحوم نے بیس سال تک عدل و انصاف کے ساتھ غزنی پر حکومت کی اور بے شمار خوں ریز معرکوں میں فتح اور سربلندی ان کے ہم رکاب رہی۔ ان کا دل ہمارے دلوں سے کشادہ، ان کی آنکھیں ہماری آنکھوں سے زیادہ بیدار اور ان کا دماغ ہمارے دماغوں سے زیادہ روشن تھا۔ امیر جنت مکاں نے ملتِ اسلامیہ کے حق میں جو بہتر سمجھا، مرتے وقت اسی پر عمل کیا۔ وہ بہترین منتظم بھی تھے اور اعلیٰ ترین مدبر بھی۔ کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ مسجد کے ایک گوشے میں اپنی ساری زندگی بسر کر دینے والا نظام شاہ، امورِ سلطنت کو امیرِ مرحوم سے زیادہ بہتر سمجھتا ہے؟ معاذ اللہ! کیا میری آنکھوں کو یہ دن بھی دیکھنا پڑے گا کہ اہلِ دانش، برسرِ مجلس جھٹلا دیئے جائیں اور قلندری کی عبا پہنے ہوئے ایک پاگل شخص مذہبی اور سیاسی امور میں مسلمانانِ غزنی کی رہنمائی کرے؟ ہزار بار اپنے اللہ کی پناہ! کسی قوم کے لئے اس سے بڑی بدبختی اور کیا ہو گی کہ وہ اپنی دنیا اور آخرت ایک دیوانے کے حوالے کر دے۔ کاش! میرے برادرانِ ملت یہ راز سمجھ سکتے کہ نظام شاہ جاہل و بے خبر ہونے کے ساتھ ساتھ ذہنی خلل کا بھی شکار ہے۔ اگر اس کا دماغی توازن درست ہوتا تو وہ اپنی زندگی اس طرح برباد نہ کرتا۔ تم لوگ نہیں جانتے کہ امیر سبکتگین مرحوم نے اسے کتنی بار سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ مسجد کے گوشے سے نکل کر انسانی ہجوم کے درمیان آئے اور علمی مجالس میں شرکت کر کے قرآن و حدیث کی تفسیر و شرح بیان کرے اور عوام الناس کو کم علمی کے تاریک غار سے نکالے۔ مگر اس نے ایک بار بھی ایسا نہیں کیا۔ اور نظام شاہ ایسا کر بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ ایک جاہل محض ہے، اس کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس نے اپنی جہالت اور دیوانگی کو ایک پیوند لگے کمبل میں چھپانے کی بہت کوشش کی ہے مگر اہلِ نظر خوب جانتے ہیں کہ اپنی بہت سی محرومیوں کے سبب نظام شاہ ایک نفسیاتی مریض بن چکا ہے اور اسی لئے قدم قدم پر اہلِ علم کی دستارِ فضیلت اُچھالتا پھرتا ہے۔ اس کا خود اپنا کوئی لباس نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ صاحبانِ فضل و کمال کے پیرہن کو تار تار کر دینا چاہتا ہے۔ کیا تم نظام شاہ کے اس گستاخانہ عمل کو قلندری سمجھتے ہو؟ اور کیا تم اس کے اس وحشیانہ سلوک کو ولایت کا درجہ دیتے ہو؟ ہرگز نہیں! ہرگز

نہیں۔" شدتِ نفرت و غضب سے امام رکن الدین مسعود کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ "تم اسے ولی کامل سمجھتے ہو حالانکہ وہ ایک بڑا تارکِ سنت ہے۔ تم نے کبھی اس سے یہ پوچھا کہ وہ شادی کیوں نہیں کرتا؟ وہ عام شرع کا مذاق اُڑاتا ہے اور تم لوگ اُس کے قدموں کی خاک کو تبرک سمجھ کر اپنے چہروں پر مل رہے ہو۔ لوگو! تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ وہ جاہل بھی ہے، مجنوں بھی ہے اور فاسق و فاجر بھی۔"

امام رکن الدین مسعود کے دل و دماغ میں نظام شاہ کے خلاف نفرت کا جس قدر زہر تھا، وہ ان کے ہونٹوں سے اُبل پڑا تھا۔ "غزنی کے سادہ دل اور بے خبر باشندو! تمہیں کیا پتہ کہ امیر جنت مکاں کتنے اعلیٰ ظرف انسان تھے۔ میں کبھی اس راز کو فاش نہیں کرتا لیکن کیا کروں کہ غزنی کی سیاسی صورت حال نے مجھے لب کشائی پر مجبور کر دیا ہے۔ میری بات غور سے سنو کہ بیس سال پہلے غزنی میں ایک تاجر اسد شیرازی رہتا تھا۔ اس نے مملکتِ اسلامیہ اور امیر سبکتگین کے خلاف بڑی گھناؤنی سازشیں کیں۔ یہاں تک کہ اسے اور اس کی بیٹی ارمغانہ کو ملک بدر کر دیا گیا۔ آج اسی اسد شیرازی نے مرتد ہو کر ہندو مذہب اختیار کر لیا ہے اور اس کی بیٹی ارمغانہ، راجہ جے پال کی داشتہ بن کر زندگی گزار رہی ہے۔"

یہ کہہ کر امام رکن الدین مسعود ایک بار پھر کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گئے اور عوام کے چہروں پر اپنی پُر جوش تقریر کا ردِعمل تلاش کرنے لگے۔ اب فضا میں کسی قدر تبدیلی ہو چلی تھی اور عوام کے اُترے ہوئے چہروں پر حیرت کے آثار اُبھرنے لگے تھے۔

"لوگو! اسد شیرازی کا قصہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔" امام رکن الدین مسعود نے مختصر سے سکوت کے بعد حیرت و استعجاب میں ڈوبی ہوئی رعایا کو دوبارہ مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اُس منافقِ اعظم اسد شیرازی کی چھوٹی بیٹی نگار خانم اسی شہرِ غزنی میں رہتی ہے اور اُس کی کفالت تمہارا یہی روحانی باپ نظام شاہ کرتا ہے۔ کبھی تم لوگوں نے اس حقیقت پر غور کیا کہ ایسا کیوں ہے؟ اب میں تم سے بس ایک ہی سوال کرتا ہوں کہ اسد شیرازی جیسے بدترین دشمنِ اسلام کی بیٹی کو اس طرح پناہ دینا کیا معنی رکھتا ہے؟...... یاد رکھو کہ میں اپنا فرض ادا کر چکا۔ اگر تمہیں توفیق میسر ہو تو میرے اس سوال کا جواب تلاش کرنا۔ مجھے یقین ہے کہ جب تم میرے اس سوال کا جواب ڈھونڈ لو گے تو خود اپنے ہی ہاتھوں سے نظام شاہ کے زہد و تقویٰ کی مصنوعی قبا کو چاک کر ڈالو گے کہ اوّل و آخر وہ ایک بڑا ہی منافق اور ریاکار ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔"

یہ کہہ کر امام رکن الدین مسعود اپنی نشست پر بیٹھ گئے۔ ملکۂ غزنی، نئے امیر سلطنت اسماعیل، سالار امیر جلال اور دیگر سردارانِ قوم نے ستائشی نظروں سے امام رکن الدین مسعود کی طرف دیکھا۔ لوگوں کے خیال میں درباری عالم کی پُر جوش تقریر اور ناقابلِ تنسیخ دلائل نے نظام شاہ کی شخصیت کو پارہ پارہ کر دیا تھا۔

"امام! آج ہم تمہارے علم و فضل کے قائل ہو گئے۔" ملکۂ غزنی نے اپنی بائیں جانب جھک کر سرگوشی کے انداز میں کہا۔ "امیرِ مرحوم نے بجا طور پر تمہیں یہ منصبِ عظیم عطا کیا تھا۔ ہماری نظریں فریب کار نظام شاہ کے اندھے پرستاروں کے بجھے ہوئے چہرے دیکھ رہی ہیں۔ اب ان آنکھوں میں عقیدت کے بھڑکتے ہوئے شعلے نہیں، مایوسی اور بیزاری کی اُڑتی ہوئی راکھ ہے۔"

"امیرِ جنت مکاں کا یہ ادنیٰ نمک خوار، ملکۂ عالیہ کا شکرگزار ہے کہ اس کی حقیر کوششوں کو بڑی

قدر کے ساتھ سراہا گیا۔" امام رکن الدین مسعود نے احتراماً سر جھکاتے ہوئے کہا۔ "میں نے غزنی کی رعایا کے ذہنوں میں، دلوں میں اور روحوں میں شک کا بیج بو دیا ہے۔ رات گزرتے گزرتے یہ بیج ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر لے گا اور صبح ہوتے ہوتے نظام شاہ اپنے پرستاروں کی نظروں میں ایک لعنت زدہ انسان بن کر رہ جائے گا۔ ملکۂ عالیہ بہت جلد اپنی آنکھوں سے یہ منظر بھی دیکھیں گی کہ سادہ لوح اور بے یقین لوگ اپنے ہی تراشے ہوئے بتوں کو اپنے ہی ہاتھوں سے کس طرح توڑتے ہیں؟" امام رکن الدین مسعود کے لہجے میں بڑی جارحیت اور رعونت پوشیدہ تھی۔

ملکۂ غزنی کا مقصد تو پورا نہیں ہو سکا تھا، مگر امام رکن الدین مسعود کی تقریر سن کر نظام شاہ کے اکثر عقیدت مند سناٹے میں آگئے تھے اور ان کے چہروں پر شکوک و شبہات کی پرچھائیاں لرزنے لگی تھیں۔ ملکۂ غزنی، رعایا کے ذہنی انتشار کو اپنی سیاسی کامیابی سمجھ رہی تھی۔ درباری عالم کے بقول نظام شاہ کے بت میں بڑے شگاف پڑ گئے تھے اور ان کی روحانی عظمت کا قد آور مجسمہ ٹوٹ کر زمیں بوس ہونے والا تھا۔

✻✻✻✻✻

امیر اسماعیل، معززینِ شہر کی نذریں قبول کر رہا تھا اور اُس کے بے ضمیر گماشتے غزنی کے گلی کوچوں میں نظام شاہ پر الزام تراشی کرتے پھر رہے تھے۔

"تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ تمہارے روحانی مسیحا کا اعمال نامہ کس قدر سیاہ ہے۔" حکومت کے زر خرید غلام سادہ دل لوگوں کو مخاطب کر کے کہتے۔ "تمہیں اندازہ ہوگیا کہ خود نظام شاہ کیسی مہلک بیماری میں مبتلا ہے۔ پھر وہ تمہارا علاج کیا کرے گا؟"

امام رکن الدین مسعود نے غزنی کی رعایا کے ذہنوں میں شک کا جو بیج بویا تھا، امیر اسماعیل کے کارندے ناشائستہ الفاظ کے پانی سے اسی بیج کو سیراب کر رہے تھے تاکہ وہ جلد از جلد پھوٹ کر ایک تناور درخت بن جائے۔ نظام شاہ کے خلاف اس گمراہ کن تشہیر نے دارالحکومت کے باشندوں کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ان لوگوں میں ایک گروہ ایسا تھا جو اسد شیرازی کی بیٹی نگار خانم کے حوالے سے نظام شاہ کے کردار پر شک کرنے لگا تھا۔ یہ شہرِ غزنی کے پڑھے لکھے لوگ تھے جو صرف مادہ پرستی اور عقل کی روشنی میں ایک مردِ قلندر کی شخصیت کا جائزہ لے رہے تھے۔ اور پھر ان کے دماغوں نے فیصلہ صادر کر دیا تھا کہ نظام شاہ بھی ایک انسان ہیں، اس لئے بے راہ روی کا شکار ہو سکتے ہیں۔

دوسرا طبقہ ان لوگوں کا تھا، جو آسودہ حال خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے اور ہمیشہ نظام شاہ سے ناراض رہا کرتے تھے۔ ان کی ناراضگی کی صرف ایک ہی وجہ تھی کہ نظام شاہ نے انہیں کبھی لائق التفات نہیں سمجھا تھا۔ وہ اکثر قیمتی تحائف اور نذریں لے کر ایک مردِ قلندر کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے مگر نظام شاہ انہیں مسجد کے دروازے ہی سے ناکام و نامراد واپس لوٹا دیا کرتے تھے۔ اس قبیل کے لوگ چاہتے تھے کہ نظام شاہ کی دعاؤں کے اثر سے ان کے ناجائز مقاصد اور حرام تمنائیں بار آور ہو جائیں۔ اس سلسلے میں نظام شاہ جیسا مردِ پاکباز اپنا دستِ دعا تو کیا بلند کرتا، اس نے ان ہوس پرستوں کو اپنے حضور لب کشائی کی بھی اجازت نہیں دی اور ان کے بڑھے ہوئے سوالی ہاتھوں کو اس طرح جھٹک دیا جیسے کوئی باشرع مسلمان اپنے لباس پر گر جانے والی نجاست کو صاف کر دیتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ دولت کے نشے میں ڈوبے ہوئے انسانوں کی یہ مختصر سی جماعت نظام شاہ کو انتہائی ناپسندیدہ انسان سمجھتی تھی۔ اور آج جب

انہیں یہ معلوم ہوگیا کہ نظام شاہ حکومتِ وقت کے معتوب قرار پا چکے ہیں تو ان کی زبانیں دراز ہوگئیں
وہ بھی امام رکن الدین مسعود کی طرح غزنی کے مردِ قلندر پر رکیک و شرمناک بہتان تراشنے لگے۔

غزنی کے شہریوں میں ایک طبقہ ایسا بھی تھا، جو عجیب سی ذہنی کشمکش کا شکار ہو کر رہ گیا تھا۔ امام رکن الدین کے پیش کردہ شواہد اور دلائل انہیں ورغلاتے تھے کہ وہ نظام شاہ کی روحانیت کے منکر ہو جائیں...... مگر نظام شاہ کی شانِ بے نیازی ان سے سرگوشیاں کرتی تھی کہ غزنی کا مردِ قلندر ان تمام الزامات سے بری ہے۔ دل و دماغ میں اُٹھنے والے وسوسوں کے اس طوفان نے انہیں بڑے عجیب کرب سے دوچار کر دیا تھا۔ اسی لئے وہ کسی نتیجے پر پہنچ نہیں پا رہے تھے۔ اور مجبوراً انہوں نے خاموشی اختیار کرلی تھی۔ پھر بھی وہ نظام شاہ کی اس بات سے متفق تھے کہ امیر سبکتگین مرحوم نے سیاسی حقیقتوں کو نظر انداز کر کے کمزور اور غلط کاندھوں پر بارِ امانت ڈال دیا ہے اور اس سیاسی لغزش کے بڑے سنگین نتائج برآمد ہوئے تھے۔ غزنی کے باخبر عوام کا یہ طبقہ فطری طور پر غیر جانبدار تھا اور اپنی اسی غیر جانبداری کے سبب وہ نظام شاہ کی رائے سے اتفاق کرتا تھا کہ محمود ہی سلطنتِ غزنی کا جائز وارث ہے۔

یہ غزنی کے باشندوں کی دماغی اور دلی کیفیات تھیں، جو تعداد میں بہت کم تھے۔ اور جہاں تک عوام کی اکثریت کا سوال تھا تو اس پر امام رکن الدین مسعود کی لفظی شعبدہ بازی کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ غزنی کے عوام کی یہ اکثریت غریبوں، محتاجوں، ناداروں، مزدوروں اور بے سہارا انسانوں پر مشتمل تھی۔ کچھ دیر کے لئے ان لوگوں کے ذہنوں میں بھی وسوسوں کی آندھیاں چلی تھیں اور آنکھوں کے سامنے شک کا اندھیرا پھیل گیا تھا، مگر چند لمحوں کے بعد ہی عقیدت کی تیز بارش نے اس گرد و غبار کو دھو ڈالا اور حُسنِ ظن کی جلتی ہوئی قندیل نے آگے بڑھ کر بدگمانی کی تاریکی کا گلا گھونٹ دیا۔ ان سادہ دل انسانوں کی نظروں میں نظام شاہ کا پورا ماضی اُبھر آیا۔ اور پھر ان لوگوں نے دیکھا کہ آبلہ پا نظام شاہ کیسے کیسے بھیانک خارزاروں سے ہنستے ہوئے گزرے ہیں اور اہلِ اقتدار کی بھڑکتی ہوئی حرص و ہوس کی آگ سے انہوں نے اپنا دامن کس طرح بچایا ہے۔

غزنی کے عوام کی اکثریت نے نظام شاہ کے ماضی کے ساتھ حال پر بھی نظر کی تو انہیں اندازہ ہوا کہ اس مردِ قلندر نے اُن کے رِستے ہوئے ناسوروں اور سڑتے ہوئے زخموں پر کس کس انداز سے اپنی محبتوں کا مرہم رکھا ہے۔ اور انہیں یہ بھی یاد آیا کہ نظام شاہ کی تسلیوں سے کیسے کیسے مایوس انسانوں نے اپنی بکھری ہوئی زندگی کو جمع کیا اور دوبارہ پوری توانائیوں کے ساتھ شاہراہِ حیات پر گامزن ہوگئے۔ انہیں یہ بھی یاد آیا کہ نظام شاہ کے سامنے کیسے کیسے فاسقوں نے اپنے گناہوں کی توبہ کی اور معصیت کے دائرے سے نکل کر فلاح و خیر کے کوچے میں داخل ہوگئے...... اور انہیں یہ بھی یاد آیا کہ نظام شاہ نے ہر غم زدہ کے غم میں شرکت کی۔ اور کبھی اس کے روبرو اپنا غم بیان نہیں کیا۔

اہلِ غزنی کی نظروں کے سامنے ایسے بے شمار مناظر اُبھر رہے تھے کہ جنہیں یاد کر کے لوگوں کی آنکھیں نم ہوگئی تھیں اور پھر ان کے دامن بھیگ گئے تھے۔ نئی حکومت کے کارندے ایک خاص منصوبے کے تحت نظام شاہ کے لباس، زہد و تقویٰ کو داغ دار کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر غزنی کی رعایا نے ان کے ایک ایک دعوے کو جھٹلا دیا تھا۔

''ہم نہیں جانتے کہ تاج و تخت پر کس کا حق ہے۔ لیکن نظام شاہ کی حق تلفی ضرور ہوئی ہے۔'' اہلِ غز

ی رعایا نے رسمِ زبان بندی توڑ ڈالی تھی اور وہ بے باک لہجوں میں بول رہے تھے۔ ''امام نے شیخ پر بڑا بہتان تراشا۔ اللہ انہیں توبہ کی توفیق دے۔ وہ جھوٹے ہیں اور اپنے اسی جھوٹ کے دنیا حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ امام رکن الدین مسعود کی بینائی لٹ چکی ہے۔ اگر ان دل میں ذرا سی روشنی بھی باقی ہوتی تو وہ دیکھ لیتے کہ انہیں جس دنیا کی خواہش ہے، وہی دنیا کب م شاہ کے قدموں کے ساتھ لپٹی ہوئی گڑگڑا رہی ہے کہ وہ اسے قبول کر لیں...... مگر نظام شاہ نے ب بدکار عورت سمجھ کر ہمیشہ کے لئے ٹھکرا دیا ہے۔ چاہے ان کے سر سے قیامت ہی کیوں نہ گزر لیکن وہ دنیا سے کوئی رشتہ قائم نہیں کریں گے۔ ہم نے نظام شاہ کو ہر حال میں دیکھا ہے۔ اگر اس کوئی عبادت گزار ہے تو نظام شاہ...... کوئی پرہیزگار ہے تو نظام شاہ...... کوئی رزقِ حلال کمانے ہے تو نظام شاہ...... کوئی غیرت مند ہے تو نظام شاہ...... اور کوئی سچا ہے تو نظام شاہ...... ہم یہ نہیں کہ غزنی میں نیک لوگ نہیں رہتے۔ مگر یاد رکھو! کہ نظام شاہ اُن نیکوں کے سردار ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ جبر و ستم ان کی سانسیں غصب کر لے۔ لیکن نظام شاہ کی سرداری کوئی نہیں چھین سکتا۔''

ایک معتوب شخص کی شان میں یہ طویل قصیدہ سن کر حکومت کے کارندے برہم ہو جاتے اور پھر قہرناک لہجے میں بے دست و پا عوام کو دھمکیاں دینے لگتے۔

''تم جانتے ہو کہ تمہاری اس بدزبانی کی کیا سزا ہوسکتی ہے؟...... امیر اسماعیل کے فرمان کا مذاق انے والی ایسی ساری زبانیں کاٹی بھی جاسکتی ہیں۔''

''ہم نے امیر اسماعیل کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔'' بے دست و پا عوام احتجاج کر رہے تھے۔

''یہ نافرمانی نہیں تو اور کیا ہے کہ امیر اسماعیل نے جس شخص کو ''معتوب'' قرار دیا ہے، تم لوگ اُسے ''محبوب'' کہتے ہو۔'' حکومت کے کارندوں نے معصوم رعایا پر دہشت طاری کرنے کے لئے ایک اور نہ تراشا۔ ''اگر تم سکون کی زندگی چاہتے ہو تو امیر کی مکمل اطاعت کرو۔ اور مکمل اطاعت یہ ہے کہ اپنی نوں سے نظام شاہ کی مذمت کرو۔ پھر تمہاری زبانیں بھی نہیں کاٹی جائیں گی اور تمہارے گھر بھی نہیں رے جائیں گے۔'' حکومت کے کارندے ایک اور دھمکی دے کر چلے گئے۔

غزنی کے عوام نے مجبوراً اپنی زبانوں پر خاموشی کی مُہر لگا لی۔ مگر ان کے دلوں نے گواہی دی۔ ''نظام ہمارے محبوب ہیں اور محبوب ہی رہیں گے۔''

❁❁❁❁❁

پھر جب ملکۂ غزنی کو اس کے جاسوسوں نے یہ اطلاع دی کہ عوام کی اکثریت اب بھی نظام شاہ کو اپنا پیشوا سمجھتی ہے تو اقتدار کی پیشانی پر کئی شکنیں اُبھر آئیں اور طاقت کے چہرے پر نفرت و غضب کئی رنگ نمایاں ہوگئے۔

''امام! تمہارا جوشِ تقریر، قدرتِ بیاں اور طاقتور دلائل، سب کے سب رائیگاں گئے۔'' ملکۂ غزنی رکن الدین مسعود کو اپنے حضور طلب کرتے ہوئے کہا۔ ''ہمارے مخبروں نے خبر دی ہے کہ غزنی کی پر وہ ایک عارضی ردِعمل تھا۔ تمہارے بوئے ہوئے شک کے بیج کو لوگوں کے عقائد کی زمین نے قبول کیا۔ غزنی کے عوام کی زبانیں ہمارے قہر و جلال کے باعث گنگ ہوگئی ہیں مگر ان کے دلوں کے صنم میں ابھی تک نظام شاہ کا بت موجود ہے۔ وہ اس بت کو توڑنے کے بجائے نئے انداز سے آراستہ

کر رہے ہیں۔"

چند لمحوں کے لئے امام رکن الدین کا چہرہ مسخ ہو کر رہ گیا۔ مگر وہ ایک زمانہ شناس انسان تھے، اس لئے فوراً ہی اپنے اعصاب پر قابو پاتے ہوئے انتہائی پُرزور لہجے میں بولے۔

"ملکۂ عالیہ! اگر غزنی کی نادان رعایا نظام شاہ کی مورت کو نئے رنگوں سے آراستہ کر رہی ہے تو پھر آپ اپنا دستِ اختیار بلند کیجئے اور ایک ہی ضرب سے اس بت کو توڑ ڈالئے۔" امام رکن الدین مسعود ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہہ رہے تھے۔ "میں نے تو ملکۂ عالیہ سے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ اگر نظام شاہ مجمع عام میں صاحبزادہ محمود کے سیاسی وجود کو جھٹلا کر امیر اسماعیل کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کر لیتا ہے تو پھر اس کی مذہبی بے راہ روی سے چشم پوشی کرتے ہوئے اسے ملک بدر کر دیجئے تا کہ عوام الناس اس فتنے کے اثرات بد سے محفوظ رہ سکیں۔ اس کے برعکس دوسری صورت میں اگر وہ آپ کے حکم کی تعمیل نہیں کرتا تو پھر زنداں کے ایک تاریک گوشے میں اُس کی نامراد زندگی کا چراغ گُل کر دیجئے۔ اس طرح آپ کی سیاسی ضرورت کی تکمیل بھی ہو جائے گی اور غزنی کی تاریخ میں آپ کے نام سے ایک عظیم الشان کارنامہ بھی منسوب ہو جائے گا۔ آنے والی نسلیں ملکۂ غزنی کو انتہائی عقیدت و احترام سے یاد کریں گی اور کہنے والے بے اختیار کہا کریں گے کہ امیر الپتگین کی حق پرست اور جانباز بیٹی نے مذہب اسلام کی بڑی خدمت انجام دی اور ہزاروں انسانوں کو گمراہی کے تاریک غار سے نکال کر صحیح عقائد کی تیز روشنی میں کھڑا کر دیا۔"

امام رکن الدین مسعود اپنی دستارِ فضیلت بلند رکھنے کے لئے ملکۂ غزنی کو انتہائی غیر دانشمندانہ مشورے دے رہے تھے...... اور اقتدار کی بھوکی ملکہ، بیٹے کی محبت میں نہ صرف اپنی آنکھوں کی روشنی کو بیٹھی تھی بلکہ اس کی عقل بھی زائل ہو گئی تھی۔ ملکۂ غزنی نے نئے سپہ سالار امیر جلال کو بھی طلب کر لیا۔

"کیا تجھے میرے کرم کا اندازہ ہے؟ اور کیا تُو ہماری عنایتوں کا شمار کر سکتا ہے؟" ملکۂ غزنی نے انتہائی درشت لہجے میں امیر جلال کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ادنیٰ خدمت گار ملکۂ غزنی کی نوازشات کا شمار تو نہیں کر سکتا۔" امیر جلال کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔ "مگر اس کا اقرار ضرور کر سکتا ہوں کہ احسان شناسی کا جذبہ میرے خون میں شامل ہے۔ ملکۂ عالیہ کسی بھی حال میں مجھے نمک حرام نہیں پائیں گی۔"

"تو پھر نظام شاہ کو ہماری قصیدہ خوانی پر مجبور کر دے۔" ملکۂ غزنی کے لہجے سے آگ برس رہی تھی۔ "اگر یہ ممکن نہیں تو پھر اُس کی زبان کاٹ کر ہمارے حضور میں پیش کر دے۔"

"ایک بوڑھے قیدی کی زبان کاٹ دینا بہت آسان ہے ملکۂ معظمہ!" امیر جلال نے نصف قد تک خم ہوتے ہوئے کہا۔ وہ اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے ایک اوسط درجے کا فوجی تھا مگر خوشامدانہ عادتوں نے اسے راتوں رات غزنی کا سپہ سالار بنا دیا تھا۔ اور اس وقت بھی وہ اپنی اسی پست فطرت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ "میں نظام شاہ کو آپ کی قصیدہ خوانی پر اس طرح مجبور کر دوں گا کہ وہ غزنی کے کوچوں میں صرف آپ ہی کی عظمتوں کا کلمہ پڑھا کرے گا۔"

"تو پھر جا۔ اور اپنے اس دعوے کا ثبوت پیش کر۔" امیر الپتگین کی عاقبت نااندیش بیٹی نے جابرانہ حکم جاری کر دیا اور سپہ سالار امیر جلال، وحشیانہ عزائم کے ساتھ زندان کی طرف روانہ ہو گیا۔

✻✻✻✻✻

نظام شاہ کے نحیف و نزار جسم پر اس قدر مشقِ ستم کی گئی کہ ان کا پورا بدن لالہ رنگ ہو گیا۔ اور پھر وہ ...ں کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گئے۔ اپنے ہوش و حواس کھونے سے پہلے نظام شاہ یہی کہتے رہے۔

"میں اسماعیل کو اپنا امیر تسلیم نہیں کروں گا۔ اللہ نے اپنے اس عاجز بندے نظام شاہ کو جس قدر ...بخشی ہے، میں اسی کے مطابق بار بار کہتا ہوں کہ اسماعیل، مسلمانوں کی قیادت کے لائق نہیں ہے۔ اس میں یہ صلاحیت ہوتی تو اپنے خالق کی قسم! میں پہلا شخص ہوتا جو سرِ عام اس کے ہاتھ پر بیعت کر ..."

"اگر تُو امیر کی اطاعت کا اقرار نہیں کرتا تو پھر اپنے جاہل عقیدت مندوں کو یہ بات سمجھا دے کہ ...غزنی کی امارت کے قابل نہیں ہے۔" امیر جلال نے درندگی کی قبا پہن لی تھی۔ "تیرے لئے یہ کام آسان ہے نظام شاہ! اپنی ضعیفی پر رحم کھا اور اپنے انجام کو عبرت ناک ہونے سے بچا لے۔"

تازیانوں کی کثرت اور تکلیف کی شدت سے نظام شاہ کے چہرے کا رنگ نیلا ہو گیا تھا مگر وہ پھر بھی ...رار رہے تھے۔ "عہد اپنے خالق سے کیا جائے یا اس کے بندوں سے، عہد بہرحال عہد ہوتا ہے۔ اور ...شکنی میرا مزاج نہیں۔ جھوٹے اور فانی اقتدار کے نمائندو! تمہیں کیا معلوم کہ لفظ کسے کہتے ہیں اور لفظ کی آبرو کیا ہوتی ہے؟ اللہ کی بخشی ہوئی زبان کیا ہے اور اسے کس طرح استعمال کیا جاتا ہے؟ میں تو بہت ...محمود کے حق میں اہلِ غزنی کو اپنی زبان دے چکا۔ اگر تم لوگ میری زبان سمجھنے سے قاصر ہو تو پھر اسے ...سے جدا کر کے اپنی ملکہ کے حضور پیش کر دو۔ تم یہی تو چاہتے ہو۔ پھر یہ تاویل اور تاخیر کیوں؟ میں کام کر چکا، تم بھی اپنے کارِ سیاست کو تکمیل تک پہنچاؤ۔" یہ کہہ کر نظام شاہ بے ہوش ہو گئے۔

اور پھر جب انہیں دوبارہ ہوش آتا تو امیر جلال ان سے امیر اسماعیل کی اطاعت کا مطالبہ کرتا۔ اور ...ب میں نظام شاہ اپنے وہی الفاظ دہرا دیتے۔ کئی دن تک جبر و تشدد کا سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر امیر ...ل تھک گیا اور اُس نے ملکۂ غزنی کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا۔

"میں اس نامراد بوڑھے کی قوتِ برداشت پر حیران ہوں ملکۂ عالیہ!" بات کرتے وقت امیر جلال ...آواز لرز رہی تھی۔ "اگر میں نے مزید تشدد کیا تو نظام شاہ کے مر جانے کا اندیشہ ہے۔"

"پھر؟" امیر جلال کی بات سن کر ملکۂ غزنی خوف زدہ ہو گئی تھی۔

...اُس کے اُٹھے ہوئے سر کو آپ کے سامنے جھکانے اور اس کی پتھر کی زبان کو آپ کے حق میں نرم ...نے کے لئے بس ایک آخری راستہ باقی رہ گیا ہے۔" سپہ سالار امیر جلال نے لکنت زدہ لہجے میں کہا۔ ...ملکۂ عالیہ مجھے نظام شاہ کے اہلِ خانہ کی جانوں پر پورا اختیار دیں۔ پھر ہو سکتا ہے کہ وہ سرکش بوڑھا ...آپ سے رحم کی درخواست کرنے لگے۔"

"آخر تُو کیا چاہتا ہے امیر جلال؟" ملکۂ غزنی نے حیران ہو کر اپنے سپہ سالار سے پوچھا۔

"بعض انسان اپنی ذات کے لئے بہت بے رحم ہوتے ہیں۔" امیر جلال نے رک رک کر کہا۔ "میرے اندازے کے مطابق نظام شاہ بھی ان ہی انسانوں میں شامل ہے، جو اپنی ذات کی نفی کر کے دنیا کے ہر خوف اور لالچ سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس قسم کے لوگوں کو موت کا خوف بھی زیر نہیں کر سکتا۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی مشاہدہ کیا گیا ہے کہ جب ان کے قریبی عزیزوں پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ شدتِ جذبات سے مغلوب ہو کر چیخ اُٹھتے ہیں۔ اور پھر ایسے ہی نازک لمحوں

میں ان کے اٹل فیصلوں کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ میں بھی ملکۂ عالیہ کے حکم سے نظام شاہ پر انسانی تاریخ کا قدیم ترین تجربہ کرنا چاہتا ہوں...... اور تجربہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوگا کہ نظام شاہ کے قریبی عزیزوں کو شدید آزار پہنچائے جائیں اور پھر دیکھا جائے کہ اس کے آہنی اعصاب میں لچک اور پھر کی زبان میں نرمی پیدا ہوتی ہے یا نہیں؟'' امیر جلال نے تشدد کے نئے منصوبے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

ملکۂ غزنی کچھ دیر تک گہری سوچ میں ڈوبی رہی۔ پھر اسی قہرناک لہجے میں بولی۔ ''تم کچھ بھی کرو میں تو اس کی پتھریلی زبان سے صرف دو الفاظ سننا چاہتی ہوں۔ اپنے لئے ملکۂ عالیہ کا لفظ اور اسماعیل کے لئے امیرِ معظم کا لفظ۔ بس یہی دو الفاظ میری اوّلین ضرورت ہیں۔ اگر تم اس ضرورت کی تکمیل نہیں کرو گے تو پھر میں غزنی کے کسی دوسرے شخص کا انتخاب کرلوں گی، جو یقیناً تم سے زیادہ ہوشیار اور تشدد پسند ہوگا۔'' ملکۂ غزنی کی سفاک فطرت اپنے حقیقی خدوخال کے ساتھ نمایاں ہو چکی تھی۔

''ملکۂ عالیہ مطمئن رہیں کہ ان دو لفظوں کی گونج صرف قصرِ شاہی کے ایک کمرے تک ہی محدود نہیں رہے گی بلکہ غزنی کے گلی کوچوں میں بھی اپنی پوری شدت کے ساتھ سنائی دے گی۔'' اپنے منصوبے کی تکمیل کے لئے ملکۂ غزنی کی اجازت پاتے ہی امیر جلال کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم اُبھر آیا تھا۔ مگر پھر یکایک اس کے چہرے پر گہرا اضطراب جھلکنے لگا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے سالارِ غزنی کسی ذہنی خلفشار میں مبتلا ہو۔

''کیا تم کچھ اور کہنا چاہتے ہو؟'' ملکۂ غزنی نے امیر جلال کے چہرے کا بدلتا ہوا رنگ دیکھتے ہوئے کہا۔

''ملکۂ عالیہ......!'' امیر جلال کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔ ''میں نظام شاہ کی...... منہ بولی بیٹی...... نگار خانم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' امیر جلال نے جھکی ہوئی نظروں اور کانپتے ہوئے لہجے کے ساتھ بمشکل اپنی بات مکمل کی۔

ملکۂ غزنی پہلے تو حیرت زدہ رہ گئی، پھر اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ اُبھر آئی۔ ''تجھے کس نے روکا ہے؟ اپنی شادی کا پیغام بھیج دے۔ مگر کیا تو یہ نہیں جانتا کہ نگار خانم، اسد شیرازی جیسے مرتد اور منافق کی بیٹی ہے؟''

''میں سب کچھ جانتا ہوں ملکۂ عالیہ! مگر یہ میری انا کا مسئلہ ہے۔'' یکایک امیر جلال کے چہرے پر نفرت و غضب کی پرچھائیاں لرزنے لگی تھیں اور اس کی رگوں میں دوڑنے والا خون جل اُٹھا تھا۔ ''ملکۂ عالیہ اس راز سے بے خبر ہیں کہ میں نے امیر سبکتگین مرحوم کی زندگی میں نگار خانم کے لئے اپنا پیغام بھیجا تھا مگر اسد شیرازی کی بیٹی نے جس حقارت کے ساتھ میرا پیغام مسترد کیا تھا، میں اس ذلت کو آخری سانس تک نہیں بھول سکتا۔ اب ملکۂ عالیہ سے میری یہی درخواست ہے کہ وہ اپنے اس ادنیٰ خدمت گار کو سرخرو ہونے کا موقع عنایت فرمائیں۔''

''مگر یہ شادی حالتِ جبر میں تو نہیں ہو سکتی۔'' ملکۂ غزنی نے کہا۔ ''کل کی طرح نگار خانم آج بھی انکار کر سکتی ہے۔''

''میں اسے اقرار پر مجبور کر دوں گا۔'' امیر جلال نے انتہائی پُرجوش لہجے میں کہا۔ ''نگار خانم سے شادی صرف میرا ذاتی مسئلہ ہی نہیں، اس میں غزنی کے سیاسی مفادات بھی پوشیدہ ہیں۔ میرے پاس یہ

ہتھیار ہے، جس سے نظام شاہ کی روحانی شخصیت کو ذبح کیا جا سکتا ہے۔''

یکایک ملکۂ غزنی کی کشادہ آنکھیں مسرت سے چمکنے لگی تھیں۔ اقتدار کی بھوکی عورت سپہ سالار امیر کے منصوبے کا مفہوم سمجھ گئی تھی۔ مگر اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ امیر جلال ایک کینہ پرور اور خودغرض ہے، جو اپنی نفسانی خواہش کی تکمیل کے لئے انتہائی پستی میں اُتر جانا چاہتا ہے۔

''لیکن......'' اچانک ملکۂ غزنی پریشان سی نظر آنے لگی۔ ''تیری شادی کی خبر سن کر اس شہر کے لوگ کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے؟ اگر ان کی زبانوں پر حرفِ احتجاج آیا کہ ملکۂ عالیہ نے ایک اور بے سہارا لڑکی کو اپنے سپہ سالار کے حوالے کر دیا؟''

''یہ راز تو صرف اس کمرے کی دیواروں کے سینے میں پوشیدہ ہے۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ ملکۂ عالیہ اس کاروبارِ ستم میں اپنے سپہ سالار سے تعاون کیا؟'' امیر جلال نے ملکۂ غزنی کے اندیشوں کو دور کرنے کی غرض سے کہا۔ ''اور پھر ایک لعنت زدہ لڑکی کے لئے کون آپ کی عدالت میں احتجاج کرے گا؟ نظام شاہ کے علاوہ پورے شہر میں ایک فرد بھی ایسا نہیں جو اسد شیرازی کی بیٹی کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہو۔''

سپہ سالار امیر جلال کی تاویل سن کر ملکۂ غزنی مطمئن نظر آنے لگی۔

اور پھر اسی روز امیر جلال نے مرحوم فوجی کی بیوہ، اس کے بائیس سالہ جوان بیٹے احمد سالار اور نگار کو قید خانے میں ڈال دیا اور اپنے سپاہیوں کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

''پہلے یہ تینوں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ زنداں کے اندھیرے کیسے ہوتے ہیں...... اور ان کے در جسم محسوس کر لیں کہ زنجیروں کا بارِ گراں کیا ہوتا ہے؟ پھر انہیں بتاؤں گا کہ میں کیا چاہتا ہوں؟''

❁❁❁❁❁

ابھی نظام شاہ پر تشدد کا نیا حربہ آزمانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ نیشاپور سے ایک قاصد، محمود کا خط لے کر غزنی پہنچا۔ ملکۂ غزنی نے محمود کا خط پڑھا تو ہذیانی انداز میں چیخنے لگی۔

''موجِ خوں قصرِ شاہی کی فصیل سے گزر جائے اور غزنی کے در و بام پر موت کا ابدی سکوت طاری ہو جائے، مگر میں اُس نافرمان کا یہ مطالبہ تسلیم نہیں کروں گی۔''

محمود نے اپنے ایک اہم سیاسی مشیر اور انتہائی معتبر شخص ابوالحسن حموی کے نام یہ خط روانہ کیا تھا اور ساتھ ہی یہ ہدایت بھی کر دی تھی کہ اس خفیہ مکتوب کا کسی کو پتہ نہ چلے۔ مگر ملکۂ غزنی کی غیر دانشمندی اور شدید اضطراب نے اس راز کو فاش کر دیا کہ محمود کا قاصد کوئی سیاسی مراسلہ لے کر دارالحکومت پہنچا ہے۔

محمود نے اپنے سیاسی رازداروں کے مشورے سے نہایت ہوش مندانہ اور شائستہ انداز میں دو خط لکھے گئے تھے۔ ایک خط چھوٹے بھائی اسماعیل کے نام تھا اور دوسرا اپنی سوتیلی ماں کے نام!

محمود نے اپنے برادرِ خورد اسماعیل کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا۔

''اے میرے عظیم باپ کی خوب صورت نشانی! اے میرے دست و بازو! اور اے میرے رفیق و ہمدم! تم پر اللہ کی سلامتی ہو۔ مجھے اس بات کا گلہ نہیں کہ تم نے والدِ محترم کی بیماری کے سلسلے میں اس قدر بیزاری کیوں برتی؟ میں نہیں جانتا کہ امیرِ مرحوم کو کیا بیماری لاحق تھی اور وہ کس حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوئے؟ آج یہ احساس کر کے میرے دل میں ناقابلِ بیان درد اُٹھتا ہے کہ میں اپنے

باپ کے بسترِ علالت کے قریب موجود نہیں تھا۔ کاش! میں آخری وقت میں اس عظیم شخص کی خدمت کر کے اپنے نامۂ اعمال کو روشن کر لیتا، جو صرف باپ ہی نہیں، میرا محسن بھی تھا، آقا اور بھی...... اب تم سے اس بات کی شکایت نہیں کہ تم نے مجھے والد محترم کی موت سے کیوں بے خبر رکھا۔ اگرچہ یہ بڑی سفا کی اور انتہائی سنگدلی ہے کہ ایک فرمانبردار بیٹے کو اس کے مشفق باپ کے انتقال کی اطلاع نہ دی جائے۔ لیکن میں بڑے بھائی کی حیثیت سے تمہاری اس خطا کو بھی معاف کرتا ہوں کہ یہ ایک دوسرے کے گناہ شمار کرنے کا وقت نہیں۔ بدنصیبی اور محرومی کا یہ زخم تو زندگی بھر سلگتا ہی رہے گا کہ میں والد محترم کا آخری دیدار نہ کر سکا۔ مگر تم نے میری روح پر ایک اور گہرا زخم لگا دیا، جو کسی طبیب کے تیار کردہ مرہم سے نہیں بھر سکتا۔ ہاں اگر تم خود ہی چاہو تو وہ زخم مندمل ہو سکتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ اس وقت تمہارے مشیر کون ہیں؟ اور تم کن لوگوں کے ہاتھوں کا کھلونا بنے ہوئے ہو؟ کاش! تمہیں کوئی بتا سکتا کہ بڑے بھائی سے کس طرح خطاب کیا جاتا ہے۔ تم نے مذہبی رواداری کو تو پامال کر ہی ڈالا، افسوس کہ دنیا داری کی رسم بھی نہیں نبھا سکے۔ کیا تمہیں خط لکھتے وقت یاد نہیں رہا کہ تم ایک اعلیٰ ظرف باپ کے بیٹے ہو؟ تمہاری طرف سے جس خودغرضی اور سنگدلی کا مظاہرہ کیا گیا ہے، اس کی توقع ایک جاہل اور نیچ گھرانے کے کسی فرد سے بھی نہیں کی جا سکتی۔ تمہیں سب سے پہلے امیر مرحوم کی وفات کے سلسلے میں تعزیت کا اظہار کرنا چاہئے تھا مگر تم نے تمام مذہبی اور معاشرتی رسموں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے صرف اپنے حقِ وراثت کا مطالبہ کیا۔ تمہارے مکتوب کے ہر لفظ سے ایک ہی مفہوم کی عکاسی ہوتی ہے کہ تم اقتدار کے سوا تمام رشتوں کو فراموش کر چکے ہو۔ اگر تم والد محترم کے حوالے سے کچھ دیر کے لئے میرے غم میں شریک ہو جاتے اور امورِ سلطنت میں مجھ سے مشورہ کر لیتے تو اس طرح رشتوں کا بھرم بھی رہ جاتا اور شاید سیاست کے پیچیدہ مسائل بھی حل ہو جاتے۔ لیکن تم نے یہ انتہائی نازک اور قیمتی وقت بڑی بے دردی کے ساتھ برباد کر دیا۔ پھر بھی میں اس گزرے ہوئے وقت کو پیچھے کی طرف لوٹانے کے لئے ایک ناکام کوشش کر رہا ہوں اور بڑے بھائی کی حیثیت سے تمہیں نہایت مخلصانہ مشورہ دے رہا ہوں کہ جلد از جلد اپنے فریب کار مشیروں کے نرغے سے نکل آؤ اور اس بے ثبات دنیا کو حقیقت پسندانہ نظروں سے دیکھنے کی کوشش کرو۔ اگر تم نے مجھ سے حسنِ ظن رکھا اور میرے خط کو برادرانہ زاویۂ نگاہ سے دیکھا تو بہت ممکن ہے کہ ہم دونوں مل کر اس خوشگوار وقت کو واپس لے آئیں جب ہمارے درمیان اختلافات کی چھوٹی سی دیوار تو کجا، کوئی دُھندلی سی لکیر بھی موجود نہیں تھی۔

بہت سی امیدوں کے ساتھ جواب کا منتظر۔
تمہارا بڑا بھائی محمود۔"

دوسرے خط میں محمود نے اپنی سوتیلی ماں کے نام تحریر کیا تھا۔

"مادرِ مہربان! مجھے پاسِ ادب ہے، اس لئے آپ سے کوئی شکایت بھی نہیں کر سکتا۔ مگر اس قدر لب کشائی کی گستاخی ضرور کروں گا کہ والد محترم کی آنکھیں بند ہوتے ہی آپ نے مجھ پر اپنی محبتوں کا دروازہ بھی بند کر دیا۔ میں تو منتظر تھا کہ آپ کی بے مثال شفقتوں میں ڈوبی ہوئی تحریر پڑھ کر میری سوگوار اور اذیت ناک تنہائیاں دُور ہو جائیں گی مگر آپ نے تو اپنے اس دُور افتادہ بیٹے کی تالیفِ قلب کے لئے ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ آپ ایسی جانگداز ساعتوں میں اپنی اولاد کی طرف سے اتنی بے

میرا اللہ گواہ ہے کہ میں نے ایک ماں کی شخصیت کا یہ پہلو آج تک نہیں دیکھا تھا۔
ہو سکتی ہیں۔ واضح الفاظ میں تحریر کیا ہے کہ اگر میں اس کی امارت تسلیم نہیں کروں گا تو پھر مجھے اور میری زندگی کو انتہائی سنگین خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ بے شک! میں آپ کے بطن سے پیدا نہیں ہوا لیکن خوب جانتی ہیں کہ میں اپنی حقیقی ماں کی طرح آپ کے ساتھ بھی اسی عزت و احترام کے ساتھ پیش دونوں محترم ہستیوں کے درمیان کبھی ایسی تفریق کی کوئی دیوار کھڑی نہیں کی کہ جسے دیکھ کر اہلِ دنیا نمائی کر سکیں۔ پھر اسماعیل نے میری والدہ محترمہ کے بارے میں ایسی بے رحمانہ بات کیوں تحریر اسماعیل کا یہ حکم نما خط آپ کی نظر سے نہیں گزرا؟ اگر گزرا ہے تو خدا کے لئے اسے سمجھانے کی کیجئے۔ وہ میری ہی نہیں، اس کی بھی ماں ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس نے ایسا کیوں اپنے خودغرضانہ مقصد کی تکمیل کے لئے کوئی بیٹا اپنی ماں کو بھی یرغمال بنا سکتا ہے؟ صورتِ حال ہونے کے باوجود میرا ذہن اس بات کو تسلیم نہیں کرتا۔ اور اگر اس نے آپ کی مرضی سے یہ خط تحریر تو میں نہایت ادب و احترام کے ساتھ عرض کروں گا کہ حصولِ اقتدار کے لئے ایسے پست حربے نہ کیجئے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ کے اس وحشیانہ عمل سے امیر الپتگین اور امیر سبکتگین جیسے النفس حکمرانوں کی روحیں نہ تڑپ اُٹھیں۔ اور پھر آپ کی ذاتِ گرامی تاریخِ غزنی کا ایک شرم حوالہ بن کر رہ جائے۔ میں آخری التجا یہی کر سکتا ہوں کہ آپ کی طرح میری والدہ محترمہ بھی ایک اور غم زدہ بیوہ ہیں۔ آپ ان کی محترم ذات کو سیاست کی بساط کا ایک حقیر مہرہ بنانے کے بجائے اُن کی دلجوئی کیجئے کہ وہ اس وقت بہت تنہا ہیں۔ میں طویل فاصلوں کے باوجود ان کی بے چارگی کا اندازہ کر ہوں۔ اس التجا کے بعد مجھے یقین ہے کہ مادرِ مہربان ماضی کی روایتوں کو برقرار رکھیں گی۔

آپ کا دُور افتادہ بیٹا۔ محمود۔"

محمود نے بڑی احتیاط، دانشمندی اور خلوص کے ساتھ یہ دونوں خطوط تحریر کئے تھے۔ مگر ملکۂ غزنی اور اسماعیل نے ان خطوط میں پوشیدہ جذبوں کی صداقت کو اس قدر بھی محسوس نہیں کیا، جتنا کہ کسی انسان چلتی ہوئی ہوا، برستے ہوئے پانی اور چمکتے ہوئے سورج کو محسوس کر لیتا ہے۔ ہوسِ اقتدار نے ماں بیٹے کے ذہنوں کو ایک مختصر سے دائرے میں قید کر دیا تھا اور وہ دائرہ تھا، تاج و تخت کی خود طلب اور غیر دانشمندانہ سوچ۔ حکمرانی کے سوا ان کے دماغوں میں کوئی دوسرا خیال ہی نہیں اُبھرتا قصرِ شاہی کی حدود سے آگے دیکھ سکتے تھے اور نہ پیچھے۔ مزید ستم یہ کہ ملکۂ غزنی اور امیر اسماعیل بھی انتہائی زمانہ ساز اور کوتاہ نظر تھے۔ ان میں ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جس کا دماغ اقتدار کے پاک ہوتا۔ نتیجتاً تمام مشیروں نے اپنے سروں پر دستارِ فضیلت قائم رکھنے کے لئے صاحبزادہ خطوط کی غلط تاویل پیش کرتے ہوئے کہا۔

"ملکۂ عالیہ! ان خطوط کے ایک ایک حرف سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمود، امیرِ معظم اور آپ کے خاندانی سے ہم گیا ہے۔ اور خونی رشتوں کی آڑ میں منافقانہ سیاست سے کام لے رہا ہے۔ آپ محمود کے انکسار سے فریب میں نہ پڑ جانا۔ وہ بڑی عیاری کے ساتھ آپ سے کچھ مہلت طلب کر رہا ہے۔ اگر اپنی روایتی اعلیٰ ظرفی اور نرم دلی سے کام لیا تو محمود کو سنبھل جانے کا موقع مل جائے گا اور یہی حال آپ کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ ہم صاف طور پر محسوس کر رہے ہیں کہ محمود کے

اعصاب شکستہ ہو چکے ہیں۔ آپ اس کے اعصاب پر مزید دباؤ بڑھا دیجئے۔ یہاں تک کہ آپ کی بے پناہ طاقت کا شور سن کر اس کا دماغ شل ہو جائے اور اس کے سینے میں خوف و دہشت کے سوا کسی جذبے کا وجود باقی نہ رہے۔“

جیسے ہی دوسرے مشیر خاموش ہوئے، غزنی کا نیا سپہ سالار امیر جلال بول اُٹھا۔ ”ملکۂ عالیہ! آپ کے اقتدار کی آندھی نے محمود کے ارادوں کے درخت کو زمین بوس ہو جانے پر مجبور کر دیا ہے۔“ امیر جلال روایتی خوشامدانہ لہجے میں بول رہا تھا۔ ”اب فہم و فراست اور تدبر و سیاست کا یہ تقاضا ہے کہ اس درخت کو جڑ سے اُکھاڑ دیا جائے۔ اگر آپ نے اپنی بھرپور طاقت کے مظاہرے میں ذرا بھی تاخیر سے کام لیا تو امیرِ معظم کا بدترین دشمن سلطنت کے دوسرے مخالفین سے مل کر کوئی ساز باز بھی کر سکتا ہے۔“

امیر جلال کا مشورہ سن کر ملکۂ غزنی نے اپنے دوسرے مشیر کی طرف دیکھا۔

”صاحبزادہ محمود کو لکھ دیا جائے کہ وہ غزنی حاضر ہو کر رعایا کے سامنے امیرِ معظم کے دستِ کار کشا پر بیعت کرے اور عملی طور پر اپنے خلوصِ وفا کا یقین دلائے۔ ورنہ اسے حکومتِ وقت کا باغی تصور کیا جائے گا۔“

مشیروں کی بے جا تعریف و توصیف نے نوعمر امیر اسماعیل کے ذہن کو اس طرح ماؤف کر دیا جیسے کوئی شرابی کثرتِ بادہ نوشی کے سبب اپنے ہوش و حواس گنوا دے اور فرشِ زمین کو چھوڑ کر عرش کی طرف تصوراتی پرواز کرنے لگے۔

پھر اسی مدہوشی، سرشاری اور عاقبت نااندیشی کی کیفیت میں امیر اسماعیل کے بجائے ملکۂ غزنی نے براہِ راست محمود کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”فرزند! تم نے مجھے مادرِ مہربان کہہ کر پکارا ہے، میں تمہارے اختیار کردہ اندازِ تخاطب سے فی الوقت بہت مسرور و مطمئن ہوں۔ مگر میری یہ مہربانیاں تمہاری اطاعت و فرمانبرداری سے مشروط ہیں۔ اب تم بچے نہیں ہو کہ ماں اور بیٹے کے رشتے کی نزاکتوں کو سمجھنے سے قاصر رہو۔ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ میرا اکرم اس وقت تک سایہ فگن رہے گا، جب تک تم پوری سچائی اور دیانت داری کے ساتھ میرے سامنے اپنی گردن خم رکھو گے۔ لیکن جیسے ہی تمہاری گردن میں منافقانہ اور باغیانہ تناؤ پیدا ہوا تو پھر یہ مادرِ مہربان قہر و غضب کے پیکر میں ڈھل جائے گی۔ تم نے اپنی آنکھوں سے ایسے بے شمار مناظر دیکھے ہوں گے کہ شفیق و مہربان ماں باپ نافرمان اولاد کو اپنی بے مثال محبت کے حلقے سے خارج کر دیتے ہیں۔ آنے والے کل تم بھی اسی آزمائش سے دوچار ہو۔ اگر تمہارے دل میں کھوٹ نہیں ہے تو یقیناً تم اس آزمائش میں پورے اُترو گے۔ ورنہ دوسری نافرمان اولادوں کی طرح دنیا کے ساتھ اپنی آخرت بھی تباہ کر ڈالو گے۔ غور سے سنو! تمہاری آزمائش یہ ہے کہ تم بلاتاخیر غزنی حاضر ہو کر رعایا کے سامنے اپنی وفاداری کا اعلان کرو اور مجمعِ عام میں کھڑے ہو کر لوگوں کو بتا دو کہ تمہیں والد مرحوم کی وصیت سے سرِمو بھی اختلاف نہیں اور تم چھوٹے بھائی اسماعیل کو صدقِ دل کے ساتھ اپنا امیر تسلیم کر چکے ہو۔ یاد رکھو کہ تم اس وقت وفاداری کے امتحان میں کامیاب قرار پاؤ گے، جب تمہارے چہرے پر ہوسِ اقتدار کا کوئی عکس نمایاں نہیں ہوگا اور سینے میں حکمرانی کی کوئی خواہش زندہ نہیں رہے گی۔ ہم تمہیں جو کچھ عطا کریں گے، اسے اپنے دامن میں سمیٹ لو گے اور جس چیز سے روک دیں گے اس کی طرف اپنا ہاتھ نہیں بڑھاؤ گے۔ جہاں تک تمہاری

... کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں بس اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ تم یہاں کی صورتِ حال سے قطعاً بے خبر ہو۔ ... والدہ نے مذہبی اور سیاسی اعتبار سے ناقابلِ معافی جرم کیا ہے۔ بے شک! وہ عمر میں مجھ سے بڑی ہیں اور ... حقیقت کے پیشِ نظر میں نے ہمیشہ ان کا احترام کیا ہے۔ مگر اقتدار کے معاملے میں انہوں نے ... سے منہ موڑ کر اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں۔ فی الحال ان کی شخصیت کا جو رخ سامنے آیا ہے، وہ ... باغیانہ ہے۔ تمہاری والدہ نے نہ صرف امیرِ مرحوم کی وصیت کو حقارت کے ساتھ ٹھکرایا ہے بلکہ وہ ... کے عوام کو بغاوت پر اُکسانے کی ناکام کوشش بھی کر چکی ہیں۔ ایک طرف وہ اپنے شوہر کی گناہ گار اور دوسری طرف حکومتِ وقت کی بدترین مجرم۔ اگر تمہاری یہ سوتیلی ماں اپنی اعلیٰ ظرفی کے سبب ... رشتوں کا احترام نہ کرتی تو اب تک شوہر کی نافرمانی اور غداری کے جرم میں ملوث اس عورت کی ... تمہارے پاس پہنچ چکی ہوتی۔ میرا خیال تھا کہ تم امیر اسماعیل کا پہلا خط پاتے ہی دارالحکومت کی طرف ... ہو جاؤ گے۔ مگر یہ تاخیری حربے دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ تمہاری نیت میں کوئی نہ کوئی فتور موجود ہے۔ ... سے پہلے کہ میرا گمان یقین میں بدل جائے، تم ایک لمحہ ضائع کئے بغیر میرے روبرو حاضر ہو جاؤ۔ یہ ... مادرِ مہربان کا حکم بھی ہے اور ملکۂ غزنی کا فرمان بھی۔ اگر اب کی بار تم نافرمانی کے مرتکب ہوئے تو ... میں تمہاری والدہ کی سلامتی کی کوئی ضمانت نہیں دے سکتی۔“

یہاں پہنچ کر ملکۂ غزنی کا خط اختتام پذیر ہو گیا تھا۔ اور پھر آخر میں شاہی مہر لگا دی گئی تھی۔ اس کے بعد یہ حکم نامہ جو کسی قہر نامے کے ہم رنگ تھا، محمود کے قاصد ابوالحسن حموی کے سپرد کر دیا گیا۔

اس دوران قاصد ابوالحسن نے غزنی کی ملکہ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی مگر اسے فوراً ہی اندازہ ہو گیا کہ اس سے ایک خطرناک غلطی سرزد ہو گئی۔ دارالحکومت میں ابوالحسن کی حیثیت ایک نظر بند قیدی کی سی تھی جو اپنی مرضی سے جنبش بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مجبوراً وہ موجودہ ملکۂ غزنی کا خط لے کر نیشا پور کی طرف روانہ ہو گیا۔

✽✽✽✽✽

قاصد کے جاتے ہی سپہ سالار امیر جلال، مرحوم فوجی کی بیوہ، اس کے بیٹے احمد سالار اور نگار خانم کی طرف متوجہ ہوا۔ ان تینوں کو زنجیریں پہنا کر نظام شاہ کے سامنے لایا گیا اور پھر امیر جلال انتہائی غضب ناک لہجے میں غزنی کے مردِ قلندر سے مخاطب ہوا۔

”بظاہر یہ تیری منہ بولی بہن ہے، ورنہ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ تُو نے درپردہ اس سے کون سا رشتہ قائم کیا ہے۔“ امیر جلال نے مرحوم فوجی کی بیوہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ابھی زنداں میں امیر جلال کے الفاظ کی گونج باقی تھی کہ مرحوم فوجی کی بیوہ ہذیانی انداز میں چیخ اٹھی۔ ”اللہ کی پناہ مانگ امیر جلال! اللہ کی پناہ مانگ۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ آسمان ٹوٹ کر تیرے سر پر نہ گر پڑے یا زمین کا سینہ شق نہ ہو جائے۔ تُو کیسے مردِ بزرگ پر کیسا شرم ناک بہتان تراش رہا ہے؟“ یہ کہتے کہتے مرحوم فوجی کی بیوہ رونے لگی تھی۔

نظام شاہ بڑی مشکل سے زنداں کے فرش پر سیدھے ہو کر بیٹھے۔ تازیانوں کی ضربات، زخموں کی اذیت، جریانِ خون نے انہیں اس قابل نہیں چھوڑا تھا کہ وہ کسی سہارے کے بغیر اپنے قدموں پر کھڑے ہو سکیں۔ ”تُو نے سچ کہا امیر جلال!“ نظام شاہ کی نقاہت میں ڈوبی ہوئی آواز اُبھری۔ ”اللہ ہی

بہتر جانتا ہے کہ میرے اور اس عورت کے درمیان کیا رشتہ ہے۔''

امیر جلال بڑی بے حسی کے ساتھ مسکرایا۔ ''اور یہ وہ نوجوان ہے جسے تُو اپنا بیٹا کہہ کر پکارتا ہے۔'' امیر جلال نے احمد سالار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں، یہ میرا بیٹا ہے۔ اور میں اسے حقیقی بیٹے سے بھی زیادہ پیار کرتا ہوں۔''

امیر جلال کی بے حسی کا وہی عالم تھا اور وہ بدستور مسکرائے جا رہا تھا۔ ''اور یہ منافقِ اعظم اسد شیرازی کی لڑکی نگار خانم ہے جسے تُو اپنی بیٹی کہہ کر دنیا کو دھوکا دیتا آیا ہے۔'' امیر جلال نے نگار خانم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں! یہ میری بیٹی نگار خانم ہے۔'' کمزوری کے سبب نظام شاہ کی زبان میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ پیدا ہوگئی تھی۔ ''ایک ایسی بیٹی جس پر یہ گناہ گار باپ ناز کرتا ہے۔''

''تیری باتوں سے ظاہر ہوگیا کہ یہ تینوں تجھے بہت محبوب ہیں۔'' اب امیر جلال کی تحقیر آمیز مسکراہٹ سے سفاکی کا رنگ جھلکنے لگا تھا۔ ''میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تیری ان محبوب ہستیوں کو تیری ہی آنکھوں کے سامنے مسلسل اذیتیں دیتا رہوں اور پھر انہیں موت کی گہری نیند سلا دوں۔'' امیر جلال کا لہجہ بڑا وحشیانہ تھا۔

''فانی اقتدار کے نمائندوں کو یہ راز نہیں معلوم۔ مگر میں خوب جانتا ہوں کہ تُو کسی انسان کی حیات و موت پر قادر نہیں ہے۔'' نظام شاہ نے بڑے کرب کے ساتھ اپنی بات مکمل کی۔ سلسلۂ کلام جاری رکھنے کی کوشش میں ان کے زخمی ہونٹوں سے خون رِسنے لگا تھا۔

''میری قدرت کا اندازہ تو تجھے کچھ دیر بعد ہو جائے گا۔'' امیر جلال نے نہایت متکبرانہ انداز میں قہقہہ زنی کی۔ ''میں اتمامِ حجت کے لئے ان تینوں کی موت سے پہلے ایک بار پھر تیرے سامنے اپنا مطالبہ دہرانا چاہتا ہوں۔ اگر تُو نے غزنی کے مجمعِ عام میں امیر اسماعیل کی اطاعت کا اعلان نہیں کیا تو پھر یہ تیری بہن اور تیرا بیٹا تیری آنکھوں کے سامنے قتل کر دیئے جائیں گے۔'' امیر جلال کے چہرے پر اس کی فطرت کی درندگی عود کر آئی تھی۔ ''اور پھر میں تیری اس محبوب ترین بیٹی کو اپنی کنیز بنا لوں گا۔''

نظام شاہ نے بڑی عجیب سی نظروں سے اپنی منہ بولی بہن اور دونوں بچوں کی طرف دیکھا۔ قلندر کی آنکھوں میں حسرت بھی تھی، روح کا کرب بھی اور شانِ بے نیازی بھی۔

''میرے عظیم بھائی! میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ انسان اتنی جلدی حیوانوں کی قبا پہن لیں گے۔'' مرحوم فوجی کی بیوہ زار و قطار رو رہی تھی۔ ''آپ ہمارے مصائب سے گھبرا کر اپنی روش ترک نہ کریں۔ آپ کے کاندھوں پر بڑی بھاری ذمہ داریاں ہیں۔ ہمارا کیا ہے کہ ہم تو خاک کے حقیر سے کھلونے ہیں، ٹوٹ کر بکھر بھی گئے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ہم رہیں نہ رہیں، مگر آپ کی پارسائی کے لباس پر کوئی داغ نہ آنے پائے۔'' بڑے جذباتی لمحے تھے۔ نظام شاہ نے حسبِ عادت مسکراتے ہوئے اپنی اس جاں نثار بہن کی طرف دیکھا جس سے ان کا کوئی خونی رشتہ نہیں تھا۔ نظام شاہ اپنی روایت کے مطابق مسکرا تو دیئے تھے مگر دیکھنے والوں نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی نمی جھلکنے لگی ہے۔

''بابا! ہم تو آپ کے قدموں سے لپٹی ہوئی خاک ہیں۔'' احمد سالار بولا اور نگار خانم نے [illegible] زبان کہا۔ ''اگر ظلم و ناانصافی کی ہوا کے تیز جھونکے ہمیں اُڑا کر لے جائیں تو اس حادثے کا غم نہ کریں۔

ی تو اُڑتی ہی رہتی ہے۔ یہ جبر و تشدد کا سفر ہمیں منتشر کرنا چاہتا ہے۔ ممکن ہے کہ کچھ دیر بعد ہم منتشر جائیں مگر آپ ہمیں انتشار سے بچانے کے لئے ناجائز اقتدار کے ہاتھوں پر بیعت نہ کر لینا کہ یہ عمل پ کے شایانِ شان نہیں ہوگا۔''

نظام شاہ کے زخمی ہونٹوں کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوگئی۔ ''مجھے اپنے بچوں سے یہی توقع تھی کہ وہ ئش کی ان سنگین ساعتوں میں ایک ضرورت مند باپ کو مایوس نہیں کریں گے۔ میں اسی دن کے لئے ے دعائیں کرتا تھا کہ اگر میرے قدم بہکنے لگیں تو مجھ ناتواں کو غیب سے سہارا دینا۔'' نظام شاہ کے ے پر وہی جلال روحانی نمایاں تھا مگر آواز کچھ تھکی تھکی سی تھی۔ ''میرے بچو! میں کچھ دیر کے لئے بہت زور پڑ گیا تھا مگر تمہارے حوصلے اور جرأت نے میری توانائی بحال کر دی۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم ایک انتہائی نازک وقت میں میرا ساتھ دیا۔ اپنے قریبی رشتوں کو آفات و مصائب کا ہدف بنتے دیکھ کر ے قدم لڑکھڑانے لگے تھے مگر اللہ نے میری دستگیری کی اور مجھے تباہ ہونے سے بچا لیا۔ بے شک! ے اموال اور اولادیں بڑا فتنہ ہیں۔''

پہ سالار امیر جلال بہت دیر سے پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ ''پھر تُو نے کیا فیصلہ کیا؟'' سالارِ غزنی کے ے وہی انتہائی گستاخی اور بے ادبی جھلک رہی تھی۔

''دلوں کے فیصلے بہت پہلے ہو چکے تھے، بس ان کا اعلان باقی تھا، سو وہ بھی ہو چکا۔'' نظام شاہ نے ذر مطمئن لہجے میں کہا کہ جیسے وہ مقتل کی زمین پر نہیں، اپنے گھر کے آرام دہ بستر پر دراز ہوں اور خانہ سے گفتگو کر رہے ہوں۔ ''سالارِ غزنی اپنا کام کریں، میں اور میرے بچے اپنا کام کرتے رہیں ۔''

سالارِ غزنی، امیر جلال ایک لمحے کے لئے بدحواس ہوگیا۔ اسے اُمید نہیں تھی کہ نظام شاہ اتنی آسانی ساتھ اپنا فیصلہ سنا دیں گے۔ امیر جلال کو یقین تھا کہ یہ زخمی بوڑھا اپنے اہلِ خانہ پر نازل ہونے والی ت کے تصور ہی سے لرز جائے گا اور پھر اس کی زبان جبراً ہی سہی، امیر اسماعیل کی شان میں قصیدہ نے لگے گی۔ مگر جب مرحوم فوجی کی بیوہ، اس کے بیٹے احمد سالار اور نگار خانم نے موت کو گلے لگانے زم کا اظہار کیا تو اقتدار اور طاقت کا نمائندہ وحشت زدہ نظر آنے لگا۔

''موت کا چہرہ دیکھنا تو کجا، ابھی تو تم نے اس کے قدموں کی آہٹ بھی نہیں سنی۔'' امیر جلال، ل کی طرح چیخ رہا تھا۔ ''تم مجھے پہچانتے نہیں کہ میں کون ہوں اور ریاست کے غداروں سے کیسا ک کرتا ہوں۔ شاید موت کے خوف سے تمہاری ساعتوں میں خلل پیدا ہوگیا ہے، اس لئے ایک بار پھر سے سن لو کہ یہ خبط الحواس اور مجنون بوڑھا تو بہت جلد دنیا سے گزر ہی جائے گا مگر تم اپنی جانوں کے ر یہ خوف ناک کھیل نہ کھیلو۔ ابھی تم نہیں جانتے کہ میں نے تمہارے لئے کیسی دردناک موت کا ب کیا ہے۔''

امیر جلال کے اس وحشیانہ سوال کے جواب میں کوئی آواز نہیں اُبھری۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے تمام افراد سالارِ غزنی کی دھمکیوں کو کسی دیوانے کا ہذیان سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہو۔ زنداں کے در و دیوار پر چھایا گہرا سکوت امیر جلال کے لئے بڑا جان لیوا تھا۔ اس نے محسوس کیا۔ جیسے چار کمزور قیدی ایک آمر کے پناہ اختیارات کا مذاق اُڑا رہے ہوں۔ آخر امیر جلال کے اعصاب ٹوٹ گئے اور اس نے اپنے

سپاہیوں کو حکم دیا۔

"پہلے اس نوجوان کے جسم پر مشقِ ستم کرو۔ پھر میں دیکھتا ہوں کہ اس کے باپ میں کتنی قوتِ برداشت ہے۔" امیر جلال کا اشارہ احمد سالار کی طرف تھا۔

اس حکم کی گونج ختم ہوتے ہی احمد سالار کے جسم پر طاقتور سپاہیوں کے تازیانے برسنے لگے۔ بڑا جاں گداز منظر تھا۔ امیر جلال نے ایک عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ نظام شاہ کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے پر کئی رنگ اُبھر کر ڈوب چکے تھے۔ نظام شاہ نے اپنا کرب چھپانے کی بہت کوشش کی تھی مگر امیر جلال کی عیار آنکھیں دیکھ رہی تھیں کہ نظام شاہ اندر سے ٹوٹ رہے ہیں۔ احمد سالار کے جسم پر پڑنے والے ہر تازیانے کی ضرب نظام شاہ کی روح کو زخمی کرتی جا رہی تھی۔ آخر نظام شاہ اس صورتِ حال کو برداشت نہ کر سکے اور بڑے دل گرفتہ لہجے میں امیر جلال کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگے۔

"امیر اسماعیل کی اطاعت کا مسئلہ میری ذات سے وابستہ ہے۔ میرے انکار کی سزا مجھے دے۔ ان بے گناہ انسانوں کے سلسلے میں اپنے اللہ سے ڈر۔" سننے والوں نے پہلی بار محسوس کیا کہ نظام شاہ کے لہجے میں فریاد کا رنگ نمایاں تھا۔

"یہ تازیانے تیرے ہی جسم پر برسائے جا رہے ہیں۔" امیر جلال کی آواز میں رعونت بھی تھی اور نفرت و قہر بھی۔ "کیا تُو قدرت کے اس نظام کو نہیں پہچانتا کہ باپ کے گناہوں کی سزا اولاد کو بھگتنا پڑتی ہے؟"

"کوئی کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔" نظام شاہ اپنی جسمانی نقاہت کے سبب دل کی طاقت سے بولنے کی کوشش کر رہے تھے۔ "امیر جلال! اللہ کے احکام کی تاویل نہ کر اور قدرت کا مذاق نہ اُڑا کہ یوم حساب بہت قریب ہے۔"

"تُو نے غلط کہا۔ یومِ حساب قریب نہیں، سر پر آ پہنچا ہے۔" امیر جلال نے بڑے سفاکانہ انداز میں قہقہہ لگایا۔ "تُو دیکھتا نہیں کہ عدالت قائم ہو گئی اور حساب شروع ہو چکا ہے۔"

نظام شاہ نے بے قرار ہو کر احمد سالار کی طرف دیکھا۔ اس نوجوان کے جسم سے خون کے فوارے اُبل رہے تھے، مگر ابھی تک کوئی چیخ نہیں اُبھری تھی۔ احمد سالار کے ہونٹ سختی سے بھنچے ہوئے تھے۔ اپنے بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر نظام شاہ سخت مضطرب ہو گئے۔ پھر غزنی کے مردِ قلندر نے گھبرا کر کھڑے ہونے کی کوشش کی مگر شدید نقاہت کے سبب لڑکھڑائے اور فرش پر گر پڑے۔

"میرے بے گناہ بیٹے! مجھ سے تمہاری یہ تکلیف دیکھی نہیں جاتی۔" نظام شاہ کی آواز میں رقت شامل تھی۔ "اگر تم کہو تو میں اسماعیل کو اپنا امیر تسلیم کر لوں گا۔ اللہ دلوں کا حال بہتر جانتا ہے، لیکن میرے اقرار کے بعد کئی بے گناہ اس عذاب سے محفوظ ہو جائیں گے۔"

"نہیں بابا! یہ اقرار آپ کے منصب کے خلاف ہے۔" احمد سالار کا پورا جسم زخموں سے بھر گیا تھا۔ مگر اس کے لہجے میں وہی استقامت تھی۔ "آپ کا بیٹا امیر اسماعیل کے زنداں خانے میں نہیں، میدانِ جنگ میں ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے سمجھ لیجئے کہ احمد سالار گرفتار ہو گیا ہے اور دشمن اس پر اپنے جبر و تشدد کا ہنر آزما رہا ہے، اس کے جفا کار ہاتھوں سے کھینچا ہوا یہ حصار کتنی دیر قائم رہے گا؟ زیادہ سے زیادہ چند روز...... پھر جسم کا یہ قفس ٹوٹ جائے گا...... اور طائرِ جاں آزاد فضاؤں میں پرواز کرنے لگے گا۔ یہ آپ

ز کا دیا ہوا سبق ہے کہ موت ریشمی بستروں پر بھی آتی ہے...... اور میدانِ جنگ میں بھی...... میں نے طے کر لیا ہے کہ ظلم و ستم کے تپتے ہوئے صحرا میں اپنی موت کا استقبال کروں تا کہ نظام شاہ کا اطاعت شعار فرزند کہلا سکوں۔ آپ مطمئن رہیں، امیر جلال میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ میں تو بس اتنا چاہتا ہوں کہ آپ مجھ سے راضی ہو جائیں۔" احمد سالار کے لہجے میں بڑا درد تھا۔

"ہاں، میرے سعادت مند اور جاں نثار وارث! میں راضی ہوں اور اللہ بھی تجھ سے راضی ہو جائے۔" شدتِ غم سے نظام شاہ کی آواز میں لرزہ پیدا ہو گیا تھا۔

"پھر ایک میں کیا، آپ پر لاکھوں سالار قربان۔" نظام شاہ کے روحانی فرزند نے اتنی بلند آواز میں کہا کہ زنداں کا پورا کمرہ گونج اٹھا۔

نظام شاہ نے آنکھیں بند کر لیں۔ "اے بے پناہ اور بے مثال کرم والے! میرے بچوں کو استقامت دے اور مجھے صبر عطا کر کہ ہم سب تیرے محتاج ہیں۔" نظام شاہ زیرِ لب دعا مانگ رہے تھے اور بہتے ہوئے آنسو ان کے دامن کو بھگو رہے تھے۔

"تمہارے جسموں کی طاقت کو کیا ہوا کہ ابھی تک ایک کمزور انسان کی ہڈیوں میں شگاف نہیں پڑے؟" امیر جلال نے اپنے جلاد نما سپاہیوں کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ کوئی آہنی پہاڑ ہے، جسے توڑنے میں تمہیں دشواری پیش آ رہی ہے؟"

نظام شاہ نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ تازیانوں کی بارش پہلے سے زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ احمد سالار کی قوتِ برداشت جواب دے گئی اور وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔

ایک غم زدہ ماں، روح کو پگھلا دینے والے اس منظر کی تاب نہ لا سکی۔ اس کے دل میں تیز درد اٹھا اور پھر تقریباً گزشتہ بیس سال سے بیوگی کا غم برداشت کرنے والی عورت چند لمحوں میں دنیا سے گزر گئی۔ وہ خوش نصیب تھی کہ امیر جلال کی قید سے جلد ہی چھوٹ گئی۔ سالارِ غزنی نے ہنستے ہوئے احمد سالار کی ماں کے مُردہ جسم کی طرف دیکھا۔

"جو کچھ ہے، اپنے اللہ کی طرف لوٹ کر جانے والا ہے۔" نظام شاہ نے سوگوار لہجے میں کہا۔ اُن کی پلکوں سے اب بھی آنسو بہہ رہے تھے۔

"بد دماغ بوڑھے! اسی طرح یہ بھی دنیا سے گزر جائے گا۔" امیر جلال نے احمد سالار کے بے ہوش جسم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اور یہ زندہ رہے گی۔" سالارِ غزنی، نگار خانم کی طرف پلٹا۔ "مگر میری کنیز بن کر۔" یہ کہتے ہوئے امیر جلال نے اپنی ہوس ناک نظریں نگار خانم کے دلکش چہرے پر مرکوز کر دیں۔

"اللہ ہی جانتا ہے کہ کون کس حال میں رہے گا اور کون دنیا سے اُٹھ جائے گا؟" اذیت و کرب کی شدت سے نظام شاہ کا زرد چہرہ نیلا پڑ گیا تھا۔

امیر جلال مسکرایا اور پھر اس نے سپاہیوں کو حکم دیتے ہوئے کہا۔ "تم اپنا کام جاری رکھو۔"

سپاہی اپنے شکار پر جھپٹنے والے کسی درندے کے مانند آگے بڑھے اور پھر نظام شاہ کے زخمی جسم پر کوڑوں کی بارش ہونے لگی۔ ایک بوڑھا جسم جو پہلے ہی سے داغ داغ ہو چکا تھا، تشدد کی نئی یلغار کیسے برداشت کرتا۔ نظام شاہ بڑی مشکل سے چند ضربات ہی سہہ سکے اور اللہ کی کبریائی بیان کرتے ہوئے بے

ہوش ہو گئے۔

اپنے روحانی باپ کو لہولہان دیکھ کر نگار خانم چیخ اُٹھی۔

"ستم گر! آخر تُو کس مٹی سے بنا ہے؟" نگار خانم کے لہجے میں ساری دنیا کی نفرت سمٹ آئی تھی۔

"کیا تُو نہیں جانتا کہ یہ شخص کون ہے اور اس کے پاکیزہ جسم پر تیرے غلاموں کے ناپاک ہاتھ تشدد کے کیسے کیسے نقش بنا رہے ہیں؟ اس طرح تو کوئی مسلمان کسی پاگل کتے کو بھی اذیتیں نہیں پہنچائے گا۔"

"میں اس کا پاگل پن ہی تو دُور کرنا چاہتا ہوں۔" امیر جلال کے لہجے کی سفاکی اپنے عروج پر تھی۔

"اس نے زندگی بھر خدا کے معصوم بندوں کو گمراہ کیا ہے۔ غزنی کے سادہ دل باشندے اسے ولی کامل سمجھتے ہیں۔ مگر تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہو کہ یہ کتنا مجبور ہے۔ ابھی تک اس کی کسی کرامت کا اظہار نہیں ہوا...... اور ہو گا بھی نہیں۔ اس کی منافقت اور فریب کاری کا پردہ چاک ہو چکا ہے۔ اگر یہ سچا ہے تو زنداں میں آگ کیوں نہیں لگا دیتا؟ زنجیریں پگھل کیوں نہیں جاتیں اور جلادوں کے بار بار اُٹھنے والے ہاتھ مفلوج کیوں نہیں ہو جاتے؟"

"مگر تُو نے مجھے یہاں کیوں بلایا ہے؟" نگار خانم، نظام شاہ کی شکستہ حالت دیکھ کر شدید اذیت میں مبتلا تھی۔

"اس لئے کہ ایک بیٹی اپنے باپ کی کسمپرسی کا مشاہدہ کر سکے۔ اور اگر ممکن ہو تو اسے آنے والے وقت کی سنگ باری سے بچا سکے۔ وہ وقت جو تیرے اندازے سے کہیں زیادہ خوف ناک اور لرزہ خیز ہو گا۔" امیر جلال نے انتہائی مبہم اشارے میں نگار خانم کے سامنے اپنا منصوبہ پیش کر دیا تھا۔

"کیا میری وجہ سے بابا کی زندگی محفوظ رہ سکتی ہے؟" نگار خانم نے کسی ناسمجھ بچی کے سے انداز میں کہا اور چند لمحوں کے لئے اس کے دھواں دھواں چہرے پر شگفتگی و شادابی لوٹ آئی۔

"ہاں! بس ایک تیری ہی ذات ہے کہ جس کے باعث یہ پاگل بوڑھا موت کے دردناک عذاب سے بچ سکتا ہے۔" امیر جلال کی آنکھوں میں اس کے نفس کی خباثت پوری توانائی کے ساتھ کروٹیں لے رہی تھی۔

"تو پھر بابا کو آزاد کر دیں کہ میں ان کی خاطر اپنی زندگی کی بدترین آزمائش سے گزرنے کے لئے تیار ہوں۔" یہ کہتے کہتے نگار خانم کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ شاید وہ امیر جلال کی گفتگو کا مفہوم سمجھ رہی تھی۔

"اس کی زنجیریں کھول دو۔" امیر جلال کے لہجے میں عجیب سی سرشاری تھی۔ اس نے بہت آہستہ آواز میں اپنے سپاہیوں کو حکم دیتے ہوئے کہا۔ "اسے عزت و احترام کے ساتھ میری قیام گاہ تک پہنچا دو۔"

زنجیروں سے آزاد کرنے کے بعد نگار خانم نظام شاہ کے قریب پہنچی اور کچھ دیر تک خاموش کھڑی اس شخص کو دیکھتی رہی، جو کل تک بے شمار انسانوں کا مسیحا تھا...... مگر آج خود اس کی یہ حالت تھی کہ اپنے جسم پر لاتعداد زخم سجائے ہوئے بے ہوش پڑا تھا اور اس کے زخموں پر لفظوں کا مرہم رکھنے والا ایک بھی غم خوار موجود نہیں تھا۔ نگار خانم کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔ "تیرے آنسو اس بدنصیب انسان کی مصیبتوں میں مزید اضافہ کر دیں گے۔" امیر جلال نے تنبیہ کی۔

نگار خانم نے اپنے آنچل سے آنسو خشک کئے اور چند قدم آگے بڑھ کر احمد سالار کے پاس رک گئی۔

خون میں نہایا ہوا بے ہوش پڑا تھا۔ نگار خانم کے دل میں درد کی ایک تیز لہر اُٹھی۔ "یہ تو تیرے لباسِ
پہننے کے دن تھے مگر درندوں نے تجھے زخموں کی قبا پہنا دی۔ صبر کر میرے بھائی! کہ ظلم کی یہ تاریک
گزرنے ہی والی ہے۔ تُو جبر کی طاری کردہ اس نیند سے جاگے گا تو سورج تیرے دروازے پر دستک
رہا ہو گا۔" نگار خانم نے دل ہی دل میں کہا اور آگے بڑھ کر اس عورت کی لاش کے پاس ٹھہر گئی، جس
اس کا کوئی خونی رشتہ نہیں تھا۔ مگر پھر بھی مرنے والی اسے اپنی حقیقی ماں سے بھی زیادہ عزیز تھی.......

"اُم محترم! زندگی کے اس سفر سے آپ کی جسمانی رفاقت تو ختم ہو گئی، مگر میں محسوس کر رہی ہوں کہ
کی روح اب بھی ہماری ہم سفر ہے اور اس رفاقت کو دنیا کے کسی جابر کا بنایا ہوا قانون ختم نہیں کر
" نگار خانم نے اپنی ماں کے جنازے پر آنسوؤں کے پھول چڑھائے اور تیز قدموں کے ساتھ
اس سے نکل کر امیر جلال کے مکان کی طرف چلی گئی۔

✻✻✻✻✻

"نگار خانم! تمہیں یہ راز نہیں معلوم کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔" اس وقت امیر جلال کے لہجے
شائستگی بھی تھی اور جذباتی تاثر بھی۔ "میں اس کی شکایت نہیں کرتا کہ تم نے میرا پیغام کیوں مسترد کر دیا
مجھے تو آج تم پر یہ حقیقت ظاہر کرنا ہے کہ میں ہر حال میں تمہیں حاصل کر کے رہوں گا۔ خواہ اس
ش میں میری جان ہی چلی جائے۔" یکایک امیر جلال کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ "اگر تم خوش
کے ساتھ مجھ سے شادی کر لو تو میں نظام شاہ اور احمد سالار کی زندگی تمہیں تحفے کے طور پر پیش کر دوں گا
......" امیر جلال نے قصداً اپنا جملہ نامکمل چھوڑ دیا تھا تاکہ وہ نگار خانم کا جذباتی ردِعمل دیکھ سکے۔

نگار خانم کچھ دیر تک سوچتی رہی اور پھر آہستہ آہستہ کہنے لگی۔

"میرے بابا اور میرا بھائی احمد سالار، ملکۂ غزنی کے معتوب ہیں۔ پھر تم ان کی زندگی کی ضمانت کس
ح دے سکتے ہو؟" نگار خانم نے بڑا عجیب سا سوال کر ڈالا تھا جسے سن کر امیر جلال چند لمحوں کے لئے
اس سا ہو گیا۔ پھر بہت سنبھل کر بولا۔

"میں ملکۂ غزنی کو نظام شاہ اور احمد سالار کی جاں بخشی پر آمادہ کر لوں گا۔" امیر جلال بڑی عیاری
ساتھ چال چل رہا تھا۔ "مگر اس سے پہلے شادی کی رسم ادا ہونا ضروری ہے۔"

"اگر ملکۂ غزنی شاہی مہر کے ساتھ یہ فرمان جاری کریں کہ نظام شاہ بے قصور ہیں اور آئندہ ان
خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی جائے گی تو میں علی الاعلان تم سے شادی کرنے کے لئے تیار
" نگار خانم نے بے باکی کے ساتھ اپنا فیصلہ سنا دیا۔

امیر جلال سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ نگار خانم اتنی ذہانت اور تیزی سے اس کا پھیلایا ہوا جال کاٹ
گی۔ "شادی تو تجھے کرنی ہی ہو گی۔" امیر جلال کے لہجے میں وہی سفاکی اور درندگی لوٹ آئی تھی۔
ام شاہ زندہ رہے یا سسک سسک کر مر جائے؟ اس کی زندگی اور موت کا تیری شادی سے کوئی تعلق
" امیر جلال جوشِ جذبات میں بے نقاب ہو چکا تھا۔ "یہ صرف میری خواہش اور انا کا مسئلہ ہے اور
اپنے مسائل کو حل کرنا خوب جانتا ہوں۔ یہ میری حالتِ جمال ہے کہ میں تجھے اپنی بیوی بنانا چاہتا
ورنہ میرے جلال کی کیفیت یہ ہو گی کہ تجھے میری داشتہ بن کر رہنا ہو گا۔"
یہ کہتے ہوئے امیر جلال اُٹھ کھڑا ہوا اور پھر اُس کے حکم پر نگار خانم کو ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔

اپنے مکان سے قصرِ شاہی کی طرف جاتے ہوئے امیر جلال نے ایک مجبور لڑکی کو آخری تنبیہ کی۔ "میں تجھے صرف ایک رات کی مہلت دیتا ہوں تاکہ تُو میرے جلال و جمال میں سے کسی ایک کا انتخاب کر سکے۔"

❁❁❁❁❁

نگار خانم نے وہ رات بڑے کرب میں گزاری۔ اس نے نظام شاہ اور احمد سالار کی زندگی بچانے کے لئے انتہائی تکلیف دہ اور تباہ کن راستہ اختیار کیا تھا، مگر پھر بھی نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ اچانک نگار خانم کو محسوس ہوا کہ جیسے کمرے میں کوئی شخص داخل ہوا ہے۔ اس نے گھبرا کر دیکھا، نظام شاہ زخمی حالت میں آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ چند لمحوں کے لئے نگار خانم کو سکتہ سا ہو گیا۔ اس نے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھا کہ نظام شاہ کے جسم پر زنجیریں بھی موجود نہیں تھیں اور دروازہ بھی بند تھا۔ پھر وہ اس کمرے میں کس طرح داخل ہوئے؟

"بیٹی! مجھے تمہاری خاطر اپنی زندگی میں پہلی بار ایک غلط راستہ اختیار کرنا پڑا۔" نظام شاہ نے نگار خانم کے قریب پہنچ کر بڑے کرب ناک لہجے میں کہا۔ "اپنے باپ سے اتنی محبت نہ کر کہ آخری وقت میں اس کے قدم ڈگمگا جائیں اور مرنے کے بعد اس کا پورا کفن داغ دار ہو کر رہ جائے، وہ میرے جسم کو آرے سے چیر دیں یا میرے گوشت کے ٹکڑے جنگلی جانوروں کے آگے ڈال دیں، مگر تُو اس مردود سے شادی نہ کرنا کہ وہ مسلمانوں کی صفوں میں چھپا ہوا ایک لعنت زدہ بھیڑیا ہے۔ تُو نہیں جانتی کہ امیر جلال کون ہے اور کیا چاہتا ہے؟"

نگار خانم چیختی ہوئی آگے بڑھی اور نظام شاہ سے لپٹ کر رونے لگی۔

"بابا! جب آپ یہ زنجیریں توڑ سکتے ہیں تو پھر ملکۂ غزنی کے زنداں سے نکل کر کہیں دُور کیوں نہیں جاتے؟ اپنی اس مجبور بیٹی کو اتنے آزار کیوں پہنچاتے ہیں؟"

"پریشان نہ ہو کہ تیرے بابا کے جانے کا وقت قریب آ گیا ہے۔" نظام شاہ نے بڑی شفقت سے نگار خانم کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ملکۂ غزنی کی اُٹھائی ہوئی آہنی دیواریں مجھے کیا روکیں گی؟ مگر میں ابھی یہاں سے جا نہیں سکتا کہ اپنے عہد سے مجبور ہوں۔ پھر جب میرا عہد پورا ہو جائے گا تو اس طرح چلا جاؤں گا کہ دیکھنے والے دیکھتے ہی رہ جائیں گے۔"

نگار خانم نے سر اٹھا کر دیکھا...... نظام شاہ کے پورے جسم پر زخموں کی گل کاریاں تھیں اور ان زخموں سے بہتے ہوئے خون کے کچھ داغ نگار خانم کے پیراہن پر بھی نمایاں ہو گئے تھے۔

"میں جا رہا ہوں بیٹی! ابھی مجھے بہت کام ہے۔" نظام شاہ نے نگار خانم کو الگ کرتے ہوئے کہا۔ "مگر آج کی رات جو کچھ تم نے دیکھا ہے، اس کا کبھی کسی سے ذکر نہ کرنا کہ یہ میرا حکم ہے ورنہ تمہارا باپ رُسوا ہو جائے گا۔"

یہ کہہ کر نظام شاہ مڑے اور دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔ نگار خانم کو محسوس ہوا کہ جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا ہے۔ پھر یہ تاریکی زائل ہوئی تو اس نے دیکھا کہ نظام شاہ کمرے سے جا چکے تھے اور وہ دروازہ اسی طرح بند تھا۔

❁❁❁❁❁

دوسرے دن نگار خانم نے شادی سے انکار کر دیا۔ امیر جلال وحشیوں کے مانند غصے میں بھرا ہوا ملکۂ غزنی کے سامنے حاضر ہوا اور انتہائی تلخ لہجے میں کہنے لگا۔

"ملکۂ عالیہ! آپ کا یہ غلام اپنے منصوبے میں ناکام ہو گیا۔" امیر جلال کو اپنے لہجے پر قابو نہیں رہا تھا غضب سے اس کی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔ "اب مجھے حکم دیجئے کہ میں اس غدار اور منافق کا سر کاٹ کر آپ کے حضور پیش کر دوں۔"

اپنے سپہ سالار کی بدحواسی دیکھ کر ملکۂ غزنی بھی فکرمند نظر آنے لگی تھی۔ "ہمیں کچھ سوچنے کا موقع دے تاکہ ہم نظام شاہ کے قتل کا جواز تلاش کر سکیں۔"

"قتل کا جواز تو موجود ہے۔" امیر جلال کے لہجے میں وہی برہمی تھی۔ "وہ عقیدتاً ایک یہودی ہے جو مسلمانوں کی صفوں میں انتشار برپا کر رہا ہے۔"

"ہم امام رکن الدین مسعود سے مشورہ کرنے کے بعد کسی نتیجے پر پہنچیں گے۔" ملکۂ غزنی نے پریشان لہجے میں کہا۔ "نظام شاہ کا قتل اتنا آسان نہیں ہے۔ جب تک غزنی کی رعایا کو مطمئن نہیں کیا جاتا، اس وقت تک اس فتنے سے نجات حاصل کرنا مشکل ہے۔ بہرحال، ہم تیری اس تجویز پر غور کریں گے۔"

امیر جلال کسی شکست خوردہ انسان کی طرح سر جھکائے ہوئے ملکۂ غزنی کی خلوت سے نکل کر چلا گیا۔ اتفاق سے اس وقت امیر سبکتگین کی ایک وفادار بوڑھی کنیز بھی موجود تھی۔

امیر جلال کے جاتے ہی وہ بوڑھی کنیز ہاتھ جوڑ کر عرض کرنے لگی۔ "ملکۂ عالیہ ہر معاملے میں با اختیار ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو نظام شاہ کو خونیں کفن بھی پہنایا جا سکتا ہے اور آپ چاہیں تو انہیں قید سے رہائی بھی دی جا سکتی ہے۔ میں ایک حقیر کنیز اس بات کی مجاز نہیں کہ آپ کو کوئی مشورہ دے سکوں۔ مگر پھر بھی اتنی التجا ضرور ہے کہ نظام شاہ کے قتل کا حکم صادر نہ فرمائیں۔ بے شک! انہیں زنداں میں رہنے دیں، مگر ان پر کئے جانے والے تشدد کا سلسلہ بند کر دیں۔ میں نے ان گناہ گار آنکھوں سے نظام شاہ کو بڑے عجیب رنگ میں دیکھا ہے۔ میرا اللہ گواہ ہے کہ ان پر بڑی سنگین تہمتیں لگائی جا رہی ہیں۔"

ابھی بوڑھی کنیز کی بات مکمل بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ ملکۂ غزنی فرطِ غضب سے چیخ اُٹھی۔ "نکل جا ہماری بارگاہ سے۔ بدحواس بڑھیا! تُو بھی اس شعبدہ باز کے طلسم میں گرفتار نظر آتی ہے۔"

امیر سبکتگین کی وفادار کنیز لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ خلوتِ شاہی سے نکل کر چلی گئی۔

اور پھر اسی رات ملکۂ غزنی نے ایک لرزہ خیز خواب دیکھا۔ ایک انتہائی آراستہ کمرے کے وسط میں ایک زرنگار کرسی پر نظام شاہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے دونوں طرف دست بستہ انسانوں کی لمبی قطاریں ہیں اور خود ملکۂ غزنی زنجیریں پہنے ہوئے نظام شاہ کے سامنے کھڑی ہے۔ اچانک چند سپاہی ایک بڑا خوان اُٹھائے ہوئے دروازے میں داخل ہوتے ہیں اور انتہائی مودبانہ انداز میں چلتے ہوئے نظام شاہ کے روبرو پہنچ کر ٹھہر جاتے ہیں۔ ملکۂ غزنی نے غور سے دیکھا کہ اس خوان پر سرخ کپڑا ڈھکا ہوا ہے۔ سپاہیوں نے نصف قد تک خم ہو کر نظام شاہ کی خدمت میں نذر پیش کرنے کی اجازت طلب کی۔

"اسے کھولو۔" نظام شاہ نے خوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

نظام شاہ کا حکم پاتے ہی سپاہیوں نے سرخ کپڑا ہٹا دیا۔ ملکۂ غزنی یہ جاں گداز منظر دیکھ کر چیخنے لگی۔ سپاہیوں کے لائے ہوئے خوان میں اس کے بیٹے امیر اسماعیل کا کٹا ہوا سر رکھا تھا۔

اپنے بیٹے اسماعیل کا کٹا ہوا سر دیکھ کر ملکۂ غزنی اس طرح چیخی جیسے خود اُسے ذبح کیا جا رہا ہو۔ اپنی ہی چیخوں سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ ملکۂ غزنی کی ہذیانی چیخیں سن کر تمام خواصیں دوڑ پڑیں۔ خدمت گار کنیزوں نے ملکۂ غزنی کو اس حالت میں دیکھا کہ اس کا پورا بدن پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔ آنکھیں خوف و دہشت سے پھیل گئی تھیں اور چہرے پر موت کی زردی چھائی ہوئی تھی۔ ملکۂ غزنی کی یہ کیفیت دیکھ کر تمام خواصیں بھی سہم گئی تھیں اور تیز ہوا کی زد پر آئی ہوئی کسی کمزور شاخ کی طرح کانپ رہی تھیں۔

"امیر اسماعیل کہاں ہیں؟" ملکۂ غزنی نے گھٹے گھٹے لہجے میں پوچھا۔

"اپنی خواب گاہِ جلال میں آرام فرما رہے ہیں۔" ایک کنیز نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"تُو جھوٹ تو نہیں بول رہی ہے؟" ملکۂ غزنی نے چیختے ہوئے کہا۔

"کنیز تو اس دروغ گوئی کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔" دست بستہ کھڑی ہوئی خواص نے سر جھکا دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے جسم کی لرزش میں مزید اضافہ ہو گیا۔

"جب تک میں خود اپنی آنکھوں سے امیر اسماعیل کو نہیں دیکھوں گی، اس وقت تک مجھے کسی کی بات پر اعتبار نہیں آئے گا۔" یہ کہتے ہوئے ملکۂ غزنی اپنے بستر سے نیچے اُتری اور تیز قدموں کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھی۔

دہشت زدہ خواصوں نے بڑی حیرت سے دیکھا کہ ملکۂ غزنی کے جسم پر لرزش طاری تھی اور اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ کنیزوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر ملکۂ عالیہ، امیر اسماعیل کے سلسلے میں اتنی پریشان کیوں ہیں۔ وہ خوف زدہ چہروں کے ساتھ ایک دوسرے کا منہ دیکھتیں اور آنکھوں ہی آنکھوں میں سوال کرتیں۔ مگر ان کے سوالوں کا جواب دینے والا کوئی نہیں تھا۔

ملکۂ غزنی بڑی تیز رفتاری کے ساتھ مختلف راہداریاں طے کرتی ہوئی امیر اسماعیل کی خواب گاہ تک پہنچی اور شدید وحشت کے عالم میں بار بار دروازے پر دستک دینے لگی۔ ملکۂ غزنی کو اس حالت میں دیکھ کر تمام مسلح پہریدار حیران و پریشان سر جھکائے [illegible] رہے تھے۔

"یہ کون بے ادب ہے، جس نے ہماری نیند میں خلل ڈالا ہے؟" امیر اسماعیل نے چیختے ہوئے دروازہ کھولا۔ اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ اس انداز میں دستک دینے والے کو سخت ترین سزا دے گا۔ مگر جب امیر اسماعیل کی نظر، ملکۂ غزنی پر پڑی تو وہ سناٹے میں آ گیا۔ "مادرِ معظمہ! آپ؟" حیرت اور غصے کو ضبط کرتے ہوئے امیر اسماعیل کی شکل عجیب سی ہو کر رہ گئی۔

"اندر چلو!" ملکۂ غزنی نے بیٹے کا بازو پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔

"آخر بات کیا ہے اُمِ محترم؟" امیر اسماعیل نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کچھ نہیں میرے محبوب بیٹے! کچھ نہیں۔" ملکۂ غزنی نے وحشت زدہ انداز میں امیر اسماعیل کے چہرے اور بازوؤں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "اللہ کا شکر ہے کہ تم بالکل ٹھیک ہو، تمہارے جسم پر تو ہلکی سی خراش بھی نہیں۔" یہ کہتے ہوئے ملکۂ غزنی زار و قطار رونے لگی۔ وہ بہت زیادہ بدحواس نظر آ رہی تھی۔

"مادرِ مہربان! میں آپ کی باتوں کا مفہوم سمجھنے سے قاصر ہوں۔" امیر اسماعیل نے رک رک کر کہا۔ ماں کا غم میں ڈوبا ہوا چہرہ اور بہتے ہوئے آنسو دیکھ کر وہ خود بھی ذہنی انتشار اور سراسیمگی کا شکار نظر آنے

لگا تھا۔

"میں نے کچھ دیر پہلے تمہارے بارے میں ایک عجیب سا خواب دیکھا تھا۔" ملکۂ غزنی نے اپنے ...ب پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ اب اس کے ہونٹوں پر ایک تھکی تھکی اور بے جان سی مسکراہٹ اُبھر آئی ...

"آپ زیادہ نہ سوچا کریں، مادرِ معظم!" امیر اسماعیل نے انتہائی سعادت مندانہ انداز میں ملکۂ غزنی کے ...دھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ نے خود یہاں تشریف لانے کی زحمت کیوں کی؟ اپنے اس ...م کو طلب کر لیا ہوتا۔"

"اللہ تمہاری زندگی میں میری عمر بھی شامل کر دے۔" ملکۂ غزنی نے ایک بار پھر بیٹے کا چہرہ دونوں ...وں کے درمیان لے کر اس کی پیشانی کو طویل بوسہ دیا۔

پھر امیر اسماعیل نے ملکۂ غزنی کو اُس کی خواب گاہ تک پہنچایا اور پھر بہت دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ...ا رہا تاکہ ماں کے ذہن سے اس لرزہ خیز خواب کے اثرات زائل ہو جائیں۔

❁❁❁❁❁

دوسرے دن سب سے پہلے ملکۂ غزنی نے امام رکن الدین مسعود کو تنہائی میں طلب کر کے اپنا خواب ...ایا اور اس کی تعبیر پوچھی۔

امام رکن الدین نے انتہائی زمانہ سازی اور ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ ...ے چہرے سے اس قسم کا تاثر دے رہے تھے جیسے کہ یہ ایک بہت پیچیدہ خواب ہے، جس کی تعبیر تلاش ...نے میں انہیں شدید دشواری پیش آ رہی ہے۔ پھر بہت دیر بعد امام نے بڑے تکلف کے ساتھ آنکھیں ...لیں اور اپنے مخصوص خطیبانہ انداز میں ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہنے لگے۔

"ملکۂ عالیہ! یہ سب اسی نظام شاہ کی شعبدہ بازی اور جادوگری ہے۔" غزنی کے مردِ قلندر کے لئے ...رکن الدین مسعود کے لہجے سے انتہائی حقارت جھلک رہی تھی۔ "جب تک وہ زندہ رہے گا، آپ اسی ...ح نفسیاتی دباؤ کا شکار رہیں گی۔ کل رات آپ نے جو خواب دیکھا ہے، دراصل وہ خواب نہیں بلکہ ...م شاہ کی شعبدہ بازی کا اثر ہے۔ تمام جادوگر اپنے تخریب کار عمل سے اسی طرح انسانی ذہنوں پر اثر ...از ہوتے ہیں۔ اگر یہ عمل بار بار دہرایا جائے تو صحت مند انسان بھی ایک دن بیمار پڑ جاتا ہے۔" امام ...الدین مسعود، جادو کی توجیہہ پیش کر رہے تھے۔ "پھر یہی بیماری بڑھتے بڑھتے انسانی ہلاکت کا سبب ...جاتی ہے۔ میں اس سلسلے میں بس ملکۂ عالیہ سے اتنی ہی عرض کروں گا کہ نظام شاہ سے جلد از جلد پیچھا ...ا لیجئے۔ اس کے قتل کا مذہبی جواز بھی موجود ہے اور سیاسی بھی۔" امام رکن الدین مسعود نے بڑے بے ...انہ انداز میں نظام شاہ کے قتل کا فتویٰ دے دیا تھا۔

ملکۂ غزنی کچھ دیر تک خاموش بیٹھی رہی۔ اس دوران اس کے چہرے پر مختلف رنگ اُبھر کر ڈوبتے ...ہے۔ وہ شدید ذہنی کشمکش کا شکار تھی۔ امام رکن الدین مسعود، ملکۂ غزنی کی ان کیفیات اور ذہنی انتشار کا ...اندازہ نہ کر سکے کہ اس کا چہرہ دبیز نقاب سے ڈھکا ہوا تھا۔

"میں آپ کے مشوروں پر سنجیدگی سے غور کروں گی۔" آخر طویل سکوت کے بعد ملکۂ غزنی کے ...نٹوں کو جنبش ہوئی۔

امام رکن الدین مسعود کھڑے ہو گئے اور جاتے جاتے اپنا وہی سفاکانہ مشورہ دہرانے لگے۔ "ملکۂ عالیہ! ایک آپ ہی کی ذات ہے جو غزنی کے کلمہ گویوں کو اس مذہبی فتنے سے نجات دلا سکتی ہے اور نظام شاہ کی موت ہی امیرِ معظم کی خوش حال و پُرسکون زندگی کا سبب بن سکتی ہے۔ ورنہ ہر وقت یہی خدشہ رہے گا کہ کب اس جادوگر کا تباہ کار عمل کامیاب ہو جائے اور آپ کے خاندانی جاہ و جلال پر رنج و زوال کے سائے پڑنے لگیں۔ خاکم بدہن، اگر وہ سنگین ساعت آ گئی تو سلطنتِ غزنی کا یہ دیرینہ خدمت گار اپنے محسن امیر سبکتگین کی روح سے بہت شرمندہ رہے گا اور پھر ضمیر کا یہ بوجھ اس گناہ گار کے لئے ناقابلِ برداشت ہو جائے گا۔" امام نے جاتے جاتے ایک نئے زاویے سے ملکۂ غزنی کو ورغلانے کی کوشش کی تھی۔

امام رکن الدین مسعود کے جاتے ہی ملکۂ غزنی نے امیر سبکتگین کی اس وفادار بوڑھی کنیز کو دوبارہ خلوت میں طلب کر لیا جو ایک دن پہلے نظام شاہ سے عقیدت رکھنے کے باعث اس کے عتاب کا نشانہ بن گئی تھی۔ بوڑھی کنیز کانپتے قدموں کے ساتھ خلوتِ شاہی میں داخل ہوئی۔

"تُو نے نظام شاہ کو کس رنگ میں دیکھا ہے؟ سچ سچ بتا کہ یہ پاگل بوڑھا کون ہے؟ اگر تُو نے مصلحت یا جھوٹ سے کام لیا تو یاد رکھ کہ تیری بوڑھی اور کمزور ہڈیاں ہمارے قہر و جلال کی آہنی ضرب کو برداشت نہیں کر سکیں گی۔"

"ملکۂ عالیہ! یہ حقیر لونڈی بہت دن جی چکی۔ اسے مزید ان سانسوں کی ضرورت نہیں، جو کسی مردِ خدا کی ذات پر بہتان تراش کر حاصل کی جائیں۔" بوڑھی کنیز موت کے خوف سے بے نیاز ہو چکی تھی۔ "میں نے آج تک امیرِ مرحوم کا حقِ نمک ادا کرنے کی کوشش کی ہے اور اس وقت بھی اسی حوالے سے وہی بات کہوں گی جو حق ہے۔" یہ کہہ کر کنیز نے نظام شاہ کی کئی کرامات کی تفصیلات بیان کیں اور بندگانِ خدا کے سلسلے میں ان کی محبتوں کا بھرپور ذکر کیا۔ "ایسا شخص گمراہ نہیں ہو سکتا۔ لوگ نظام شاہ کی روحانی عظمتوں سے حسد رکھتے ہیں، اس کے سوا کچھ نہیں۔" یہ کہتے کہتے بوڑھی کنیز کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

"میں چاہتی ہوں کہ تُو خاموشی کے ساتھ نظام شاہ کو کھانے میں ملا کر زہر دے دے۔" ملکۂ غزنی نے انتہائی سفاکانہ لہجے میں کہا اور گہری نظروں سے بوڑھی کنیز کو دیکھنے لگی۔

امیر سبکتگین کی وفادار کنیز، جس نے زمانے کے بڑے نشیب و فراز دیکھے تھے، ملکۂ غزنی کا وحشیانہ حکم سن کر کانپ گئی۔ "معاذ اللہ! معاذ اللہ!" شدتِ خوف سے کنیز کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ "ملکۂ معظمہ! یہ گناہ گار تو اس قابل بھی نہیں کہ اپنے ناپاک ہاتھوں سے نظام شاہ کی خدمت میں پانی سے بھرا ہوا پیالہ تک پیش کر سکے۔ پھر کہاں یہ زہر آلود خوراک؟ نہیں ملکۂ عالیہ! مجھے اس خدمت سے معذور سمجھا جائے۔"

"کیا تجھے خبر ہے کہ تُو کس گناہ کی مرتکب ہو رہی ہے؟" ملکۂ غزنی نے اسی غضب ناک لہجے میں کہا۔ "حکم عدولی کا جرم، نافرمانی کا گناہ، شاہوں کے قانون میں اس کی سزا موت کے سوا کچھ نہیں۔"

"میں جانتی ہوں ملکۂ عالیہ!" یکایک بوڑھی کنیز کے جسم پر طاری ہو جانے والا لرزہ ختم ہو گیا تھا اور اس کے چہرے کی اُڑی ہوئی رنگت معمول پر آ گئی تھی۔ "مجھے یہ منظور ہے کہ نظام شاہ کو دیا جانے والا زہر میں اپنے ہاتھوں سے اپنے جسم میں اُتار لوں۔ مگر یہ گوارا نہیں کہ اس مردِ پاکباز کو میرے ذریعے کوئی گزند پہنچے۔" بوڑھی کنیز کے لہجے میں ایسی استقامت تھی کہ جیسے وہ اپنی موت کا استقبال کرنے کے لئے بےقرار ہو گئی ہو۔

"تو پھر تُو کیا چاہتی ہے؟" بوڑھی کنیز کی حیرت انگیز جرأت و بے باکی دیکھ کر ملکۂ غزنی نے اپنا لہجہ بدل دیا تھا۔

"اگر ایک کنیز کے جذبات کا لحاظ رکھا جائے تو میں اتنی ہی عرض کروں گی کہ نظام شاہ روحانیت کے شہنشاہ ہیں اور تمام اہلِ غزنی ان کے غلام۔" کنیز کا لہجہ عقیدت کے جذبے سے سرشار تھا۔

"یہ تُو کیا کہہ رہی ہے؟" ایک بار پھر ملکۂ غزنی کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

"میں ملکۂ غزنی کے روبرو اپنے جذبات بیان کر رہی ہوں۔" بوڑھی کنیز کی گفتگو سے بے نیازی کا انداز جھلکنے لگا تھا۔ "اگر آپ نظام شاہ کے حضور اپنی عقیدت کی نذر پیش نہیں کر سکتیں تو کم سے کم انہیں زنداں کی تاریکیوں سے رہائی دے دیجئے۔"

"تاکہ وہ قید خانے سے نکل کر غزنی کی گلیوں میں ہماری طاقت و اختیار کا مذاق اُڑاتا پھرے۔" ملکۂ غزنی ایک بار پھر شعلے کی طرح بھڑک اُٹھی تھی۔ "اور اس طرح وہ ہماری معصوم رعایا کو بغاوت پر اکسانے لگے۔ نہیں، ہم اسے آزادی نہیں دے سکتے۔ بے کسی کی موت ہی اس کا مقدر ہے۔" ملکۂ غزنی کی انا مجروح ہوئی تو وہ دوبارہ مجسمۂ قہر نظر آنے لگی۔

"تو پھر نظام شاہ کو زہر دینے کے لئے کسی دوسرے خدمت گار کا انتخاب کر لیجئے۔" بوڑھی کنیز نے اس قدر اطمینان سے کہا جیسے وہ موت کے منہ میں کھڑے ہونے کے بجائے قصرِ شاہی کے سبزہ زار میں محوِ خرام ہو۔ "لیکن یاد رکھیے ملکۂ عالیہ! اگر نظام شاہ کو ہلاک کر دیا گیا تو پورا غزنی، خون کے سیلاب میں ڈوب جائے گا۔ نظام شاہ کوئی عام قیدی نہیں ہیں کہ ان کے ساتھ شاہوں کا بنایا ہوا قانون جس طرح چاہے سلوک کرے۔ میری گناہ گار آنکھیں کئی دنوں سے یہ جاں گداز منظر دیکھ رہی ہیں کہ امیر جلال جیسا بھیڑیا مسلسل نظام شاہ کا خون پی رہا ہے...... اور خون آشامی کی یہ رسم محض آپ کے حکم پر ادا کی جا رہی ہے۔ میں اپنے آقا امیر سبکتگین کی نمک خواری کا حق ادا کرنے کے لئے آخری بار اللہ کے نام پر آپ سے التجا کرتی ہوں کہ بے ضمیر مصاحبوں کے نرغے سے جلد از جلد نکل آیئے اور اپنے دستِ جفا کار کو دراز ہونے سے روک لیجئے۔ اب تک نظام شاہ کے جسم سے اتنا خون بہہ چکا ہے کہ اس کا حساب سرزمینِ غزنی سے ادا نہیں ہو سکتا؟ یہی سوچ سوچ کر میری روح لرزتی رہتی ہے۔ امیر جلال کو اس کی درندگی کی جو سزا ملے گی، وہ تو ساری دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھے گی۔ مگر میں اس بات سے ڈرتی ہوں کہ کہیں میرے آقا کا خاندان کسی دردناک مصیبت سے دوچار نہ ہو جائے۔ ملکۂ عالیہ! اگر آپ نظام شاہ کو آزادی نہیں دے سکتیں تو ان پر کئے جانے والے تشدد کا سلسلہ ہی بند کرا دیجئے۔ مجھے بہت دنوں سے کسی عذابِ ناگہانی کی آہٹیں محسوس ہو رہی ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے کوئی سرگوشیوں میں مجھ سے کہہ رہا ہو...... غزنی کے باشندو! یہاں سے دُور نکل جاؤ کہ اس شہر پر قہر نازل ہونے والا ہے۔" یہ کہتے کہتے ایک بار پھر بوڑھی کنیز کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

ابھی خلوتِ شاہی میں بوڑھی ملازمہ کے الفاظ کی گونج باقی تھی کہ ملکۂ غزنی کا ہاتھ بلند ہوا اور کنیز کے جھریوں بھرے رخسار پر گہرا نشان چھوڑتا ہوا گزر گیا۔ بوڑھی اور ناتواں عورت اس ضرب کو برداشت نہ کر سکی اور لڑکھڑا کر فرش پر گر پڑی۔

"نمک حرام کنیز! تجھ پر بھی اس شعبدہ باز کے جادو کا اثر ہو گیا ہے اور تُو تمام عمر کے احسانات کو فراموش کر کے آلِ سبکتگین کو بددعائیں دے رہی ہے؟" ملکۂ غزنی پر وحشت طاری ہو گئی تھی۔

"نہیں ملکۂ عالیہ! میری زبان تو اپنے آقا زادوں کو دعائیں دیتے دیتے تھک چکی ہے۔ بس تھوڑی سی قوتِ گویائی باقی ہے، اس لئے آلِ سبکتگین کو آخری دعا دے کر آپ کے جاہ و جلال کی دنیا سے دُور چلی جانا چاہتی ہوں۔" بوڑھی کنیز کے سر سے خون جاری تھا اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"بے شک! تُو اس دنیا سے جائے گی، مگر بڑی ذلت و بربادی کے ساتھ۔ ہم تیری زبان درازیوں کو معاف نہیں کر سکتے۔" یہ کہہ کر ملکۂ غزنی نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ بوڑھی کنیز کی زبان کاٹ دیں۔

پھر تھوڑی دیر بعد خلوتِ شاہی، امیر سبکتگین کی وفادار کنیز کی چیخوں سے گونج رہی تھی۔ اور قصرِ شاہی ایک مجبور عورت کے خون سے سرخ ہو رہا تھا۔

✻✻✻✻✻

اگرچہ ملکۂ غزنی نے جوشِ غضب میں بوڑھی کنیز کی زبان کاٹ دی تھی۔ لیکن پھر بھی اسے ایک ضعیف عورت کی غیر معمولی استقامت پر تعجب ضرور تھا۔ پھر یہی حیرت بڑھتے بڑھتے ملکۂ غزنی کے دماغ کے ہر گوشے پر مسلط ہو گئی اور پھر اُس کی ذہنی رو ایک ہی سمت میں سفر کرنے لگی۔

"آخر نظام شاہ کی ذات میں ایسی کون سی کشش ہے کہ لوگ اپنی موت کی پروا کئے بغیر اس کی جانب کھنچے چلے جاتے ہیں؟" ملکۂ غزنی نے خود کلامی کے انداز میں کہا اور پھر اسے فوراً ہی امام رکن الدین مسعود کے الفاظ یاد آ گئے کہ نظام شاہ ایک شعبدہ باز ہے اور وہ اپنے جادو کے اثرات سے لوگوں کی دماغی کیفیات بدل ڈالتا ہے۔ ملکۂ غزنی نے سوچا کہ بوڑھی کنیز بھی نظام شاہ کے اسی جادو کے زیرِ اثر ہے اور اسی وجہ سے انتہائی ظلم و تشدد کو ہنسی خوشی برداشت کرنے پر آمادہ ہو گئی تھی۔

ابھی ملکۂ غزنی اپنے کمرے میں تنہا کھڑی نظام شاہ کے حوالے سے مختلف واقعات پر غور کر رہی تھی کہ اچانک اسے گزشتہ رات کا لرزہ خیز خواب یاد آ گیا۔ اسے اپنے پورے جسم میں خوف و دہشت کی شدید لہر اُٹھتی ہوئی محسوس ہوئی۔ نیند کے عالم میں سہی مگر اپنے بیٹے کا کٹا ہوا سر دیکھنا کوئی ایسا منظر نہیں تھا کہ انسان فوری طور پر ذہن کو جھٹک دے اور اس خوف ناک تصور سے پیچھا چھڑا لے۔ یہ خواب تو اتنے پُر ہول ہوتے ہیں کہ انسانی دماغ پر ہمیشہ کے لئے نقش ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ملکۂ غزنی بھی اپنے اس خواب کو یاد کر کے ہوا کے رخ پر رکھی ہوئی کسی شمع کی لو کے مانند لرزنے لگی تھی۔

اگرچہ امام رکن الدین مسعود جیسے عالم نے نظام شاہ کے قتل کا فتویٰ دے دیا تھا اور خود ملکۂ غزنی نے بھی یہ بات طے کر لی تھی کہ وہ بوڑھی کنیز کے ذریعے کھانے میں زہر دلوا کر نظام شاہ کے فتنے سے نجات حاصل کر لے گی۔ مگر رات کے خواب کی خوف ناک یادوں اور زبان کاٹے جانے سے پہلے کنیز کی التجاؤں نے اس جارحانہ اقدام سے باز رکھا۔ اسی دوران سپہ سالار امیر جلال نے باریابی کی اجازت چاہی۔ ملکۂ غزنی اپنے پریشان خیالوں کے حصار سے نکل آئی۔ "ملکۂ معظمہ کا اقبال اتنا بلند ہو کہ آسمان کی ہمسری کرنے لگے۔" امیر جلال غلامانہ انداز میں اس قدر جھک گیا تھا کہ اس کے سر اور زمین کے فرش میں برائے نام فاصلہ رہ گیا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟" ملکۂ غزنی کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔ اس مختصر عرصے میں وہ اپنے شکستہ اعصاب پر قابو پا چکی تھی۔

"نظام شاہ کے لئے کیا حکم ہے؟" امیر جلال سیدھا ہوا اور کہنے لگا۔ "وہ پاگل بوڑھا کسی بھی حال میں ملکۂ معظم کی اطاعت پر آمادہ نہیں ہے۔ اگر ملکۂ عالیہ کی اجازت ہو تو اسے زندگی کی قید سے آزاد کر دیا جائے۔"

امیر جلال کو توقع تھی کہ اس کی بات سنتے ہی ملکۂ غزنی، نظام شاہ کے قتل کا حکم صادر کر دے گی۔ مگر امیر جلال اس وقت حیران رہ گیا، جب ملکۂ غزنی نے کسی تردّد اور ہچکچاہٹ کے بغیر کہا۔

"اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دو۔"

"کیا اُس کے جسم کو زنجیروں سے آزاد کر دوں؟" فرطِ حیرت سے امیر جلال کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ "اور کیا اُسے زنداں کی تاریکیوں سے نکال کر دن کے اُجالوں کی طرف جانے دوں؟" امیر جلال کی آواز سے ارتعاش نمایاں تھا۔

"ہاں، اس کی زنجیریں کھول دو اور تشدد کا سلسلہ بند کر دو۔" ملکۂ غزنی نے سرد لہجے میں کہا۔ "مگر ابھی اُسے زنداں میں رہنے دو کہ وہ باہر جائے گا تو لوگ نئی گمراہی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ نظام شاہ کو دن کے اُجالے میں غزنی کی گلیوں سے گزرتا دیکھ کر اہلِ شہر کہیں گے کہ ایک گداگر جیت گیا اور جلالِ شاہی کو شکست ہو گئی۔" ملکۂ غزنی کی آواز تھکی تھکی سی محسوس ہو رہی تھی۔

"جب تک وہ سانس لے رہا ہے، اُس کی فتنہ انگیزیاں ختم نہیں ہوں گی۔" امیر جلال نے ایک بار پھر ملکۂ غزنی کو ورغلانے کی کوشش کی۔ "وہ زنداں میں رہے یا زنداں سے باہر، اُس کی زندگی بہرحال ایک فتنہ ہے...... اور ملکۂ غزنی کو پورا اختیار حاصل ہے کہ وہ اس فتنے کی پرورش کرتی رہیں یا اسے ہمیشہ کے لئے زیرِ خاک دفن کر دیں۔" ملکۂ غزنی کے فیصلے سے ظاہر ہوتا تھا کہ نظام شاہ کو چند سانسوں کی مزید مہلت مل گئی ہے۔ امیر جلال چاہتا تھا کہ نظام شاہ کی سانسوں کا سلسلہ فوری طور پر ختم ہو جائے۔

"ہم جو بہتر سمجھتے ہیں، وہی کر رہے ہیں۔" ملکۂ غزنی نے کسی قدر ناگواری سے کہا۔

"ملکۂ عالیہ کی دانشمندی پر کون ذی ہوش شک کر سکتا ہے؟" مزاجِ شاہی کی برہمی دیکھ کر امیر جلال نے اپنا لہجہ بدل ڈالا۔

"اور نظام شاہ کے مِنہ بولے بیٹے، احمد سالار کے بارے میں کیا حکم ہے؟" اس نے بھی اپنے روحانی باپ کی تقلید میں بغاوت کا رنگ اختیار کر لیا ہے۔"

"اُسے ابھی قید میں پڑا رہنے دے۔" ملکۂ غزنی نے بے دلی سے کہا۔

"اور اُس کی بیٹی نگار خانم؟" امیر جلال نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"اگر وہ رضامند ہو تو اُس کے ساتھ شادی کر لے۔ ورنہ اسے جانے دے کہ ایک مجبور لڑکی سے ہمیں کوئی شکایت نہیں۔" یہ کہہ کر ملکۂ غزنی نے منہ پھیر لیا۔ یہ کھلا اشارہ تھا کہ امیر جلال، خلوتِ شاہی سے نکل جائے۔

✻✻✻✻✻

سالارِ غزنی، ملکہ کے کمرے سے باہر آیا تو ایسا محسوس ہوتا تھا، جیسے اُس کی بچھائی ہوئی بساطِ سیاست

اچانک اُلٹ گئی ہے اور وہ اپنی زندگی کی سب سے اہم بازی ہار گیا ہے۔ امیر جلال، خلوتِ شاہی سے نکل کر سیدھا امام رکن الدین مسعود کے پاس پہنچا، نہایت عیاری کے ساتھ شکستہ لہجے میں بولا۔

''میں گناہ گار انسان اپنے مذہب کی ایک حقیر سی خدمت انجام دینا چاہتا تھا، مگر ملکۂ عالیہ نے مجھے اس سعادت سے محروم کر دیا۔''

یہ کہتے ہوئے امیر جلال نے امام رکن الدین مسعود کو نظام شاہ کی سزا موقوف کرنے کا پورا واقعہ سنا دیا۔

اس خبر نے درباری عالم کو بھی اُداس کر دیا تھا۔ گویا نظام شاہ کی موت ان دونوں کی خوشی کا سبب بن سکتی تھی۔ امام رکن الدین مسعود کے چہرے پر مختلف رنگ اُبھرتے رہے۔ پھر وہ سرگوشی کے انداز میں امیر جلال سے مخاطب ہوئے۔ ''بھلا تمہیں اس مذہبی فریضے کی انجام دہی سے کون روک سکتا ہے؟''

امیر جلال نے چونک کر امام کی طرف دیکھا۔

''اب نظام شاہ کے جسم میں جان ہی کتنی باقی ہوگی؟'' امام رکن الدین مسعود کی آنکھوں میں عجیب سی چمک آگئی تھی۔ ''تمہارے ہاتھوں کی ہلکی سی جنبش بھی اس کی زندگی کا خاتمہ کر سکتی ہے۔''

حیرت کی زیادتی سے امیر جلال کی آنکھیں مزید پھیل گئی تھیں۔

''اب تک تم نے نظام شاہ پر جس قدر تشدد کیا ہے، اس میں ملکۂ عالیہ کی رضا شامل تھی۔'' امام رکن الدین مسعود نے بڑی ہوشیاری سے امیر جلال کو نظام شاہ کے قتل کے لئے نیا راستہ دکھایا۔ ''تم بڑی مضبوط دلیل کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہ وہ بوڑھا شخص زخموں کی تاب نہ لا کر مر گیا۔ زنداں کی تاریکی میں تمہیں دیکھنے والا کون ہوگا؟ اب پتھر کے در و دیوار تو اس قابل نہیں کہ وہ تمہارے خلاف گواہی دے سکیں۔ اور اگر بالفرضِ محال گواہی دے بھی دی تو اس گواہی کو کون تسلیم کرے گا؟'' امام رکن الدین مسعود کی گفتگو میں بڑی جارحیت تھی۔ ''ملکۂ عالیہ فطرتاً ایک رحم دل عورت ہیں، اس لئے انہوں نے نظام شاہ کا بہتا ہوا خون دیکھ کر اپنا فیصلہ بدل ڈالا ہے۔ مگر میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ تم اس مذہبی فتنے کا خاتمہ کر کے اپنی زندگی کی سب سے بڑی سعادت حاصل کر لو۔''

امام رکن الدین مسعود کا مشورہ سن کر امیر جلال کے چہرے پر مسرت و سرشاری کا رنگ اُبھر آیا، جیسے اُس نے میدانِ جنگ میں اپنے سخت جان حریف کو شکست دے دی ہو۔

❋❋❋❋❋

امام کی نشست گاہ سے اُٹھ کر امیر جلال اپنے مکان پر پہنچا اور ایک کمرے میں قید نگار خانم سے مخاطب ہو کر بولا۔

''تم نے کس چیز کا انتخاب کیا؟'' سالارِ غزنی کا لہجہ آمریت کی بھرپور عکاسی کر رہا تھا۔ ''میرے جمال کا یا میرے جلال کا؟''

''میں جواب دے چکی ہوں۔'' نگار خانم نے بے نیازانہ کہا۔ ''اب میں کسی وضاحت کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔''

''اس کا مطلب ہے کہ تُو نے میرے جلال کا انتخاب کر لیا۔'' اب سالارِ غزنی کے لہجے میں بے ہودگی بھی تھی اور سفاکی بھی۔ ''افسوس! تُو نے آبرومندانہ زندگی کا انتخاب نہیں کیا۔'' امیر جلال کی آنکھوں

...یوں کی پرچھائیاں لرز رہی تھیں۔ ''اب تُو میری کنیز بن کر رہے گی۔ ایسی کنیز جس کے جسم پر مجھے پورا ...حاصل ہوگا۔''

''یہ محض تیری خام خیالی ہے۔'' نگار خانم کے لہجے میں وہی بے نیازی تھی جیسے وہ اپنے گھر کی ...واری میں موجود ہو۔ ''سردار تبریز بھی یہی کہتا تھا۔'' نگار خانم نے امیر جلال کو ماضی کا ایک عبرت ...واقعہ یاد دلایا۔

''مگر میں سردار تبریز نہیں ہوں۔'' امیر جلال نے وحشیانہ انداز میں چیختے ہوئے کہا۔ ''تیری احمقانہ ...ضد تجھے بھی بے آبرو کر ڈالے گی اور تیرا پاگل باپ بھی کل صبح تک اپنی زندگی سے محروم ہو جائے گا۔''

...سالارِ غزنی نے اپنا ظالمانہ فیصلہ سنا دیا تھا۔

''جو ہونا ہے، وہ ہو کر رہے گا۔'' نگار خانم نے امیر جلال کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بڑی ...ت مندی کے ساتھ کہا۔ ''انسان بے آبرو اس وقت ہوتا ہے جب رُسوائی کے اس عمل میں اس کی اپنی ...امندی شامل ہو۔ اگر تُو نے میرے جسم پر تصرف حاصل کر بھی لیا تو اس سے کیا فرق پڑے گا؟ دیکھنے ...لا تو دیکھ رہا ہے کہ میں کتنی مجبور ہوں۔''

''میں تجھے مجبوریوں سے نجات ہی تو دلانا چاہتا ہوں۔ نگار خانم!'' امیر جلال نے ایک بار پھر اپنا ...ہ بدلا۔ سالارِ غزنی کا خیال تھا کہ نگار خانم اُس کی دھمکیوں سے مرعوب ہو گئی ہے۔

''پہلے تُو اپنے آپ سے تو نجات حاصل کر لے۔'' یہ کہہ کر نگار خانم نے منہ پھیر لیا۔ اس کی آنکھوں ...ں ساری دنیا کی نفرتیں اور حقارتیں سمٹ آئی تھیں۔

''میں تجھے تھوڑی سی مہلت اور دیتا ہوں۔'' امیر جلال یکایک سلگتے ہوئے کوئلے کی طرح چیخ اٹھا۔ ''آج رات ہر بات کا فیصلہ ہو جائے گا۔ اب یہ تجھ پر منحصر ہے کہ تُو صبح کے سورج کو گلے لگائے گی یا ان ...زنجیروں کو قبول کرے گی، جن کا سلسلہ قبر میں پہنچ کر بھی ختم نہیں ہوتا۔'' یہ کہہ کر امیر جلال کمرے سے ...ل کر چلا گیا اور اس کے خدمت گاروں نے دوبارہ کمرے کو باہر سے مقفل کر دیا۔ امیر جلال نے اب ...ک شادی نہیں کی تھی۔ وہ ایک اوباش انسان تھا اور اس نے خدمت گزاری کے لئے کئی خوبصورت ...یزیں ملازم رکھی ہوئی تھیں جو رات کے وقت ساقی گری کے بھی فرائض انجام دیتیں اور محفلِ رقص و ...رود کی رونق بھی بڑھاتیں۔ امیر جلال نصف شب تک نغمہ و رقص و جام سے دل بہلاتا اور پھر تھک کر سو ...اتا۔ امیر سبکتگین کے عہدِ حکومت میں وہ ایک معمولی فوجی افسر تھا اور انتہائی رازداری کے ساتھ زیرِ زمین ...خانوں میں جشنِ کیف و نشاط برپا کیا کرتا تھا۔ پھر جب وہ امیر اسماعیل کے دورِ حکمرانی میں غزنی کے اعلیٰ ...منصب پر فائز ہوا تو اس کی نفسانی خباثتوں کے سارے نقوش چہرے کے ساتھ ساتھ مکان کے در و ...وار سے بھی جھلکنے لگے۔ اب وہ آزادانہ شراب پیتا اور رقص و سرود کی محفلیں سجاتا مگر اسے روکنے والا کوئی ...نہ تھا۔ امیر جلال جیسے بدمستوں کا احتساب کرنے والا سخت گیر حکمران سبکتگین قبر میں سو رہا تھا اور اس ...قت جو لوگ تختِ غزنی پر جلوہ افروز تھے، انہیں اس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ ارکینِ سلطنت میں سے کون ...کس کردار کا حامل ہے؟ وہ تو بس یہ چاہتے تھے کہ لوگوں کی گردنیں ان کے آگے خم رہیں۔ چاہے وہ لوگ ...ہوس کی تکمیل کے لئے بندگانِ خدا کے جسموں کو سروں سے محروم کر دیں یا ان کے پیرہنِ آبرو کی دھجیاں ...ڑا دیں۔ امیر جلال نے حکومت کی اسی بے حسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نگار خانم کو یرغمال بنا لیا تھا۔

✻✻✻✻✻

پھر جب ہر طرف رات کی تاریکی پھیل گئی تو امیر جلال زنداں کی اس کال کوٹھری کی طرف بڑھا جہاں نظام شاہ قید تھے۔ سالارِ غزنی نے پہریداروں سے سوال کیا کہ وہ پاگل بوڑھا کس حال میں ہے؟ جواباً پہریداروں نے کہا کہ وہ ابھی تک بے ہوش ہے۔

"ملکۂ عالیہ نے ازراہِ کرم اُس کی سزا موقوف کر دی ہے۔" امیر جلال نے اپنے ہاتھوں سے کال کوٹھری کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "خبردار! اب اسے کوئی تکلیف نہ دینا۔" یہ کہہ کر امیر جلال اندر داخل ہوا اور اس نے دروازہ بند کر لیا۔ سالارِ غزنی کا منصوبہ یہ تھا کہ پہلے وہ نظام شاہ کے جسم کو زنجیروں سے آزاد کر دے گا اور پھر ایک انتہائی زخمی بوڑھے کا گلا گھونٹ کر اس کی سانسوں کا سلسلہ منقطع کر دے گا۔

امیر جلال نے جلتی ہوئی مشعل کی روشنی میں دیکھا، نظام شاہ زنداں کے فرش پر بے ہوش پڑے تھے۔ سالارِ غزنی کو اپنا کام بہت آسان نظر آ رہا تھا۔ وہ عجیب انداز میں قدم اُٹھاتا ہوا آگے بڑھا اور پھر جیسے ہی نظام شاہ کے قریب پہنچ کر زنجیریں کھولنے کے لئے جھکا تو یکایک امیر جلال کو یہ محسوس ہوا کہ اس کا پورا جسم برف کے مانند جم گیا ہے۔ سالارِ غزنی گھبرا کر سیدھا ہو گیا۔ اب اسے سانس لینے میں اس قدر دُشواری پیش آ رہی تھی کہ جیسے اُس کا دل ڈوبا جا رہا ہو۔ امیر جلال بدحواس ہو کر چند قدم پیچھے ہٹا اور اس کوشش میں فرش پر گر پڑا۔ پھر وہ بڑی مشکل سے دوبارہ اٹھا۔ اب اسے محسوس ہو رہا تھا، جیسے وہ ایک اپاہج شخص ہے اور اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی لاش کو گھسیٹ رہا ہے۔ سالارِ غزنی چند قدم اور پیچھے ہٹا۔ تب اسے ایک عجیب سا شور محسوس ہوا، جیسے ہوا کا خوف ناک طوفان آ گیا ہے اور زنداں کے پتھریلے در و دیوار تنکوں کے مانند اُڑے جا رہے ہیں۔

امیر جلال پر اس قدر خوف طاری ہو گیا تھا کہ وہ چیخ کر پہریداروں کو آواز دینا چاہتا تھا مگر کچھ سوچ کر خاموش رہا۔ امیر جلال کے دل و دماغ پر اس قدر دباؤ تھا کہ اگر وہ کچھ دیر اور کال کوٹھری میں ٹھہر جاتا تو اُس کی سانسیں بند ہو جاتیں یا دل و دماغ خون ہو کر ناک اور منہ کے راستے سے بہنے لگتے۔ امیر جلال نے اسی میں عافیت سمجھی کہ وہ نظام شاہ کو چھوڑ کر بلا تاخیر باہر نکل جائے۔

پھر جب سالارِ غزنی دروازہ کھول کر باہر آیا تو حیرت انگیز طور پر اس کی جسمانی اور دماغی کیفیات میں تبدیلی آ چکی تھی۔ "کیا تم نے کچھ دیر پہلے کسی قسم کا شور سنا تھا؟" امیر جلال نے پہریداروں کو مخاطب کر کے کہا۔

"نہیں!" زنداں کے محافظوں نے مختصراً جواب دیا۔ مگر ان کی آنکھوں میں حیرت کا رنگ نمایاں ہو گیا تھا اور وہ اپنے سالار کی گفتگو کا مقصد سمجھنے سے قاصر نظر آ رہے تھے۔

امیر جلال نے بڑے تعجب سے پہریداروں کی طرف دیکھا اور دل ہی دل میں کہنے لگا۔ "شاید یہ میرا وہم تھا۔" اس کے بعد سالارِ غزنی دوبارہ کال کوٹھری کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ اور پھر جیسے ہی نظام شاہ کی طرف بڑھا، اُس کی وہی کیفیت دوبارہ لوٹ آئی۔ امیر جلال کو محسوس ہونے لگا کہ اگر وہ چند لمحے بھی یہاں ٹھہرا تو اس کی حرکتِ قلب بند ہو جائے گی۔ سالارِ غزنی فوراً ہی باہر نکل آیا اور پہریداروں سے یہ کہتا ہوا اپنے مکان کی طرف چل دیا۔ "ابھی وہ بے ہوش پڑا ہے۔ جب ہوش میں آ جائے تو اس کی زنجیریں کھول دینا۔" خوف و دہشت کے سبب امیر جلال کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔ پہریداروں نے چونک کر سالارِ غزنی کی طرف دیکھا مگر وہ آگے جا چکا تھا۔

گھر پہنچتے پہنچتے کئی بار امیر جلال کے جسم میں سردی کی تیز لہر اُٹھی اور اسے محسوس ہوا کہ جیسے اس کا دماغ سُن ہوتا جا رہا ہے۔ "یقیناً نظام شاہ ایک بڑا جادوگر ہے۔ جو بے ہوشی کے عالم میں بھی اپنی شعبدہ بازی دکھا رہا ہے۔" امیر جلال نے تیز تیز چلتے ہوئے سوچا۔ "اگر وہ اتنا ہی طاقتور ساحر ہے تو پھر اس نے زنجیریں کیسے پہن لیں اور اپنے جسم کو تازیانوں کی بارش سے محفوظ کیوں نہیں رکھا؟" امیر جلال نے اپنے آپ سے دوسرا سوال کیا مگر وہ اس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ سالارِ غزنی کا ذہن بری طرح اُلجھ کر رہ گیا تھا۔

✻✻✻✻✻

امیر جلال اسی بدحواسی کے عالم میں اپنے گھر پہنچا اور خدمت گاروں سے شراب طلب کی۔ پھر کچھ دیر بعد جب اس کے اعصاب پُرسکون ہو گئے تو اس نے اپنی ایک رازدار کنیز کو تنہائی میں طلب کر کے کہا۔

"تو کسی سالن یا مشروب میں بے ہوشی کی دوا ملا کر نگار خانم کو کھلا دے۔"

کنیز نے بڑی معنی خیز نظروں سے امیر جلال کی طرف دیکھا اور چپ چاپ کمرے سے نکل کر چلی گئی۔

کچھ دیر بعد کنیز واپس آئی تو اس کے چہرے پر عجیب سا رنگ تھا۔ گھٹی گھٹی مسرت اور دبی دبی خوشی کا احساس۔ "آقا! وہ کہتی ہے کہ اس نے اس گھر کا آب و دانہ اپنے اوپر حرام کر لیا ہے......اور میرا ذاتی اندازہ بھی یہی ہے کہ شاید وہ تڑپ تڑپ کر مر جائے گی مگر غذا کا کوئی نوالہ اور پانی کا کوئی قطرہ اپنے حلق سے نہیں اُتارے گی۔"

امیر جلال کنیز کی بات سن کر بڑی سفاکی اور خباثت کے ساتھ مسکرایا۔ "میں آج رات ہی اس کے حوصلوں کی آزمائش کروں گا۔ وہ جانتی نہیں کہ میرا نام امیر جلال ہے اور کچھ لوگ مجھے درندہ بھی کہتے ہیں۔" سالارِ غزنی اپنی نشست سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور دروازے کی طرف جانے لگا۔ پھر اچانک پلٹ کر اپنی کنیز سے مخاطب ہوا۔ "اگر تم لوگوں کو انسانی چیخوں کا شور سنائی دے تو فوراً ہی اپنی سماعتوں کو بند کر لینا۔ ورنہ تمہارے کانوں میں بھی پگھلا ہوا سیسہ انڈیل دیا جائے گا۔" یہ کہہ کر امیر جلال تیز تیز مگر لڑکھڑاتے قدموں سے باہر نکل گیا۔

پھر سالارِ غزنی اپنے ہاتھوں سے قفل کھول کر نگار خانم کے کمرے میں داخل ہوا۔ نگار خانم کھڑکی کے قریب کھڑی باہر کی طرف دیکھ رہی تھی مگر وہاں آسمان پر چمکتے ہوئے ستاروں کے سوا کوئی دوسرا منظر موجود نہ تھا۔ اگر کچھ تھا تو تھوڑے فاصلے پر درختوں کے ہیولے تھے جنہوں نے اندھیرے کی سیاہ قبا پہن لی تھی۔

"میری بخشی ہوئی مہلت ختم ہو چکی ہے اور فیصلے کی ساعت تیرے سر پر آ پہنچی ہے۔" امیر جلال نے کمرے کے وسط میں پہنچ کر نگار خانم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میرا فیصلہ بہت پہلے ظاہر ہو چکا ہے۔" نگار خانم نے اسی زاویے سے کھڑے کھڑے کہا۔ "میں اپنے الفاظ بار بار دہرانے کی عادی نہیں ہوں۔" اگرچہ نگار خانم کی آواز مدھم تھی مگر اس کا جواب بڑا جارحانہ تھا۔

"اگر آج رات تُو شریکِ حیات کی حیثیت سے میری زندگی میں داخل نہیں ہوئی تو کل صبح کا سورج

طلوع ہوتے ہی تیرے سرکش اور بد دماغ باپ کو قتل کر دیا جائے گا۔" امیر جلال نے اپنی دانست میں ایک مجبور عورت کو بہت خوف ناک دھمکی دی تھی۔ سالارِ غزنی کا خیال تھا کہ اس دھمکی کو سن کر نگار خانم لرز جائے گی...... مگر امیر جلال اس وقت حیران رہ گیا جب اس نے دیکھا کہ نگار خانم نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہیں کی۔

"اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کل صبح تک کیا ہو جائے گا۔" نگار خانم کے سکون و اطمینان کا وہی عالم تھا۔

"مگر میں جانتا ہوں۔" امیر جلال کے لہجے میں بڑا تکبر تھا۔ "مجھے تیری اور نظام شاہ کی تقدیروں کے بارے میں مکمل خبر ہے اور میں اپنے بختِ رسا کے متعلق بھی آگاہی رکھتا ہوں۔"

نگار خانم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اسی اطمینان کی حالت میں خاموش کھڑی رہی۔

امیر جلال آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور نگار خانم کے قریب جا کر ٹھہر گیا۔

"مجھے اس امر پر پورا اختیار ہے کہ میں تجھے بزورِ طاقت اپنی داشتہ بنا ڈالوں مگر میں تیرے غرور کو شکست دینا چاہتا ہوں۔" سالارِ غزنی کی آواز یکا یک تیز ہو گئی تھی۔ "میری آنکھیں بس ایک ہی منظر دیکھنا چاہتی ہیں کہ اہلِ غزنی کے سامنے تیری زبان پر سالارِ غزنی کا نام ہو۔"

نگار خانم بدستور خاموش کھڑی رہی۔

امیر جلال کا غصہ بھڑک اُٹھا۔ ایک مجبور عورت مسلسل اُسے شکست دیئے جا رہی تھی۔ سالارِ غزنی اپنی یہ توہین برداشت نہ کر سکا اور شدتِ غضب سے پاگل ہو گیا۔ پھر کچھ دیر بعد اس درندہ صفت انسان کے تازیانے نگار خانم کے نرم و نازک جسم پر برسنے لگے۔ نگار خانم سر سے پاؤں تک خون میں نہا گئی مگر اس نے اپنی چیخوں کو ہونٹوں کی قید سے آزاد ہونے نہیں دیا۔

امیر جلال ہر تازیانے کی ضرب لگانے سے پہلے بس ایک ہی بات کہتا تھا۔ "جب تک تیری زبان میری رفاقت کے اقرار میں نہیں کھلے گی، اس وقت تک میں تیرے ساتھ یہی وحشیانہ سلوک کرتا رہوں گا۔ مجھے دیکھنا ہے، تیرے اندر کس قدر قوتِ برداشت ہے۔"

سالارِ غزنی کے کئی بھرپور تازیانے نگار خانم کے دلکش چہرے پر بھی پڑے تھے۔ پھر جب ان زخموں سے بہلنے والا خون اس کی آنکھوں میں بھر گیا تو نگار خانم نے اپنے پیرہن کی آستین سے آنکھیں صاف کرنے کی کوشش کی مگر آستین تو پہلے ہی خون میں ڈوبی ہوئی تھی۔ نتیجتاً اُس کی آنکھوں کی دُھند کچھ اور بڑھ گئی۔ ایک نازک اندام عورت نے امیر جلال کے چند تازیانے اور برداشت کئے، پھر وہ لڑکھڑا کر فرش پر گر پڑی اور بے ہوش ہو گئی۔

امیر جلال نے تازیانہ زمین پر پھینک دیا اور نگار خانم کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

"ابھی پہلا دن ہے۔ اتنے زخم تو ایک معمولی عورت بھی برداشت کر لیتی ہے۔" یہ کہہ کر سالارِ غزنی کمرے سے باہر نکلا اور اپنی خدمت گار کنیزوں کو حکم دیتے ہوئے بولا۔ "اس کے منہ میں پانی اور پھلوں کا عرق ٹپکا دو۔ کہیں یہ بھوک اور پیاس کی شدت سے مر ہی نہ جائے۔ ابھی اسے کچھ دن زندہ رہنا ہے۔"

❀❀❀❀❀

اسی دوران ملکۂ غزنی کے حکم نامے کے جواب میں محمود نے اپنے چھوٹے بھائی اسماعیل کو اتمام حجت

...آخری خط تحریر کیا۔

...برادرِ عزیز! میں اس کی شکایت نہیں کرتا کہ مادرِ گرامی میرے حقِ وراثت کو تسلیم کرنے کے بجائے ...ظالموں جیسا سلوک کر رہی ہیں۔ میں ایک بار پھر تمام تلخیوں کو فراموش کر کے تمہیں حقیقتِ حال ...کرنا چاہتا ہوں۔ میری باتیں بہت غور سے سنو...... امیر ناصر الدین (سبکتگین) ہم سب کے ...تھے۔ اب اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ والدِ محترم کے بعد تم مجھے سب سے زیادہ عزیز ہو۔ ...تمہیں ہو۔ اس لئے میں تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہوں...... مگر سلطنت کے قیام اور حکومت ...مقامات کے لئے عمر کی پختگی کے ساتھ ساتھ تجربہ کار ہونا بھی بہت ضروری ہے۔ کسی حکمران کے لئے ...لازم ہے کہ وہ ذہین ہونے کے علاوہ اچھا معاملہ فہم بھی ہو۔ لیکن خوبیٔ قسمت سے ابھی تم بچے ہو اور ...کی منزل سے بہت دُور۔ اگر تم میں یہ صفات موجود ہوتیں تو میں تم سے زیادہ کسی کی اطاعت کو ...نہیں دیتا۔ امیر مرحوم نے تمہیں اپنا جانشین مقرر کیا تھا تو اس کا سبب صرف مصلحتِ وقت اور سلطنت ...تھا۔ میری دُوری کے سبب یہ صورتِ حال ناگزیر تھی۔ اب وقت کی مصلحت یہ ہے کہ تم اچھائی ...کے فرق کو سمجھو اور اس معاملے پر ٹھنڈے دل سے غور کرو۔ انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ اور ...نے وراثت کے طور پر جو کچھ چھوڑا ہے، اسے شریعت کے مطابق تقسیم کر دو۔ غزنی جو ہماری ...اور رعب و جلال کا سرچشمہ ہے، اسے مجھے دے دو تاکہ میں بلخ و خراسان کو دشمنوں سے پاک ...کے تمہارے حوالے کر دوں۔"

...یر جلال اور دوسرے امراء نے اپنے ذاتی مفادات کی خاطر ملکۂ غزنی کو گمراہ کن مشورے دیئے۔ ...کہ اس تنگ نظر اور عاقبت نااندیش عورت نے محمود کو صاف صاف لکھ دیا۔

...وراثت تقسیم ہو چکی۔ اب یہ ہماری مرضی پر منحصر ہے کہ ہم جو چاہیں تمہیں بخش دیں یا پھر تم سے ...مراعات چھین لیں۔ تمہاری عافیت اسی میں ہے کہ اطاعت شعاروں کی طرح غزنی حاضر ہو جاؤ۔ ...کی بار تم نے کسی تاخیری حربے سے کام لیا تو پھر تمہارے سر سے ہمارا دستِ کرم اُٹھ جائے گا اور ...نتائج کی ذمہ داری تنہا تمہاری ذات پر ہو گی۔"

❀❀❀❀❀

...اثناء میں نگار خانم پر امیر جلال کے تشدد کا سلسلہ جاری رہا۔ وہ روزانہ رات کو اُس مجبور عورت پر ...کی بارش کرتا۔ یہاں تک کہ نگار خانم بے ہوش ہو جاتی مگر سالارِ غزنی کا ہوس ناک مطالبہ تسلیم ...۔ اس کا پورا جسم اور چہرہ زخموں سے بھر گیا تھا۔ آخر ایک دن امیر جلال کے خدمت گاروں نے ...ڈرتے عرض کیا۔

...آقا! اب اس عورت میں آپ کا قہر برداشت کرنے کی ہمت نہیں ہے۔ وہ اس قدر کمزور ہو چکی ...اگر اس پر مزید تشدد کیا گیا تو وہ جان سے بھی گزر سکتی ہے۔"

"وہ جان سے تو یقیناً جائے گی۔" امیر جلال نے کسی درندے کی طرح غرّاتے ہوئے کہا۔ "مگر ہم ...اسے دنیا سے بے داغ جانے نہیں دیں گے۔"

...اسی رات امیر جلال نے بہت زیادہ شراب پی اور اپنے سینے میں ناپاک جذبے چھپائے ہوئے ...کے پاس پہنچا جو ایک مُردے کی طرح فرش پر پڑی تھی۔

"شاید تجھے یہی پسند ہے کہ تُو امیر جلال کی داشتہ بن کر رہے۔" خوں آشام بھیڑیا لڑکھڑاتے
قدموں سے ایک معصوم دوشیزہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

نگار خانم کی ناتوانی کا یہ حال تھا کہ وہ مزاحمت تو کیا کرتی، اُٹھ کر بیٹھ بھی نہیں سکتی تھی۔ بس خاموشی
سے کمرے کی چھت کو دیکھتی رہی۔ پھر یکایک اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ امیر جلال نے
تکبر میں ڈوبا ہوا ایک بدمست قہقہہ لگایا۔ پھر جیسے ہی سالارِ غزنی نے نگار خانم کے جسم کو چھونے کی کوشش
کی، اسے محسوس ہوا جیسے اس کے دونوں ہاتھ بے جان ہو گئے ہیں۔

امیر جلال پاگلوں کی طرح چیخنے لگا۔ خدمت گار اپنے آقا کی دلخراش چیخیں سن کر مدد کے لئے
دوڑے مگر دروازہ اندر سے بند تھا۔

خدمت گار، دروازے پر دستک دے رہے تھے اور امیر جلال اپنے بے جان ہاتھوں کی طرف دیکھ کر
چیخ رہا تھا۔ "یہ کیسی آفتِ ناگہانی ہے؟...... اس جادوگر نے مجھے تباہ کر دیا۔"

"آقا! دروازہ کھولیے۔" امیر جلال کی چیخیں سن کر خدمت گار بھی زور زور سے بولنے لگے۔ "ہمیں
اندر آنے دیجیے۔"

"دروازہ توڑ ڈالو...... میں کچھ نہیں کر سکتا۔" امیر جلال کسی ذبح ہونے والے جانور کی طرح چیخ
رہا تھا۔ "دروازہ توڑ ڈالو۔"

خدمت گار کچھ دیر تک مضبوط دروازے پر ضربیں لگاتے رہے۔

اس دوران نگار خانم نے آنسوؤں سے بھری آنکھیں کھول کر امیر جلال کی طرف دیکھا۔ سالارِ غزنی
اس کے قریب ہی کھڑا چیخ رہا تھا۔ نگار خانم کی دُھندلی نگاہوں کے سامنے بڑا عجیب اور ناقابلِ یقین منظر
تھا۔ سالارِ غزنی کا پورا جسم متحرک تھا مگر اس کے دونوں ہاتھ پتھر کی طرح سخت تھے، جنہیں وہ پوری کوشش
کے باوجود ذرا سی جنبش بھی نہیں دے سکتا تھا۔

آخر طویل جدوجہد کے بعد دروازہ ٹوٹ گیا اور تمام خدمت گار شدید بدحواسی کے عالم میں اندر
داخل ہو گئے۔ سالارِ غزنی کے ملازموں کو یقین تھا کہ وہ کمرے میں پہنچتے ہی کوئی خوف ناک منظر دیکھیں
گے۔ مگر جب انہوں نے ظاہری طور پر امیر جلال میں کوئی تبدیلی نہیں پائی تو وہ بڑی حیرت سے اس آقا
کی طرف دیکھنے لگے جو کچھ دیر پہلے اس طرح چیخ رہا تھا جیسے اس پر کوئی ناقابلِ برداشت عذاب نازل ہو
رہا ہو۔

"کیا بات ہے آقا؟" کئی خدمت گاروں نے بیک زبان کہا۔ اب ان کے لہجے میں نہ دہشت تھی
نہ حیرت۔ "آپ کیوں چیخ رہے تھے؟ ہمیں تو یہاں کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آئی۔" ملازموں نے
فرش پر پڑی ہوئی نگار خانم کو دیکھا۔ وہ گزشتہ ایک ماہ سے یہی منظر دیکھ رہے تھے، اس لئے ایک ناتواں
عورت کی یہ حالت ان کے نزدیک کوئی تعجب خیز بات نہیں تھی۔ پھر خدمت گاروں نے کمرے کے ایک
ایک گوشے پر اچٹتی ہوئی نظر ڈالی۔ کوئی انقلاب نہیں آیا تھا۔ پھر امیر جلال کی چیخیں؟...... ملازموں کا
ذہن اُلجھ گیا تھا۔

"حرام کارو!" امیر جلال کا اندازِ گفتگو نہایت بے ہودہ اور فحش تھا۔ "کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ میرے
ہاتھوں کی طاقت سلب ہو گئی ہے۔ جاؤ کسی طبیب کو لے کر آؤ۔"

امیر جلال کے انکشاف کے بعد خدمت گاروں نے اپنے آقا کے دونوں ہاتھوں کی طرف دیکھا۔
انہیں اندازہ ہوا کہ واقعتاً بہت بڑا حادثہ رونما ہو چکا ہے۔ سالارِ غزنی کے ہاتھوں کو دیکھ کر انہیں ایسا
محسوس ہو رہا تھا جیسے گوشت و پوست کے جسم میں دو تراشے ہوئے پتھر لگا دیئے گئے ہیں۔ تمام خدمت
گاروں کی آنکھیں فرطِ حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کا بدکردار اور سفاک آقا
کن ارادوں سے کمرے میں داخل ہوا تھا؟ اس خیال کے آتے ہی ملازموں کو اپنے جسم میں خوف کی
لہر اٹھتی محسوس ہوئی۔ پھر ان کی آنکھوں کی بھی پتلیاں کانپنے لگیں۔ کبھی وہ سالارِ غزنی کی طرف
دیکھتے اور کبھی اس مظلوم عورت پر نظر ڈالتے جو اپنی شدید نقاہت کے سبب نزع کے عالم میں گرفتار کسی
مریض کی مانند نظر آ رہی تھی۔ پھر بھی امیر جلال اس ناتواں و مجبور و بے کس عورت پر قابو نہیں پا سکا تھا۔
یہاں تک کہ وہ اپنے دونوں ہاتھ گنوا بیٹھا۔ آخر قدرت نے امیر جلال سے کیسا انتقام لیا تھا؟ یہ سوچ کر
خدمت گاروں کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔

"نمک حرامو!" اپنے ملازموں کو خوف و ہراس میں مبتلا دیکھ کر سالارِ غزنی دوبارہ چیخا۔ "تم کس
بات کا انتظار کر رہے ہو؟ شاہی طبیب کے پاس کیوں نہیں جاتے؟"

خدمت گار لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ باہر نکل گئے۔ امیر جلال بھی چند قدم آگے بڑھا۔ پھر پوری
قوت سے نگار خانم کے جسم پر ٹھوکر لگاتے ہوئے بولا۔ "یہ ایک عارضی بیماری ہے۔ شاہی طبیب کی
دواؤں سے بہت جلد دُور ہو جائے گی۔ مگر میں تجھے معاف نہیں کروں گا۔"

ٹھوکر کھا کر نگار خانم نے دوبارہ آنکھیں کھول دی تھیں۔ وہ حد سے زیادہ کمزوری کے باعث بول نہیں
سکتی تھی لیکن اس کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ امیر جلال کے خدائی دعوؤں
کا مذاق اُڑا رہی ہو۔

اپنے قہر و نفرت کا مظاہرہ کرنے کے لئے سالارِ غزنی جھکا اور اس نے نگار خانم کے منہ پر تھوک دیا۔
یہ انسانی مجبوری اور بے چارگی کی بدترین مثال تھی۔ امیر جلال کے اس عمل سے ایک لمحے کے لئے نگار
خانم کے چہرے پر کراہیت کا رنگ اُبھرا مگر دوسرے ہی لمحے اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

*****

شاہی طبیب نے اسی رات امیر جلال کے دونوں ہاتھوں کا معائنہ کیا۔ پھر اس نے انتہائی مایوس کن
لہجے میں کہا۔

"میں آپ کو اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتا۔" شاہی طبیب کا ہاتھ امیر جلال کی نبض پر تھا اور وہ
سالارِ غزنی کو اپنی تشخیص سے آگاہ کر رہا تھا۔ "آپ کے دونوں بازوؤں پر فالج کا بدترین حملہ ہوا ہے۔
میرے تجربات و مشاہدات کے مطابق آپ کے ہاتھوں کی رگیں اس قدر بے جان ہو چکی ہیں کہ ان میں
خون کی گردش بحال نہیں ہو سکتی۔ پھر بھی......"

ابھی شاہی طبیب کی بات مکمل ہونے بھی نہ پائی تھی کہ امیر جلال وحشیوں کے مانند چیخ اُٹھا۔ "پھر
دارالشفا میں دواؤں کے یہ انبار کس کام کے ہیں؟ اور تیرے کتب خانے میں یہ ہزاروں کتابیں
کیا ہیں؟ تُو آبِ حیات سے بھرے ان مرتبانوں کو توڑ کیوں نہیں دیتا؟ اور تیرے بقول جن کتابوں

میں نسخہ ہائے کیمیا درج ہیں، انہیں آگ کیوں نہیں لگا دیتا؟" امیر جلال کا لہجہ نہایت تحقیر آمیز تھا۔ جیسے شاہی طبیب سے ہم کلام نہ ہو بلکہ اپنے کسی غلام سے مخاطب ہو۔

"سالارِ غزنی!" شاہی طبیب کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ وہ امیر جلال کے اس ذلت آمیز سلوک کو برداشت نہیں کر سکا تھا۔ "بیماریاں سب پر آتی ہیں۔ آپ کو بھی میرا یہی مشورہ ہے کہ اپنے ہوش و حواس پر قابو رکھئے! ورنہ کسی دوسری خوف ناک بیماری میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔"

"تُو مجھے زندہ رہنے کے انداز سکھانا چاہتا ہے؟...... امیر جلال کو؟...... ایک جانباز سپاہی کو؟... سالارِ غزنی کو جو آفات و مصائب کو ایک طفلانہ کھیل اور موت کو ایک دلچسپ تماشا سمجھتا ہے۔" اس کے لہجے میں بڑا غرور تھا۔

"آپ کس طرح بات کر رہے ہیں سالارِ غزنی!" شاہی طبیب نے پوری شدت کے ساتھ احتجاج کیا۔ "آپ صرف اپنے ذہن میں ایک جانباز سپاہی ہو سکتے ہیں، ورنہ جہاں تک عملی دنیا کا تعلق ہے میں نے آج تک آپ سے زیادہ بزدل اور کم ہمت انسان کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔" یہ کہہ کر شاہی طبیب جانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔

"کہاں جا رہا ہے؟" امیر جلال نے چیخ کر کہا۔ اس کے لہجے سے بدستور تضحیک و حقارت کا رنگ نمایاں تھا۔

شاہی طبیب جاتے جاتے ٹھہر گیا اور نہایت شائستہ انداز میں امیر جلال کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میرے بار بار درخواست کرنے پر بھی سالارِ غزنی نے اپنا لہجہ درست نہیں کیا۔ بزعمِ خود اپنے آپ کو مملکت کا جانباز سپاہی کہنے والا خوب جانتا ہے کہ میں اس کا غلام نہیں ہوں۔ میرے فرائض میں یہ بات شامل ہے کہ میں گاہے بہ گاہے خاندانِ شاہی کے افراد کی جسمانی صحت کا معائنہ کرتا رہوں اور بوقتِ ضرورت ان کا علاج کروں۔ یہ تو میرا آپ پر احسانِ عظیم ہے کہ میں اپنے فرضِ منصبی کو نظر انداز کر کے سالارِ غزنی کے طلب کئے جانے پر دوڑا چلا آیا۔ آپ نے میری محبتوں کا خوب صلہ دیا عزت مآب امیر جلال!" بوڑھے طبیب کے ایک ایک لفظ میں طنز کا تیز نشتر پوشیدہ تھا، جس نے سالارِ غزنی کی قبائے اقتدار کو کئی جگہ سے چاک کر ڈالا تھا۔ "سالارِ غزنی! آج آپ پر یہ واضح ہو جانا چاہئے کہ میں صرف انسانوں کا علاج کرتا ہوں۔" یہ کہتا ہوا شاہی طبیب، امیر جلال کی خلوت سے نکل کر اپنے مکان کی طرف چلا گیا۔

امیر جلال بہت دیر تک شاہی طبیب کو انتہائی نازیبا کلمات سے یاد کرتا رہا۔ پھر جب ایک النفس انسان کے منہ سے اُبلنے والا مغلظات کا سیلاب اُتر گیا تو سالارِ غزنی نے مملکت کے دوسرے طبیبوں کو اپنی قیام گاہ پر طلب کر لیا۔

"وہ شاہی طبیب ابھی ابھی کہہ کر گیا ہے کہ یہ لاعلاج مرض ہے۔" امیر جلال نے انتہائی نفرت آمیز لہجے میں دوسرے طبیبوں کو شاہی طبیب کی تشخیص سے باخبر کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ان کی اپنی رائے ہو سکتی ہے۔" دوسرے طبیبوں نے بیک زبان کہا۔ "ہم فالج کو لاعلاج مرض نہیں سمجھتے مگر آپ کو کچھ دن انتظار کرنا ہوگا۔"

اس کے بعد طبیبوں نے امیر جلال کو اس قدر گرم دوائیں استعمال کرائیں کہ جنہیں کھا کر سالارِ غزنی

پسینے سے شرابور ہو جاتا تھا۔ لیکن تین دن گزر جانے کے باوجود اس کے مفلوج ہاتھوں میں ہلکی سی سرسراہٹ بھی نہیں ہوئی تھی...... جبکہ تمام طبیبوں کا دعویٰ تھا کہ پہلے روز چند خوراکوں کے استعمال کے بعد اسے اپنے پتھر جیسے ہاتھوں میں خون کی گردش محسوس ہونے لگے گی۔ اس دوران امیر جلال نے طبیبوں سے مسلسل رابطہ قائم رکھا اور ان کی تجویز کردہ دواؤں کے رائیگاں جانے کا شکوہ کرتا رہا۔ اور وہ بے ہنر بڑی ہوشیاری سے سالارِ غزنی کو جھوٹی تسلیاں دیتے رہے۔

گزشتہ تین دن سے امیر جلال، ملکۂ عالیہ کی خدمت میں بھی حاضر نہیں ہوا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ مکمل طور پر شفایاب ہونے کے بعد ہی دربارِ شاہی میں حاضری دے گا ورنہ اس کی موجودہ حیثیت دیکھنے والوں کے لئے ایک عبرت ناک تماشا بن کر رہ جاتی۔

ابھی امیر جلال اس عذاب میں مبتلا تھا کہ ایک روز ملکۂ غزنی نے اسے تنہائی میں طلب کر لیا۔ بڑے نازک لمحات تھے۔ امیر جلال اس ناکارہ حالت میں ملکۂ غزنی کے حضور جانا نہیں چاہتا تھا۔ اور دوسری طرف اس کی مجبوری یہ تھی کہ وہ فرمانروائے وقت کا حکم بھی نہیں ٹال سکتا۔ امیر جلال کچھ دیر تک ناقابلِ بیان ذہنی کشمکش کا شکار رہا...... اور اُسے ملکۂ غزنی کے روبرو جانا ہی پڑا۔

"یہ تیرا کیا حال ہو گیا ہے امیر جلال؟" ملکۂ غزنی اور امیر اسماعیل نے شدید حیرت زدہ لہجے میں سالار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

امیر جلال کچھ دیر تک خاموش کھڑا رہا۔ پھر بے اختیار اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اپنے آپ کو مردِ آہن کہنے والا، بچوں کی طرح رو رہا تھا...... "ملکۂ معظمہ! آپ کا یہ غلام ایک آفتِ ناگہانی کا شکار ہو گیا ہے۔" اشک ریزی کے ساتھ امیر جلال نے اپنے ہاتھوں کے مفلوج ہو جانے کی تفصیل بیان کی مگر ملکۂ غزنی کو یہ نہیں بتایا کہ مذکورہ حادثہ کس وقت اور کس صورتِ حال میں پیش آیا تھا۔

ملکۂ غزنی نے فوراً ہی شاہی طبیب کو بھی طلب کر لیا اور قدرے ناگواری کے انداز میں کہا۔ "کیا شاہی حکیم نہیں جانتے کہ افواجِ غزنی کا سالار مفلوج ہو چکا ہے اور مملکت کتنے بڑے نقصان سے دوچار ہونے والی ہے؟"

"میں اپنی ذمے داری کو محسوس کرتے ہوئے ملکۂ عالیہ کے حکم سے پہلے ہی سالارِ غزنی کو دیکھ چکا ہوں۔" شاہی طبیب نے بے نیازانہ انداز میں کہا۔ "میرے علم اور تجربے کے مطابق یہ مرض لاعلاج ہے۔"

"شاہی طبیب جھوٹ بولتے ہیں ملکۂ معظمہ!" امیر جلال درمیان ہی میں بول اٹھا۔ "یہ نظام شاہ کے حامی ہیں، اس لئے انہوں نے میرے علاج سے انکار کر دیا ہے۔" سالارِ غزنی کی فتنہ گری نے ایک اور بے گناہ شخص کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

شاہی طبیب اس بہتان طرازی پر حیران رہ گیا۔ پھر اس نے پورا واقعہ سنانے کے بعد عرض کیا۔ "اب میں اپنا مقدمہ ملکۂ عالیہ کی عدالت میں پیش کرتا ہوں۔ سالارِ غزنی نے جس طرح میرے علم و فن کو رسوا کیا ہے، اس کے بعد دل تو یہی چاہتا ہے کہ غزنی کی حدود سے نکل کر کسی گوشۂ گمنامی میں اپنی باقی زندگی گزار دوں...... مگر میری گردن میں امیر الپتگین اور امیر سبکتگین کے احسانات کا طوق پڑا ہوا ہے۔ ہزار کوششوں کے باوجود اس طوق کو نہیں اُتار سکا۔" یہ کہتے کہتے بوڑھے طبیب کی آنکھوں میں

آنسوؤں کی نمی جھلکنے لگی تھی۔

"یہ سب کچھ کیا ہے امیر جلال؟" ملکۂ عالیہ نے غضب ناک نظروں سے سالارِ غزنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں نظام شاہ کو اس کے گناہوں کی سزا دیتا رہا ہوں۔ اس لئے شاہی طبیب مجھ سے ناراض ہیں اور بدترین دروغ گوئی سے کام لے رہے ہیں۔" امیر جلال نے ایک بار پھر فریب و عیاری کی پناہ ڈھونڈی۔

"ملکۂ عالیہ سالارِ غزنی کے خدمت گاروں کو طلب کر کے صحیح صورتِ حال کے بارے میں دریافت کر سکتی ہیں۔" شاہی طبیب نے نہایت اطمینان سے کہا۔ اس کے چہرے پر خوف و دہشت کی ہلکی سی لہر بھی نہیں تھی۔ "وہ لوگ یقیناً اس خادم کی حقیقت بیانی پر گواہی دیں گے۔"

ملکۂ غزنی نے فوراً ہی امیر جلال کے تمام خدمت گاروں اور کنیزوں کو بھی طلب کر لیا۔ وہ لوگ شاہی سزا کے خوف سے حقیقت بیان کرنے پر مجبور ہو گئے۔ انہوں نے حرف بہ حرف شاہی حکیم کے بیان کی تائید کی جسے سنتے ہی ملکۂ غزنی آگ کی طرح بھڑک اُٹھی۔

"ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے امیر جلال! کہ تم اتنے کم ظرف ثابت ہو سکتے ہو۔ اقتدار پاتے ہی کسی گندی نالی کی طرح اُبل پڑو گے۔" ملکۂ غزنی کے لہجے سے شعلے برس رہے تھے۔ "اب ہمیں سوچنا پڑے گا کہ کہیں ہم نے ایک غلط انسان کے مشوروں پر عمل کر کے اپنا بہت قیمتی وقت برباد تو نہیں کر دیا۔"

ابھی ملکۂ غزنی نے امیر جلال کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا کہ اسے محمود کے قاصد کے آنے کی اطلاع دی گئی۔ یہ خبر سنتے ہی ملکۂ غزنی چند لمحوں کے لئے ساکت سی ہو گئی۔ پھر اس نے فوراً ہی شاہی طبیب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میں تمہاری بزرگی، علمی فضیلت اور خاندانِ شاہی کے سلسلے میں کی جانے والی تمام خدمات کا اعتراف کرتی ہوں۔ اس لئے تم بھی مجھ سے پورے انصاف کی توقع رکھو۔ میں ذرا نازک سیاسی مسئلے سے فارغ ہو جاؤں، پھر تمہارے مقدمے کا فیصلہ کروں گی۔" یہ کہتے ہوئے ملکۂ غزنی اپنے دائیں مڑی اور امیر جلال کو مخاطب کر کے بولی۔

"تم نے مجھے بہت مایوس کیا ہے سالارِ غزنی! لیکن تم فی الوقت خلوتِ شاہی سے باہر نکل جاؤ اور مجھے سن لینے دو کہ محمود کا قاصد کیا پیغام لے کر آیا ہے۔" ملکۂ غزنی کے چہرے پر شدید ناگواری کے آثار نمایاں تھے۔

شاہی طبیب اور امیر جلال، ملکۂ غزنی کی خلوت سے نکل گئے مگر دونوں کے رخصت ہونے کے انداز میں بڑا فرق تھا۔ شاہی طبیب بہت زیادہ آسودہ اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔ اس کے برعکس سالارِ غزنی کے چہرے پر وحشت برس رہی تھی۔ وہ مجرموں کی طرح سر جھکائے لڑکھڑاتا ہوا چل رہا تھا۔ قانون کے ہاتھوں نے امیر جلال کی پوری شخصیت کو مضحکہ خیز بنا دیا تھا۔

❁❁❁❁❁

شاہی طبیب اور امیر جلال کے جاتے ہی ملکۂ غزنی نے محمود کے قاصد کو خلوت میں طلب کر لیا۔ امیر اسماعیل اور ملکۂ غزنی، شاداب چہروں کے ساتھ اپنی اپنی نشست پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان دونوں کا خیال

تھا کہ قاصد محمود کی طرف سے مانگی جانے والی کسی رعایت یا بخشش کی درخواست لے کر آیا ہوگا۔ کیونکہ ملکۂ غزنی اور امیر اسماعیل کو ان کے مشیروں نے بڑا گمراہ کن راستہ دکھایا تھا۔ تمام مشیروں نے بار بار یہی ایک بات کہی تھی کہ محمود اپنی تحریروں کی روشنی میں سہما ہوا نظر آ رہا تھا۔ اگر ملکۂ عالیہ نے اسی طرح دباؤ جاری رکھا تو وہ عنقریب سیاسی پناہ حاصل کرنے کے لئے غزنی کی حدود میں داخل ہو جائے گا۔ پھر کسی ضرورت مند انسان کی طرح ملکۂ معظمہ کے سامنے اپنا دستِ سوال دراز کرے گا۔ یہی وہ پُرفریب مشورے تھے جن کے زیرِ اثر ملکۂ غزنی اور امیر اسماعیل سمجھ رہے تھے کہ نیشاپور سے آنے والا قاصد مصالحتی پیغام لے کر آیا ہوگا۔ مگر جب قاصد ابوالحسن حموی کا پیش کردہ خط ملکۂ غزنی نے پڑھا تو وہ شدتِ غضب میں اپنی نشست سے کھڑی ہو گئی۔ محمود نے اپنی سوتیلی ماں کو واضح الفاظ میں تحریر کیا تھا۔

"مادرِ مہربان! مجھے نہایت افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے کہ آپ نے ہوش و خرد اور مصلحت و مصالحت کے تمام دروازے بند کر دیئے ہیں۔ آپ نہیں جانتیں کہ میں نے اخلاقی اور سیاسی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کس قوتِ برداشت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اللہ علیم و خبیر ہے کہ میں نے خاندانِ سبکتگین کی عظمت اور آپ سے قائم ہونے والے رشتے کے تقدس کی خاطر اپنے منصب سے نیچے اُتر کر اور آپ کے قدموں میں بیٹھ کر بہت عاجزانہ گفتگو کی ہے...... مگر صد حیف کہ میرے اس طرزِ عمل کو کم ہمتی اور بزدلی سے تعبیر کیا گیا۔ واضح رہے کہ میں نے کبھی تاخیری حربوں سے کام نہیں لیا۔ آپ نوشتۂ دیوار پڑھ لیں اور خدارا جلد اپنے بے ضمیر مشیروں کے نرغے سے نکل آئیں۔ میری انتہائی خواہش تھی کہ ہم دونوں بھائیوں کے درمیان شرعی قوانین کے مطابق خلوص اور رفاقت کی اعلیٰ ترین مثال قائم ہو۔ میں اس لئے بھی محبت کا لبادہ اوڑھنے سے گریز کر رہا تھا کہ شاید جلد یا بدیر مفاہمت کا راستہ نکل آئے اور میرے آباؤ اجداد کا لگایا ہوا سبزہ زار بندگانِ خدا کے خون سے سرخ نہ ہو جائے۔

مادرِ مہربان! میں اس وقت سے بہت ڈرتا ہوں، جب تخت کے پائے بے شمار معصوم انسانوں کی لاشوں پر رکھے جائیں گے۔ مجھے اُمید تو نہیں کہ میری تحریر کسی انسان کی فطرت بدل ڈالے گی، مگر میں پھر بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں۔ وہ بے پناہ اور لازوال قدرت رکھتا ہے اور وہی دلوں کو پھیرنے والا ہے۔ ممکن ہے کہ میری عرضداشت ملاحظہ کرنے کے بعد آپ کا قلب بھی بدل جائے۔ بہر حال، میں غزنی کی طرف آ رہا ہوں۔ اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ ایک شفیق و مہربان ماں کی طرح اپنے بیٹے کو گلے لگاتی ہیں یا ایک شرمسار اور شکست خوردہ عورت کی طرح ایک فاتح کا استقبال کرتی ہیں۔

والسلام! آپ کا معتوب بیٹا محمود۔"

محمود نے بڑا سلجھا ہوا، مصالحانہ اور متوازن خط لکھا تھا مگر ملکۂ غزنی اپنے ہی بیٹے کے لکھے ہوئے خط کو حسد و خود غرضی کی عینک سے دیکھ رہی تھی۔ نتیجتاً وہ فلاح کی راہ اختیار کرنے کے بجائے تباہی کے راستے پر مڑ گئی۔

محمود کے حملہ آور ہونے کی خبر سن کر پورے محل میں ایک کہرام سا برپا تھا۔ امیر اسماعیل کے حامی تمام امرائے سلطنت ملکۂ غزنی کے خصوصی کمرے میں جمع ہو رہے تھے۔ جب سارے اراکینِ سلطنت، ملکۂ غزنی کے سامنے سمٹ آئے تو اس خود غرض عورت نے محمود کے قاصد ابوالحسن حموی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اپنے نمک حرام آقا سے کہہ دینا کہ اب وہ ہمارا بیٹا نہیں رہا۔ والدِ محترم کی وصیت کو چاک کر کے

ہوا میں اُڑا دینے والا ہمارا فرزند ہو بھی نہیں سکتا۔ وہ محض ایک باغی ہے اور ہم خوب جانتے ہیں کہ ایک باغی سے کس طرح کا سلوک کیا جاتا ہے؟"

محمود کے مقابلے میں امیر اسماعیل کے فوجیوں کی تعداد زیادہ تھی، اس لئے طاقت کے نشے سرشار ہو کر تمام امراء تالیاں بجاتے ہوئے ملکۂ غزنی کی پُرجوش اور غضب ناک تقریر پر داد دینے لگے پھر جب مصاحبوں اور خوشامدیوں کی صفوں سے اُبھرنے والا شور ختم ہوا تو قاصد ابوالحسن حموی بھر احترام عرض کرنے لگا۔

"میرے آقائے نعمت آپ کے جواب کے منتظر ہوں گے۔"

"کیا تُو نے ہمارا جواب نہیں سنا؟" ملکۂ غزنی نے چیخ کر کہا۔ "جب تک ہم اسے اپنا بیٹا سمجھتے رہے، اپنی تحریری شفقتوں اور مہربانیوں سے اُسے نوازتے رہے۔ مگر جب وہ ہمارے حلقۂ فرزندی سے نکل گیا تو پھر ایک باغی کے خط کا جواب دینا ہماری توہین ہے۔ اپنے آقائے نعمت سے کہہ دینا کہ ہم بھی اپنی تمام تر قہرسامانیوں کے ساتھ نیشاپور کی طرف آرہے ہیں۔"

قاصد ابوالحسن کے دل و دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں اور اس کے خون کی گردش تیز ہو رہی تھی۔ وہ جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا مگر آدابِ سفارت نے اُس کی زبان پر مہرِ خاموشی لگا دی تھی۔ دوسرے یہ کہ ملکۂ غزنی اُس کے آقا کی مادرِ گرامی تھیں، مجبوراً ابوالحسن خاموش رہا اور دربارِ شاہی کی رسم کے مطابق نصف قد تک جھک کر رخصتی آداب بجا لایا اور اُلٹے پاؤں ملکۂ غزنی کے خلوت کدے سے نکل کر چلا گیا۔

❀❀❀❀❀

محمود کے قاصد کے جاتے ہی ملکۂ غزنی نے دوبارہ امیر جلال کو طلب کیا۔ سالارِ غزنی دوسری مرتبہ کمرے میں آیا تو صورتِ حال یکسر بدلی ہوئی تھی۔ امرائے سلطنت کو دیکھ کر وہ گھبرا سا گیا۔

"یہ کیا ہوا سالارِ غزنی؟" امرائے مملکت نے چیخ نما آوازوں میں کہا۔ وہ سب کے سب امیر جلال کی موجودہ حالت کو دیکھ کر بدحواس نظر آرہے تھے۔

"امیر جلال ایک آفت ناگہانی کے باعث اپنے دونوں ہاتھوں سے محروم ہو چکا ہے۔" ملکۂ عالیہ نے سالارِ غزنی کی بیماری کے متعلق وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "شاہی طبیب کا کہنا ہے کہ اس کے فالج زدہ ہاتھوں میں دوبارہ خون کی گردش بحال نہیں ہو سکتی۔"

امرائے سلطنت، سالارِ غزنی کی حالتِ زار پر افسوس کا اظہار کرنے لگے۔ پھر جب اُن کی دبی دبی سرگوشیاں بند ہوئیں تو ملکۂ غزنی کی بلند آواز کمرے میں گونجنے لگی۔

"کوئی اور موقع ہوتا تو ہم تجھ سے تیری بدعنوانیوں کا حساب طلب کرتے۔ مگر ہمیں اس وقت ایک مشکل مرحلہ درپیش ہے۔ اس لئے تیری چند روزہ خدمات کے پیشِ نظر ہم اتنا ہی کرم کر سکتے ہیں کہ تجھے اپنے قہر و جلال کے حوالے نہ کریں۔" ملکۂ غزنی نہایت تحقیر آمیز لہجے میں اپنے امیر لشکر سے مخاطب تھی۔

"یہ غلام تو آج تک ملکۂ عالیہ کے کرم کے سہارے ہی زندہ رہا ہے۔" امیر جلال گداگرانہ لہجے میں گفتگو کر رہا تھا۔ "میں کیا اور میری خدمات کیا..... مگر ملکۂ عالیہ کا کرم اوّل و آخر ہے اور میں آخری سانس تک اسی کرم کا سوال کرتا رہوں گا۔"

سالارِ غزنی کی انتہائی خوشامدانہ روش نے ملکۂ غزنی کے آتشِ غضب کو بڑی حد تک ٹھنڈا کر دیا تھا۔

"ہمارا کرم تو اب بھی تیرے سر پر سایہ فگن ہے۔ ورنہ تُو سانس کس طرح لیتا؟" ملکۂ غزنی نے کسی قدر نرم لہجے میں کہا۔ "مگر زمین والوں کے پاس آسمانی قہر کا کیا علاج ہے؟ اور تُو خود بھی سوچ امیر جلال! کہ جب انسان ہاتھوں کے بغیر مزدوری نہیں کر سکتا تو پھر وہ میدانِ جنگ میں تلوار کس طرح چلائے گا؟ ہمیں تیری اس حالتِ زار پر ترس آتا ہے۔ لیکن وقت کسی کے انتظار میں کبھی نہیں ٹھہرتا۔ مجبوراً ہم تجھے معزول کر کے حسن بن شعبان کو غزنی کا نیا سالار مقرر کرتے ہیں۔ تُو قلعۂ معلّٰی کی رہائش چھوڑ کر اسی وقت اپنے آبائی مکان میں منتقل ہو جا۔"

امیر جلال نے ملکۂ غزنی کا یہ فیصلہ اس طرح سنا کہ دونوں معذور ہاتھوں کے علاوہ اُس کا پورا جسم کانپ رہا تھا۔ "اور یہ خدمت گار...... ملکۂ عالیہ! آپ تو جانتی ہیں کہ میں اس دنیا میں کتنا تنہا ہوں۔" معزول ہو جانے کے بعد امیر جلال، بھکاریوں کی طرح گڑگڑا رہا تھا۔

"خدمت گار تو عہدہ و منصب کی زینت ہوتے ہیں۔" ملکۂ غزنی نے بے نیازانہ کہا۔ "جب وہ عہدہ و منصب ہی نہیں رہا تو خدمت گار کیسے؟ اب نئے سالارِ غزنی حسن بن شعبان کو خدمت گاروں کی ضرورت ہوگی۔" ملکۂ غزنی نے امیر جلال کی ساری مراعات چھینتے ہوئے دوسرا فیصلہ صادر کر دیا تھا۔

"ملکۂ غزنی خوب جانتی ہیں کہ یہ غلام ایک معذور شخص ہے، جو اپنے ہاتھوں سے کھانا بھی نہیں کھا سکتا۔" یہ کہتے کہتے امیر جلال سسک پڑا اور پھر زار و قطار رونے لگا۔

بڑی عجیب صورتِ حال تھی۔ تمام امراء امیر جلال کو تاسف آمیز نظروں سے دیکھنے لگے۔ امیر جلال دراز قامت، تندرست و توانا اور مضبوط قویٰ کا مالک تھا، جو کل تک انتہائی پُرغرور انداز میں جھوم کر، زمین پر زور زور سے پاؤں مارتا ہوا چلتا تھا۔ اور آج وہی امیر جلال اتنا مجبور تھا کہ اپنے ہاتھ سے حلق میں پانی کے دو قطرے بھی نہیں ڈال سکتا تھا۔ کوئی بے چارگی سی بے چارگی تھی؟ یہ سوچ کر تمام امرائے سلطنت کی آنکھوں سے ہلکا ہلکا خوف جھلکنے لگا تھا۔

ملکۂ غزنی کچھ دیر تک خاموش بیٹھی سوچتی رہی۔ پھر اس نے کسی بھوکے سوالی کے سامنے روٹی کا ایک ٹکڑا ڈالنے کے سے انداز میں کہا۔

"یہ سلطنت کا قانون تو نہیں مگر ہم اپنی خاندانی روایت سے مجبور ہو کر تجھے ایک ملازم عطا کئے دیتے ہیں جو تیرے کچھ ضروری کام انجام دیتا رہے گا۔"

"ملکۂ عالیہ کا اقبال بلند ہو۔ بے شک! خاندانِ الپتگین کا ہر فرد اتنا ہی مہربان و کریم ہے۔" امیر جلال نے اشک بار آنکھیں بند کر لیں جیسے وہ ملکۂ غزنی کا شکریہ ادا کر رہا ہو کہ ایسے کڑے وقت میں یہ معمولی سی رعایت بھی کسی گراں بہا انعام سے کم نہیں تھی۔

اس کے بعد ملکۂ غزنی نے نئے سپہ سالار حسن بن شعبان کو طلب کیا اور تمام امراء کی موجودگی میں امیر جلال کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تُو آج ہی سارے شاہی نوادر حسن بن شعبان کے حوالے کر دے۔" نوادر سے مراد وہ ہتھیار تھے، جو امیرِ مملکت کی طرف سے نئے سپہ سالار کو دیئے جاتے تھے۔ "یہ نوادر کسی سپاہی کی ملکیت نہیں ہوتے بلکہ خاندانِ شاہی کی ایک محترم امانت ہوتے ہیں۔ یہ جاں نثاریوں اور قربانیوں کا ایک طویل سفر ہوتا ہے جو کسی ایک شخص کے چلے جانے سے ختم نہیں ہوتا۔ رخصت ہونے

والا سالار آنے والے امیرِ لشکر کو یہ امانت منتقل کر دیتا ہے تا کہ شجاعت کی تاریخ کا تسلسل نہ ٹوٹے اور خون کی روشنائی سے نئے باب رقم ہوتے رہیں۔"

امیر جلال نے شدید اذیت و کرب کے ساتھ سر جھکا لیا۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر امرائے مملکت نے زیرِ لب کہا۔ "کیا انقلابِ زمانہ ہے کہ ایک شخص آسمانِ اقتدار پر طلوع ہو رہا ہے اور دوسرا شخص کس عالمِ بے بسی میں غروب ہو رہا ہے۔"

پھر مختصر سے سکوت کے بعد ملکۂ غزنی نئے سالار حسن بن شعبان سے مخاطب ہوئی۔ "یہ تیرے ذہن کی بیداری، دست و بازو کی توانائی اور حوصلوں کی آزمائش کا وقت ہے۔ کیا تُو اپنی سرفروشی اور جاں نثاری کے امتحان میں پورا اُترے گا؟"

"سچے جانثار، زبانی دعوے نہیں کرتے ملکۂ معظمہ!" حسن بن شعبان نے نصف قد تک خم ہوتے ہوئے کہا۔ "جب خاندانِ الپتگین کے عزت و ناموس پر میرا جسم قربان ہو جائے...... اور جب میرا خون آلودہ سر، ملکۂ ذی وقار کے قدموں میں رکھ دیا جائے تو سمجھ لیجئے گا کہ ایک غلام نے اپنے آقا سے کیا ہوا عہد پورا کر دیا۔" حسن بن شعبان انتہائی درجے کی چرب زبانی سے کام لے رہا تھا۔ اس کے دل اور زبان میں کوئی ہم آہنگی نہیں تھی...... اور جاننے والے خوب جانتے تھے کہ وہ ایک ناکارہ سالار تھا، جو لائق اور باصلاحیت لوگوں کے معتوب ہو جانے کے باعث حادثاتی طور پر منصبِ سالاری تک پہنچ گیا تھا۔

ملکۂ غزنی کے چہرے پر مسرت و انبساط کا گہرا رنگ اُبھر آیا۔ "ہم چاہتے ہیں کہ محمود کا لشکر عبرت ناک اور ذلت آمیز شکست سے دوچار ہو۔"

"ایسا ہی ہوگا ملکۂ معظمہ!" حسن بن شعبان نے ایک اور دعویٰ کیا۔

"ایسا ہی ہوگا۔" سالارِ غزنی کی تقلید میں خوشامدی امراء کی آوازیں بھی بلند ہوئیں۔ اور امیر اسماعیل کی آنکھیں بیداری کی حالت میں طویل و عریض علاقے پر حکمرانی کے خواب دیکھنے لگیں۔

❁❁❁❁❁

قلعۂ معلّٰی کے ایک سنسان سے گوشے میں واقع سرکاری اقامت گاہ کو خالی کرنے سے پہلے ایک خدمت گار نے سرگوشی کرتے ہوئے امیر جلال سے کہا۔

"اگر آپ مناسب سمجھیں تو اپنے علاج کے سلسلے میں اُس لڑکی سے ضرور رجوع کریں جس کی وجہ سے آپ پر یہ خوفناک بیماری مسلط ہوئی ہے۔"

امیر جلال نے چونک کر خدمت گار کی طرف دیکھا اور پھر نگار خانم کے کمرے میں پہنچ کر کسی سوالی کی طرح گڑگڑانے لگا۔ "مجھے معاف کر دو کہ واقعتاً میں نے تم پر بڑا ظلم کیا ہے۔"

"مگر افسوس! تُو اس وقت معافی طلب کر رہا ہے، جب تیرے طاقت ور ہاتھ مجھ پر مزید ظلم کرنے کے قابل نہیں رہے۔" نگار خانم نے بہ مشکل اپنی زبان سے یہ الفاظ ادا کئے۔ جریانِ خون کے باعث وہ اس قدر نڈھال ہو چکی تھی کہ اس کے لئے فرش سے اُٹھ کر بستر پر بیٹھنا بھی محال تھا۔ "امیر جلال! شاید تجھے یاد نہیں ہوگا کہ فرعون نے بھی ڈوبتے وقت یہی کہا تھا کہ میں موسیٰ کے رب پر ایمان لے آیا...... مگر اس وقت بہت دیر ہو چکی تھی۔ اگر وہ اختیار کی حالت میں اپنے اللہ کی وحدانیت اور کبریائی کا اقرار کرتا تو یقیناً غرق ہونے سے بچ جاتا۔ تیری معافی بھی کسی بے دست و پا اور مجبور انسان کا عمل ہے۔ اب یہ

ظلم، کیا ظالم اور کیا مظلوم؟ میرا اور تیرا حساب تو کسی دوسری عدالت میں ہوگا۔ مجھے تجھ سے کوئی نہیں۔ بابا سے رجوع کر! شاید تجھے اس عذاب سے نجات مل جائے۔" یہ کہہ کر نگار خانم نے فرش پر لیٹے لیٹے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

امید کی ہلکی سی کرن کی تلاش میں امیر جلال، زنداں کی طرف بھاگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کسی صورت ہاتھوں کی کھوئی ہوئی طاقت بحال ہو جائے، پھر وہ نگار خانم جیسی سرکش لڑکی کو اپنے سامنے جھک جانے پر مجبور کر دے گا۔ امیر جلال کی خبیث فطرت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی۔ وہ تو بس اپنا مطلب نکالنے کے لئے کبھی ملکۂ غزنی سے رحم کی بھیک مانگتا تھا، کبھی نگار خانم کے سامنے دستِ سوال دراز کرتا تھا...... اور اب نظام شاہ کے پیروں پر سر رکھنے کے لئے زنداں کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔

جب امیر جلال داروغۂ زنداں کے قریب پہنچا تو اس نے چونک کر سالارِ غزنی کی طرف دیکھا۔ "یہ آپ کے ہاتھوں کو کیا ہو گیا ہے؟"

"کچھ نہیں۔" امیر جلال نے حسبِ عادت تلخ اور ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "دروازہ کھولو! مجھے نظام شاہ کو دیکھنا ہے کہ وہ زندہ ہے یا اُس کی سانسیں ختم ہو چکی ہیں۔"

داروغۂ زنداں کو ابھی تک یہ بات معلوم نہیں تھی کہ امیر جلال، سالاری کے عہدے سے معزول ہو چکا ہے اور اب اس کی حیثیت ایک سپاہی سے زیادہ نہیں ہے۔ اپنی اسی لاعلمی کے سبب داروغۂ زنداں نے امیر جلال کے حکم کی تعمیل میں قید خانے کا دروازہ کھول دیا۔

امیر جلال کسی دہشت زدہ انسان کی طرح دروازے میں داخل ہوا مگر چند قدم آگے بڑھاتے ہی اس پر وہی کیفیت طاری ہو گئی۔ امیر جلال کو محسوس ہوا کہ جیسے کوئی نادیدہ ہاتھ اُس کے دماغ میں میخیں ٹھونک رہا ہو اور کوئی آہنی شکنجہ اُس کے دل کو پکڑ کر مسل رہا ہو۔ امیر جلال گھبرا کر باہر نکل آیا۔ اگر وہ کچھ دیر اور اندر ٹھہر جاتا تو یقیناً دم گھٹنے سے اس کی موت واقع ہو جاتی۔

"یہ ابھی زندہ ہے۔" باہر نکلتے ہی امیر جلال نے بات بنانے کے لئے داروغۂ زنداں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "بہر حال، تم جاگتے رہنا۔ کہیں تمہاری غفلت سے فائدہ اٹھا کر وہ پاگل بوڑھا فرار نہ ہو جائے۔" اونچی آواز میں بڑبڑاتا ہوا امیر جلال تیزی سے واپس لوٹ گیا۔

"سالارِ غزنی کو کیا ہو گیا ہے؟" داروغۂ زنداں نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ "کہیں ان کا ذہنی توازن......" اس نے جیسے اپنے آپ سے سرگوشی کی اور زنداں کی بلند دیواروں کو دیکھنے لگا، جن کے پیچھے غزنی کا مردِ قلندر قید تھا۔

قلعۂ معلّٰی واپس پہنچ کر امیر جلال نے اسی خدمت گار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، جس نے نگار خانم سے معافی مانگنے کا مشورہ دیا تھا۔

"اب کچھ نہیں ہوگا۔ یہ سب فریب ہے۔ وہ بوڑھا شعبدہ باز جب خود زنداں سے باہر نہیں نکل سکتا تو پھر میرے مرض کا کیا علاج کرے گا؟ تم اس لڑکی کو اٹھا کر اس کے گھر پھینک آؤ۔ کہیں یہ مر ہی نہ جائے۔ جب سے یہ بدبخت یہاں آئی ہے، مجھ پر مسلسل آفتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں۔"

پھر کچھ دیر بعد نگار خانم کو انتہائی شکستہ حالت میں اس کے گھر پہنچا دیا گیا اور امیر جلال، ملکۂ غزنی کی نفرت سے بھیک میں دیئے ہوئے ایک ملازم کو ساتھ لے کر اپنے تنگ و تاریک مکان کی طرف لوٹ گیا۔

ایک شقی القلب اور کمینہ فطرت انسان کو یہ چند روزہ ترقی راس نہیں آئی تھی۔

❁❁❁❁❁

امرائے سلطنت کے مشوروں کے مطابق امیر اسماعیل اپنا لشکر لے کر غزنی کی حدود سے نکلا اور تیز رفتاری کے ساتھ بلخ پہنچ گیا۔ تمام فوجی مشیروں کا خیال تھا کہ امیر اسماعیل کو دفاعی جنگ لڑنے کے بجائے پیش قدمی کرتے ہوئے محمود کے لشکر پر حملہ آور ہو جانا چاہئے۔ اس طرح دشمن پر نفسیاتی دباؤ بڑھ جائے گا اور اس کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ امیر اسماعیل بلخ سے نکل کر نیشاپور کی طرف بڑھا۔ اس جنگی سفر میں ملکۂ غزنی بھی اس کے ہمراہ تھی تاکہ وہ مشکل وقت میں اپنے کمسن بیٹے کی حوصلہ افزائی کر سکے۔

دوسری طرف محمود اپنی فوجیں لے کر نیشاپور کی حدود سے باہر نکلا۔ اگرچہ اعداد و شمار کے لحاظ سے امیر اسماعیل کے مقابلے میں محمود کی فوجی طاقت کم تھی لیکن اسے ماہر فوجی مشیروں کا بے غرض تعاون حاصل تھا۔ اس کے علاوہ محمود کے تمام ساتھی سرفروشی کے جذبے سے سرشار تھے...... اور یہی دونوں چیزیں کسی طالع آزما کو فاتح بنانے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ محمود کے ساتھ اس کا چھوٹا بھائی نصیر الدین اور چچا معزالحق بھی تھے۔

پھر جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو محمود کے دل میں بھائی کی محبت نے جوش مارا اور اس نے ایک بار پھر ابوالحسن حموی کو خط دے کر امیر اسماعیل کے پاس بھیجا۔ محمود نے اس آخری خط میں اپنے نازک جذبات کی عکاسی کرتے ہوئے لکھا تھا۔

''اے میرے باپ کی خوب صورت نشانی!...... اے میرے محبوب!...... اے میرے عزیز بھائی! اب بھی وقت ہے کہ تم میری طرف پھولوں کا گلدستہ بھیجو اور میں تمہیں مہکتے ہوئے گلابوں کا ہار پہناؤں۔ ابھی تم نے کسی معرکہ آرائی میں حصہ نہیں لیا ہے، اس لئے تم نہیں جانتے کہ جنگ کسے کہتے ہیں؟ اگر جنگ کسی مقصدِ عظیم کے لئے لڑی جائے تو عبادت ہے، ورنہ بدترین ہلاکت و بربادی۔ اللہ کے لئے قبرستان تعمیر کرنے سے گریز کرو۔ میری عین خواہش ہے کہ تمہارے نرم و نازک ہاتھ مقبرے بنانے کے بجائے دلکش سبزہ زار آباد کریں۔ پھر بھی اگر شوقِ اقتدار تمہارے سینے سے نہیں نکل سکتا تو یقین کرو کہ میں بہت جلد تمہیں تمہارے پسندیدہ علاقے دے دوں گا...... لیکن جنگ سے باز آ جاؤ اور دشمنوں کو ہم پر ہنسنے کا موقع فراہم نہ کرو۔''

محمود نے بڑا جذباتی خط تحریر کیا تھا، مگر ملکۂ غزنی کی بد دماغی، امیر اسماعیل کی کم سنی اور خود غرض امراء کے گمراہ کن مشوروں نے دونوں بھائیوں کو گلے ملنے نہیں دیا۔

یہاں تک کہ دونوں طرف کی شمشیریں بے نیام ہو گئیں۔ فولاد سے فولاد ٹکرایا تو فضا میں چنگاریوں کا رقص شروع ہو گیا۔ پھر جب لوہے کے ٹکڑے، انسانی جسموں پر گرے تو نغمہ ریز ہوائیں سسکیوں اور چیخوں کے ساز پر بے ثباتیٔ دنیا کے دردناک مرثیے پڑھنے لگیں۔

امیر اسماعیل نے اپنی فوج کے کسی گوشے کو کمزور نہیں چھوڑا تھا۔ افرادی برتری کے علاوہ کوہ پیکر ہاتھی بھی اس کے ساتھ تھے۔ یہ جنگ کئی روز تک جاری رہی۔ بظاہر امیر اسماعیل کا پلّہ بھاری تھا، مگر تائید غیبی محمود کے ساتھ تھی۔

آخر ایک دن محمود نے لشکر کے قلب سے نکل کر امیر اسماعیل کی فوجوں پر زبردست حملہ کیا۔ یہ حملہ ہوا ...اس تند و تیز طوفان کی طرح تھا جو لمحوں کے وقفے میں بڑے بڑے تناور درختوں کو جڑ سے اُکھاڑ ...ینک دیتا ہے۔ پھر یہ طوفان اس وقت تھما، جب ہزاروں انسان خاک و خون میں نہا کر زمین کا رزق بن ...گئے...... امیر اسماعیل بدحواسی کے عالم میں فرار ہو کر غزنی پہنچا اور قلعہ میں نظر بند ہو گیا۔

...محمود نے غزنی کے نواحی علاقے میں نمازِ شکر ادا کی اور باپ کی روح کو ایصالِ ثواب کرنے کے لئے ...سبکتگین کے مزار پر حاضر ہوا۔ چند لمحوں میں ماضی کی بے شمار یادیں اُس کے دامن سے لپٹ گئیں اور ...زار و قطار رونے لگا۔

''امیرِ معظم! آپ کا یہ محبوب فرزند، یہ ادنیٰ خدمت گار اس وقت آپ کی بارگاہِ جلال میں حاضر ہوا ...جب آپ اس کا اُداس چہرہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ اس کی درد بھری آواز سن سکتے ہیں۔ بے شک! آپ ...خدا ترس، رعایا کے ہمدرد اور عادل منصف انسان تھے۔ اللہ آپ کی مغفرت کرے اور میری چند ...یاں بھی آپ کے نامۂ اعمال میں تحریر کر دے...... مگر آپ کی ایک کوتاہی کے سبب اللہ کی زمین پر خون ...دریا بہہ گئے اور اہلِ اسلام کی طاقت آپس کے جھگڑوں میں تقسیم ہو گئی۔ کاش! ایسا نہ ہوتا...... کاش! ...ا نہ ہوتا۔''

محمود بہت دیر تک باپ کی قبر سے لپٹا روتا رہا۔

پھر جب اس کے دل کا غبار ڈھل گیا تو وہ اپنے حریفوں کی طرف متوجہ ہوا۔ کئی دن کے مذاکرات ...عہد و پیمان کے بعد اس نے اسماعیل کو قلعے سے باہر نکالا اور سرکاری خزانے پر قبضہ کر لیا۔

پھر وہ دیوانہ وار اپنی والدہ سے ملنے کے لئے ان کے کمرے میں داخل ہوا۔ شکست کھانے کے بعد ...ثانی نے ملکۂ اوّل کو قید خانے سے نکال کر ان کی خواب گاہ میں منتقل کر دیا تھا۔ محمود کچھ دیر تک آنکھیں ...ے اپنی ماں کو دیکھتا رہا۔ کہاں وہ سرخ و سفید اور باوقار پیکر اور کہاں یہ نیلگوں چہرے والی ایک ...لاغر عورت۔

''مادرِ گرامی!'' محمود اپنی والدہ کے سینے سے لگ کر بچوں کی طرح رونے لگا۔ ''ستم گروں نے آپ ...ساتھ یہ کیسا وحشیانہ سلوک کیا ہے؟''

...غزنی کی ملکۂ اوّل بہت دیر تک بیٹے کی پیشانی کو بوسہ دیتی رہیں اور پھر اپنے شوہر امیر سبکتگین کو یاد ...کے بے ہوش ہو گئیں۔

پھر جب سیلابِ غم گزر گیا اور انہیں ہوش آیا تو انتہائی رقت انگیز لہجے میں بیٹے سے کہنے لگیں۔

''فرزند! میری فکر چھوڑ دے اور شیخ نظام کی خبر لے۔''

''شیخ کو کیا ہوا؟'' محمود نے گھبرا کر پوچھا۔

''شیخ نے اسماعیل کی اطاعت سے انکار کر دیا تھا۔'' ملکۂ اوّل نے شکستہ لہجے میں کہا۔ ''اس جرم کی ...سزا میں ان کے ناتواں جسم پر روزانہ مشقِ ستم کی جاتی تھی۔ پتہ نہیں شیخ......'' ملکۂ اوّل اس سے زیادہ ...نہ کہہ سکیں اور ایک بار پھر سسک سسک کر رونے لگیں۔

پھر محمود نے زنداں کے تاریک کمرے میں داخل ہو کر نظام شاہ کو دیکھا تو وہ اپنی چیخ ضبط نہ کر سکا۔

''وحشیو! تمہاری درندگی کے سامنے تو کفار کی بربریت کے افسانے بھی ماند پڑ گئے۔''

نظام شاہ، زنداں کے فرش پر بے ہوش پڑے تھے۔

شاہی طبیب نے غزنی کے مردِ قلندر کی نبض دیکھتے ہوئے کہا۔ "امیر محترم! شاید اب نظام شاہ کبھی ہوش میں نہ آسکیں۔" شاہی طبیب کی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔ "اللہ خود ہی اپنی لامحدود قوتوں کا جاننے والا ہے۔ مگر اس عاجز کے علم کے مطابق شیخ کی سانسوں کا شمار ختم ہو چکا ہے۔ بس چند......"

ابھی شاہی طبیب کی بات مکمل ہونے بھی نہیں پائی تھی کہ زنداں کی پُر ہول فضا میں محمود کی ایک اور فریاد نما چیخ اُبھری۔

"یہ کیسے ممکن ہے؟...... شیخ اپنے بت شکن سے ملے بغیر کس طرح جاسکتے ہیں؟"

اگرچہ محمود آہنی اعصاب رکھنے والا ایک جواں سال نوجوان تھا، لیکن اس وقت وہ بہت زیادہ جذباتیت کا شکار نظر آرہا تھا۔ پہلے اس نے ماں کی تباہ شدہ صحت دیکھی اور ساری داستان سنی...... پھر نظام شاہ کو اس حالت میں دیکھا کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ تازیانوں کی ضرب سے محفوظ نہیں تھا۔ امیر جلال نے بعض تازیانے اتنی شدت سے استعمال کیے تھے کہ نظام شاہ کی ہڈیوں پر بھی ان کے نشانات اُبھر آئے تھے۔ اُن کے چہرے پر اتنے زخم تھے کہ نظام شاہ کی صورت تک پہچاننے میں نہیں آرہی تھی۔

شاہی طبیب، نظام شاہ کے علاج میں مصروف تھا اور محمود نہایت عالمِ طیش میں لوگوں سے باز پرس کر رہا تھا۔

"کس کے حکم پر شیخ کو زنداں کے حوالے کیا گیا؟...... اور وہ کون درندہ ہے جس نے نظام شاہ کے پھولوں سے زیادہ لطیف اور شیشے سے زیادہ نازک جسم پر اپنی وحشتوں اور سفاکیوں کے نہ مٹنے والے نشانات چھوڑے ہیں؟"

"ملکۂ عالیہ کے حکم سے نظام شاہ کو زنجیریں پہنائی گئی تھیں۔" داروغۂ زنداں نے لرزتے ہوئے جسم اور لڑکھڑاتی ہوئی زبان کے ساتھ انکشاف کیا۔ اُس کا اشارہ سابق ملکۂ غزنی امیر اسماعیل کی ماں کی طرف تھا۔ "پھر سالارِ غزنی امیر جلال نے نظام شاہ کے جسم پر مشقِ ستم کی۔ وہ روزانہ ان سے امیر اسماعیل کی اطاعت کا مطالبہ کرتا تھا...... مگر جب نظام شاہ انکار کر دیا کرتے تھے تو ناقابلِ بیان تشدد کا سلسلہ جاری ہو جاتا تھا۔" یہ کہتے کہتے داروغۂ زنداں رونے لگا۔ "امیر محترم! میرے ہاتھ صاف ہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ میں نے اپنے غلیظ ہاتھوں سے نظام شاہ کے پاکیزہ وجود کو چھوا تک نہیں ہے۔"

"یہ امیر جلال کون ہے؟" محمود نے غضب ناک لہجے میں پوچھا۔ "میں اُس شخص کو جانتا تک نہیں اور وہ سالارِ غزنی کے اعلیٰ ترین عہدے تک پہنچ گیا۔"

"امیر جلال ایک معمولی فوجی افسر تھا، جو بدترین خوشامد اور ملکۂ غزنی کی بے جا کرم نوازیوں کے باعث سالارِ غزنی کے عظیم منصب تک جا پہنچا۔" محمود کی پناہ میں آجانے والے فوجی سرداروں نے بتایا۔

"اس وقت وہ نامراد کہاں ہے......؟" محمود نے شرر بار لہجے میں پوچھا۔ "کہیں وہ بدنسب انسان ہماری شمشیرِ خوں آشام کی خوراک تو نہیں بن گیا؟"

"نہیں امیر عالی مقام!" ایک فوجی سردار نے انکشاف کرتے ہوئے کہا۔ "امیر جلال اپنی معذوری کے سبب شریکِ جنگ نہیں ہو سکا تھا۔" یہ کہتے ہوئے فوجی سردار نے امیر جلال کے مفلوج ہو جانے کی پوری تفصیل بیان کر دی اور اپنے اس یقین کا بھی اظہار کیا کہ یہ سب کچھ نظام شاہ پر تشدد کیے جانے کا

"اللہ کا شکر ہے کہ اس ذاتِ قدیر نے میرے شیخ کے مجرم کو ابھی تک زندہ رکھا ہے۔" محمود نے عالمِ طیش میں ہونے کے باوجود اطمینان کی گہری سانس لی۔ "اُسے پکڑ کر زنداں میں اسی جگہ ڈال دیں جہاں شیخ محترم نے اپنی اسیری کا زمانہ بسر کیا ہے۔ میں بہت جلد اس کا محاسبہ کروں گا۔ مجھے ایک موقع کا انتظار ہے۔ اللہ میری مدد فرمائے۔"

پھر جب محمود کے چند سپاہی، امیر جلال کے تنگ و تاریک مکان پر پہنچے تو وہ گداگروں کے لہجے میں اہلِ غزنی کے رحم و کرم کو پکارنے لگا۔

"میں تو بنیادی طور پر امیر محمود ہی کا بندہ ہوں۔ مگر امیر اسماعیل نے مجھے بزورِ طاقت مجبور کر دیا تھا کہ میں ان کی خدائی تسلیم کر لوں۔ تم لوگ میری مجبوریوں کو سمجھتے کیوں نہیں؟" امیر جلال کسی خوف زدہ بچے کے مانند چیخ رہا تھا۔

"تیری گرفتاری بھی امیر محمود ہی کے حکم سے ہو رہی ہے اور ہم بھی حکم کے بندے ہیں۔" سپاہیوں نے ازراہِ تمسخر کہا۔ "تو ہماری مجبوریوں کو سمجھتا کیوں نہیں؟" سپاہیوں کا لہجہ بڑا شگفتہ تھا مگر اس میں بڑے تیز اور زہریلے نشتر پوشیدہ تھے۔

پھر اہلِ غزنی نے مسکراتے ہونٹوں اور چمکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ یہ منظر دیکھا۔ قہر و جبر کا پیکر، امیر جلال کسی بھوکے کتے کی طرح سپاہیوں کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ اسے نہ کسی پہرے کی ضرورت تھی، نہ ہی طوق و سلاسل کی۔ غزنی کے باشندوں نے آج تک اپنی آنکھوں سے اتنا مجبور قیدی نہیں دیکھا تھا۔

امیر جلال کو قید خانے میں ڈالنے کے بعد محمود اپنی سوتیلی ماں اور چھوٹے بھائی اسماعیل سے ملا۔ یہ دونوں شکست کھانے کے باوجود آزادانہ اور شاہانہ زندگی گزار رہے تھے۔

"مادرِ گرامی! آپ نے مجھے بہت مایوس کیا ہے۔" محمود کا لہجہ انتہائی آزردہ تھا۔ "آپ کے حکم پر شیخ نظام شاہ کو پابند سلاسل کیا گیا اور پھر ان کے ناتواں جسم پر وہ قیامت ڈھائی گئی کہ اس کا تصور کر کے میری روح لرز اٹھتی ہے۔" محمود کے چہرے پر شدید ذہنی کرب کے آثار نمایاں تھے۔ "شیخ کا مجرم میری عدالت میں پیش ہوا ہے۔ ایک اعتبار سے میں خود نظام شاہ کی طرف سے مدعی کی حیثیت رکھتا ہوں اور میری دلی خواہش ہے کہ غزنی کی عدالتِ عالیہ، شیخ کے ایک ایک زخم کا شمار کرے اور اس کے جسم سے بہنے والے ایک ایک قطرہ خون کا حساب دے۔ مگر چونکہ اس وقت میں ہی غزنی کا حاکم اعلیٰ ہوں، اس لیے عدل و انصاف کی بھاری ذمے داری بھی میرے ہی کمزور کاندھوں پر آپڑی ہے۔"

ملکۂ ثانی نے ناپسندیدہ نظروں سے محمود کی طرف دیکھا۔ "آخر تو کہنا کیا چاہتا ہے؟" ملکۂ ثانی کے لہجے سے بڑی بے رحمی جھلک رہی تھی۔

"میں مادرِ گرامی سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس مقدمے نے میری راتوں کی نیندیں اُڑا دی ہیں اور انصاف کرنے میں شدید دشواری پیش آرہی ہے۔" محمود نے رک رک کر کہا۔ "میں نے اپنی مختصر زندگی میں اتنا عجیب و غریب اور پیچیدہ مقدمہ نہیں دیکھا کہ ظالم و مظلوم دونوں سے میرے انتہائی قریبی رشتے ہیں۔"

ملکۂ ثانی نے ایک بار پھر محمود کی طرف غضب ناک نظروں سے دیکھا۔ "جو کچھ تیرے دل میں ہے صاف صاف کہہ دے۔" ملکۂ ثانی کے لہجے میں جارحیت بھی تھی اور نفرت و تحقیر بھی۔ "ایک لاوارث عورت کی قسمت میں جو عذاب باقی رہ گئے ہیں، وہ بھی اپنے ہاتھوں سے نازل کر دے۔" ملکۂ ثانی نے محمود جیسے ہمدرد اور سعادت مند بیٹے کی بات سننے کے بجائے کسی جواز کے بغیر اپنی بیوگی کا ماتم شروع کر دیا تھا۔

"مادرِ گرامی! وہ مظلوم شخص نظام شاہ ہیں اور ظالم کا کردار آپ نے ادا کیا ہے۔" محمود شدید جھنجلاہٹ کا شکار نظر آ رہا تھا۔ "اب مجھے بتایئے کہ میں شیخ کے ساتھ کس طرح انصاف کروں؟ اور ظالم کو کیسے سزا دوں؟ کاش! آپ ایسا نہ کرتیں۔ آخر نظام شاہ نے کیا قصور کیا تھا؟ وہ تو دن رات ہمارے گناہوں کا کفارہ ادا کرتے رہتے ہیں۔ پھر غزنی کے اہلِ اقتدار نے انہیں کس گناہ کی سزا دی ہے؟" محمود نے رقت آمیز لہجے میں پوچھا۔

"وہ بے دین و بے عقیدہ ہے۔" ملکۂ غزنی نے چیخ کر کہا۔ "اس کی وجہ سے غزنی کے لوگ خوفناک گمراہی میں مبتلا ہوتے جا رہے تھے۔" ملکۂ ثانی شدید غصے میں ہونے کے باوجود پورے ہوش و حواس کے ساتھ گفتگو کر رہی تھی۔ "میں نے نظام شاہ کو زنداں میں ڈال کر مسلمانوں کی آئندہ لکھی جانے والی تاریخ پر عظیم احسان کیا ہے۔ اگر میں ایسا نہ کرتی تو اب تک اللہ کے ہزاروں معصوم بندے گمراہی کا زہر پی کر ہلاک ہو چکے ہوتے۔" ملکۂ ثانی، نظام شاہ پر کئے جانے والے تشدد کا جواز پیش کرنے کے لئے امام رکن الدین مسعود کے لہجے میں بول رہی تھی۔

"آپ جانتی ہیں کہ اسلامی عقیدہ کیا ہے اور گمراہی کسے کہتے ہیں؟" محمود سے ملکۂ ثانی کا یہ طرزِ کلام برداشت نہیں ہو سکا تھا، اس لئے شدتِ جذبات میں اس کی آواز معمول سے زیادہ بلند ہو گئی تھی۔ "کاش! آپ نظام شاہ کے معاملے میں اپنے اللہ سے ڈرتیں اور چند روزہ لذت و نشاط کے لئے دائمی عذاب نہ خریدتیں۔ واللہ! آپ نے بڑے خسارے کا سودا کیا ہے۔" محمود نے اس طرح کہا کہ اس کے لہجے میں انتہائی حسرت بھی پوشیدہ تھی اور شدید تاسف بھی۔

"تجھے یہ جرأتِ گفتار کس نے دی محمود؟" ملکۂ ثانی کے انداز میں وہی جارحیت تھی۔ "اس شعبدہ باز کو انصاف دلانے کے لئے تُو مجھے بے دریغ قتل کرا دے۔ اب تجھے روکنے والا کون ہے؟" ملکۂ ثانی ہذیانی انداز میں چیخی اور پھر یکایک رونے لگی۔ "میرا محافظ و نگہبان تو قبر میں سو رہا ہے۔ میں جانتی تھی کہ اس کے جانے کے بعد ایسا ہی ہو گا۔ کاش! امیر مرحوم کے ساتھ مجھے بھی موت آ گئی ہوتی...... مگر موت کس طرح آتی کہ ابھی تو اولاد کے ہاتھوں رُسوا ہونا باقی تھا۔" یہ کہتے کہتے ملکۂ ثانی کی چیخیں اس قدر بلند ہو گئیں کہ ان سے پورا کمرہ گونجنے لگا۔

محمود کچھ دیر تک ناقابلِ بیان حیرت کے ساتھ اس عورت کو دیکھتا رہا، جو لمحہ بہ لمحہ نئی نئی شکلیں بدل رہی تھی۔ محمود سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اُس کی سوتیلی ماں کے چہرے پر اتنے نقاب ہوں گے۔ جب بھی کوئی نقاب ہٹتا تو ملکۂ ثانی ایک مختلف عورت نظر آتی تھی۔

محمود بہت دیر تک شدید ذہنی کشمکش میں مبتلا رہا۔ وہ فطرتاً ایک غصہ ور انسان تھا۔ جب کوئی انسان سیدھی اور سچی بات کرتا، تو وہ محمود کو ایک خوش مزاج اور زندہ دل حکمراں پاتا...... مگر جیسے ہی کوئی شخص

...اور ریاکاری سے کام لے کر اسے بے وقوف بنانے کی کوشش کرتا تو یک بہ یک محمود کی آتشِ غضب ...ٹھتی اور والیٔ غزنی کا جی چاہتا، وہ اپنے مقابل کھڑے ہوئے منافق و فتنہ گر انسان کی زبان کاٹ ...اس وقت ملکۂ ثانی کے سلسلے میں بھی محمود کی جذباتی کیفیت کا یہی حال تھا۔ مگر رشتوں کے تقدس ...رام نے اس شعلہ صفت حکمراں کو برف بنا دیا تھا۔ اور برف بننے کی منزل تک پہنچتے پہنچتے محمود نے ...ناک اعصابی جنگ لڑی تھی۔

"مادرِ معظمہ!" اس بار محمود، ملکۂ ثانی سے مخاطب ہوا تو اُسے اپنی آواز بڑی عجیب سی لگی۔ "کاش! ...کو سزا دینے کا اختیار رکھتا۔ میرا حُسنِ ظن دیکھئے کہ خود غرضی و سفاکی کے بدترین مظاہروں کے ...آپ کو مادرِ مہربان کہہ کر پکارتا رہا۔ مگر آپ نے کسی موڑ پر یہ جھوٹا تاثر بھی نہیں دیا کہ میں آپ ...ہر عالی مقام کی زندہ نشانی ہوں۔ آپ خوب جانتی ہیں کہ حریصانہ اقتدار کی جنگ میں کوئی ماں، ماں ...تی اور کوئی بھائی، بھائی نہیں ہوتا۔ مجھے اعتراف ہے کہ آپ نے دنیاوی سیاست کے اس اصول ...سچائی اور شدت سے عمل کیا کہ مجھے اپنا بیٹا نہیں، واجب القتل دشمن سمجھا...... مگر آپ گواہ ہیں کہ ...کتابِ سیاست کے روشن اوراق پر سیاہی پھیر دی اور انہیں پھاڑ کر ہوا میں منتشر کر دیا۔ مادرِ گرامی ...م ہونا چاہئے کہ میرا یہ عمل جہالت یا بے خبری کے سبب نہیں تھا۔ میں نے کتابِ سیاست کا حرف ...پڑھا ہے اور ان تمام حروف کے معانی اور مفاہیم سے بھی خوب آشنا ہوں۔ میں سیاست کے تقدس ...وں کے احترام کو اقتدار کے دوزخ میں ڈال سکتا تھا...... مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔"

...مود کے لہجے میں عجیب سی رقت تھی، عجیب سا درد تھا اور عجیب سا احتجاج تھا۔ ایسا لگ رہا تھا، جیسے ...دل خون ہو کر ہونٹوں سے ٹپک رہا ہو۔ "آپ نہیں جانتیں کہ آپ کی ذاتِ گرامی سے کتنے جرائم ...ہیں۔ میں اپنے شیخ پر کئے جانے والے بے پناہ تشدد کو نظر انداز بھی کر دوں تو میری والدہ محترمہ کے ...جانے والا یہ بہیمانہ سلوک کس زمرے میں شامل ہو گا؟ میں بھی اصولی طور پر آپ کو مسلسل چھ ماہ ...جا میں رکھ سکتا ہوں۔ یہاں تک کہ شدتِ غم سے آپ کا شگفتہ و شاداب چہرہ نیلگوں ہو جائے ...ری و ناتوانی کے باعث آپ کے پورے جسم پر بدنما ہڈیاں اُبھر آئیں۔ اگر میں نے ایسا کیا تو یہ ...نون و انصاف کے خلاف نہیں ہو گی۔" یکایک محمود کے لہجے میں تلخی شامل ہو گئی تھی۔ وہ کچھ دیر تک ...لی ماں اور چھوٹے بھائی اسماعیل کو بغور دیکھتا رہا، پھر کسی قدر اونچی آواز میں بولا۔

"اگر میں آپ کے ان دونوں جرائم کو فراموش کر دوں تو پھر تیسرا گناہ باقی رہ جاتا ہے...... اور وہ اتنا ...ہے کہ سیاست کی شریعت میں نہ اس کا کوئی کفارہ ہے اور نہ معافی۔ آپ نے مجھے باغی و نافرمان ...ے کر میرے خلاف پوری طاقت استعمال کی۔ اگر میں جنگ ہار جاتا تو آج یقیناً میرے کاندھوں پر ...ر کا بوجھ نہ ہوتا...... اور اہلِ غزنی ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوتے کہ محمود بن امیر سبکتگین کا ...ل ہے؟" یہ کہتے کہتے محمود کا تانبے جیسا چہرہ دھواں ہو گیا تھا...... "اگر میں جواباً آپ کے مرقد ...تا...... یا پھر سانسوں کی رعایت دیتے ہوئے اسی قصرِ شاہی کو آپ کے لئے "زندہ قبر" بنا دیتا تو ...میں مجھ سے کوئی جواب طلب کرنے والا نہ ہوتا۔"

"...لئے یہ ارمان بھی پورا کر لے۔" ملکۂ ثانی کی بد دماغی عروج پر تھی۔ "میں جانتی ہوں کہ تُو مجھے راستے ...نے کے لئے بہانے ڈھونڈ رہا ہے۔" اس بد دماغ اور تنگ دل عورت نے اب تک محمود کی اعلیٰ

ظرفی اور رواداری کا اعتراف نہیں کیا تھا بلکہ وہ قدم قدم پر اپنی جہالت کے مظاہرے کر رہی تھی۔
ملکۂ ثانی کا یہ سنگدلانہ جواب سن کر محمود کو محسوس ہوا کہ اُس کی رگوں میں دوڑنے والا خون جل ا
ہے۔ پھر یہ تپش اس قدر بڑھی کہ والئ غزنی کی پیشانی سے پسینہ ٹپکنے لگا۔ محمود کی دونوں مٹھیاں بھنچی ہو
تھیں اور وہ غصے کے اُٹھنے والے طوفان کو روکنے کے لئے اپنے اعصاب کی تمام تر طاقت استعمال کر ر
تھا۔

آخر بہت دیر بعد محمود اس قابل ہو سکا کہ وہ اپنی سوتیلی ماں سے عام لہجے میں گفتگو کر سکے۔ وا
غزنی بڑی مشکل سے اپنے نفس کی منفی قوتوں کو کچلنے میں کامیاب ہوا تھا۔

''مادرِ گرامی!'' قہر و غضب کی سرکش لہروں کو ضبط کرتے کرتے محمود کی آواز لرزنے لگی۔ ''آپ کو اللہ
کا واسطہ! مجھے اس قدر خوفناک آزمائش میں مبتلا نہ کیجئے۔ میں بہت کمزور انسان ہوں۔'' یہ کہتے ہو
محمود، ملکۂ ثانی کے کمرے سے نکل کر چلا گیا۔

❀❀❀❀❀

اگرچہ نظام شاہ کئی دن سے بے ہوش تھے اور شاہی طبیب دبے لہجے میں ان کی موت کا امکان بھ
ظاہر کر چکا تھا لیکن حیرت انگیز طور پر ابھی تک غزنی کے مردِ قلندر کی سانسوں کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا تھا
اور یہ بات بڑی اطمینان بخش تھی۔

محمود اپنا بیشتر وقت نظام شاہ کے سرہانے بیٹھ کر گزارتا اور کئی کئی گھنٹے تک اس شخص کے شکستہ جسم کو
دیکھتا رہتا جس نے زندگی بھر مخلوقِ خدا کے ہجوم میں مہکتے ہوئے پھول ہی تقسیم کئے تھے۔ اور جواب میں
دنیا نے اسے کیا دیا تھا؟ بس دل میں شگاف ڈال دینے والی تہمتیں...... روح کو پگھلا دینے والے
آزار...... پھر اس پر بھی اہلِ دنیا کو سکون نہیں ملا تو اُس کے ناتواں زدہ جسم پر زخموں کی فصل اُگا دی۔ ایسے
زخم کہ اگر کسی طاقتور نوجوان کو دیئے جاتے تو وہ تکلیف کی شدت سے چیخ اُٹھتا۔ داروغۂ زنداں نے
روتے ہوئے محمود کو بتایا تھا کہ طویل تشدد کے دوران نظام شاہ کبھی نہیں چیخے۔

''کیسی قوتِ برداشت ہے میرے شیخ میں۔'' محمود خود کلامی کے انداز میں کہتا۔ ''اس جبر و ستم کے
سامنے تو پتھر بھی اپنی پہچان کھو بیٹھتے۔''

پھر یکایک محمود کے دل و دماغ جل اُٹھتے اور وہ جوشِ غضب میں کھڑا ہو جاتا۔ اس کے ساتھ ہی والئ
غزنی کی آنکھوں کے آگے دھواں سا پھیل جاتا اور پھر دھوئیں کے پس منظر میں اُس کی سوتیلی ماں کا چہرا
اُبھرنے لگتا۔ نظام شاہ کا مجرم، محمود کے سامنے بھی تھا اور گرفت میں بھی...... مگر اُس کی مجبوری یہ تھی کہ وہ
مجرم کو سزا نہیں دے سکتا تھا۔ محمود اپنی اس بے بسی پر تڑپ کر رہ جاتا اور اسے اپنے دل میں ناقابلِ بیان
درد محسوس ہونے لگتا۔ پھر ایک دن یہی درد اُسے امیر جلال کے پاس لے گیا۔

''تو ابھی تک میری شمشیرِ قہر سے اس لئے محفوظ ہے کہ نظام شاہ ہوش میں نہیں آئے ہیں۔'' محمود نے
سابق سالارِ غزنی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''فی الوقت میری سب سے بڑی خواہش یہی ہے کہ شیخ
آنکھیں کھول دیں اور تجھے دی جانے والی سزا کا منظر پورے ہوش و حواس کے ساتھ دیکھ سکیں۔ دنیا کے
سب سے بزدل انسان! یہ بات تیرے وہم و گمان میں بھی نہیں ہو گی کہ میں تجھے کیسی سزا دوں گا۔''

امیر جلال محمود کی حالتِ غضب دیکھ کر کانپنے لگا۔

''والئ غزنی کے قہر سے تو پہاڑ بھی پناہ مانگتے ہیں۔ پھر میری کیا حیثیت ہے؟ میں تو بہت حقیر اور
ذرا انسان ہوں۔''

''یہ بات تُو نے اس وقت کیوں نہیں سوچی تھی، جب تُو حالتِ اختیار میں تھا؟'' محمود نے چیخ کر
اس کے لہجے میں امیر جلال کے لئے دنیا کی ساری حقارتیں اور نفرتیں پوشیدہ تھیں۔

''میرے عظیم و مہربان آقا!'' امیر جلال کسی بھوکے گداگر کی طرح گڑگڑانے لگا۔ ''غلام تو غلام ہی
ہے آقا! اس کا اختیار کیا اور بے اختیاری کیا؟ ملکۂ غزنی کے حکم سے مجبور تھا۔ اس لئے نظام شاہ پر میرا
اُٹھ گیا۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو خود دنیا سے اُٹھا لیا جاتا۔'' امیر جلال بڑا منافق اور شعبدہ باز تھا۔ محمود کو
حالتِ غیظ و غضب میں دیکھ کر مصنوعی آنسو بہانے لگا۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے مکمل طور پر ملکۂ
ثانی کو مجرم ٹھہرا دیا تھا۔

امیر جلال کی پیش کردہ دلیل بہت مضبوط تھی، اس لئے محمود کے غصے کا سیلاب تیزی سے اُترنے لگا۔
غزنی ایک بار پھر شدید ذہنی کشمکش کا شکار ہو کر رہ گیا تھا۔ کوئی بھی ذی ہوش انسان اس حقیقت سے
نہیں کر سکتا تھا کہ جب کسی ملک کا فرمانروا کوئی حکم جاری کر دیتا ہے تو پھر ملازمین کے پاس ان کی بجا
آوری کے سوا کوئی دوسرا راستہ باقی نہیں رہتا۔ اس طرح امیر محمود کو امیر جلال بے قصور نظر آنے لگا تھا۔

پھر جب امیر جلال نے والئ غزنی کے چہرے پر نرمی کے آثار دیکھے تو وہ ایک نئے زاویے سے اپنی
بے گناہی کا ثبوت پیش کرنے لگا۔ ''اور ملکۂ غزنی بھی کیا کرتیں امیر ذی جاہ! کہ امام رکن الدین مسعود
نے نظام شاہ کو کافر و گمراہ قرار دے کر ان کے قتل کا فتویٰ صادر کر دیا تھا۔''

یہ نیا انکشاف سن کر محمود کے ہوش و حواس اُڑ گئے۔ وہ کچھ دیر تک سکتے کے سے عالم میں کھڑا رہا۔
پھر اس کے چہرے پر آہستہ آہستہ وہی رنگِ غضب نمودار ہونے لگا۔ ''کفر اور نظام شاہ؟...... دونوں کو
ایک دوسرے سے کیا نسبت ہے؟ معاذ اللہ! امام رکن الدین مسعود نے ایک مردِ خدا پر بڑی سنگین تہمت
لگائی اور بڑا خوفناک الزام تراشا۔ اس بہتان طرازی کے وقت ان کی زبان نہیں کانپی اور خوفِ الٰہی سے
ان کے جسم پر لرزہ طاری نہیں ہوا؟'' محمود ذہنی طور پر زنداں کے بجائے کہیں اور تھا۔ مگر اُس کی
نگاہیں امیر جلال کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

والئ غزنی کو تذبذب کا شکار دیکھ کر امیر جلال نے اس صورتِ حال سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی
کوشش کی۔ ''امیر ذی حشم! یہ کوئی رازداری کی بات نہیں تھی۔ اور امیر رکن الدین مسعود نے قصرِ شاہی کے
کسی بند کمرے میں بیٹھ کر نظام شاہ کے قتل کا فتویٰ صادر نہیں کیا تھا۔'' یکایک امیر جلال کا لہجہ پُرجوش ہو
گیا تھا...... اور یہ بھی سابق سالارِ غزنی کی ایک شاطرانہ چال تھی تاکہ اس کے دعوے میں اثر پیدا ہو
جائے۔ ''شاید امیرِ عالی مقام کو سلطنت کے کسی ذمے دار شخص نے یہ نہیں بتایا کہ امیر اسماعیل کے جشنِ
تخت نشینی میں امام رکن الدین مسعود نے شیخ نظام شاہ کے خلاف ایک طویل تقریر کی تھی۔ وہ تقریر کیا تھی،
نظام شاہ کا نامۂ اعمال تھا جسے امام رکن الدین نے اپنی مرضی سے مرتب کیا تھا۔ امیرِ معظم! میری ناپاک
زبان تو اس تقریر کی تفصیلات پیش کرنے سے قاصر ہے۔ وہ کون سا گناہ تھا، جو نظام شاہ کی ذاتِ گرامی
سے منسوب نہیں کیا گیا...... اور وہ کون سی گمراہی تھی، جس کا رشتہ اس مردِ حق سے قائم نہیں کیا گیا۔'' یہ
کہتے کہتے امیر جلال کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ گئیں۔ اُسے اپنے جذبوں کے اظہار پر حیرت انگیز

قدرت حاصل تھی۔ وہ جب چاہتا اپنے چہرے سے خوف و دہشت کا تاثر پیش کرنے لگتا...... اور جب چاہتا، آنسو بہانے لگتا۔ "وقت کی گردش نے مجھے تو حضور کی نظروں میں معتوب ٹھہرا دیا، اس لئے شاید میری ہر بات جھوٹ قرار دی جائے۔ مگر میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ ایک بار اہالیانِ غزنی سے ضرور تصدیق کر لیں۔ امام رکن الدین مسعود کی وہ تقریر ہزاروں انسانوں نے سنی تھی۔ پھر آپ کو اندازہ ہو گا کہ نظام شاہ جیسے مردِ پاکباز کے ساتھ کیسا کافرانہ سلوک کیا گیا ہے۔" امیر جلال کے اشکوں کی روانی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔

محمود نے ایک نظر زنداں کے اس تاریک گوشے پر ڈالی، جہاں نظام شاہ نے تقریباً چھ ماہ عالمِ اسیری میں گزارے تھے۔ پھر وہ غصے میں بھرا ہوا زنداں سے نکل کر قصرِ شاہی کی طرف چلا گیا۔

امیر جلال نے چین کی سانس لی۔ سابق سالارِ غزنی کے خیال میں ایک خوف ناک عذاب اُس کے سر سے ٹل گیا تھا۔

❀❀❀❀❀

پھر اسی رات محمود نے امام رکن الدین مسعود کو اپنی خلوت میں طلب کر لیا۔ والئ غزنی کے چہرے پر شدید غصے کا رنگ نمایاں تھا۔ امام فوراً سمجھ گئے کہ ہواؤں کا رخ بدل گیا ہے۔

"امیرِ ذی وقار کا اقبال بلند ہو۔" رکن الدین مسعود نے اسی خادمانہ انداز میں سوال کیا، جس کے وہ ایک زمانہ دراز سے عادی تھے۔

"ایک امام کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ غلاموں کا سا انداز اختیار کر لے۔" محمود نے انتہائی ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

رکن الدین مسعود گھبرا کر سیدھے ہو گئے۔

"بلند اقبالی کی دعائیں تو آپ نے اسماعیل کو بھی دی ہیں۔" محمود کے لہجے کی تلخی کا وہی عالم تھا۔ "ایک حکمران کا وفادار کسی دوسرے فرمانروا کو بلند اقبالی کی دعائیں نہیں دے سکتا۔ یہ کھلا ہوا جھوٹ اور منافقت ہے امام!"

"میں بہت مجبور تھا امیرِ معظم!" امام رکن الدین مسعود نے مصلحت کا رویہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"اپنی آزادی کو بے اختیاری کا نام نہ دیں امام! مجھے سب خبر ہے۔" یکایک محمود کسی شعلے کی طرح بھڑک اُٹھا۔ "نظام شاہ میں اور آپ میں یہی تو فرق ہے۔ وہ اپنے عہد کی خاطر جاں سے گزر جانے کا حوصلہ رکھتے ہیں...... اور آپ ناموافق ہوا کا ایک ہلکا سا جھونکا بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ اپنی زبان ہی نہیں، اپنے دل و دماغ بھی بدل ڈالتے ہیں۔" محمود کے ہونٹوں سے آگ برس رہی تھی۔ "اگر آپ میرے سامنے امیر اسماعیل کی اطاعت کا دم بھرتے تو اللہ گواہ ہے کہ میں آپ کے احترام میں اپنی نشست سے اُٹھ کر کھڑا ہو جاتا۔ مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ کاش! آپ ایسا کرتے...... اور میں بے اختیار پکار اُٹھتا کہ یہ ہیں میرے امام رکن الدین مسعود، جن کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں ہے۔"

امام نے اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کی۔ مگر محمود نے انہیں جھڑک دیا۔ "آپ کو اتنی آزادی تو حاصل تھی کہ میرے شیخ نظام شاہ کے سلسلے میں خاموشی اختیار کر لیتے۔ اگر آپ اپنی تنگ دلی کے سبب ان کی روحانی عظمتوں پر گواہی دینے کے قابل نہیں تھے تو کم سے کم ایک مردِ مومن کو کافر و زندیق اور بد کردار

قرار دے کر اس کے قتل کا فتویٰ تو صادر نہ کرتے۔"

امام رکن الدین مسعود نے درمیان میں پھر لب کشائی کی ہمت کی، مگر محمود کے چہرے پر غیظ و غضب کی بھڑکتی ہوئی آگ دیکھ کر سہم گئے۔

"آپ خاموش رہیے امام! میں آپ کو خوب پہچانتا ہوں۔" محمود کے لہجے میں شرر باری کا وہی حال تھا۔ "مگر آپ نظام شاہ کے سلسلے میں کس طرح سکوت اختیار کرتے؟ آپ نے تو سمجھ لیا تھا کہ محمود چند دنوں کا مہمان ہے۔ جنگ ہو گی اور وہ تہِ تیغ کر دیا جائے گا یا پھر اس کی ساری زندگی ایک قیدی کی حیثیت سے زنداں میں بسر ہو گی۔ پھر کون عدالت آراستہ کرے گا اور کون نظام شاہ کے ہر قطرۂ خون کا حساب طلب کرے گا؟" والئ غزنی عجیب کیفیات سے دوچار تھا۔ امام رکن الدین مسعود کا کردار دیکھ کر اس کا دل جل رہا تھا اور نظام شاہ کے مصائب یاد کر کے اس کے دل میں درد کی تیز لہریں اُٹھ رہی تھیں۔

"امیر محتشم! میں اس سلسلے میں معافی کا خواستگار ہوں۔" امام رکن الدین مسعود نے اپنی جان بچانے کے لئے مجبوراً توبہ کا راستہ اختیار کر لیا تھا۔ "سچ تو یہ ہے کہ میں نظام شاہ کی شخصیت کے حقیقی خدوخال کو پہچاننے سے قاصر رہا۔ میں نے اہلِ غزنی کی گواہیوں پر نظام شاہ کو گمراہ قرار دیا تھا۔ ان گواہوں میں ملکۂ غزنی (امیر اسماعیل کی والدہ) بھی شامل تھیں۔"

"آپ جھوٹ بولتے ہیں امام!" شدتِ کرب سے محمود چیخ اٹھا۔ "میں جانتا ہوں کہ آپ نظام شاہ کی محبوبیت سے حسد رکھتے ہیں۔ اور اگر بالفرض میں آپ کے بیان کو درست تسلیم بھی کر لوں تو ایک امام کے لئے اس سے زیادہ شرمناک بات کیا ہو گی کہ وہ ضعیف ترین روایتوں اور جھوٹی شہادتوں کی بنیاد پر ایک مومن کو مردود و کافر قرار دے دے۔" محمود کی آنکھوں میں غیظ و غضب کے شعلے بھڑک رہے تھے اور چہرے پر اذیت کا دھواں پھیلا ہوا تھا۔ "آپ نے کتنی آسانی سے ایک معتبر کلمہ گو پر کفر کا فتویٰ عائد کر دیا امام! گناہ آپ سے سرزد ہوا ہے اور ندامت مجھے محسوس ہوتی ہے۔"

امام رکن الدین مسعود نے نئے انداز سے معافی مانگنے کے لئے اپنے ہونٹوں کو جنبش دی تھی مگر محمود نے انہیں گفتگو سے باز رکھا۔ "بس، ان جھوٹی تاویلات کا سلسلہ بند کر دیجئے۔" والئ غزنی کی قوتِ برداشت جواب دے گئی تھی۔ "دل تو چاہتا ہے کہ آپ بھی کچھ دن زنداں کے حبس اور تاریکی میں سانس لیں...... زخموں کی لذت محسوس کریں...... اور عالمِ بے چارگی و تنہائی میں خود اپنی چیخیں سنیں۔ مگر میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اہلِ علم کی عزت کرتا ہوں۔ آپ نے ملکۂ غزنی کے جرم میں معاونت کی تھی، اس لئے آپ بھی سزا کے مستحق ہیں۔ مجھ سے علم کی رسوائی برداشت نہیں ہو گی۔ اگر میں عدالتِ عالیہ میں آپ کا مقدمہ پیش کر دوں تو اہلِ غزنی اپنے امام کا حقیقی چہرہ دیکھ کر کیا کہیں گے؟ امامت پر سے ان کا اعتبار اُٹھ جائے گا۔ پھر کیسی گمراہی پھیلے گی امام! آپ نہیں جانتے۔ خدا کی قسم! نہیں جانتے۔ آپ اپنے نفس کی پرستش کے سوا کچھ نہیں جانتے۔" محمود پر دیوانگی سی طاری ہو گئی تھی۔

"امیرِ محترم!" امام رکن الدین مسعود کے لہجے میں بڑی عاجزی تھی۔

مگر والئ غزنی نے ان کی بات مکمل نہیں ہونے دی۔

"بس! رات کے اندھیرے میں غزنی کی حدود سے نکل کر کہیں دُور چلے جائیے۔ میں آپ کو اس سے زیادہ رعایت نہیں دے سکتا۔ اللہ جانتا ہے کہ یہ رعایت میرے حوصلے سے بہت زیادہ ہے۔ آپ کی

اسی میں عافیت ہے کہ میری نظروں سے دُور ہو جائیں۔ میں جب بھی آپ کا چہرہ دیکھوں گا، مجھے اپنے باپ کے زخم یاد آ جائیں گے۔ میں بہت کمزور انسان ہوں امام! پتہ نہیں، چند لمحے گزرنے کے بعد میرا کیا عالم ہو جائے۔ شاید میں اپنے ارادے پر قائم نہ رہ سکوں۔ اس لئے مجھے کسی آزمائش میں نہ ڈالئے۔ بس خدا کے لئے یہاں سے چلے جائیے۔ میری نظروں سے دُور...... بہت دُور...... بہت دُور......" یہ کہہ کر محمود نے منہ پھیر لیا۔

امام رکن الدین مسعود غضبِ شاہی سے بال بال بچ گئے تھے۔ والیٔ غزنی کی علم دوستی اور اعلیٰ ظرفی نے انہیں امان بخش دی تھی۔ امام اُلٹے قدموں اور لرزتے جسم کے ساتھ خلوتِ امیر سے باہر آئے اور پھر اسی رات کے اندھیرے میں اپنے بیوی بچوں کو لے کر نامعلوم منزل کی جانب روانہ ہو گئے۔

❁❁❁❁❁

دوسرے دن محمود نے اسماعیل کے حامی امراء کو دربارِ عام میں طلب کر لیا۔ وہ سب کے سب مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑے تھے۔

"کیا تمہاری گردنوں میں میرے باپ امیر سبکتگین کے احسانات کا طوق نہیں تھا؟" محمود اس طرح گرجا جیسے دربار میں زلزلہ آ گیا ہو۔

"بے شک! امیر جنت مکاں کے ہم پر بے شمار احسانات تھے۔" تمام امراء نے گھبرا کر سر اٹھائے اور لرزتی ہوئی زبانوں میں کہا۔

"تو پھر وہ طوق تم نے کیوں اُتار پھینکا؟" زلزلے کی شدت ابھی کم نہیں ہوئی تھی۔

"ہم امیر مرحوم کی وصیت کے سامنے مجبور تھے۔" تمام امراء نے بہ یک زبان کہا۔ وہ سب کے سب بڑی ہوشیاری سے اپنی جان بچانا چاہتے تھے۔ حالانکہ یہ وہی امراء تھے، جو محمود کو اُس کی سخت گیری کے سبب دل سے ناپسند کرتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنی مرضی کے مطابق ایک سیاسی کھلونے سے کھیلنے کے لئے امیر اسماعیل کی اطاعت کی تھی۔ اور جب گردشِ وقت کے باعث وہ کھلونا ٹوٹ گیا تو یہ عیار و زمانہ ساز امراء، امیر سبکتگین کی وصیت کے سائے میں پناہ ڈھونڈنے لگے۔

محمود اچھی طرح جانتا تھا کہ باغی امراء کی طرف سے پیش کئے جانے والا عذر فریب کاری کے سوا کچھ نہیں۔ مگر وہ ان شاطروں کو ان ہی کی بچھائی ہوئی بساط پر مات دینا چاہتا تھا۔

"اگر تمہیں امیر مرحوم کی وصیت کا اتنا ہی خیال تھا تو تم اس حقیقت سے بے خبر کیوں تھے کہ میں امیر مرحوم کا سب سے بڑا بیٹا ہوں۔ کیا تم اس سچائی کو جھٹلا سکتے ہو؟" محمود نے شمشیر بے نیام کرتے ہوئے سوال کیا۔

"ہرگز نہیں۔" تمام امراء نے پست آوازوں میں کہا۔

"پھر تم نے میرا حقِ وراثت تسلیم کیوں نہیں کیا؟"

"امیر مرحوم نے وراثت کا فیصلہ کر دیا تھا۔" امراء نے پھر اسی ایک دلیل کے سائے میں پناہ ڈھونڈنے کی کوشش کی۔

"اگر تمہارے نزدیک وراثت کا مسئلہ حل ہو چکا تھا تو پھر تم نے اپنے ہرکارے بھیج کر اپنی مجبوریوں کا اظہار کیوں نہیں کیا؟" محمود کا غصہ دم بہ دم بڑھتا جا رہا تھا۔ "اگر تمہیں خاندانِ سبکتگین سے میرے تعلق

کا ذرا بھی احساس ہوتا تو تم میدانِ جنگ سے کنارہ کشی اختیار کر سکتے تھے۔ لیکن میری آنکھیں دیکھ چکی ہیں کہ تمہارے جنگ کرنے کا انداز بدترین دشمنوں جیسا تھا۔ اگر تمہارا بس چلتا تو میرا سر کاٹ کر ملکہ کے حضور پیش کر دیتے اور کسی خلعت و جاگیر کے لالچ میں تمام اخلاقی اور سیاسی قدروں کو پامال کرتے ہوئے گزر جاتے۔ میں تمہیں خوب پہچانتا ہوں۔ تم وہی لوگ ہو جو ہمیشہ سازگار ہواؤں کو سجدہ کرتے ہو۔ تم نے مجھے ایک کمزور حریف سمجھ کر اپنی شمشیریں کھینچی تھیں مگر یہ تو اللہ کا نظامِ بخشش و عطا ہے جسے چاہے ذلیل و رسوا کر دے اور جسے چاہے، غلبہ و اقتدار سے سرفراز کر دے۔"

باغی امراء کے پاس محمود کے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ تاہم انہوں نے کھڑا رہنے کے لئے آخری کمزور دیوار کا سہارا لیا۔ "ہمیں ملکۂ عالیہ نے تنبیہہ کی تھی کہ اگر ہم اس جنگ میں شریک نہیں ہوئے تو مال و دولت سے محروم کر دیئے جائیں گے۔"

"تم سے زیادہ سخت تنبیہہ تو نظام شاہ کو کی گئی تھی کہ وہ اب تک بے ہوش ہیں اور ان کی زندگی کو شدید خطرات لاحق ہو گیا ہے۔ اور یہی تنبیہہ نوے سالہ بوڑھے حماد بن ساریہ کو بھی کی گئی تھی، مگر ان دونوں نے ملکۂ عالیہ کو سجدہ نہیں کیا۔"

امراء نے گردنیں جھکا لیں۔ اب ان کے پاس اپنی نجات کے لئے کوئی کمزور ترین دلیل بھی باقی نہیں تھی۔

"کل تمہیں کوئی اور تنبیہہ کرے گا تو آن کی آن میں تمہاری وفاداریاں بدل جائیں گی اور تم میری اولاد کے بھی دشمن ہو جاؤ گے۔ تم کل بھی بے اختیار تھے، آج بھی نامعتبر ہو اور آنے والے زمانے میں بھی اسی طرح اپنی وفاداریاں نیلام کرتے رہو گے۔" یہ کہہ کر محمود نے ان تمام باغی امراء کے قتل کے احکامات جاری کر دیئے۔

یکایک دربارِ عام ایک ماتم کدہ بن کر رہ گیا۔ موت کی سزا پانے والے امراء شدید گریہ و زاری کے ساتھ محمود کے رحم و کرم کی بھیک مانگ رہے تھے۔

محمود کے بعض مشیروں نے اسے مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ اگر ان امراء کو پابند سلاسل کر کے زنداں کے حوالے کر دیا جائے تو زیادہ مناسب رہے گا۔

اس مشورے کے جواب میں محمود نے کہا۔ "میں کسی احمق حکمراں کی طرح آستین کے سانپوں کی پرورش نہیں کر سکتا۔" والیٔ غزنی کا لہجہ بہت قہرناک تھا۔

پھر مجمعِ عام کے سامنے تمام امراء کو تہ تیغ کر دیا گیا...... اور جب ان کے تڑپتے ہوئے جسم ساکت ہو گئے تو محمود نے اپنی رعایا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میرے امراء کا بہتا ہوا خون اس بات کا گواہ ہے کہ میں حکومتِ وقت کے خلاف سازش کرنے والوں کا وجود برداشت نہیں کر سکتا۔ میں ظلم و ناانصافی کے حق میں تمہارے اندازوں سے بھی زیادہ سخت ہوں...... اور خلوص و وفا کی روش پر کاربند رہنے والوں کے لئے اتنا نرم ہوں کہ جیسے کوئی باپ اپنے بیٹے کے لئے۔ بس اب تم لوگ اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ اور دروازے کھول کر سکون و عافیت کی گہری نیند سو جاؤ کہ تمہارا حکمران جاگ رہا ہے۔ اگر بشری تقاضوں سے مجبور ہو کر تمہارے فرماں روا کی آنکھ لگ جائے تو کسی خوف و تردد کے بغیر اس کے دروازے پر دستک دے دینا۔ وہ فوراً جاگ جائے گا اور تمہاری فریاد

پر دوڑا ہوا چلا آئے گا۔"

محمود کی تقریر بہت مختصر مگر عجیب تھی، جسے سن کر غزنی کے عوام بے اختیار رونے لگے۔ پھر کچھ دیر بعد وہ وسیع و عریض میدان "زندہ باد" کے نعروں سے گونجنے لگا۔ اور جب یہ شور ختم ہوا تو بے شمار دردبھری آوازیں فضا میں بلند ہوئیں۔

"امیرِ محترم! شیخ نظام شاہ کے ساتھ بہت ظلم ہوا ہے۔ ہمیں بتائیے کہ وہ کہاں ہیں؟ اور کس حال میں ہیں؟ ان کے بغیر تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے پورا غزنی اندھیروں میں ڈوب گیا ہے اور ہمارے در و بام پر موت کا سا سکوت طاری ہے۔ امیر! آپ نہیں جانتے کہ نظام شاہ نے کس طرح آپ کی حمایت کی ہے۔ شاید اس طرح تو ایک باپ بھی اپنے بیٹے کی حمایت نہیں کر سکے گا۔ شیخ آزمائش کے ایسے سنگین مرحلے سے گزرے ہیں کہ آہنی اعصاب رکھنے والے انسان بھی چند قدم چل کر تھک جائیں گے یا پانی بن کر بہہ جائیں گے۔"

نظام شاہ کے حوالے سے اہلِ غزنی کی باتیں سن کر محمود رونے لگا۔ پھر کچھ دیر بعد اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

"اگرچہ میں یہاں موجود نہیں تھا، لیکن مجھے سب خبر ہے۔ بے شک! نظام شاہ کی محبت ایک باپ کی محبت سے زیادہ بلند اور عظیم تر ہے۔ تم مطمئن رہو کہ نظام شاہ بخیر و عافیت ہیں۔" محمود نے مصلحتاً اپنی رعایا سے جھوٹ بولا۔ "قید و بند کی سختیوں کے سبب بیمار ہو گئے ہیں۔ مگر یہ بیماری فکر انگیز نہیں ہے۔ شاہی طبیب دن رات اُن کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔ اِن شاء اللہ! شیخ بہت جلد تم لوگوں سے آملیں گے۔"

*****

محمود نے اپنے تمام حمایتیوں کو زنداں کی تاریکیوں سے نکال کر دن کی آزاد روشنی میں کھڑا کر دیا تھا اور انہیں بڑی بڑی جاگیریں دے کر ان پر نازل ہونے والے آفات و مصائب کا ازالہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ انہی لوگوں میں بوڑھے سالارِ غزنی حماد بن ساریہ، امین الدین (بلرام سنگھ) اور عبداللہ (سادھو نندلال) بھی شامل تھے۔ مگر ان تینوں نے کوئی خلعتِ شاہی یا جاگیر قبول نہیں کی۔

"امیرِ محترم! اللہ نے آپ کو اپنی امان میں رکھا اور سربلندی عطا کی۔ بس یہی ہماری خلعت ہے اور یہی ہماری جاگیر۔" نوّے سالہ حماد بن ساریہ نے روتے ہوئے کہا۔ "میں تو اپنے بڑھاپے کے سبب آپ کی آمد اور ملاقات سے مایوس ہو چلا تھا۔"

حماد بن ساریہ پر کوئی جسمانی تشدد نہیں کیا گیا تھا، لیکن وہ اپنی ضعیفی کے سبب بہت زیادہ شکستہ نظر آ رہے تھے۔ اور یہی حال عبداللہ (سادھو نندلال) کا بھی تھا۔

"اگرچہ میں بھی بوڑھا ہوں، لیکن اپنے امیر کی واپسی سے مایوس نہیں تھا۔" عبداللہ (سادھو نندلال) نہایت پُرجوش لہجے میں بول رہا تھا۔ "ابھی میرے گرو مراری لال کی پیش گوئی کہاں پوری ہوئی ہے؟ ابھی تو بڑے ہولناک خونی سیلاب آئیں گے، جن میں بڑے بڑے خدائی دعوے کرنے والوں کے اقتدار بہہ جائیں گے۔ ابھی تو بڑی ہیبت ناک آندھیاں آئیں گی جو بڑے بڑے برہمنوں اور راجپوتوں کی پگڑیاں اُڑا کر لے جائیں گی...... اور ابھی تو سرزمینِ ہند کے گوشے گوشے میں "ضربِ حق" کی آوازیں سنائی دیں گی، جن کے اثر سے بڑے بڑے قد آور بت زمین بوس ہو کر اپنے رب کی کبریائی بیان کریں

گے۔ اس کے بعد عبداللہ بھی اپنے رب کے پاس چلا جائے گا۔ اس سے پہلے اسے کوئی نہیں مار سکتا۔"

سادھو نندلال کی باتیں بڑی جاں گداز تھیں، جنہیں سن کر محمود کے ساتھ تمام حاضرین بھی رونے لگے۔

البتہ امین الدین (بلرام سنگھ) بہت زیادہ زخمی تھا۔ اس کے جسم کو مسلسل کئی ماہ تک وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ امیر محمود اپنے منہ بولے بھائی کی یہ حالت دیکھ کر رو پڑا۔

"میں تمہارے سب زخم بھر دوں گا برادرِ محترم!"

"میں نے اپنے مسیحا کو دیکھ لیا اور میرے سب زخم بھر گئے۔" امین الدین شدید نقاہت کے باوجود پوری توانائی کے ساتھ مسکرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

سینہ چاکانِ چمن سے، سینہ چاک آ ملے تھے اور محمود عجیب سی لذت محسوس کر رہا تھا۔ مگر اچانک اس کے چہرے پر اذیت و کرب کی شدید لہریں اُٹھنے لگیں۔

"کاش! ہمارے اس جشنِ نشاط میں نظام شاہ بھی شریک ہوتے۔" محمود نے شیخ کی حالتِ زار کا ذکر کیا تو سب کے چہرے بجھ گئے۔ اور عبداللہ کسی بچے کی طرح چیخیں مار کر رونے لگا۔

"میرے مرشد اپنے اس غلام سے ملے بغیر کیسے جا سکتے ہیں؟"

پھر حماد بن ساریہ، امین الدین (بلرام سنگھ) اور عبداللہ (سادھو نندلال) بھی نظام شاہ کے تیمارداروں میں شامل ہو گئے۔ علاج کے ساتھ دعائیں بھی مانگی جانے لگیں۔ ایسی دعائیں جنہیں سن کر قصرِ شاہی کے سنگی در و دیوار بھی پگھلنے لگتے تھے۔

*****

آخر ایک ماہ کی طویل بے ہوشی کے بعد نظام شاہ ہوش میں آ گئے۔ یہ خبر سنتے ہی محمود نے صدقہ و خیرات کے لئے خزانوں کے منہ کھول دیئے اور چراغاں کا بھی حکم دے دیا۔ والیٔ غزنی نے ابھی تک اپنی تاجپوشی بھی ادا نہیں کی تھی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اگر تاج پہنوں گا تو نظام شاہ کے ہاتھوں سے، ورنہ شاہی کا کوئی جشن برپا نہیں ہو گا۔

محمود بھاگتا ہوا اس کمرے میں پہنچا، جہاں نظام شاہ زیرِ علاج تھے۔ والیٔ غزنی نے بے قرار ہو کر شاہ کو پکارا۔ "شیخ! اللہ نے آپ کی دعاؤں کے طفیل مجھے فتح و نصرت عطا کی۔"

"یہ تم ہی ہو نا فرزند!" نظام شاہ نے بہت مدھم آواز میں کہا۔ بے پناہ کمزوری کے سبب ان سے بولا نہیں جا رہا تھا۔

"ہاں شیخ محترم! یہ میں ہی ہوں۔ آپ کا فرزند، آپ کا بت شکن اور آپ کا غلام محمود۔" فرطِ مسرت سے محمود کی آواز لرز رہی تھی۔

"میری بیٹی نگار خانم کہاں ہے محمود؟" نظام شاہ نے دھندلی آنکھوں سے والیٔ غزنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

نگار خانم کا نام سن کر محمود سناٹے میں آ گیا۔ سیاسی ہنگاموں کے دوران وہ اُسے یکسر فراموش کر بیٹھا تھا۔

"نگار خانم کو کیا ہوا شیخ؟" محمود کی آواز بہ مشکل حلق سے نکلی۔

"اُس کی خبر لو! وہ زندہ ہے یا مر گئی؟...... امیر جلال اُس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔" نظام شاہ کی

متورم آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ ''اور امیر جلال کہاں ہے؟''

یہ انکشاف سن کر محمود کے دل و دماغ ایک نئے زلزلے کی زد میں آ گئے تھے۔ ''امیر جلال...... قید میں...... ہے...... شیخ!'' محمود کی زبان سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے۔

''اللہ کا شکر ہے۔'' نظام شاہ نے آنکھیں بند کر لیں۔ ''اُسے جانے نہ دینا۔ وہ ایک ترملی بھیڑیا ہے، جو مسلمانوں کی قبا پہن کر اہلِ ایمان کی صفوں میں داخل ہو گیا ہے۔''

محمود، امیر جلال کے بارے میں نظام شاہ سے مزید کچھ باتیں دریافت کرنا چاہتا تھا مگر ان پر دوبارہ غشی طاری ہو گئی۔

''یہ شیخ کو کیا ہو گیا؟'' والیٔ غزنی نے گھبرا کر شاہی طبیب سے پوچھا۔

''کچھ نہیں امیرِ معظم......!'' شاہی طبیب نے مطمئن لہجے میں جواب دیا۔ ''ابھی شیخ طویل گفتگو کے متحمل نہیں ہو سکتے۔''

''کوئی فکر کی بات تو نہیں؟'' محمود بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔

''اللہ کے فضل و کرم سے وہ خوفناک ترین لمحات سے تو گزر گئے۔'' شاہی طبیب نے رک رک کر کہا۔ ''انسانی علم اور عقل کا فیصلہ تو یہی تھا کہ شیخ دوبارہ ہوش میں نہیں آئیں گے مگر یہ قدرت کی کرشمہ سازی ہے کہ اس نے ایک مُردے میں جان ڈال دی۔'' شاہی طبیب انتہائی حیرت زدہ لہجے میں نظام شاہ کی صحت کے متعلق اپنا تجزیہ پیش کر رہا تھا۔

''شیخ پر جو تشدد کیا گیا ہے، اسے تو ایک پچیس سالہ طاقتور نوجوان بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ پھر یہ کیا ہے؟ تائیدِ غیبی کے سوا کچھ نہیں...... اور جب تائیدِ غیبی کسی انسان کی دستگیر ہو تو اسے دنیا کی کوئی مادی طاقت نقصان نہیں پہنچا سکتی۔'' یہ کہتے کہتے بوڑھے طبیب کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔

''امیرِ ذی جاہ! میں اس وقت رسمی گفتگو نہیں کر رہا ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے اپنی دواؤں کی تاثیر پر یقین ہی نہیں رہا تھا۔ شیخ کی یہ صحت مندانہ حالت دواؤں کی اثر انگیزی کا نتیجہ نہیں۔ وہ قدرت کا نادیدہ ہاتھ ہے جس نے نظام شاہ کو ان کی سانسیں واپس لوٹا دی ہیں۔ آپ مطمئن رہیں۔ اِن شاء اللہ اب شیخ کو کچھ نہیں ہو گا۔''

شاہی طبیب کی باتیں سن کر محمود کے چہرے پر چھائی ہوئی وحشت آہستہ آہستہ کم ہونے لگی۔ والیٔ غزنی نے بہت غور سے نظام شاہ کی طرف دیکھا۔ اب شیخ کے چہرے پر اذیت و کرب کے بجائے کسی قدر آسودگی کا رنگ نمایاں تھا۔

محمود نے نظام شاہ کے سلسلے میں شاہی طبیب کو کچھ ہدایات دیں اور قصرِ شاہی سے نکل کر زنداں کی طرف چلا گیا۔

❁❁❁❁❁

امیر جلال نے اس قدر قہرناک حالت میں محمود کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ سابق سپہ سالارِ غزنی شدتِ خوف سے لرزنے لگا۔ امیر جلال نے جس عذاب کے گزر جانے پر اطمینان کی گہری سانس لی تھی، اب وہ دوبارہ اسی عذاب کے قدموں کی تیز چاپ سن رہا تھا۔

''نگار خانم کہاں ہے؟'' محمود نے گرج کر کہا اور امیر جلال کو یوں محسوس ہوا جیسے زنداں میں زلزلہ

آ گیا ہو۔ سابق سپہ سالارِ غزنی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اتنی جلد اس کے اقتدار کی بساط اُلٹ جائے گی، محمود پورے اختیارات کے ساتھ واپس آ جائے گا اور پھر اس سے نظام شاہ اور نگار خانم کے بارے میں اس طرح باز پُرس کی جائے گی۔

'کاش! یہ دونوں نامراد نظام شاہ اور نگار خانم اسی وقت مر گئے ہوتے۔ پھر نہ کوئی مدعی ہوتا، نہ احتساب اور نہ انصاف۔' امیر جلال نے دل ہی دل میں کہا۔ 'کاش میں نے ان دونوں کو قتل کر دیا ہوتا۔ پھر میرے ظلم ناروا پر کون گواہی دیتا؟' امیر جلال کے سینے میں بہ یک وقت کئی ناآسودہ خواہشیں مچل اُٹھی تھیں۔ 'میں نے ان دونوں کو ہلاک کرنے کی کتنی کوششیں کیں مگر کوئی دستِ غیب تھا جو انہیں ہر بار بچا لیتا تھا۔ میں اس دستِ غیب کو کس طرح کاٹتا، وہ تو مجھے نظر ہی نہیں آیا۔' ناقابلِ بیان خوف و دہشت کے حصار میں گھرا ہوا امیر جلال اپنے آپ سے خود ہی سوال کر رہا تھا اور خود ہی جواب دے رہا تھا۔

''اے روسیاہ! مجھے بتا کہ نگار خانم کہاں ہے؟'' امیر جلال کو خاموش پا کر محمود دوبارہ چیخا۔

والیٔ غزنی کی پُرہیبت چیخ سن کر امیر جلال اپنے خیالوں کی دنیا سے باہر نکل آیا اور اسی گھبراہٹ کے عالم میں زنداں کے فرش پر گر پڑا۔ دونوں ہاتھ مفلوج ہو جانے کے باعث امیر جلال کو اُٹھ کر کھڑا ہونے میں سخت دُشواری پیش آ رہی تھی۔ محمود کے حکم پر دو سپاہیوں نے امیر جلال کو سہارا دے کر کھڑا کیا۔

''آقا! میں...... نگار خانم...... کے بارے میں...... کچھ نہیں جانتا۔'' خوف و دہشت کے سبب امیر جلال کی زبان سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے۔

''تو جھوٹ بول رہا ہے امیر جلال!'' محمود اتنی زور سے چیخا کہ زنداں کے در و دیوار گونج اُٹھے۔

''امیرِ ذیشان! اللہ گواہ ہے کہ میں نگار خانم کے بارے میں اس کے سوا کچھ نہیں جانتا کہ وہ بھی نظام شاہ کی بیٹی ہونے کے سبب ملکۂ غزنی کی معتوب رہی ہے۔'' امیر جلال کو شک اور گمان کی حد تک بھی معلوم نہیں تھا کہ محمود اور نگار خانم کے درمیان کیا رشتہ ہے؟ وہ تو بس اتنا سمجھ سکا تھا کہ محمود نظام شاہ کا عقیدت مند ہے اور اسی حوالے سے والیٔ غزنی نگار خانم کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ امیر جلال کو اچانک خیال گزرا تھا کہ کہیں کسی مخبر نے یہ خبر نہ پہنچا دی ہو کہ نگار خانم ایک طویل عرصے تک اس کے مکان پر ایک قیدی کی حیثیت سے رہ چکی ہے۔ یہی سوچ کر امیر جلال چند لمحوں کے لئے بدحواس ہو گیا تھا اور پھر فوراً ہی اس کے عیار ذہن نے ایک نیا منصوبہ تراش لیا تھا۔ ''میں آقائے نعمت سے جھوٹ بولنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا...... اور سچ بولتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں کہ کہیں امیرِ ذی جاہ کا قہر مجھ پر نازل نہ ہو جائے۔'' یہ کہتے کہتے امیر جلال رونے لگا۔

''اب تجھے کس کا ڈر ہے؟'' یکایک محمود کا لہجہ نرم ہو گیا تھا۔ والیٔ غزنی کو امیر جلال کی زبانی نئے انکشافات کی توقع تھی، اس لئے وہ وقتی طور پر سیاست و مصلحت سے کام لے رہا تھا۔ ''اگر تو سچ بولے گا تو ممکن ہے کہ تجھے کسی گوشۂ زمین پر اماں مل جائے ورنہ تیرے لئے غزنی کی زمین اتنی تنگ ہو چکی ہے کہ شاید تجھے قبر کی جگہ بھی نہ مل سکے۔''

''امیرِ بندہ نواز! میں کچھ کہتے ہوئے اس لئے ڈرتا ہوں کہ ملکۂ عالیہ سے آپ کا انتہائی نازک اور گہرا رشتہ ہے۔'' امیر جلال نے بڑی عیاری سے ایک نئی چال چلی۔ ''کچھ بھی سہی مگر میں جانتا ہوں کہ

آپ اپنی مادرِ مہربان کے سلسلے میں کوئی ناخوشگوار بات سننے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔'' یہ کہہ کر امیر جلال عجیب سی نظروں سے والیٔ غزنی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں موت کے خوف کی بھی جھلک تھی اور اُمیدِ نجات کی دُھندلی سی پرچھائیں بھی لرز رہی تھی۔

''میں ہر بات سننے کے لئے تیار ہوں۔'' محمود نے بدستور اسی نرم لہجے میں کہا۔ ''مگر صرف حقیقت اور سچ...... اس کے سوا کچھ نہیں۔ یاد رکھنا کہ میرے عہدِ سلطنت میں سچ کے سر پر عزت و آبرو کا سائبان ہے اور جھوٹ کسی خانہ بدوش کی طرح بے اماں ہے۔''

''آقائے نعمت خوب جانتے ہیں کہ میں صرف حکم کا بندہ ہوں، اس کے سوا کچھ نہیں۔'' امیر جلال نے بڑے مکارانہ مگر پُر اعتماد لہجے میں کہنا شروع کیا۔ ''ملکۂ عالیہ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں شاہ نظام جیسی مقدس ہستی پر اس قدر تشدد کروں کہ وہ امیر اسماعیل کی حمایت کا دم بھرنے لگیں۔''

نظام شاہ کے مصائب کا ذکر سن کر چند لمحوں کے لئے محمود کا چہرہ متغیر ہو گیا تھا۔ مگر والیٔ غزنی نے مصلحت کوشی کے سبب اپنے اعصاب پر قابو رکھا اور کسی قدر تلخ لہجے میں بولا۔

''تُو یہ باتیں پہلے بھی کر چکا ہے۔''

''مجھے احساس ہے امیرِ عالی مقام! مگر اپنی غلامی اور بے چارگی کی صحیح عکاسی کرنے کے لئے اس واقعے کا دہرانا بہت ضروری تھا۔'' امیر جلال اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کے لئے عجیب عجیب توجیہات پیش کر رہا تھا۔ ''اور ملکۂ عالیہ ہی نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں نگار خانم پر تشدد کروں۔ اس طرح ان کا خیال تھا کہ نظام شاہ اپنی بیٹی کو شدید اذیت و کرب میں مبتلا دیکھ کر امیر اسماعیل کی اطاعت پر مجبور ہو جائیں گے مگر......''

ابھی امیر جلال کی بات مکمل ہونے بھی نہیں پائی تھی کہ والیٔ غزنی بدحواس ہو کر چیخ اُٹھا۔ ''کیا مادر مہربان کے دستِ جفا کار سے نگار خانم بھی محفوظ نہیں رہ سکی؟'' اذیت و کرب کے اس طوفان کو برداشت کرتے کرتے محمود کا چہرہ دھواں ہو گیا تھا۔

اب امیر جلال کو احساس ہوا کہ محمود اور نگار خانم کے درمیان کوئی خاص رشتہ موجود ہے۔ ورنہ والیٔ غزنی اس پر کئے جانے والے تشدد کا ذکر سن کر اس طرح وحشت زدہ نہ ہو جاتا۔ امیر جلال سنبھل گیا اور بہت محتاط لہجے میں کہنے لگا۔ ''میں اسی لئے یہ راز فاش نہیں کر رہا تھا امیرِ محترم!'' امیر جلال کی حیلہ سازی نے نئی کروٹ لی۔ ''میں جانتا تھا کہ آپ یہ بات سن کر برہم ہو جائیں گے اور اہلِ دنیا سمجھیں گے کہ میں اپنے کسی مقصد کی تکمیل کے لئے ماں اور بیٹے کے درمیان حائل شدہ خلیج کو مزید گہرا کر رہا ہوں۔'' امیر جلال کا فتنہ انگیز ذہن خود ساختہ فضا میں بڑی تیزی سے پرواز کر رہا تھا۔ ''یہی وجہ تھی، میرے آقا! کہ میں نے گفتگو کے آغاز میں جھوٹ سے کام لیتے ہوئے نگار خانم سے متعلق اپنے خیال کا اظہار کیا تھا۔ مگر جب مزاجِ شاہی برہم دیکھا تو اپنے انجام سے بے پروا ہو کر حقیقتِ حال کو اپنی زبان تک لے آیا۔''

''نامراد! بات کو اتنا طول کیوں دے رہا ہے؟'' محمود کی قوتِ برداشت جواب دے گئی تھی۔ ''بتا کیوں نہیں کہ نگار خانم زندہ ہے یا مادرِ گرامی نے غزنی کے کسی ویران گوشے میں اس کی قبر بھی بنا ڈالی؟''

''ملکۂ عالیہ کے حکم پر نگار خانم کو بھی تازیانوں کی سزا سے گزرنا پڑا تھا۔'' امیر جلال نے کسی خوف و ہراس کے بغیر کہا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس کے چہرے پر دہشت کے آثار نمایاں ہوئے تو والیٔ غزنی اسے

تصور کر لے گا۔ اس لئے وہ کسی قدر بے نیازانہ لہجے میں بولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''میں تو ...ایک جرم ...اتنا ہی جانتا ہوں امیرِ ذیشان! کہ انتہائی تشدد کے باوجود ملکۂ عالیہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو ...نگار خانم کئی بار اپنے خون میں نہائی مگر پھر بھی نظام شاہ نے سرِ اطاعت خم نہیں کیا۔ یہاں تک کہ ...نے تنگ آ کر نگار خانم کو اس کے مکان پر حفاظت کے ساتھ بھجوا دیا۔ یہ کوئی ڈیڑھ ماہ پہلے کی بات ...کے بعد کے حالات سے میں بالکل بے خبر ہوں۔''

...امیر جلال کی زبان سے نیا انکشاف سن کر محمود ایک بار پھر سناٹے میں آ گیا تھا۔ نگار خانم پر کئے ...والے تشدد کے پیچھے بھی اس کی مادرِ مہربان ہی کی کارفرمائی نظر آ رہی تھی۔ امیر جلال نے یہ واقعہ بھی ...سادگی سے بیان کیا تھا کہ محمود چند لمحوں کے لئے اسے بالکل بے گناہ سمجھنے لگا تھا...... مگر اچانک ...غزنی کو نظام شاہ کے الفاظ کی گونج سنائی دینے لگی۔ ''امیر جلال قرمطی ہے اور وہ نگار خانم سے شادی ...چاہتا ہے۔'' نظام شاہ کے ان الفاظ کی گونج نے محمود کو ذہنی طور پر عجیب سی اُلجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔ ...غزنی کے جی میں آئی کہ وہ اسی وقت امیر جلال سے پوچھے کہ ''شیخ کے ان الفاظ کا کیا مفہوم ہے؟'' ...نگار خانم کے تصور نے اُسے اس ارادے سے باز رکھا۔

''تُو نے اچھا کیا امیر جلال! کہ سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔'' والیٔ غزنی عام سے لہجے میں بول رہا تھا تاکہ ...جلال کو اس کی نیت پر کسی قسم کا شک نہ ہو سکے اور وہ اپنے آپ کو عام خطرات سے محفوظ سمجھ کر مکمل طور پر ...بے نقاب ہو جائے۔

''اگر آقا اسی طرح اپنی نگاہِ التفات سے اس غلام کو بہلاتے رہے تو بہت سے سربستہ راز فاش ...ں گا۔'' امیر جلال نے محمود کے بچھائے ہوئے جال کی طرف خود ہی اپنی گردن بڑھا دی تھی۔ ''میں ...گا کہ حضورِ والا کے پیچھے غزنی میں کیا کیا ہوا ہے...... اور کون کون عالی مرتبت کے خلاف سازشیں ...ہے۔''

''میں اس سلسلے میں بہت جلد تجھ سے بات کروں گا۔'' محمود نے معنی خیز لہجے میں کہا اور تیزی کے ...زنداں سے نکل کر چلا گیا۔

❁❁❁❁❁

...نگار خانم کے گھر تک پہنچتے پہنچتے محمود کی حالت غیر ہو گئی تھی۔ پہلے والیٔ غزنی کو ان اذیت ناک ...نے گھیر لیا تھا کہ امیر جلال نے جھوٹ کا سہارا لیا ہے اور نگار خانم جبر و تشدد کی تاب نہ لاتے ...دنیا سے رخصت ہو چکی ہے۔ محمود نے بڑی مشکل سے اپنے ان پریشان خیالات پر قابو پایا تو ایک ...دہ حقیقت پوری ہولناکیوں کے ساتھ اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

امیر جلال کے بقول نگار خانم، تشدد کے دوران کئی بار اپنے خون میں نہا چکی تھی...... محمود نے بڑے ...کے عالم میں سوچا۔ اگر نگار خانم کسی طرح موت کے تاریک غار سے نکل بھی آئی ہو گی تو بے رحم ...کی بارش نے اس کے نرم و نازک جسم کے ساتھ کیا سلوک کیا ہو گا؟ پتھر اور شیشہ...... آہنی ہاتھ ...ب...... یہ سوچ کر ہی محمود لرز اُٹھتا تھا۔

اور پھر ایسا ہی ہوا۔ جب محمود نے نگار خانم کو دیکھا تو وہ اسے پہچان ہی نہیں سکا۔ شفق رنگ چہرے ...زخموں کے نشانات...... خشک اور سوجے ہوئے ہونٹ...... پتھرائی ہوئی آنکھیں جن کے نیچے

سیاہ دھبے، جیسے کسی قبر پر دو ٹمٹماتے ہوئے چراغ جل رہے ہوں۔

نگار خانم کی بے کسی کا یہ حال تھا کہ اسے معمولی سے طبیب کی بھی مسیحائی میسر نہیں تھی۔ بس پڑوس کی چند غمگسار عورتیں گھریلو انداز میں اس کی تیمارداری کر رہی تھیں۔

والیٔ غزنی کو اپنے روبرو پا کر پہلے تو نگار خانم کے محلے کی غریب عورتیں جلال شاہی سے دہشت زدہ ہو گئیں۔ پھر جب کسی حد تک ان کا خوف زائل ہوا تو رو رو کر فریاد کرنے لگیں۔

"امیر! آپ کہاں چلے گئے تھے کہ آپ کی عدم موجودگی میں تو اہلِ غزنی پر روزانہ ہی کوئی نہ کوئی قیامت نازل ہوتی تھی۔ کتنے معصوم اور بے گناہ مار ڈالے گئے، اس کا کوئی شمار نہیں۔ شیخ نظام شاہ کہاں ہیں؟ اور ان پر کیا گزری، کوئی نہیں جانتا۔ ستم گروں نے نگار خانم کو اس حال تک پہنچا دیا۔ احمد سالار قید خانے میں ہے اور اس کی والدہ دنیا سے رخصت ہو چکی ہے۔ امیر! ہمیں بتائیے کہ کب عدالت آراستہ ہو گی، کب آپ مسندِ انصاف پر بیٹھیں گے اور کب ظالموں سے ان کے جابرانہ اعمال کا حساب لیا جائے گا؟ یا پھر ہم قیامت کا انتظار کریں گے کہ اس روز اللہ کی عدالت میں ہر مجبور و بے کس کی فریاد سنی جائے گی اور وہاں مظلوموں کی زبانوں پر پہرے بٹھانے والا کوئی نہ ہو گا۔"

غریب عورتوں کی ایک ایک فریاد نے کسی تیز نشتر کی شکل اختیار کر لی تھی اور محمود کو یوں محسوس ہو رہا تھا، جیسے بیک وقت کئی زہر آلود نشتر اُس کے دل میں اُتر گئے ہوں۔ محمود نے خاموش رہنے کی بہت کوشش کی، مگر وہ دل کے گہرے زخم کی تکلیف برداشت نہ کر سکا اور بے اختیاری کے عالم میں چیخ اُٹھا۔

"نہیں، تمہیں حشر کے دن کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ اپنے خالقِ بے نیاز اور قادرِ مطلق کے جلال کی قسم! قیامت سے پہلے غزنی کے جفاکاروں پر ایک قیامت نازل ہو گی۔ میں اللہ کا ایک عاجز و ناتواں بندہ ہوں۔ مگر کوشش کروں گا کہ جور و ستم کی تیز دھوپ میں جلنے والے مظلوموں کو عدل و انصاف کا سائبان فراہم کر سکوں۔"

یہ کہہ کر والیٔ غزنی نے نگار خانم کی تیماردار خواتین کو باہر چلے جانے کا اشارہ کیا۔ محمود تنہائی میں نگار خانم سے کچھ بات کرنا چاہتا تھا۔ پھر جب غزنی کی عورتیں مکان سے نکل کر چلی گئیں تو محمود نے بہت غور سے نگار خانم کی طرف دیکھا۔ اس دوران نگار خانم، امیرِ غزنی کے احترام میں سیدھی ہو کر بیٹھ چکی تھی۔ اگرچہ اس کشمکش میں نگار خانم کے کئی زخموں کے منہ کھل گئے تھے، لیکن اس نے اپنے اور محمود کے درمیان فرق ملحوظ رکھا۔ محمود اسے روکتا رہ گیا، مگر وہ بڑی جانباز خاتون تھی۔ نگار خانم نے ایسی شکستہ حالت میں بھی مسکراتے ہوئے استقبال کیا۔

"سرزمینِ غزنی بہت خوش نصیب ہے کہ اس نے مجاہدِ اسلام کے قدموں کو بوسہ دینے کی سعادت حاصل کی۔" شدید نقاہت کے سبب نگار خانم ٹھہرے ہوئے لہجے میں بول رہی تھی۔

محمود بہت دیر سے آنسوؤں کے سرکش طوفان کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا مگر نگار خانم کی اس پرسش حال نے صبر کے تمام بند توڑ دیئے اور وہ کسی بچے کی طرح رونے لگا۔ اگرچہ اس عظیم الشان فتح پر ہزاروں انسانوں نے مبارک باد دی تھی، لیکن نگار خانم کا انداز سب سے جداگانہ تھا۔

"تم ایسا نہ کہو نگار خانم! کہ میں تمہارے لئے صرف محمود ہوں۔" امیرِ غزنی کے لہجے میں محبت کے بھرپور جذبوں کی صداقت تھی۔

"نہیں، آپ صرف فاتحِ غزنی ہیں۔" نگار خانم کے لہجے میں دبا دبا جوش تھا۔ "میں اپنے اللہ کی شکرگزار ہوں کہ اس نے آپ کو غزنی کی سلطنت وراثت کے طور پر نہیں بلکہ اپنی بے پناہ اور لازوال نعمتوں کے صدقے میں یہ حوصلہ دیا کہ آپ غاصبوں کے ہاتھوں سے اپنا حق چھین سکیں۔ بس میں نے اسی دن کے لئے دعائیں کی تھیں۔ پاک ہے وہ ذات جو اپنے گناہ گار بندے کی بھی دعائیں سنتی ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس خرابے میں ہم جیسے ناتوانوں کا دم گھٹ جائے۔" نگار خانم عجیب سے لہجے میں بول رہی تھی۔ محمود نے اس کے علاوہ لہجے کا یہ گداز، یہ سوز، یہ تڑپ اور یہ محبت کسی تیسری جگہ محسوس نہیں کی تھی۔ بس یہ دو شخصیات تھیں جن سے محمود کا کوئی خونی رشتہ نہیں تھا۔ مگر ان کی محبتوں کے آگے تمام قریبی رشتے ہیچ تھے۔ یہ احساس کر کے اس کے بہتے ہوئے آنسوؤں میں کچھ اور روانی آ گئی تھی۔

"کس نے تمہارا یہ حال بنا دیا نگار خانم؟" محمود کے لہجے سے دل کا درد جھلک رہا تھا۔ "شاید تمہارے چہرے کو کسی کی نظر لگ گئی۔"

نگار خانم کے جذبات کی دنیا میں ایک زلزلہ آ گیا۔ بارِ حیا سے اُس کی نظریں جھک گئیں اور وہ بہت دیر تک کچھ کہنے کے قابل نہ ہو سکی۔ بیک وقت کئی طوفان جو اس کے دل و دماغ سے گزر رہے تھے۔ کئی بے تعبیر خواب تھے، جو جاں لیوا انداز میں کروٹیں لے رہے تھے۔ اور کئی آرزوئیں تھیں، جن کی تپش اُس کی روح تک کو جلائے دیتی تھی۔

"امیرِ محترم! انسانی چہرے کا کیا ہے؟" آخر ایک طویل وقفے کے بعد نگار خانم کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔ "اگر وقت کی گرم ہواؤں اور مصائب کے زخموں سے بچ بھی گئی تو ایک نہ ایک دن اُسے خاک میں مل جانا ہے۔ کیا رنگ اور کیا خوشبو، یہاں سب کچھ فانی ہے۔ اہلِ خبر فانی چیزوں کے جانے کا ماتم نہیں کرتے۔ آپ اپنے مقصدِ عظیم کی طرف توجہ دیں۔ یہاں تو مجھے ہر لڑکی ہی نگار خانم نظر آتی ہے۔ آپ کس کس نگار خانم کے غموں کا مداوا کریں گے؟" نگار خانم بڑی حوصلہ مندی کے ساتھ اپنی حالتِ زار کو امیرِ غزنی سے چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ "بابا کیسے ہیں؟" نگار خانم نے اچانک موضوع بدل دیا تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی اُس کی آنکھوں میں خوف و دہشت کی گہری پرچھائیاں بھی نظر آنے لگی تھیں۔ پھر وہ نظام شاہ کے مصائب کو یاد کر کے اتنا روئی کہ محمود کے لئے اُس کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

پھر جب دل و دماغ پر چھایا ہوا اذیتوں کا غبار ڈھل گیا اور اشکوں کا سیلاب آہستہ آہستہ اُتر گیا تو محمود کے بار بار پوچھنے پر نگار خانم نے امیر جلال کی ہولناک پیش کش اور تمام واقعات کے بارے میں تفصیل سے سب کچھ بتا دیا۔ نگار خانم جب تک گفتگو کرتی رہی، محمود نفرت و اذیت کی تیز آندھیوں کے نشانے پر رہا۔ پھر جب وہ خاموش ہوئی تو وہ مجسمۂ قہر بن کر رہ گیا۔

"وہ...... حرام کار...... امیر جلال...... تم سے شادی کرنا چاہتا تھا؟" شدتِ غضب کے باعث محمود کو بات کرنے میں بہت زیادہ دشواری پیش آ رہی تھی۔ "کیا اُس شیطان نے سمجھ لیا تھا کہ محمود مر چکا ہے...... اور اب کبھی واپس نہیں آئے گا؟" والیٔ غزنی ہذیانی کیفیت سے دوچار تھا۔ "ہاں! سب لوگوں نے یہی سمجھ لیا تھا کہ میں مر چکا ہوں اور میرے جسم کو مٹی کے نیچے دبایا جا چکا ہے۔ اس لئے تمام ستم گر مذہب و اخلاق کی ساری بندشوں کو توڑ کر وحشیانہ رقص کر رہے تھے۔ اللہ کی پناہ! وہ کیا مجنونانہ رقص تھا کہ کسی کی جان محفوظ تھی اور نہ کسی کی آبرو...... درندے بھی تو ایسا نہیں کرتے۔ جب اُن کا پیٹ بھر جاتا

ہے تو جنگل کے ایک گوشے میں سمٹ کر بیٹھ جاتے ہیں...... مگر انسان کی یہ بھوک اور پیاس کیسی ہے؟...... ہزاروں مقتل لاشوں سے پٹ گئے، لیکن اس کا شکم نہیں بھرتا۔ خون کے سمندر پی ڈالے مگر اس کی پیاس نہیں بجھتی۔" محمود پر نیم دیوانگی کا عالم طاری تھا۔ والیٔ غزنی اتنی زور سے چیخ رہا تھا کہ باہر کھڑے ہوئے خدمت گاروں کو بھی اُس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اور تمام خدام، خوف و دہشت سے لرز رہے تھے۔ پھر جب بہت دیر بعد محمود کے اعصاب کا تناؤ ختم ہوا تو اس نے عجیب سی نظروں سے نگار خانم کی طرف دیکھا۔

"تم سب سے جدا ہو، سب سے الگ اور سب سے منفرد۔ یہ حوصلہ، یہ ظرف اور قربانی کا یہ جذبہ میں نے کہیں نہیں دیکھا۔"

محمود کے لہجے میں دل کی خلش بھی تھی اور روح کی سرشاری بھی۔ نگار خانم نے شرما کر نظریں جھکا لیں۔

"کاش! تم زندگی کے اس پُر پیچ راستے پر میری شریکِ سفر ہوتیں۔" یہ کہتے کہتے ایک بار پھر محمود کے چہرے پر ناکام حسرتوں کا دھواں پھیل گیا۔ "کاش! تم سمجھ سکتیں کہ والیٔ غزنی کتنا مجبور انسان ہے۔ ایک مزدور، ایک کسان اور ایک سپاہی سے بھی زیادہ مجبور...... یہ تاج و تخت، یہ سیم و زر کے انبار، یہ فتوحات کے سنہری تمغات، یہ کثرتِ افواج اور خدمت گاروں کی طویل قطاریں سب کچھ بے کار ہے۔ یہ کیسی مطلق العنانی ہے کہ آج مجھے کوئی روکنے والا نہیں۔ مگر میں پھر بھی تمہیں حاصل نہیں کر سکتا۔ مجھ جیسا مجبور کون ہوگا نگار خانم؟ کوئی بھی نہیں...... کوئی بھی نہیں۔ میں دنیا کی نظر میں ایک بڑا فاتح ہوں مگر کسی کو نہیں معلوم کہ میں نے دل کے محاذ پر کس عجیب زاویے سے شکست کھائی ہے۔" محمود کے دل و دماغ بھی سلگ رہے تھے اور چہرہ بھی جذبات کی نادیدہ آگ میں جل اُٹھا تھا۔

"کون کہتا ہے کہ آپ ایک شکست خوردہ انسان ہیں؟" محمود کی یہ حالت دیکھ کر نگار خانم تڑپ اُٹھی تھی۔ "قافلۂ روز و شب کو آگے تو بڑھنے دیجئے، اِن شاء اللہ! آپ ہر محاذ پر ایک عظیم فاتح قرار پائیں گے۔ اور رہا دل کا محاذ تو......" یک بیک نگار خانم کی نظریں جھک گئی تھیں۔ "دل کے محاذ پر بھی آپ ایک عظیم فاتح ہیں۔ میری بینائی، میری سماعت، میرے ہوش و حواس، میرے دل و دماغ اور میری روح تک کو آپ نے تسخیر کر لیا ہے۔ اس سے بڑی فتح اور کیا ہوگی؟" آج نگار خانم نے اپنے خاموش جذبوں کو زبان دے دی تھی۔

چند لمحوں تک محمود پر سرشاری کی عجیب سی کیفیت طاری رہی، مگر فوراً ہی اسے حقائق کی دنیا میں واپس آنا پڑا۔ "مگر یہ کیسی فتح ہے کہ سارے اختیارات حاصل ہونے کے باوجود میں تمہیں پا نہیں سکتا۔" دل کی تپش سے اس کے ہونٹ بھی جلنے لگے تھے۔

"والیٔ غزنی کو معلوم ہونا چاہئے کہ فتح صرف پا لینے یا حاصل کر لینے ہی کا نام نہیں ہے۔" نگار خانم کے لہجے میں حد سے زیادہ ٹھہراؤ تھا۔ "کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک حکمراں حال کی جنگ ہار جاتا ہے مگر آنے والے زمانے اسے ایک فاتح کی حیثیت سے تسلیم کر لیتے ہیں۔ آپ کے جذبات کی جنگ صرف میری ذات سے وابستہ ہے، اس لئے آپ کی فتح و شکست کا فیصلہ بھی میں خود ہی کروں گی...... اور آپ خوب جانتے ہیں کہ میں نے ہمیشہ آپ کو ایک فاتح کی حیثیت سے دیکھا ہے۔ ایسا فاتح کہ جس کے

...ایک سانس بھی نہیں لے سکتی۔" نگار خانم نے بڑی جانبازی کے ساتھ وقت کے اذیت ...کے بغیر میں ...لے کو قبول کر لیا تھا۔ مگر پھر بھی وہ اپنے چہرے کو محرومیوں کے غبار سے محفوظ نہیں رکھ سکی تھی زخموں ...کثرت کے سبب نیلگوں ہو جانے والے چہرے پر کسی قدر سیاہی نمایاں ہو گئی تھی۔

نگار خانم نے بظاہر امیر محمود کو فاتح تسلیم کر لیا تھا لیکن در پردہ اُس نے والیٔ غزنی کو شکست دے دی ...محمود بھی اس حقیقت کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔ "مگر تم نے کبھی مجھ سے میری مجبوریوں کے بارے ...کچھ نہیں پوچھا۔" محمود کے لہجے سے اس کے دلی کرب اور ذہنی انتشار کا اظہار ہو رہا تھا۔

"آپ کہتے ہیں تو پھر سچ ہی کہتے ہوں گے۔" نگار خانم کے لہجے میں بڑی سادگی تھی۔ "مجھے پوچھنے ...کیا ضرورت ہے؟ آپ یقیناً مجبور ہوں گے۔"

"تمہیں مجھ پر اتنا اعتماد ہے؟" محمود جھنجلا سا گیا۔

"اعتماد کے بغیر دنیا کے سارے کام ہو سکتے ہیں، مگر محبت نہیں کی جا سکتی امیرِ محترم!" نگار خانم کے ...لہجے میں نہ طنز تھا، نہ شکایت۔ بس ایک عجیب سی خلش تھی۔ "بے یقینی اور شک کی ہلکی سی گرد بھی شیشۂ دل ...زنگ آلود کر دیتی ہے۔ اور پھر یہ کثیف آئینے اس قابل نہیں رہتے کہ اہلِ وفا ان میں اپنے چہرے دیکھ ...سکیں۔"

نگار خانم کا جواب سن کر محمود کی جھنجلاہٹ کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ والیٔ غزنی مضطرب ہو کر کھڑا ہو گیا۔ ...تمہارا صبر و ضبط مثالی سہی مگر نگار خانم! میری مجبوریاں بھی انوکھی ہیں۔ ذرا کشمکشِ دہر سے فرصت مل ...جائے، پھر تمہیں اپنی مجبوریاں بتاؤں گا، اس وقت تم اندازہ کر سکو گی کہ میں عظیم فاتح ہوں یا ایک شکست ...خوردہ انسان؟"

نگار خانم جواب میں مزید کچھ کہنا چاہتی تھی مگر محمود تیزی سے نکل کر چلا گیا۔

پھر اسی دن دربارِ شاہی کا ایک اور طبیب نگار خانم کے علاج کے لئے اس کے مکان کی طرف جا رہا تھا۔ اور اسی روز بہت تلاش کے بعد احمد سالار کا پتہ بھی چل گیا۔ نظام شاہ کے اس روحانی فرزند کو غزنی ...کے ایک زیرِ زمین عقوبت خانے میں رکھا گیا تھا۔ محمود خود چل کر احمد سالار کے پاس پہنچا۔ اُس کی حالت ...نازک تھی، مگر خطرناک نہیں تھی۔ والیٔ غزنی نے احمد سالار سے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"معاف کرنا نوجوان! تم پر سارے عذاب میری وجہ سے آئے۔ میں ستم گروں سے تمہارے ایک ...ایک زخم کا حساب طلب کروں گا۔" محمود کے لہجے میں گہری اُداسی بھی تھی اور نفرت و قہر کی تند و تیز لہر بھی۔ ...میں تمہاری محبتوں کا قرض دار ہوں۔ کوشش کروں گا کہ اسی دنیا میں تمہارا قرض ادا ہو جائے۔"

"بس آپ واپس آ گئے اور میرے زخموں کا مداوا ہو گیا۔" شدید تکلیف کے باوجود احمد سالار نے ...مسکراتے ہوئے کہا۔ "اب کسی کے ذمے میرا کوئی قرض نہیں، سارے حسابات صاف ہو گئے۔" احمد ...سالار ایک عالم و فاضل نوجوان تھا۔ اس کے لہجے کی شائستگی نے والیٔ غزنی کو چونک جانے پر مجبور کر دیا۔

"احمد سالار! تمہاری ہر ادا میرے شیخ کی سی ہے۔" محمود وارفتگی کے انداز میں بول رہا تھا۔ "آخر ...کیوں نہ ہو کہ نظام شاہ سے ایک نسبتِ خاص رکھتے ہو۔" والیٔ غزنی نے جذباتی ہو کر احمد سالار کی پیشانی ...کو بوسہ دیا اور کچھ سوچتا ہوا قصرِ شاہی کی طرف روانہ ہو گیا۔

❁❁❁❁❁

نظام شاہ کے صحت یاب ہوتے ہی محمود نے پورے غزنی میں چراغاں کرنے کا حکم دیا اور پھر اپنی تاج پوشی کی رسم ادا کی۔ اس شاہی تقریب کے مہمانِ خصوصی نظام شاہ تھے۔ جس وسیع و عریض میدان میں امیر اسماعیل کی تاجپوشی کی گئی تھی، آج اسی مقام پر ایک بار پھر غزنی کی رعایا جمع ہوئی تھی، مگر حالات یکسر بدلے ہوئے تھے۔ جھوٹے اقتدار کا دعویٰ کرنے والے یا تو فنا ہو چکے تھے یا پھر ذلت و رُسوائی کا بارِ گراں اُٹھائے زنداں کے ایک تاریک گوشے میں اپنی زندگی کے باقی دن گزار رہے تھے۔

آج غزنی کی تاریخ کا یہ سب سے خوب صورت اور خوش گوار دن تھا۔ مقامی باشندوں کو ایک ہی وقت میں دو بڑی خوشیاں میسر آئی تھیں۔ ایک یہ کہ اہلِ غزنی کا مسیحا زنداں اور مقتل سے گزر کر بخیر و عافیت واپس آ گیا تھا، جبکہ اس کے عقیدت مند اُس کی زندگی سے انتہائی حدوں تک مایوس ہو چکے تھے...... دوسرے یہ کہ محمود نے ظلم و ناانصافی کا خاتمہ کر کے اپنا حق حاصل کر لیا تھا اور اہلِ غزنی کو آبرومندانہ اور فارغ البال زندگی کی بشارت دی تھی۔

ہزاروں انسانوں کی موجودگی میں نظام شاہ نے اپنے دستِ مبارک سے محمود کے سر پہ تاج رکھا۔ نقاہت کے سبب ان کے ہاتھوں میں ہلکی سی لرزش تھی۔

محمود کو تاجِ زرنگار پہنانے کے بعد نظام شاہ انتہائی پُرسوز لہجے میں دعا کر رہے تھے۔

''اے مالکِ ارض و سما! وہ زمین ہو کہ آسمان، تیرے اقتدار میں کوئی شریک نہیں...... اور جس نے شرکت کا دعویٰ کیا، تُو نے اسے قیامت تک کے لئے عبرت نشاں بنا دیا۔ میں اپنے فرزند محمود کے لئے تجھ سے تیرے فضل و کرم کی بھیک مانگتا ہوں۔ اپنے بے مثال جلال و جبروت کے صدقے میں دشمنوں کے دلوں پر اس کی ہیبت قائم کر دینا...... اس کے کمزور بازوؤں اور ضعیف ارادوں کو توانائی بخش دینا کہ تیری تائید کے بغیر اس کی حکومت خونخوار موجوں کے درمیان گھری ہوئی کاغذ کی ایک کشتی کی طرح ہے۔ اے حاضر و ناظر! تیرا یہ بندہ نہیں جانتا کہ اس کی پشت کے پیچھے کیا ہو رہا ہے؟ اور اس کے حق میں کیا اچھا ہے اور کیا برا ہے؟ اے مشکل کشائے عالم! ہر قدم پر اس کی دستگیری فرمانا کہ محمود بن سبکتگین اندھا بھی ہے اور اپاہج بھی۔ اپنے نورِ ازلی و ابدی کے طفیل اسے بینائی دے تاکہ یہ اپنا راستہ تلاش کر سکے۔ یہ بہت کمزور ہے، اس لئے قدم قدم پر لڑکھڑائے گا مگر تُو اسے تنہا نہ چھوڑ دینا کہ تیری رہنمائی کے بغیر یہ اس راہ پر گامزن ہو جائے گا جس کے مسافروں کو تُو نگاہِ غضب سے دیکھتا ہے۔'' نظام شاہ کا لہجہ رقت آمیز ہو گیا تھا۔ ''حسد کرنے والی جو آنکھ اُس کی طرف اُٹھے، اس کی روشنی سلب کر لے اور جو ہاتھ اس کی دستار فضیلت کی طرف بڑھے، اسے اپنی شمشیرِ غیب سے قطع کر دے کہ تُو ہر شے پر قدرت و اختیار رکھتا ہے۔ اس سے وہ کام لے جو تیری رضا کا باعث ہو۔ اسے حیوانوں کی بھیڑ سے نکال کر انسانوں کی قطار میں شامل فرما۔ دنیا کے ساتھ اس کی آخرت بھی سنوار دے۔ تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں۔ تیرے حبیب پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بے شمار درود و سلام کہ تُو نے ان ہی کے ذریعے ہمیں ہدایت بخشی اور ان کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔'' نظام شاہ نے حد سے زیادہ کمزوری کے سبب بہت مختصر دعا کی مگر ان چند الفاظ میں حکمت و معانی اور رشد و ہدایت کا ایک دفتر پوشیدہ تھا۔

امرائے سلطنت اور باشندگانِ غزنی نے ایسی بے باک اور پُر اثر تقریر نہیں سنی تھی۔ خود محمود کا یہ حال تھا کہ وہ سر جھکائے رو رہا تھا۔ جب نظام شاہ تقریر ختم کر کے کرسی پر بیٹھ گئے تو والیٔ غزنی پر جوش لہجے میں اپنی رعایا سے مخاطب ہوا۔

''لوگو! تم نہیں جانتے کہ تمہارا امیر جنگ ہار چکا تھا، مگر یہ شیخ کی دعاؤں کا اثر ہے کہ قدرت کے کارکشا نے ایک شکست خوردہ انسان کو غلبہ عطا کیا۔ تم بھی میرے لئے دعا کرو کہ میں شیخ کی توقعات پر پورا اُتروں اور اللہ کی زمین پر عدل و انصاف قائم کروں۔''

پھر بہت دیر تک اہلِ غزنی بلند آوازوں کے ساتھ امیر محمود کی درازیٔ عمر اور بلند اقبالی کے لئے دعا کرتے رہے۔ اس دعا میں نظام شاہ بھی شریک تھے۔

جشنِ تاج پوشی میں ایک عام انسان کی طرح نگار خانم نے بھی شرکت کی تھی۔ اگرچہ محمود نے بہت اصرار کیا تھا کہ وہ شاہی مہمان کی حیثیت سے اس تقریب میں شرکت کرے لیکن نگار خانم نے انکار کر دیا تھا۔ وہ پوری تقریب کے دوران روتی ہی رہی۔ ان آنسوؤں میں بے پناہ خوشی کا رنگ بھی شامل تھا اور تمام حسرتوں کا خون بھی۔

❁❁❁❁❁

تقریب کے اختتام پر نظام شاہ، نگار خانم کے پاس جانا چاہتے تھے مگر محمود ضد کر کے اُنہیں قصرِ شاہی میں لے آیا۔

''شیخ! بس ایک رات مجھ گناہ گار کے کمرے میں گزار دیجئے۔'' والیٔ غزنی بڑے پُرسوز لہجے میں درخواست کر رہا تھا۔ ''تاکہ میں تمام عمر آپ کی خوشبو محسوس کر سکوں اور پتھر کے یہ در و دیوار اپنی اس عمارت پر ناز کر سکیں کہ ایک مردِ خدا نے کچھ دیر کے لئے یہاں بھی قیام کیا تھا۔''

نظام شاہ مسکرا کر خاموش ہو گئے۔ گویا انہوں نے اپنی رضامندی ظاہر کر دی تھی۔

محمود کا جشنِ تاج پوشی ایک یادگار تقریب تھی۔ مگر پھر بھی وہ اپنے دل میں ایک خلش سی محسوس کر رہا تھا اور اس خلش کی ذمے دار اُس کی سوتیلی ماں تھی۔ نظام شاہ کو اپنے کمرے میں ٹھہرا کر محمود اپنی سوتیلی ماں کے پاس پہنچا۔

''مادرِ گرامی! اللہ نے نظام شاہ کو صحت و زندگی دے کر دراصل ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔'' والیٔ غزنی نے سعادت مندانہ لہجے میں گفتگو کا آغاز کیا۔

''آخر تُو کیا کہنا چاہتا ہے؟'' اسماعیل کی ماں کے وہی بگڑے ہوئے تیور تھے جیسے کوئی ملکہ اپنے غلام سے مخاطب ہو۔ ''مجھے نظام شاہ کی موت اور زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں۔''

''یہ بہت اچھا موقع ہے اُمِ محترم!'' محمود نے عاجزی کے ساتھ کہا۔ ''شیخ! میرے کمرے میں قیام پذیر ہیں۔ آپ ان سے چل کر معذرت کر لیں۔ میرے دل پر بڑا بوجھ ہے۔ براہِ کرم اپنی زبان سے دو لفظ ادا کر کے اس بارِ گراں کو اتار دیجئے۔ ایک بیٹے کی حیثیت سے میں نہیں چاہتا کہ آپ ایک مردِ حق کے معاملے میں تمام عمر گناہ گار رہیں۔ بس شیخ سے اتنا کہہ دیجئے کہ آپ نے کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر یہ جارحانہ قدم اُٹھایا اور آپ اپنی اس حرکت پر شدید ندامت کا احساس کر رہی ہیں۔ آپ نہیں جانتیں کہ شیخ کتنے وسیع القلب انسان ہیں۔ وہ تو اپنے بدترین دشمنوں کو بھی معاف کر دیتے ہیں۔'' یہ کہہ کر محمود پُر اُمید اور منتظر نظروں سے ماں کی طرف دیکھنے لگا۔

''کیا تُو پاگل ہو گیا ہے محمود؟'' اسماعیل کی ماں نے حسبِ عادت انتہائی تند و تیز لہجے میں کہا۔

''تیرے ہوش و حواس پر نظام شاہ کی اندھی عقیدت کا عفریت مسلط ہے۔ مگر میں آج بھی اسے محض ایک شعبدہ باز اور گمراہ انسان سمجھتی ہوں۔ میں نے اسے سزا دے کر کوئی گناہ نہیں کیا بلکہ اپنی زندگی کا سب سے بڑا ثواب کمایا ہے۔ پھر بھی اگر تُو سمجھتا ہے کہ میں کسی گناہ کی مرتکب ہوئی ہوں تو غور سے سن لے کہ میں اس گداگر سے معافی نہیں مانگوں گی، جو میرے باپ اور شوہر کی روٹیاں کھا کر جھوٹی ولایت کے منصب تک پہنچا ہے۔ نظام شاہ سے معافی مانگنا تو کجا، اس سے بات کرنا بھی میری شانِ امارت کی توہین ہے۔''

''مادرِ گرامی!'' محمود کی قوتِ برداشت جواب دے گئی تھی اور آج وہ پہلی بار اپنی ماں کے سامنے تیز آواز میں بول رہا تھا۔ ''آپ کے باپ اور شوہر نظام شاہ کو کیا دیتے کہ وہ تو خود شیخ سے ان کی دعاؤں کی بھیک مانگتے رہتے تھے۔ اللہ آپ کو ہدایت دے، میں نے حقِ فرزندی ادا کر دیا۔'' یہ کہہ کر محمود واپس جانے کے لئے مڑا اور اسے اپنے عقب میں ملکہ ثانی کی چیخیں سنائی دیتی رہیں۔

''اپنے نظام شاہ سے کہنا کہ وہ میری ہلاکت کی دعائیں کرے۔''

✻✿✻✿✻

محمود دوبارہ نظام شاہ کے پاس پہنچا تو اس کے چہرے پر گہری اُداسی چھائی ہوئی تھی۔ نظام شاہ نے مسکراتے ہوئے والیٔ غزنی کی طرف دیکھا۔

''بیٹھ جاؤ فرزند! تم بھی فضول باتوں میں اُلجھ کر اپنے ذہن کو پریشان کر لیتے ہو۔''

''شیخ! آپ کو میرے کرب کا اندازہ نہیں کہ میں اپنے عزیزوں کو عذاب سے بچانا چاہتا ہوں مگر وہ مسلسل عذاب خرید رہے ہیں۔ کاش! وہ خسارے کی اس تجارت سے باز آ جاتے۔'' محمود کے لہجے میں بڑا درد تھا۔

''لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے رہو مگر ان کی بے راہ روی پر اتنے آزردہ نہ ہو کہ یہ غم تمہیں دوسرے فرائض سے غافل کر دے۔'' نظام شاہ نے والیٔ غزنی کو محبت سے سمجھایا۔ ''پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ سکتے ہیں مگر انسانی فطرت نہیں بدل سکتی۔ میں نے تمہاری ماں کو معاف کر دیا۔ اب ان کے ذمے میرا کوئی قرض نہیں ہے۔ اللہ بھی انہیں معاف فرما دے۔''

نظام شاہ کی بات سن کر محمود کو سکتہ سا ہو گیا۔ اسماعیل کی ماں کے کمرے اور محمود کی نشست گاہ میں بہت فاصلہ تھا۔ پھر شیخ نے اُس کی گفتگو کس طرح سن لی؟ محمود یہی سوچ کر حیران ہو رہا تھا۔ پھر والیٔ غزنی فرطِ عقیدت سے گھٹنوں کے بل جھک گیا اور اس نے اپنے ہونٹ نظام شاہ کے زخمی ہاتھوں پر رکھ دیئے۔

''شیخ! میری گناہ گار ذات پر آپ کا یہ ایک اور احسانِ عظیم ہے۔ میں شکر گزار ہوں کہ آپ نے اذیت و کرب کی جکڑی ہوئی میری روح کو آج آزاد کر دیا۔ اگر آپ ایسا نہ کرتے تو میں آخری سانس تک ایک ناقابلِ بیان کرب میں مبتلا رہتا۔ بے شک! آپ عظیم ہیں اور ہم گناہوں کی بستیوں میں رہنے والے اپاہج انسان۔ اس لئے آپ کی قدر و منزلت نہ کر سکے۔ شیخ! اس کوتاہی کو معاف فرما دینا کہ ہم بہت ناشکرے ہیں۔'' والیٔ غزنی زار و قطار رو رہا تھا۔

نظام شاہ نے بے اختیار محمود کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ ''فرزند! تمہارے یہی آنسو شکر گزاری کا سب سے بڑا مظہر ہیں۔ خالقِ کائنات کے سامنے بھی اپنی آنکھوں کو اسی طرح اشکوں سے نم رکھنا ورنہ ایک دن

ز ہو جاؤ گے۔''

محمود نے سر اٹھایا۔ اب اس کے چہرے پر سکون و طمانیت کے آثار نمایاں تھے۔ پھر جب یہ جذباتی فضا اعتدال پر آ گئی تو والیٔ غزنی نے امیر جلال کا ذکر چھیڑتے ہوئے کہا۔

''وہ حرام کار میری قید میں ہے اور اس کے دونوں ہاتھ مفلوج ہو چکے ہیں۔'' ایک بار پھر نفرت و غضب کی آگ سے محمود کا چہرہ جلنے لگا تھا۔ ''میں نے اس کا معاملہ آپ کی صحت یابی تک کے لئے اُٹھا رکھا تھا۔ اللہ کا شکر و احسان ہے کہ نگار خانم اس خبیث درندے کی دست درازیوں سے محفوظ رہی۔''

محمود کی زبانی تمام واقعات کی تفصیل سن کر نظام شاہ رونے لگے۔ ان کے یہ آنسو اپنے اللہ کی شکر گزاری کے طور پر تھے کہ اس ذاتِ پاک نے نگار خانم کے پیرہنِ آبرو کو داغدار ہونے سے بچا لیا تھا۔

''اب آپ فرمائیں کہ امیر جلال کو کیا سزا دوں؟ وہ کون ہے؟ اور کہاں سے آیا ہے؟''

''پہلے اس مردود کو میرے سامنے پیش کرو۔'' نظام شاہ کا لہجہ انتہائی غضب ناک تھا۔

محمود سناٹے میں آ گیا۔ آج اس نے پہلی بار نظام شاہ کو حالتِ قہر میں دیکھا تھا۔

پھر تھوڑی دیر بعد چند سپاہی امیر جلال کو زنداں سے نکال کر محمود کی خلوت گاہ تک لائے۔ سابق سالارِ غزنی اپنے مفلوج ہاتھوں کی وجہ سے مجسمۂ عبرت بنا ہوا تھا۔ نظام شاہ کو دیکھتے ہی وہ لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھا اور ان کے پیروں پر گر کر معافی مانگنے لگا۔

''میں تجھے مایوس نہیں کروں گا، امیر جلال!'' یہ کہہ کر نظام شاہ نے اس کے مفلوج ہاتھوں پر اپنے ہاتھ پھیرے۔ اور پھر دوسرے ہی لمحے امیر جلال خوشی سے چیختا ہوا کھڑا ہو گیا۔ اس کے دونوں مفلوج ہاتھوں میں خون کی گردش بحال ہو گئی تھی۔

''شیخ! میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ کی توجہ سے میرا لاعلاج مرض دُور ہو گیا۔'' یہ کہہ کر امیر جلال دوبارہ نظام شاہ کی قدم بوسی کے لئے جھکا۔

''اسے میری نظروں سے دُور لے جاؤ!'' نظام شاہ نے سپاہیوں کو حکم دیتے ہوئے کہا۔ ''میں نہیں چاہتا کہ یہ اہلِ غزنی کے سامنے اپنی بے چارگی کا ماتم کرتا پھرے اور لوگوں سے چیخ چیخ کر کہے کہ اسے نظام شاہ پر تشدد کرنے کے سلسلے میں سزا دی جا رہی ہے۔'' نظام شاہ پلٹ کر محمود سے مخاطب ہوئے۔ ''امیر! تم گواہ رہنا کہ میں نے امیر جلال کو معاف کر دیا تا کہ یہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو تنگ دلی کا طعنہ نہ دے سکے۔''

سپاہی امیر جلال کو کھینچتے ہوئے دوبارہ زنداں کی طرف لئے جا رہے تھے اور نظام شاہ سے ان کے رحم و کرم کی بھیک مانگ رہا تھا۔

محمود، نظام شاہ کی یہ کرامت دیکھ کر خود بھی مجسمۂ حیرت بن گیا تھا۔

''فرزند! اسے میرے معاملے میں سزا نہ دینا۔'' محمود، نظام شاہ کی آواز سن کر چونکا۔ ''امیر جلال زخمی ہے اور اس کا نامۂ اعمال بہت سیاہ ہے۔ جب تک یہ دوسرے قرامطہ کی نشاندہی نہ کر دے، اس وقت تک اسے قتل نہ کرنا۔''

''یہ قرامطہ کون ہیں شیخ؟'' محمود کی حیرت بدستور تھی۔

''ملتِ اسلامیہ کی صفوں میں چھپے ہوئے فتنہ گر۔'' نظام شاہ نے قہر ناک لہجے میں کہا۔ ''مسلمانوں

کے عقائد کا خون پینے والے بھیڑیئے۔"

محمود بڑی حیرت سے نظام شاہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ "شیخ! یہ آپ نے کیا کیا؟ اس نامراد امیر جلال کو آپ نے اسی عبرت ناک حالت میں رہنے دیا ہوتا تاکہ میں اس کا منہ کالا کر کے غزنی کے گلی کوچوں میں پھراتا اور شاہی ہرکارے چیخ چیخ کر پکارتے کہ یہ اس شخص کی سزا ہے جو نظام شاہ جیسے مردِ پاک باز پر ستم ڈھایا کرتا تھا۔" جوشِ جذبات میں محمود کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"ہرگز نہیں فرزند!...... ہرگز نہیں۔" نظام شاہ نے انتہائی برہم لہجے میں کہا۔ "میں کیا اور میری پاکبازی کیا؟ مگر تم شخصیت پرستی کے طلسم میں گرفتار ہوتے جا رہے ہو۔ پھر یہی شخصیت پرستی بڑھتے بڑھتے بت پرستی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔"

نظام شاہ کی اس تنبیہ پر محمود شرمسار نظر آنے لگا۔

"تم میرے حوالے سے امیر جلال کو معمولی سی سزا بھی نہیں دو گے۔" نظام شاہ کے لہجے کی برہمی بدستور قائم تھی۔ "اگر تم نے ایسا کیا تو اہلِ دنیا کیا کہیں گے کہ محمود نے اپنے شیخ کا انتقام لینے کے لئے ایک بے گناہ انسان کو تختۂ مشق بنا ڈالا۔ امیر جلال، ملکۂ غزنی اور دیگر امرائے سلطنت کی ہم نوائی میں مجھے منافقِ اعظم، کذاب اور شعبدہ باز کہہ کر پکارا کرتا تھا۔ اس کے نزدیک اہلِ اسلام کا زہد و تقویٰ محض ایک فریب ہے۔ اسی لئے میں نے اپنے اللہ سے دعا کی تھی کہ وہ میری شعبدہ بازی کی آبرو رکھ لے اور امیر جلال کی خوف ناک بیماری کو دُور کر دے تاکہ نظام شاہ کا حساب اسی دنیا میں برابر ہو جائے۔" مردِ قلندر کے لہجے میں بڑا کرب تھا۔ "سو اس ذاتِ بے نیاز نے میری دعا سن لی اور مجھ شعبدہ باز و منافق کو سرخرو کر دیا۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اب امیر جلال کے ذمے میرا کوئی قرض نہیں۔ میں تمہیں ایک بار پھر تنبیہ کرتا ہوں کہ تم میرے حساب میں اس کی گرفت نہ کرنا۔ تمہارا سیاسی قانون اس کے لئے کیا سزا تجویز کرتا ہے، یہ تم جانو۔ میں تو صرف اس کے مذہبی عقائد کی نشاندہی کر رہا ہوں۔ وہ ایک قرمطی درندہ ہے، جو اہلِ ایمان کی قبا پہن کر غزنی کی [illegible] میں داخل ہو گیا ہے۔ اللہ کا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے تمہیں فتح دے کر اپنے بے شمار بندوں کو ایک خوفناک سازش کے مقتل میں ذبح ہونے سے بچا لیا۔" نظام شاہ سابق سالارِ غزنی کے بارے میں عجیب و غریب انکشافات کر رہے تھے۔ "اگر بدقسمتی سے اسماعیل تم پر غلبہ پا لیتا تو پھر سلطنتِ غزنی کا مستقبل بھی لامحدود تاریکی میں ڈوب جاتا۔ قرامطہ اور ہندوؤں کی مشترکہ یلغار اس نوزائیدہ اسلامی سلطنت کا نام و نشان تک مٹا دیتی۔"

محمود کو اپنے پورے جسم میں لاوا سا اُبلتا محسوس ہو رہا تھا۔

"تمہاری عاقبت نااندیش ماں اپنی کوتاہ نظری کے باعث امیر جلال کو پہچان نہ سکیں اور انہوں نے ایک ایسے شخص کو افواجِ غزنی کی قیادت سونپ دی، جو صرف مسلمانوں کی لاشوں سے کوچہ و بازار سجانا چاہتا تھا...... مگر جنگ سے چند روز پہلے اللہ نے اہلِ ایمان کی مدد فرمائی اور امیر جلال کو مفلوج کر دیا۔"

"یہ قرامطہ کون ہیں شیخ؟" محمود نے پریشان لہجے میں کہا۔ "افسوس! میں انہیں نہیں پہچانتا۔ مجھے اپنی اس بے خبری پر سخت ندامت ہے۔"

نظام شاہ کچھ دیر تک خاموش بیٹھے سوچتے رہے، پھر آہستہ آہستہ ان کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔ امیر محمود کو محسوس ہو رہا تھا، جیسے غزنی کا مردِ قلندر کسی اندرونی کرب میں مبتلا ہے۔ پھر نظام شاہ گویا ہوئے

کا لہجہ نفرت و غضب کی آگ میں سلگ رہا تھا۔

"فرزند! ایک تم ہی پر کیا منحصر ہے، ان فتنہ گروں کو پہچاننے میں تو بڑے بڑے ذی ہوش بھی دھوکا کھا جاتے ہیں۔ مجھ بوڑھے ہی کو دیکھو کہ آخر تک امیر جلال کو نہ پہچان سکا۔ وہ تو اللہ نے بروقت رہنمائی کی جس کے سبب یہ قرمطی بھیڑیا میرے سامنے بے نقاب ہو گیا۔ میں نے ایک دن بے ہوشی کی حالت میں سیّد امیر علی شاہ کو دیکھا۔ پیر و مرشد مجھ سے فرما رہے تھے۔ نظام شاہ! اُٹھ اور اہلِ ایمان کو خبردار کر دے کہ بت پرست اور قرامطہ مل کر سلطنتِ غزنی پر یلغار کرنے والے ہیں۔ یہ درندہ امیر جلال اسی گمراہ جماعت کا ایک لعنت زدہ فرد ہے۔ ہم نے سبکتگین سے بارہا کہا تھا کہ وہ باہر کے بتوں کے ساتھ اندر کے بتوں کو بھی توڑ دے...... مگر وہ ہمارے اشاروں کو نہیں سمجھ سکا۔ اب اس کے بیٹے سے کہو کہ اندر کے بتوں کو ریزہ ریزہ کر دے۔ یہ بت باہر کے بتوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔" نظام شاہ اپنا خواب بیان کرنے کے بعد بہت غور سے محمود کی طرف دیکھنے لگے۔

"کیا امیرِ مرحوم نے کبھی پیر و مرشد کی اس تنبیہ کے بارے میں آپ سے ذکر کیا تھا؟" محمود نے [illegible] لہجے میں پوچھا۔

"ہاں! امیر سبکتگین نے کئی بار مجھ سے اندر کے بتوں کے متعلق دریافت کیا تھا مگر سچ تو یہ ہے کہ میں پیر و مرشد کے اس اشارے کو واضح طور پر سمجھنے سے قاصر رہا۔" یکایک نظام شاہ کا لہجہ اُداس ہو گیا تھا۔ "میری نظر بس اسی حد تک جا سکی تھی کہ پیر و مرشد کا اشارہ ان بتوں کی طرف ہے، جو انسان کی اپنی ذات کے اندر آخری سانس تک موجود رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر حرص و ہوس، جاہ پسندی، دولت و اقتدار۔ یہ وہ بت ہیں جو اکثر انسانوں کا پیچھا قبر تک نہیں چھوڑتے۔ بہت سے کلمہ گو یہی سمجھتے ہیں کہ ان کا ایمان مکمل ہو چکا ہے مگر وہ غیر شعوری طور پر ان بتوں کی پرستش کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اسی بے خبری کی حالت میں انہیں موت کھا جاتی ہے۔ میں بھی غزنی میں قرامطہ کے وجود سے بے خبر ہی رہتا، مگر اللہ نے میری مشکل کشائی فرمائی۔" یہ کہہ کر نظام شاہ ایک بار پھر خاموش ہو گئے۔

بہت دیر تک خلوت گاہِ امیر کے در و دیوار پر گہرا سکوت طاری رہا۔ پھر یہ سکوت اس وقت ٹوٹا، جب نظام شاہ انتہائی تند و تیز لہجے میں قرامطہ کی تاریخ بیان کرنے لگے۔

"جب خلافت و حکومت کے سلسلے میں عباسیوں اور علویوں کے درمیان سیاسی اختلافات اُبھر کر سامنے آئے تو اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے کچھ غیر عرب شرپسندوں نے تحریکِ قرامطہ جاری کر کے اسلام اور مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچایا۔ دراصل قرامطہ کا مذہب کوئی خاص مذہب نہیں بلکہ مذہب کے نام پر یہ ایک سیاسی تحریک ہے، جس کا مقصد دنیا سے اسلام کو مٹانا اور عربوں کی فوقیت و برتری کو ختم کرنا ہے۔ نتیجتاً ان عیار ذہنوں نے اپنی سیاسی تحریک کو بڑے عجیب انداز سے مذہبی جامہ پہنایا ہے۔ یہ سادہ دل لوگوں کو مخاطب کر کے انتہائی پُرجوش لہجے میں کہتے ہیں کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر امور وغیرہ، سب فضول چیزیں ہیں۔ اللہ بے نیاز ہے، اس لئے اسے کسی شے کی ضرورت نہیں۔ قرامطہ کے عقیدے کے مطابق مسلمانوں کا قتل کرنا باعثِ ثواب ہے۔ ان کے یہاں ہلاکت و خونریزی ایک پسندیدہ تفریح ہے۔ قرامطہ اپنے ہم مشربوں کے سوا دوسروں کو اذیت پہنچا کر ناقابلِ بیان لذت و خوشی محسوس کرتے ہیں۔ وہ حلال و حرام کی قید اُٹھاتے ہوئے عوام الناس سے کہتے ہیں کہ تم سب اپنے اعمال

میں آزاد ہو، جو چاہو کرتے پھرو۔ جاہل اور غارت گر لوگوں کے مزاج اور خواہشات سے اس مذہب کو خصوصی مناسبت ہے، اس لئے ہر ملک اور ہر قوم کے جاہل و بدقماش لوگ اس مذہب کو بڑی آسانی سے قبول کر لیتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ فتنہ فارس و خراسان کے شہروں میں کسی وبا کی طرح پھیل گیا ہے اور اب یہ وبا غزنی کی طرف بڑھ رہی ہے۔

آج محمود کو اندازہ ہو رہا تھا کہ ہر وقت خاموش رہنے والے نظام شاہ علم و خیر کا ایک سمندر ہے۔

"قرامطہ کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ اس باطنی فرقے کا بانی حمدان قرمطہ تھا۔ حمدان، عراق کا ایک دیہاتی باشندہ تھا۔ اس نے 890ء میں کوفے کے قریب "دارالہجرہ" کے نام سے ایک قیام گاہ بنائی جو آگے چل کر اس تحریک کا مرکز بنی۔ پھر مضافاتِ بحرین کے قصبے قطیف سے ایک اور گمراہ شخص ابوسعید اٹھا اور اس نے 286ھ میں مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ پھر وہ تسخیرِ بصرہ کا ارادہ لے کر آگے بڑھا اور خلیفہ معتضد باللہ کے لشکر سے اُس کا آمنا سامنا ہوا۔ ابوسعید نے فتح پائی اور خلیفہ کے لشکر کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ سینکڑوں من لکڑی جمع کر کے آگ لگائی گئی اور خلیفہ معتضد باللہ کے ہزاروں سپاہیوں کو اس آگ میں جھونک دیا گیا۔ ابوسعید ایک انتہائی سفاک انسان تھا۔ وہ 301ھ میں اپنے غلام صعلبی کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس نے بڑے بیٹے معید کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا مگر اس کا چھوٹا بیٹا ابوطاہر سلیمان، بڑے بھائی کو مغلوب کر کے باپ کا جانشین بن گیا۔" نظام شاہ انتہائی قہر ناک لہجے میں بول رہے تھے۔ "ابوطاہر سلیمان نے ہجر، قطیف، طائف کے علاقوں میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ (ابوطاہر کی سلطنت میں موجودہ بحرین کا علاقہ بھی شامل تھا) ابوطاہر نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ خدا کا نمائندہ خاص (اوتار) ہے۔ وہ باآواز بلند کہا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی روح میرے جسم میں حلول کر گئی ہے۔ ابوطاہر سلیمان نے 311ھ میں بصرہ پر حملہ کیا اور بڑی تباہی مچائی۔ 312ھ میں حاجیوں کے ایک قافلے کو بھی لوٹا۔ 314ھ میں اس نے کوفہ پر لشکر کشی کی اور اس علاقے کو بھی فتح کر لیا۔ 316ھ میں "انبار" فتح کرنے کے بعد "رحبہ" پر بھی قبضہ کر لیا۔ ان تمام معرکوں میں اس نے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد کو قتل کر دیا۔ ہزاروں سپاہی قید کر لئے گئے۔ بعد میں انہیں بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ ابوطاہر نے شہر ہجر کو دارالحکومت قرار دے کر ایک عالی شان مسجد تعمیر کرائی اور اسے "دارالہجرہ" کے نام سے موسوم کیا۔" نظام کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گئے۔ وہ ابوطاہر سلیمان کی سفاکیاں بیان کرتے کرتے ناقابلِ بیان اذیت و کرب میں مبتلا نظر آ رہے تھے۔

"اب ابوطاہر پر یہ خبط سوار تھا کہ لوگ خانۂ کعبہ کو چھوڑ کر "دارالہجرہ" کا طواف کریں۔ اپنے اس ناپاک منصوبے کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے وہ 319ھ میں حج کے موقع پر مکہ مکرمہ پہنچا۔ یوم ترویہ ابوطاہر گھوڑے پر سوار ہو کر شمشیرِ بے نیام لئے مسجد حرام میں داخل ہوا۔ پھر اسی مسجد کے صحن میں بیٹھ کر اُس نے شراب پی۔ طواف میں مصروف حاجیوں کو قتل کیا اور ان کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ حرم شریف میں ایک ہزار سات سو مسلمان شہید کئے گئے۔ وہ سب کے سب احرام باندھے ہوئے تھے۔ مکہ شہر میں بھی قرامطہ نے قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ چاہِ زم زم اور مکہ معظمہ کے کئی دوسرے کنوئیں مسلمانوں کی لاشوں سے بھر گئے۔" یہ کہتے کہتے نظام شاہ رونے لگے۔ نفرت و غضب کا غبار ان کی آنکھوں میں پانی بن کر بہنے لگا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شدتِ درد سے نظام شاہ کے دل میں کئی شگاف پڑ جاتے۔ "ہائے! اہلِ بیکسی اور شیطانوں کا رقصِ درندگی!" نظام شاہ کا لہجہ اس قدر دردناک تھا کہ والیٔ غزنی بھی بے اختیار رونے لگا۔

محمود کو ایسا محسوس ہو رہا تھا، جیسے نظام شاہ صدیوں پہلے شہید ہونے والے مسلمانوں کا ماتم کر رہے ہوں۔ بہت دیر تک نظام شاہ کی حالت غیر رہی۔ پھر جب برسوں سے سلگتے ہوئے جذبوں کا لاوا آنکھوں کے راستے سے بہہ گیا تو نظام شاہ کے چہرے پر قہر و نفرت کی وہی آگ روشن ہو گئی۔

"فرزند! تم نہیں جانتے کہ اس خبیث و ملعون ابوطاہر نے خانۂ خدا کے ساتھ کیا سلوک کیا۔"

والیٔ غزنی، بھیگی ہوئی پلکوں کے ساتھ گوش بہ آواز تھا۔

"رحمت اللعالمین ﷺ کے بے شمار نام لیواؤں کو تہ تیغ کرنے کے بعد ابوطاہر نے خانۂ کعبہ کا دروازہ اُکھڑوا دیا اور پھر بڑے وحشیانہ انداز میں شیطانی نعرہ لگایا۔

"میں ہی اللہ ہوں اور اللہ میں ہی ہو سکتا ہوں...... میں نے ہی لوگوں کو پیدا کیا اور میں نے ہی موت کے گھاٹ اُتار دیا۔"

پھر 14 ذی الحج کے بعد ابوطاہر "حجر اسود" کو اُتار کر اپنے دارالحکومت کی طرف لوٹا (ابوطاہر نے حجر اسود کو "دارالہجرہ" کی جامع مسجد میں مغرب کی جانب آویزاں کر دیا تھا) حجر اسود تقریباً 22 سال تک قرامطہ کے قبضے میں رہا۔ اس بدامنی کی وجہ سے دس سال تک حج بھی موقوف رہا۔ 10 محرم 339ھ کو حجر اسود دوبارہ خانۂ کعبہ میں نصب کر دیا گیا۔ کیونکہ ابوطاہر "دارالہجرہ" کے حج کے لئے لوگوں کو اس طرف متوجہ کرنے میں ناکام ہو گیا تھا۔ اُس شیطان کا خیال تھا کہ اہلِ ایمان حجر اسود کی وجہ سے قطار در قطار دارالہجرہ میں جمع ہونے لگیں گے۔ مگر اہلِ ایمان میں سے کوئی شخص بھی اُدھر نہیں گیا...... پھر وہ مردود چیچک کے مرض میں مبتلا ہو کر اس طرح مرا کہ دیکھنے والوں کو عبرت ہوتی تھی۔ مگر اُس کے پیروکار آج بھی موجود ہیں۔ اور خبیثوں کی اسی جماعت کا ایک فرد امیر جلال بھی ہے۔"

"آپ حکم دیجئے شیخ! کہ میں اُس کتے کے ساتھ کیا سلوک کروں؟" جوشِ غضب میں محمود اُٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"بیٹھ جاؤ فرزند!" نظام شاہ نے آہستہ سے کہا۔ "تم جس طرح مناسب سمجھو، امیر جلال کو سزا دے سکتے ہو۔ وہ تو قرامطہ کا ایک حقیر سا آلۂ کار ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔ پہلے اس سے معلوم کرو کہ تمہاری فوج میں کون کون اس کے نظریات کا حامل ہے۔ جب وہ تمام بھیڑیے بے نقاب ہو جائیں تو ان سب کا صفایا کر دو۔ یہ فتنہ پرداز لوگ کسی وقت بھی دھوکا دے کر تمہاری پشت پر وار کر سکتے ہیں۔"

محمود کا غصہ آہستہ آہستہ کم ہونے لگا۔ اب وہ جوش کے بجائے ہوش کی منزل کی طرف لوٹ رہا تھا۔

"میری باتیں بہت غور سے سنو فرزند!" مختصر سے سکوت کے بعد نظام شاہ دوبارہ محمود سے مخاطب ہوئے۔ "مجھے تمہارے باپ سے بہت اُمیدیں تھیں۔ امیر مرحوم نے شروع میں میری باتیں بہت توجہ سے سنیں اور کسی حد تک ان پر عمل بھی کیا۔ مگر پھر وہ دنیا داری میں کھو گئے۔ یہاں تک کہ آخری وقت غلط وصیت کر کے انہوں نے سلطنتِ غزنی کو بہت نقصان پہنچایا۔ اگر صحیح طور پر اقتدار منتقل ہو جاتا تو ہزاروں مسلمان جانباز بے مقصد نہ مارے جاتے اور آج غزنی کی فوج کتنی طاقتور ہوتی؟ کوئی اس کا اندازہ کر سکتا ہے؟"

"مجھے والد محترم کی اس کوتاہی کا احساس ہے۔" محمود شرمسار نظر آ رہا تھا۔
"میرا ایک خواب ہے فرزند!" نظام شاہ نے بے ساختہ کہا اور پھر ان کے چہرے پر اُلجھن کے آثار نظر آنے لگے۔ جیسے کسی احساس نے انہیں اپنا خواب بیان کرنے سے روک دیا ہے۔
"شیخ! کیا خواب؟" محمود نے بے قرار ہو کر کہا۔ "شیخ! آپ کہہ کر تو دیکھئے! ہونٹوں کو جنبش تو دیجئے چشم کرم کا اشارہ ہی کیجئے۔ تاج شاہی ان قدموں میں رکھ دوں گا۔" والیٔ غزنی سمجھ رہا تھا کہ نظام شاہ اپنی کسی خواہش کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔
"میں اپنا خواب بیان کرتے ہوئے ڈرتا ہوں فرزند!" یکایک نظام شاہ کے لہجے سے انتہائی شکستگی ظاہر ہونے لگی تھی۔
محمود پہلے تو سناٹے میں آ گیا۔ پھر رک رک کر کہنے لگا۔ "آپ ڈرتے ہیں شیخ؟" والیٔ غزنی کے لہجے میں شدید حیرت تھی۔ "جو موت سے نہیں ڈرا........وہ........" محمود کی زبان لڑکھڑا گئی۔
"موت کا مسئلہ میری ذات سے وابستہ ہے۔" نظام شاہ کے لہجے کی اُداسی بدستور تھی۔ "مگر میرے خواب کا تعلق دوسروں سے ہے۔ کاش! وہ خواب بھی میرا ذاتی مسئلہ ہوتا۔" نظام شاہ کے ہونٹوں سے ایک آہِ سرد نکلی اور چہرے پر برسوں سے سلگتی ہوئی آرزو کا دھواں پھیل گیا۔ "میں نے تنہا اپنے اس خواب کی تعبیر ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی۔ مگر اکیلا بھی تھا اور عاجز بھی، اس لئے ناکام رہا۔"
والیٔ غزنی نے نظام شاہ کو اتنا دل گرفتہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ "شیخ! اس خادم کے سامنے اپنا خواب......" فرطِ حیرت سے ایک بار پھر محمود کی بات نامکمل رہ گئی تھی۔
"امیر سبکتگین نے بھی مجھے بہت آسرا دیا تھا۔" نظام شاہ کی زبان سے دل کا درد جھلک رہا تھا۔ "لیکن امیر مرحوم مجھ ناتواں کو راستے ہی میں چھوڑ کر چلے گئے۔ اُن کی فتوحات کا سلسلہ دراز ہوا تو وہ اپنا بنیادی عہد فراموش کر بیٹھے اور خود کو دنیا کی سیاست میں اُلجھا لیا۔ کبھی مجھ سے میرے خواب کے بارے میں پوچھا ہی نہیں۔ پھر کس سے کہتا اور کیوں کہتا؟ اب تم سے اس لئے ذکر کیا ہے کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ کون جانے کہ کب مجھ سے پیچھا چھڑا لے اور میرا خواب کفن کی طرح جسم سے لپٹ کر قبر میں دفن ہو جائے۔ اسی خوف سے آج خود ہی دل کی بات زبان پر لے آیا۔ میں نے اپنا کاسۂ گدائی تمہاری طرف بڑھا دیا ہے مگر ڈرتا ہوں کہ کہیں والیٔ غزنی کی بے نیازی میرے کشکول کو توڑ نہ ڈالے۔"
"نظام شاہ اور ایسا مجبورانہ طرزِ کلام؟" محمود لرز کر رہ گیا۔
"شیخ! آپ کو اللہ کی کبریائی کا واسطہ! ایک بار اپنا خواب بیان تو کیجئے۔ اس کی تعبیر کے لئے تاج و تخت تو کیا، اپنی جان سے بھی گزر جاؤں گا۔" محمود کے لہجے میں صداقت کی خوشبو بھی تھی اور جذبوں کی تڑپ بھی۔
نظام شاہ نے بہت غور سے والیٔ غزنی کی طرف دیکھا۔
"فرزند! اس خواب کی تپش مجھے سونے نہیں دیتی۔" یکایک نظام شاہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ "جب بھی پلکیں بند ہوتی ہیں، وہی خواب نظر آتا ہے اور میں گھبرا کر اُٹھ جاتا ہوں۔ اس ذاتِ حاضر و ناظر کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کتنی راتوں سے گریہ وزاری کر رہا ہوں۔ کسی پہلو قرار نہیں ملتا۔ نصف شب کے سناٹوں میں چیختا ہوں، کوئی ہے جو میرے اس خواب کی تعبیر دے؟...... مگر تمام اہلِ اقتدار گہری نیند

سو رہے ہیں...... میری فریاد سن کر کوئی اپنے شبستانِ نشاط سے باہر نہیں آتا...... کسی کو اتنی توفیق نہیں کہ مجھ گداگر کی پھیلی ہوئی جھولی میں لفظوں ہی کی بھیک ڈال دے۔ محمود! تجھے نہیں معلوم کہ میں نے تیری زندگی کے لئے کتنی دعائیں کی ہیں۔"
"میں سب جانتا ہوں شیخ! مجھے سب خبر ہے۔" والیٔ غزنی نے بے قرار ہو کر نظام شاہ کے پیروں پر اپنا سر رکھ دیئے۔
"مجھے یہ فضول کی عقیدت نہیں چاہئے۔" نظام شاہ نے محمود کے بڑھے ہوئے ہاتھوں کو جھٹک دیا اور اپنے پاؤں کھینچ لئے۔
نظام شاہ کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر والیٔ غزنی کو سکتہ سا ہو گیا تھا۔ "شیخ پھر؟"
"مجھے میری دعاؤں کا صلہ دے۔ میں کب تک افلاس زدہ زندگی بسر کروں گا؟" نظام شاہ کے لہجے میں بڑا کرب تھا۔ "آج میں تجھ سے اپنی ایک ایک دعا کا حساب چاہتا ہوں۔"
محمود کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ حیرت کی زیادتی سے اس کی آنکھیں پھیل کر رہ گئی تھیں۔
"فرزند! مجھے قبائے اطلس و کم خواب پہنا۔ میں کب تک یہ ٹاٹ جیسا پیوند لگا لباس استعمال کروں گا؟" نظام شاہ بڑے عجیب لہجے میں بول رہے تھے۔ "میرے ہاتھوں کو سونے کے کنگنوں سے آراستہ کر، مجھے زر و جواہر میں تول دے۔ میں کب تک غزنی کی گلیوں میں مزدوری کرتا پھروں گا؟ غور سے دیکھ میرے دونوں ہاتھ خراشوں سے بھر گئے ہیں اور پورے جسم پر محنت و مشقت کے تکلیف دہ نشانات ابھرے ہوئے ہیں۔ اب میں بہت تھک گیا ہوں۔ میری پشت کے نیچے ریشمی بستر بچھا دے۔ اب مجھ سے نوکیلے پتھروں کے فرش پر نہیں سویا جاتا۔ تُو میرے چہرے کی طرف کیوں نہیں دیکھتا، جہاں مصائب کا گہرا دھواں پھیلا ہوا ہے۔ میں ساٹھ سال سے حالات کی تیز دھوپ میں جل رہا ہوں۔ اب مجھے راحت و آرام کا سائبان دے، جہاں سرور انگیز خنکی ہو اور عطر بیز ہوائیں چل رہی ہوں۔ میں آج تک لذتِ کام و دہن سے ناآشنا ہوں فرزند! میری تشنگی کا اندازہ کر اور مجھے وہ کیف آور مشروب دے کہ یہ پیاس بجھ جائے...... میں نے برسوں سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ اب روٹی کے سوکھے ٹکڑے میرے حلق سے نہیں اُترتے۔ محمود! مجھے لذیذ ترین غذا دے کہ آخر اللہ کی نعمتوں پر میرا بھی حق ہے۔ فرزند! میرے لئے ایک عالی شان محل تعمیر کر دے، جہاں روشنی ہی روشنی ہو اور رنگ ہی رنگ ہوں۔ بس یہی میرا خواب ہے۔"
محمود کی حیرت کا یہ عالم تھا کہ اُس کی پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھیں۔ والیٔ غزنی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ نظام شاہ کا خواب اس قدر دنیادارانہ ہو گا۔
"خاموش کیوں ہے محمود؟" نظام شاہ نے والیٔ غزنی کو حیرت زدہ دیکھ کر کہا۔ "اگر تُو میرا بیٹا ہے تو پھر میرے خواب کی تعبیر دے۔"
والیٔ غزنی بمشکل حیرت و سکوت کے حصار سے باہر نکلا اور پھر بہت سنبھل کر بولا۔ "شیخ! میں نے تو بارہا عرض کیا تھا کہ آپ مشقت کی یہ زندگی ترک کر دیں۔ محنت مزدوری کی بھی کوئی حد ہوتی ہے...... مگر آپ میری سنتے ہی کب تھے؟ اب حکم دیا ہے تو ساری دنیا کی آسائشیں آپ کے قدموں میں ڈھیر کر دوں گا۔" محمود کی حیرت کے آثار زائل ہو چکے تھے اور اب وہ بہت پُرجوش لہجے میں بول رہا تھا۔ "شیخ! میں

آپ کے لئے اپنے خزانوں کے منہ کھول دوں گا اور خدمتِ عالیہ میں نادر و نایاب جواہر کی نذر کروں گا، جن کی بڑے بڑے امراء نے جھلک بھی نہیں دیکھی ہوگی۔ آپ جگہ کا انتخاب کیجئے۔ میں اس مقام پر ایسا قصرِ زرنگار تعمیر کروں گا کہ جس کے آگے غزنی کا شاہی محل مٹی کا ایک ڈھیر نظر آئے گا۔"

یہ کہہ کر محمود، نظام شاہ کی طرف دادطلب نظروں سے دیکھنے لگا۔

غزنی کے مردِ قلندر کا چہرہ اُداس تھا اور آنکھوں میں عجیب سے رنگ جھلک رہے تھے۔

"شیخ! اب تو آپ خوش ہیں؟" محمود کے لہجے میں سرشاری تھی۔ "اس کے بعد تو آپ کا خواب تشنۂ تعبیر نہیں رہے گا؟"

نظام شاہ نے محمود کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ان کے چہرے کی اُداسی دم بہ دم گہری ہوتی رہی تھی۔

"شیخ! مجھے آپ کی خاموشی نئی اُلجھن میں مبتلا کر رہی ہے۔" یکایک محمود پریشان نظر آنے لگا تھا۔

"تیرے پاس کتنی دولت ہے فرزند؟" آخر نظام شاہ کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔

"مجھے اس کا کچھ اندازہ نہیں شیخ محترم!" والیٔ غزنی اُلجھا نظر آ رہا تھا۔

"کیا یہ ساری دولت تیری ملکیت ہے؟" نظام شاہ نے فرمانروائے غزنی سے ایک اور عجیب سوال کر ڈالا تھا۔ "کیا یہ زر و جواہر کے انبار تیری ذاتی محنت اور پسینے کی کمائی کا نتیجہ ہیں؟"

"نہیں شیخ محترم!" محمود کی بدحواسی بڑھتی جا رہی تھی۔ "شہنشاہ خود تو کچھ نہیں کماتے۔ وہ محض فتوحات حاصل کرتے ہیں اور تمام مالِ غنیمت کو شاہی خزانے میں جمع کر دیتے ہیں۔ پھر یہی دولت اُن کی ذاتی ملکیت کہلاتی ہے۔"

"میں یہ ساری آسائشیں تیری محنت کی کمائی سے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" نظام شاہ نے پُرجلال لہجے میں کہا۔ "جس دولت پر تیرا حق نہ ہو، وہ میرے کس کام کی؟ کیا تُو آخری وقت میں میرا نامۂ اعمال سیاہ کر کے مجھے دوزخ کا ایندھن بنا دینا چاہتا ہے؟"

والیٔ غزنی کی بدحواسی بڑھتے بڑھتے وحشت میں تبدیل ہوگئی تھی۔

"اگر میں کچھ دیر کے لئے دولت کے اس ذخیرے پر تیرا حق تسلیم بھی کرلوں تو اس سے مجھے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔" نظام شاہ نے اپنی شانِ بے نیازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس دولت کے دریا تو پچاس سال سے میرے قدموں کے نیچے بہہ رہے ہیں، مگر میں نے سونے کے اس پانی سے کبھی اپنے پاؤں آلودہ نہیں کئے۔" یہ کہہ کر نظام شاہ نے خلوت گاہِ امیر کے ایک گوشے کی جانب اشارہ کیا۔ "کیا تُو اسی دولت کی بات کر رہا ہے؟"

محمود نے گھبرا کر اس طرف دیکھا۔ سنگِ سرخ کی دیواروں کا رنگ یکایک بدل گیا تھا۔ والیٔ غزنی کو صاف نظر آنے لگا کہ دیواروں میں نہایت قیمتی ہیرے جڑے ہوئے ہیں، جن کی آب و تاب سے پورا کمرہ جگمگا اُٹھا ہے۔ محمود نے اپنی زندگی میں پہلی بار نظام شاہ کے روحانی تصرف کا یہ بھرپور مظاہرہ دیکھا تھا۔ والیٔ غزنی لرز کر رہ گیا۔

"تو اس دولت سے میرے لئے عالی شان محل تعمیر کرنا چاہتا ہے؟" نظام شاہ نے اپنے پیروں کی طرف اشارہ کیا۔ محمود نے دیکھا۔ پورا کمرہ زر و جواہر سے بھرا ہوا تھا۔

"مجھے یہ دولت نہیں چاہئے فرزند!" یکایک نظام شاہ کا لہجہ رقت آمیز ہو گیا تھا۔ "مجھے تیرے پسینے کی کمائی درکار ہے۔"

محمود کی آنکھوں سے پردہ ہٹ گیا تھا۔ "شیخ! میں اپنی کوتاہ نظری پر بے حد شرمندہ ہوں۔" والیٔ غزنی کی آواز لرز رہی تھی اور آنکھوں سے ہلکی ہلکی نمی جھلکنے لگی تھی۔ "میں ایک دنیا دار انسان ہوں۔ چند لمحوں کے لئے آپ کی ذات پر سے بھی میرا اعتماد اُٹھ گیا تھا اور میں سمجھنے لگا تھا کہ طویل دورِ آزمائش نے شیخ کو بھی تھکا دیا ہے اور یہ دلفریب دنیا ایک مردِ قلندر کو بھی زیرِ دام لانے میں کامیاب ہو گئی ہے۔ مگر اب اندازہ ہوا کہ وہ محض میرا فریبِ نظر تھا۔"

"امیر سبکتگین بھی میرے خواب کا یہی مفہوم سمجھے تھے۔" نظام شاہ نے انتہائی افسردہ لہجے میں کہا۔ "اور اب تم بھی یہی سمجھے کہ میں تم سے یہ مردار دنیا مانگ رہا ہوں۔ پھر میں کس اُمید پر، کس کے سامنے اپنا خواب بیان کروں؟ اب تو ایسا لگتا ہے کہ خواب دیکھتے دیکھتے یہ آنکھیں ہی بجھ جائیں گی۔"

"شیخ! میں اللہ کے نام پر آپ سے درخواست گزار ہوں کہ مجھے کسی آزمائش میں نہ ڈالیے۔" نظام شاہ کے حضور محمود کو بات کرنے میں شدید دُشواری پیش آ رہی تھی۔ "میں بہت کمزور اور کم نظر انسان ہوں۔ آپ کے خواب و خیال کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکوں گا۔ "میرے ذہن کی سطح کے مطابق مجھ سے گفتگو کیجئے۔ ابھی کچھ دیر پہلے بدگمانی کے گرداب میں اُلجھ کر رہ گیا تھا۔ ڈرتا ہوں کہ کہیں انجانے میں کسی بڑی گستاخی کا مرتکب نہ ہو جاؤں۔"

نظام شاہ بہت دیر تک خاموش بیٹھے رہے۔ پھر آہستہ آہستہ ان کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔ "فرزند! میں نے تمام عمر ایک ہی خواب دیکھا ہے۔" نظام شاہ کے لہجے میں جھجک تھی۔ وہ کچھ کہتے کہتے دوبارہ خاموش ہو گئے تھے۔

"کہہ ڈالیے شیخ محترم!" والیٔ غزنی شدید اضطراب کا شکار تھا۔ "فرزند بھی کہتے ہیں اور تکلف بھی کرتے ہیں۔"

"ہاں! مجھے سب کچھ کہہ دینا چاہئے۔" نظام شاہ خود کلامی کے انداز میں بول رہے تھے۔ "حجت تو تمام ہو جائے گی، سننے والوں کی سماعتوں تک پیغام تو پہنچ جائے گا۔"

محمود کے دل کی دھڑکنیں غیر متوازن ہو گئی تھیں۔

نظام شاہ نے اچانک پہلو بدلا اور اپنی نشست پر دو زانو ہو کر بیٹھ گئے۔ "جب میرے آقا سرورِ کونین ﷺ خانۂ کعبہ کو بتوں سے پاک کرنے والے تھے تو مشرکین کی ایک جماعت ایک بڑے بت کو اٹھا کر کسی مکان سے لے گئی تھی۔" پیغمبرِ اسلام ﷺ کا نام مبارک لیتے ہوئے نظام شاہ کے پورے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا تھا۔ "وہ بت سومنات ہے، جسے ہند کے کسی صنم خانے میں آراستہ کیا گیا ہے۔"

والیٔ غزنی نے گہری سانس لی۔ اس کے اعصاب کی کشیدگی کسی قدر کم ہو گئی تھی۔

"میں سومنات کو ریزہ ریزہ دیکھنا چاہتا ہوں فرزند!" نظام شاہ کے سینۂ سوزاں میں یہ ایک ایسی بات تھی، جس کی تپش سے ان کا دل بھی جل رہا تھا اور ہونٹ بھی۔ "یہی وہ خواب ہے، جس نے مجھ سے میری باقی عمر کی ساری نیندیں چھین لی ہیں۔ اب تو جاگتے میں بھی ایک ہی منظر دیکھتا ہوں کہ میں سومنات کے ٹکڑے کر کے مکہ معظمہ کی گلیوں میں ڈال دیئے ہیں اور اہلِ ایمان کے قدم اس بت کو

روندتے ہوئے گزر رہے ہیں۔ پھر جب اس کیفیت کے حصار سے باہر آتا ہوں تو خود میرے دل قیامت سی گزر جاتی ہے اور اپنے کمزور ہاتھوں کو دیکھ کر رونے لگتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے نظام شاہ اپنے دونوں ہاتھ محمود کے سامنے کر دیئے، جن پر امیر جلال کے تازیانوں کے زخم ابھی تک موجود تھے۔

"فرزند! میرے ناتواں ہاتھ اس قابل نہیں تھے کہ میں ان سے سومنات کو توڑ سکتا۔ اس لئے م نے اپنے پیدا کرنے والے سے دوسرے ہاتھ مانگے...... اور وہ تمہارے ہاتھ تھے۔" نظام شاہ نے قرار ہو کر محمود کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے۔ "اس عالم الغیب کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ہاتھوں کی سلامتی کے لئے کتنی دعائیں مانگی ہیں۔" نظام شاہ کی آنکھوں سے جلتا ہوا غبار برسنے لگا تھا "محمود! میری ساری ریاضتیں، ساری عبادتیں تیرے نام۔ قادرِ مطلق کی قسم! سرِ محشر اس سے بھی یہی کہو گا کہ میری ساری نیکیاں اس بت شکن کے نامۂ اعمال میں لکھ دے۔" یہ کہہ کر نظام شاہ نے اپنے ہونٹ محمود کے ہاتھوں پر رکھ دیئے۔

والیٔ غزنی کو محسوس ہوا کہ اس کے پورے جسم میں ایک آتش فشاں اُبل پڑا ہے۔

"شیخ! میں جل کر خاک ہو جاؤں گا۔" محمود خوف و دہشت سے چیخ اُٹھا۔ "میں اس آتش جلال متحمل نہیں ہو سکتا۔ میری روح شعلوں کی لپیٹ میں ہے اور میرا دل پھنکا جا رہا ہے۔"

"کچھ نہیں ہوگا فرزند! کچھ نہیں ہوگا۔" نظام شاہ، محمود کو تسلی دے رہے تھے۔ پھر انہوں نے وال غزنی کے ہاتھوں سے اپنے لب ہٹا لئے۔

"شیخ! یہ کیسی آگ ہے، جو میرے جسم و جاں کو جلائے ڈالتی ہے؟" محمود کی ہلکی ہلکی چیخیں اب بھ بلند ہو رہی تھیں۔

"یہ نظام شاہ کے سینے کا سوز ہے فرزند!"

"شیخ! میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔" نادیدہ آگ کی تپش سے والیٔ غزنی پسینے میں نہا گیا تھا۔

"تجھے برداشت کرنا ہوگا محمود!" نظام شاہ کے لہجے میں شدید محبت کی آمیزش بھی تھی اور جلال روحانی کی سوزش بھی۔ "اگر تجھ سے یہ آگ برداشت نہیں ہوگی تو سومنات کو کیسے توڑے گا؟"

کچھ دیر کے لئے محمود کی حالت غیر رہی۔ پھر اُسے محسوس ہوا جیسے وہ آہستہ آہستہ آگ کے دائرے سے باہر آ رہا ہے۔ چہرے سے خوف و دہشت کے آثار غائب ہونے لگے تھے اور دل کی بے ترتیب دھڑکنیں متوازن ہو گئیں۔ والیٔ غزنی نے ایک نظر نظام شاہ کی طرف دیکھا اور پھر کسی بچے کی طرح مرد قلندر کی آغوش میں سر رکھ دیا۔

"بابا! میں آپ کے اس خواب کی تعبیر پیش کروں گا۔ چاہے اس کشمکش میں اپنی جان سے گزر جاؤں۔"

نظام شاہ ایک شفیق و مہربان باپ کے مانند محمود کی پشت پر ہاتھ پھیرتے رہے۔ "فرزند! تو مجاہد اسلام ہے۔ تُو بت شکن ہے۔ تجھ پر ہزاروں نظام شاہ قربان۔"

✻✻✻✻✻

امیر جلال پر ایک خفیہ تہہ خانے میں تشدد کیا گیا۔ وہ نہایت بزدل انسان تھا۔ چند تازیانوں کی چوٹ بھی برداشت نہ کر سکا اور اس نے تمام قرامطہ کی نشاندہی کر دی۔ تقریباً ایک ہزار منافق تھے، جو غزنی ک

فوج میں شامل ہو گئے تھے۔

محمود نے ایک ہی دن، رات کے اندھیرے میں ان سب کو گرفتار کر لیا۔ پھر جب ان سے پوچھا گیا کہ تمہارا سربراہ کون ہے؟ تو انہوں نے اپنی جان بچانے کے لئے بے جھجک امیر جلال کا نام لے دیا۔

"تمہارا کیا منصوبہ تھا؟" محمود نے انتہائی غضب ناک لہجے میں قرمطی سپاہیوں سے پوچھا۔

پہلے تو وہ فتنہ گر خاموش رہے، پھر ان سے کہا گیا کہ اگر وہ سچ بولیں گے تو ان کی جانیں بخش دی جائیں گی۔

زندگی کے لالچ نے قرمطی سپاہیوں کو زبان کھولنے پر مجبور کر دیا۔ "امیر جلال نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم شاہی محافظ دستے میں شامل ہو جائیں اور موقع ملتے ہی والیٔ غزنی کو قتل کر ڈالیں۔"

محمود نے ایک ہی دن تمام قرمطی سپاہیوں کو پھانسی دے دی اور ان کی لاشیں غزنی کے مختلف چوراہوں پر لٹکا دیں۔

شاہی ہرکارے گلی گلی میں چیختے پھر رہے تھے...... "اہلِ ایمان! امیرِ غزنی کا حکم ہے کہ اپنے اپنے گھروں سے نکلو اور ان لوگوں کا عبرت ناک انجام دیکھو، جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے بد عہدی کی تھی۔"

جب اہلِ غزنی، قرامطہ کی جماعت کا حشر دیکھ چکے تو امیر محمود نے دوسرا حکم جاری کیا...... "ان حرام کاروں کی لاشیں جنگل میں پھینک دو۔ نہ انہیں کفن پہنایا جائے گا اور نہ قبر فراہم کی جائے گی۔ بس یہی ان کی سزا ہے کہ غزنی کے جانور ان کے غلیظ گوشت سے اپنی بھوک مٹالیں اور درندے ان کی ہڈیاں چبا ڈالیں۔"

قرمطی سپاہیوں کی دردناک موت سے اہلِ غزنی پر بہت دنوں تک دہشت طاری رہی۔

اس دوران امیر جلال کا منہ کالا کر کے پورے شہر میں پھرایا گیا۔ پھر جلادوں کو حکم ہوا کہ وہ روزانہ اس کے جسم پر اس طرح تازیانوں کی بارش کریں کہ موت واقع نہ ہو۔

امیر جلال موت کی دعائیں مانگتا تھا مگر موت اُس سے بہت دُور تھی۔

کئی ماہ تک امیر جلال کو سیاہ چہرے کے ساتھ غزنی کی گلیوں میں پھرایا جاتا رہا۔ مقامی باشندوں کے لئے وہ ایک عبرت ناک تماشا تھا۔ محمود کے حکم کے مطابق امیر جلال سرِ راہ جمع ہو جانے والے تماشائیوں کو مخاطب کر کے کہتا۔ "لوگو! میرے سیاہ چہرے کو غور سے دیکھو! میں امیر جلال ہوں۔ ایک لعنت زدہ اور راندۂ درگاہ انسان۔ میں نے دنیا کی حرص و ہوس میں مبتلا ہو کر اپنے مذہب سے غداری کی، اپنے عقائد شیطان کے ہاتھ فروخت کر دیئے۔ اس لئے آسمانوں سے مجھ پر لعنت برس رہی ہے۔ میں نے دین فروشی کے ساتھ اپنے وطن سے بھی غداری کی تھی، اس لئے امیر محمود نے مجھے ذلت و رسوائی کا طوق پہنا دیا۔ بے شک ایک ملت فروش اور غدارِ وطن کی یہی سزا ہونی چاہئے۔"

محمود نے امیر جلال کے لئے یہ ایک عجیب و غریب سزا تجویز کی تھی کہ وہ کھلے راستوں پر غزنی کی رعایا کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرے۔ اس سزا کے جواب میں امیر جلال نے والیٔ غزنی سے درخواست کرتے ہوئے کہا تھا۔

"امیر ذی حشم! میں تسلیم کرتا ہوں کہ میرے گناہوں کی فہرست بہت طویل ہے، مگر اس کے ساتھ

ہی مجھے اس حقیقت کا بھی اعتراف ہے کہ آپ فیاض و سخی ہیں۔ اپنی انہی صفاتِ عالیہ کے صدقے میں میرے گناہ بخش دیجئے کہ میں اس بارِ گراں کو زیادہ دیر تک نہیں اٹھا سکتا۔“

”بدنسب! تیرے گناہ نا قابلِ معافی ہیں۔“ بارگاہِ امیر سے جواب ملتا۔

”تو پھر شمشیر کے ایک ہی وار میں میرا کام تمام کر دیجئے کہ مجھ سے روز و شب کی یہ اذیتیں برداشت نہیں ہوتیں۔“ امیر جلال کسی فاقہ زدہ بھکاری کے مانند گڑگڑانے لگتا۔

”میں تجھے اتنی آسان موت نہیں دوں گا امیر جلال!“ محمود کے لہجے سے قہر کی آگ برسنے لگی۔

”آپ نے میرے دوسرے ہم عقیدہ ساتھیوں کو بیک جنبشِ شمشیر قتل کرا دیا۔ پھر میرے ساتھ یہ ناانصافی کیوں؟“ امیر جلال احتجاج کرنے لگتا۔

”ان حرام کاروں کے جرائم اور تیرے گناہوں میں بڑا فرق ہے۔“ محمود کے ہونٹوں اور آنکھوں سے نفرت و غضب کا لاوا اُبلنے لگتا۔ ”وہ گمراہ اس لئے موت سے ہمکنار ہوئے کہ انہوں نے میرے شیخ نظام شاہ اور نگار خانم پر مشقِ ستم نہیں کی تھی۔ اس لئے میں نے ان کی گردنوں کو تیز شمشیروں کے حوالے کر دیا۔ بے شک! ان پر موت آسان ہو گئی تھی، مگر تُو نے بعد از مرگ ان کا تماشا نہیں دیکھا۔ وہ اس حالت میں دنیا سے گئے کہ انہیں کفن بھی نہیں پہنایا گیا اور ان کی قبریں بھی نہیں کھودی گئیں۔ ان کی موت حرام بھی تھی اور لرزہ خیز بھی۔ مگر میں پہلے تجھ پر زندگی حرام کر دوں گا اور پھر تیری موت کو تیرے ساتھیوں سے زیادہ عبرت ناک اور لرزہ خیز بناؤں گا۔“

امیر جلال شدید گریہ و زاری کے ساتھ محمود کے رحم و کرم کو آواز دیتا، مگر والیٔ غزنی اُسے اس طرح جھڑک دیتا کہ جیسے کوئی مردِ مسلمان نجاست کی چھینٹوں سے بچنے کے لئے اپنے دامن کو کھینچ لیتا ہے۔ ”بدعقیدگی کے متعفن اور تاریک غاروں میں رہنے والی لومڑی! تجھے معلوم ہے کہ میں نے تیرے لئے سب سے الگ سزا کیوں منتخب کی ہے؟ تُو نے مصلحت پسند بھیڑیوں کے غول میں شامل ہو کر اس شیر پر یلغار کی، جو تنہا تھا اور بہت زیادہ تھک چکا تھا۔ مگر دہشت، منافقت و ریاکاری کے تمام بھیڑیوں، گیدڑوں اور لومڑیوں نے دیکھ لیا کہ شیر آخر شیر ہوتا ہے۔ تم سب مل کر بھی اس اکیلے کو نہیں مار سکے، لیکن اس کے آئینے سے زیادہ شفاف جسم پر تیرے غلیظ تازیانوں کے نشانات......“ شدتِ غضب سے محمود کی زبان لڑکھڑانے لگی۔ ”میں انہیں کیسے بھول سکتا ہوں امیر جلال! شیخ نظام شاہ کے جسم پر اُبھرنے والے تمام زخم میری روح کے زخم ہیں۔ میرے اپنے دل کی جراحتیں ہیں، جن کی سوزش سے میں راتوں کو سو نہیں سکتا۔ اور پھر اس عفت مآب دوشیزہ کی یہ رُسوائی؟ معاذ اللہ! جس کے سر کی ڈھلکی ہوئی چادر کو کبھی آسمان نے نہیں دیکھا، تُو اسے بے پردہ حالت میں زنداں تک کھینچ لایا؟ شاخِ گل پر ایسی نشتر زنی اور شیشۂ جاں پر ایسی سنگ باری؟ میں تیرے مظالم کو کن لفظوں میں بیان کروں امیر جلال! بس اتنا سمجھ لے کہ تُو میرے عہدِ اختیار میں روزانہ جیے گا اور روزانہ مرے گا۔“

امیر جلال کو اندازہ ہو گیا تھا کہ والیٔ غزنی کسی صورت میں اُس کے یہ گناہ معاف نہیں کرے گا۔ اس لئے سابق سالار نے فریب و عیاری سے کام لیتے ہوئے نئی چال چلی۔ ”امیر ذی حشم! آپ کو اپنے جلال و جبروت کی قسم! میری گزشتہ خطاؤں سے چشم پوشی فرمائیے۔ میں اپنے سابقہ عقائد سے تائب ہوتا ہوں اور اب قرامطہ سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں ایک سچا مسلمان ہوں، جس کا دل بھی صاف ہے اور دماغ

بھی۔“

”تُو جھوٹ بولتا ہے منافق!“ شدتِ غضب سے محمود چیخ اٹھا۔ ”تیرا یہ ایمانی دعویٰ اس وقت کہاں تھا جب تُو اقتدار کی حالت میں اہلِ ایمان کے سر قلم کر رہا تھا۔ اب عالمِ جبر میں تجھے اللہ اور رسولؐ یاد آ رہے ہیں؟ ہرگز نہیں! یہ کھلی ہوئی منافقت ہے۔ فرعون نے بھی تو یہی کیا تھا۔ جب وہ دریا میں غرق ہونے لگا اور زندگی کی کوئی آس نہ رہی تو اس نے اللہ کی وحدانیت پر گواہی دی اور حضرت موسیٰؑ کی رسالت کی تصدیق کرنے لگا۔ تُو خوب جانتا ہے امیر جلال! کہ فرعون کی شہادت جھٹلا دی گئی تھی اور اس منکرِ اعظم کو اسی حالتِ کفر و انکار میں غرق کر دیا گیا تھا۔“

”مگر میں تو ابھی زندہ ہوں امیرِ معظم!“ امیر جلال نے اپنی منطقی توجیہہ سے والیٔ غزنی کو بہلانے کی کوشش کی۔

”میرے نزدیک تیری اور فرعون کی حالت میں کوئی فرق نہیں۔“ والیٔ غزنی نے اسی شرر بار لہجے میں کہا۔ ”دونوں نے انتہائی حالتِ جبر میں اقرار کیا تھا اور ایسے اقرار کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔“

”امیرِ معظم!“ امیر جلال اپنی جان بچانے کے لئے مزید جرح کرنا چاہتا تھا مگر محمود نے شدید عالمِ طیش میں اُس کی بات کاٹ دی۔

”تیرا عقیدہ شبہات سے بالاتر سہی، مگر پھر بھی تیری سزا موقوف نہیں کی جا سکتی۔ اگر کوئی اہلِ ایمان بھی ان جرائم کا مرتکب ہوتا تو اسے بھی اذیت و کرب کی اسی منزل سے گزرنا پڑتا۔ آنکھ کے بدلے آنکھ، کان کے بدلے کان اور جان کے بدلے جان۔ یہی اسلامی انصاف ہے۔“ محمود نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔

اس کے بعد امیر جلال کا منہ کالا کر کے ایک بدصورت خچر پر بٹھا دیا جاتا۔ پھر جب امیر جلال، محمود کے حکم کے مطابق سرِ راہ یہ اعلان کرتا کہ اس نے نظام شاہ جیسے مردِ پاک باز کے جسم کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا ہے تو اہلِ غزنی کی نفرتیں کسی سیلاب کی طرح اُمڈ پڑتیں اور نظام شاہ کے عقیدت مند، امیر جلال پر پتھروں کی بارش کر دیتے۔ یہاں تک کہ سابق سالار اپنے خون میں نہا کر خچر کی پشت سے نیچے گر جاتا اور چیخ چیخ کر کہتا۔

”لوگو! میری زندگی کا خاتمہ کر دو۔ اب مجھ سے یہ عذاب برداشت نہیں ہوتا۔“

اپنے سینوں میں نفرت و انتقام کا آتش فشاں چھپائے ہوئے اہالیانِ غزنی امیر جلال کی طرف بڑھتے مگر سرکاری کارندے یہ کہہ کر انہیں روک دیتے۔

”امیرِ محترم کا حکم ہے کہ اس سیاہ کار کی زندگی کا خاتمہ نہ کیا جائے۔ بس یہ اسی طرح سالہا سال تک سسکتا رہے۔ اور اپنی موت کی دعائیں کرتا رہے۔“

*****

اگرچہ قرامطہ کی فتنہ گری کا جال بہت دُور تک پھیلا ہوا تھا، پھر بھی غزنی کی حد تک محمود نے اس فتنے کو کچل دیا تھا۔ اور اب وہ بہت گہری نظروں سے اندرونی سیاست کا جائزہ لے رہا تھا۔ شکست کھانے کے باوجود سوتیلی ماں کی بددماغیاں عروج پر تھیں۔ محمود کی حد سے بڑھتی ہوئی عنایات و نوازشات بھی اس حاسد اور تنگ نظر عورت کی اصلاح نہیں کر سکی تھیں۔ ملکۂ ثانی محمود کو دیکھ کر نفرت سے منہ پھیر لیتی تھی۔ اگر کبھی والیٔ غزنی بھی اپنی ماں سے اس تحقیر آمیز اور اذیت ناک طرزِ عمل کی شکایت کرتا تو ملکۂ ثانی زور زور

سے چیخنے لگتی۔

''میں ایک مظلوم اور بیوہ عورت ہوں۔ میرے سر سے اختیار کا سائبان چھن گیا ہے۔ تیرے ٹکڑوں پر پل رہی ہوں، اس لئے جو چاہے میرے ساتھ سلوک کر۔''

ماں کا یہ جاہلانہ اور فتنہ انگیز جواب سن کر محمود کا خون جلنے لگتا۔ والیٔ غزنی ا ر رہی اندر سے ٹوٹ کر بکھرتا رہتا۔ مگر ماں کے احترام کے پیش نظر کسی زبانی یا عملی گستاخی کا مرتکب نہ ہوتا۔ اس نے دونوں ماں بیٹے کو تمام دنیا کی ساری آسائشوں کے مطابق ہر قسم کی آزادیاں بھی دے رکھی تھیں۔ ان دونوں کے کہیں آنے جانے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ مگر وہ لوگ مسلسل ناشکر گزاری کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

پھر ایک دن ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ محمود بہت خوش مزاجی کے ساتھ اپنے چھوٹے بھائی اسماعیل سے ماضی کا ذکر کر رہا تھا۔ ''وہ بھی کیا زمانہ تھا، برادرِ عزیز! جب والد محترم زندہ تھے اور غزنی میں ہر طرف امن و امان کا دور دورہ تھا۔''

اسماعیل بھی بڑے خوشگوار انداز میں اپنے بھائی کی باتوں کی تائید کر رہا تھا۔ پھر یکایک محمود کی ذہنی رو بدل گئی اور وہ چھوٹے بھائی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''وقت بھی کیا شے ہے اے میرے باپ کی زندہ نشانی!'' محمود کے لہجے میں انتہائی محبت جھلک رہی تھی۔ ''میرے بھائی! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک دن میرا خون ہی میرے مقابل آ جائے گا۔ مگر اللہ کا احسانِ عظیم ہے کہ یہ خوفناک ترین مرحلہ سلامتی کے ساتھ گزر گیا۔'' محمود نے اس جنگ کا ذکر چھیڑتے ہوئے کہا، جس میں آلِ سبکتگین ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما تھی۔

''اسماعیل! اگر تم یہ جنگ جیت جاتے تو میرے ساتھ کیا سلوک کرتے؟'' محمود نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ بڑے شگفتہ لہجے میں اپنے چھوٹے بھائی سے بات کر رہا تھا۔

مگر اسماعیل یک بیک بہت زیادہ پُرجوش نظر آنے لگا۔ ''برادرِ معظم! جنگ شروع ہونے سے پہلے میں نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ اگر مجھے فتح نصیب ہوئی تو تمہیں ایک قلعے میں نظر بند کر دوں گا اور وہاں تمہارے لئے دنیا بھر کی آسائشوں کے انبار لگا دیئے جائیں گے۔''

چھوٹے بھائی کا جواب سن کر ایک لمحے کے لئے محمود کے چہرے پر ناقابلِ بیان اذیت و کرب کا رنگ اُبھرا مگر فوراً ہی اس نے اپنے جذبات پر قابو پا لیا اور کچھ دیر تک پُرسکون انداز میں اسماعیل سے گفتگو کرتا رہا اور پھر اُٹھ کر چلا گیا۔

پھر کچھ دیر بعد نصف شب کے قریب اپنی سوتیلی ماں کی خواب گاہ کے دروازے پر دستک دی۔ بد دماغ عورت چیختی ہوئی اُٹھی اور پھر جیسے ہی دروازہ کھول کر اس نے محمود کو کھڑے ہوئے دیکھا تو اس طرح چراغ پا ہو گئی جیسے کسی غلام نے ملکۂ عالیہ کے آرام میں خلل ڈال دیا ہو۔

''تُو ہمیں چین کی نیند سونے نہیں دیتا۔'' ملکۂ ثانی کا لہجہ غضبناک بھی تھا اور تحقیر آمیز بھی۔

محمود کے چہرے پر چٹانوں جیسی سختی چھائی ہوئی تھی۔ ''مادرِ معظمہ! اندر تشریف لے چلیے۔'' خلافِ معمول والیٔ غزنی کی آواز بلند تھی اور لہجے سے تلخی جھلک رہی تھی۔

ملکۂ ثانی کچھ دیر کے لئے سناٹے میں آ گئی۔ اس نے آج تک محمود کے چہرے پر ناگواری کا ایسا تاثر نہیں دیکھا تھا۔ ملکۂ ثانی نے گھبرا کر دروازے کے باہر نگاہ کی۔ وہاں مسلح سپاہیوں کا ایک دستہ صاف نظر آ

فوجیوں کی موجودگی نے ملکۂ ثانی کو فوراً ہی احساس دلا دیا کہ صورتِ حال اچانک بدل گئی ہے۔

''آخر تُو کیا کہنا چاہتا ہے محمود؟'' ملکۂ ثانی نے چیخ کر کہا۔ اس بد دماغ عورت کے لہجے میں نفرت و ...ب کی وہی آمیزش تھی۔

محمود نے فوری طور پر جواب دینے کے بجائے پلٹ کر خواب گاہ کا دروازہ بند کر دیا۔ اور جب وہ ...بارہ مڑا تو اس کا چہرہ غصے کی زیادتی سے سرخ ہو رہا تھا۔

''مادرِ گرامی! مجھے یہ بات سخت ناپسند ہے کہ شاہی مستورات کی آوازیں نامحرم مردوں کی سماعت ...پہنچیں۔ براہِ کرم اپنی آواز پست کیجئے کہ اب میں آپ کے اس جارحانہ طرزِ عمل کا متحمل نہیں ہو ...'' محمود پہلی بار اپنی سوتیلی ماں کے سامنے جلالِ شاہی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

والیٔ غزنی کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر ملکۂ ثانی کو سکتہ سا ہو گیا تھا۔

پھر محمود نے اپنے چھوٹے بھائی اسماعیل کی خواب گاہ پر دستک دی۔ اسماعیل کا کمرہ ملکۂ ثانی کی ...ب گاہ سے ملحق تھا۔ کچھ دیر بعد اسماعیل بھی آنکھوں میں نیند کا خمار اور چہرے پر انتہائی ناگواری کا رنگ ...ے دروازہ کھول کر باہر آیا۔ پھر محمود کو سامنے پا کر سنبھل گیا۔

''خیریت تو ہے برادرِ محترم؟'' اسماعیل کی آواز میں ہلکی سی حیرت نمایاں تھی۔

''جب اپنوں کی آنکھیں نفرت و حسد کے غبار سے بھر جائیں...... اور جب اپنوں کے دل حرص و ...ں کے پانی سے زنگ آلود ہو جائیں اور جب اپنوں کی روحیں رشتۂ وفا سے بیگانہ ہو کر سارے عہد و ...ن توڑ ڈالیں تو پھر خیر و عافیت کہاں باقی رہ جاتی ہے؟'' محمود کے لہجے میں بڑا کرب تھا۔

اسماعیل جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا مگر والیٔ غزنی نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ ...اموش رہو!'' محمود کا لہجہ تحکم آمیز تھا۔ ''وضاحتوں کا وقت گزر چکا اسماعیل! ...ں نے اپنے باپ کے ...لے سے تمہیں سنبھل جانے کے لئے بہت مہلت دی، مگر تم نے ان قیمتی ایام کو ناسمجھ بچوں کی طرح گنوا ...۔ مجھے یقین تھا کہ سیاسی اختلافات کے باوجود ایک بڑے بھائی کی حیثیت سے تم اپنے دل میں میرے ...ے کوئی نہ کوئی نرم گوشہ ضرور رکھو گے...... مگر افسوس! یہ میری بھول تھی۔''

اسماعیل نے ایک بار پھر کچھ کہنے کی کوشش کی مگر والیٔ غزنی نے چھوٹے بھائی کو جھڑک دیا۔ ''زبان ...رکھو کہ اب میں کچھ سننا نہیں چاہتا۔ جو کچھ تمہارے دل میں تھا، زبان تک آ گیا۔ بعض الفاظ کو تشریح ...وضاحت کی ضرورت نہیں ہوتی۔''

اسماعیل کا چہرہ فق ہو گیا۔ اب اسے اپنی حماقت کا احساس ہو چلا تھا۔

''میری باتیں پورے ہوش و حواس کے ساتھ سنو!'' یہ کہہ کر محمود، ملکۂ ثانی کی طرف پلٹا۔ ''میں تم ...ں کو رات کے اندھیرے میں قصرِ شاہی سے رخصت کر رہا ہوں۔ میری آنکھیں اس منظر کو برداشت ...ں کر سکتیں کہ امیر سبکتگین کی اہلیہ اور فرزند دن کے اُجالے میں اہلِ غزنی کے لئے تماشا بن کر رہ ...ئیں۔ ابھی میری آنکھوں میں شرم و حیا بھی باقی ہے اور دل میں احساس کی تڑپ بھی۔

ابھی محمود کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ ملکۂ ثانی حسبِ عادت چیخ اُٹھی۔ ''تُو ہمیں کہاں بھیج رہا ہے؟''

''خدا کے لئے، سرگوشیوں میں بات کیجئے۔'' محمود پیچ و تاب کھانے لگا۔ ''آپ کی آواز وہاں تک ...رہی ہے، جہاں مملکت کے خدمت گار کھڑے ہیں۔ کیا آپ یہ طے کر چکی ہیں کہ نامحرم مردوں کو تماشا

دکھائے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گی؟"

"ہاں! میں پورے غزنی کو چیخ چیخ کر بتاؤں گی کہ مجھ پر یہ ظلم ہو رہا ہے۔" ملکۂ ثانی کی آواز پہلے سے زیادہ بلند ہو گئی۔

محمود کچھ دیر خاموش کھڑا سوچتا رہا، پھر ملکۂ ثانی کی خواب گاہ کے عقبی دروازے سے نکل کر چلا گیا اور اپنے ایک خدمت گار کے ذریعے ان مسلح سپاہیوں کو بھی طلب کر لیا، جن کی نگرانی میں ملکۂ ثانی اور صاحب زادہ اسماعیل کو شہر غزنی سے کسی نامعلوم مقام کی طرف روانہ ہونا تھا۔

محمود کے جانے کے بعد ملکۂ ثانی نے اپنی خواب گاہ کا دروازہ کھول کر باہر کی طرف دیکھا۔ دُور دُور تک کسی سپاہی کا نام و نشان نہیں تھا۔ ملکۂ ثانی غضب ناک انداز میں پلٹی اور اپنے بیٹے سے مخاطب ہو کر بولی۔

"وہ کون ہوتا ہے مجھے اپنے بزرگوں اور شوہر کی جاگیر سے بے دخل کرنے والا؟...... یہ فلک بوس عمارت میرے عظیم باپ امیر الپتگین نے تعمیر کی تھی۔ قصرِ شاہی پر سب سے زیادہ حق میرا ہے۔ یہ غلام زادہ محمود میرے آبا و اجداد کی نشانی کو میری نظروں سے کس طرح دُور کر سکتا ہے؟" ملکۂ ثانی نے ہوش و حواس کھو دیئے تھے اور وہ جوشِ جذبات میں غیر ارادی طور پر اپنے مرحوم شوہر کو بھی ذلیل کر رہی تھی۔ سبکتگین، امیر الپتگین کا غلام تھا، اسی لئے ملکۂ ثانی نے محمود کو غلام زادہ کہہ کر پکارا تھا۔

صاحب زادہ اسماعیل نے ماں کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کسی مجسّمے کے مانند ساکت کھڑا اس دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا جس سے نکل کر محمود قصرِ شاہی کی طرف چلا گیا تھا۔ اسماعیل کے چہرے پر آہستہ آہستہ شکست و بربادی کا دھواں پھیلتا جا رہا تھا۔

❊❊❊❊❊

دوسرے دن رات کو محمود اسی وقت اپنی سوتیلی ماں کے کمرے میں داخل ہوا۔ آج کی شب منظر یکسر تبدیل ہو چکا تھا۔ والیٔ غزنی نے بہت غور سے اس زبان دراز اور بد دماغ عورت کی طرف دیکھا جو اپنے بستر پر بے ہوش پڑی تھی۔ ملکۂ ثانی کو احساس تک نہ ہو سکا کہ اس کے کھانے میں بے ہوشی کی تیز اثر دوا ملا دی گئی ہے۔ پھر جب ملکۂ ثانی مکمل طور پر بے سدھ ہو گئی تو والیٔ غزنی، صاحب زادہ اسماعیل کے کمرے میں داخل ہوا اور چھوٹے بھائی کو ہمراہ لے کر اپنی سوتیلی ماں کی خواب گاہ میں پہنچا۔

"برادرِ عزیز! میں نے یہ راستہ انتہائی مجبوری کی حالت میں اختیار کیا ہے کہ اس کے بغیر مادرِ معظمہ کا خاموش رہنا ممکن نہیں تھا۔" محمود کے لہجے میں قدرے سختی نمایاں تھی۔ "وہ شاہی حرم کی عزت و آبرو کو غزنی کے چوراہوں پر تماشا بنا دینا چاہتی تھیں، اس لئے میں نے ان کے ہونٹوں پر مہرِ خاموشی ثبت کر دی۔" یہ کہہ کر محمود نے چھوٹے بھائی کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "تم نے یہی کہا تھا نا کہ فتح حاصل کرنے کے بعد تم مجھے کسی قلعے میں نظر بند کر دو گے!"

اسماعیل نے بڑے بھائی کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے چہرے سے وحشت کے آثار نمایاں تھے اور جسم پر ہلکا ہلکا لرزہ طاری تھا۔

"اس لئے میں بھی تمہیں جرجان کے قلعے میں بھیج رہا ہوں۔" محمود نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "تم نے یہ بھی کہا تھا نا، اس قلعے میں میرے لئے ساری دنیا کی آسائشیں مہیا کرو گے۔"

"میں اپنی اس سوچ پر شرمسار ہوں برادرِ معظم!" صاحب زادہ اسماعیل کی آواز میں لکنت تھی۔

"میں تم سے پہلے کہہ چکا ہوں کہ آئندہ اپنی زبان کو حرکت نہیں دو گے۔" والیٔ غزنی کا لہجہ انتہائی تلخ تھا۔ "خوب یاد رکھو کہ آج سے تمہاری بے زبانی اور سکوت کا موسم شروع ہو چکا ہے...... اور یہ موسم اس وقت ختم ہوگا، جب تم قبر میں اُتارے جاؤ گے یا پھر میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔"

صاحب زادہ اسماعیل کے خوف و دہشت میں اضافہ ہو گیا تھا اور اس کے جسم میں لرزش کسی رعشے کے مریض کی طرح نمایاں ہو گئی تھی۔

"اس قلعے میں تمہیں ساری دنیا کی نعمتیں میسر ہوں گی۔" والیٔ غزنی نے انتہائی تند و تیز لہجے میں کہا۔ "آج تمہیں یہ حقیقت بھی جان لینی چاہئے کہ تمہارا بھائی اپنے جسم و جان پر کسی کا قرض باقی نہیں رکھتا۔ جو کچھ تم مجھے اپنے دورِ اقتدار میں دینا چاہتے تھے، میں وہی چیز تمہیں اپنے عہدِ اختیار میں لوٹا رہا ہوں۔"

اسماعیل خوب جانتا تھا کہ محمود اپنے الفاظ واپس لینے کا عادی نہیں ہے، اس لئے مجبوراً اس نے سر جھکا دیا۔

"اور تمہیں اس بات کا بھی لحاظ رہنا چاہئے کہ مجھے دنیا میں بہت کام کرنے ہیں۔" محمود نے اسماعیل کے کاندھے پر اپنے ہاتھ کا دباؤ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اگر تم نے میرے کاموں میں خلل انداز ہونے کی کوشش کی یا مملکتِ اسلامیہ کے خلاف کسی سازش میں شریک ہوئے تو پھر تم میری حالتِ قہر کو برداشت نہ کر سکو گے۔"

صاحب زادہ اسماعیل نے اپنے ساتھ کچھ سامان لے جانے کی اجازت چاہی تو محمود نے سختی سے منع کر دیا۔

"اس قلعے میں سب کچھ موجود ہے۔"

پھر پلٹ کر محمود اپنی ماں کے پاس آیا اور ان کے ہاتھوں پر اپنے ہونٹ رکھتے ہوئے بولا۔ "مادرِ گرامی! میں نے بہت معصوم خواب دیکھے تھے۔ مگر آپ نے ہمیشہ اس قدر تلخ اور نفرت آمیز تعبیریں دیں کہ میرا خونی رشتوں سے اعتبار ہی اُٹھ گیا۔ اللہ میری اس مجبورانہ گستاخی کو معاف کرے اور آپ کو نیک ہدایت دے۔"

پھر جب انتہائی راز داری کے ساتھ مسلح سپاہیوں کے ایک دستے کی نگرانی میں ملکۂ ثانی اور صاحب زادہ اسماعیل اپنے نئے سفر پر روانہ ہوئے تو والیٔ غزنی سوتیلی ماں اور چھوٹے بھائی کو رخصت کرنے کے لئے قصرِ شاہی کے دروازے تک آیا۔ گہری تاریکی کے باعث کوئی سپاہی یہ منظر نہیں دیکھ سکا کہ محمود کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ زیرِ لب کہہ رہا تھا۔ "اے دنیا! تُو کیسی ستم گر و سفاک ہے کہ اپنے ہر چاہنے والے کو ایک دن اس رُسوا کُن انجام تک پہنچا دیتی ہے۔"

❊❊❊❊❊

نظام شاہ پوری طرح صحت یاب ہو چکے تھے مگر ان میں اتنی سکت باقی نہیں رہ گئی تھی کہ وہ راتوں کو گرداوری کر سکیں۔ پھر نگار خانم اور احمد سالار نے بھی انہیں اس بات پر مجبور کر دیا تھا کہ اپنی پچیس سالہ پرانی روش ترک کر کے صرف ریاضت و عبادت تک محدود ہو جائیں۔ محمود نے بھی کئی بار درخواست کی تھی کہ وہ بیت المال سے ایک مناسب وظیفہ قبول کر لیں۔ مگر نظام شاہ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ جس شخص

کی جوان اولادیں موجود ہوں، اسے بیت المال سے وظیفہ لینے کا کوئی حق نہیں۔ مجبوراً والئ غزنی خاموش ہو گیا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ شیخ کے مزاج کو بدلا نہیں جا سکتا۔

جب سیاست کے مختلف طوفان گزر جانے کے بعد غزنی کی فضا پُرسکون ہو گئی تو نگار خانم نے امیر محمود کی خدمت میں ایک درخواست پیش کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے امیر مرحوم سے بھی التجا کی تھی کہ وہ اس نوزائیدہ مملکتِ اسلامی کے دفاعی تقاضوں کو محسوس کرتے ہوئے خواتین کی فوجی تربیت کا بھی اہتمام کریں۔ مگر والئ غزنی نے میری درخواست کو مسترد کر دیا تھا۔"

محمود نے حیرت سے نگار خانم کی طرف دیکھا۔ "اللہ گواہ ہے کہ مجھے ان تمام باتوں سے بے خبر رکھا گیا اور میری اس بے خبری کی وجہ تم خوب جانتی ہو۔"

نگار خانم نے گھبرا کر آنکھیں نیچی کر لیں۔ اس کے چہرے پر عجیب سا رنگ اُبھر آیا تھا۔ "امیرِ محترم! مجھے ماضی کا ذکر کرتے ہوئے ناقابلِ بیان اذیت ہوتی ہے۔ اس لئے خدارا آپ بھی گزرے زمانے کو فراموش کر دیجئے۔ میری شدید خواہش ہے کہ میں بھی غزنی کی تعمیر و ترقی میں مقدور بھر حصہ لے سکوں۔"

نگار خانم اپنی درخواست کی وضاحت کرنا چاہتی تھی کہ محمود درمیان میں بول اٹھا۔

"تمہیں میری مجبوریوں کا علم ہے؟" والئ غزنی کے لہجے میں بڑی خلش تھی۔

"امیرِ معظم!" درد کی شدت سے نگار خانم تڑپ اُٹھی۔ "میں اپنی داستانِ حیات سے ان اوراق کو الگ کر چکی ہوں۔ براہِ کرم آپ بھی اس تحریر پر اپنے تغافل کی سیاہی پھیر دیجئے۔" ایک لمحے کے لئے نگار خانم نے سر اٹھا کر محمود کی طرف دیکھا اور پھر فوراً نظریں جھکا لیں۔

"کون جانے، کل فرصتِ گویائی ملے نہ ملے۔ اس لئے چند لمحوں کی مہلت کو غنیمت جانو۔" محمود کا دل خون ہو کر ہونٹوں سے بہنے لگا تھا۔ "تاج و کلاہ بھی ہے اور تخت و سپاہ بھی۔ طاقت و اختیار بھی ہے اور تمام آہنی دیواریں گرا دینے کا حوصلہ بھی۔ مگر میں اپنے اور تمہارے درمیان حائل ریشمی پردے کو چاک نہیں کر سکتا۔ نگار خانم! تم میری طرف غور سے دیکھو کہ تمہیں مجھ جیسا مجبور انسان کوئی دوسرا نظر نہیں آئے گا۔" یہ کہتے کہتے محمود رونے لگا۔

"امیرِ مملکت کو یہ اشک باری زیب نہیں دیتی۔" نگار خانم نے صبر و ضبط کا بھرپور مظاہرہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر غیر ارادی طور پر خود اس کا لہجہ بھی رقت آمیز ہو گیا تھا۔

"کیا امیرِ مملکت انسان نہیں ہوتا؟" محمود کی زبان سے چنگاریاں اُڑ رہی تھیں۔ "تم لوگ اپنی خوا شدہ تمناؤں کے ماتم کو جائز سمجھتے ہو مگر ایک فرمانروا کو رونے کی اجازت بھی نہیں دیتے۔ یہ کیسا ظلم ہے؟"

جواب میں نگار خانم کچھ نہ کہہ سکی۔ مگر اب اس کی آنکھیں بھی اشک برسانے لگی تھیں۔

"امیر مرحوم نے مجھے تم سے جدا کرتے وقت فرزندی کا حق طلب کیا تھا۔" آخر والئ غزنی کے سینے کی گہرائیوں میں دبا ہوا راز ہونٹوں تک آ گیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے حشر برپا ہو گیا ہو اور زمین اپنے مُردے اُگل رہی ہو۔ "اور وہ حق اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ میں تم سے ہمیشہ کے لئے دستبردار ہو جاؤں۔"

نگار خانم نے دھندلی آنکھوں سے محمود کی طرف دیکھا۔

"تم گواہ رہنا کہ میں نے حقِ فرزندی ادا کر دیا۔" محمود کے لہجے کی آگ کچھ اور بھڑک گئی تھی۔

"ہاں! میں گواہ رہوں گی۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی......" انتہائی کوشش کے باوجود نگار سسکیوں پر قابو نہیں پا سکی تھی۔

"کبھی کبھی سینے میں بڑے خوفناک طوفان اُٹھتے ہیں۔" محمود بے قرار ہو کر اپنی نشست سے کھڑا ہو گیا۔

"دل چاہتا ہے کہ اپنا عہد توڑ کر تمہارے حریمِ ناز تک پہنچ جاؤں۔" محمود کی خوابیدہ حسرتوں نے ایک بار سرکشی اختیار کر لی تھی۔

"ایک بت شکن، عہد شکن نہیں ہو سکتا۔" نگار خانم نے والئ غزنی کے لڑکھڑاتے قدموں کو سہارا دیا۔

"اس خارزارِ حیات میں قدم قدم پر مجھے تمہاری محبت کے گلابوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے نگار!" والئ غزنی جوشِ اضطراب میں اپنی محبوب کو چھو لینا چاہتا تھا مگر نگار خانم گھبرا کر پیچھے ہٹی تو اُسے آ گیا۔ اب محمود کے چہرے پر شرم و ندامت کا گہرا رنگ جھلک رہا تھا۔

"میں آپ سے دُور کب ہوں امیرِ ذیشان!" نگار خانم نے فضا کی سوگواری کو زائل کرنے کے لئے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "میں تو اس سائے کی طرح آپ کے ساتھ چل رہی ہوں، جو اندھیرے میں نہیں ہوتا۔"

"سارے آئینہ خانے میری بدصورتی کا مذاق اُڑا رہے ہیں۔" محمود کچھ اور شکستہ نظر آنے لگا۔ "بس تم ہو جس کے آئینۂ دل میں میری ادھوری شخصیت کو پناہ ملتی ہے۔" والئ غزنی اپنے چیچک زدہ چہرے کی وجہ سے شدید احساسِ کمتری میں مبتلا تھا۔ وہ جب بھی آئینہ دیکھتا، اُس کا دل بجھ کر رہ جاتا۔ محمود فطرتاً ایسا انسان تھا جو اپنی ذات میں ساری خوبیاں دیکھنا پسند کرتا تھا۔ بچپن میں اس کا رنگ بہت صاف تھا مگر چیچک کے موذی مرض نے نہ صرف اس کے رنگ کو دُھندلا کر دیا تھا بلکہ تیکھے نقش و نگار بھی بگاڑ دیئے تھے۔ آئینے میں اپنی اس کمزوری کا عکس دیکھ کر محمود کے دل پر قیامت سی گزر جاتی تھی۔ نگار خانم نے بار پہلے بھی اسے حُسنِ حقیقی کا مفہوم سمجھانے کی کوشش کی تھی، مگر محمود اب تک احساسِ کمتری سے نجات حاصل نہیں کر سکا تھا۔

"آپ دنیا کے سب سے زیادہ خوبصورت انسان ہیں۔" نگار خانم نے بڑی بے باکی سے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"تم میرا دل رکھنے کی خاطر جھوٹی تسلیاں دے رہی ہو نگار خانم!" محمود کے لہجے میں وہی افسردگی

"اگر آپ میرے آئینۂ دل کو معتبر کہتے ہیں تو میری باتوں کا بھی اعتبار کیجئے۔" نگار خانم نے ایک دلیل پیش کی تھی، جسے کسی بھی حال میں جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا۔ "میرے نزدیک آپ دنیا کے حسین مرد ہیں۔ حُسن اسے نہیں کہتے، جسے موسم کی سختیاں برباد کر دیں۔ میرے چہرے کی طرف دیکھئے، زخموں کے سفید اور نیلے نشانات کے سوا کچھ نہیں۔ یہ کیسی آب و تاب تھی، جسے چند تازیانوں کی ضربات نے کھا لیا۔"

"حُسن اسے کہتے ہیں کہ نظر اُٹھے تو زلزلہ آ جائے۔ بستیاں جل کر راکھ ہو جائیں اور آمرانِ وقت

کے آہنی قلعے سجدے میں گر پڑیں۔" نگار خانم کے جوشِ گفتار نے امیرِ مملکت کو حیرت میں ڈال دیا۔

"جسے نظام شاہ اپنے خواب کی تعبیر کہتے ہوں، وہ بے جان اور حقیر آئینوں سے اپنی شخصیت کے حسن کی تصدیق چاہتا ہے؟ کیا آپ کو نظام شاہ کی آنکھوں کے آئینے پر بھی اعتبار نہیں آیا امیرِ ذی حشم؟"

والیٔ غزنی سے نگار خانم کی باتوں کا کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ بس اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور ہونٹ کانپ کر رہ گئے۔

"آپ تو خود وقت کا سب سے بڑا آئینہ ہیں، جس میں اہلِ زمانہ اپنے چہرے دیکھیں گے اور لرزتی ہوئی آوازوں میں پوچھا کریں گے، اے صاحبِ جلال! ہمیں بتا کہ ہم کیسے ہیں؟"

آہستہ آہستہ محمود کے چہرے پر چھایا ہوا محرومیوں کا دھواں منتشر ہونے لگا۔ اور اُس کی بجھی بجھی آنکھوں میں اُمید و کامرانی کے نئے چراغ جلنے لگے۔ اور ہونٹوں پر فاتحانہ تبسم کے نئے پھول کھلنے لگے۔

"میں تمہارا شکر گزار ہوں نگار خانم!" محمود کے لہجے میں عجیب سی سرشاری تھی۔ "میں نے آج تک زندگی کے آئینے میں اس زاویے سے اپنی شکل نہیں دیکھی تھی۔"

*****

صاحب زادہ اسماعیل اور ملکۂ ثانی کو گوجر جان کے قلعے میں نظر بند کرنے کے بعد محمود از سرِ نو افواجِ غزنی کی تنظیم میں مصروف ہو گیا۔ نگار خانم جو خود فنونِ سپاہ گری میں ماہر تھی، گھر گھر جا کر خواتین کو مملکت کی دفاعی ضرورتوں کی اہمیت کا احساس دلانے لگی۔ اس طرح اُسے جان لیوا تنہائی سے نجات بھی مل گئی اور وہ ایک مخصوص دائرہ کار میں رہ کر ملتِ اسلامیہ کی خدمت بھی انجام دے رہی تھی۔

ایک دن امیر محمود نے عبداللہ (سادھو نند لال) کو خلوت میں طلب کر کے کہا۔ "سومنات کے بت کو ہندوستان کے کس مندر میں رکھا گیا ہے؟" محمود، نظام شاہ سے وعدہ کرنے کے بعد ہر وقت سومنات ہی کے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔

"امیر! گرو مراری لال کی صحبتوں نے پہلے ہی بت پرستی سے بیزار کر دیا تھا، اس لئے ہندوستان کے کسی مندر میں داخل نہیں ہو سکا۔" بوڑھے عبداللہ نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔ "پھر بھی میں نے لوگوں سے سنا ہے کہ سومنات، ہندوستان کے سارے بتوں کا سردار ہے۔ اسے گجرات کے کسی مندر میں رکھا گیا ہے۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا۔"

محمود بہت دیر تک غور و فکر میں ڈوبا رہا۔ پھر اس نے نظام شاہ کے منہ بولے بیٹے، احمد سالار کو بھی طلب کر لیا۔ والیٔ غزنی نے احمد سالار کے بارے میں سنا تھا کہ وہ بڑا عالم و فاضل نوجوان ہے اور اس نے عبداللہ (سادھو نند لال) سے سنسکرت زبان سیکھی ہے۔ محمود کی مشکل آسان ہو گئی تھی۔

پھر جب احمد سالار، والیٔ غزنی کی خدمت میں حاضر ہوا تو محمود نے اسے اپنا منصوبہ سمجھاتے ہوئے کہا۔

"تم کچھ دن عبداللہ سے ہندوؤں کے رسم و رواج کے بارے میں تربیت حاصل کر لو۔ پھر ایک نوجوان جوگی کا روپ دھار کر گجرات کا رخ اختیار کرو۔ سومنات کے مندر کا گہرا جائزہ لو اور پھر مجھے تفصیلی معلومات فراہم کرو کہ قرامطہ اور بت پرست ہندوؤں میں کس قسم کا تعلق ہے۔ اور یہ لوگ مملکتِ اسلامیہ کے خلاف کس انداز سے سازشیں کر رہے ہیں؟ میرا خیال ہے کہ تم آسانی کے ساتھ اہلِ ہند کے بت

راز حاصل کر لو گے۔"

عبداللہ (سادھو نند لال) نے محمود سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ "میں امیرِ غزنی کی ذہانت کا قائل ہو گیا ہوں۔ احمد سالار اس کام کو بحسن و خوبی انجام دے سکتا ہے۔ یہ نوجوان اتنی روانی سے سنسکرت بولتا ہے کہ ہندوستان کے بڑے بڑے پنڈت حیران رہ جائیں گے۔"

احمد سالار کے چہرے پر اُلجھن کے آثار نظر آنے لگے۔

"گھبراؤ نہیں نوجوان!" محمود نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لباس بدل لینے سے تمہارا مذہب نہیں بدل جائے گا۔ جب دشمنوں کے جاسوس اپنے حلیے بدل کر ہماری صفوں میں داخل ہو گئے ہیں تو ہمیں بھی غافل نہیں رہنا چاہئے۔ تم ایک خوفناک محاذ پر جا رہے ہو، اس لئے تمہارا سفر مقبول عبادت میں شامل ہو گا۔ اگر تم چاہو تو شیخ سے میری بات کی تصدیق کر سکتے ہو۔"

پھر جب احمد سالار نے نظام شاہ سے والیٔ غزنی کے منصوبے کا ذکر کیا تو مردِ قلندر کی آنکھیں جوشِ مسرت سے چمکنے لگیں۔ "امیر درست کہتے ہیں۔ تمہیں اس سفر پر جانا ہی ہو گا کہ تم بھی میرے خواب کی تعبیر کا ایک حصہ ہو۔"

پھر کچھ دن تک احمد سالار نے عبداللہ سے ہندو طرزِ معاشرت کے انداز سیکھے اور جب جوگیوں کا لباس پہن کر امیرِ غزنی کے روبرو حاضر ہوا تو ایک نظر میں محمود اسے پہچان بھی نہ سکا۔

"حیرت ناک...... ناقابلِ یقین۔" والیٔ غزنی کی زبان سے بے اختیار نکلا۔

نظام شاہ اور محمود دونوں نے احمد سالار کو گلے لگا کر بت خانۂ ہند کی طرف روانہ کیا۔

احمد سالار کو رخصت کر کے محمود علاقائی صورتِ حال کی طرف متوجہ ہوا۔ بخارا کے حاکم سلطان منصور نے امیر سبکتگین کے مرتے ہی اپنے خوشامدی سردار بکتوزن کو بلخ اور خراسان کا "امیر الامراء" مقرر کر دیا تھا۔ محمود کو یہ بات بہت ناگوار گزری تھی۔ داخلی ہنگاموں سے فراغت پانے کے بعد سلطان محمود نے سلطان منصور کو خط لکھا۔

"جنابِ والا خوب جانتے ہیں کہ بلخ و خراسان کی امیر الامرائی صرف میرا حق ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی فرما کر میرا منصب بحال کر دیں گے۔"

حاکمِ بخارا سلطان منصور کا تعلق آلِ سامان سے تھا۔ منصور نے والیٔ غزنی کو جواب میں لکھا۔

"بکتوزن بھی ہمارا نمک خوار و وفادار ہے۔ پھر یہ کہ ہم صاحبِ اختیار ہیں۔ جسے چاہیں اس منصب پر بحال رکھیں اور جسے چاہیں معزول کر دیں۔"

حاکمِ بخارا سلطان منصور کا یہ جواب محمود کو سخت گراں گزرا تھا۔ وہ کئی دن تک پیچ و تاب کھاتا رہا۔ پھر نظام شاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کر دیا۔

"افسوس! منصور نے امیر سبکتگین کی خدمات کا اعتراف نہیں کیا اور ایک بدکار خوشامدی کو اپنے سر چڑھا لیا۔ اسے نہیں معلوم کہ سر کٹ بھی جاتے ہیں۔" نظام شاہ کے لہجے میں بڑا جلال تھا۔ "فرزند! تم بے دریغ آگے بڑھو اور بکتوزن کے ناکارہ ہاتھوں سے اپنا حق چھین لو۔"

محمود نے نظام شاہ کی زبان سے ادا ہونے والے کلمات کو اپنے لئے فالِ نیک سمجھا اور ایک لشکرِ جرار لے کر خراسان کی طرف بڑھا۔

جب بلکوزن کے جاسوسوں نے اسے خبر دی کہ والیٔ غزنی کا لشکر بلخ کی طرف بڑھ رہا ہے تو وہ بزدل اور خوشامدی سردار دہشت زدہ ہو گیا۔ بلکوزن میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ محمود کے جاں باز سپاہیوں کا مقابلہ کر سکے۔ مجبوراً اس نے سلطان منصور کے آستانۂ جلال پر سر رکھ دیا اور انتہائی گداگرانہ انداز میں والیٔ بخارا کو خط لکھا۔

''آقا! میں نے آپ ہی کے حکم سے یہ خلعتِ اقتدار پہنی ہے مگر محمود کا دستِ جفا کار آپ کے عطا کردہ لباس کو تار تار کر دینا چاہتا ہے۔ اے صاحبِ جلال! میں والیٔ غزنی کے اس ظلم کے خلاف کس سے فریاد کروں کہ آپ کے درِ دولت کے سوا اس دنیا میں میرے لئے کوئی پناہ گاہ نہیں۔''

بلکوزن کا خط پڑھتے ہی سلطان منصور کی آتشِ غضب بھڑک اُٹھی۔ ایک تو بلکوزن کا خوشامدانہ انداز اور دوسرے امیر غزنی محمود کی سرکشی۔ غرض ان دونوں چیزوں نے مل کر والیٔ بخارا سے غور و تدبر کی صلاحیت چھین لی۔ سلطان منصور نے محمود کی لشکر کشی کو نافرمانی سے تعبیر کرتے ہوئے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا اور سیاسی حقائق کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ پھر اس نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر بلخ و خراسان کے حاکم کو خط لکھا۔

''بلکوزن! تم مطمئن رہو۔ ہماری زبان سے ادا ہونے والا ایک ایک لفظ ناقابلِ تنسیخ ہے۔ سیاسی موسم کے تقاضے کچھ بھی ہوں، مگر ہمارے جاری کردہ فرمان میں کوئی ترمیم ممکن نہیں۔ محمود نے اپنی فوجیں آگے بڑھا کر بلخ و خراسان پر دست درازی کا ارادہ نہیں کیا بلکہ احکامِ سلطانی کا مذاق اُڑایا ہے۔ ہم والیٔ غزنی کو اس کے اس جرم کی سزا دیئے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ تم ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے اس جنگ کو کچھ دن کے لئے ٹالنے کی کوشش کرو یا پھر قلعے کے دروازے بند کر کے محصور ہو جاؤ۔ ہمارے لشکر عنقریب خراسان کی حدود میں داخل ہونے والے ہیں۔''

یہ خبر سن کر محمود کے چہرے پر شدید اُلجھن کے آثار نظر آنے لگے۔ پھر ایک دن اور ایک رات مسلسل غور و فکر کرنے کے بعد محمود نے اپنی فوج کا رخ نیشاپور کی طرف موڑ دیا۔

''امیرِ ذیشان! بلخ و خراسان پر یلغار کے بجائے نیشاپور میں قیام؟'' امرائے سلطنت پریشان نظر آ رہے تھے۔ ''گستاخی معاف! کیا آپ نے بلکوزن کے خلاف لشکر کشی کا فیصلہ بدل دیا ہے؟''

''بلکوزن بھی وہی ہے، میں بھی وہی ہوں اور میرا مطالبہ بھی وہی ہے۔'' محمود نے ٹھہر ٹھہر کر اس طرح کہا کہ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ ''میں اس بزدل خوشامدی کو ہرگز معاف نہیں کروں گا کہ اس نے والیٔ بخارا کو سجدہ کر کے مجھ سے میرا حق چھینا ہے۔ مگر اسے کیا کروں کہ سلطان منصور کی مداخلت نے سارا منصوبہ درہم برہم کر دیا۔'' امیرِ غزنی کے لہجے سے غصے کے ساتھ تاسف بھی جھلک رہا تھا۔

''کیا سلطنتِ غزنی کے نمک خوار اتنے گئے گزرے ہیں کہ وہ بیک وقت دو لشکروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے؟'' امرائے سلطنت کے لہجے سے جوش و اضطراب نمایاں تھا۔

''آپ حکم تو دیجئے، سلطان منصور کو جلد ہی اندازہ ہو جائے گا کہ انہوں نے ایک غاصب کی حمایت کر کے کیسی ناانصافی کی ہے۔''

''مجھے اپنے جاں نثاروں سے اسی دن کی توقع تھی۔'' محمود نے سردارانِ غزنی کے چہروں کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مگر مجھے سلطان منصور کا سامنا کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔''

''جب خود سلطان نے امیر سبکتگین مرحوم کی بے پناہ خدمات کو نظر انداز کر کے ایک ناکارہ انسان کی

ہاتھ رکھ دیا اور ماضی کے بے داغ رشتوں پر حق تلفی کی خاک ڈال دی تو پھر آپ کس لئے ندامت کرتے ہیں؟ شرمسار تو انہیں ہونا چاہئے تھا کہ ان کی ذات سے ایک بڑے جرم کا ارتکاب ہوا

''کچھ بھی سہی۔ مگر میں سلطان منصور کا سامنا نہیں کر سکوں گا۔'' محمود کے لہجے میں تلخی بھی تھی اور اذیت بھی۔ ''میں اس وقت سے ڈرتا ہوں جب لوگ میری طرف اُنگلیاں اُٹھا کر کہیں گے کہ محمود نمک حرامی کی...... یہ الزام مجھ سے برداشت نہیں ہو گا۔''

محمود کا جواب سن کر سردارانِ قوم بہت زیادہ بے قرار نظر آ رہے تھے۔ والیٔ غزنی نے اُن کی دلی کیفیات کا اندازہ کرتے ہوئے کہا۔ ''تم صبر سے کام لو اور انتظار کرو کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟''

پھر کچھ دن بعد ایک انتہائی لرزہ خیز واقعہ پیش آیا، جس نے علاقائی سیاست کا نقشہ ہی بدل ڈالا۔ جب سلطان منصور، بلکوزن کی مدد کے لئے خراسان پہنچا تو شیطانی خیالات نے اس نمک حرام سردار کے دل و دماغ پر یلغار کر دی۔ پھر حرص و ہوس کا دھواں اس قدر پھیلا کہ بلکوزن کو اپنے مفادات کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے موقع ملتے ہی سلطان منصور کو قتل کر دیا اور اسی خاندان کے ایک لڑکے عبدالملک کو تخت پر بٹھا کر خود بخارا کی سلطنت کا ''مدارالمہام'' بن گیا۔

پھر جیسے ہی امیر محمود کے جاسوسوں نے اسے سلطان محمود کے قتل ہونے کی اطلاع دی تو والیٔ غزنی سنّاٹے میں آ گیا اور بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ ''کیا گردشِ وقت یوں بھی ظاہر ہو سکتی ہے؟'' قتلِ منصور اور حیاتِ انسانی کی ناپائیداری پر محمود اُداس نظر آ رہا تھا۔ پھر یکایک اُسے سلطان منصور کی گفتگو کے حوالے سے نظام شاہ کا ایک جملہ یاد آیا۔ جب بلکوزن و بلخ و خراسان کا حاکم بنانے اور محمود کی حق تلفی کے سلسلے میں سلطان منصور کی سرکشی کا ذکر چھڑا تھا تو غزنی کے مردِ قلندر نے انتہائی پُرجلال لہجے میں کہا تھا۔ ''سر کٹ بھی جاتے ہیں۔''

اس وقت محمود نے نظام شاہ کی زبان سے ادا ہونے والے کلمات کو ایک رسمی تبصرہ سمجھا تھا۔ مگر جب مخبروں نے سلطان منصور کی ہلاکت کی خبر دی تو محمود کچھ دیر کے لئے لرز کر رہ گیا۔ محمود کا یہ خوف و ہراس والیٔ بخارا کی موت کے باعث نہیں تھا کہ حکمرانوں کی زندگی میں قتل و غارت تو روز و شب کا ایک مشغلہ ہوتا ہے۔ محمود کے دل کی دھڑکنیں اس لئے بے ربط ہوئی تھیں کہ اسے نظام شاہ کے جلالِ روحانی کا خیال آ گیا تھا۔

''یہ نظام شاہ کے گریۂ نیم شب اور سالہا سال سے مانگی جانے والی دعاؤں کا اثر ہے کہ میرے راستے کے بھاری پتھر خود بخود دُور ہوتے جا رہے ہیں۔'' محمود نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا۔ اور اس کے تصور میں غزنی کی وہ گلیاں اُبھر آئیں جہاں رات کے اندھیرے میں نظام شاہ پچیس سال تک مزدوری کرتے رہے تھے۔ پھر خیالات کی یہی رو بھٹکتے بھٹکتے اُس غیر پختہ مکان تک پہنچ گئی جہاں آج کل نظام شاہ، نگار خانم کے ساتھ قیام پذیر تھے۔ نگار خانم کی یاد آئی تو محمود کے سینے میں ایک شعلہ سا بھڑک اُٹھا۔ والیٔ غزنی کے دل و دماغ اس نادیدہ آگ میں جلنے لگے اور آہستہ آہستہ اُس کے اعصاب پر گہری اُداسی مسلط ہونے لگی۔ پھر اچانک ذہن کے کسی گوشے سے نگار خانم کا مرمریں پیکر اُبھرا اور اُسے یوں

محسوس ہوا جیسے وہ شکایت کر رہی ہو کہ والیٔ غزنی نے اپنے عظیم تر مقصد کو فراموش کر دیا ہے۔ موجودہ حقائق کی آگ ماضی کی آگ سے زیادہ تیز تھی اس لئے محمود کو خیالات کی دنیا سے باہر نکلنا پڑا۔ پھر وہ تیزی سے اُٹھا، سامنے کی دیوار پر آویزاں اپنی شمشیر اُتاری اور اسے بے نیام کر کے بہت غور سے دیکھنے لگا۔

''وہ شخص قبر میں سو رہا ہے، جس کا سامنا کرتے ہوئے مجھے شرم آتی تھی۔'' محمود اتنی زور سے چیخا کہ اس کے کمرے کے در و دیوار گونجنے لگے۔ ''اب میرے اور بکتوزن کے درمیان سلطان منصور کی نسبت کا کوئی پردہ حائل نہیں ہے۔ اس لئے اپنے محسن کا قاتل زیادہ دنوں تک سلامتی کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتا۔ بکتوزن کو بہر حال بلخ و خراسان سے دستبردار ہونا ہی پڑے گا۔''

پھر دوسرے دن محمود اپنا لشکر لے کر خراسان کی طرف بڑھا۔ جواب میں بکتوزن نے بھی محمود کے مقابلے کے لئے ایک سپاہِ کثیر روانہ کی۔ فوج کو رخصت کرتے وقت بکتوزن نے بڑے پُر جوش لہجے میں اپنے سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ روایتی شجاعت و مردانگی سے کام لیں اور حملہ آور دشمن کا نام و نشان تک مٹا ڈالیں۔ مگر اس تقریر کا ایک ایک لفظ بے اثر ثابت ہوا۔ سلطان منصور کے بلا جواز قتل نے اکثر سپاہیوں کو بد دل کر دیا تھا۔ تقریباً پوری فوج محض اپنے پیشہ ورانہ فرائض انجام دے رہی تھی۔ کسی بھی سپاہی کے سینے میں نہ جذبوں کی آگ بھڑک رہی تھی، نہ دل میں جان دینے کی تڑپ تھی اور نہ ہونٹوں پر ایفائے عہد کی باتیں تھیں۔ بس وہ جنگ کر رہے تھے۔ لیکن انہیں یہ خبر نہیں تھی کہ وہ جنگ کیوں کر رہے ہیں اور کس کے لئے کر رہے ہیں؟ نتیجتاً بکتوزن کے سپاہی، محمود کی یلغار کو نہ روک سکے اور معمولی سی مزاحمت کے بعد انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ بلخ اور خراسان کا معرکہ سر کرنے کے بعد محمود ہرات کی طرف بڑھا اور اس علاقے پر بھی قبضہ کر لیا۔

والیٔ غزنی نے میدانِ جنگ ہی میں گھوڑے کی پشت سے اُتر کر سجدۂ شکر ادا کیا۔ محمود سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہولناک خونریزی کے بغیر اسے اتنی آسانی سے مسلسل فتوحات حاصل ہو جائیں گی۔

دوسری طرف ترکستان کے بادشاہ ایلک خان کو بکتوزن کی پسپائی کی خبر ملی تو اس نے سیاسی صورتِ حال سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور آگے بڑھ کر بخارا پر ایک زوردار حملہ کیا۔ ایلک خان اور بکتوزن کی فوجی طاقت میں کوئی تناسب نہیں تھا۔ دوسرے یہ کہ ایک خوشامدی سردار پوری طرح آدابِ جنگ سے بھی واقف نہیں تھا، اس لئے بکتوزن بدترین شکست سے دوچار ہوا۔ ایلک خان نے کسی رعایت سے کام نہیں لیا اور بخارا کے نام نہاد حاکم عبدالملک کو قتل کر دیا۔

بکتوزن نے ایلک خان سے امان کی بھیک مانگتے ہوئے کہا۔ ''میری جان بخش دی جائے۔ میں آخری سانس تک شاہ والا کا وفادار رہوں گا اور نمک خواری پر تمام عمر فخر کروں گا۔''

''جب تُو اپنے محسن اور آقا کے ساتھ وفا نہ کر سکا تو پھر اس لفظ کو کیوں بدنام کرتا ہے؟'' ایلک خان نے اس طرح کہا کہ اس کے ہونٹوں سے نفرت و قہر کی آگ برس رہی تھی۔ ''تجھے کیا خبر کہ وفا کسے کہتے ہیں اور نمک خواری کیا ہوتی ہے؟''

بکتوزن اپنی جان بچانے کے لئے انتہائی پستی میں اُتر گیا اور اُس نے اہلِ دربار کے سامنے ایلک خان کے پیروں پر اپنا سر رکھ دیا۔ شاہِ ترکستان نے نہایت حقارت سے بکتوزن کے منہ پر ٹھوکر ماری۔ یہ ضرب اتنی شدید تھی کہ بکتوزن کا پورا چہرہ خون سے بھر گیا۔ پھر ایلک خان کے حکم پر اسے تاریک زنداں

...الے کر دیا گیا تا کہ آہستہ آہستہ اس پر موت نازل ہوتی رہے۔

...اگرچہ ایلک خان، بخارا پر قابض ہو چکا تھا اور بظاہر اُسے کسی بیرونی حملے کا خطرہ نہیں تھا لیکن پھر بھی ...بڑی سنجیدگی کے ساتھ امیر محمود کی فتوحات کا جائزہ لے رہا تھا۔ ایک ذہین اور زمانہ آشنا انسان ہونے ...باعث ایلک خان، والیٔ غزنی کے سیاسی عزائم کو نظر انداز نہیں کر سکا۔ میدانِ کارزار میں امیر محمود کی ...تاری شاہِ ترکستان کو کسی اور ہی منزل کا سراغ دے رہی تھی۔ ایلک خان کچھ دن تک غیر جانبدارانہ ...میں محمود کی شخصیت اور علاقے کی سیاسی صورتِ حال کا مشاہدہ کرتا رہا۔ پھر اس نے یہ سوچ کر کہ ...محمود، ترکستان اور بخارا کے لئے بھی خطرہ نہ بن جائے، ایک نیا منصوبہ ترتیب دیا۔ پھر اسی منصوبے ...تحت ایلک خان کے کچھ معتمد سردار، امیر محمود کے پاس پہنچے اور والیٔ غزنی کو اشاروں اور کنایوں میں یہ ...سمجھانے کی کوشش کی کہ اگر دونوں حکمراں آپس میں قریبی رشتہ قائم کر لیں تو یہ خاندانی اتحاد، غزنی اور ...ستان کی حکومتوں کے لئے بہت سود مند ثابت ہو گا۔

...محمود نے کچھ دن غور و فکر کرنے کے بعد اس رشتے پر رضامندی ظاہر کر دی۔ والیٔ غزنی کی یہ دوسری ...شادی تھی، جس میں انسانی خواہش کے بجائے سیاسی ضرورت کو زیادہ دخل تھا۔ نکاح کے بعد ایلک خان ...نے محمود کو گلے لگاتے ہوئے کہا تھا۔

''فرزند! میں اس رشتے سے بہت خوش ہوں۔ مجھے تمہاری سعادت مندی سے پوری اُمید ہے کہ تم ...میری بیٹی کو اس کے شایانِ شان اعزاز بخشو گے۔''

جواب میں محمود نے بھی یہی عرض کیا تھا۔ ''بزرگ! میں بھی اس رشتے پر اپنی دلی مسرت کا اظہار کرتا ...ہوں۔ آپ مجھے کسی مرحلے پر کم ظرف اور تنگ نظر نہیں پائیں گے۔''

❁❁❁❁❁

ان تمام ہنگاموں میں تین سال گزر گئے۔ اس دوران محمود نے کئی بار نظام شاہ کو خواب میں دیکھا۔ ...ہر مرتبہ نظام شاہ بہت اُداس اور پریشان نظر آئے تھے۔ محمود جب بھی نیند سے بیدار ہوتا، اپنے آپ کو ...بہت زیادہ دل گرفتہ محسوس کرتا۔ مسلسل کئی کئی دن تک اس کے دل و دماغ پر گہری اُداسی مسلط رہتی۔ پھر ...عالمِ تنہائی میں غائبانہ طور پر نظام شاہ کو مخاطب کر کے کہتا۔

''شیخ! میں وعدہ فراموش انسان نہیں ہوں۔ مجھے اپنا ایک ایک لفظ یاد ہے۔ میں بہت جلد آپ کے ...خواب کی تعبیر پیش کروں گا۔ مگر ذرا ان فتنوں پر قابو پا لوں، جو مجھے ہر وقت گھیرے رہتے ہیں۔'' اس ...غائبانہ گفتگو کے بعد محمود کو محسوس ہوتا کہ اس کے دل و دماغ سے ایک بارِ گراں اُتر گیا ہے۔

390ھ میں محمود کو مجبوراً ہرات سے سیستان کی جانب سفر کرنا پڑا۔ اس اچانک سفر کی وجہ وہ ہزاروں ...درخواستیں تھیں جو سیستان کے باشندوں نے والیٔ غزنی کی بارگاہ میں ارسال کی تھیں۔ اہلِ سیستان نے ...نہایت دردناک لہجے میں والیٔ غزنی کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا۔

''امیر! ظاہری اعتبار سے آپ اہلِ ایمان کی آخری امید ہیں۔ اگر آپ نے بروقت مداخلت نہیں کی ...تو سیستان کی زمین پر بسنے والے بہت سے کمزور مسلمان گمراہی کی منزل کی طرف چلے جائیں گے۔''

اس کے بعد اہلِ سیستان نے اپنے خطوط میں یہاں کے حاکم کے مظالم کی لرزہ خیز داستان رقم کی ...تھی۔ اس وقت صفاری خاندان کا آخری بادشاہ خلف بن احمد، سیستان کا حکمراں تھا اور سیستان کے ساتھ

مکران کا علاقہ بھی اس کے قبضے میں تھا۔ خلف بن احمد کا بیٹا اپنی بلند کرداری کے باعث یہاں کی رعایا میں بہت محبوب و مقبول تھا۔ پھر بیٹے کی یہی محبوبیت، جفا پیشہ باپ کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹکنے لگی۔ انجام کار خلف بن احمد نے اپنے جواں سال بیٹے کو بغاوت کا جھوٹا الزام لگا کر گرفتار کیا اور پھر نہایت سفاکانہ انداز میں قتل کر دیا۔ اہلِ سیستان نے خلف بن احمد کے مظالم کی تفصیلات لکھنے کے بعد یہ بھی تحریر کیا تھا کہ اس نے دینِ اسلام ترک کر کے قرامطہ کا مذہب اختیار کر لیا ہے۔ اور اب یہاں کے عوام کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ بھی اپنے حکمراں کا عقیدہ اختیار کر لیں۔"

خلف بن احمد کے دیگر مظالم اپنی جگہ لیکن محمود کی آتشِ غضب کو بھڑکانے کے لئے صرف یہ بات کافی تھی کہ وہ قرامطہ کا عقیدہ رکھتا ہے۔ والیٔ غزنی نے اپنے معتمد سرداروں سے مشورہ کیا اور اپنے تازہ دم جاں نثاروں کی فوج لے کر سیستان کی طرف بڑھا۔ خلف بن احمد کی رعایا ویسے ہی اس کے مظالم سے عاجز تھی اور فوج بھی بد دل نظر آ رہی تھی، اس لئے یہ معرکہ بہت مختصر ثابت ہوا۔ والیٔ سیستان نے میدانِ جنگ سے فرار ہونے کی کوشش کی مگر محمود کے عقاب صفت سپاہیوں نے اسے گرفتار کر کے اپنے امیر کے حضور حاضر کر دیا۔

محمود نے نہایت تحقیر آمیز نظروں سے خلف بن احمد کی طرف دیکھا اور آتشیں لہجے میں مخاطب ہوا۔

"اے حقیر کیڑے! کیا تُو اسی طاقت پر اہلِ ایمان کے عقائد بدلنے چلا تھا؟"

زنجیروں میں جکڑے ہوئے خلف بن احمد نے ندامت سے سر جھکا لیا۔

"ناشکرے! تجھ سے سونے اور چاندی کی روٹیاں ہضم نہیں ہوئیں اور تُو اپنے پیدا کرنے والے سے سرکشی اختیار کرنے لگا۔" محمود کی زبان سے نفرت و غضب کی آگ برس رہی تھی۔ "اب اس خارش زدہ کتے کی طرح زندگی بسر کر، جسے ہر دروازے سے دھتکار دیا جاتا ہے۔"

"سلطانِ ذی حشم! میں لاکھ گناہ گار سہی مگر آپ کے رحم و کرم کا دامن بہت وسیع ہے۔ میں اس امید کے ساتھ والیٔ غزنی کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ میری معصیت آمیز زندگی آپ کے دامنِ کرم کے کسی نہ کسی گوشے میں ضرور سما جائے گی۔" خلف بن احمد بڑی ریاکاری اور چرب زبانی سے کام لے رہا تھا۔

"سلطانِ والا! میں اپنے سابقہ عقائد سے تائب ہوتا ہوں اور یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ ایک صحیح العقیدہ مسلمان کی طرح زندگی بسر کروں گا۔"

محمود کے چہرے پر بھڑکنے والی نفرت و غضب کی آگ آہستہ آہستہ سرد ہونے لگی۔ پھر اہلِ دربار نے دیکھا کہ والیٔ غزنی کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک پیدا ہوئی اور خلافِ توقع اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اُبھر آئی۔ "میں تیری توبہ کو تو ہرگز تسلیم نہیں کروں گا کہ یہ حالتِ جبر کی توبہ ہے۔ مگر تیری زبان سے ادا ہونے والے ایک لفظ نے میری آتشِ غضب کو ٹھنڈا کر دیا۔ اور یہ بہت بڑی بات ہے۔" محمود شگفتہ لہجے میں بول رہا تھا۔ "پہلے میرا خیال تھا کہ تجھے بھی امیر جلال قرمطی کی طرح منہ کالا کر کے سیستان کی گلیوں میں پھراؤں اور پھر تیرا سر تن سے جدا کر کے تیری لاش کو گوشت خور پرندوں کی غذا بننے کے لئے کسی جنگل میں ڈال دوں۔ مگر اس لفظ نے میرا ارادہ بدل دیا۔ تجھے مبارک ہو خلف بن احمد! یہ نئی زندگی تجھے مبارک ہو۔" محمود نے بلند آواز میں کہا۔ "تُو بہت خوش نصیب ہے کہ میرے قہر سے بچ گیا۔"

پھر محمود والیٔ سیستان کو زنجیروں میں جکڑ کر غزنی لایا اور نظام شاہ کی قدم بوسی کو حاضر ہوا۔

"شیخ! میں نے اللہ کے فضل سے سیستان میں اُبھرنے والے اس مذہبی فتنے کو بھی کچل ڈالا۔" محمود نہایت پُرجوش لہجے میں اپنی معرکہ آرائیوں کی تفصیلات بیان کر رہا تھا۔

"فرزند! ابھی تمہاری منزل بہت دُور ہے۔" نظام شاہ نے والیٔ غزنی کو درازیٔ عمر اور بلند اقبالی کی دعائیں دیتے ہوئے کہا۔

محمود، نظام شاہ کا اشارہ سمجھ گیا تھا۔ "شیخ! میں جانتا ہوں۔" یہ کہتے کہتے والیٔ غزنی کے چہرے پر ندامت کا گہرا رنگ اُبھر آیا تھا۔ "مگر یہ داخلی فتنے مجھے دم نہیں لینے دیتے۔ ذرا ان سے فراغت حاصل ہو جائے۔ میں سومنات کو بھولا نہیں ہوں۔"

نظام شاہ یکایک بہت اُداس نظر آنے لگے تھے۔ "فرزند! تمہیں کیا خبر کہ تمہارا یہ بوڑھا شیخ روز و شب کس اذیت میں مبتلا رہتا ہے۔" نظام شاہ کے لہجے سے رقت جھلکنے لگی تھی۔ "ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کب سفیرِ اجل آ پہنچے اور دروازے پر دستک دے کر کہے، نظام شاہ! اُٹھ کہ تیری سانسوں کی مہلت ختم ہو گئی۔ بس ڈرتا ہی رہتا ہوں کہ اگر اپنے خواب کی تعبیر دیکھنے سے پہلے قبر میں اُتار دیا گیا تو پوری زندگی رائیگاں جائے گی۔ اپنے پیدا کرنے والے سے کیا کہوں گا کہ دنیا میں کیوں گیا تھا اور کیا کر کے واپس لوٹا ہوں۔" اب نظام شاہ کی آنکھیں بھی بہنے لگی تھیں۔

محمود بہت دیر تک اُداس بیٹھا رہا۔ پھر لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔ "شیخ! کہیں آپ میری نیت پر تو شبہ نہیں کر رہے ہیں؟ واللہ! میں جھوٹا اور بدعہد نہیں ہوں۔"

"نہیں فرزند! ہرگز نہیں۔" نظام شاہ بے قرار ہو کر بولے۔ "تم پر شبہ کرنا تو ایسا ہی ہے کہ جیسے میں نے اپنی ذات پر شک کیا۔ اللہ تمہیں ان مسائل سے نجات دے اور دشمنوں کے فتنہ و شر سے محفوظ رکھے۔"

❀❀❀❀❀

پھر کچھ دن بعد محمود نے ایک عظیم الشان تقریب کا اہتمام کیا۔ تمام امرائے سلطنت نے والیٔ غزنی کو شاہِ ترکستان سے نیا رشتہ قائم ہونے اور مسلسل کئی فتوحات حاصل کرنے پر دلی مبارکباد کے ساتھ قیمتی نذریں بھی پیش کیں۔ اس تقریب میں نگار خانم بھی شریک ہوئی۔ محمود اسے دیکھ کر بے قرار نظر آنے لگا۔ والیٔ غزنی کو محسوس ہوا کہ نگار خانم بھی اس سے کچھ کہنا چاہتی ہے مگر دوسری خواتین کی موجودگی میں وہ اپنے ہونٹوں کو جنبش نہیں دے سکتی۔ محمود نے اس صورتِ حال کا احساس کرتے ہوئے نذریں پیش کرنے والی تمام معزز مستورات کو رخصت کر دیا۔

"امیرِ معظم کا یہ اقدام مناسب نہیں تھا۔" یکایک نگار خانم کا چہرہ بجھ کر رہ گیا تھا۔

"کیوں؟" محمود نے چونک کر کہا۔

"غزنی کی یہ محترم خواتین میرے متعلق کیا سوچیں گی؟" نگار خانم کا لہجہ بہت شکستہ تھا۔ "امیرِ محترم اس روش سے اجتناب فرمائیے۔ کہیں آپ کا یہ التفات مجھے مجرم نہ بنا ڈالے۔"

"مجھے اپنی غلطی کا اعتراف ہے نگار خانم!" والیٔ غزنی بہت زیادہ شرمسار نظر آ رہا تھا۔ "سچ تو یہ ہے کہ تمہیں دیکھ کر میرے دل و دماغ قابو میں نہیں رہے۔"

"آپ لاکھوں انسانوں کے سردار ہیں۔" نگار خانم نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ ہی کے دل و دماغ توازن کھو بیٹھے تو پھر اس قوم کا کیا ہو گا جو اپنا حال و مستقبل آپ کے حوالے کر

چکی ہے۔"

"مجھے احساس ہے۔" محمود کی آواز میں شدید اضطراب شامل تھا۔

"اگر میری موجودگی آپ کو انتشار میں مبتلا کر دیتی ہے تو آئندہ کبھی قصرِ شاہی کا رخ اختیار نہیں کروں گی۔" اچانک نگار خانم کا لہجہ بدل گیا تھا۔ "میں تو امیرِ غزنی کو نئی فتوحات پر مبارکباد دینے آئی تھی۔"

"میں نے یہ شادی ایک شدید سیاسی ضرورت کے تحت کی ہے۔" اگرچہ نگار خانم کا مفہوم کچھ اور تھا لیکن محمود احساسِ جرم سے گھبرا کر بول اٹھا۔

"میں اس شادی سے بہت خوش ہوں۔" نگار خانم کے لہجے میں طنز کا شائبہ تک نہیں تھا۔ وہ انتہائی سادگی کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ "اب آپ صحیح سمت میں سفر کر رہے ہیں۔ بس اپنی سیاسی ضرورتوں کا خیال رکھئے۔ اگر آپ سیاسی اعتبار سے توانا ہوں گے تو قوم بھی مضبوط و خوش حال ہوگی۔" یہ کہہ کر نگار خانم واپس چلی گئی۔

محمود اُداس نظروں سے اس عورت کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا جو غزنی کی تمام خواتین سے مختلف تھی۔

پھر اس تقریب کے آخری دن محمود نے سلطنت کے امیروں، فوج کے سرداروں اور معززینِ شہر کی موجودگی میں اعلان کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے ذاتی طور پر لفظ "سلطان" بہت پسند ہے۔ آئندہ باشندگانِ غزنی اور اہلِ دربار پر لازم ہے کہ وہ میرے نام کے ساتھ یہی لفظ استعمال کریں۔" محمود کے لہجے میں عجیب سی سرشاری تھی جو اس سے پہلے محسوس نہیں کی گئی تھی۔

حاضرین کو پہلی بار احساس ہوا کہ امیرِ غزنی کا لہجہ یکسر بدل گیا ہے اور چہرے سے اس جلالِ شاہی کا اظہار ہونے لگا ہے، جس میں غرور و تمکنت کا رنگ بھی شامل ہے۔

محمود کے اس فرمان کے ساتھ ہی پورا دربار، سلطانِ ذی وقار، سلطانِ والا حشم، سلطانِ معظم اور سلطانِ ذیشان کی آوازوں سے گونجنے لگا۔ آوازیں وہی تھیں مگر ایک لفظ کی تبدیلی نے دربار کی فضا ہی بدل ڈالی تھی۔ محمود کچھ دیر تک کیف و سرور کے سے عالم میں آنکھیں بند کئے بیٹھا رہا۔ پھر جذبات سے مغلوب ہو کر تختِ زرنگار پر کھڑا ہو گیا اور ہاتھ اٹھا اٹھا کر درباریوں کے نعروں کا جواب دیتا رہا۔

محمود کے لئے سلطان کا لفظ سب سے پہلے والئ سیستان خلف بن احمد نے استعمال کیا تھا اور پھر اسی دن سے یہ لفظ اس کے نام کا حصہ بن چکا تھا۔ اب وہ امیر محمود کے بجائے "سلطان محمود غزنوی" تھا۔

✻✻✻✻✻

پھر اسی سال سیستان میں سونے کی ایک کان نمودار ہوئی، جو ظاہری اعتبار سے کسی درخت کے مانند تھی۔ ماہرین کا خیال تھا کہ اس کان میں محدود سطح تک سونا موجود ہوگا۔ مگر اسے جس قدر کھودا گیا، اسی قدر قیمتی دھات برآمد ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ کان کی گولائی تین گز تک پہنچ گئی۔ سلطان محمود نے یہ خبر سنی تو غزنی سے سیستان پہنچا اور سونے کا انبار دیکھ کر اپنے خالق کا شکر ادا کیا۔

"اللہ ہر شے پر قادر ہے اور بے حساب دینے والا ہے۔ وہ جسے جس طرح چاہے نوازے، اسے کوئی روکنے والا نہیں۔"

سونے کی کان دیکھ کر اہلِ سیستان نے کہا کہ یہ سلطان محمود کی نیک نیتی کا صلہ ہے۔ خلف بن احمد حکومت میں بھی یہی زمین تھی اور یہی سونا تھا مگر اس کی بدعقیدگی اور مظالم کے سبب زمین نے اس خزانے کو چھپا لیا۔ مگر جیسے ہی سلطان محمود آیا، اس خطۂ ارض نے اپنا تمام سونا اُگل دیا۔

ابھی محمود سیستان ہی میں تھا کہ اس کے چند جاسوس برق رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر غزنی سے سیستان پھر انہوں نے اپنے فرماں روا کے روبرو گردنیں خم کرتے ہوئے کہا۔

"سلطانِ عالی قدر! آپ کے ان نمک خواروں کی تازہ ترین اطلاع یہ ہے کہ راجہ جے پال اپنے لشکر کے ساتھ پشاور کی طرف بڑھ رہا ہے۔"

"کیا وہ نامراد ابھی تک زندہ ہے؟" سلطان محمود کسی شعلۂ سوزاں کے مانند بھڑک اُٹھا۔ "کیا جے پال ابھی تک شکست و رُسوائی کے اندھیروں میں غرق نہیں ہوا ہے؟" سلطان نے انتہائی قہرناک لہجے میں مخبروں سے پوچھا۔

"ہماری اطلاعات کے مطابق راجہ جے پال نہ صرف زندہ ہے بلکہ وہ سلطانِ والا سے اپنی شکست کا انتقام لینا چاہتا ہے۔" غزنی کے جاسوسوں نے بدستور جھکے ہوئے سروں کے ساتھ کہا۔

"شاید اس کا دمِ آخر قریب آپہنچا ہے۔" یہ کہہ کر محمود اسی وقت سیستان سے غزنی کی جانب روانہ ہو گیا۔

پھر غزنی پہنچ کر سلطان محمود، نظام شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ "شیخ! میں راجہ جے پال کی سرکوبی کے لئے ہندوستان کی طرف جا رہا ہوں۔" سلطان نے عاجزانہ لہجے میں کہا۔ "میں سمجھتا تھا، یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکا ہے مگر اس نے پوری شدت کے ساتھ دوبارہ سر اُبھارا ہے۔ مجھے اس نازک موقع پر اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا کہ میری سلطنت داخلی انتشار سے محفوظ رہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میرے پیچھے غزنی کے دشمن کوئی نیا محاذ نہ کھول دیں۔"

"بس اپنے اردے نیک اور بلند رکھو فرزند! اللہ تمہیں ہر محاذ پر فتح بخشے گا۔" نظام شاہ نے نہایت پُرسوز لہجے میں کہا۔ "تمہاری ذات کے سوا میری دعاؤں کا کوئی دوسرا مرکز نہیں۔ یہاں تک کہ میں اپنے آپ کو بھی بھول گیا ہوں۔"

سلطان محمود نے بڑی عقیدت سے نظام شاہ کے ہاتھوں کو بوسہ دینا چاہا مگر غزنی کے مردِ قلندر نے والئ غزنی کو اس کے ارادے سے باز رکھا۔ "تم اپنی ذات کو ان فروعات سے دُور رکھو کہ یہ شخصیت پرستی کی ابتدا ہے اور یہی شخصیت پرستی کبھی کبھی انسان کو ہلاک بھی کر ڈالتی ہے۔"

سلطان محمود بارگاہِ شیخ سے نئی تربیت اور نیا حوصلہ لے کر اُٹھا اور اپنے لشکرِ جرار کے ساتھ پشاور کی طرف بڑھنے لگا۔

✻✻✻✻✻

سلطان محمود نے یہ جنگی سفر شدید مجبوری کی حالت میں اختیار کیا تھا۔ والئ غزنی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ شکست خوردہ جے پال اس طرح اچانک پلٹ پڑے گا اور اُلجھی ہوئی سیاسی صورتِ حال سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرے گا۔ اس وقت سلطان محمود کی تمام تر توجہ بخارا، آذربائیجان اور فارس کے محاذوں پر مرکوز تھی۔ محمود دلی طور پر چاہتا تھا کہ وہ خلیفۂ بغداد قادر باللہ عباسی کو دیلمیوں کے اثرات سے

نجات دلائے۔ اس اشتراک و تعاون کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ خلیفۂ بغداد اس کا ہم عقیدہ تھا اور اس کے برعکس دیلمی اپنے عقائد کے اعتبار سے والیٔ غزنی کے بدترین دشمن تھے۔ محمود کا منصوبہ تھا کہ دیلمیوں کی زوال پذیر طاقت پر آخری بھرپور ضرب لگائے اور ان بدعقیدہ لوگوں کو ہمیشہ کے لئے خلافتِ بغداد کے انتظامی حلقوں سے خارج کر دے...... مگر برہمن حکمران راجہ جے پال کی اچانک یلغار نے محمود کے منصوبے کو درہم برہم کر کے رکھ دیا تھا۔

لمغان کے محاذ پر جے پال اور ہندوستان کی متحدہ افواج کی ذلت آمیز شکست کے بعد پورے ملک میں سنگھٹن (اتحاد) کی تحریک انتہائی زور و شور کے ساتھ شروع ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ بدھ مذہب کے عالموں اور ہندو پنڈتوں کے درمیان صدیوں سے ہونے والے مناظرے بھی ملتوی کر دیئے گئے تھے۔ یہ عجیب بات تھی کہ ہندوؤں کے ہزاروں فرقے جو سینکڑوں سال سے آپس میں دست و گریباں رہتے تھے، اپنے تمام اختلافات بھول کر سلطان محمود کو شکست دینے کے لئے ایک مرکز پر جمع ہو گئے تھے۔ امیر سبکتگین کی بے وقت موت نے راجہ جے پال کے حوصلوں کو نئی زندگی بخشی تھی۔ وہ محمود کو خراسان، بلخ، ہرات اور سیستان کے محاذوں پر اُلجھا ہوا دیکھتا رہا اور ہر گھڑی اس خبر کا متوقع رہا کہ یا تو والیٔ غزنی شکست کھا کر میدانِ کارزار میں مارا جائے گا یا پھر گزرتے وقت کے ساتھ اس کی فوجی طاقت کمزور سے کمزور تر ہوتی جائے گی۔ اپنے انہی خوابوں اور خواہشوں کے ہجوم میں راجہ جے پال بڑی خاموشی سے فوجی تیاریاں کرتا رہا۔

پنجاب جیسے وسیع و عریض اور زرخیز ترین علاقے کا حکمراں راجہ جے پال ہندوستان کے تمام راجاؤں میں سب سے زیادہ طاقتور فرماں روا تھا۔ اُسے دو بار امیر سبکتگین کے ہاتھوں شکست کھانے پر بڑی ندامت تھی۔ وہ اپنا کھویا ہوا وقار بحال کرنے کے لئے محمود کو شکست دے کر غزنی پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ جے پال کی نظر میں محمود نوعمر بھی تھا اور ناتجربہ کار بھی۔ دوسرے یہ کہ ملتِ اسلامیہ شدید اختلافات کا شکار تھی، جس کی وجہ سے والیٔ غزنی مختلف محاذوں پر بری طرح اُلجھا ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ راجہ جے پال نے اپنی دانست میں مناسب ترین وقت کا انتخاب کیا تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ اب کی بار محمود کو نہ صرف بدترین شکست سے دوچار کر دے گا بلکہ اپنے عزت و وقار کی بحالی کے ساتھ ساتھ اپنی مملکت کے رقبے میں بھی غیر معمولی اضافہ کر لے گا۔

الغرض انہی خوش فہمیوں اور خوابوں میں گھرا ہوا جے پال ڈیڑھ لاکھ سوار اور تین سو جنگی ہاتھی لے کر دریائے سندھ کو عبور کر گیا۔

دوسری طرف سلطان محمود محض دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ راجہ جے پال کی یلغار کو روکنے کے لئے برق رفتاری سے آگے بڑھ رہا تھا۔ پھر پشاور کے قریب دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے خیمہ زن ہو گئے۔ اس جنگ میں سردار امین الدین (بلرام سنگھ) بھی پورے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوا تھا۔

جب راستوں کا غبار چھٹ گیا اور درماندہ سپاہیوں نے دم لیا تو محمود کو راجہ جے پال کی عسکری قوت کا صحیح اندازہ ہوا۔ اعداد و شمار کے اعتبار سے دونوں لشکروں میں کوئی توازن ہی نہیں تھا۔ سلطان محمود نے اپنے فوجی سرداروں کی طرف دیکھا، جن کے چہروں سے دبی دبی گھبراہٹ اور پریشانی نمایاں تھی۔

"سلطانِ ذیشان! شاید ہماری جنگی منصوبہ بندی میں کوئی کمی رہ گئی ہے۔" کچھ فوجی سردار مبہم الفاظ

...انی قلتِ افواج کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔

اپنے سرداروں کے تھکے ہوئے لہجے اور اُترے ہوئے چہرے دیکھ کر محمود بھی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ والیٔ غزنی نے حقیقتِ حال کو پوری شدت سے محسوس کیا۔ دراصل اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ راجہ جے پال اتنے بڑے لشکر کے ساتھ اس پر حملہ آور ہو گا۔ والیٔ غزنی بہت دیر تک اپنے خیالات میں غرق بیٹھا رہا۔ اُس کے چہرے پر فکر و تردّد کے اُبھرتے ہوئے سائے سردارانِ قوم کو بتا رہے تھے کہ جے پال کی افرادی قوت دیکھ کر سلطان محمود کا ذہن اُلجھ گیا ہے۔

یکایک والیٔ غزنی کی حالت میں عجیب سا تغیر رونما ہوا۔ سلطان محمود نے نظام شاہ کی تیز سرگوشی سنی۔ ...ے مخاطب کر کے کہہ رہے تھے۔

"محمود! اگر تُو اللہ کے لئے جنگ کر رہا ہے تو بت پرستوں کی افرادی برتری کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ ...اگر تُو نے ہوسِ اقتدار میں شمشیر کھینچی ہے تو پھر اللہ بے نیاز ہے۔ وہ جسے چاہے سربلندی بخشے اور جسے ذلیل کر دے۔" محمود نے اپنے خیمے میں گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا مگر وہاں نظام شاہ کی موجودگی کا ...ئی پتا نہیں ہوتا تھا۔ والیٔ غزنی فوراً سمجھ گیا کہ یہ تائیدِ غیبی ہے اور اسے نظام شاہ کی آواز کے ذریعے ہدایت کی گئی ہے۔ پھر دوسرے ہی لمحے اس نے اپنی شمشیر بے نیام کی اور میدانِ جنگ میں چلا آیا۔

والیٔ غزنی نے اپنے سپاہیوں کے سامنے مختصر سی تقریر کی اور کئی بار نظام شاہ کے وہی الفاظ دہرائے جو ...نے سرگوشیوں میں سنے تھے۔ اپنے امیر کی تقریر سن کر مجاہدینِ اسلام کے چہروں پر خون دوڑنے لگا ...ایک زبان ہو کر بلند آوازوں میں کہنے لگے۔

"سلطانِ ذی وقار! ہم اللہ ہی کے لئے اپنے گھروں سے نکلے ہیں۔ اللہ ہی ہمارا کارساز و مشکل کشا اور اللہ ہی محافظ و نگہباں ہے اور اللہ ہی کے لئے ساری بڑائیاں ہیں اور تمام نصرتیں اللہ ہی کی طرف سے ہیں۔ ہم غرور و تکبر کی بات نہیں کرتے مگر سلطانِ والاحشم یقین رکھیں کہ راجہ جے پال کی آنکھیں ...پشت نہیں دیکھیں گی۔ اس جنگ کا نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو مگر دشمنوں کو بالآخر ہمارے سینے کے زخم ہی ...نے پڑیں گے۔"

یہ بڑا عجیب عہد تھا، جسے سن کر محمود پر سرشاری کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔

اور پھر اہلِ ایمان نے اپنے عہد اس طرح نبھائے کہ راجہ جے پال کی پانچ سالہ فوجی تیاریاں پانچ ...کے اندر خاک میں مل گئیں۔ مجاہدینِ اسلام کے سامنے اُس کے ڈیڑھ لاکھ فوجی کاغذ اور لکڑی کے ٹھہرے تھے اور مسلم تیراندازوں کے مقابل اس کے تین سو ہاتھی بھیڑ بکریاں قرار پائے تھے۔ جب ...ل راجپوت سپاہی کٹے ہوئے درختوں کی طرح زمین پر گر پڑے تو راجہ نے ایک بار پھر میدانِ جنگ ...رار ہونے کی کوشش کی مگر محمود کے جانثاروں نے برہمن حکمراں کی اس کوشش کو ناکام بنا دیا اور انجام ...جے پال کو اس کے پندرہ سرداروں کے ساتھ گرفتار کر کے والیٔ غزنی کے روبرو پیش کر دیا گیا۔

محمود راجہ جے پال کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھ کر بہت خوش تھا کہ آج ہندوستان کا سب سے بڑا بت توڑ دیا گیا تھا۔

❋❋❋❋❋

برہمن حکمراں کی باقی فوج اور اس کا بیٹا آنند پال فرار ہو کر لاہور کی طرف بھاگ گیا مگر محمود، جے

پال کو لے کر غزنی پہنچا اور دربارِ عام آراستہ کیا۔

"سردار امین الدین! تمہاری بیوی اور بچی کا قاتل حاضر ہے۔" سلطان محمود نے سپہ سالار بلرام سنگھ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ اب تم جے پال کے ساتھ جو چاہو، سلوک کرو۔"

"سردار امین الدین (بلرام سنگھ) اپنی نشست سے اٹھا اور ایک عجیب شانِ مردانگی کے ساتھ چلتا ہوا والیٔ غزنی کے تخت کے قریب جا کر ٹھہر گیا۔

"میں سلطانِ معظم کی بلند کرداری کو سلام کرتا ہوں کہ میں نے اپنی پوری زندگی میں ان سے زیادہ اپنے وعدے کا لحاظ رکھنے والا کوئی دوسرا حکمران نہیں دیکھا۔" سردار امین الدین انتہائی پُر جوش اور جذباتی لہجے میں بول رہا تھا۔ "میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ میں سرِ میدان جے پال کا مقابلہ کرتا اور اس کے خون سے اپنے نا آسودہ جذبوں کی پیاس بجھاتا۔ مگر قسمت نے میرے حق میں فیصلہ صادر نہیں کیا۔ بے شک! سلطانِ محترم کی نوازشوں کے طفیل میرا بدترین دشمن میری تلوار کی زد پر ہے۔ مگر اپنی فطرت کو کیا کروں کہ اتنے کمزور انسان پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔" یہ کہتے کہتے سردار امین الدین کی آنکھوں سے آنسوؤں کی نمی جھلکنے لگی۔ "میں اپنی بے گناہ بیوی اور معصوم بچی کا قتل معاف کرتا ہوں۔ اب راجہ جے پال سلطنتِ غزنی کا مجرم ہے، سلطانِ والا اس کے ساتھ جو چاہیں سلوک کریں۔"

اتنا کہہ کر سردار امین الدین اُلٹے قدموں چلتا ہوا اپنی نشست پر جا کر دوبارہ بیٹھ گیا۔

کچھ دیر تک دربار پر گہرا سکوت طاری رہا۔ پھر محمود نے سلطانی نقیب کو اشارہ کیا۔ نقیب نے باآواز بلند راجہ جے پال کی بدعہدی اور اسلام دشمنی کی تفصیلات بیان کیں۔

پھر نقیب خاموش ہوا تو سلطان محمود انتہائی غضب ناک لہجے میں راجہ جے پال سے مخاطب ہوا۔

"اپنی بدعہدیوں اور عیاریوں کو یاد کر! اور پھر بتا کہ مسلمانوں کا یہ امیر تیرے ساتھ کیا سلوک کرے؟"

حالتِ اسیری میں راجہ جے پال کا سارا برہمنی غرور ریت کے ذرّوں کی طرح بکھر گیا تھا۔ "میں اپنی تمام گزشتہ خطاؤں پر بہت نادم ہوں اے سمراٹوں کے سمراٹ!" جے پال کا لہجہ خوشامدانہ تھا اور آواز موت کے خوف سے لرز رہی تھی۔ "ایک بار اور مجھے معاف کر دیا جائے۔ میں اپنی آخری سانس تک سلطان کا وفادار رہوں گا۔ پنجاب کو غزنی کا ایک صوبہ سمجھ کر حضورِ والا کی طرف سے حکمرانی کے فرائض انجام دوں گا اور پابندی کے ساتھ ہر سال خراج کی مقررہ رقم ادا کرتا رہوں گا۔"

محمود کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ پھر اس نے وزیرِ سلطنت کو حکم دیا کہ وہ کاغذ، قلم اور دوات فراہم کرے۔ پھر جب یہ تینوں چیزیں مہیا ہو گئیں تو والیٔ غزنی، جے پال سے مخاطب ہوا۔

"اس کاغذ پر تحریر کر، میں دنیا کا حقیر ترین انسان ہوں اور میری ناکام و نامراد زندگی کو سلطان کی بارگاہِ کرم کے سوا کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ اور یہ بھی لکھ کہ مسلمانوں سے زیادہ روادار، حوصلہ مند، اعلیٰ ظرف اور دشمنوں کو معاف کرنے والی قوم اس زمین پر کبھی نہیں آئی۔"

راجہ جے پال کو ہر حال میں زندگی پیاری تھی۔ اس لئے ذلت آمیز عبارت تحریر کرنے پر مجبور ہو گیا۔

پھر محمود نے اپنے ایک جلاد کو حکم دیا کہ وہ جلتے ہوئے فولاد سے جے پال کی پیشانی داغ دے تاکہ اس کے اہلِ قوم اسے دیکھیں تو بے ساختہ پکار اُٹھیں کہ "وہ آ رہا ہے سلطان محمود غزنوی کا غلام۔"

جے پال نے گداگرانہ لہجے میں التجا کی کہ اُس کی سزا موقوف کر دی جائے۔ مگر والیٔ غزنی نے بڑی حقارت سے برہمن حکمراں کی یہ درخواست مسترد کر دی۔ اور کچھ دیر بعد دربار میں جے پال کی دردناک چیخیں گونجنے لگیں۔ پھر برہمن حکمراں داغدار پیشانی اور غلامی کا طوق لے کر لاہور پہنچا۔ جے پال کا بیٹا انند پال، باپ کی واپسی پر بہت خوش تھا۔ خود جے پال بھی اپنی جان بچ جانے پر بے پناہ مسرت کا اظہار کر رہا تھا۔ مگر اچانک اُسے ایک نئی مصیبت نے گھیر لیا۔

ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق جو ہندو راجہ، مسلمانوں سے شکست کھا جائے یا ان کی قید میں رہا ہو، وہ اس قابل نہیں رہتا کہ لوگوں پر حکومت کر سکے۔ یہ ایک ایسا گناہ ہے کہ جس کو آگ کے سوا کوئی دوسری شے ختم نہیں کر سکتی۔ جے پال چونکہ محمود سے دو بار شکست کھا چکا تھا، اس لئے آگ کی سزا اُس کا مقدر بن گئی تھی۔

وہ بڑے عجیب لمحات تھے، جب برہمنوں کا بے رحم قانون اپنے آتشیں ہاتھ کھولے ہوئے ایک بوڑھے برہمن کی طرف بڑھ رہا تھا۔

راجہ جے پال ایک ناقابلِ بیان عذاب میں مبتلا تھا۔ اگرچہ سلطان محمود غزنوی نے آخری حد تک ذلیل و رُسوا کرنے کے بعد اُس کی جان بخش دی تھی۔ لیکن برہمن حکمراں اس معافی کو بھی اپنے سیاسی تدبر اور شاطرانہ چالوں کا نتیجہ سمجھ رہا تھا۔ والیٔ غزنی کے سلسلے میں جے پال کا عیار ذہن پھر کوئی حیلہ تراشنے والا تھا۔ مگر برہمنوں کے بنائے ہوئے قانون نے اسے جکڑ لیا۔ وہ سلطان محمود غزنوی کے دربار میں انتہائی ذلت آمیز معافی نامہ تحریر کرنے اور پیشانیٔ اقتدار پر غلامی کی مُہر سجانے کے باوجود خوش خوش اپنے وطن واپس لوٹا تھا۔

مگر ابھی جے پال نے سکون و اطمینان کی چند سانسیں بھی نہیں لی تھیں کہ ریاست کے راجپوت سردار صدیوں پرانے ہندو قانون کی ایک خاص شق کے بارے میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ اور پھر پنجاب کے حکمراں جے پال کو کھلے لفظوں میں بتا دیا گیا کہ دردناک موت اس کا انتظار کر رہی تھی۔

اپنی ہی قوم کے بنائے ہوئے قانون کا حوالہ سن کر جے پال کی نیندیں اُڑ گئیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تقدیر اس کے ساتھ ایسا عجیب کھیل کھیلے گی۔ جب شکست خوردہ حکمراں کو عذاب کے اس دائرے سے نکلنے کی کوئی تدبیر نظر نہیں آئی تو اس نے اپنی سلطنت کے چند بڑے پجاریوں کو خلوت میں طلب کیا اور پھر ان بوڑھے برہمنوں سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

"تم لوگ خوب جانتے ہو کہ میں نے تمہیں اور دوسرے برہمنوں کو اپنے دورِ حکومت میں کس قدر آسائشیں بہم پہنچائی ہیں۔"

عمر رسیدہ پجاریوں نے اثبات میں سروں کو جنبش دی اور سوالیہ نظروں سے اپنے فرمانروا کی طرف دیکھا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم ہندو دھرم کے سب سے بڑے گیانی ہو۔" راجہ جے پال نے مصلحتاً خوشامدانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "کل تک میں نے اپنے بھرپور وسائل کے ساتھ دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے تمہاری خدمت کی مگر آج انتہائی مجبوری کی حالت میں تم سے اپنی انہی خدمات کا صلہ مانگتا ہوں۔"

"مہاراج! آپ حکم دیں۔" برہمن پجاریوں نے بیک زبان کہا۔ "ہم تردھن لوگ آپ کی کیا سیوا کر

سکتے ہیں؟''

''میں تم سے دھن دولت نہیں مانگ رہا ہوں۔'' راجہ جے پال سمجھ رہا تھا کہ برہمن پجاری اس کی مشکل آسان کر دیں گے۔ اس لئے پُر اُمید لہجے میں کہنے لگا۔ ''میں تم سے تمہارے گیان کا سوال کرتا ہوں کہ اب تمہاری عقل ہی مجھے آگ کے عذاب سے بچا سکتی ہے۔ تم تو ہندوستان کے سب سے بڑے وِدوان (عالم) ہو۔ یقیناً تمہارے ذہن میں ایسا کوئی نکتہ محفوظ ہو گا، جو مجھے بھڑکتے ہوئے شعلوں سے نجات دلا سکتا ہے۔'' راجہ جے پال کسی بھکاری کی طرح برہمنوں سے اپنی زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔

پجاریوں نے بڑی حیرت سے جے پال کی طرف دیکھا۔ اب برہمنوں کی سمجھ میں آیا کہ یہ مغرور اور بد دماغ راجہ ان سے اس قدر گداگرانہ لہجے میں کیوں بات کر رہا ہے؟

''سمراٹ! ہم اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتے۔'' تمام پجاریوں نے اپنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔ ''یہ قانون تو آکاش پر بنایا گیا تھا۔ ہم دھرتی والے اسے کس طرح بدل سکتے ہیں؟'' برہمنوں نے کھلے لفظوں میں اپنی مجبوریوں کا اظہار کر دیا تھا۔

''پھر بھی، میرے بچاؤ کا کوئی راستہ نکالو۔'' راجہ جے پال نے پجاریوں کے پاؤں پکڑ لئے تھے۔ ''برہمن سب کچھ کر سکتا ہے۔ دیوتاؤں کا اس سے اٹوٹ رشتہ ہے۔ وہ بھگوان کے فیصلوں کو بھی بدل سکتا ہے۔''

''نہیں مہاراج! یہ کہہ کر ہمیں گناہ گار نہ کیجئے۔'' برہمنوں نے بھی ہواؤں کا رخ دیکھتے ہوئے اپنی گردنیں جھکا دی تھیں۔ پجاری جانتے تھے کہ اب جے پال کو آگ کے عذاب سے نجات نہیں مل سکتی۔ پھر بھی وہ کوئی جارحانہ بات کہہ کر اس حکمراں خاندان سے کسی قسم کی دشمنی مول نہیں لینا چاہتے تھے۔ اس وقت سیاست کے دو گروہوں میں عیاری اور دنیاداری کا مقابلہ ہو رہا تھا۔ اور برہمن پجاری بہرحال راجہ جے پال سے بڑے سیاست داں تھے۔ ''سمراٹ! گیتا یا ویدوں کا کوئی اشلوک ہوتا تو ہم اپنی عقل کی طاقت سے اس کا مفہوم بدلنے کی کوشش کرتے، بات کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتے۔ مگر یہ تو ایک کھلا ہوا عقیدہ ہے، ہم اسے کیسے بدل ڈالیں؟ نہیں مہاراج! یہ پاپ ہم سے نہیں ہو گا۔ اور اگر ہم آپ کی خاطر یہ اپرادھ (جرم) کر بھی لیں تو دوسرے برہمن ہمیں نہیں چھوڑیں گے۔'' پجاری ایک ناقابلِ تنسیخ دلیل پیش کر رہے تھے۔ ''اس قانون سے تو پوری پرجا واقف ہے، ہم کس کس کو سمجھائیں گے اور ہماری کون سنے گا؟''

راجہ جے پال نے پجاریوں کو قیمتی زرو جواہر کی پیشکش بھی کی مگر وہ انکار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ پنجاب کے حکمراں نے غصے میں آ کر برہمن گیانیوں کو اپنے خلوت کدے سے نکال دیا۔ اور ایک بار پھر خود ہی اس مسئلے کا حل ڈھونڈنے لگا۔

راجہ جے پال نے اپنے اعصاب کو پُرسکون رکھنے کے لئے ساری رات شراب پی۔ اور قانون شکنی کے مختلف طریقوں پر غور کرتا رہا کہ کاش میں مسلمان ہو جاتا اور اس طرح اس کی زندگی بھی آگ کے عذاب سے محفوظ رہتی۔ مگر پھر تھوڑی دیر بعد ہی اپنے ذہن سے ان پریشان خیالات کو جھٹک دیتا اور بڑبڑانے لگتا۔

''اقتدار کے بغیر بھی کیا زندگی؟''

پھر جب وحشتِ دل حد سے بڑھی تو جے پال اپنے ولی عہدِ سلطنت انند پال کو مخاطب کر کے ...وں میں کہنے لگا۔ ''بیٹے! تم ہی اپنے باپ کی مکتی کے لئے کوئی راستہ نکالو۔'' انند پال بظاہر بہت غم ... نظر آ رہا تھا۔ مگر اُس کی دلی خواہش یہی تھی کہ جے پال جلد از جلد پرلوک (دوسری دنیا) سدھارے ... وہ خود دولت و اقتدار کی بھرپور لذت حاصل کر سکے۔ شوقِ حکمرانی بھی کیا شے ہے کہ بیٹا، باپ کی ...ت کی دعائیں کر رہا تھا۔

''مہا جی! آپ کا یہ داس آکاش کی نیتی کو کیسے بدل سکتا ہے؟'' انند پال بڑے عیارانہ لہجے میں بول ... تھا۔ ''اب بس کا ایک ہی اپائے ہے کہ میں آپ کی جگہ اس دہکتی ہوئی اگنی میں جل جاؤں۔'' انند پال ... انتہائی جاں نثاری کا مظاہرہ کیا تھا لیکن اس پر یہ حقیقت خوب روشن تھی کہ ہندو دھرم کے محافظ اُس ... اس بلیدان (قربانی) کو ہرگز سویکار (قبول) نہیں کریں گے۔

''نہیں میرے بیٹے! یہ ممکن نہیں ہے۔ تم سدا سکھی رہو۔ میرا کیا ہے، مجھے تو ایک دن اس سنسار سے ... ہی پڑے گا۔'' اگرچہ راجہ جے پال اپنے بیٹے کو درازیٔ عمر کی دعائیں دے رہا تھا لیکن اس کے دل کی ...ائیوں میں یہی ایک تمنا کروٹیں لے رہی تھی کہ کاش! ایسا ہوتا اور ہندوؤں کا قانون اس کے بجائے ...پال کی قربانی کو تسلیم کر لیتا۔

پھر جے پال کے لئے فرار اور نجات کے تمام راستے بند ہو گئے اور برہمن پجاریوں کے حکم پر ایک ...ے میدان میں ہزاروں من لکڑیاں جمع کر کے آگ لگا دی گئی۔ قانون کے مطابق اس آگ کو تین دن ... مسلسل بھڑکنا تھا اور پھر چوتھے دن راجہ جے پال کو اس کی خوراک بن جانا تھا۔

✻✻✻✻✻

برہمن حکمراں پر اس کی زندگی کی آخری رات بہت گراں گزری تھی۔ وہ اپنے تنہا کمرے میں ...سودہ جذبوں اور پیاسی تمناؤں کا ماتم کر رہا تھا۔

''ہائے لذت و نشاط میں ڈوبی ہوئی یہ پُرخمار زندگی...... یہ مرصع تخت، یہ تاجِ زرنگار، یہ دست بستہ ...موں کی لمبی قطاریں، یہ صف بہ صف ہزاروں سپاہی، یہ زرق برق لباس، یہ نوادرات کے ذخیرے، یہ ...زر کے انبار...... کیا سب کچھ فنا ہو جائے گا؟''

راجہ جے پال نے خود کلامی کے انداز میں کہا...... ''نہیں! کچھ بھی فنا نہیں ہو گا۔ موت کو بس تیری ...رت ہے جے پال!'' برہمن حکمراں خود ہی اپنے سوال کا جواب دے رہا تھا۔ ''یہ بے وفا دنیا یونہی ...ہے گی۔ یہی نشاط خیز ہنگامے ہوں گے...... یہی لذت آمیز تماشے ہوں گے...... بس ایک تُو نہیں ہو گا، ...پال!'' پنجاب کے فرمانروا نے ایک آہِ سرد کھینچی۔ اُسے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا اور پھر اس کی ...کھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ''افسوس! آئے تھے دنیا میں اس کے لئے۔ کوئی ایسے بھی دنیا سے رخصت ...ہے؟'' یکایک جے پال چیخنے لگا۔ ''اے ایشور! تُو نے یہ کیا کر دیا؟ میں تو اس زمین پر تیرا پیغام لے ...آیا تھا؟ کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ میں تیرے اس پیغام کو لے کر بستی بستی پھرا، گھر گھر پہنچا۔ تجھے ...انوں میں سب سے اونچے مقام پر بٹھایا...... اور پھر تُو نے مجھ ہی کو اتنی پستیوں میں اُتار دیا؟ برہما کی ...معزز و محترم اولاد کے ساتھ یہ سلوک؟ بھگوان! تُو نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ ایک پجاری اور ...ک کی خدمات کا اتنا بھیانک صلہ؟'' راجہ جے پال کو اپنے مظالم یاد نہیں تھے، بس وہ بھگوان اور

دیوتاؤں کی بے رحمی کی شکایت کر رہا تھا اور دیوانگی کے عالم میں دیواروں سے سر ٹکرا رہا تھا۔

پھر جب وحشت کا یہ دورہ کچھ کم ہوا تو اچانک راجہ جے پال کے ذہن میں ایک خیال برق تپاں کی طرح لہرایا۔ اور برہمن حکمراں اپنی مخصوص نشست گاہ سے نکل کر اس خفیہ عشرت کدے میں پہنچا جہاں کیف و نشاط کے تمام اسباب جمع تھے اور اسی عشرت کدے کے سب سے زیادہ آراستہ کمرے میں گزشتہ تیس سال سے سمترا (ارمغانہ شیرازی) عیش و عشرت کی بھرپور زندگی گزار رہی تھی۔ امیر سبکتگین سے بار شکست کھانے کے بعد سمترا نے کوشش کی تھی کہ کسی طرح وہ جے پال کی مملکت سے نکل کر کہیں اور جائے۔ وہ بدکار عورت ہر قیمت پر امیر سبکتگین سے انتقام لینا چاہتی تھی...... مگر جب اسے اندازہ ہو گیا جے پال اُس کے خواب شرمندۂ تعبیر نہ کر سکے گا تو کسی دوسرے طاقتور حکمراں کا دامن تھام لینے کی تدبیریں کرنے لگی۔ مگر جے پال ایک عیار حکمراں تھا۔ اس نے بڑی رازداری کے ساتھ سمترا (ارمغانہ) کو اپنی داشتہ بنا کر رکھ لیا۔ جبکہ سمترا، جے پال سے مطالبہ کرنے لگی کہ وہ اسے رعایا کے سامنے نہ صرف اپنی قانونی بیوی کا درجہ دے بلکہ مہارانی کا اعزاز بھی بخشے۔ لیکن جے پال ہر بار یہی کہتا رہا کہ جب تک وہ محمود کو شکست دے کر اپنا کھویا ہوا وقار حاصل نہیں کر لے گا۔ اس وقت تک سمترا کی اس خواہش کی تکمیل ممکن نہیں تھی۔ سمترا انتہائی حالتِ جبر میں اپنی زندگی کے دن گزارنے لگی۔ مگر دل ہی دل میں جے پال کی موت کی دعائیں بھی مانگتی رہی۔ پھر جب راجہ جے پال نے کئی سال کی جنگی تیاریوں کے بعد محمود پر حملہ کیا تو سمترا کی خوبصورت آنکھوں میں وہی خواب دوبارہ روشن ہو گیا۔ ”سبکتگین نہ سہی، اُس کا بیٹا سہی۔ میں محمود کے خون سے ہی اپنی پیاس بجھا لوں گی۔“ سمترا نے بڑے ناز و انداز اور پُرجوش جذبوں کے ساتھ جے پال کو محاذِ جنگ کی طرف روانہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ مگر اس بار بھی سمترا کا خواب ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا۔ پھر جب ہندوؤں کے مذہبی قانون نے جے پال کے لئے آگ کی سزا تجویز کی تو سمترا نے چین کا گہرا سانس لیا۔ اب اسے یقین تھا کہ وہ جے پال کی طویل قید سے رہائی حاصل کر کے کسی دوسرے طاقتور حکمراں کا انتخاب کر کے اسے محمود کے خلاف بھڑکائے گی۔ اگرچہ سمترا کی عمر پچاس سے زیادہ ہو چکی تھی لیکن حیرت انگیز طور پر وہ اب بھی جوان نظر آتی تھی۔

سمترا اور آزادی کے درمیان صرف ایک رات کا وقفہ حائل تھا۔ وہ مستقبل کی منصوبہ بندی میں کھوئی ہوئی تھی کہ اچانک راجہ جے پال خلوت کدے میں داخل ہوا۔ برہمن حکمراں کے چہرے سے وحشت برس رہی تھی۔ سمترا نے بڑے ناگوار انداز میں شوہر کی طرف دیکھا۔ جے پال کی آمد نے اس کے خوابوں کا تسلسل توڑ دیا تھا۔

”سمترا! کیا تجھے نہیں معلوم ہوا کہ تیرا پران ناتھ (جان کا مالک) کل دنیا سے رخصت ہو رہا ہے؟“ راجہ جے پال نے انتہائی تلخ لہجے میں کہا۔

”معلوم ہے سمراٹ!“ سمترا نے مصنوعی طور پر اپنے لہجے کو غمگین بنانے کی کوشش کی۔ ”مگر ایک کمزور عورت اس ہونی کو کیسے ٹال سکتی ہے؟“

”تُو میری موت کے غم میں اپنا گریبان تو چاک کر سکتی تھی۔“ جے پال نے سمترا (ارمغانہ) کی بات کو جھٹلاتے ہوئے کہا۔ ”تجھے پتہ نہیں کہ کل کا سورج طلوع ہوتے ہی تُو ایک مصیبت زدہ بیوہ بن جائے گی۔“

”میں کیا کر سکتی ہوں سمراٹ؟ میری تقدیر میں یہی لکھا تھا۔“ سمترا نے بڑی عیاری کے ساتھ اپنے چہرے پر بے چارگی کی کیفیت طاری کرتے ہوئے کہا۔

”تُو جھوٹ بولتی ہے سمترا! تجھے میری موت کا کوئی غم نہیں ہے۔“ جے پال سمترا کی کسی بہانہ سازی کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ”تیرا چہرہ بتا رہا ہے کہ تُو نے میری شکست کے بعد اپنی آنکھوں میں نئے خواب سجا لئے ہیں۔“

”نہیں سمراٹ! یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔“ سمترا نے برہمن حکمراں کے تیور پہچان لئے تھے۔ اس لئے خوشامدانہ لہجے میں بول رہی تھی۔ ”اس زمین پر مجھ سے زیادہ بدنصیب عورت کون ہو گی کہ رات گزرتے ہی اس کا سہاگ چھین لیا جائے گا اور پھر آخری سانس تک وقت کی دی ہوئی ٹھوکریں اور رسوائیاں ہی اس کا مقدر ہوں گی۔“

”مگر یہ سب کچھ اس وقت ہو گا، جب تُو زندہ رہے گی۔“ اچانک راجہ جے پال مسکرانے لگا لیکن اُس کی یہ مسکراہٹ بڑی سفاکانہ تھی جیسے کوئی درندہ اپنے شکار کو قریب پا کر آسودگی کا مظاہرہ کر رہا ہو۔

”آپ کیا کہنا چاہتے ہیں سمراٹ؟“ سمترا اپنے شوہر کی باتوں کا مفہوم سمجھ کر لرزنے لگی۔

”میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ کل تجھے بھی میرے ساتھ اس دنیا سے جانا پڑے گا۔“ یہ کہہ کر جے پال اپنے بستر پر دراز ہو گیا اور سمترا کو حکم دیا کہ وہ اس کے لئے شراب نوشی کا اہتمام کرے۔ ”یہ میری زندگی کی آخری رات ہے اور میں اس رات کو اس قدر نشاط خیز بنانا چاہتا ہوں کہ پھر سینۂ سوزاں میں کوئی حسرت باقی نہ رہے۔“

سمترا بہت دیر تک روتی چیختی رہی۔ مگر اُس کی فریادیں سننے والا کوئی نہیں تھا۔ آخر اسے ایک فرمانروا کے حکم پر عمل کرنا پڑا کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ جے پال شراب پیتا رہا اور سمترا اُس کے قدموں سے لپٹی اپنی زندگی کی بھیک مانگتی رہی۔

جب شراب کے اثر سے جے پال کے اعصاب کسی قدر پُرسکون ہوئے تو اُس نے خمار آلود نظروں سے اُس عورت کی طرف دیکھا، جو رازداں حلقوں کی نظر میں برہمن حکمراں کی داشتہ تھی۔ اور مندر کے پجاری کی نگاہ میں بیوی کہ وہی ایک تنہا انسان اس کی شادی کا گواہ تھا۔

”سمترا!...... میں اپنی...... عادت سے مجبور ہوں۔“ راجہ جے پال نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ”میں تجھے اپنے بعد کسی دوسرے کے عشرت کدے کی زینت بننے کے لئے نہیں چھوڑوں گا۔“

سمترا نے اپنی محبت کا واسطہ دیا تو راجہ جے پال اور بھی بے رحم نظر آنے لگا۔ ”میں تو یہی چاہتا ہوں کہ تُو ساری دنیا کے سامنے اپنی محبت کا ثبوت پیش کرے۔“

”یہ میری محبت ہی تو ہے کہ میں نے آپ کی خاطر اپنی پوری زندگی کسی مجرم کی طرح ایک گوشۂ گمنامی میں گزار دی۔“ سمترا نے پُرجوش لہجے میں اپنی وفا کی دلیل پیش کی۔ مگر پھر بھی اُسے یقین نہیں تھا کہ جے پال اس دلیل سے مطمئن ہو جائے گا۔

”یہ محبت نہیں، محض ایک تجارت تھی۔“ جے پال بڑے بے رحمانہ انداز میں مسکرایا۔ ”جب غزنی کے بازار میں تیری کوئی مانگ نہیں رہی تو پھر تُو پنجاب کے بازار میں چلی آئی۔“ برہمن حکمراں انتہائی درندگی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ ”تجھے خوب معلوم تھا کہ اس علاقے کے سب سے بڑے تاجر ہم ہیں۔ پھر تُو نے اپنی

قیمت بتائی اور ہم نے سب سے بڑی بولی لگا کر تجھے خرید لیا۔ بس اس سے زیادہ تیری کوئی حیثیت نہیں۔"

"اور یہ شادی؟" سمترا پاگلوں کی طرح جے پال کا منہ دیکھنے لگی۔

"یہ ناٹک تو تجھے مطمئن کرنے کے لئے رچایا گیا تھا۔" جے پال نے وحشیانہ انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "یہ شادی تو صرف اس لئے کی گئی تھی کہ تیرا مذہب بدل کر تجھے اپنے دیوتاؤں کے آگے جھکا دوں۔ میں اپنے مقصد میں کامیاب رہا۔" جے پال اپنے آخری وقت میں سمترا کے سامنے بے نقاب ہو رہا تھا۔ "یہ میرا سب سے بڑا کارنامہ ہے کہ میں نے ایک مسلمان عورت کو ہندو دھرم اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ پرلوک (دوسری دنیا) میں جب میرا یہ کارنامہ پیش کیا جائے گا تو بھگوان خوش ہو کر میرے سارے گناہ معاف کر دیں گے اور مجھے مکتی حاصل ہو جائے گی۔"

"مگر میں تو کبھی مسلمان نہیں رہی۔" سمترا نے ایک اور دلیل پیش کی کہ شاید اس طرح اسے آگ کے عذاب سے چھٹکارا مل جائے۔ "میں تو روزِ اوّل سے آگ کی پجاری ہوں اور آج بھی بھڑکتے ہوئے شعلوں کی پرستش کرتی ہوں۔"

راجہ جے پال، سمترا کی اس دلیل پر چونک اُٹھا مگر فوراً ہی اپنی خفت مٹانے کے لئے بولا۔ "اس سے کیا ہوتا ہے؟ تُو مسلمانوں کے دیس سے آئی تھی۔ تیرا نام تو مسلمانوں جیسا تھا۔ بھگوان سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ وہ ہر حال میں میرے اس عمل کو قبول کر لیں گے اور مجھے سارے عذابوں سے نجات دے دیں گے۔"

سمترا کی کوئی دلیل کوئی منت کام نہیں آئی۔ وہ ساری رات جے پال کے سامنے گریہ وزاری کرتی رہی اور برہمن حکمراں، سمترا کی جانگداز فریادوں سے بے نیاز ہو کر شراب پیتا رہا۔

صبح ہوتے ہوتے موت کے خوف نے سمترا کو نیم جاں بنا دیا تھا۔

اپنے اعمال کی سزا پانے سے پہلے جے پال نے غسل کیا اور پھر گیتا کے اشلوک پڑھتا ہوا آگ کے حصار کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے سپاہی سمترا اور اس کے بوڑھے باپ اسد شیرازی کو بھی کھینچتے ہوئے لئے جا رہے تھے۔ وہ دونوں منافق و مرتد آگ کے حصار کے قریب کھڑے ہوئے ہزاروں مقامی باشندوں کو دیکھ کر چیخ رہے تھے۔

"بھگوان کے لئے ہمیں بچا لو۔ ہم سمراٹ کے قہر سے پناہ مانگتے ہیں۔"

راجہ جے پال کا بیٹا انند پال اور ریاست کے دوسرے منتری حیرت سے اسد شیرازی اور اس کی بیٹی ارمغانہ کو دیکھ رہے تھے۔ ولی عہدِ سلطنت اور کچھ وزیر اس راز سے تو واقف تھے کہ یہ باپ بیٹی اپنا مذہب ترک کر کے ہندو دھرم اختیار کر چکے ہیں مگر کوئی بھی شخص ان کی گریہ وزاری کا سبب نہیں جانتا تھا اور کسی کو یہ بھی خبر نہیں تھی کہ ان دونوں کو آگ کی طرف کھینچ کر کیوں لایا جا رہا ہے؟

آتشیں حصار کے نزدیک پہنچ کر جے پال ٹھہر گیا اور تین دن سے بھڑکی ہوئی آگ کے ان سرخ شعلوں کو دیکھنے لگا، جو کسی زہریلے ناگ کی زبان کی طرح اس کی طرف لپک رہے تھے۔ موت کے خوف سے جے پال کا دل ڈوب رہا تھا، چہرہ دھواں ہو گیا تھا اور پاؤں لرز رہے تھے...... مگر اسے ہزاروں تماشائیوں کی موجودگی کا احساس کر کے فوراً ہی سنبھل جانا پڑا۔ جے پال رعایا کے سامنے شرم ناک بزدلی کا مظاہرہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔

برہمن حکمراں نے آگ میں کودنے سے پہلے اپنے بیٹے اور ولی عہدِ سلطنت انند پال کو قریب بلایا۔ پھر سرگوشی کے انداز میں مختلف وصیتیں کرنے لگا۔

اگرچہ انند پال کو حکومت ملنے کی بے اندازہ خوشی تھی، لیکن مذہب و قوم کے حوالے سے اسے باپ کی شکست کا صدمہ بھی تھا۔ "سمراٹ! میں آپ کے بعد محمود کو طے شدہ خراج ادا نہیں کروں گا۔" انند پال نے غضب ناک لہجے میں کہا۔ "اگر میں آپ کا بیٹا ہوں تو اس شکست کا قرض زیادہ دن تک اپنے کاندھوں پر نہیں رہنے دوں گا۔ بہت جلد کسی محاذ پر اس سے میرا مقابلہ ہو گا اور آپ سورگ میں رہ کر اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھیں گے کہ میں نے محمود سے آپ کی ذلت و بربادی کا انتقام لے لیا ہے۔"

"نہیں میرے بیٹے!" جے پال نے شکستہ لہجے میں کہا۔ "تیرے جذبوں کا یہ ابال، راج نیتی کے اصولوں کی سنگین خلاف ورزی ہے۔ بے شک! تجھے تمام عمر حالتِ انتقام میں زندہ رہنا ہو گا مگر اس طرح کہ کسی پر تیرے دل کا راز نہ کھل سکے۔" جے پال مرتے مرتے، بیٹے کو عیاری کا آخری سبق سکھا رہا تھا۔ "تو محمود کو نہیں جانتا انند پال! میں نے اسے دو بار میدانِ جنگ میں دیکھا ہے۔ وہ ایک خونخوار بھیڑیا ہے۔ اگر تجھ سے یہ حماقت سرزد ہو گئی تو ایک دن وہ تیرا خون بھی پی جائے گا۔" جے پال کے دل میں غزنی کے سلطان کے لئے شدید نفرت پوشیدہ تھی...... "اسے پابندی سے خراج ادا کرتے رہنا اور ساتھ ہی ساتھ اطاعت و وفاداری کا دم بھی بھرتے رہنا۔ اگر ضرورت محسوس ہو تو قدموں پر بھی جھک جانا لیکن موقع ملتے ہی اس کی پشت میں خنجر اُتار دینا۔ وہ سامنے کی جنگ میں کسی سے شکست نہیں کھائے گا۔ بس اسے پیچھے ہی سے ہلاک کیا جا سکتا ہے۔ تُو محمود کا قریبی دوست بننے کی کوشش کرنا۔ جب وہ تیری دوستی پر اعتبار کرنے لگے تو اسے فریب دے کر موت کے حلقے تک کھینچ لانا...... اور پھر اسے اسی طرح آگ میں جلانا جیسے میں جل رہا ہوں۔" یہ کہتے کہتے جے پال کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "اور اگر تُو اُسے آگ میں نہ جلا سکے تو کم سے کم اپنے آپ پر میری شکست کا انتقام فرض کر لینا۔"

"ایسا ہی ہو گا سمراٹ!" انند پال نے اپنا سر، باپ کے قدموں میں رکھ دیا۔

"شاباش میرے بیٹے!" جے پال نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "وقت بہت کم ہے، اس لئے میری باتیں غور سے سن! میں تجھے کیا بتاؤں کہ محمود نے مجھے کس کس انداز سے ذلیل کیا ہے۔ ایسی رسوائی تو کسی حکمراں کے حصے میں نہیں آئی ہو گی۔" اتنا کہہ کر جے پال نے اپنی داغ دار پیشانی کی طرف اشارہ کیا اور اس تحریرِ غلامی کی تفصیل بتائی جو محمود نے غزنی میں برہمن حکمراں سے لکھوائی تھی۔

اس انکشاف پر انند پال کے دل و دماغ میں اس آگ کی طرح جل اُٹھے جو راجہ جے پال کو سزا دینے کے لئے بھڑکائی جا رہی تھی۔ "دیوتاؤں کی قسم! میں اسے ایک دن اسی آگ کی خوراک بناؤں گا۔" انند پال نے ایک بار پھر باپ کے پاؤں چھوتے ہوئے کہا۔

"بیٹے! طاقت کے نشے نے مجھے اندھا کر دیا تھا۔" جے پال نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر ایک آہِ سرد کھینچی۔ "کاش! میں صبر و ہوش سے کام لیتا اور محمود کو دوسرے ہتھیاروں سے زیر کر سکتا۔"

"سمراٹ! آخر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" انند پال نے سوالیہ نظروں سے باپ کی طرف دیکھا۔

"میں نے دو بار لاکھوں سپاہیوں کی طاقت پر بھروسہ کیا مگر ایک مرتبہ بھی عورت اور دولت کی طاقت کو نہیں آزمایا۔" جے پال نے کفِ افسوس ملتے ہوئے کہا۔ "محمود اور اس کے ساتھی کوہساروں کے رہنے

والے ہیں۔ انہیں دولت کے وہ ذخیرے حاصل نہیں جو ہندوستان کی زرخیز زمین سے قدم قدم پر پھوٹتے رہتے ہیں۔" پنجاب کا حکمراں اپنے آخری وقت میں بیٹے کو سیاست کا ایک نیا سبق پڑھا رہا تھا۔ "دولت کے یہ ذخیرے محمود اور اس کے سپاہیوں کو عیش و عشرت میں مبتلا کر کے بزدل اور ناتواں بنا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمارے دشمن رقص و موسیقی کی لذتوں سے بھی نا آشنا ہیں۔ اگر ایک بار ان کی خلوتوں میں حُسنِ بے حجاب داخل ہو گیا اور غزنی کے محلات میں چنگ و رباب کی کیف آور صدائیں گونجنے لگیں تو مسلمانوں کے لو دیتے ہوئے سینے راکھ کی طرح سرد ہو جائیں گے اور تابناک و شرر خیز شمشیروں کو دنیا پرستی کا زنگ کھا جائے گا۔ تم ان کے چٹانوں کی طرح تنے ہوئے اعصاب کو شراب کے اثر سے بوجھل کر دینا، ان کے قناعت پسند جذبوں کو دولت کے زہریلے راگ سنانا...... اور شرم و حیا کے بوجھ سے ان کی جھکی ہوئی آنکھوں کو لب و رخسار کی آگ میں جلا دینا۔ اس کے سوا مسلمانوں کو شکست دینے کا کوئی اور طریقہ نہیں۔"

انند پال نے بہت غور سے شکست خوردہ باپ کا ہدایت نامہ سنا اور اس کی آنکھوں میں عیاریوں کا دھواں بھر گیا۔

اس کے بعد راجہ جے پال نے اپنے منتریوں کو طلب کیا اور سمترا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ فریب کار عورت مسلمانوں کی جاسوسہ ہے۔ اس نے ہندو دھرم اختیار کر کے مجھے بڑا دھوکا دیا۔"

تمام منتری حیرت سے سمترا کی طرف دیکھنے لگے جو انتہائی خوف و دہشت میں مبتلا ہونے کے باوجود خوبصورت نظر آ رہی تھی۔

"میں نے دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے اس سے خفیہ شادی کی مگر یہ درپردہ میری تمام جنگی تیاریوں کی خبریں غزنی بھیجتی رہی۔" جے پال صریحاً جھوٹ بول رہا تھا۔

"بھگوان کی سوگند! یہ مجھ پر سراسر الزام ہے۔" سمترا ایک بار پھر پوری طاقت سے چیخی۔ "مجھے آج بھی اہلِ غزنی سے اور دنیا کے تمام مسلمانوں سے شدید نفرت ہے۔ میں سمراٹ کی قانونی بیوی ہوں، مجھے آگ میں جلانے کے بجائے میرا حق دو۔ میرے ساتھ انصاف کرو۔ تمہیں دیوتاؤں کا واسطہ۔"

"بس یہی انصاف ہے کہ میرے ساتھ اسے بھی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دینا۔" جے پال نے اپنا فیصلہ سنایا اور تمام منتریوں نے اس طرح گردنیں جھکا دیں جیسے آکاش سے دیوتاؤں کا حکم نازل ہو رہا ہو۔

مختصر سے سکوت کے بعد راجہ جے پال، بوڑھے اسد شیرازی کی طرف متوجہ ہوا جو زار و قطار رو رہا تھا اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر برہمن حکمراں سے اپنی زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔ "یہ اس عیار عورت کا باپ ہے، جس کی فتنہ انگیزیاں شمار نہیں کی جا سکتیں۔" جے پال نے بڑی حقارت سے اسد شیرازی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ اپنے آپ کو دنیا کا سب سے بڑا ماہرِ نجوم کہتا تھا مگر سب کچھ ہار جانے کے بعد مجھ پر اس کی حقیقت ظاہر ہوئی۔ یہ بھی غزنی کا جاسوس ہے مگر اس نے مجھے دھوکا دینے کے لئے ہندوؤں کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔ میں نے اس کے گیان پر اندھا اعتبار کیا اور ایسے لمحات میں محمود پر حملہ کیا جو علم نجوم کے اعتبار سے منحوس ترین ساعتیں تھیں۔ اگر میں اُس کی پُرفریب باتوں میں نہ آتا تو آج نتائج کچھ اور ہوتے۔" راجہ جے پال بڑی بے شرمی کے ساتھ اسد شیرازی کو اپنی شکست کا ذمے دار قرار دے رہا تھا۔ "میرے بعد اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر کسی مندر کے راستے میں ڈال دینا تاکہ یہ زندگی بھر بھیک مانگتا رہے اور دیوتاؤں کے پجاری اپنے آگے کی بچی ہوئی روٹیوں کے ٹکڑے اس کی جھولی میں

[...]لئے رہیں۔"

اسد شیرازی بہت گڑگڑایا، بہت چیخا، مگر ایک راندۂ درگاہ کی فریاد کون سنتا۔ اس نے تمام عمر [...]ثوں، ریاکاریوں اور منافقتوں کی جو فصل بوئی تھی، آج اس کے کاٹنے کا دن آ گیا تھا۔

کچھ دیر بعد لاہور کے باشندوں نے دو انسانوں کی دردناک چیخیں سنیں۔ یہ راجہ جے پال اور سمترا [...]جن سے آگ کا عذاب برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ لوگ اپنے چہروں کی اُڑی ہوئی رنگتوں اور دہشت [...]آنکھوں سے یہ عبرت ناک منظر دیکھ رہے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ فضا کی وسعتوں میں انسانی چیخیں [...]گئیں۔ آگ نے اپنے ہی دو پجاریوں کو بڑی بے رحمی کے ساتھ جلا ڈالا تھا۔ اب ہر طرف گہرا [...]ت طاری تھا مگر فضا میں انسانی گوشت کے جلنے کی بُو پھیلی ہوئی تھی۔

انند پال نے اپنے باپ کے انتم سنسکار (آخری رسوم) سے فارغ ہو کر اسد شیرازی کے دست و پا [...] کرا دیئے اور اسے راجہ جے پال کے حکم کے مطابق بڑے مندر کے راستے میں ڈال دیا۔ وہ بڑے [...]دراز لہجے میں آنے والے یاتریوں سے بھیک مانگا کرتا تھا۔ پھر جب اس کی زبان تھک جاتی تو [...]ہیں سوال کرنے لگتیں۔ جیسے وہ پتھر کے پجاریوں سے کہہ رہا ہو۔

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

❁❁❁❁❁

کچھ دن بعد دربارِ غزنی میں راجہ جے پال کے دردناک انجام کی خبر پہنچی تو سلطان محمود نے بے[...] نے یہ آیت مقدسہ با آواز بلند پڑھی۔

"اے رب! ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔"

پھر وہ جوشِ اضطراب میں اپنی نشست پر کھڑا ہو گیا اور اہلِ دربار کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "یہ [...]کا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے اپنے عزت و جلال کے صدقے میں ہمارے بدترین دشمن کو بے آبرو [...]۔ تم اپنے رب کا شکر بھی ادا کرو اور اس کی پناہ بھی مانگو...... اور بار بار کہو کہ اے رب ہمارے! ہمیں [...]ل کے عذاب سے محفوظ رکھ۔"

پھر کچھ دیر تک پورا دربار اس آیت مقدسہ کی تلاوت سے گونجتا رہا۔ تمام امیر و وزیر، محافظ، سپاہی اور [...]ت گار جھکے ہوئے سروں کے ساتھ رقت آمیز لہجے میں کہہ رہے تھے...... "اے اللہ! ہمیں آگ کے [...]اب سے بچا!"

جب دربارِ غزنی اپنے رب کے حضور اظہارِ بندگی کر چکا اور مجاہدینِ اسلام کی زبانیں خاموش ہو گئیں [...] سلطان محمود دوبارہ اپنے درباریوں سے مخاطب ہوا۔

"تم نے جے پال کا حشر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔" اس وقت محمود کے لہجے میں شاہانہ جلال کے [...]ئے عجیب سی تپش تھی۔ "جے پال کے پاس لشکرِ کثیر تھا، اس کی ایک آواز پر سارے ہندوستان کے راجہ [...] جنگ میں جمع ہو گئے تھے مگر اللہ بڑے غلبے اور بڑی حکمت والا ہے۔ اگر افرادی قوت کی بات [...] تو ہم یہ جنگ کبھی کے ہار چکے ہوتے اور کسی گوشۂ تنہائی میں پڑے اپنی شکست کا ماتم کر رہے [...]۔ یہ فتح ہماری ذہنی و جسمانی صلاحیتوں اور مادی اسباب کا نتیجہ نہیں تھی۔ صرف ہمیں تائید غیبی نے [...] کارزار میں سربلند رکھا ورنہ اصولی طور پر ہمارے دس ہزار سپاہیوں کو جے پال کی ڈیڑھ لاکھ شمشیروں

کی خوراک بن جانا چاہیے تھا۔ کوئی جانے یا نہ جانے مگر وہ عالم الغیب خوب جانتا ہے کہ ہمارے اور پنجاب کے حکمراں کے درمیان طاقت کا کوئی توازن ہی موجود نہیں تھا۔"

یہ کہہ کر سلطان محمود چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گیا اور پھر بلند آواز میں بولا۔ "ناشکر گزاروں کی طرح تم اپنی فتح پر بدمست نہ ہو جانا اور اللہ سے اس کی بے پناہ اور لازوال قوتوں کی بھیک مانگتے رہنا کہ دشمنوں سے بھری اس دنیا میں ناطاقتی سب سے بڑی لعنت اور بیماری ہے۔ جے پال کی شکست اور انجام پر ہمیشہ نظر رکھنا کہ وسائل کے انبار اور طاقت کے ذخیرے اس کے کسی کام نہیں آئے کہ وہ اپنے ہی وطن میں بے وطن ٹھہرا...... اور اس کی اپنی ہی زمین اس پر تنگ ہو گئی...... اور اس نے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے پیرہنِ جاں میں آگ لگالی۔ ایسی بے چارگی، ایسی رُسوائی اور ایسی ناتوانی سے ہمیشہ اپنے اللہ کی پناہ مانگتے رہنا۔ یاد رکھو کہ ہم اہلِ ایمان کو دو آگوں کا سامنا ہے۔ ایک دنیا کے مسائل کی آگ...... اور دوسرے آخرت کی کبھی نہ ختم ہونے والی آگ...... مالکِ کون و مکاں ہمیں دونوں آگوں سے محفوظ رکھے۔"

سلطان محمود کی یہ مختصر تقریر بڑی اثر انگیز تھی۔ والیٔ غزنی کی زبان سے ادا ہونے والے ہر لفظ نے اہلِ دربار کو رُلایا بھی تھا اور ان کے سینوں میں اُمید کی نئی آگ بھی بھڑکائی تھی۔ پھر تجدید عہد کے شور سے پورا دربار گونج اُٹھا۔

✻✻✻✻✻

اسی دوران پنجاب کے نئے حکمراں انند پال نے خراج کی طے شدہ رقم کے ساتھ خدمتِ سلطان میں ایک عریضہ بھی ارسال کیا۔ انند پال نے انتہائی خوشامدانہ انداز میں محمود غزنوی کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا۔

"سلطانِ معظم نے یقیناً ان لغزشوں اور نافرمانیوں کو معاف فرما دیا ہوگا جو مجھ سے اور میرے آنجہانی باپ سے سرزد ہوئی تھیں۔ میں حضورِ والا کو یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ سرکشی اور حکم عدولی کا دُھندلا سا تصور بھی میرے ذہن میں نہیں اُبھرے گا۔ میں اپنے جسم، اپنی جاں اور اپنی روح کے ساتھ آپ کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہو گیا ہوں۔ اب پنجاب کے علاقے پر میرا کوئی حق نہیں رہا۔ یہ پورا خطۂ ارض آپ کی مملکت کا ایک حصہ ہے اور میں لاہور کے تخت پر بیٹھ کر آپ کی نمائندگی کے فرائض انجام دے رہا ہوں۔" طویل تمہید باندھنے کے بعد انند پال نے بڑے عجز و انکسار کے ساتھ اپنی ایک خواہش کا اظہار کیا تھا۔

"اگر سلطانِ محترم کو سیاسی امور سے فرصت ملے تو چند روز کے لئے پنجاب تشریف لا کر ان لاکھوں انسانوں کو شرفِ دیدار بخشیں جن کی بے قرار آنکھیں اپنے نئے حکمراں کے انتظار میں ہر وقت جاگتی رہتی ہیں۔ آپ ایک بار ادھر کا رخ کر کے تو دیکھیں۔ اس بستی کے رہنے والے، دیوتاؤں کی طرح شاہ ذی وقار کا استقبال کریں گے۔ اگرچہ میں اس اعزاز کے لائق نہیں لیکن پھر بھی درخواست گزار ہوں کہ تاجدارِ غزنی اپنے اس غلام کو میزبانی کی سعادت بخشیں۔ بس اس کے سوا کوئی آرزو نہیں کہ سرکار ایک دن میرے مہمان ہوں اور میں ہندوستان کے تمام راجاؤں کے سامنے سر اُٹھا کر چل سکوں۔ آپ کا ادنیٰ ترین خراج گزار، راجہ انند پال۔"

برہمن حکمراں کا خیال تھا کہ تعریف و ستائش کے طلسم کا اسیر ہو کر محمود پنجاب چلا آئے گا اور پھر ایک منصوبے کے مطابق والیٔ غزنی کو قتل کر دیا جائے گا اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو ضیافت کے بہانے سلطان کو زہر دے دیا جائے گا...... مگر احمق انند پال نہیں جانتا تھا کہ محمود کے آہنی اعصاب کو خوشامد اور تعریف کی آنچ سے پگھلایا نہیں جا سکتا۔

اور پھر اس وقت اذیت و کرب کی شدت سے انند پال کا چہرہ مسخ ہو گیا جب اس نے والیٔ غزنی کا خط پڑھا۔ سلطان نے پنجاب کے حکمراں کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا۔

"انند پال! ہم نے تیرا عاجزانہ سلام قبول کیا اور تجھے اپنی غلامی کی سند بخشی۔ اگر ہم تیرے عہد شکن باپ کے گناہوں کو معاف نہ کرتے تو پھر اسے رہائی کیوں دیتے؟ ہم نے اس کے پیروں کی زنجیریں کاٹی اس لئے تھیں کہ وہ اپنے وطن واپس جا سکے اور اس کی بے خبر رعایا اپنی آنکھوں سے ہماری اعلیٰ ظرفی کا روشن و تابناک منظر دیکھ سکے۔ اور تیرے جانباز سپاہی بھی ہمارے جبروت کا مشاہدہ کر سکیں کہ ہم کیسے عجب شکاری ہیں، جو بار بار اپنے شکار کو چھوڑ دیتے ہیں اور پھر جب چاہتے ہیں اسے پکڑ لیتے ہیں...... اور رہے تیری بستی کے لوگ، تو ان سے کہہ دینا کہ وہ اپنے سینوں میں ہماری حسرتِ دیدار کو زندہ رکھیں اور آدابِ نظارہ سیکھنے کی کوشش کریں۔ اگر ہم فوری طور پر جلوہ آرا ہوئے تو ہماری آتشِ جلال سے ان کی آنکھیں بجھ جائیں گی...... اور ہم تیری خواہش کی تکمیل سے قاصر ہیں انند پال! بے شک ہمارا دامنِ کرم بہت وسیع ہے مگر افسوس، تجھے ہماری میزبانی کی سعادت کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ یاد رکھنا کہ ہم باجگزاروں کی دعوت قبول نہیں کرتے۔ بس تیرے لئے یہ اعزاز کافی ہے کہ تُو ہماری غلامی کا طوق پہن کر ہندوستان کے گلی کوچوں میں پھرتا رہے۔ جب تک تیری گردن میں اطاعت و خدمت گزاری کا یہ طوق جگمگاتا رہے گا، تیرے لئے سلامتی ہی سلامتی ہے اور امان ہی امان ہے۔ اور اگر تُو نے اپنے باپ کی روش اختیار کرتے ہوئے اس طوق کو اُتار پھینکا تو پھر تجھے برہمن پجاریوں کی آگ نہیں، ہمارے قہر کا آتش فشاں نگل جائے گا۔ (سلطان محمود غزنوی)"

✻✻✻✻✻

انند پال کو اپنے منصوبے کی ناکامی سے زیادہ سلطان کے تحقیر آمیز جواب کا قلق تھا۔ وہ ایک سال سے محمود سے راجہ جے پال کی شکست اور اپنی توہین کا انتقام لینے کے لئے مختلف تدبیریں سوچتا رہا۔ پھر جب خراج ادا کرنے کی مقررہ تاریخ آئی تو انند پال نے بیک وقت دو خوفناک منصوبے ترتیب دیئے۔

پہلا منصوبہ یہ تھا کہ انند پال نے اپنے باپ کی آخری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے دو حسین و جمیل وِش کنیاؤں (زہریلی لڑکیوں) کا انتخاب کیا۔ وِش کنیا، قدیم ہندوستانی راجاؤں اور جاگیرداروں کا بڑا خطرناک سازشی ہتھیار تھا۔ ان زہریلی لڑکیوں کو کسی ماہر طبیب کی نگرانی میں بچپن سے سانپوں کے زہر کا عادی بنایا جاتا تھا۔ پھر جوان ہونے کے بعد یہ لڑکیاں ایک مخصوص کمرے میں سانپوں کے ساتھ رہتی تھیں اور زہریلے ناگ انہیں دن رات ڈستے رہتے تھے۔ آخر اس طویل عمل کا یہ نتیجہ برآمد ہوتا کہ ان لڑکیوں کی سانسیں تک زہریلی ہو جاتیں۔ ہندوستان کے راجہ اور بڑے جاگیردار اپنے دشمنوں کی ہلاکت کے لئے ان زہریلی لڑکیوں کو استعمال کرتے تھے۔ اس طرح ان پر قتل کا الزام بھی نہیں آتا تھا اور وہ بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے مقصد میں کامیابی بھی حاصل کر لیتے تھے۔ اس انوکھے قتل کا طریقِ کار یہ ہوتا تھا کہ

وِش کنیائیں تحفے یا نذر کے طور پر مخالف حکمران کی خدمت میں پیش کر دی جاتیں اور پھر وہ اوباش فرمانروا لڑکیوں کی زہریلی سانسوں کا شکار ہو جاتا تھا۔

انند پال نے بھی محمود کی زندگی کا خاتمہ کرنے کے لئے بڑی تلاش کے بعد بے مثال حُسن رکھنے والی دو وِش کنیائیں منتخب کیں اور انہیں بڑے انعام و اکرام کا لالچ دے کر اپنے کارندوں کے ساتھ روانہ کر دیا۔

انند پال نے ایک بار پھر اپنے طویل خط میں سلطان محمود کی وفاداری کا اقرار کرتے ہوئے لکھا تھا......

''شاہا! میں آپ کے بخشے ہوئے طوقِ غلامی کو اپنی گردن سے کبھی جدا نہیں کروں گا۔ یہ میرے لئے دنیا کا سب سے قیمتی زیور ہے۔''

پھر انند پال نے خراج کی بروقت ادائیگی کے بارے میں تحریر کرنے کے بعد لکھا تھا۔ ''میں حضور کی خدمت میں اپنے دربار کی باکمال مطربائیں بھیج رہا ہوں۔ یہ دونوں لڑکیاں رقص و موسیقی کے فن میں اپنا ثانی نہیں رکھتیں۔ جب سلطان والا حشم شمشیروں کی جھنکار سنتے سنتے تھکن محسوس کرنے لگیں تو ان دوشیزاؤں کے نغمۂ جاں فزا کو سماعت کا شرف بخشیں۔ اور جب عالی جاہ، خون کے دریا دیکھتے دیکھتے بے کیفی کا شکار ہو جائیں تو ان سیم تنوں کا رقصِ ہوشربا دیکھیں کہ اس طرح حضور کے اعصاب کو سکون بھی حاصل ہوگا اور نئی توانائی بھی۔''

انند پال نے خط کے آخر میں اپنے دوسرے فتنہ انگیز منصوبے کی ابتدا کرتے ہوئے لکھا تھا۔

''یہ غلام، سلطان کی بارگاہِ جلال میں فریادی ہے کہ بھاٹیہ کا حکمراں راجہ بجے راؤ میرے علاقے پر قبضہ کر کے مجھے پنجاب کی حکومت سے بے دخل کر دینا چاہتا ہے۔ میں نے اسے بارہا سمجھانے کی کوشش کی کہ انند پال والیٔ غزنی کا زرخرید غلام ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔ مگر وہ درندہ صفت راجہ میری ایک نہیں سنتا۔ بلکہ حضور کی شان میں ایسے نازیبا کلمات استعمال کرتا ہے کہ اگر میں ان لفظوں کو اپنی زبان پر لاؤں تو میرے ہونٹ جل کر رہ جائیں اور اگر تحریر کروں تو یہ ناپاک ہاتھ گل کر دیئے جائیں۔''

راجہ بجے راؤ، راجہ جے پال سے بھی زیادہ طاقتور حکمراں تھا۔ اس لئے انند پال کی دلی خواہش تھی کہ بجے راؤ اور سلطان محمود آپس میں ٹکرا کر تباہ ہو جائیں۔ پھر وہ اپنے دونوں سسکتے ہوئے حریفوں کے جسموں کو روندتا ہوا آگے بڑھ جائے۔ یہی سوچ کر اُس نے یہ خوفناک اور پیچیدہ منصوبہ بنایا تھا۔

❁❁❁❁❁

محمود نے بڑی حیرت سے راجہ انند پال کی بھیجی ہوئی زہریلی لڑکیوں کی طرف دیکھا۔ اگرچہ والیٔ غزنی ایک مضبوط کردار کا انسان تھا لیکن وہ بھی وِش کنیاؤں کے حُسن سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ سردار امین الدین (بلرام سنگھ) راجہ انند پال کے اس خوفناک تحفے کو دیکھ کر چونک اٹھا تھا۔ پھر وہ گہری نظروں سے سلطان محمود کے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔ والیٔ غزنی نے بس چند لمحوں کے لئے ان لڑکیوں کو بہت انہماک سے دیکھا تھا اور پھر راجہ انند پال کا طویل خط پڑھنے لگا تھا۔

''وِش کنیاؤں کی موجودگی نے پورے دربار کو ایک جذباتی ہیجان میں مبتلا کر دیا تھا۔ تمام امرائے سلطنت، سردارانِ قوم، درباری، خدمت گار اور محافظ سپاہی کبھی ان بے مثال حُسن رکھنے والی لڑکیوں کو

کبھی اپنے سلطان کے بدلتے ہوئے چہرے کو۔ کبھی محمود کے ہونٹوں پر ایک تمسخر آمیز ہنسی اُبھر کبھی چہرے پر شدید ناگواری کا رنگ نمایاں ہو جاتا۔ پھر اہلِ دربار نے دیکھا کہ والیٔ غزنی کا چہرہ تمتمانے لگا۔

''یہ راجہ بجے راؤ کون ہے، امین الدین!'' سلطان محمود قہرناک لہجے میں اپنے سالار سے مخاطب تھا۔

سردار امین الدین (بلرام سنگھ) اپنی نشست پر کھڑا ہوا اور ٹھہر ٹھہر کر کہنے لگا۔ ''بجے راؤ ایک راجہ ہے اور بھاٹیہ اس کا پایۂ تخت ہے۔''

''بھاٹیہ کس علاقے میں ہے؟'' محمود نے اسی شرربار لہجے میں دوسرا سوال کیا۔

''بھاٹیہ، ملتان کے قریب ایک مقام ہے جسے بجے راؤ نے اپنا دارالحکومت قرار دیا ہے۔'' سردار امین الدین نے وضاحت کی۔

''انند پال نے لکھا ہے کہ بجے راؤ اسے ہمارا غلام تسلیم نہیں کرتا۔'' محمود کے چہرے کی تمتماہٹ کچھ بڑھ گئی تھی۔ ''اور انند پال نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ بجے راؤ ہماری شان میں نازیبا کلمات استعمال کرتا ہے۔ کیا وہ اپنی زندگی سے اتنا بیزار ہے؟ اور کیا اُسے اپنے علاقے کی سلامتی عزیز نہیں؟''

سردار امین الدین کچھ دیر تک گہری سوچ میں ڈوبا رہا اور پھر آہستہ آہستہ کہنے لگا۔

''میں انند پال کی کسی بات پر اعتبار نہیں کرتا۔ وہ اپنے باپ سے بھی زیادہ جھوٹا اور مکار ہے۔ براہِ کرم سلطان اس معاملے کی مکمل تحقیق کرائیں اور پھر بعد میں حالات کے مطابق قدم اُٹھائیں۔

سلطان محمود نے بہت غور سے سردار امین الدین (بلرام سنگھ) کی طرف دیکھا، پھر پلٹ کر انند پال کی بھیجی ہوئی وِش کنیاؤں کے حُسنِ بلاخیز کا جائزہ لینے لگا۔ تمام حاضرینِ دربار کی نظریں والیٔ غزنی کی نگاہوں کا تعاقب کر رہی تھیں۔ محمود اپنی نشست پر بیٹھے بیٹھے اچانک مڑا اور اہلِ دربار کے انہماک کا جائزہ کرنے لگا۔ حاضرین میں سے اکثر کی نگاہیں ان لڑکیوں کے تابناک چہروں پر مرکوز تھیں، جنہیں انند پال نے فتنہ گری کے لئے استعمال کیا تھا۔

''انند پال کو نہیں معلوم کہ ہم رقصِ فنا اور رقصِ شمشیر کے سوا کوئی تیسرا رقص نہیں دیکھتے۔'' یکایک سلطان محمود کی پُرجلال آواز دربار میں گونجنے لگی۔ ''اور وہ نادان یہ بھی نہیں جانتا کہ میدانِ جنگ میں تیروں کی سنسناہٹ، تلواروں کی جھنکار، طوق و سلاسل کا شور اور عالمِ نزع میں گرفتار دشمنوں کی چیخیں ہی ہماری موسیقی ہے اور اس موسیقی کو سن کر ہمیں بہت گہری نیند آتی ہے۔'' یہ کہہ کر والیٔ غزنی نے ایک بار پھر دربار کے چہروں کو غور سے دیکھا۔ تمام حاضرین اس درپردہ تنبیہ کو سن کر اپنی اپنی جگہ سنبھل گئے۔ ''انند پال کو یہ بھی خبر نہیں کہ ہم ایسی کوئی افیون استعمال نہیں کرتے جسے کھا کر قوموں کے اعصاب مفلوج ہو جاتے ہیں۔''

اس کے بعد والیٔ غزنی نے اپنے ایک خصوصی خدمت گار کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

''ان دونوں لڑکیوں کو شاہی حرم سرا کی کنیزوں میں شامل کر دو۔ فی الوقت ہم راجہ بجے راؤ کو دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ کون ہے اور اسے گستاخی کے یہ انداز کس نے سکھائے ہیں؟''

❁❁❁❁❁

پھر سلطان محمود نے بھاٹیہ کے حاکم کو ایک مختصر سا خط لکھا۔ وہ مکتوبِ سلطانی کیا تھا، ایک قہرنامہ تھا۔

"بجے راؤ! تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ انند پال بھی ہمارا غلام ہے اور ہمارے غلام اہلِ ہنر کے لئے کسی خودمختار شہنشاہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس لئے تجھ پر لازم ہے کہ تُو بھی انند پال کے سامنے جھک جاؤ اور بے دریغ ہماری غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈال لے کہ اب تیری نجات کا یہی ایک راستہ باقی رہ گیا ہے۔ دراصل انند پال کے سامنے جھکنا ہمارے ہی سامنے جھکنا ہے۔ اور پھر جب تُو پوری طرح جھک جائے گا تو پھر اس ناپاک زبان کو کاٹ کر ہمارے روبرو پیش کر دینا۔ اس طرح تیرے گناہوں کا کفارہ ادا ہو جائے گا...... اور اگر تُو اپنے آپ کو یہ اذیت نہ پہنچا سکے تو دربارِ سلطانی میں حاضر ہو کر اپنی دستار ہمارے قدموں میں رکھ دینا اور ہماری شان میں ایک طویل قصیدہ پڑھنا تاکہ ہمارے قہر کی آگ آہستہ آہستہ بجھ جائے اور تجھے کسی گوشۂ زمین میں پناہ مل سکے۔"

سلطان محمود کا خط پڑھ کر راجہ بجے راؤ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ راجپوت ہونے کے سبب پہلے ہی اس کے خون میں حدت زیادہ تھی۔ والیٔ غزنی کی آتشیں تحریر پڑھی تو دل و دماغ جل اُٹھے۔ پھر بجے راؤ نے زمانہ قدیم سے طے شدہ آدابِ سفارت کو پامال کر ڈالا اور بھرے دربار میں سلطان محمود کے سفیر کی زبان کاٹ دی۔

"اپنے سلطان سے کہہ دینا کہ یہی اس کے خط کا جواب ہے۔" راجہ بجے راؤ کے لہجے میں نفرت و قہر کی آگ برس رہی تھی۔

محمود کے سفیر نے ایک نظر اپنے سینے کی طرف دیکھا۔ پیرہن کے سامنے کا حصہ خون میں ڈوب گیا تھا۔ پھر اس نے اپنی کٹی ہوئی زبان کی جانب نگاہ کی جو دربار کے فرش پر پڑی تھی۔ سلطان کا سفیر آہستہ آہستہ جھکا اور اس نے اپنی بریدہ زبان کو اٹھا لیا۔

"ہاں! یہ زیادہ بہتر ہے۔" دربار میں راجہ بجے راؤ کا وحشیانہ قہقہہ گونجا۔ "تم اپنے ہی ہاتھ سے اپنی زبان سلطان کو پیش کر دینا۔"

اپنے فرمانروا کا طرزِ عمل دیکھ کر دوسرے سردار بھی بلند قہقہوں کے ساتھ ہنسنے لگے۔

محمود کے سفیر نے گھوم کر دربار کے ایک ایک گوشے پر نظر ڈالی۔ پھر عجیب سی نگاہوں سے بجے راؤ کو دیکھنے لگا جیسے راجپوت حکمراں سے کہہ رہا ہو کہ میں سلطان محمود کا سفیر ہوں اور میری زبان اہلِ غزنی کی زبان ہے اور جس کا حساب عنقریب سلطنتِ بھاٹیہ سے طلب کیا جائے گا۔

راجہ بجے راؤ اور اس کے بدمست درباری غزنی کے نمائندے کی آنکھوں کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھے۔ وہ تو سلطانی سفیر کی اس حرکت کو بے چارگی کا ایک تماشا سمجھ رہے تھے۔ محمود کے قاصد نے بریدہ زبان کو اپنی دستار میں رکھا اور غزنی کی طرف روانہ ہو گیا۔

*****

ابھی غزنی کا سفیر راستے میں تھا کہ محمود کو انند پال کی بھیجی ہوئی خوبصورت کنیزوں کا خیال آ گیا۔ پھر اس نے ایک رات تنہائی میں ان دونوں وش کنیاؤں کو طلب کر لیا۔

"تم کون ہو؟ اور یہاں کس مقصد کی تکمیل کے لئے آئی ہو؟" سلطان محمود کا لہجہ بڑا جارحانہ تھا۔ وش کنیاؤں نے آج بہت قریب سے والیٔ غزنی کو دیکھا تھا۔ محمود کے جاہ و جلال نے زہریلی لڑکیوں کے دلوں پر لرزہ طاری کر دیا۔ وہ کانپتی آوازوں میں بتانے لگیں...... "ان کی آمد کا مقصد اس کے سوا

کچھ نہیں کہ وہ اپنے رقص و موسیقی سے سلطان کا دل بہلا سکیں۔"

"تم جھوٹ بولتی ہو۔" محمود اچانک غضب ناک نظر آنے لگا تھا۔ "انند پال خوب جانتا ہے کہ رقصِ شمشیر کے سوا ہمیں کوئی رقص پسند نہیں اور شمشیروں کی جھنکار کے سوا کوئی ساز ہماری سماعت کو متاثر نہیں کرتا۔"

وش کنیاؤں نے پھر وہی بہانہ تراشا۔

"اگر تمہاری جگہ کوئی مرد ہوتا تو ہمارے قہر کے خوف سے اس کی زبان سینے میں چھپے ہوئے ایک ایک راز کو اُگل چکی ہوتی۔ مگر کیا کریں کہ ہم تم جیسی مجبور و بے کس عورتوں پر جبر نہیں کر سکتے۔ اس لئے صبح ہوتے ہی غزنی کی حدود سے نکل جاؤ۔" محمود کے لہجے کی تپش آہستہ آہستہ کم ہوتی جا رہی تھی۔ "ہمارے سپاہی تمہیں بحفاظت لاہور پہنچا دیں گے۔ جب تم انند پال کے سامنے جاؤ تو اس سے کہہ دینا کہ سلطان اور غلام کے مراتب میں بہت فرق ہے۔ اگر اسے اپنی غلامی کے اظہار کا اتنا ہی شوق ہے تو پھر وہ ہمارے شایانِ شان کوئی تحفہ بھیجے۔ افلاس اور مجبوریوں کی زنجیر میں جکڑی ہوئی کنیزیں ہمیں پسند نہیں۔" اتنا کہہ کر سلطان محمود نے اپنے خادمِ خاص کو آواز دی جو تمام رات والیٔ غزنی کی خواب گاہ کے دروازے پر پہرہ دیا کرتا تھا۔

خادم خاص حاضر ہوا تو والیٔ غزنی نے اسے حکم دیتے ہوئے کہا۔ "ان کی جھولیاں اشرفیوں سے بھر دو تاکہ انند پال کو ہماری بخشش و ثروت کا اندازہ ہو سکے۔"

جیسے ہی خادمِ خاص اُلٹے قدموں خواب گاہِ سلطانی سے باہر نکلا، دونوں لڑکیاں سجدے میں گر کر آہ و زاری کرنے لگیں۔

"سلطان! ہمیں اپنے قدموں میں جگہ دے دیجئے کہ ہم دنیا کی سب سے زیادہ مظلوم عورتیں ہیں۔" وہ بڑے جانگداز لہجے میں فریاد کر رہی تھیں۔ "ہماری زندگی ایک مہیب جنگل کے مانند ہے کہ جہاں سے کبھی کوئی مسافر نہیں گزرتا۔ ہم آرزوؤں کا ایک ایسا صحرا ہیں کہ جہاں کبھی کوئی بادل نہیں برسا۔ برہمنوں کا وحشیانہ نظام ہمیں برسوں سے ایک گیلی لکڑی کی طرح سلگا رہا ہے۔ ہم نے اپنے آقاؤں سے ان کے رحم و کرم کی بھیک مانگی تھی کہ وہ ہمیں سوکھی گھاس کے مانند ایک مرتبہ جلا کر راکھ کر دیں مگر وہ سنگدل نہ ہماری آنکھوں سے بہتی ہوئی آنسوؤں کی دھار دیکھتے ہیں اور نہ ہمارے ہونٹوں سے نکلنے والی چیخیں سنتے ہیں۔ کچھ دن پہلے جب ہم نے غزنی کی زمین پر قدم رکھا تھا تو یوں محسوس ہوا جیسے کسی بے چین آتما کو مکتی حاصل ہو گئی ہو۔ ہم نے آپ کی مملکت میں داخل ہو کر پہلی بار اس زندگی کے کچھ خواب دیکھے تھے، جو بچپن میں ہی ہم پر حرام کر دی گئی تھی۔ سلطان! آپ کو آپ کے خدا کا واسطہ! ہمیں اس دوزخ کی طرف دوبارہ نہ بھیجئے کہ جہاں انسان دن رات جلتا ہی رہتا ہے اور ایک لمحے کے لئے بھی آگ کے عذاب سے نجات حاصل نہیں ہوتی۔ لاہور واپس بھیجنے سے تو کہیں بہتر ہے کہ آپ ہمارے قتل کا حکم جاری کر دیں یا پھر ایسی آگ بھڑکا دیں، جس میں راجہ جے پال جل کر مر گیا تھا۔ یہ آپ کا ہم پر سب سے بڑا احسان ہو گا۔ ہم ستم رسیدہ لڑکیاں آپ کی بخشی ہوئی موت کو ایسا انعام سمجھیں گی جو آج تک دنیا کے کسی حکمراں نے اپنی کنیزوں کو نہیں دیا ہو گا۔ اے دیالو! ہمیں موت دیجئے، صرف موت...... اور موت کے سوا کچھ نہیں۔"

وش کنیاؤں کی فریاد اتنی لرزہ خیز تھی کہ والئ غزنی سناٹے میں آ گیا۔ ”سیدھی کھڑی ہو جاؤ اور اپنی رودادِ الم حرف بہ حرف بیان کرو۔“ سلطان محمود کا لہجہ بدل گیا تھا اور آہنی اعصاب رکھنے والا فرماں روا کس قدر مضطرب نظر آنے لگا تھا۔ ”وہ کون ستم گر ہے کہ جس کے مظالم کے خلاف تم ہمارے انصاف اور رحم و کرم کو آواز دے رہی ہو۔ ہمیں بتاؤ کہ وہ جفا کار کون ہے اور اس نے تم مجبوروں کو کس کس طرح ستایا ہے؟ تم یقین رکھو کہ ہماری مملکت جبر و تشدد کی دھوپ میں جلنے والوں کے لئے سب سے محفوظ سائبان ہے۔“

دونوں وش کنیاؤں نے بہتے آنسوؤں اور لرزتی آوازوں کے ساتھ اپنی نامراد زندگی کی المناک کہانی سنائی اور پھر یہ راز بھی فاش کر دیا کہ راجہ انند پال ان کے ذریعے والئ غزنی کو ہلاک کرانا چاہتا تھا۔

لڑکیوں کی زبانی یہ عجیب انکشاف سن کر سلطان محمود حیرت زدہ رہ گیا۔ ”ناقابلِ یقین!...... ناقابلِ یقین۔“ والئ غزنی نے جوشِ اضطراب میں اپنی کرسی کے بازو پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ پھر فوراً ہی اس نے سردار امین الدین (بلرام سنگھ) کو بھی اپنی خلوت گاہ میں طلب کر لیا۔

”سردار امین الدین! غور سے سنو کہ یہ لڑکیاں کیا کہتی ہیں؟ ہمیں تو ان کی باتوں پر یقین نہیں آتا۔“

”سلطان! مجھے تو ان لڑکیوں کو دیکھتے ہی انند پال کی نیت پر شک ہو گیا تھا مگر میں یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ مکار گیدڑ، شیرِ غزنی پر یہ حربہ استعمال کرے گا۔“ سردار امین الدین نے انتہائی نفرت آمیز لہجے میں کہا۔ ”یہ لڑکیاں حرف بہ حرف سچ کہہ رہی ہیں۔ ان کی باتوں میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔“

”پھر اس نے بھاٹیہ کے حاکم راجہ بجے راؤ کے بارے میں بھی جھوٹ کہا ہو گا۔“ سلطان محمود کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ”کہیں اس طرح وہ حرام کار مجھے اور بجے راؤ کو لڑا کر خود تو کوئی سیاسی فائدہ حاصل کرنا نہیں چاہتا؟“ کرسی کے دونوں بازوؤں پر والئ غزنی کے ہاتھوں کی گرفت مضبوط ہو گئی تھی اور پیشانی پر کئی شکنیں اُبھر آئی تھیں۔ ”اس نے اپنے خط میں لاہور آنے کی دعوت بھی دی تھی تاکہ اس کی رعایا ہمارا دیدار کر سکے۔ ہم اس کی یہ چال تو سمجھ گئے تھے۔ وہ بے مثال دعوت اور شاندار استقبال کے بہانے ہماری پشت پر وار کرنا چاہتا ہے۔ مگر ہم نے یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ ان کنیزوں کے ذریعے بھی ایک عجیب و غریب چال چلے گا۔“ یکایک والئ غزنی کے چہرے پر آتشِ جلال بھڑک اُٹھی تھی۔ ”سردار امین الدین! کیا تمام برہمن اس قدر بد عہد اور وعدہ فراموش ہوتے ہیں؟ انند پال کا باپ جے پال بھی اسی طرح ہمارے پنجۂ جبروت کی زد میں آ جانے کے بعد لومڑیوں کی طرح شور مچا مچا کر ہمارے رحم و کرم کو آواز دیا کرتا تھا اور جب ہم ترس کھا کر اسے چھوڑ دیا کرتے تھے تو وہ دوبارہ ہمارے خلاف سازشیں کرتا تھا...... انند پال بھی اسی قسم کی حرکتیں کر رہا ہے۔ اپنے خط میں وہ ہمارا سب سے زیادہ وفادار غلام نظر آتا ہے مگر اس کا طرزِ عمل کیسا منافقانہ ہے؟ معاذ اللہ!“

”پوری برہمن قوم بزدل ہے سلطان!“ سردار امین الدین نے نفرت آمیز لہجے میں کہا۔ ”جو لوگ دیوتاؤں کا نام لے کر صدیوں سے بھیک مانگ رہے ہیں اور جن کی گزر اوقات کا دار و مدار معصوم و بے خبر انسانوں کے صدقہ و خیرات پر ہے ان سے جرأت و بے باکی اور شجاعت و مردانگی کی توقع کس طرح کی جا سکتی ہے؟ یہ میری ہی قوم تھی جس نے برہمن کو برہمن بنایا۔ ورنہ اس کے ہاتھوں میں ایک شکستہ کشکول اور ہونٹوں پر چند بھجنوں کے سوا کیا تھا؟ کچھ بھی نہیں۔ برہمن کبھی مردِ میدان نہیں ہوتا۔ وہ ہر آزمائش کی

گھڑی میں اپنی عیاری سے تراشی ہوئی خندقوں کی پناہ ڈھونڈتا ہے۔ وہ اللہ کی مخلوق کے ذہنوں میں نفاق و انتشار کے بیج بوتا ہے اور پھر اسی تقسیم سے فائدہ اٹھا کر اقتدار و حکمرانی کی فصلیں کاٹتا ہے۔ راجہ انند پال بھی اسی فریب کار نسل کا ایک نمائندہ ہے اور اس کے سارے اعمال برہمنی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اب اگر آپ جیسا زیرک اور ہوش مند فرماں روا انند پال کی باتوں پر اعتبار کرتا ہے تو مجھ جیسا کم فہم انسان......“ سردار امین الدین نے قصداً اپنی بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

سلطان محمود اپنے ایک جاں نثار اور معتبر ساتھی کی باتوں پر مسکرانے لگا اور پھر یکایک وش کنیاؤں سے مخاطب ہو کر بولا۔ ”اے ہندو سماج کی ستائی ہوئی مظلوم لڑکیو! ہم نے تمہاری داستانِ الم اپنے کریمانہ جذبوں کی پوری توانائی کے ساتھ سنی۔ اب تم بتاؤ کہ والئ غزنی تمہارے لئے کیا کر سکتا ہے؟“

”سلطان! ہمیں اپنے دیس میں قیام کی اجازت کے ساتھ اس عذاب ناک زندگی سے نجات دلا دیں۔“ دونوں زہریلی لڑکیوں نے بیک زبان کہا۔ ”بس ہماری یہی ایک خواہش ہے کہ ہم سانپوں کے بجائے آدم زاد بن جائیں۔ کاش! کوئی آئے اور ہمارے جسموں سے یہ خوفناک زہر نچوڑ کر ہمیں دوبارہ انسان بنا دے۔“ یہ کہتے کہتے دونوں لڑکیاں ایک بار پھر رونے لگی تھیں۔

والئ غزنی نے اسی وقت شاہی طبیب کو طلب کیا اور دونوں لڑکیوں کی عجیب بیماری کا حال سنا کر سوالیہ نظروں سے اس شخص کی طرف دیکھنے لگا جو علمِ طب میں یکتائے روزگار تھا۔

”سلطانِ محترم! ایک طویل علاج کے بعد ان لڑکیوں کے جسم سے زہر کے اثرات ختم ہو جائیں گے۔“ شاہی طبیب نے پُر اُمید لہجے میں کہا۔

”ہم تمہارے بہت شکر گزار ہوں گے۔“ والئ غزنی نے شاہی طبیب سے اس انداز میں کہا جیسے خود سلطان پر احسانِ عظیم کیا جا رہا ہو۔

پھر جب سلطان محمود نے وش کنیاؤں کی طرف دیکھا تو ان کی آنکھوں میں نئی زندگی کے خواب رقصاں تھے اور چہروں پر حیاتِ نو کی سرخی اُبھر آئی تھی۔

اس کے بعد محمود نے پنجاب کے راجہ کو ایک عجیب خط لکھا۔

”انند پال! ہمیں تمہاری غلامی کا یہ انداز بہت پسند آیا۔ اس لئے ہم نے تمہاری غلامی کی سند پر اپنی مہر لگا دی ہے اور ہم نے آج تک یہ درجہ اپنے کسی غلام کو نہیں دیا۔ ہم عنقریب تمہیں اس طرح شرفِ ملاقات بخشیں گے کہ ہمارا یہ اندازِ کرم ہندوستان کی تاریخ کے سینے پر نقش ہو کر رہ جائے گا۔ اور ہم نے تمہاری بھیجی ہوئی کنیزوں کو بھی قبول کر لیا۔ اگرچہ تمہارا یہ تحفہ ہمارے شایانِ شان نہیں تھا لیکن اسے دیکھ کر یہ احساس ضرور ہوتا ہے کہ تم ہماری نمک خواری کا حق ادا کرنے کی ایک ناکام سی کوشش کر رہے ہو۔ یہ بات کسی حد تک خوش آئند تو ہے مگر باعثِ طمانیت نہیں۔ تم شب و روز آئینے میں ہمارے بخشے ہوئے طوقِ غلامی کو دیکھا کرو، یہاں تک کہ تمہارے پراگندہ دل و دماغ اور وحشت زدہ روح بھی اس کے حلقۂ اثر میں آ جائیں۔ پھر ہم تم سے راضی ہو جائیں گے...... اور یاد رکھو! انند پال! کہ تمہارے لئے ہماری رضا ہی سب کچھ ہے۔“

جب میر منشی، محمود کے الفاظ قرطاس پر منتقل کر چکا تو والئ غزنی نے حکم دیا کہ مکتوبِ سلطانی کو باآواز بلند پڑھا جائے۔ اس سے پہلے کہ میر منشی کے ہونٹوں کو جنبش ہوتی، محمود سردار امین الدین (بلرام سنگھ)

سے مخاطب ہوا۔

"سنو میرے بھائی امین الدین!...... غور سے سنو کہ ہم ایک عیار برہمن سے کس طرح ہم کلام ہوتے ہیں۔"

پھر جب سردار امین الدین نے سلطان محمود کا خط سنا تو حیران رہ گیا۔ بظاہر والیٔ غزنی کے الفاظ بہت سرد تھے مگر ان میں نفرت و قہر کا آتش فشاں چھپا ہوا تھا۔ آج اس پر یہ حقیقت ظاہر ہوئی تھی کہ محمود شدید حالتِ غضب میں بھی اپنے حواس نہیں کھوتا۔ پہلے وہ دشمن کی کمزوریوں کا جائزہ لیتا ہے۔ پھر ماحول کے تقاضوں کے مطابق اپنے حریفوں پر اتنی بھرپور ضرب لگاتا ہے کہ وہ ٹوٹ کر بکھر جاتے ہیں...... اور اگر اتفاق سے سنبھل بھی جائیں تو بس اس قدر کہ کسی اپاہج انسان کی طرح سانس لے سکیں۔

❀❀❀❀❀

محمود، پنجاب کے حکمراں کے ساتھ بھی مستقبل میں ایسا ہی سلوک کرنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر سلطانی سفیر کی واپسی نے والیٔ غزنی کے قہر کے سیلاب کا رخ بھاٹیہ کی طرف موڑ دیا۔

جب زبان بریدہ سفیر دربار میں داخل ہوا تو امرائے سلطنت کو ایسا محسوس ہوا کہ قصرِ شاہی میں خوفناک زلزلہ آ گیا ہے، جس کی شدت سے بام و در زمیں بوس ہونے ہی والے ہیں۔

"تیری زبان کو کیا ہوا علیم الدین عجمی؟" محمود نے شرربار لہجے میں کہا اور اُٹھ کر اپنی نشست پر کھڑا ہو گیا۔

علیم الدین عجمی، تبریز کا رہنے والا ایک عالم و فاضل شخص تھا۔ اسے کئی زبانوں کے ساتھ سنسکرت پر بھی عبور حاصل تھا۔ اسی وجہ سے والیٔ غزنی نے بھاٹیہ کی سفارت کی ذمے داری عجمی کے سپرد کی تھی۔

علیم الدین کچھ دیر تک خاموش کھڑا رہا، پھر اس نے اپنی دستار کھولی اور اپنی کٹی ہوئی زبان سلطان کے قدموں میں رکھ دی۔ گوشت کا ایک ٹکڑا جو سوکھ کر خشک ہو گیا تھا اور جسے دیکھ کر کوئی شخص بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ علیم الدین عجمی کی زبان ہے، جس سے فصاحت و بلاغت کے دریا بہتے تھے۔

تمام درباری ایک ناقابلِ برداشت ہیجان میں مبتلا تھے۔ پھر جب عجمی نے ایک کاغذ پر تمام واقعہ لکھ کر سلطان کی خدمت میں پیش کیا اور بلند آواز نقیب نے اس عبارت کو سرِ دربار پڑھا تو حاضرین کے دماغ لو دینے لگے اور رگوں میں دوڑنے والا خون جل اُٹھا۔

سلطان محمود کو کچھ دیر کے لئے سکتہ سا ہو گیا تھا۔ عجمی کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ بہت دردناک اور لرزہ خیز تھا۔ مگر امرائے سلطنت نے اپنے فرمانروا کو ایسی حالت میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اہلِ دربار فی الوقت عجمی کے غم کو بھول کر والیٔ غزنی کی متحیر آنکھوں اور دھواں دھواں چہرے کو دیکھنے لگے۔ بڑی غمگین صورتِ حال تھی۔ تمام اراکینِ حکومت اپنے سلطان کے مزاج سے آشنا تھے کہ محمود تو وہ مردِ آہن تھا، جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرایا کرتا تھا...... مگر آج امیرِ غزنی کو یہ کیا ہو گیا تھا؟

پھر بہت آہستہ آہستہ محمود کے چہرے سے رنج و الم کا دھواں چھٹا اور سلطان کے جاہ و جلال کا حقیقی رنگ لوٹ آیا۔

"عجمی! تیری زبان تو ہماری زبان تھی۔" والیٔ غزنی کی پُرہیبت آواز سے پورا دربار گونج اُٹھا۔ "علیم الدین! اس بدنصیب بجے راؤ نے تیری نہیں، تیرے سلطان کی زبان کاٹی ہے۔ اب موجِ خوں، بھاٹیہ کے بام و در سے گزرے یا پورا شہر قبرستان میں تبدیل ہو جائے، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ خداوند ذوالجلال کی قسم! میں اس سے کم پر رضامند نہیں ہوں گا کہ بجے راؤ کا سر کاٹ کر میری خدمت میں پیش کر دیا جائے۔ اور اگر میرا کوئی جانباز اُسے پابندِ سلاسل کر کے دربارِ غزنی تک پہنچائے تو یہ میری زندگی کا سب سے دلفریب منظر ہوگا۔" محمود چند لمحوں کے لئے خاموش ہوا اور پھر اپنے سفیر سے دوبارہ مخاطب ہو کر بولا۔

"علیم الدین عجمی! ہم تجھ سے راضی ہیں کہ تُو نے سفارت کا حق ادا کر دیا۔ بے شک! ہمارے کاندھوں پر تیری رفاقت و جاں نثاری کا بڑا بھاری بوجھ ہے مگر ہم عنقریب اس بارِ گراں کو اتار دیں گے اور پھر تُو کھلی آنکھوں سے دیکھ لے گا کہ سلطان محمود غزنوی، اہلِ وفا کو کس طرح سرفراز کرتا ہے...... اور تجھے اس بات پر بھی یقین آ جانا چاہئے کہ ہم اپنے جاں نثاروں کو زندگی کے پُرخار راستے میں تنہا نہیں چھوڑ دیتے۔ تُو زبان کٹ جانے کے بعد ہمارے حلقۂ اعتبار میں بلند ترین درجے پر فائز ہو گیا ہے۔ عجمی! تجھے یہ نیا منصب مبارک ہو۔"

سفیر علیم الدین عجمی کے زرد اور اُداس چہرے پر خوشی کی ایک تیز لہر اُبھری اور وہ احتراماً نصف قد تک خم ہو گیا۔

پھر کچھ دیر بعد دربارِ غزنی میں سلطان محمود کا نیا فرمان گونجنے لگا۔

"اپنے نیزوں اور شمشیروں کو چمکا لو کہ ہم نے بجے راؤ کی دعوت قبول کر لی ہے۔ وہ بہت جلد اپنے سپاہیوں کا گوشت اور خون ہماری ضیافت کے لئے پیش کرے گا۔ اگرچہ تمہاری شمشیروں کے شکم بھرے ہوئے ہیں اور نیزوں کی زبانیں سیراب ہو چکی ہیں مگر اس بار ہم چاہتے ہیں کہ تم نافرمانوں اور بت پرستوں کے خون کا پورا سمندر پی جاؤ اور ایک قطرہ بھی پیاسی زمین کے لئے نہ چھوڑو کہ یہ ہمارے جاہ و جلال اور شوقِ معرکہ آرائی کی توہین ہوگی۔"

والیٔ غزنی نے بڑے خوفناک انداز میں سلطنتِ بھاٹیہ کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا تھا۔

❀❀❀❀❀

پھر سلطان محمود کی فوجیں ملتان کی طرف کوچ کرنے ہی والی تھیں کہ ایک نہایت تکلیف دہ واقعہ پیش آ گیا۔

والیٔ غزنی نے اپنی رعایا کی خبر گیری کے لئے انتہائی سختی سے یہ حکم جاری کیا تھا کہ جب بھی کوئی ستم رسیدہ فریادی سلطان کے انصاف کو آواز دے تو اسے بے دریغ دربار میں داخل ہونے دیا جائے۔ محمود کے اسی حکم کے تحت ایک دن ایک بدحال شخص زار و قطار روتا ہوا دربار میں داخل ہوا اور چیخ چیخ کر کہنے لگا۔

"اپنی بلند اقبالی کے صدقے میں سلطان ایک نظر میری طرف بھی دیکھیں کہ میں کیسا بدبخت انسان ہوں اور اہلِ اقتدار کس کس انداز سے مجھ پر ستم ڈھا رہے ہیں؟"

اجنبی شخص کی پُرشور فریاد سن کر اہلِ دربار کے ماتھوں پر بل پڑ گئے اور خود والیٔ غزنی بھی کسی قدر برہم نظر آنے لگا۔ "اے شخص! تُو نے نامناسب وقت میں ہمارے انصاف کو آواز دی ہے مگر جب تیری چیخیں ہماری سماعت تک پہنچ ہی گئی ہیں تو پھر ہم تجھے خالی ہاتھ نہیں لوٹائیں گے۔ تُو نہیں جانتا کہ تجھ سے بھی زیادہ مظلوم انسان، علیم الدین عجمی ہمارے دربار میں اپنا مقدمہ لے کر حاضر ہوا ہے...... اور وہ ایک ایسا

مقدمہ ہے کہ جس کی وکالت کے لئے ہم میدانِ جنگ کی طرف جا رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم بھی کر انصاف دلاتے دلاتے ہم خود بھی جان سے گزر جائیں، اس لئے ہماری معذرت قبول کر کہ اس وقت ہم بہت مجبور ہیں۔" یہ کہہ کر سلطان محمود اپنے وزیر مملکت سے مخاطب ہوا۔ "اس فریادی کا حال سنو۔ اور اگر یہ حق پر ہو تو پورا پورا انصاف کرو تا کہ اسے سلطان کی عدالت کے ہر کارکن پر اعتبار آ جائے۔"

پھر جیسے ہی والیٔ غزنی خاموش ہوا، وہ فریادی دوبارہ چیخنے لگا۔ "سلطان! میرا مقدمہ بھی بڑا عجیب ہے، اسے آپ کے سوا کوئی دوسرا نہیں سن سکتا۔"

"تو پھر ہماری واپسی کا انتظار کر۔" محمود نے فریادی کو جواب دیتے ہوئے کہا۔ "ہم محاذِ جنگ سے واپس لوٹ کر سب سے پہلے تیرا افسانۂ غم سنیں گے۔" والیٔ غزنی کا لہجہ تسکین آمیز تھا۔

"مگر میرے شاہ! اس وقت تک تو میں جل کر خاک ہو جاؤں گا اور گردشِ وقت کی تیز ہوائیں میری راکھ کو اُڑا کر بہت دُور لے جا چکی ہوں گی۔" اجنبی شخص، ہچکیوں کے ساتھ رو رہا تھا۔ "پھر فریاد ہو گی نہ فریادی...... منصف ہو گا نہ عدالت...... پھر سلطانِ ذی حشم کس سے میرا افسانۂ غم سنیں گے؟"

اجنبی کا لہجہ اس قدر جاں گداز تھا کہ چند لمحوں کے لئے سلطان محمود بھی سناٹے میں آ گیا۔

"تو پھر مختصر الفاظ میں اپنی داستانِ الم سنا دے کہ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔" بالآخر والیٔ غزنی اس فریادی کی رودادِ غم سننے پر آمادہ ہو گیا۔

"شاہا! میرا قصۂ درد ایسا نہیں ہے کہ بھرے دربار میں بیان کر سکوں۔" فریادی نے اپنی معذوری ظاہر کی۔

چند ساعتوں کے لئے والیٔ غزنی کے چہرے پر اُلجھن کے آثار نمایاں ہوئے اور پھر اس نے ایک شخص کی فریاد سننے کی خاطر وہ دربار برخاست کر دیا، جہاں اہم ترین جنگی مسائل پر بحث ہونے والی تھی۔

اور جب مکمل طور پر خلوت ہو گئی تو سلطان محمود نے فریادی سے اپنا مقدمہ پیش کرنے کے لئے کہا۔

فریادی نے بہتے آنسوؤں اور لرزتی آواز کے ساتھ اپنی زندگی کا سب سے زیادہ اذیت ناک واقعہ بیان کرنا شروع کیا۔

"سلطانِ عالی مقام! میری جواں سال بیوی کا بے پناہ حُسن میرے لئے ایک نا قابلِ برداشت عذاب بن کر رہ گیا ہے۔ شاہِ والا کو یہ سن کر بہت صدمہ ہو گا کہ آپ کا بھانجا بہت دنوں سے میرے عزت و ناموس کے ساتھ ایک انتہائی شرم ناک کھیل، کھیل رہا ہے۔ وہ ہر رات مسلح ہو کر میرے گھر آتا ہے اور پھر اندر داخل ہو کر مجھے کوڑے مار کر باہر نکال دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ تمام رات رنگ رلیاں مناتا ہے۔ میں نے اس عذاب سے نجات حاصل کرنے کے لئے کئی بار آپ کے بھانجے کے پیروں پر اپنا سر رکھ دیا کہ وہ میرے گناہ بخش دیں اور میری بیوی کو اپنی ہوس کا نشانہ نہ بنائیں مگر ہر مرتبہ ذلت آمیز ٹھوکریں ہی میرا مقدر بنیں۔ پھر میں نے مجبور ہو کر آپ کے تمام امیروں اور وزیروں کے سامنے کسی بھکاری کی طرح اپنا دامن پھیلایا اور رو رو کر التجا کی کہ میں بہت کمزور، غریب اور نارسا انسان ہوں۔ خدا کے لئے میرا حال زار، سلطانِ معظم کے گوش گزار کر دیں۔ مگر کسی کو مجھ پر رحم نہیں آیا اور ان با اثر انسانوں نے اس طرح اپنے کان بند کر لئے کہ جیسے وہ بہرے ہیں...... اور انہوں نے اس طرح میرے بہتے ہوئے آنسوؤں کو نظر انداز کر دیا کہ جیسے ان کی آنکھوں کی بینائی زائل ہو گئی ہے۔ پھر جب مجھے انصاف طلبی کے تمام

دروازے بند نظر آنے لگے تو میں چیختا ہوا آپ کے دربار میں داخل ہو گیا۔"

یہ کہہ کر اجنبی فریادی آگے بڑھا اور والیٔ غزنی کے پیروں پر سر رکھ کر رونے لگا۔ "سلطانِ ذیشان! آپ ہی فرمائیں کہ اب میں انصاف کے لئے کہاں جاؤں؟"

اپنے بھانجے کی بے راہ روی کا یہ واقعہ سن کر محمود اس طرح ساکت ہو گیا تھا جیسے وہ پتھر کا انسان ہے۔ اس کی آنکھیں حلقوں سے باہر نکل آئی تھیں اور اس کی حیرت و اذیت کا یہ عالم تھا کہ وہ پلکیں تک جھپکانا بھول گیا تھا۔

والیٔ غزنی کو اس حالت میں دیکھ کر فریادی کو گمان گزرا کہ شاید سلطان محمود نے بھی دوسرے وزراء کی مانند اس کی انصاف طلبی کی درخواست کو مسترد کر دیا ہے۔ "شاہا! اگر میری فریاد ساعتِ سلطانی پر گراں گزری ہے تو میں اپنا مقدمہ واپس لے کر اللہ کی عدالت میں چلا جاتا ہوں۔" اچانک مظلوم اجنبی کے لہجے میں شدید خوف جھلکنے لگا تھا۔

"ہرگز نہیں۔" سلطان محمود کی سکتے کی سی کیفیت ختم ہو گئی تھی اور وہ بڑے کرب کے عالم میں چیختا تھا۔ "کیا تُو اللہ کی عدالت میں جا کر اپنے سلطان کے چہرے پر کبھی نہ مٹنے والی سیاہی مل دینا چاہتا ہے؟"

"پھر میں کیا کروں میرے محترم سلطان؟" والیٔ غزنی کے پیروں پر اجنبی کی گرفت کچھ اور مضبوط ہو گئی تھی۔ "غزنی میں اس دروازے کے بعد اور کون سا دروازہ ہے جس پر اپنا کاسۂ سوال رکھوں اور دامنِ طلب پھیلاؤں؟"

"سلطانِ عادل کی عدالت بھی اللہ ہی کی عدالت ہوتی ہے۔" یکایک سلطان محمود نے فریادی کے سر پر ہاتھ رکھ دیا "اے شخص! واقعتاً تیرا قصۂ غم جانگداز ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ تیز ترین نشتر ہے، جس نے ہمارے دل کے ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ بس اب تُو کھڑا ہو جا اور ہمارے قصور کو معاف کر دے۔"

فریادی نے والیٔ غزنی کے پاؤں چھوڑ دیئے اور گھبرا کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ "کیا قصور سلطانِ معظم؟" اجنبی شخص کی آواز لرز رہی تھی۔

"یہی قصور کہ ہر رات تجھ پر ایک تازہ قیامت نازل ہوتی رہی اور ہم قصرِ شاہی میں نرم و گداز بستر پر بے خبری کی نیند سوتے رہے۔" والیٔ غزنی کے لہجے سے شدید ندامت کا اظہار ہو رہا تھا۔

"نہیں میرے شاہ! آپ کبھی بے خبری کی نیند نہیں سوئے۔" فریادی کی آواز میں بڑی رقت تھی۔ "آپ کو دنیا میں بہت کام ہیں۔ شرمندہ تو میں ہوں کہ اپنا ایک حقیر سا کام لے کر چلا آیا اور آپ کی بے پناہ مصروفیات میں خلل انداز ہوا۔"

"اے شخص! یاد رکھ کہ تیری بے آبروئی پوری قوم کی بے آبروئی ہے۔" سلطان محمود جیسے باجرأت حکمراں کے لہجے میں ہلکا ہلکا ارتعاش تھا اور چہرے پر بیک وقت نفرت و غضب اور اذیت و کرب کے گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ "اگر تیرے ساتھ پورا پورا انصاف نہیں ہوا تو پھر تیرا سلطان بھی بے آبرو ہو جائے گا۔"

اس کے بعد محمود نے فریادی سے کہا۔ "اگر پھر کبھی میرا بھانجا تیرے مکان میں داخل ہو تو مجھے اطلاع کر دینا۔"

"مجھ جیسے نادار شخص کے لئے یہ کہاں ممکن ہے کہ جب چاہوں، خدمتِ شاہ میں حاضر ہو سکوں؟" فریادی نے کہا۔ "میں ایک معمولی انسان سینکڑوں پردوں سے کس طرح گزر سکتا ہوں؟"

محمود نے فوراً ہی اپنے محافظوں اور دربانوں کو طلب کر کے فریادی کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"اس شخص کے لئے اجازتِ خاص ہے کہ یہ جب چاہے، اپنے سلطان سے مل سکتا ہے۔"

دربانوں نے سرِ اطاعت خم کیا اور واپس چلے گئے۔

"اور کبھی اتفاقاً یہ دربان میری عدیم الفرصتی یا آرام کا عذر پیش کر کے تمہیں میرے پاس آنے سے روک دیں تو تم فلاں مقام پر چھپ کر چلے آنا۔" محمود نے فریادی کو خوابگاہِ سلطانی تک پہنچنے کا خفیہ راستہ بتاتے ہوئے کہا۔ "تم وہاں پہنچ کر آہستہ سے مجھے آواز دینا کہ وہ شخص آ گیا ہے۔ پھر تیرے ساتھ انصاف ہو جائے گا۔"

فریادی اُمید و بیم کی حالت میں اپنے گھر چلا گیا۔ کبھی اسے خیال گزرتا کہ اس کے ساتھ انصاف ہو جائے گا اور کبھی ذہن میں وسوسے پیدا ہوتے کہ سلطان نے الفاظ کا سہارا دے کر ٹالنے کی کوشش کی ہے۔

"یہ کیسے ممکن ہے کہ میں ایک آواز دوں گا اور سلطانِ غزنی میری صدا پر دوڑا چلا آئے گا۔" وہ شخص خود کلامی کے انداز میں کہتا اور اُداس ہو جاتا۔

پھر دو راتیں بخیر و عافیت گزر گئیں۔ اس دوران والئ غزنی کا بدکار بھانجا اس کے گھر نہیں آیا۔ اس شخص نے سوچا کہ شاید یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا ہے...... مگر تیسری رات اس پر سرِ شام وہی قیامت نازل ہو گئی۔ محمود کا اوباش بھانجا شراب پی کر مکان میں داخل ہوا اور حسبِ معمول کوڑے مار کر اسے باہر نکال دیا۔ وہ مظلوم شخص کچھ دیر تک عجیب کشمکش و پیچ کی حالت میں کھڑا رہا۔ قصرِ شاہی اُس کے مکان سے کئی میل کے فاصلے پر تھا۔ ایک پاپیادہ انسان اس طویل فاصلے کو کس طرح طے کر سکتا ہے؟ اس لئے کسی نہ کسی طرح نصف شب کے قریب وہ قصرِ شاہی تک پہنچ بھی گیا تو گہری نیند سونے والے حکمراں کو کس طرح بیدار کرے گا؟ غزنی کے مظلوم ترین انسان کا دل ڈوبنے لگا۔ "بس! انصاف ہو چکا۔" اس نے اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ہم غریبوں کی قسمت یہی ہے کہ یا تو اس ذلت آمیز زندگی کو قبول کر لیں یا پھر عدالت و انصاف سے مایوس ہو کر کسی گوشۂ گمنامی میں خودکشی کر کے مر جائیں۔"

وہ شخص کچھ دیر تک اپنے پریشان خیالات سے اُلجھتا رہا۔ پھر اسے سلطان محمود کا پُرجوش وعدہ یاد آیا اور اس کے ساتھ ہی وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ آج ایک ستم رسیدہ انسان، عدل و انصاف کے لئے نہیں، صرف والئ غزنی کی آزمائش کے لئے قصرِ شاہی کی طرف جا رہا تھا۔ تاریک اور ناہموار راہوں میں کبھی کسی پتھر سے ٹکرا کر گر جاتا اور کبھی کوئی سخت کانٹا تلوؤں میں اُتر جاتا۔ مگر وہ ہر رکاوٹ سے بے نیاز ہو کر بھاگتا رہا۔ آج کی رات اس نے بہتے ہوئے خون اور زخموں کی سوزش کو یکسر فراموش کر دیا تھا۔ آج کی رات وہ بس سلطان محمود غزنوی کو آزمانا چاہتا تھا۔

پھر نصف شب کے قریب وہ قصرِ شاہی کے دروازے پر پہنچا۔ دربانوں نے شکستہ حالت کے باوجود اسے پہچان لیا اور پھر محل کے اندر جانے کی اجازت دے دی۔ مگر جب وہ خلوت گاہِ سلطانی کے نزدیک پہنچا تو پہرے داروں نے وہی متوقع عذر تراش لیا۔

"ہم آدھی رات کے وقت سلطان کی نیند میں خلل ڈالنے کی گستاخی نہیں کر سکتے۔"

وہ بدحال شخص شدید مایوسی کے عالم میں واپس جانا چاہتا تھا کہ اسے سلطان کا بتایا ہوا خفیہ راستہ یاد آ گیا۔ وہ قسمت آزمائی کی آخری کوشش کے طور پر لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ آگے بڑھا اور اس مخصوص جگہ پہنچ کر والئ غزنی کو پکارنے لگا۔

"سلطان! آپ کہاں ہیں کہ وہ ظالم پھر ایک مظلوم کے گھر کی چار دیواری میں داخل ہو گیا ہے۔"

ابھی فریادی کے الفاظ کی بازگشت ختم نہیں ہوئی تھی کہ والئ غزنی کی پُرجلال آواز اُبھری۔ "اے شخص! ٹھہر کہ تیرا سلطان آ رہا ہے۔"

اور پھر کچھ دیر بعد ہی محمود ایک خفیہ دروازے سے مسلح حالت میں برآمد ہوا۔ فریادی، سلطان کو روبرو پا کر حیرت زدہ رہ گیا۔ "شاہا! میری بدگمانی معاف! میں تو سمجھ رہا تھا کہ آپ محوِ خواب ہوں گے۔"

"اے شخص! ہم اپنی رعایا کی اجازت کے بغیر کبھی نہیں سوتے۔" والئ غزنی نے کہا اور تیزی سے قصرِ شاہی کے عقبی دروازے تک آیا۔ مسلح محافظ اپنے سلطان کے ہمراہ جانا چاہتے تھے مگر محمود نے انہیں سختی سے منع کر دیا اور فریادی کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر اس مقام پر پہنچا جہاں خود اس کا خون ایک ناقابلِ معافی جرم میں ملوث تھا۔

محمود نے کمرے کے دروازے پر رک کر اپنی شمشیر بے نیام کی اور زیرِ لب دعا مانگی۔ "اے بے پناہ اور لازوال طاقتوں کے مالک! اپنے کمزور بندے محمود کو استقامت دے۔"

پھر وہ دبے پاؤں کواڑ کھول کر اندر داخل ہوا۔ سلطان کی نگاہوں کے سامنے ایک انتہائی تکلیف دہ اور شرمناک منظر تھا۔ والئ غزنی نے جلتی ہوئی شمع کی روشنی میں اپنے بھانجے کو دیکھا۔ یہ سفاک اور بدکار نوجوان اُس کے رشتے کی بہن کا بیٹا تھا، جو اس وقت شراب کے نشے میں بدمست پڑا تھا۔ محمود نے آگے بڑھ کر شمع بجھا دی اور پھر چند لمحوں بعد کمرے میں ایک دردناک چیخ گونجی۔ سلطان کی شمشیرِ قہر نے اپنے عزیز کا سر تن سے جدا کر دیا تھا۔

فریادی لرز کر رہ گیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ والئ غزنی اُس کے ساتھ اس طرح انصاف کرے گا۔ وہ تو بس یہی سمجھتا تھا کہ سلطان تند و تیز لہجے میں اپنے بھانجے کو تنبیہ کر دے گا اور پھر اسے ایک جفاکار نوجوان کی اذیت رسانی سے نجات مل جائے گی...... مگر جب محمود نے اپنے ہاتھوں سے اپنا ہی خون بہا دیا تو اس شخص کو اندازہ ہوا کہ سلطان کے عدل و انصاف کا کیا معیار ہے؟

پھر محمود نے اپنے بھانجے کا کٹا ہوا سر رومال میں باندھا اور کمرے سے باہر آ کر بولا۔ "اے شخص! ہم نے اپنے فہم اور استطاعت کے مطابق تیرے مقدمے کا فیصلہ کر دیا۔ کیا تُو میرے انصاف سے مطمئن ہے؟"

خوف و دہشت میں مبتلا فریادی نے والئ غزنی کے پاؤں پکڑ لئے۔ "سلطان! آپ نے قانونِ عدالت کی آبرو رکھ لی۔ آج کے بعد مشکل ہی سے کوئی حکمراں آپ کے معیارِ انصاف کو پہنچ سکے گا۔"

"میرے پاؤں چھوڑ دے اور ایک پیالہ پانی پلا دے۔ اب پیاس ناقابلِ برداشت ہو گئی ہے۔"

وہ شخص بہت تیزی سے اُٹھا اور والئ غزنی کے لئے پانی لے کر آیا۔ پھر جب سلطان محمود سیر ہو کر پانی پی چکا تو فریادی نے دست بستہ عرض کرتے ہوئے کہا۔

"شاہا! بس ایک احسان اور۔ مجھے اتنا بتا دیجئے کہ آپ نے اپنے بھانجے کے قتل سے پہلے شمع کیوں

بجھائی؟ اور پھر قتل کے بعد پانی کیوں طلب کیا؟"

"میں نے شمع اس لئے بجھائی تھی کہ کہیں روشنی میں اس کا چہرہ دیکھ کر خونی رشتے کی محبت جوش نہ مارے اور پھر میرا ارادہ کمزور نہ پڑ جائے۔" محمود نے رک رک کر کہا۔ "اور پانی پینے کی وجہ یہ تھی کہ جس دن سے تُو نے مجھے اپنا فسانۂ الم سنایا تھا، اسی روز سے میں نے یہ عہد کیا تھا کہ جب تک تیرے ساتھ انصاف نہ کر دوں گا، اس وقت تک نہ حلق سے غذا کا ایک لقمہ اُتاروں گا اور نہ پانی کا ایک قطرہ پیوں گا۔"

یہ کہہ کر والیٔ غزنی، قصرِ شاہی کی طرف چلا گیا۔ راستے میں غزنی کی مساجد سے اللہ اکبر کی صدائیں اُبھر رہی تھیں اور سلطان محمود زیرِ لب کہہ رہا تھا۔

"بے شک! ساری تعریفیں اور تمام بڑائیاں اللہ ہی کے لئے ہیں۔"

✻✻✻✻✻

پھر دوسرے دن اُمرائے دربار کے سامنے اپنے بھانجے کا کٹا ہوا سر رکھ کر والیٔ غزنی، سردارانِ قوم سے مخاطب ہوا۔ "مجھے افسوس ہے کہ تم نے ایک غریب اور کمزور انسان کی دادرسی اس لئے نہیں کی کہ یہ گناہ میرے ایک رشتے دار سے سرزد ہوا۔ کاش! تم انصاف کے تقاضوں کو سمجھتے اور اس مجرمانہ بے حسی کا شکار نہ ہوتے۔"

پھر سلطان نے اپنے سب سے بڑے بیٹے مسعود کو سرِ دربار طلب کیا۔ اس وقت صاحبزادہ مسعود کی عمر بمشکل دس بارہ سال تھی۔ جب مسعود، باپ کے قریب آیا تو والیٔ غزنی تخت سے نیچے اُتر آیا اور اس نے بیٹے کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"اُس ذاتِ پاک کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اگر اس گناہ کا مرتکب میرا محبوب فرزند ہوتا تو تم اس کا کٹا ہوا سر بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے۔"

اہلِ دربار کی سانسیں رک گئی تھیں اور وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اس مجرم کی کٹی ہوئی گردن دیکھ رہے تھے۔ جو نسبت اور حوالے کے اعتبار سے محمود کا قریبی عزیز تھا۔

مختصر سے سکوت کے بعد والیٔ غزنی دوبارہ اراکینِ سلطنت سے مخاطب ہوا۔ "تم ہمیشہ کے لئے اپنی آنکھوں میں یہ منظر محفوظ کر لو کہ جب آلِ سبکتگین کا خون اس فرش پر بہہ سکتا ہے تو پھر تم میں سے کسی کا خون اتنا مقدس نہیں کہ اسے بہایا نہ جا سکے۔"

"لاریب! (بے شک)" امراء کی آوازوں سے دربار گونجنے لگا۔ پھر جب یہ شور ختم ہوا تو نقیب نے پکار کر کہا۔

"شیخ نظام شاہ، دربارِ سلطان میں تشریف لا رہے ہیں۔"

والیٔ غزنی گھبرا کر دروازے کی طرف بڑھا۔ امرائے سلطنت کی نگاہیں بھی اپنے سلطان کا تعاقب کر رہی تھیں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ محمود کی تخت نشینی کے بعد نظام شاہ اپنی مرضی سے دربار میں تشریف لائے تھے۔ سلطان انتہائی عقیدت و احترام کے ساتھ نظام شاہ کو تخت تک لے کر آیا۔ نظام شاہ تخت پر بیٹھنے کے بجائے محمود سے مخاطب ہوئے۔

"سلطان! تم نے بہت ہوش مندی سے کام لیا کہ ایک غریب و محتاج کی فریاد رسی اور عدل و انصاف کی روایتوں کو برقرار رکھا۔ اگر لشکرِ غزنی اس مظلوم شخص کی فریاد سنے بغیر کوچ کر جاتا تو بڑی عبرت ناک

شکست ہوتی۔ اب تم جس محاذ پر چاہو، بے خوف و خطر چلے جاؤ۔ اللہ تمہیں فتحِ عظیم عطا کرے گا۔" نظام شاہ نے محمود کے بھانجے کے کٹے ہوئے سر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "جس روز خونی رشتے انصاف کو پامال کرنے لگیں گے، اسی دن گردشِ وقت تمہارے اقتدار کو کھا جائے گی۔"

مردِ قلندر کی پُر جلال آواز سن کر حاضرین کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کے دلوں کے ساتھ ساتھ دربار کے بام و در بھی کانپ رہے ہیں۔

"اور اگر کبھی میدانِ کارزار میں کوئی مشکل مقام آ جائے تو اللہ کی بارگاہ میں فاتحِ بدر و اُحد کا واسطہ پیش کرنا۔ پھر ہر مشکل آسان ہو جائے گی اور سومنات بھی فتح ہو جائے گا۔"

یہ کہہ کر نظام شاہ واپس چلے گئے اور اہلِ دربار سوچتے ہی رہ گئے کہ شیخ کو اس واقعہ کی خبر کس طرح ہوئی؟

✻✻✻✻✻

پھر راجہ بجے راؤ کو اس کی سفاکانہ گستاخی کی سزا دینے کے لئے سلطان محمود، بھاٹیہ کی طرف بڑھا۔ والیٔ غزنی کا خیال تھا کہ وہ اس مغرور و بد دماغ راجہ پر آسانی سے غلبہ حاصل کر لے گا۔ مگر جب محمود، ملتان کی سرحدوں سے گزر کر بھاٹیہ کے قریب پہنچا تو شہر کی فصیل دیکھ کر حیران رہ گیا۔ یہ فصیل بہت زیادہ بلند اور مضبوط تھی۔ بجے راؤ نے اپنی مملکت کی حفاظت کے لئے شہر کے گرد ایک خندق بھی کھدوائی تھی، جس کا منہ بہت چوڑا تھا اور گہرائی کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ راجہ بجے راؤ کو اپنے سپاہیوں اور ہاتھیوں کی کثرت پر بھی بڑا ناز تھا۔

پھر جب دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا تو سلطان محمود کے سارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ایک تو راجہ بجے راؤ اپنے گھر میں پسندیدہ محاذ پر جنگ لڑ رہا تھا، دوسرے یہ کہ اسے محمود کے لشکر پر دیگر جنگی وسائل کے علاوہ عددی برتری بھی حاصل تھی۔

غزنی کے سپاہی سات دن تک بڑی جانبازی کے ساتھ دشمن سے لڑتے رہے مگر کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ پھر دسویں دن وہ نازک مرحلہ بھی آ گیا جب محمود کو اپنی شکست صاف نظر آنے لگی تھی۔ سلطان نے اپنے جاں نثاروں کی طرف دیکھا۔ ان کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

دوسری طرف انند پال کے جاسوس اسے مسلسل محاذِ جنگ کی خبریں پہنچا رہے تھے۔ برہمن حکمراں نے اپنی فوجوں کو تیار رہنے کا حکم دے دیا تھا کہ جیسے ہی محمود کا لشکر پسپا ہونے لگے، اس پر بھرپور حملہ کر دیا جائے اور ایک مسلمان سپاہی بھی زندہ حالت میں غزنی واپس نہ جا سکے۔

سلطان محمود نے اپنے فوجیوں کے پریشان چہرے دیکھے تو اسے محسوس ہوا جیسے شکست و نامرادی تیز پاؤں لشکرِ غزنی کی طرف بڑھ رہی ہے۔ راجہ بجے راؤ سے بھی مجاہدینِ اسلام کا یہ حال پوشیدہ نہ رہ سکا۔ اس لئے وہ اپنے سپاہیوں کو بڑھ چڑھ کر حملہ کرنے کی ترغیب دے رہا تھا۔ محمود نے اپنی ذہانت اور مہارت کو بروئے کار لاتے ہوئے پے در پے کئی شدید حملے کئے۔ مگر اس کی ہر تدبیر رائیگاں گئی۔ راجہ بجے راؤ کے سپاہی آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے اور سلطان کے جاں نثاروں کو مجبوراً محاذِ جنگ سے پیچھے ہٹنا پڑ رہا تھا۔ اگر پسپائی کا یہ عمل کچھ دیر اور جاری رہتا تو غزنی کے سپاہی بالآخر محصور ہو کر رہ جاتے۔ محمود نے اس سے پہلے بھی کئی مشکل جنگی معرکے سر کئے تھے لیکن بھاٹیہ کا محاذ ان سب سے زیادہ دشوار اور

پریشان کن تھا۔ والیٔ غزنی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ بجے راؤ کی طاقت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو کس طرح روکے؟

وہ محمود کی زندگی کے نازک ترین لمحات تھے۔ سلطان ابھی راجہ بجے راؤ کے نرغے میں نہیں آیا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو ایک معمولی سا نقصان اٹھانے کے بعد اپنی فوجوں کو واپس لے جا سکتا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی ہندوستانی راجاؤں کے دلوں پر قائم ہونے والی ہیبت بھی ختم ہو جاتی اور جب کسی حکمراں کی ہیبت ختم ہو جائے تو پھر وہ دشمن کے ہاتھوں میں ناچنے والی کٹھ پتلی کی شکل اختیار کر لیتا ہے یا پھر کسی کا فرمانروا بن کر رہ جاتا ہے۔ سلطان کئی دن سے اسی ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا کہ اچانک اس کی ساعت میں شیخ نظام شاہ کے الفاظ گونجنے لگے۔

"اگر کبھی محاذِ جنگ پر کوئی مشکل پیش آ جائے تو فاتح بدر و اُحد کے واسطے سے دعا مانگنا۔"

یکایک والیٔ غزنی کو محسوس ہوا کہ جیسے وہ گہری تاریکی سے نکل کر تیز اُجالے میں آ گیا ہے۔ محمود فوراً ہی گھوڑے کی پشت سے اُترا اور وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھنے لگا۔ سلطان نے نماز کے لئے کسی مصلے کا اہتمام نہیں کیا تھا۔ بس وہ خاک پر سجدے ادا کرتا رہا۔ پھر جب نماز ختم ہو گئی تو ایک طویل سجدے میں چلا گیا۔ امیر سبکتگین کے فرزند کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر بھاٹیہ کی مٹی میں جذب ہو رہے تھے اور وہ جانگداز لہجے میں گریہ وزاری کر رہا تھا۔

"اے غلاموں کے سروں پر تاجِ زرنگار سجانے والے!...... اور اے شاہوں کے ہاتھوں میں بھیک کے کشکول دے کر در بدر پھرانے والے۔ تیرا حقیر بندہ محمود، خاک ہی سے اُٹھا اور ایک دن خاک ہی میں مل جائے گا۔ وہ کل بھی خاکِ رہ گزر تھا اور آج بھی خاک بسر ہے۔ تُو چاہے تو اس خاک کو کہکشاں بنا دے اور تُو ہلکا سا اشارہ کر دے تو میرا اقتدار، میرا سارا جاہ و جلال کوچۂ دشمناں میں خاکِ پریشاں کی طرح اُڑتا پھرے۔ مجھے سالارِ انبیاء سرورِ کونینؐ اور فاتح بدر و اُحد کے صدقے میں بت پرستوں پر غلبہ دے کہ تیری دستگیری کے بغیر ہم اس صحرائے کفر میں بے اماں ہیں۔ مالکِ جز و کل! ہمیں بے نشان ہونے سے بچا لے کہ ہم تو پہچانے ہی تیرے کرم سے جاتے ہیں۔ ہماری سرکشی و نافرمانی اور غرور و کبر کو معاف فرما کہ تُو ہی عزیز ہے، تُو ہی جبار ہے...... اور تُو ہی متکبر ہے۔"

پھر محمود سجدے سے اُٹھا تو سردارانِ قوم اُسے پہچان نہ سکے۔ بہتے ہوئے آنسوؤں کے سبب والیٔ غزنی کے چہرے اور داڑھی پر گرد و غبار جم گیا تھا اور پوری پیشانی خاک آلود ہو گئی تھی۔ ایک نظر سلطان نے اپنے سرداروں کو دیکھا اور دوبارہ گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ دُور تک میدانِ جنگ پر نگاہ کی اور بلند آواز میں اپنے سپاہیوں سے مخاطب ہوا۔

"دل اور زبان دونوں سے اقرار کرو کہ تمام اقتدار، تمام طاقت، تمام غلبہ اور تمام غرور صرف اللہ کے لئے ہے۔ اگر کسی سپاہی کے ذہن میں یہ وسوسہ پیدا ہو گیا ہے کہ اس کے بازو بہت توانا ہیں اور اس کی شمشیر کی کاٹ بہت ہلاکت خیز ہے تو وہ اپنے اس گناہ سے توبہ کرے۔" میدانِ جنگ میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کھڑے ہوئے نقیب اپنے فرماں روا کے الفاظ کو دوسرے سپاہیوں تک منتقل کر رہے تھے۔

"مت خوف کرو، بجے راؤ کی کثرتِ سپاہ سے...... اور مت ڈرو کوہ پیکر ہاتھیوں کی طویل قطاروں سے۔" محمود نے پورے جاہ و جلال کے ساتھ کہا۔ "یہ جنگی وسائل کے انبار تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اگر

راؤ کے ہاتھیوں نے تمہارے کعبۂ جاں کو مسمار کرنے کی کوشش کی تو وہ ذاتِ لازوال تمہاری مدد کے پھر ابابیلوں کے لشکر بھیج دے گی۔ ربِ کعبہ کی قسم! ہر دور میں ایسا ہی ہوگا۔ جب بھی تم اسے صادق وں، وحدانیت پرستی کی آگ میں جلتی روحوں، شرک سے پاک دھڑکتے دلوں اور بہتے آنسوؤں کے پکارو گے، وہ تمہاری مدد کو ضرور آئے گا۔ اُس کی صفت کبھی تبدیل نہیں ہوتی...... کبھی نہیں...... نہیں......"

والیٔ غزنی کی یہ مختصر سی تقریر کیا تھی۔ ایک عجیب بارشِ یقین تھی، جس نے مُردہ ذہنوں کو آن کی آن زندہ کر دیا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے مجاہدینِ اسلام کے سینوں میں بت شکنی اور شوقِ تسخیرِ ہندوستان کی بھرپور فصل لہلہانے لگی تھی۔

راجہ بجے راؤ نے بڑی حیرت سے محاذِ جنگ کا نقشہ بدلتے دیکھا۔ غزنی کے سپاہی پیچھے ہٹنے کے ے آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے۔ بھاٹیہ کے حاکم نے اپنے فوجیوں کو للکارا اور دشمن کی صفوں کو کرنے کا حکم دیا۔ مگر مجاہدینِ اسلام کی پیش قدمی جاری رہی۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی تو دونوں وں کے سپاہی اپنے اپنے خیموں کی طرف لوٹ آئے۔

راجہ بجے راؤ ساری رات نہیں سو سکا۔ ایک جیتی ہوئی جنگ پر اُس کی گرفت کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ یکایک راجہ جے پال کی شکست اور آگ میں جلنے کا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے اُبھر آیا۔ پھر یہ ت دل اس قدر بڑھی کہ بھاٹیہ کا حاکم جو خود کو ناقابلِ تسخیر سمجھتا تھا، گھبرا کر مندر میں داخل ہو گیا اور نے طاقت کی دیوی دُرگا کے قدموں پر سر رکھ دیا۔

"دیوی! اپنے اس داس کو شکتی دے۔ وہ دیوتاؤں کا دشمن تیرے گھر میں بھی داخل ہونے والا ہے۔" بجے راؤ بڑے عاجزانہ لہجے میں دُرگا کے کرم کی بھیک مانگ رہا تھا۔ اگر تیرے نام لیوا اس جنگ میں ئے تو پھر تُو بھی اپنے مقام پر ایستادہ نہ رہ سکے گی۔ محمود تمام دیوتاؤں کے مجسموں کو ریزہ ریزہ کر دے گا۔"

دُرگا کے قدموں پر سر رکھ کر طویل دعا مانگنے کے بعد راجہ بجے راؤ "کالی" کے پیروں پر جھکا۔ پھر ان شنکر کو آوازیں دینے لگا۔ پھر بھگوان شیو کو پکارتا رہا۔ یہاں تک کہ صبح کے آثار نظر آنے لگے۔ بجے کا اضطراب ختم ہو گیا تھا۔ اپنے سکونِ قلب کو بھاٹیہ کے حاکم نے دیوتاؤں کی نادیدہ مدد سے تعبیر کیا۔

جب بجے راؤ مندر سے جانے کے لئے اُٹھا تو بڑے پجاری نے اس کے ماتھے پر "تلک" کے ساتھ ل کا نشان بھی بنا دیا اور آرتی اُتارتے ہوئے فتح کی نوید سنانے لگا۔

راجہ بجے راؤ بڑی مطمئن حالت میں لشکر گاہ تک پہنچا اور اپنے سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "کل رات مجھے دیوتاؤں نے اپنے آشیرواد سے سرفراز کر دیا۔ آج اس جنگ کا فیصلہ ہو جائے گا اور منوں پر غالب آ جاؤ گے۔"

راجپوت سپاہی نئے جذبوں سے سرشار تھے اور یہ سوچ کر لڑ رہے تھے کہ محمود سے راجہ جے پال کی ت اور اپنوں بتوں کی توہین کا خوفناک انتقام لینا ہے۔ مگر ان کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔ بساطِ جنگ رح اُلٹ گئی کہ وسائل کا ڈھیر بھی رائیگاں ٹھہرا اور انتقامی جذبوں کی آگ بھی بجھ کر راکھ ہو گئی۔

سلطان نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ بجے راؤ کے قلبِ لشکر پر حملہ کریں۔ بظاہر والیٔ غزنی کا یہ اصولِ جنگ کے خلاف تھا مگر مجاہدینِ اسلام اس وقت اہلِ دنیا کے بنائے ہوئے تمام قوانین سے

بے نیاز نظر آ رہے تھے۔ انہیں اپنے سروں پر تائید غیبی کے سایہ فگن ہونے کا اس طرح یقین تھا، جیسے سورج اپنی پوری تابنا کی کے ساتھ چمک رہا تھا اور ہر آنے جانے والی سانس، انسانی زندگی کا ثبوت فراہم کر رہی تھی۔ پھر ان لوگوں کے لئے تائید حق آ پہنچی، جو تعداد میں بہت کم تھے۔ محمود کے جاں نثاروں نے بجے راؤ کی مضبوط ترین صفوں کو درہم برہم کر کے رکھ دیا۔ راجپوت سپاہیوں نے اس یلغار کو روکنے کی بہت کوشش کی مگر ان کے قدم اُکھڑتے ہی چلے گئے۔ بجے راؤ نے چیخ چیخ کر راجپوتوں کے ماضی کی تاریخ بیان کی لیکن آج سب کچھ بے اثر تھا۔ غزنی کے کوہساروں سے اُتر کر بھاٹیہ کے میدان میں آنے والی ہواؤں نے تاریخ کے اوراق منتشر کر دیئے اور راجہ بجے راؤ میدانِ جنگ سے فرار ہو کر قلعے میں پناہ گزیں ہو گیا۔

والئ غزنی نے آگے بڑھ کر قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ راجہ بجے راؤ قلعے کے چاروں طرف کھدی ہوئی گہری خندق کے باعث اپنے آپ کو مکمل طور پر محفوظ سمجھ رہا تھا۔ محمود نے بھی اس صورتِ حال کو پوری شدت کے ساتھ محسوس کیا اور ایک لمحہ ضائع کئے بغیر خندق کے پاٹنے کا حکم جاری کر دیا۔ پھر جب قلعے کی دائیں اور بائیں جانب کی خندق کو پاٹا جا چکا تو راجہ بجے راؤ پر وحشت طاری ہونے لگی۔ اب قلعے کا صرف عقبی حصہ باقی تھا۔ اگر محمود کے سپاہیوں کو وقت مل جاتا اور وہ خندق کے اس حصے کو بھرنے میں کامیاب ہو جاتے تو پھر راجہ بجے راؤ کی حیثیت اس شیر کی سی ہو جاتی، جسے آہنی پنجرے میں قید کر دیا جاتا تھا۔ اگرچہ بظاہر وہ ایک شیر ہوتا ہے لیکن کسی لومڑی یا بلی کی طرح بے ضرر اور نگہبانوں کے رحم و کرم پر زندہ رہنے والا۔

بجے راؤ نے اس مہلت کو غنیمت جانا اور اپنی وفادار فوج کے ساتھ ایک انتہائی شرم ناک کھیل کھیلا۔

"اب وقت آ گیا ہے کہ ہم دھرتی ماتا کی آبرو بچانے کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہا دیں۔ بہت ممکن ہے کہ اس طرح ہم سب اپنی جانوں سے محروم ہو جائیں مگر ہمارے مرنے کے بعد بھاٹیہ کی ایک نئی تاریخ رقم ہو جائے گی اور پھر آنے والی نسلیں لہو کے ان چراغوں کی روشنی میں نئے راستے تلاش کر لیں گی۔"

راجہ بجے راؤ کی تقریر پُرجوش تھی۔ بہادر راجپوتوں کا خون کھولنے لگا اور پھر وہ اپنی شمشیریں بے نیام کر کے دیوانہ وار قلعے سے باہر نکل آئے۔ والئ غزنی نے بجے راؤ کے اس اقدام کو بڑی حیرت سے دیکھا اور کچھ دیر بعد ہی ایک خونریز جنگ شروع ہو گئی۔ راجپوت سپاہی اپنے انجام سے بے پروا ہو کر مادرِ وطن پر قربان ہوتے جا رہے تھے۔ یہ جنگ کسی منصوبہ بندی کے بغیر لڑی جا رہی تھی، اس لئے بھاٹیہ کے سپاہیوں کو بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑ رہا تھا۔

دوسری طرف راجہ بجے راؤ اپنے چند مصاحبوں کے ہمراہ قلعے کے عقبی دروازے سے نکل کر فرار ہو گیا۔ راجپوت سپاہی دوپہر تک مزاحمت کرتے رہے، مگر جیسے ہی زوالِ آفتاب کا وقت شروع ہوا، بھاٹیہ کے سیاسی مستقبل پر گہری تاریکی چھا گئی۔

پھر جب سلطانی افواج فاتحانہ شان سے قلعے میں داخل ہوئیں تو ان پر یہ راز فاش ہوا کہ راجہ بجے راؤ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ فرار ہو چکا ہے۔ محمود کچھ دیر تک حیرت و سکوت کے عالم میں خاموش کھڑا رہا، پھر اس کے چہرے پر آتشِ جلال بھڑکنے لگی۔

"شیر کی نقاب پہنے ہوئے اس عیار گیدڑ کا یہاں تک تعاقب کرو کہ وہ بھاگتے بھاگتے ہانپ جائے

اور فرار کی کوئی راہ نہ پا کر تمہارے پیروں پر سر رگڑنے لگے۔" سلطان محمود نے اپنے برق رفتار سواروں کو حکم دیتے ہوئے کہا۔ "میں ہر حال میں بجے راؤ کو اپنے روبرو دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر وہ تمہارے ہاتھ نہ آ سکے تو پھر تم بھی لوٹ کر نہ آنا۔"

بڑا خوفناک حکم تھا۔ غزنی کے شہسواروں نے اپنے سلطان کی زبان سے ادا ہونے والے ایک ایک لفظ کو پورے ہوش و حواس کے ساتھ سنا۔ اطاعتِ شاہ میں نصف قد تک جھکے اور پھر ان کے پاؤں رکابوں تک پہنچے۔ عربی النسل گھوڑے اس طرح بھاگ رہے تھے، جیسے ہوا کا کوئی طوفان آ گیا ہو۔

پھر ایک طویل فاصلہ طے کرنے کے بعد سلطان کے سپاہیوں کو مقامی باشندوں کی زبانی معلوم ہوا کہ راجہ بجے راؤ فرار ہو کر دریائے سندھ کی طرف گیا ہے۔ غزنی کے شہسواروں نے اپنی رفتار بڑھا دی اور دریا کے کنارے کنارے چلتے رہے۔ یہاں تک کہ میدانی راستہ ختم ہو گیا اور سامنے ایک گھنا جنگل نظر آنے لگا۔ اب محمود کے فوجیوں کو ایک مشکل مرحلہ درپیش تھا کہ وہ کہاں تک اپنا سفر جاری رکھیں اور بھاٹیہ کے مفرور حکمراں کو کس مقام پر تلاش کریں؟ مجاہدینِ اسلام کو وقت کی کمی کے باعث بہت جلد فیصلہ کرنا تھا۔ بالآخر انہوں نے ایک ترکیب ڈھونڈ نکالی اور کچھ سپاہی تیز رفتاری کے ساتھ جنگل سے ملحقہ بستی میں پہنچے اور دیہاتی لوگوں سے راجہ بجے راؤ کے بارے میں دریافت کرنے لگے۔ شروع میں تو گاؤں کے لوگوں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا مگر جب سلطان کے سپاہیوں نے بستی کو آگ لگا دینے کی دھمکی دی تو دیہاتی باشندوں نے یہ راز فاش کر دیا کہ راجہ بجے راؤ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ اسی جنگل میں چھپا ہوا ہے اور بستی کے لوگ ہی اس کے کھانے پینے کا بندوبست کرتے ہیں۔ سلطان کے سپاہی برق رفتاری کے ساتھ واپس آئے اور اپنے ساتھیوں کو اطلاع دی۔ پھر کچھ دیر بعد ہی پورے جنگل کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا۔ اس کے بعد سپاہیوں کا ایک دستہ جنگل کے اندر داخل ہوا اور آہستہ آہستہ راجہ بجے راؤ کے گرد گھیرا تنگ ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ بھاٹیہ کا حاکم اور اس کے چند ساتھی سامنے نظر آنے لگے۔ اپنے دشمن کو نزدیک پا کر غزنی کے شہسواروں نے چیختے ہوئے کہا۔

"بجے راؤ! اب تیرے لئے اس دنیا میں کہیں کوئی جائے اماں نہیں، سوائے اس کے کہ تُو سلطانِ عالی مقام کے قدموں پر اپنا سر رکھ دے۔"

"ہمیں پناہ چاہئے، ہمیں زندگی چاہئے۔" بجے راؤ کے سپاہیوں نے اپنی تلواریں زمین پر پھینکتے ہوئے کہا۔ "ہمیں اپنے سلطان کے پاس لے چلو۔ ہمیں اس کے کرم کے سوا کچھ نہیں چاہئے۔"

راجہ بجے راؤ خاموش تھا اور اپنی شمشیر بے نیام کئے ہوئے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہا تھا۔

"مکار لومڑی! تُو کہاں تک بھاگے گی کہ اس جنگل کا مالک سلطانِ غزنی ہے۔ اور اس کے بچھائے ہوئے جال کے پھندے بہت زیادہ سخت ہیں۔" محمود کے سپاہیوں نے دوبارہ چیختے ہوئے کہا۔

راجہ بجے راؤ نے گھبرا کر پیچھے کی طرف دیکھا۔ وہاں بھی چمکتی ہوئی تلواروں کے ساتھ غزنی کے کچھ سپاہی موجود تھے اور اس طرح آگے بڑھ رہے تھے کہ جیسے کوئی شیر اپنے شکار پر جھپٹنے والا ہو۔ راجہ بجے راؤ کی پتلیاں بڑی تیزی سے گردش کر رہی تھیں۔ آگے، پیچھے، دائیں، بائیں، غزنی کے فوجی ہی فوجی تھے۔ شمشیر کے قبضے پر بجے راؤ کی گرفت مضبوط تر ہوتی گئی۔ اس نے حسرت زدہ نظروں سے آسمان کی طرف دیکھا مگر درختوں کی گھنی شاخوں اور پتوں کے سبب آسمان کا کوئی گوشہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

"اے دُرگا! تُو نے اپنے ایک جاں نثار پجاری کو کیسی ذلت اور بے کسی کی موت مرنے کے لئے تنہا چھوڑ دیا۔ اور اے کالی! تُو نے اپنے ایک سچے بھگت سے بے وفائی کی...... اور اے شنکر! تُو اپنے نام لیوا کو بچانے کے لئے دھرتی پر کیوں نہیں آیا؟ اور اے گنیش! تیری اپار شکتی کو کیا ہوا؟" راجہ بجے راؤ وحشیوں کے مانند چیخ رہا تھا۔ "بھاٹیہ کے در و دیوار جل رہے ہیں۔ برہمن اور راجپوت ذبح کئے جا رہے ہیں اور ان کے پاک خون سے زمین سرخ ہو رہی ہے۔ اور اے برہما! تُو کیسی خاموشی سے یہ تماشا دیکھ رہا ہے؟" بجے راؤ پاگل سا ہو گیا تھا اور اسی دیوانگی کے عالم میں اس نے تلوار اپنی گردن پر پھیر لی۔

شہ رگ کٹتے ہی خون کا فوارہ سا اُبل پڑا۔ والیٔ غزنی کے سپاہی تیزی سے دوڑے کہ راجہ بجے راؤ کو خودکشی سے بچا لیں مگر اس کا وقت گزر چکا تھا۔ سپاہیوں کے قریب پہنچتے پہنچتے بجے راؤ زمین پر گر کر تڑپنے لگا تھا۔ پھر اس نے چند ہچکیاں لیں اور انتہائی نامرادی کے عالم میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔

سپاہی کچھ دیر تک آپس میں مشورہ کرتے رہے کہ بجے راؤ کی لاش اُٹھا کر سلطان کے حضور لے چلیں یا پھر اس بدنصیب حکمراں کا سر کاٹ کر والیٔ غزنی کی بارگاہ میں پیش کریں۔

بالآخر اپنے ساتھیوں سے مشورے کے بعد ایک سپاہی جھکا اور اس نے یہ کہہ کر راجہ بجے راؤ کا سر کاٹ دیا۔

"سلطانِ ذیشان کی بلند اقبالی کے نام۔"

✻✻✻✻✻

پھر جب محمود کے سامنے راجہ بجے راؤ کا بریدہ سر پیش کیا گیا تو والیٔ غزنی اُداس نظر آنے لگا۔

"کاش! بجے راؤ کو زندہ گرفتار کر کے ہمارے سامنے لایا جاتا۔ پھر ہم اُسے بتاتے کہ والیٔ غزنی کے سفیر کی زبان کاٹنے کا کیا انجام ہوتا ہے؟ بے شک! وہ خودکشی کر کے ہمارے قہر سے محفوظ ہو گیا۔ بجے راؤ بہت ہوشیار تھا اور شاید اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ گرفتاری کے بعد ہم اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔" یہ کہہ کر سلطان محمود کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا اور پھر اہلِ دربار کو گہری نظروں سے دیکھنے لگا۔

والیٔ غزنی نے اسی مقام پر اپنا دربار آراستہ کیا تھا، جہاں راجہ بجے راؤ، تخت پر بیٹھ کر اپنی رعایا کی تقدیروں کے فیصلے کیا کرتا تھا۔ محمود نے دربار آراستہ کرنے سے پہلے حاکمِ بھاٹیہ کے تخت کا بغور جائزہ لیا تھا۔ پھر اس میں جڑے ہوئے تمام قیمتی زر و جواہر نکال لئے تھے اور تخت ایک مقامی اچھوت گھرانے کو یہ کہہ کر دے دیا تھا۔

"تم اپنے فرمانروا کا تخت استعمال کرو۔ تاکہ اہلِ بھاٹیہ کو عبرت حاصل ہو۔ بجے راؤ ایک شکست خوردہ انسان تھا۔ سلطان محمود تو کسی فاتح کا چھوڑا ہوا تخت بھی استعمال نہیں کرتا۔ وہ اپنا تاج و تخت خود تراشتا ہے۔"

والیٔ غزنی کے اس عمل سے بھاٹیہ کے باشندوں پر سلطان کے جاہ و جلال کی ہیبت طاری ہو گئی تھی۔ پھر اس نے تمام قیدی سرداروں اور امان مانگنے والے معززینِ شہر کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا تھا۔ اس وقت محمود ان ہی لوگوں کے چہروں کا جائزہ لے رہا تھا۔

"ہم بجے راؤ کو اتنی آسانی سے مرنے نہیں دیتے۔" یکایک سلطان کی آواز دوبارہ گونجنے لگی۔ "پہلے اسے بھاٹیہ کے ایک ایک گلی کوچے میں پھرایا جاتا۔ اس کی گندی زبان پر ہماری عظمتوں کے ترانے

ے۔ پھر وہ اپنی اسی ناپاک زبان سے ہمارے رحم و کرم کی بھیک مانگتا۔ یہاں تک کہ سارے اچھوت اور اس اعلیٰ نسل حکمراں کی ذلتوں کا تماشا اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھتے۔ اس کے بعد ہم اسے غزنی میں ریہ پھراتے۔ یہاں تک کہ وہ ہمارے عزت مآب سفیر علیم الدین عجمی کے پیروں پر دستار رکھ کر اپنے ی معافی مانگتا۔ پھر اگر عجمی اسے معاف کر دیتا تو ہم بھی بخش دیتے اور شاید اس طرح ہمارے قہر کی سرد ہو جاتی۔ مگر وہ عیار مرتے مرتے بھی ہمیں فریب دے گیا۔" محمود کے لہجے میں غصہ بھی تھا اور افسوس بھی۔

پورے دربار پر سکوتِ مرگ طاری تھا۔ بھاٹیہ کے سیاسی قیدیوں کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں اور چہروں ت و ندامت کی دُھند پھیلی ہوئی تھی۔

"بجے راؤ کی موت کے باعث اس کا جشنِ رسوائی بے رنگ ہو کر رہ گیا۔ ایک بار پھر والیٔ غزنی کی ی آواز گونج رہی تھی۔ "علیم الدین عجمی! ہمارے قریب آؤ۔" سلطان نے اپنے معتبر سفیر سے مخاطب ہا۔

زباں بریدہ عجمی اپنی نشست سے اٹھا اور محمود کے قریب جا کر دست بستہ کھڑا ہو گیا۔

"اگرچہ ایک مُردہ انسان کے ساتھ یہ سلوک اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن ہم کیا کریں کہ اپنے عدل و سے مجبور ہیں۔" سلطان کا لہجہ کچھ بجھا بجھا سا محسوس ہو رہا تھا۔ "سیاست کے قانون کی نظر میں یہ مجرم تھا۔ اس نے والیٔ غزنی کے سفیر کی زبان کاٹ کر ایک گناہِ عظیم کا ارتکاب کیا تھا۔ اگر یہ زندہ ہو جاتا تو ہم بھی انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لئے بالآخر اس کی زبان ہی کاٹتے۔ لیکن ہماری گرفت میں نہیں رہا۔ مجبوراً ہمیں دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑ رہا ہے۔" یہ کہہ کر سلطان محمود اپنے م الدین عجمی سے شرربار لہجے میں مخاطب ہوا۔ "عجمی! ذلیل راؤ کے سر پر تین بار ٹھوکر لگا اور اس تھ ہی نقیب بلند آواز میں پکارے کہ سلطان محمود غزنوی کے سفیرِ معظم کی توہین کرنے والے کا یہ ہوتا ہے۔"

ل دربار کے دلوں کی دھڑکنیں بے ربط ہو گئیں اور عجمی کے جسم پر ہلکا ہلکا لرزہ طاری ہو گیا۔

"تُو نے سنا نہیں عجمی! یہ تیرے سلطان کا حکم ہے۔" سفیر کی جھجک دیکھ کر سلطان محمود کا لہجہ مزید قہر و گیا۔ "ہماری سفارت کا فریضہ انجام دیتے ہوئے تیری زبان تو نہیں لڑکھڑائی تھی مگر آج تیری ٹانگیں انپ رہی ہیں؟"

ی ایک لمحے میں سنبھل گیا اور پوری استقامت کے ساتھ راجہ بجے راؤ کے سر پر ٹھوکریں مارنے ا کے ساتھ ہی سلطانی نقیب پکار پکار کر کہہ رہا تھا۔

"سلطان محمود غزنوی کے سفیرِ معظم کی توہین کرنے والے کا یہ انجام ہوتا ہے۔"

ب علیم الدین عجمی تین ٹھوکریں مار چکا تو والیٔ غزنی نے اپنے سفیر سے پوچھا۔ "تو ہمارے فیصلے ی ہے عجمی؟" اس وقت محمود کے لہجے سے گہری آسودگی جھلک رہی تھی۔

بے زبانی کا احساس کر کے علیم الدین عجمی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"ہم اپنے وفاداروں کی آنکھوں کی زبان سمجھتے ہیں عجمی!" یکایک سلطان محمود کا لہجہ بھی رقت آمیز ہو کل تک تُو ہماری زبان میں گفتگو کرتا تھا، مگر آج ہم تیری زبان بولیں گے۔ ازل سے اہلِ وفا

کی یہی رسم ہے اور ابد تک یہی رسم جاری رہے گی۔"

عجمی بے قرار ہو کر سلطان کے سامنے گھٹنوں کے بل جھک گیا اور والیٔ غزنی کے ہاتھوں پر اپنے کانپتے ہوئے ہونٹ رکھ دیئے۔ پھر کچھ لمحے اس عالم میں گزر گئے کہ اہلِ دربار کو اپنے دلوں کی دھڑکنیں سنائی دینے لگیں۔ یہاں تک کہ عجمی کے آنسوؤں نے سلطان کے ہاتھوں کو بھگو دیا۔

"یہ تیرے آنسو بہت قیمتی ہیں عجمی!" سلطان نے آہستہ آہستہ اپنے ہاتھوں کو کھینچتے ہوئے کہا۔ "ہم ان آنسوؤں کو تاریخِ سفارت کے اوراق پر اس طرح سجا دیں گے کہ اہلِ دل ان اشکوں کی روشنی میں اپنی منزلیں تلاش کریں گے۔"

علیم الدین عجمی سیدھا ہوا اور اُلٹے قدموں چلتا ہوا اپنی نشست پر آ کر بیٹھ گیا۔

اس کے بعد محمود راجپوت قیدیوں اور بھاٹیہ کے دوسرے معززین سے مخاطب ہوا۔

"میں نے سنا ہے کہ تم لوگ اپنے ناموں کے ساتھ لفظ "سنگھ" کا استعمال کرتے ہو اور سنسکرت ز جاننے والوں نے مجھے بتایا ہے کہ "سنگھ" سے مراد جنگل کا شیر ہے۔ میں بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتا کہ تم لوگ ایک شجاع قوم سے تعلق رکھتے ہو۔ مگر افسوس! تمہارے سردار بجے راؤ نے اپنے شیر ہو کوئی ثبوت فراہم نہیں کیا بلکہ وہ آزمائش کے محاذ پر اُترا تو اُس نے اپنی جنس ہی بدل ڈالی۔ وہ ہمارے میں ایک نہایت بزدل اور عیار گیدڑ تھا۔ نتیجتاً بڑی ذلت کی موت مارا گیا۔" محمود کے ہونٹوں سے شاہی کی آگ برس رہی تھی۔ "تم لوگ ایک مرد آفریں قوم ہونے کے بلند بانگ دعوے کرتے ہو میری آنکھوں میں آج تک وہ دردناک منظر محفوظ ہے، جب تم نے بڑی بے حسی کے ساتھ میرے سفیر کی زبان کٹتے دیکھی تھی۔ اگر میں چاہوں تو تمہاری اس بے ضمیری کو بنیاد بنا کر تم سب کو گیدڑ ہو طعنہ دے سکتا ہوں۔ لیکن میں ایسا نہیں کروں گا۔ تم نسلاً شیر ہو تو پھر شیروں ہی جیسی حرکتیں کرو ورنہ کا بے رحم قانون تمہیں بھیڑ بکریاں بنا کر رکھ دے گا۔ یاد رکھو! کہ میں اپنے محکوم کو بار بار ہدایات د عادی نہیں۔ آج تم سب پورے ہوش و حواس کے ساتھ میری ایک بات سن لو۔" یہ کہہ کر محمود خاموش اور گہری نظروں سے اہلِ دربار کے چہروں کا جائزہ لینے لگا۔

راجپوت قیدیوں اور بھاٹیہ کے معزز باشندوں نے گھبرا کر اپنی گردنیں سیدھی کیں۔ ان کے اور بجھے ہوئے چہروں پر ایک بڑا سوالیہ نشان اُبھر آیا تھا۔

"اگر کبھی سلطانِ غزنی کا کوئی کتا بھی بھاٹیہ کے جنگل سے گزرے تو تم سب اس کے احترام اپنے اپنے غاروں سے نکل آنا۔ بس تمہاری شیرانہ حیثیت باقی رہنے کی یہی ایک صورت ہے۔" جلال نے محمود کے چہرے کو تانبے کی طرح سرخ کر دیا تھا۔ "اور اگر تم نے اپنی عادتوں سے مجبور میرے حکم کی خلاف ورزی کی تو میں ایک ایک نافرمان پر زندگی کا دائرہ تنگ کر دوں گا۔ یہاں تک سب بجے راؤ کی طرح اپنے ہی خنجروں سے اپنی گردنیں کاٹ ڈالو گے۔ میں نے راجہ جے پال کو معاف کیا وہ فریب کار حکمراں خلوت میں میرے پیروں پر سر رکھ دیتا تھا، مگر رہائی پاتے ہی کسی کی طرح احمقانہ چالیں چلنے لگتا تھا۔ پھر جے پال کی تمام چالیں اسی پر اُلٹ گئیں اور پھر وہ اپنے ہی کی بھڑکائی ہوئی آگ میں جل کر راکھ ہو گیا۔ میں تمہاری ہی بھلائی کے لئے تمہیں ہدایت دیتا ہوں ایسی غلطی نہ کرنا۔ سلطانِ غزنی کے وفادار رہو گے تو تم پر زندگی کے نئے راستے کھل جائیں گے۔ اور تم

پال کی طرح بدعہدی کی تو پھر وہ دن دور نہیں کہ جب تم اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی چتاؤں میں آگ ؤ گے۔"

تمام راجپوت قیدی پتھر کے مجسموں کی طرح ساکت کھڑے تھے اور معززینِ بھاٹیہ اس طرح اپنی وں پر بیٹھے تھے کہ ان کی پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھیں۔

"تم ایک نظر میرے اندازِ کرم کو دیکھو کہ میں نے تمہارے سبزہ زار نہیں جلائے، تمہاری اعلیٰ نسب رتوں کو اپنی کنیزیں نہیں بنایا، تمہارے بوڑھوں اور بچوں کو تہہ تیغ نہیں کیا۔ آج اس کائنات کے مالک مجھے پورا اختیار دیا ہے کہ میں تمہاری جاگیروں، کھیتوں، مکانوں اور جسموں کو نذرِ آتش کر کے اور اری تہذیب و ثقافت کے تمام آثار مٹا کے غزنی واپس لوٹ جاؤں۔ مگر میں ایسا نہیں کر سکتا کہ میرے کا یہی حکم ہے۔ میں تمہیں ایک نئی زندگی دے رہا ہوں اور تم اس نئی زندگی کی قدر کرنا۔ مجھے بت پرستی شدید نفرت ہے اور تم بھی اپنی تنہائیوں میں اس حقیقت پر غور کرنا کہ یہ پتھر کے دیوتا خود تمہارے ج ہیں۔ اگر حادثاتی طور پر یہ زمیں بوس ہو جائیں تو خود اُٹھ کر کھڑے بھی نہ ہو سکیں۔ پھر یہ تمہاری ل کشائی کیسے کر سکتے ہیں؟"

اس کے بعد سلطان محمود نے راجہ بجے راؤ کا سر نیزے پر بلند کر کے بھاٹیہ کی گلیوں میں گھمانے کا دیا۔ غزنی کے نقیب تین دن تک ایک ایک کوچے میں یہ اعلان کرتے رہے۔

"لوگو! سلطان محمود کے نافرمان کا حشر اپنی آنکھوں سے دیکھو! تم میں سے جس شخص نے تاجِ غزنی ک کر سلام کیا، وہ امان میں رہا۔ اور جس نے تاجِ غزنی کی طرف پشت کر لی، وہ بجے راؤ کی طرح و برباد ہوا۔"

سلطانی جاہ و جلال کے اس مظاہرے سے اہلِ بھاٹیہ سہم کر رہ گئے۔

دوسری طرف راجہ انند پال کے جاسوسوں نے بھی بجے راؤ کی شکست و رسوائی کا یہ عبرت ناک منظر نکھوں سے دیکھا اور پھر جب فرمانروائے پنجاب کو یہ اطلاع دی گئی تو شدتِ کرب سے انند پال کا گ ہو کر رہ گیا۔ محمود کی غیر متوقع فتح نے اس کے خفیہ منصوبے کو درہم برہم کر کے رکھ دیا تھا۔

"پھر بھی!" انند پال نے کرسی کے دونوں بازوؤں پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "برہمن اپنے دشمن کو نہیں کرتے۔"

ادھر انند پال ناکامی کی آگ میں جھلس رہا تھا اور اُدھر سلطان محمود، بھاٹیہ پر ایک نومسلم کو حاکم مقرر کر نی کی طرف واپس جا رہا تھا۔

✻✻✻✻✻

غزنی پہنچ کر محمود نے شیخ نظام شاہ کی بارگاہ میں حاضری دی اور اس جنگ کی تفصیلات بتانے لگا۔ جس ے شکست ہوتے ہوتے رہ گئی تھی۔

"فرزند! کہیں مسلسل فتوحات نے تمہیں مغرور تو نہیں بنا دیا؟" نظام شاہ نے چونک کر والیٔ غزنی سے ا۔

"نہیں شیخ!" محمود نے گھبرا کر جواب دیا۔ "میں اہلِ کفر کے لئے انتہائی مغرور و متکبر ہوں مگر اپنے بارگاہ میں وہی خاک بسر اور عاجز و ناکارہ بندہ۔" محمود کے ایک ایک لفظ سے جذبوں کی سچائی کا

اظہار ہو رہا تھا۔

"اور ہمیشہ خاک بسر ہی رہنا۔ اسی میں تمہاری نجات ہے۔" نظام شاہ نے انتہائی پُرسوز آواز میں کہا۔ "فرزند! کبھی کبھی مجھے تمہاری ان فتوحات سے بہت ڈر لگتا ہے۔" یکایک نظام شاہ کے چہرے پر گہری اُداسی چھا گئی۔

"شیخ! کیسا ڈر؟" والیٔ غزنی نے وحشت زدہ ہو کر پوچھا۔ سلطان محمود سمجھ بیٹھا تھا کہ شاید نظام شاہ اس کے زوال کے سلسلے میں کوئی بری خبر سنانے والے ہیں اور اسی خیال نے اسے بدحواس کر دیا تھا۔

"یہ خوف میرے اپنے ذہن کی پیداوار نہیں فرزند! میں تو اپنے امیر کے الفاظ دہرا رہا ہوں۔" نظام شاہ نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔ "جب مسلمانوں کو جنگِ قادسیہ (ایران) میں عظیم الشان فتح حاصل ہوئی اور مالِ غنیمت کے انبار دارالخلافہ لائے گئے تو سیم و زر کے ان ذخائر کو دیکھ کر حضرت عمر فاروق اعظمؓ رونے لگے۔ پھر جب اس بے مثال خوشی کے موقع پر کسی نے ان کی اشکباری کا سبب پوچھا تو امیر المومنین نے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا۔

"مسلمانو! مجھے تمہارے غربت و افلاس سے ڈر نہیں لگتا مگر میں اس بات سے ہمیشہ خوف زدہ رہتا ہوں کہ جہاں دولت کے قدم آتے ہیں، وہاں ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے۔" یہ کہہ کر نظام شاہ، والیٔ غزنی کی طرف دیکھنے لگے۔

"شیخ! میں نے اپنے دل سے دولت کی ہوس کو کھرچ ڈالا ہے۔" محمود پُرجوش لہجے میں بول رہا تھا۔ "میں غزنی کے خزانوں اور تمام مالِ غنیمت کو قوم و ملت کی تعمیر کے لئے وقف کر چکا ہوں۔"

"کاش! ایسا ہی ہو۔" نظام شاہ نے حسرت زدہ لہجے میں کہا مگر سلطان اک مردِ قلندر کے لفظوں کی گہرائی کو نہ سمجھ سکا۔

"مجھے احمد سالار کی طرف سے بہت فکر ہے۔" یکایک محمود نے گفتگو کا موضوع بدل دیا۔ "اسے ہندوستان گئے ہوئے کئی سال ہو چکے ہیں، مگر اب تک کوئی خبر ہی نہیں ملی۔" والیٔ غزنی کے لہجے سے تشویش کا اظہار ہو رہا تھا۔ "آپ تو اس راز سے خوب واقف ہیں کہ میں نے اسے ایک خاص مقصد کے تحت ہندوستان بھیجا تھا۔"

"احمد سالار ایک پیادہ پا مسافر ہے، ہندوستان کے گلی کوچوں سے ناآشنا۔" نظام شاہ کی آواز سے ایک عجیب سی خلش کا اظہار ہو رہا تھا۔ "پھر بھی وہ چین سے نہیں بیٹھا ہوگا۔"

"شیخ! میں جانتا ہوں کہ احمد سالار ایک ذمے دار نوجوان ہے۔ مگر ایک طویل و عریض اور اجنبی ملک میں کہیں وہ کسی حادثے کا شکار نہ ہو گیا ہو۔" محمود نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"اس سے بڑا حادثہ کیا ہوگا کہ وہ اپنی جان سے گزر جائے۔" نظام شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "محاذِ جنگ پر تو یہی ہوتا ہے کہ تہ تیغ کر دیے گئے یا زنجیریں پہن کر پسِ دیوارِ زنداں چلے گئے۔ ایک مجاہد کے بارے میں سوچنا ہی کیا۔ تم اپنا کام جاری رکھو۔"

نظام شاہ کا طرزِ گفتگو دیکھ کر محمود کچھ پریشان سا ہو گیا تھا۔ "شیخ! احمد سالار عافیت سے تو ہے؟"

"تم اس فقیر کو کیا سمجھتے ہو فرزند؟" اچانک نظام شاہ کے لہجے سے کسی قدر ناگواری کا اظہار ہونے لگا تھا۔ "مجھے یہ خبر نہیں کہ اس دیوار کے پیچھے کیا ہو رہا ہے اور تم احمد سالار کے بارے میں دریافت کر رہے ہو

جو یہاں سے سینکڑوں میل دُور کسی نامعلوم مقام پر سرگرم سفر ہے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ کس حال میں ہے۔"

محمود کو اندازہ ہو گیا تھا کہ نظام شاہ اس وقت اس سے مزید گفتگو کرنا نہیں چاہتے۔ مجبوراً والیٔ غزنی یہ کہتا ہوا اُٹھ گیا۔ "میں معافی کا خواستگار ہوں کہ کبھی کبھی میری نادانیاں، مزاجِ شیخ کو برہم کر دیتی ہیں۔"

"اللہ تمہیں ہدایت دے اور اپنی امان میں رکھے۔" نظام شاہ کھڑے ہوئے اور والیٔ غزنی کو رخصت کرنے کے لئے دروازے تک آئے۔

"میں آپ کے بخشے ہوئے اس اعزاز پر ہمیشہ نازاں رہوں گا۔" نظام شاہ کی محبت دیکھ کر سلطان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"میں ایک خانہ بدوش، ایک کوچہ گرد، پھر میرا بخشا ہوا اعزاز ہی کیا۔" نظام شاہ نے والیٔ غزنی کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے۔ "میں تو تمہاری بخشش و عطا کے انتظار میں جی رہا ہوں فرزند! کہ کب وہ دن آئے اور کب اس ناکارہ انسان کی زندگی ٹھکانے لگے۔"

سلطان محمود، نظام شاہ کا اشارہ سمجھ گیا۔ اس لئے بے قرار ہو کر کہنے لگا۔ "شیخ! ہندوستان میں بے شمار بت ہیں، انہیں توڑتے توڑتے میرے ہاتھ شل ہوئے جاتے ہیں۔"

"فرزند! یہ کیسی کم ہمتی کی باتیں ہیں؟" اچانک نظام شاہ کا جلالِ روحانی ظاہر ہونے لگا تھا۔ "ربِ کعبہ کی قسم! اگر بتوں کی تعداد ہندوستان کی آبادی کے برابر بھی ہوتی تو یہ تیرے دو ہاتھ ان سب کو ریزہ ریزہ کر دیتے۔"

*****

محمود نے بتوں کی کثرت کی یہ شکایت اس لئے کی تھی کہ ابھی وہ بجے راؤ کے فتنے کو دفن کرنے کے بعد غزنی پہنچنے بھی نہیں پایا تھا کہ راستے میں اس کے جاسوسوں نے ایک نئی ہنگامہ آرائی کی خبر دی تھی۔ سلطانی مخبروں نے خبر دی تھی کہ ملتان کا حاکم داؤد بن نصر اپنے بزرگوں کا عقیدہ چھوڑ کر قرامطہ کی جماعت میں شامل ہو گیا ہے۔ محمود کو قرامطہ سے دلی نفرت تھی۔ اس لئے یہ خبر سن کر والیٔ غزنی کا دماغ چنگاریاں اڑانے لگا اور اس کا شعلہ فشاں دل کہہ رہا تھا۔

"محمود! غزنی جانے کے بجائے اپنے گھوڑوں کا رخ ملتان کی طرف کر دے۔ اور بجے راؤ کی طرح داؤد بن نصر کے کٹے ہوئے سر کی بھی ساری دنیا میں تشہیر کر اور اس کی لاش کو انسانی گزرگاہ میں ڈال دے کہ اہلِ ایمان کے قدم اس بے دین کے جسم کو پامال کر ڈالیں۔" اپنے انہی مشتعل جذبوں کے باعث محمود نے داؤد بن نصر کی سرکوبی کا فیصلہ بھی کر لیا تھا مگر بجے راؤ نے طویل جنگ سے غزنی کی سپاہ کو تھکا دیا تھا اور اس مجبوری کے پیشِ نظر سلطان کو کچھ دن آرام کرنے کی غرض سے دارالحکومت کی طرف لوٹنا پڑا۔ پھر جب نظام شاہ سے ملاقات ہوئی تو دل کا درد اُس کی زبان پر آ گیا۔

"شیخ! یہ بت تعداد میں بے شمار ہیں اور انہیں توڑتے توڑتے میرے ہاتھ شل ہوئے جا رہے ہیں۔"

اور واقعہ بھی یہی تھا کہ محمود ایک بت کو توڑتا تھا کہ دوسرے محاذ پر نئے بت نمودار ہو جاتے تھے۔ ایک طرف سینکڑوں ہندو راجہ، والیٔ غزنی کی جان کے درپے تھے اور دوسری طرف اسلام کی صفوں میں

شام ہونے والے منافق قرامطہ اس کے لئے بے شمار دشواریاں پیش کر رہے تھے۔

نظام شاہ کے تسکین آمیز کلمات نے والیٔ غزنی کو کچھ دن کے لئے پُرسکون کر دیا تھا اور وہ محاذِ جنگ کی ہولناکیوں کو بھول کر بھاٹیہ کی عظیم الشان فتح کا جشن منا رہا تھا۔ اس جشن میں غزنی کے علاوہ تمام تر مقبوضہ علاقوں کے حاکم بھی شریک ہوئے تھے اور وہ پُرجوش مبارکبادوں کے ساتھ سلطان کو قیمتی نذریں بھی پیش کر رہے تھے۔

سابقہ روایتوں کے پیشِ نظر محمود کو پورا یقین تھا کہ نگار خانم اس تقریب میں بھی شرکت کرنے کے لئے ضرور آئے گی۔ مگر سہ روزہ جشن اپنے اختتام کو پہنچ گیا اور کسی تقریب میں نگار خانم کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہیں آئی۔ محمود، نگار خانم کو دیکھنے کے لئے بہت بے چین تھا۔ پھر جب جشنِ فتح کے سارے ہنگامے سرد پڑ گئے تو ایک دن والیٔ غزنی نے نگار خانم کو خلوت میں طلب کر لیا اور انتہائی شکایت آمیز لہجے میں کہنے لگا۔

"کیا تم اس حقیقت کو فراموش کر بیٹھی ہو کہ تمہاری شمولیت کے بغیر میری فتح کا ہر جشن نامکمل اور بے رنگ ہے۔" والیٔ غزنی کے لہجے میں شدید جھنجلاہٹ بھی تھی اور ناکام محبت کی دبی دبی خلش بھی۔

"کیا ایک بار کا کہہ دینا کافی نہیں کہ میں سلطان کی ہر خوشی اور غم میں شریک ہوں؟" نگار خانم نے اس طرح کہا کہ اس کا لہجہ ہر قسم کے جذبے سے عاری تھا۔

"مگر میں بار بار تمہیں اپنے سامنے دیکھنا چاہتا ہوں۔" یکایک محمود کی آواز تیز ہو گئی تھی۔ "ہو سکے تو سائے کی طرح میرے ساتھ رہو اور آج یہ حقیقت بھی جان لو کہ تمہارا سلطان اس سے کم پر رضامند نہیں ہو سکتا۔"

"میں نے انسانی اختیارات کی آخری حد سے گزر کر سلطانِ معظم کو راضی کرنے کی کوشش کی ہے، اس کے آگے تو شرم و رُسوائی کی منزل ہے، جس پر میرا جنازہ تو جا سکتا ہے مگر قدم نہیں اُٹھ سکتے۔" نگار خانم نے کسی جھجک کے بغیر کہا۔

"یہ تم کہہ رہی ہو؟" نگار خانم کا بدلا ہوا لہجہ دیکھ کر والیٔ غزنی چونک اُٹھا۔ "کیا تمہیں میری تنہائی کا اندازہ نہیں؟"

"سلطانِ ذی شان کبھی اپنے جاہ و جلال کے حصار سے باہر آ کر تو دیکھیں پھر صاحبِ والا کو اندازہ ہو گا کہ تنہائی کسے کہتے ہیں اور اللہ کی زمین پر کیسے کیسے تنہا لوگ بستے ہیں۔"

محمود کی ازدواجی زندگی تلخ تھی، اس لئے صرف اسے اپنے ہی غم یاد آ رہے تھے اور وہ نگار خانم کی المناک تنہائی کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ "آج تمہاری باتیں بہت تلخ ہیں نگار خانم!" محمود نے آہستہ سے کہا۔ "کیا کوئی ناگوار واقعہ پیش آ گیا ہے جسے تم مجھ سے چھپانے کی کوشش کر رہی ہو۔"

"میری زندگی میں ایک شے ناخوشگوار نہیں سلطانِ معظم!" نگار خانم نے اس طرح کہا کہ جیسے یہاں سے جلد از جلد چلی جانا چاہتی ہو۔ "میں نے بارہا عرض کیا ہے کہ آپ مجھے تنہائی میں طلب نہ فرمایا کریں۔ اس طرح میری آمد پر قصرِ شاہی کے مکینوں کی آنکھوں میں نہ جانے کیسے کیسے افسانے تحریر ہونے لگتے ہیں اور ان بلند اقبال لوگوں کی شفاف پیشانیوں پر بے شمار شکنیں اُبھر آتی ہیں جبکہ آپ کی یہ کنیز ایک شکن بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ اس لئے سلطانِ ذی حشم سے آخری بار التماس کر رہی ہوں کہ آئندہ مجھے

معذور سمجھا جائے۔" یہ کہہ کر نگار خانم نے انتہائی سرد نگاہوں سے والیٔ غزنی کی طرف دیکھا۔ "اگر آپ نے اپنی عادت سے مجبور ہو کر حکم جاری کر دیا تو پھر میرے لئے یہ ضروری نہیں ہو گا کہ میں اس کی پابندی کروں۔"

نگار خانم کا یہ اندازِ تغافل دیکھ کر محمود کا چہرہ دھواں ہو گیا تھا۔ پھر بھی اس نے فوراً ہی سنبھلنے کی کوشش کی اور رک رک کر کہنے لگا۔ "کیا اس طرح تم نافرمانی کی مرتکب نہیں ہو گی نگار خانم؟" محمود کے لہجے کی سختی دوبارہ لوٹ آئی تھی۔

"مجھے افسوس ہے کہ سلطانِ محترم، فرمانبرداری اور نافرمانی کا مفہوم سمجھنے سے قاصر ہیں۔" نگار خانم نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "آپ کے نزدیک تو فرمانبردار وہی ہے، جو مزاجِ سلطانی کی تسکین کے لئے تمام اخلاقی قیود کو توڑ کر دستِ اقتدار کا ایک بے جان کھلونا بن جائے۔" یہ کہہ کر نگار خانم جانے کے لئے مڑی۔

"ٹھہرو نگار خانم!" والیٔ غزنی نے تیز آواز میں کہا اور اپنی نشست سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

نگار خانم نے پلٹ کر سلطان محمود کی طرف بے نیازانہ نظروں سے دیکھا۔ آج اس کی آنکھوں میں شناسائی کے رنگ کی ہلکی سی جھلک بھی نہیں تھی۔

"آج میں نے تمہاری شخصیت کا ایک نیا انداز دیکھا ہے۔" محمود نے نگار خانم کے قریب آتے ہوئے کہا۔ "اور یہ انداز اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم اپنی محرومیوں کے سبب میرے جاہ و جلال اور عظیم الشان فتوحات سے حسد رکھتی ہو۔" محمود نے نگار خانم کی شخصیت کو دولت و اقتدار کے ترازو میں تول کر اس بے مثال محبت کرنے والی لڑکی کے وجود کی نفی کر دی تھی۔

چند لمحوں کے لئے نگار خانم کے دل و دماغ ایک خوفناک زلزلے کی زد پر آ گئے مگر پہاڑوں جیسی استقامت رکھنے والی وہ لڑکی اس خوفناک زلزلے کو بھی ہنس کر برداشت کر گئی۔ "مالکِ جاہ و جلال کا اندازہ درست ہے۔ ہم مفلس و نادار لوگ دولت و اقتدار سے حسد نہیں کریں گے تو پھر اور کیا کریں گے؟" یہ کہہ کر نگار خانم بہت تیزی کے ساتھ خلوتِ سلطانی سے باہر نکل گئی اور والیٔ غزنی شدید عالمِ طیش میں بڑبڑانے لگا۔

"اس بھری دنیا میں کوئی کسی کی ذات کا شریک نہیں۔ سب کے سب اقتدار پرست ہیں۔"

❁❁❁❁❁

نگار خانم کے طرزِ عمل سے محمود بہت زیادہ اُداس اور دل شکستہ ہو گیا تھا مگر یہ اُداسی اس وقت ختم ہو گئی جب والیٔ غزنی کے جاسوسوں نے مزید اطلاعات فراہم کرتے ہوئے کہا کہ داؤد بن نصر کی فتنہ انگیز سرگرمیاں روز بروز بڑھتی جا رہی ہیں اور پنجاب کا حکمران راجہ انند پال بھی قرامطہ کی پشت پناہی کر رہا ہے۔

داؤد بن نصر، ملتان کے سابق حاکم شیخ حمید لودھی کا بیٹا تھا۔ شیخ حمید نے اپنی ساری زندگی امیر سبکتگین کی اطاعت و فرمانبرداری میں بسر کی تھی، اس لئے اس کے انتقال کے بعد داؤد بن نصر کی حاکمیت برقرار رکھی گئی تھی۔ مگر وہ بدکار انسان اپنا عقیدہ تبدیل کر کے قرامطہ کی صفوں میں جا ملا اور اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لئے ہندوؤں سے سازباز کرنے لگا۔ راجہ انند پال اسی موقع کی تاک میں تھا۔ اس نے

داؤد بن نصر کو اپنی حمایت کا بھرپور یقین دلایا۔ نتیجتاً وہ کم ظرف، تنگ نظر اور بدعقیدہ حاکم اپنی گردن سے غزنی کے طوقِ غلامی کو اُتارنے کی تدبیریں سوچنے لگا۔

ابھی قرمطی داؤد بن نصر اور برہمن حکمراں راجہ انند پال کا سیاسی اتحاد مضبوط بنیادوں پر قائم نہیں ہو تھا کہ محمود ان دونوں کی حالتِ بے خبری میں غزنی سے کُوچ کر کے درۂ خیبر پہنچا اور پھر اسی راستے سے گزر کر پنجاب میں داخل ہو گیا۔

یہاں پہنچ کر سلطان محمود نے راجہ انند پال کو ایک مختصر خط لکھا۔ ''تم میرے خراج گزار بھی ہو اور سیاسی حلیف بھی۔ اس لئے تمہیں خبردار کرنا ضروری ہے کہ میں داؤد بن نصر کی سرکوبی کے لئے ملتان کی طرف جا رہا ہوں۔''

والیٔ غزنی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ راجہ انند پال بدعہدی اور مکر و فریب سے کام لے کر اُس کے راستے کی دیوار بن جائے گا۔ محمود کا خط پڑھ کر انند پال بڑے وحشیانہ انداز میں قہقہہ زن ہوا اور اپنے راجپوت سرداروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ہم برسوں سے اسی لمحے کے انتظار میں تھے۔ آج دیوتاؤں نے اپنے پجاریوں پر رحم کھا کر یہ سنہری لمحہ فراہم کر دیا ہے۔ اس لمحے کو ضائع نہ کر دینا کہ انسانی زندگی میں ایسی شبھ گھڑیاں کبھی کبھی آتی ہیں۔ محمود کی بدبختی اسے کسی وحشت زدہ ہرن کی طرح شیروں کے نرغے میں کھینچ لائی ہے۔ اس نے خود بخود اپنی اور اپنے سپاہیوں کی گردنیں ہمارے جبڑوں میں رکھ دی ہیں۔ پھر تمہیں کس بات کا انتظار ہے؟ بلا پس و پیش ان وحشیوں کی ہڈیاں چبا ڈالو جن کے ناپاک ہاتھوں نے تمہارے دیوتاؤں کے مقدس بتوں کو توڑا ہے۔''

سلطان محمود ان سازشوں سے بے خبر تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ پھر جب وہ دریائے سندھ کے کنارے پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ راجہ انند پال کا ایک لشکرِ کثیر اُس کا راستہ روکے کھڑا ہے۔

محمود نے پوری شدت کے ساتھ راجہ انند پال کی اس فریب کاری کو محسوس کیا اور کچھ دیر کے لئے والیٔ غزنی کے غصے کی آگ بھڑک اُٹھی۔ پھر بھی سلطان نے اپنے اعصاب پر قابو رکھا اور مصالحانہ روش اختیار کرتے ہوئے فرمانروائے پنجاب کے پاس اپنا سفیر بھیجا۔ محمود نے اپنے ایک مختصر سے خط میں راجہ انند پال کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا۔

''میں تیری عیارانہ فطرت سے بخوبی واقف ہوں مگر یہ نہیں جانتا کہ تُو اتنا بڑا احمق ہے اور اسی نادانی کے باعث اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے راستے میں زہریلے کانٹے بچھا لے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ تُو اس زمین پر بسنے والوں کی صف میں بدترین شخص ہے مگر پھر بھی ایک لمحے کے لئے میرے احسانات کو یاد کر اور افواجِ غزنی کی گزرگاہوں کو کھلا چھوڑ دے۔ میں تجھے پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ سلطانی شمشیروں کا ہدف والیٔ ملتان داؤد بن نصر کی گردن ہے۔ پھر تُو کیوں خوامخواہ اپنا سر پیش کر کے رُسوائی کی موت اور اپنی مملکت کے لئے عبرت ناک بربادی خریدنا چاہتا ہے؟ انند پال! تُو ایک بار پھر پورے ہوش و حواس کے ساتھ سن لے کہ اس وقت داؤد بن نصر میری نظر میں سب سے بڑا مقہور و معتوب ہے۔ یاد رکھ کہ والیٔ ملتان کا دشمن میرا محبوب دوست ہے اور اس کا دوست میرا بدترین دشمن۔ اگر تُو مکتوبِ سلطانی پڑھ کر اپنی سلطنت کے حصار میں واپس چلا گیا تو یقین رکھ، میں تیرے ان گناہوں کو معاف کر دوں گا جو کچھ دن پہلے تجھ سے

ہوئے ہیں اور جن کا احتساب میں نے ابھی تک نہیں کیا۔

یہ تیری نافرمانیوں اور سازشوں کے باب میں میری آخری تنبیہ ہے۔ اگر تُو نے مجھے دو محاذوں پر تقسیم کے اس جنگی صورتِ حال سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تو اپنے باپ کے لرزہ خیز انجام کو حافظے میں ر لے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اپنے لئے بھی ذلت و بربادی کی آگ بھڑکا لے کہ اب وہی آگ قدر ہوگی۔ جب کسی نافرمان سے ہماری عنایاتِ خسروانہ کی غذا ہضم نہیں ہوتی تو پھر ہم اسے کھانے لئے دہکتے ہوئے انگارے دیتے ہیں۔ اور جب کوئی بدبخت ہمارے دستِ کریمانہ سے لباسِ حریری پہنتا تو پھر ہم اسے شعلوں کا کفن پہناتے ہیں۔''

والیٔ غزنی کا خط پڑھ کر چند لمحوں کے لئے راجہ انند پال پر دہشت طاری ہو گئی مگر اس نے فوراً ہی ل کر اپنے سپہ سالاروں سے مشورہ لیا۔

''نہیں سمراٹ! ہم اس سنہری موقع کو ضائع نہیں کر سکتے۔'' تمام سالاروں نے بیک زبان کہا۔ جے راؤ کے وقت میں بھی ہمارے سپاہیوں نے سست روی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اگر ہم عین حالتِ یں سلطان کی پشت پر وار کر دیتے تو آج نتیجہ بہت مختلف ہوتا۔ اس طرح ہم اپنے ماضی کی شکست قام بھی لے لیتے اور ہندوؤں کی ایک مضبوط سلطنت بھی تباہ ہونے سے بچ جاتی۔''

سپہ سالاروں کی رائے سے آگاہ ہونے کے بعد راجہ انند پال نے اپنے مشیرانِ سیاسی کی طرف ا۔

''پنجاب کے محافظ و نگہبان درست کہتے ہیں۔'' مشیرانِ سلطنت نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔ طانِ غزنی کی بڑھتی ہوئی ہوسِ اقتدار پر جلد از جلد قابو پانا بہت ضروری ہے۔ ابھی تک محمود نے ت کا ذائقہ نہیں چکھا ہے اور وہ ہندو خون پینے کا عادی ہوتا جا رہا ہے اگر یہ سلسلہ کچھ دن اور جاری رہا ری ہندوستانی قوم نفسیاتی مریض بن کر رہ جائے گی۔ پھر اس خونخوار بھیڑیئے کو لشکر کشی کی ضرورت بھی پڑے گی۔ ہندوستان کے دہشت زدہ لوگ خود ہی اپنی گردنیں کاٹ ڈالیں گے اور اپنے ہی خون طشت بھر بھر کر محمود کو پیش کر دیں گے۔ پھر وہ درندہ لہو کے دریا پی کر سیراب ہو جائے گا اور ہمارے گلی وں میں خاک اُڑ رہی ہوگی۔ اس کے بعد نہ انسانی بستیاں ہوں گی اور نہ ہندوؤں کے گوشت و خون ذخیرے۔'' راجہ انند پال کے برہمن مشیر بڑی خوفناک متعصبانہ گفتگو کر رہے تھے۔ یہ ہمارا مذہبی نہ ہے کہ ہم اس آدم خور درندے کو بلا تاخیر ہلاک کر ڈالیں۔ اگر ہم نے اسے کھلا چھوڑ دیا تو وہ ایک کر کے تمام ہندو حکمرانوں کو کھا جائے گا۔ اگرچہ ملتان کا حاکم داؤد بن نصر ہندو نہیں لیکن پھر بھی وہ حلیف ہے۔ اس لئے ہمیں کسی تردد کے بغیر داؤد کی مدد کرنی چاہئے۔''

اپنے مشیرانِ سیاست کے دلائل سن کر راجہ انند پال نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔ ''ہم ایسا ریں گے۔ بظاہر داؤد بن نصر مسلمان ہے لیکن درپردہ ہمارا دوست ہے۔ وہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈال ان کی اجتماعی قوت کو منتشر کر رہا ہے۔''

''ہم بھی یہی چاہتے ہیں سمراٹ! کہ داؤد بن نصر کی بھرپور مدد کی جائے۔'' مشیرانِ سیاست نے بار پھر اپنے الفاظ پر زور دے کر کہا۔ ''وہ نام نہاد مسلمان دراصل ہماری ہی بساط کا ایک مہرہ ہے۔ اگر وجہ سے وہ مہرہ بھی پٹ گیا تو ہماری بساط آہستہ آہستہ خالی ہو جائے گی..... اور ایک دن ہم......''

مشیرانِ سیاست نے قصداً اپنی بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ مگر راجہ انند پال ان کا مفہوم سمجھ گیا تھا۔
''لیکن......'' اچانک برہمن حکمراں کے چہرے پر اُلجھن کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ ''قسمت مسلسل محمود کا ساتھ دے رہی ہے۔ وہ ہاری ہوئی بازیاں بھی جیت جاتا ہے۔ سلطان کے خط سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس نے مکمل تیاری کے ساتھ ملتان کا رخ کیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اس کی افرادی قوت کے بارے میں غلط اندازہ کر لیں اور پھر......'' مختلف اندیشوں کے زیر اثر انند پال کی بات بھی نامکمل رہ گئی تھی۔

''نہیں سمراٹ! ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔'' مشیرانِ سیاست نے اپنے فرمانروا کے وسوسوں کو زائل کرنے کے لئے پُر جوش لہجے میں کہا۔ ''محمود ایک نہایت ہوشیار انسان ہے۔ وہ شمشیر و سناں کے استعمال کے ساتھ بلند بانگ دعوے بھی کرتا ہے تاکہ اس کا دشمن نفسیاتی طور پر مرعوب ہو جائے۔ اس بار بھی وہ ایسا ہی کر رہا ہے۔ اگر اسے اپنی عسکری طاقت پر مکمل اعتبار ہوتا تو وہ آپ سے اپنا راستہ چھوڑ دینے کی درخواست نہ کرتا۔'' انند پال کے مشیرانِ سیاست، محمود کی جنگی حکمتِ عملی کی غلط تاویل پیش کر رہے تھے۔
''سمراٹ! بھگوان کے لئے اس موقع کو ضائع نہ کیجئے۔ محمود کے خط کا ایک ایک لفظ چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ وہ اس محاذِ جنگ پر بہت کمزور ہے۔ سلطانِ غزنی کی فوج صرف حاکمِ ملتان کی سرکوبی کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔ ہمارے جانباز سپاہیوں نے اس کا راستہ روک لیا تو وہ آگے بڑھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اگر اپنی ناطاقتی کے باوجود محمود نے سمراٹ کے سپاہیوں کا مقابلہ کیا تو انجام کار اسے ذلت و بربادی کے ساتھ پسپا ہونا پڑے گا۔ اور اگر وہ جنگ کئے بغیر لوٹ گیا تو یہ اس کی نفسیاتی شکست ہوگی۔ اس طرح آپ دونوں حالتوں میں فاتح قرار پائیں گے اور پھر وہ بھیڑیا اپنے غار تک محدود ہو کر رہ جائے گا۔''
مشیرانِ سیاست کے دلائل میں بہت وزن تھا۔ اس لئے راجہ انند پال نے نتائج کی پروا کئے بغیر محمود کے خط کے جواب میں صاف صاف لکھ دیا۔
''سلطانِ غزنی کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں ارضِ پنجاب کا خود مختار اور مطلق العنان فرمانروا ہوں۔ میں نے مصلحتاً گردشِ وقت کو ٹالنے کے لئے خراج گزاری پر آمادگی ظاہر کی تھی۔ مگر اب میں اپنے کسی عہد کا پابند نہیں ہوں۔ اس لئے تیرا حاکمانہ لہجہ میری قوتِ برداشت سے باہر ہے۔ غور سے سن لے کہ یہ پورا علاقہ میرے زیرِ اثر ہے اور میں کسی غاصب کو اس طرف سے گزرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ بس تیری سلامتی اسی میں ہے کہ تُو چپ چاپ غزنی کی طرف لوٹ جا...... اور یاد رکھ کہ داؤد بن نصر میرے نمک خواروں میں شامل ہے۔ اور میں اپنے غلاموں کو مصیبت کی گھڑی میں تنہا چھوڑ دینے کا عادی نہیں ہوں۔ اگر تُو نے ملتان کی آزادی پر اپنی حریصانہ نظر ڈالی تو پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اس جنگ کے بعد دنیا کا کوئی منظر دیکھنے کے قابل ہی نہ رہے۔''
راجہ انند پال نے پہلے ہی محمود کا راستہ روکنے کے لئے ایک لشکرِ کثیر دریائے سندھ کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ پھر سلطان کے خط کا جواب دے کر ایک نیا لشکر ترتیب دینے لگا۔
محمود نے انند پال کے تحریر کردہ ایک ایک حرف کو بغور پڑھا، پھر والیٔ غزنی کے ہونٹوں پر انتہائی تمسخر آمیز مسکراہٹ اُبھر آئی اور اس نے برہمن حکمراں کے خط کو پُرزے پُرزے کر کے ہوا میں اُڑا دیا۔
''میں آج تک اس غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ صلۂ رحمی اور رواداری کا مظاہرہ پتھروں کو پگھلا سکتا ہے؟''

سلطان محمود غضب ناک لہجے میں اپنے امیرانِ لشکر سے مخاطب ہوا۔ ''وہ برہمن زادہ اپنے فریب کار باپ جے پال کے نقشِ قدم پر چل رہا ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ شاید وہ راہِ راست پر آ جائے مگر عہد شکنی اور عیاری اس کے خون میں شامل ہے۔''
''پھر کس بات کا انتظار ہے سلطانِ معظم؟'' امیرانِ لشکر نے اپنی اپنی شمشیروں پر ہاتھوں کی گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا۔
''پہلے اس مکار لومڑی انند پال کا شکار کر لو۔'' جلالِ سلطانی سے محمود کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور ہونٹوں سے قہر کی چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔ ''پھر اس حرام کار داؤد بن نصر کو بھی دیکھ لیں گے جس نے شیروں کا مذہب چھوڑ کر گیدڑوں کا عقیدہ اختیار کر لیا ہے۔''
اگرچہ محمود کے سپاہیوں کی تعداد بہت کم تھی۔ لیکن اس نے تائیدِ غیبی کے بھروسے پر راجہ انند پال کی ٹڈی دل فوج سے اُلجھنے کا فیصلہ کر لیا اور پھر ایک لمحہ ضائع کئے بغیر دریائے سندھ کی طرف بڑھا جہاں پنجاب کے فوجی دستے اس کا راستہ روکے کھڑے تھے۔
غزنی کے امیرانِ لشکر کا خیال تھا کہ یہ معرکہ بہت زیادہ طویل اور خوں ریز ہوگا مگر حیرت انگیز طور پر انند پال کے سپاہی وحشت زدہ نظر آنے لگے۔ یہ سلطان محمود کی بلند اقبالی تھی یا ماضی کی شکست کا اثر کہ پہلے دن ہی ہندو افواج آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگیں۔ پھر دوسرے دن شام تک اپنے بہت سے ساتھیوں کی لاشیں چھوڑ کر انند پال کا لشکر بھاگ کھڑا ہوا۔
برہمن حکمراں کے سپاہی اپنے آپ کو محمود کے راستے کا بھاری پتھر سمجھ رہے تھے مگر غزنی کے جانبازوں نے انہیں سوکھے پتوں کی طرح پامال کر ڈالا۔ اس فتح کے بعد تمام امیرانِ لشکر تیز رفتاری کے ساتھ ملتان کی طرف بڑھنا چاہتے تھے مگر سلطان محمود نے اپنے سپہ سالاروں کو اسی مقام پر خیمہ زن ہو جانے کا حکم دیا۔
''میرے خیال میں ابھی انند پال جیسے عیار دشمن کی سازشوں کا غبار مکمل طور پر چھٹا نہیں ہے۔ پہلے فضا کو صاف ہو جانے دو۔ پھر اپنی منزلِ مراد کی طرف گامزن ہونا کہ مجھے یہاں کی پُرفریب ہواؤں میں نئے خطرات کی بُو محسوس ہو رہی ہے۔''
پھر اس وقت غزنی کے امیرانِ لشکر حیران رہ گئے۔ جب تیسرے دن راجہ انند پال اپنے تمام مفرور سپاہیوں کو سمیٹ کر تازہ دم لشکر کے ساتھ سلطان محمود کے سر پر آ پہنچا۔ برہمن حکمراں اپنی کثرتِ افواج پر نازاں تھا اس لئے کچھ دیر تک بڑی بے جگری سے بڑھ چڑھ کر لشکرِ غزنی پر حملے کرتا رہا مگر محمود کے جاں نثار ایسے آہنی ستون ثابت ہوئے تھے کہ جن پر نہ کوئی تلوار اثر کرتی تھی اور نہ وہ کسی بھاری گرز سے ٹوٹ سکتے تھے۔ یہ خوں ریز معرکہ بھی بس ایک دن جاری رہ سکا۔ دوسرے روز زوالِ آفتاب کے ساتھ ہی راجہ انند پال بھی میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا۔
سلطان محمود نے فی الوقت داؤد بن نصر کے وجود کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ انتہائی پُر جلال لہجے میں اپنے سپاہیوں کو حکم دے رہا تھا۔
''اب کی بار اس لومڑی کو اس قابل نہ چھوڑنا کہ یہ اپنے غار میں روپوش ہو سکے۔ انند پال کا یہاں تک تعاقب کرو کہ وہ ہماری بخشی ہوئی غلامی کی زنجیریں پہن لے یا پھر بجے راؤ کی طرح خودکشی کر کے

حرام موت مر جائے۔"

اپنے الفاظ کی گونج ختم ہوتے ہی والیٔ غزنی نے انند پال کا تعاقب شروع کر دیا۔ برہمن حکمراں اپنے امیرانِ لشکر اور مشیرانِ سیاست کو گالیاں بک رہا تھا۔ "ایک بار پھر تمہارے غلط مشوروں نے میرے چہرے پر ذلت و بربادی کی سیاہی مل دی۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ میرے ذہن میں کچھ اندیشے کروٹ لے رہے ہیں اور آج وقت نے ثابت کر دیا کہ وہ سارے اندیشے درست تھے۔ اگرچہ میرے تمام راجپوت سپاہی نسلاً شیر ہیں لیکن پھر بھی وہ اس کمزور بھیڑیئے کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہ کیسی انہونی ہے کہ محمود ہر بار اپنے مٹھی بھر سپاہیوں کے ہمراہ ہم پر حملہ آور ہوتا ہے اور ہر مرتبہ ناقابلِ یقین فتح اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ آسمان کے تمام ستارے بھی اس کی مرضی کے مطابق گردش کر رہے ہیں اور ہمارے دیوتا بھی اسی بے دھرم کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں۔" احساسِ شکست نے راجہ انند پال کو بدحواس کر دیا تھا اور وہ ہذیان بکتا ہوا آنکھیں بند کئے لاہور کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔

سلطان محمود نے اپنے سپہ سالاروں کے مشورے کے خلاف راجہ انند پال کا تعاقب جاری رکھا۔ بعض امرائے سلطنت نے والیٔ غزنی کو یہ مشورہ بھی دیا کہ انند پال کے مقبوضہ علاقوں کو تاخت و تاراج کر دیا جائے مگر محمود نے اپنے مشیروں کی اس رائے سے ذرہ بھی اتفاق نہیں کیا۔

"فی الوقت قتل و غارت اور لوٹ مار ہمارا مقصدِ جنگ نہیں۔ ہمیں صرف انند پال اور اس کی فوجی طاقت کو منتشر کرنا ہے۔ بے قصور اور معصوم رعایا کو ہرگز نہ چھیڑنا کہ اس طرح ہمارا دامنِ جاہ و جلال داغ دار ہو جائے گا اور ہم مظلوم انسانوں کے ہجوم میں ایک قاتل یا قزاق قرار پائیں گے۔ انند پال کے فوجیوں کے سوا تمہاری شمشیروں کا ہدف کوئی اور نہیں۔ آج ہندوستان کی تمام بستیاں ہمارے سایۂ کرم میں ہیں مگر انند پال کے فوجیوں کے لئے کوئی امان نہیں۔ وہ جہاں ملیں، اُنہیں بے دریغ قتل کر ڈالو۔ وہ ہمارے رحم کو کسی بھی لہجے میں پکاریں، مگر تم اپنی سماعتوں کو بند رکھنا اور طاقتور بازوؤں کو اس وقت تک حرکت دیتے رہنا، جب تک کہ ہمارا دوسرا حکم جاری نہ ہو جائے۔"

غزنی کے جانباز بہت زیادہ پُرجوش نظر آ رہے تھے اور سلطان محمود اپنی شمشیرِ بے نیام کئے ہوئے مسلسل راجہ انند پال کے تعاقب میں آگے بڑھ رہا تھا۔

پنجاب کا حکمران سوچ رہا تھا کہ سلطان محمود طویل تعاقب کا متحمل نہ ہو سکے گا۔ اس لئے لاہور پہنچ کر انند پال نے سکون کی سانس لی۔ گردشِ وقت نے ایک بار پھر اس کے چہرے پر ذلت و بربادی کی گہری سیاہی مل دی تھی۔ عیار فرمانروا نے اپنے مشیروں اور سالاروں کو خلوت میں طلب کیا اور ان پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی۔

"مجھے بتاؤ کہ میں تمہارے لئے کس انداز کی سزا کا انتخاب کروں؟ تمہیں ہمیشہ کے لئے حوالۂ زنداں کر دوں یا سر قلم کر کے تمہارے ناکارہ جسموں کو لوگوں کی عبرت کے لئے چوراہوں پر لٹکا دوں...... یا تمہارے چہروں کو کالا کر کے قریہ بہ قریہ اور کوچہ بہ کوچہ پھراؤں؟ آخر میں کیا کروں؟ مجھے تو تمہارے غلط مشوروں نے ہلاک کر ڈالا۔ میں اپنی رسوائی کا کس سے انتقام لوں؟ محمود سے، جو میری دسترس سے بہت دور ہے...... یا تم سے کہ تمہاری بزدلی نے مجھے یہ دن دکھائے ہیں...... یا پھر اپنے آپ سے کہ میں دنیا کا ناکام ترین حکمران ہوں۔" راجہ انند پال کے چہرے پر اذیت و کرب کی آگ بھڑک رہی تھی

ں غضب میں منہ سے کف اُڑ رہا تھا۔

"سمراٹ! ہمیں ایک موقع اور دیجئے تاکہ ہم اپنی کوتاہیوں کا ازالہ کر سکیں۔" تمام سیاسی مشیروں اور لاروں کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں اور وہ سب کے سب فریادی لہجے میں التجا کر رہے تھے۔ "سلطانِ کے ساتھ یہ آخری معرکہ آرائی نہیں ہے۔ کچھ دن بعد وہ آدم خور ایک بار پھر ہمارے مقابل ہو گا۔ یقین کریں کہ سلطنتِ پنجاب کے نمک خوار بہت جلد سارے حسابات بے باق کر دیں گے۔"

راجہ انند پال آخر کیا کرتا کہ وہ انتہائی حالتِ جبر میں سانس لے رہا تھا۔ چار و ناچار اسے اپنے سیاسی ں اور فوجی سرداروں کو معاف کر دینا پڑا۔ "تم کچھ بھی کرو، مگر میں اپنے لباسِ اقتدار کو شکست کے اغوں سے پاک دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمہارے ناقابلِ معافی گناہوں کا بس ایک ہی کفارہ ہے کہ تم کے سپاہیوں کو خاک و خون میں ملا دو یا پھر انہیں زنجیریں پہنا کر اس طرح دربدر پھراؤ کہ سارا تان ان کی ذلت آمیز شکست کا تماشا دیکھے۔ بس جاں فروشی کا یہی ایک راستہ ہے کہ جس سے گزر اپنے سمراٹ کے قہر سے محفوظ رہ سکتے ہو۔"

ابھی راجپوت سالار ایفائے عہد اور سرفروشی کی قسمیں کھا رہے تھے کہ انند پال کے چند جاسوس وحشت و بدحواسی کے عالم میں داخل ہوئے اور لڑکھڑاتی زبانوں کے ساتھ چیخ چیخ کر کہنے لگے۔

"سمراٹ! جلدی کیجئے کہ محمود کا لشکر لاہور کے گرد و نواح میں آ پہنچا ہے۔ اگر ہم نے دفاعی تدابیر کرنے میں چند گھنٹے کی بھی تاخیر کی تو افواجِ پنجاب محصور ہو کر رہ جائیں گی۔"

راجہ انند پال نے وحشت زدہ نظروں اور زرد چہرے کے ساتھ اپنے سپہ سالاروں کی طرف دیکھا۔ وہ وقت نہیں آ پہنچا کہ تم اپنے وعدے وفا کرو؟"

تمام سپہ سالاروں نے گھبرا کر اپنے فرمانروا کی طرف دیکھا۔ "سمراٹ! ایک منتشر فوج کس طرح ہا غزنی کی یلغار کو روک سکتی ہے؟ ابھی تو ہمیں نئی صف بندی کے لئے ایک طویل مدت درکار ہو " یہ کہہ کر راجہ انند پال کے جاں نثاروں نے اپنے سر جھکا لئے۔

فرمانروائے پنجاب کے ساتھ ساتھ اس کے سپاہی بھی حوصلہ ہار چکے تھے۔ مجبوراً انند پال کو لاہور ی فرار ہونا پڑا۔

سلطان محمود اور اس کے برق رفتار سپاہیوں نے دوآبہ سندھ کو عبور کیا اور پھر دریائے جہلم کو پار کر کے چناب تک آ پہنچے۔ اس کے بعد جب غزنی کے جانبازوں نے دریائے چناب کو بھی عبور کر لیا تو راجہ پال لاہور چھوڑ کر کشمیر کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

محمود کے جاسوس سپاہیوں نے اپنے فرمانروا کو کسی خوں ریزی کے بغیر نئی فتح کی مبارک باد دیتے ے کہا۔ "سلطانِ ذی شان! ہندوستان کا سرسبز و شاداب ترین شہر لاہور اس طرح خالی پڑا ہے کہ دُور لہ نہ کوئی محافظ ہے اور نہ کوئی نگہبان۔"

سلطان محمود نے اپنے جاسوس سپاہیوں کے ایک ایک لفظ کو بغور سنا اور اس کے ہونٹوں پر فاتحانہ اہٹ اُبھر آئی۔ والیٔ غزنی کے سپہ سالار، مالِ غنیمت لوٹنے کے لئے بے قرار نظر آ رہے تھے۔

"سلطانِ معظم کی بلند اقبالی کی قسم! انند پال نے اپنا تخت و تاج، اپنا سارا مال و متاع، اپنی ڑیں، اپنے کھیت، اپنی زمین سب کچھ ہمارے حوالے کر دیا ہے۔ پھر حضورِ والا کو کس بات کا انتظار

ہے؟ اپنے جاں نثاروں کو حکم دیجئے کہ وہ آن کی آن میں لاہور کا نقشہ بدل ڈالیں۔" غزنی کے سپاہیوں کا لہجہ بہت زیادہ پُر جوش تھا۔

"نہیں...... ہرگز نہیں!" سلطان محمود کے چہرے پر ناگواری کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔

"سلطانِ والا!" سردار امین الدین (بلرام سنگھ) نے اونچی آواز میں کہا۔ "میں آپ کے اس طرزِ عمل سے شدید اختلاف رکھتا ہوں۔"

محمود نے چونک کر سردار امین الدین کی طرف دیکھا۔ "جو کچھ کہنا ہے، صاف صاف کہو۔ تمہارا سلطان اتنا تنگ نظر بھی نہیں کہ وہ اپنے سپہ سالاروں کے مشوروں کو یکسر نظر انداز کر دے۔"

"سلطانِ معظم! یہ بات آدابِ جنگ کے سخت منافی ہے کہ اپنے دشمن پر گرفت پانے کے بعد اُسے بے لگام چھوڑ دیا جائے۔" سردار امین الدین ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بول رہا تھا۔ "میں یہ نہیں کہتا کہ آپ لاہور کی بے گناہ رعایا کے قتلِ عام کا حکم جاری فرما دیں...... اور میں یہ بھی نہیں کہتا کہ آپ مقامی سبزہ زاروں، کھیتوں اور کھلیانوں کو جلا کر خاکستر کر ڈالیں۔ مگر اتنا ضرور کہتا ہوں کہ راجہ انند پال کے محل اور دیگر فوجی نوعیت کے تمام ٹھکانوں کو مکمل طور پر تباہ و برباد کر دیا جائے۔ اس طرح کئی سال کے لئے ہمیں اس فریب کار حکمراں کی شرانگیزیوں سے نجات مل جائے گی۔ اگر آپ نے میرے مشورے پر عمل کیا تو آئندہ راجہ انند پال اسلامی لشکر پر حملہ کرنے کے بجائے اپنے محلات کی تعمیر و مرمت میں اُلجھا رہے گا۔"

"تمہارا مشورہ درست ہے امین الدین! مگر میں کسی اور نیت کے ساتھ غزنی سے نکلا تھا۔" سلطان محمود نے نرم لہجے میں کہا۔ "فی الحال میرا ہدف داؤد بن نصر ہے۔ میں اس وقت محض یہ سوچ کر انند پال کا تعاقب کر رہا ہوں کہ وہ میرے راستے کی دیوار نہ بنے اور میں حاکمِ ملتان کی فتنہ گری کو ہمیشہ کے لئے کچل ڈالوں۔ شاید تم اس حقیقت کو نظر انداز کر رہے ہو کہ ہم اپنے گھروں سے بہت دور ہیں۔ اس لئے افواجِ غزنی کو بیک وقت کئی محاذوں پر برسرِ پیکار نہیں رکھ سکتے۔ اور شاید تم یہ بھی نہیں جانتے کہ ہندوستان کے علاوہ بھی ہمارے کئی دشمن موجود ہیں اور ان کے ذہن ہمہ وقت ہمارے خلاف کسی نہ کسی سازش میں مصروف رہتے ہیں۔" سلطان محمود نے مختصر طور پر اپنی جنگی حکمتِ عملی بیان کرتے ہوئے کہا۔ "اس لئے ہم پر لازم ہے کہ اپنے آپ کو قتل و غارت اور مالِ غنیمت سے دُور رکھیں۔ اگر کسی وجہ سے ہم نے غزنی کے لشکر کو لوٹ مار اور انند پال کے محلات کی بیخ کنی میں اُلجھا دیا تو کوئی نئی مصیبت بھی کھڑی ہو سکتی ہے۔"

سلطان کے دلائل سن کر تمام سپہ سالاروں نے سر جھکا دیئے۔

اس کے بعد والیٔ غزنی نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ راجہ انند پال کا تعاقب جاری رکھا جائے۔ ایک بار پھر تمام امیرانِ لشکر، محمود کی جنگی حکمتِ عملی کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ مجبوراً انہوں نے اپنے گھوڑوں کی لگامیں کھینچیں اور انند پال کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔

پنجاب کا حکمراں سمجھتا تھا کہ لاہور سے فرار ہونے کے بعد وہ لشکرِ غزنی کی دست برد سے محفوظ رہے گا مگر جب اس کے جاسوس سپاہیوں نے خبر دی کہ ابھی محمود نے تعاقب ترک نہیں کیا ہے تو وہ ایک مرتبہ پھر بدحواس ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اب سلطانِ غزنی، دریائے چناب کے کنارے کنارے کشمیر کی طرف

بڑھ رہا تھا۔ آخر انند پال پہاڑی درّوں میں داخل ہو گیا کہ یہی اُس کی پناہ گاہ تھی۔

سلطان محمود نے بڑی مایوسی کے عالم میں ان پُر پیچ پہاڑی راستوں کو دیکھا جن سے والیٔ غزنی قطعاً ناواقف تھا۔ "کاش! میں انند پال کی گزرگاہ سے واقف ہوتا۔" محمود نے حسرت آمیز لہجے میں کہا۔ "پھر یہ مکار لومڑی کسی تاریک غار کی آغوش میں نہیں سما سکتی تھی۔" محمود کے عزائم سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اگر اس کے قدم اس دشوار ترین راستے سے آشنا ہوتے تو وہ کشمیر کے پہاڑوں میں بھی انند پال کا تعاقب جاری رکھتا۔ مجبوراً اس نے اپنے گھوڑے کا رخ ملتان کی جانب موڑ دیا۔

"میرے بے مثال جانبازو! اب تم اپنے اصلی شکار داؤد بن نصر کی طرف پلٹ جاؤ کہ اس وقت وہ بے یار و مددگار تمہارا انتظار کر رہا ہوگا۔ میں نے اس کے حمایتی انند پال کو اس قدر خوف و دہشت میں مبتلا کر دیا ہے کہ وہ کئی ماہ تک اپنے مرکز لاہور کی طرف واپس لوٹنے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔"

طویل مسافت اور تیز رفتار تعاقب کے سبب غزنی کے سپاہی درماندہ نظر آ رہے تھے مگر انہیں اس بات پر شدید حیرت تھی کہ والیٔ غزنی کے چہرے پر تھکن کا ہلکا سا عکس تک نہیں تھا۔

پھر جب مجاہدینِ اسلام کا لشکر ایک قرمطی کو اس کے ارتداد اور سرکشی کی سزا دینے کے لئے ملتان پہنچا تو داؤد بن نصر میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ وہ سلطان محمود کے مقابل ہو سکے۔ نتیجتاً وہ اپنی جان بچانے کے لئے قلعہ بند ہو گیا۔

سلطان محمود نے فوراً ہی اپنے ایک سفیر کو خط دے کر داؤد بن نصر کے پاس بھیجا۔ محمود نے تمام سیاسی مصلحتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے قہر نامے میں صاف صاف لکھ دیا تھا۔

"داؤد! تُو اپنے آپ کو جلد از جلد میرے حوالے کر دے۔ یاد رکھ کہ تیری جانب سے جس قدر تاخیری حربے اختیار کئے جائیں گے، میرے غیظ و غضب کی آگ اسی تناسب سے بھڑکتی چلی جائے گی۔ یہاں تک کہ ایک دن وہی آگ تجھے، تیرے اہلِ خاندان کو، تیری جاگیروں کو، تیرے اقتدار کے تمام آثار کو اور تیری ذات کے ایک ایک حوالے کو جلا کر راکھ کر ڈالے گی۔"

جواب میں داؤد بن نصر نے انتہائی گداگرانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "سلطانِ ذیشان! بس ایک بار میرے اس گناہِ عظیم کو معاف فرما دیا جائے کہ میں اپنی لغزشِ عمل پر بے حد نادم ہوں اور حضورِ والا کو یقین دہانی کراتا ہوں کہ اب قرامطہ کے عقائد سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس گمراہ جماعت کے کچھ چرب زبانوں نے اپنی فریب کار تقریروں سے تھوڑے دنوں کے لئے میرے ایمان کو متزلزل کر دیا تھا مگر شاہِ والا کی تنبیہ کے بعد میں نے اپنا مذہبی نظریہ درست کر لیا ہے اور اب میں ایک صحیح العقیدہ مسلمان ہوں۔"

سلطان محمود، داؤد بن نصر کی اس مبالغہ آمیز اور خوشامدانہ تحریر سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوا۔ اس نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر حاکمِ ملتان کو دوسرا قہر نامہ تحریر کیا۔

"داؤد بن نصر! میں تیری فریب کاریوں اور شیطانی چالوں سے بخوبی واقف ہوں۔ یاد رکھ کہ میں تیری غلامانہ حاضری سے کم کسی بات پر رضامند نہیں ہوں گا۔ اگر تُو اپنے قول میں سچا ہے تو گردن میں سلطانِ غزنی کا طوقِ غلامی ڈال کر تن تنہا قلعہ سے باہر نکل آ اور میرے روبرو اپنا عقیدہ بیان کر۔ اگر تیری زبان سے ادا ہونے والے الفاظ مجھے مطمئن کر سکے تو میں یقین دلاتا ہوں کہ علی الاعلان تیرا گناہ بخش دیا

جائے گا۔"

داؤد بن نصر خوب جانتا تھا کہ والئ غزنی کو قرامطہ سے شدید نفرت ہے۔ اس لئے وہ سلطان محمود کے روبرو حاضر ہو کر اپنی زندگی کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ مجبوراً اس نے معافی کے لئے دوسری درخواست تحریر کی۔ "شاہِ والا! آپ میری خجالت کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے مجھے خدمتِ عالیہ میں حاضری سے معذور سمجھا جائے۔ تاہم میں اس مکتوب کے ذریعے توبہ کے ساتھ اپنے عہد کی تجدید بھی کرتا ہوں کہ آئندہ قرامطہ سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گا اور غزنی کے ایک ادنیٰ خراج گزار کی حیثیت سے بیس ہزار درہم سالانہ ادا کرتا رہوں گا۔"

سلطان محمود کو داؤد بن نصر کی یہ حیلہ طرازی بہت گراں گزری تھی اور ابھی وہ حاکم ملتان کے التجا نامے پر غور ہی کر رہا تھا کہ ایک اور معتبر دوست نے والئ غزنی کی پشت پر بھرپور وار کیا۔ محمود کچھ دیر کے لئے سکتے میں آ گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس قدر مہربان اور قابلِ اعتبار شخصیت اُس کے جسم کو غلیظ ترین سازش کا نشانہ بنائے گی۔

❁❁❁❁❁

جب محمود کے خسر اور ماوراء النہر کے حاکم ایلک خان کو یہ خبر ملی کہ اس کا داماد پنجاب اور ملتان کے محاذوں پر راجہ انند پال اور داؤد بن نصر کے لشکروں کے ساتھ بری طرح الجھا ہوا ہے تو اس نے توسیع اقتدار کے اپنے پرانے منصوبے پر عمل شروع کر دیا۔ ایلک خان کا منصوبہ یہ تھا کہ پہلے اس نے محمود کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے کے لئے اپنی بیٹی والئ غزنی کے نکاح میں دے دی۔ اس طرح قریب ترین رشتے کے باعث ایلک خان کے علاقے، والئ غزنی کی جارحیت سے محفوظ ہو گئے۔ پھر جب اس ہوس پرست انسان نے اندازہ کر لیا کہ محمود اپنے دشمنوں کے نرغے میں گھر گیا ہے اور اب دور دراز علاقوں سے اس کی واپسی ممکن نہیں رہی تو رشتوں کی نزاکت کا احساس کئے بغیر ایلک خان نے اپنے چہرے سے بزرگی کا نقاب نوچ ڈالا۔ ایلک خان کو ایک لمحے کے لئے اپنی بیٹی کا خیال نہ آیا کہ اُس کے اس عمل سے اس عورت پر کیا گزرے گی، جسے وہ اپنی محبوب ترین بیٹی کہا کرتا تھا۔ آج ایلک خان کی نظر میں کسی رشتے کی کوئی اہمیت نہیں تھی بلکہ وہ ریاکار انسان معتبر رشتوں کی آڑ لے کر اپنے گھناؤنے مقاصد کی تکمیل کرنا چاہتا تھا۔ ایلک خان نے ایک طرف اپنے سپہ سالار سیاوش تگین کو خراسان پر حملہ کرنے کے لئے بھیج دیا اور دوسری طرف سردار جعفر تگین کو بلخ پر قبضہ کرنے کا حکم دے دیا۔ اس وقت محمود کا نامزد کردہ عامل (گورنر) ارسلان جاذب، ہرات میں مقیم تھا۔ افواجِ غزنی کا ایک بڑا حصہ پنجاب اور ملتان کے محاذوں پر برسرِ پیکار تھا، اس لئے ارسلان جاذب انتہائی مجبوری کے عالم میں اپنے علاقوں کی تباہی و بربادی دیکھتا رہا۔ سردار جعفر تگین نے معمولی سی مزاحمت کے بعد بلخ پر قبضہ کر لیا تھا اور سیاوش تگین خراسان میں لوٹ مار مچا رہا تھا۔ اس سنگین صورتِ حال کے پیشِ نظر ارسلان جاذب نے ایک تیز رفتار قاصد ملتان کی طرف روانہ کیا تاکہ والئ غزنی کو اس نئی افتاد کی اطلاع مل سکے اور خود ہرات سے نکل کر غزنی کی طرف چلا آیا۔

جب داؤد بن نصر کے محاصرے کے دوران ارسلان جاذب کا خفیہ مکتوب موصول ہوا تو والئ غزنی کچھ دیر کے لئے سناٹے میں آ گیا۔ تمام امراء اور فوجی سالار پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے سلطان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس وقت محمود کسی پتھر کے مجسمے کے مانند نظر آ رہا تھا اور شدتِ کرب سے اس کا سرخ چہرہ

وال ہو کر رہ گیا تھا۔ بہت دیر تک والئ غزنی کی یہی کیفیت رہی۔ تمام سردارانِ قوم بھی دم بخود کھڑے ۔۔۔اور یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ آخر ایسا کون سا حادثہ پیش آیا ہے جس نے سلطانِ غزنی کی جذباتی دنیا کو ۔۔۔و زبر کر کے رکھ دیا ہے۔

آخر آہستہ آہستہ محمود کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔

"اے خلاقِ عالم! تُو ہی مجھے بتا کہ میں تیری کس مخلوق پر اعتبار کروں اور کسے نامعتبر ٹھہراؤں؟" ۔۔۔غزنی حسرت زدہ نظروں سے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے انتہائی کرب ناک لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "۔۔۔ایلک خان! تم تو رشتے میں میرے باپ کے برابر ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ مگر تم نے یہ کیا، کیا کہ ۔۔۔ت کے زہر آلود خنجر سے اس مقدس رشتے کو اس طرح ذبح کر ڈالا کہ اب کوئی بیٹا اپنے باپ پر اعتبار ۔۔۔ں کرے گا اور کوئی باپ اپنے بیٹے کو لائقِ اعتبار نہیں سمجھے گا۔" محمود کے سینے میں آگ لگی ہوئی تھی اور ۔۔۔داران قوم کو والئ غزنی کے ہونٹوں سے دھواں سا اُٹھتا محسوس ہو رہا تھا۔

"ایلک خان! تیرا اس میں کوئی قصور نہیں کہ تُو اندر و باہر سے یکساں تھا۔ گناہ تو میرا ہے کہ میں ۔۔۔ے ظاہر کو تیرا باطن سمجھ بیٹھا۔ کاش! میں ایک لمحے کے لئے اس حقیقت پر غور کر لیتا کہ میرا باپ آخر ۔۔۔ا باپ تھا اور اس بے رحم دنیا میں امیر سبکتگین کا نعم البدل موجود نہیں۔" سلطان محمود اپنے خسر کی میٹھی ۔۔۔ں اور جھوٹے دعوؤں سے اس قدر متاثر تھا کہ اکثر مواقع پر ایلک خان کو اپنے باپ امیر سبکتگین کا قائم ۔۔۔ام سمجھتا تھا۔ یہ محمود کی کم نظری نہیں تھی کہ وہ ایلک خان کی دوہری شخصیت کو سمجھنے میں ناکام رہا، بلکہ یہ ۔۔۔ کی بے باک فطرت اور روشن دل و دماغ کا تقاضا تھا کہ وہ رشتوں کے تقدس کا احساس کرے......

محمود کی اسی شدتِ احساس سے فریب کار ایلک خان نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اپنے لائقِ احترام داماد ۔۔۔ پشت میں خنجر اُتار دیا۔

والئ غزنی بہت جلد اس جذباتی فضا کے حصار سے باہر نکل آیا اور داؤد بن نصر کی درخواست کے ۔۔۔ب میں نیا حکم نامہ تحریر کرنے لگا۔

"داؤد! میرا دل تو نہیں چاہتا کہ میں تجھے اس طرح معاف کر دوں، مگر تیرے تجدیدِ عہد کے باعث ۔۔۔ری موقع فراہم کرتا ہوں۔ تجھے اپنے الفاظ کی صداقت ثابت کرنے کے لئے تا دیر مسلسل عملی مظاہرہ ۔۔۔نا ہو گا تاکہ مجھے تیری نیت پر اعتبار آ جائے۔ لیکن پھر بھی غور سے سن لے کہ اگر تُو نے دوسرے قرامطہ ۔۔۔ پشت پناہی کی یا ہندوستان کے بت پرستوں سے روابط رکھے تو تیرا یہ عمل اسی گناہ کے مترادف ہو گا ۔۔۔ تُو نے ابھی تک اپنے عقائد سے توبہ نہیں کی ہے...... اور یہ بڑی خوف ناک حالت ہو گی۔ اس طرح ۔۔۔سوچ بھی نہیں سکتا کہ میں آئندہ تیرے ساتھ کیا سلوک کروں گا۔"

اگر ایلک خان ایک گھناؤنی سازش کے ساتھ بلخ اور خراسان کے علاقوں پر دست درازی نہیں کرتا تو ۔۔۔ داؤد بن نصر کو اس کے بدترین انجام تک پہنچائے بغیر چین سے نہ بیٹھتا۔ لیکن صورتِ حال کی سنگینی ۔۔۔ والئ غزنی کو مجبور کر دیا کہ وہ داؤد بن نصر کی معذرت قبول کر لے اور ملتان کا محاصرہ اٹھا کر تیز رفتاری ۔۔۔ ساتھ اپنے مرکز کی طرف لوٹ جائے۔ یہ ایک سیاسی مجبوری تھی کہ جس کے زیرِ اثر والئ غزنی کو اپنے ۔۔۔ارادوں میں لچک پیدا کر کے نئی حکمتِ عملی سے کام لینا پڑا۔

داؤد بن نصر کو امان دینے کے بعد محمود نے سکھ پال کو اس علاقے کے سیاسی حالات کا نگراں مقرر

کیا۔ سکھ پال رشتے میں راجہ انند پال کا حقیقی بھانجا تھا اور ایک جنگ میں اپنے نانا راجہ جے پال کے ساتھ گرفتار ہو کر غزنی پہنچا تھا۔ دورانِ اسیری جب سکھ پال نے مسلمانوں کے طرزِ معاشرت اور اخلاقی بلندیوں کا بہت قریب سے مشاہدہ کیا تو وہ ہزاروں بتوں کی پرستش چھوڑ کر ایک خدا پر ایمان لے آیا۔ سکھ پال کا اسلامی نام باشا تھا لیکن کچھ لوگ اسے نواسا شاہ بھی کہہ کر پکارتے تھے۔ پھر جب محمود نے بھاٹیہ کے حاکم، راجہ بجے راؤ کو شکست دی تو سکھ پال کو اس علاقے کا حاکم مقرر کر دیا۔ سکھ پال کئی سال سے نہ صرف سلطنتِ غزنی کا وفادار تھا بلکہ اپنی اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کے ثبوت بھی فراہم کر رہا تھا۔ یہی وجہ تھی محمود نے سکھ پال کی خدمات سے مطمئن ہو کر اسے ایک نئی ذمے داری سونپ دی تھی۔ اب داؤد بن نصر کی کڑی نگرانی اور انند پال کی ریشہ دوانیوں پر گہری نظر رکھنا بھی سکھ پال کے فرائض میں شامل تھا۔

ملتان اور بھاٹیہ کے انتظامی معاملات سے فارغ ہو کر محمود برق رفتاری کے ساتھ غزنی واپس پہنچا۔ ارسلان جاذب نے دارالحکومت سے پچاس میل دُور نکل کر اپنے سلطان کا اس طرح استقبال کیا کہ گھوڑے سے اُتر پڑا اور بھاگ کر محمود کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔

”سلطانِ ذیشان! میں اپنے فرائض کی انجام دہی میں ناکام ہو گیا۔“ ارسلان جاذب، محمود کے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا اور ایلک خان کی یورش کی تفصیلی روداد سنا رہا تھا۔ ”میں قانونِ سیاست کی نظر میں ایک بڑا مجرم ہوں۔ شاہ جس طرح چاہیں میرے ساتھ سلوک کریں۔“

”تو بھی کیا کرتا ارسلان! کہ ایلک خان نے بڑی نازک ساعتوں میں ہمیں دھوکا دیا ہے۔“ سلطان محمود انتہائی شکستہ لہجے میں بول رہا تھا۔ ”جب اپنوں نے ہی وفا اور اعتبار کے رشتوں کو قتل کر ڈالا تو پھر تجھ سے کیا شکایت؟“

”شاہا! میرے پاس غزنی کے جاں نثاروں کی تعداد بہت کم تھی۔“ یہ کہتے کہتے ارسلان جاذب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ”کئی بار دل میں آیا کہ اپنے مٹھی بھر سپاہیوں کو سمیٹ کر ایلک خان کے سپہ سالاروں سیاؤش تگین اور جعفر تگین کا مقابلہ کروں اور اپنے سلطان کے جاہ و جلال پر قربان ہو جاؤں مگر پھر یہ سوچ کر غزنی چلا آیا کہ بلخ و خراسان تو جا چکے، کم از کم مرکز ہی کو بچا لوں۔“ ارسلان جاذب کے بہتے ہوئے آنسوؤں میں تیزی آ گئی تھی۔ ”اگر مرکز بچ گیا تو صوبوں کو بھی بچایا جا سکتا ہے۔ خداوند ذوالجلال کی قسم! اس کے سوا میرے ذہن میں کچھ نہیں تھا۔ ایلک خان کے لشکروں نے میری پشت اس لئے نہیں دیکھی ہے کہ میں بزدل تھا اور میرے اندر دشمن سے مقابلے کا حوصلہ نہیں تھا۔“

”میں جانتا ہوں ارسلان! میں جانتا ہوں۔“ سلطان محمود نے مضطرب لہجے میں کہا۔ ”تو اہلِ وفا میں سے ہے اور اہلِ وفا اس طرح آنسو نہیں بہایا کرتے۔ تو بہت ذہین اور سعادت مند ہے ارسلان!“ محمود اپنے جاں نثار عامل کو تسلیاں دے رہا تھا۔ ”تو نے ٹھیک کیا کہ مرکز کی طرف چلا آیا کہ مرکز کا قائم رہنا بہت ضروری تھا۔ مایوس نہ ہو کہ میرے اعتبار کے قاتلوں کی عمریں زیادہ طویل نہیں ہیں اور ناکامی کی یہ سیاہ رات بھی اپنی آخری گھڑیاں گن رہی ہے۔ اُداس نہ ہو کہ سورج نکلنے ہی والا ہے۔ اندھیروں کے یہ سوداگر کچھ دیر اور عارضی فتح کا جشن منا لیں۔ جب روشنی کے سفیر ان کے مقابل ہوں گے تو پھر کچھ بھی نہیں بچے گا۔ موت، ذلت اور بربادی ہی ظلمت و سازش کے نمائندوں کا مقدر ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں...... کچھ بھی نہیں۔“

❋❋❋❋❋

وہ رات والیٔ غزنی کے لئے بڑی کرب ناک تھی، جب محمود اپنی بیوی اور ایلک خان کی بیٹی کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔ ”کیا تمہیں احساس ہے کہ تمہارے معزز و محترم باپ سے کس قدر خوفناک گناہ سرزد ہوا ہے؟“

”میرے نزدیک ہر شخص کو طالع آزمائی کا پیدائشی حق حاصل ہے۔“ محمود کی دوسری بیگم نے بڑی بے نیازی کے ساتھ کہا۔ ”والدِ محترم مجھ سے اور آپ سے زیادہ بہتر سمجھتے ہیں کہ ان کی سیاسی ضروریات کیا ہیں۔“

محمود اپنی بیوی کی شدتِ گفتار پر حیران رہ گیا۔ ”کیا ایک باپ کے نزدیک یہی طالع آزمائی کا مفہوم ہے کہ وہ بے خبری کے عالم میں اپنے محبوب بیٹے کی پشت پر وار کر دے؟“ یکایک والیٔ غزنی کے لہجے میں نفرت و غضب کی آگ بھڑکنے لگی تھی۔ ”اگر تمہارے عظیم سیاسی باپ کو اتنا ہی شوقِ حکمرانی تھا تو مجھ سے صاف صاف کہا ہوتا۔ میں خود بلخ و خراسان اُن کے حوالے کر دیتا۔ جاہل و نافرض شناس عورت! تم نے یہ بھی سوچا کہ تمہارے باپ کی اس حرکت سے دشمنانِ اسلام پر کیا ردِعمل ہوگا؟ وہ بلا تاخیر دنیائے اسلامیہ کے انتشار سے فائدہ اُٹھائیں گے۔ پھر نہ غزنی و بخارا ہوں گے اور نہ بلخ و خراسان۔“ محمود کے لہجے کی آگ تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ ”پھر اپنے جاہ و جلال کا مظاہرہ کرنے کے لئے نہ ایلک خان ہوگا اور نہ سلطان محمود غزنوی۔ دونوں کے سر کفار کی ٹھوکروں میں ہوں گے۔ سیاست کے مقتل، مجاہدینِ اسلام کی لاشوں سے سجے ہوں گے اور معصوم و بے خبر کلمہ گو کھلے آسمان کے نیچے چیخ رہے ہوں گے کہ اے خدا! ہم کدھر جائیں؟...... ہم کدھر جائیں؟“ محمود کی زبان سے جذبات کا لاوا اس طرح بہہ رہا تھا کہ جسے دیکھ کر پتھر دل انسان بھی پگھل جاتا۔ مگر ایلک خان کی بیٹی نے اپنے شوہر کی باتوں کا کوئی تاثر قبول نہیں کیا تھا۔

”میں اپنے والدِ محترم کے بارے میں ایک حرف سننے کی بھی روادار نہیں ہوں۔“ ایلک خان کی خود سر بیٹی کی بے حسی کا وہی عالم تھا۔

”تو پھر تم نے طالع آزمائی کے اس شرم ناک کھیل میں اپنے باپ کی مدد کیوں نہیں کی؟“ شدتِ غضب سے بے قرار ہو کر محمود چیخ اٹھا۔ ”تم بہت آسانی سے مجھے کھانے میں زہر دے کر اپنے حریص باپ کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کر سکتی تھیں۔“

ایلک خان کی بیٹی نے گھبرا کر اپنے شوہر کی طرف دیکھا۔

”دل تو چاہتا ہے کہ تمہیں طلاق دے کر تمہارے باپ کے پاس بھیج دوں تاکہ تم دونوں باپ بیٹی مل کر طالع آزمائی کے اس کھیل کو جاری رکھ سکو۔“ یکایک والیٔ غزنی کا لہجہ انتہائی سرد ہو گیا تھا۔ مگر اس میں بڑی گہری نفرتیں اور تلخیاں پوشیدہ تھیں۔ ”کاش! میں ایسا کر سکتا لیکن اپنے اصولوں سے مجبور ہوں۔ اہلِ دنیا کیا کہیں گے کہ سلطان محمود کی ذات کا ایک نازک و حساس حوالہ عزت و آبرو کی چادر کے بغیر برہنہ پھر رہا ہے۔ کاش! تم ایک عورت نہ ہوتیں۔“ اپنے غصے کو ضبط کرتے کرتے محمود کے ہونٹ آپس میں پیوست ہو گئے تھے اور جبڑوں کی ہڈیاں اُبھر آئی تھیں۔

ایلک خان کی بیٹی وحشت زدہ نظروں سے مسلسل اپنے شوہر کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

"دُور ہو جاؤ میری نظروں سے۔" ایک مختصر سے وقفۂ سکوت کے بعد محمود نے دوبارہ چیخ کر کہا۔ "اب میں تمہاری صورت اس وقت دیکھوں گا، جب تمہارا طالع آزما باپ اپنے منصوبوں کے ساتھ خاک میں مل جائے گا یا اُس کی محترم قبائے ذات، شکست و رُسوائی کی غلاظت میں بھر جائے گی اور قیامت تک کے لئے اُس کا نامۂ اعمال داغ دار ہو جائے گا۔" یہ کہہ کر سلطانِ غزنی نے انتہائی نفرت سے اپنا منہ پھیرلیا۔

ایلک خان کی بیٹی کچھ دیر تک سر جھکائے بیٹھی رہی اور پھر خلوتِ سلطانی سے نکل کر اپنی خواب گاہ میں چلی گئی۔ وہ شوہر کے اس مزاج سے بخوبی آشنا تھی کہ جب محمود کسی بات کا عہد کر لیتا ہے تو پھر اس کی تکمیل تک چین سے نہیں بیٹھتا۔

بیوی کے جانے کے بعد محمود کا جلتا ہوا ذہن ماضی کی شاہراہوں پر سفر کرنے لگا، جہاں ایک عورت کئی سالوں سے اُس کا انتظار کر رہی تھی...... اور یہ تشنۂ انتظار عورت، نگار خانم کے سوا کوئی اور نہیں تھی۔

پھر یادوں کا سلسلہ قائم ہوا تو محمود کو جاں نثاری کی ایک ایک ادا یاد آنے لگی۔ وہ جاں نثاری جو صرف نگار خانم کی ذات سے وابستہ تھی۔ "خدا کی قسم! نگار خانم کو دوسری عورتوں سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ کہاں وہ پیکرِ وفا...... اور کہاں یہ خود غرض خواتین؟" سلطان کے ہونٹوں سے آہِ سرد نکل گئی۔

اس کے ساتھ ہی محمود کو اپنی تلخ کلامی یاد آنے لگی۔ جب ایک روز والیٔ غزنی نے نگار خانم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔ "تم میرے جاہ و اقتدار سے حسد رکھتی ہو۔" تنہائی میں محمود نے اپنے ہی الفاظ کی بازگشت سنی تو بے قرار ہو گیا۔ ایلک خان کی بیٹی کی بے حسی دیکھ کر سلطان کو احساس ہوا تھا کہ نگار خانم کس کردار کی خاتون ہے...... اور پھر یہی احساس محمود سے سرگوشیاں کرنے لگا تھا۔

"تُو نے نگار خانم کا دل دُکھایا ہے، وہ اس سلوک کی مستحق نہیں تھی۔"

یہ سرگوشیاں تیز ہوئیں تو محمود وحشت زدہ ہو کر رات کے اندھیرے میں قصرِ شاہی سے نکل کھڑا ہوا۔ محافظ سپاہیوں نے کسی انجانے خطرے کے پیشِ نظر سلطان کے ہمراہ چلنا چاہا مگر محمود نے انہیں سختی سے منع کر دیا۔

اب والیٔ غزنی اپنے جرم کی تلافی کے لئے نگار خانم کے مکان کی طرف تنہا جا رہا تھا۔

✽✽✽✽✽

محمود بڑی افسردہ حالت میں نگار خانم کے مکان تک پہنچا۔ نظام شاہ اپنی نوعمری ہی سے شب بیداری کے عادی تھے، اس لئے پہلی دستک سنتے ہی مصلے سے اُٹھے اور جا کر دروازہ کھول دیا۔ والیٔ غزنی اندھیرے میں کھڑا تھا۔ گہری تاریکی کے سبب نظام شاہ، سلطان محمود کو نہ پہچان سکے۔ بس وہ اندازے سے اتنا ہی سمجھ سکے کہ کوئی ضرورت مند ہو گا، جو اتنی رات گئے اپنا آرام دہ بستر چھوڑ کر درویشِ بے سروساماں کے دروازے تک چلا آیا ہے۔

"کون ہو بھائی؟" نظام شاہ نے نہایت شیریں دلنواز لہجے میں آنے والے سے پوچھا۔

"شیخ! یہ میں ہوں...... آپ کا خادم، محمود۔" والیٔ غزنی نے کسی قدر شکستہ لہجے میں کہا۔

"فرزند تم!...... اس وقت؟" نظام شاہ کی آواز سے شدید حیرت کا اظہار ہو رہا تھا۔ "خیر تو ہے؟...... اندر آؤ!"

والیٔ غزنی دروازے میں داخل ہوا اور نظام شاہ کے پیچھے چلنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر نظام شاہ نے آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یاد رکھو کہ تم امیرِ سلطنت ہو اور نظام شاہ بھی اپنے امیر کے دائرۂ احترام سے باہر نہیں ہے۔"

محمود سر جھکائے آگے بڑھتا رہا۔ پھر نظام شاہ نے محمود کو لکڑی کے اس تخت پر بٹھایا جو قریب ہی بچھا تھا اور خود چٹائی پر بیٹھ گئے۔ "شیخ! آپ کے سامنے بلندی پر بیٹھتے ہوئے شرم آتی ہے۔" والیٔ غزنی نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"امیر کے لئے اتنی بلندی پر بیٹھنا لازم ہے کہ اس میں اور عام انسانوں میں تفریق کی جا سکے۔" نظام شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مگر اتنی بلندی پر بھی نہیں کہ رعایا کے کمزور ہاتھ اپنے امیر کے دامن کو نہ چھو سکیں۔"

"شیخ! جی چاہتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ کر کسی بیابان میں نکل جاؤں اور پھر کبھی اس شہرِ ہنگامہ خیز کی طرف لوٹ کر واپس نہ آؤں۔" محمود انتہائی دل گرفتہ لہجے میں بول رہا تھا۔

"فرزند! تم آج یہ کیسی مایوسی کی باتیں کر رہے ہو؟" اچانک نظام شاہ کے لہجے میں جلالِ روحانی کا اظہار ہونے لگا تھا۔ "اللہ نے تمہیں ترکِ دنیا کے لئے پیدا نہیں کیا ہے۔ یہ تو مجھ جیسے ناکارہ انسانوں کا منصب ہے کہ میں اپنے ہاتھ پاؤں توڑ کر ایک گوشے میں بیٹھ گیا ہوں۔"

"شیخ! کوئی مانے یا نہ مانے مگر میں اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہوں کہ آپ گوشہ نشین ہو کر بھی ایک لمحے کے لئے بیکار نہیں بیٹھے۔" جوشِ جذبات میں محمود کی آواز بھی تیز ہو گئی تھی۔ "نفس کے ایک ایک تقاضے کو ذبح کر ڈالا، دنیا کے ہر عیش کو ٹھکرا دیا، اللہ کے آئین کی سربلندی کے لئے خود کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ پھر بھی کہتے ہیں کہ میں بیکار بیٹھا ہوں۔ یہ کیسی بیکاری ہے؟" اگرچہ والیٔ غزنی کے لہجے میں تندی اور تیزی تھی لیکن پھر بھی اس کے ایک ایک لفظ سے نظام شاہ کے لئے بے پناہ عقیدت و محبت کا اظہار ہو رہا تھا۔ "اس سے بڑھ کر خلقِ خدا کی خدمت گزاری اور کیا ہو گی؟" محمود، نظام شاہ سے اس طرح گفتگو کر رہا تھا جیسے کوئی محبوب بیٹا اپنے باپ سے روٹھ گیا ہو۔

نظام شاہ ایک بار پھر مسکرانے لگے۔ "کچھ دیر کے لئے امیرِ غزنی کی یہ بات تسلیم کہ میں بہت بڑا خادمِ انسانیت ہوں۔" نظام شاہ نے محمود کے ذہن سے افسردگی کا غبار دھونے کے لئے عجیب و غریب دلیل پیش کی۔ "تمہارا شیخ مادی وسائل سے محروم ہوتے ہوئے بھی روز و شب اپنے کام میں مصروف تو ہے۔ زمانے کے ظلم و ستم کا شکوہ تو نہیں کرتا۔ پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے سلطانِ ذیشان! کہ دولت و اقتدار کے ہوتے ہوئے بھی بندگانِ خدا کی خدمت سے ہاتھ کھینچ کر کسی ویرانے کی طرف فرار ہو جانا چاہتے ہو۔ کیا یہ اس خالقِ بے نیاز کی ناشکری نہیں ہے کہ جس نے تم پر اپنی نعمتوں کی بارش کر دی اور تم ان نعمتوں سے منہ موڑ کر ناشکر گزاروں کی صفوں کی طرف بڑھے چلے جا رہے ہو۔ کیسے بت شکن ہو کہ راستے کے معمولی پتھروں سے ڈر جاتے ہو۔" یہ کہتے کہتے نظام شاہ کے چہرے پر گہرا عکسِ ملال اُبھر آیا تھا۔ "میرے بھولے بھالے بیٹے! چھوٹی چھوٹی باتوں کی شکایت کرنا تیرے شایانِ شان نہیں۔ تجھے تو قدرت نے پہاڑ کی فطرت پر پیدا کیا ہے۔ یہ تند و تیز ہوائیں صرف اس لئے چلتی ہیں کہ تجھ پر جمع ہو جانے والی مایوسیوں کی گرد کو اُڑا کر دُور لے جائیں۔ ان میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ تجھے تیری جگہ سے جنبش دے سکیں۔"

نظام شاہ نے والیٔ غزنی کی تالیفِ قلب اور حوصلہ افزائی کے لئے بڑے عجیب دلائل پیش کئے تھے مگر ایلک خان کی سازش نے اس کے دل و دماغ کو بہت زیادہ مکدر کر دیا تھا...... ''شیخ! یہ معمولی بات نہیں۔ ایلک خان نے ہوسِ اقتدار کی تکمیل کے لئے کیسے نازک رشتے کا خون کر ڈالا۔ اس کے پاس کیا کچھ نہیں تھا۔'' چراغ کی دُھندلی روشنی میں والیٔ غزنی کا چہرہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا لیکن نظام شاہ محسوس کر رہے تھے کہ چراغ کی طرح محمود کے سینے سے بھی دھواں اُٹھ رہا ہے۔ ''وہ مجھے فرزند کہہ کر پکارتا ہے۔ اس کی حقیقی بیٹی غزنی کی ملکۂ عالیہ ہے۔ پھر اس نے میرے اعتبار پر خنجر آزمائی کیوں کی شیخ؟'' محمود کے لہجے میں روح کا سارا کرب سمٹ آیا تھا۔

''ایلک خان نے انسانی فطرت کے خلاف تو کچھ بھی نہیں کیا۔'' نظام شاہ نے اس قدر بے نیازانہ انداز میں جواب دیا کہ والیٔ غزنی حیران ہو کر اپنے شیخ کا چہرہ دیکھنے لگا۔ ''اللہ کے فیصلے کے مطابق دولت و اقتدار دنیا کا سب سے بڑا فتنہ ہے اور انسانوں کی اکثریت اپنے پیدا کرنے والے کو بھول کر آخری سانس تک اسی فتنے میں اُلجھی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن حریصوں کے اس گروہ کو موت آ جاتی ہے اور قدرت کا نادیدہ ہاتھ انہیں تہ خاک دبا دیتا ہے۔ ایلک خان بھی اسی گروہ کا سرخیل ہے۔ اس لئے اس سے وفا کی اُمید رکھنا محض دیوانگی ہے۔ ایلک خان جیسے لوگ تو اقتدار کے مقتل میں اپنی حقیقی اولاد کو بھی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ کیا تم ان ہی حیوانوں کے طرزِ عمل سے دل برداشتہ ہو کر یہ دنیا چھوڑ دینا چاہتے ہو؟ مگر کہاں جاؤ گے کہ زمین کے گوشے گوشے میں یہی حیوان بستے ہیں۔ یہ چوپائے ہیں فرزند! آدم زادوں کے لباس میں چھپے ہوئے چوپائے۔''

''پھر ان چوپاؤں کا کیا علاج ہے؟'' والیٔ غزنی کے لہجے میں گہری تلخی شامل تھی۔

''ان کا قتال کرو۔'' نظام شاہ کی آواز بھی بلند ہو گئی تھی۔ ''پھر انہیں زنجیریں پہنا کر کسی تاریک زنداں میں ڈال دو۔ اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو یہ انسانیت کی نرم و نازک اور سرسبز و شاداب فصلوں کو کھا جائیں گے۔''

''کاش! ایلک خان ایسا نہ کرتا۔'' سلطان محمود نے ایک بار پھر آہِ سرد کھینچی۔ ''میں دوستوں سے جنگ کروں یا دشمنوں سے؟''

''یہاں کوئی تیرا دوست نہیں محمود!'' بالآخر نظام شاہ نے انسانی زندگی کی تلخ ترین حقیقت بیان کر دی۔ ''سب اپنے نفس کے دوست ہیں۔ کسی کو تیرے عظیم مقاصد سے کوئی غرض نہیں۔ تُو بہت اکیلا ہے میرے بیٹے!''

''ہاں شیخ! آپ نے سچ فرمایا کہ میں بہت اکیلا ہوں۔'' نظام شاہ کی باتیں سن کر والیٔ غزنی کو اپنی بیوی کا خودغرضانہ سلوک یاد آ گیا۔ ایلک خان کی بیٹی کے اسی روّیے نے محمود کو مجبور کیا تھا کہ وہ نگار خانم کے پاس آئے اور اس عظیم خاتون سے اپنے جارحانہ طرزِ عمل کی معافی مانگے۔ اگرچہ نگار خانم گھر میں موجود تھی اور والیٔ غزنی کی باتیں سن رہی تھی، لیکن وہ نظام شاہ کی موجودگی میں محمود کے سامنے نہیں آ سکتی تھی۔ سلطان کی نظریں بھی اس امید پر کبھی کبھی بھٹک جاتی تھیں کہ شاید نگار خانم اس کے روبرو چلی آئے مگر جلد ہی والیٔ غزنی کو ناسازگار صورتِ حال کا احساس ہو گیا۔

''شیخ! میں یکسوئی کے ساتھ ہندوستان پر حملہ کرنا چاہتا ہوں۔'' محمود اپنے پریشان خیالات کی دنیا سے نکل آیا۔ ''اگر ایلک خان میرے راستے کا پتھر نہ بنتا تو میں اب تک اس عہد شکن انند پال سے بھی ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کر لیتا...... اور دشمنِ اسلام، داؤد بن نصر کو اس کے کافرانہ خیالات کے ساتھ دفن کر دیتا۔ کاش! ایلک خان سمجھ سکتا کہ اُس کی ہوسِ اقتدار نے ملت اسلامیہ کو کتنا بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ اہلِ ایمان آپس میں لڑ رہے ہیں اور ہماری افرادی طاقت روز بہ روز کم ہوتی جا رہی ہے۔''

''فرزند! تجھے اپنے وسائل کی طاقت پر بھروسہ ہے یا اس قوی العزیز پر، جس کی قدرت کا کوئی ٹھکانا نہیں؟'' اچانک نظام شاہ نے والیٔ غزنی سے ایک نیا سوال کر دیا تھا۔

''میں اُس ذات پر یقینِ کامل رکھتا ہوں، جو بے پناہ طاقتوں کا مالک ہے۔'' محمود، نظام شاہ کی بات سن کر سنبھل گیا تھا اور ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔

''تو پھر یہ بے یقینی کیوں میرے بیٹے؟'' نظام شاہ کے لہجے میں بڑا درد تھا۔ ''اگر اس دنیا کا ایک ایک فرد بھی ایلک خان کی شکل اختیار کر لے تو اللہ کے فیصلوں پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ وہ تمام جن و انس کے اندازوں سے زیادہ بے نیاز ہے۔ اگر وہ چاہتا ہے کہ بت خانۂ ہند میں اذان کی آواز گونجے تو اُسے روکنے والا کون ہے؟ پتھر کے بے جان صنم خود ہی ''اللہ احد'' پکار اُٹھیں گے۔ تُو کیا اور تیرا لشکر کیا؟ ...... میں کیا اور میری دعائیں کیا؟'' یہ کہتے ہوئے نظام شاہ بے اختیار رونے لگے۔

والیٔ غزنی اپنے شیخ کی حالت دیکھ کر بے قرار ہو گیا۔ ''میں ایلک خان سے نہیں ڈرتا۔'' محمود کے لہجے میں نئی استقامت آ گئی تھی۔

''پھر تُو کس شے سے خوف زدہ رہتا ہے؟ جبکہ اللہ کے سوا کوئی موجود ہی نہیں ہے۔'' نظام شاہ کی آواز سے رقت جھلک رہی تھی۔

''اس وقت سے ڈرتا ہوں، جب میرے سامنے میرا عہد ٹوٹ جائے اور میں تمام اختیارات سے محروم کر دیا جاؤں۔'' محمود کے لہجے سے ایک عجیب سی خلش کا اظہار ہو رہا تھا۔ ''شیخ! میری زندگی کی دو بڑی آرزوئیں ہیں۔ ایک قرامطہ کا خاتمہ...... دوسرے سومنات کی شکست...... مگر میں کیا کروں کہ میری اپنی صفوں میں بت پیدا ہو رہے ہیں۔ مجھ سے آپ کی آنکھوں کی ویرانی نہیں دیکھی جاتی۔ میں کئی سال سے آپ کے خوابوں کی تعبیر تلاش کر رہا ہوں اب میرے پاس ندامت کے سوا کچھ نہیں۔ شیخ! میں بہت تھک گیا ہوں۔ مجھے آپ کی نئی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ میرے کمزور ہاتھوں کی طرف دیکھئے!'' یہ کہہ کر والیٔ غزنی نے اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔ ''ایسا لگتا ہے کہ ان ہاتھوں میں سومنات کو توڑنے کی طاقت نہیں ہے..... آپ کسی دوسرے بت شکن کا انتخاب کر لیجئے کہ آپ کا محمود بہت ناکارہ ہے۔''

نظام شاہ نے مضطرب ہو کر سلطان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے۔ ''نہیں فرزند! ایسی مایوسی کی باتیں نہ کر۔'' نظام شاہ کی آنکھوں سے اشکوں کا آبشار اُبل پڑا تھا۔ ''کس منہ سے کہتا ہے کہ تجھے چھوڑ کر کسی دوسرے کا انتخاب کر لوں۔ ذاتِ واحد کی قسم! سومنات تیرے ہی کمزور ہاتھوں سے ٹوٹے گا...... پھر بھی اگر مشیت کچھ اور طے کر چکی ہے تو اُداس نہ ہو کہ تیرا شیخ ان ہی جلتے ہوئے خوابوں کو آنکھوں میں سجا کر کفن اوڑھ لے گا۔ لیکن کسی اور سے دل کی بات نہیں کہے گا۔ بس جو کچھ کہنا تھا، ایک سے کہہ دیا۔ ناکامی کے خوف سے نئے سہارے ڈھونڈنا نظام شاہ کا مزاج نہیں۔'' یکایک، مردِ قلندر کے بہتے ہوئے آنسو تھم گئے تھے اور زرد چہرہ آتشِ جلال سے دہکنے لگا تھا۔

والیٔ غزنی کو محسوس ہوا کہ مایوسیوں کے گہرے اندھیرے چھٹ گئے ہیں اور نئے ولولوں کی تیز دھوپ نکل آئی ہے۔ "شیخ! آپ کا یہ ادنیٰ خدمت گزار محمود کبھی کبھی بے یقینی کا شکار ہو جاتا ہے، اس لئے ڈر لگتا ہے کہ کہیں بے یقینی اور تذبذب کی حالت میں موت نہ آ جائے۔"

"اس کے در پر کاسۂ گدائی رکھ کر مسلسل صدائیں دیتے رہنا، یہی سائل کی عبادت ہے۔" نظام شاہ نے انتہائی مشفقانہ لہجے میں والیٔ غزنی کو تلقین کی۔ "زمین و آسمان کے خزانوں کا مالک ایک دن تیرے خالی دامن کو یقین کی دولت سے بھر دے گا۔"

سلطان نئے حوصلے کے ساتھ مردِ قلندر کے آستانے سے اُٹھا۔

❊❊❊❊❊

دوسرے دن محمود نے اپنی ایک رازدار کنیز کو خط دے کر نگار خانم کے پاس بھیجا۔

"مجھے اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہے۔ میں اس ازالے کے لئے کل رات حاضر ہوا تھا، مگر شیخ کی موجودگی کے سبب تم سے ملنے کی جرأت نہ کر سکا۔ آج مجبوراً اس کنیز کے ذریعے پیغام رسانی کا سہارا لیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میری یہ حرکت بھی تمہارے آئینِ حیاداری پر گراں گزرے گی۔ مگر کیا کرتا کہ صورتِ حال بہت سنگین ہے۔ وقت نے مجھے ایسے محاذوں پر اُلجھا دیا ہے کہ جہاں کوئی بھی واقعہ رونما ہو سکتا ہے۔ میں تہ تیغ بھی ہو سکتا ہوں اور غلامی کی آہنی زنجیریں بھی میرا مقدر بن سکتی ہیں۔ میں فاتح بھی قرار پا سکتا ہوں اور بدترین شکست بھی میرے نام سے منسوب کی جا سکتی ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم میری طرف سے اپنا دل صاف کر لو۔ کون جانے کہ کل یہ ہونٹ حرفِ معذرت ادا کرنے کے بھی قابل نہ رہیں۔ نگار خانم! میں اس تہمت طرازی پر بے حد نادم ہوں۔ میں نے اپنی والدہ ماجدہ کے بعد تم سے زیادہ اعلیٰ ظرف اور محبت کرنے والی کوئی دوسری خاتون نہیں دیکھی، تم ایک ایسا پیکرِ وفا ہو کہ جس کے جذبوں پر شک نہیں کیا جا سکتا۔ میں یہ بات اپنے طویل تجربات و مشاہدات کے بعد تحریر کر رہا ہوں۔ اس وضاحت کے بعد مجھے یقین ہے کہ تم میری لغزشِ زبان کو معاف کر دو گی۔

زندگی کے محاذ پر تن تنہا...... محمود۔"

نگار خانم کے نام خط دے کر والیٔ غزنی نے اپنی رازدار کنیز کی طرف دیکھا۔ کنیز، جلالِ سلطانی سے لرز رہی تھی۔

"یاد رکھنا کہ نگار خانم کوئی درباری رقاصہ یا خلوتِ سلطانی میں غزل سرائی کرنے والی مطربہ نہیں ہے۔" محمود کی پُر رعب آواز گونجی۔

"میں جانتی ہوں سلطانِ ذیشان!...... میں جانتی ہوں۔" جسم کے ساتھ کنیز کی زبان بھی کانپ رہی تھی۔

"تُو کچھ نہیں جانتی شارقہ!" والیٔ غزنی نے کنیز کا نام لیتے ہوئے کہا۔ "تیرا سلطان جو کچھ کہتا ہے؟ اسے غور سے سن! اگر کبھی تیرے دل میں نگار خانم کی طرف سے وسوسے پیدا ہوں اور تیرا ذہن پراگندہ خیالات سے بھر جائے تو فوراً ہی اس گرد و غبار کو صاف کر دینا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تُو اپنے کثیف تصورات کے گرداب میں اُلجھ کر رہ جائے۔ اگر ایسا ہوا تو یاد رکھنا کہ تُو عدالتِ سلطانی میں بڑی مجرم ٹھہرے گی۔"

کنیز شارقہ کے بدن کی لرزش کچھ اور نمایاں ہو گئی تھی۔ "معاذ اللہ! سلطانِ معظم! معاذ اللہ۔" یہ کہتے

ہوئے کنیز والیٔ غزنی کے سامنے گھٹنوں کے بل جھک گئی۔

"کھڑی ہو جا کہ یہ وقت ان رسموں کی ادائیگی کا نہیں۔" سلطان محمود نے تیز آواز میں کہا۔

پھر جب کنیز شارقہ سیدھی کھڑی ہو گئی تو والیٔ غزنی اس سے دوبارہ مخاطب ہوا۔ "حدودِ مملکت میں نگار خانم کا وہی درجہ ہے جو تیرے سلطان کا ہے۔"

کنیز نے سر جھکا دیا۔

"سمندر کی گہرائی دیکھ کر کہنے والے کہتے ہیں کہ وہ بہت اعلیٰ ظرف ہے، اس کے سینے میں بے شمار راز دفن ہوتے ہیں اور وہ کبھی آپے سے باہر ہو کر کم ظرفی کا مظاہرہ نہیں کرتا۔"

کنیز نے گھبرا کر محمود کی طرف دیکھا اور ایک بار پھر گردن جھکا لی۔

"مگر تیرے سلطان کا مشاہدہ کچھ اور ہے۔" والیٔ غزنی کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔ "کبھی کبھی سمندر کا سینہ بھی پھٹنے لگتا ہے اور وہ اپنے اندر کی چیزوں کی حفاظت کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ اس لئے بے قابو ہو کر اُبل پڑتا ہے اور تمام پوشیدہ اشیاء کو ساحل پر لا کر پھینک دیتا ہے۔"

"پھر یہ حقیر کنیز کیا کرے سلطانِ عالی مقام!" والیٔ غزنی کے جاہ و جلال سے دہشت زدہ ہو کر شارقہ رونے لگی۔

"تُو اپنے سینے کو سمندر سے زیادہ کشادہ کر لے۔ پھر اُبل پڑنے کا شائبہ تک باقی نہ رہے۔" محمود نے ٹھہر ٹھہر کر کنیز کو تنبیہ کی۔

پھر شارقہ بڑی رازداری کے ساتھ اس وقت نگار خانم کے پاس پہنچی، جب نظام شاہ وہاں موجود نہیں تھے۔ ایک کنیز کے ہاتھ میں مکتوبِ سلطانی دیکھ کر نگار خانم لرز گئی۔ شارقہ نے بڑی ذہانت سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کے مقام سے واقف ہوں۔ سلطانِ ذی حشم آپ کا بہت زیادہ احترام کرتے ہیں۔ یہ ایک سیاسی نوعیت کا خط ہے، جسے آپ تک پہنچانا ضروری ہے۔"

کنیز کی وضاحت سن کر نگار خانم کو کسی قدر اطمینان ہوا۔ پھر اس نے لرزتے ہاتھوں سے سلطانِ غزنی کا خط لے لیا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ خط کھولتے وقت نگار خانم کے دل کی دھڑکنیں بے ربط ہو گئی تھیں۔

محمود کے اعتراف اور شدتِ احساس نے نگار خانم کے اُداس چہرے کو چند لمحوں کے لئے گلنار بنا د تھا۔ مگر جیسے ہی اس نے والیٔ غزنی کی تنہائی اور مایوسیوں کا ذکر پڑھا تو بے قرار ہو گئی اور بے اختیار ا کے منہ سے نکلا۔

"اللہ وہ وقت نہ لائے کہ شکست و زوال کے غبار سے میرے سلطان کا دامن آلودہ ہو جائے۔" ا الفاظ کے ادا ہوتے ہی نگار خانم نے گھبرا کر چاروں طرف دیکھا، مگر کمرہ خالی پڑا تھا اور کنیز شارقہ مکا کے صحن میں کھڑی اس کے جواب کا انتظار کر رہی تھی۔

کچھ دیر بعد نگار خانم کمرے سے باہر آئی اور انتہائی باوقار لہجے میں کنیز سے مخاطب ہو کر بولی۔

"سلطانِ معظم کی خدمت میں میرا سلام عرض کرنا۔ اور یہ بھی کہہ دینا کہ محاذِ جنگ کتنا بھی دُشوار مگر فتح اہلِ یقین ہی کی ہوتی ہے۔" نگار خانم نے سلطان کے خط کا جواب اس طرح دیا تھا کہ کنیز ا

خفیہ مراسلت کو مشکوک نظروں سے نہ دیکھے اور مطمئن ہو کر واپس چلی جائے۔

سلطانی کنیز نے نگار خانم کے ایک ایک لفظ کو بغور سنا اور بڑے ادب و احترام کے ساتھ سلام کر کے رخصت ہو گئی۔

والیٔ غزنی بڑی بے چینی سے اپنی رازدار کنیز کی واپسی کا منتظر تھا، مگر جب شارقہ نے نگار خانم کا مختصر جواب سلطان کے گوش گزار کیا تو اس کا چہرہ بجھ کر رہ گیا۔ محمود کا خیال تھا کہ نگار خانم اس کا خط پڑھ کر بے قرار ہو جائے گی اور جواب میں پوری شدت کے ساتھ اپنے جذبوں کا اظہار کرے گی......لیکن کنیز نے جو کچھ کہا، وہ سلطانِ غزنی کی توقعات کے اس قدر برعکس تھا کہ محمود جیسا آہنی اعصاب رکھنے والا انسان کچھ دیر کے لئے بدحواس ہو گیا تھا۔ پھر جب اسے اپنی وحشت کا خیال آیا تو کنیز شارقہ کو خلوت سے نکل جانے کا حکم دیا......اور خود ماضی کی یادوں میں گم ہو گیا۔

نگار خانم کی بے لوث محبت، محمود کے ماضی کا سب سے بڑا سرمایہ تھا۔ اور جب ماہ و سال کی راکھ میں دبی ہوئی چنگاری شعلہ بن گئی تو سلطان آئینے کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا اور چیچک کے ان بدنما داغوں کو غور سے دیکھنے لگا جن کے باعث اُس کی مردانہ وجاہت غارت ہو کر رہ گئی تھی۔ دولت کے انبار تھے...... جاہ و جلال تھا......تاج و تخت تھے...... دوست و دشمن، سب کے دلوں پر ہیبت تھی مگر پھر بھی ظاہری شخصیت کا یہ کمزور پہلو، والیٔ غزنی کو اکثر اُداس کر دیا کرتا تھا......اور یہ احساس اس وقت مزید شدت اختیار کر جاتا جب محمود خلوت میں اپنی بیگمات کے روبرو ہوتا۔ اس کی دونوں بیویاں شکل و صورت کے اعتبار سے حسین خواتین کی قطار میں نمایاں حیثیت رکھتی تھیں مگر ان میں وفا پرستی اور جاں نثاری کی کمی تھی۔ محمود فطرتاً ایک پُر جوش انسان تھا اور محبت کے معاملات میں بھی صنفِ نازک کی جانب سے انتہائی وارفتگی کا خواہاں رہتا تھا لیکن سلطان کی کسی بیوی نے شوہر کی اس خواہش کا احترام نہیں کیا۔ نتیجتاً والیٔ غزنی اپنے جذبات کی دنیا میں تنہا رہ گیا۔ اگرچہ جنگی مہمات کی کثرت محمود کو اس موضوع پر سوچنے کا موقعہ نہیں دیتی تھی لیکن جب بھی اسے فراغت کے کچھ دن میسر آتے، محرومی کا یہ زخم تازہ ہو جاتا۔ بلخ و خراسان پر ایلک خان کے حملے اور پھر خود غرض باپ کی بے حس بیٹی نے ایک بار پھر سلطان کو اس کے ماضی کے حوالے کر دیا تھا۔ محمود نے حسبِ عادت گھبرا کر نگار خانم کی طرف دیکھا مگر وہ بھی غزنی میں رہتے ہوئے اس سے بہت دُور جا چکی تھی۔

نگار خانم، سلطان کی سب سے بڑی کمزوری تھی۔ اس روشن خیال، کشادہ دل اور اعلیٰ ظرف دوشیزہ نے جس طرح والیٔ غزنی کو چاہا تھا، اس کی مثال دولت مندوں کی تاریخ میں خال خال ہی نظر آتی ہے۔ یہ نگار خانم کی بے غرض محبت ہی تھی کہ جس نے محمود کو دنیا کا خوبصورت ترین مرد کہا اور اسے احساسِ کمتری کے حصار سے نکال کر اس راستے پر لا کھڑا کیا جس سے گزر کر جانے والے تمام جانباز فتح کی عظیم منزل تک پہنچتے ہیں۔ محمود کو نگار خانم کے جذبات کی پاکی اور نظریات کی بلندی کا احساس تھا اور اسی لئے وہ اسد شیرازی جیسے منافق کی بیٹی کو اپنی شریکِ حیات بنانا چاہتا تھا۔ مگر امیر سبکتگین کی سنگ دلانہ مصلحت پسندی نے محمود اور نگار خانم کو ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا تھا۔ اس دائمی فراق کے باوجود والیٔ غزنی کی خواہش تھی کہ نگار خانم ہمہ وقت اس کے قریب رہے۔ اس سلسلے میں سلطان کے جذبے بھی پاک تھے۔ وہ تو محض اس لئے نگار خانم کی قربت ڈھونڈتا تھا کہ تنہائی کے عذاب سے محفوظ رہے۔ مگر نگار خانم اس قربت کو نہ

پسند کرتی تھی کہ اس طرح قصرِ شاہی کے مکینوں کی نظر میں اس کی بے داغ شخصیت مشکوک ہو جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ نگار خانم نے بڑی بے رحمی سے اپنے جذبات کا گلا بھی گھونٹ دیا تھا اور تمام تر احترام کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سلطان کی درخواست بھی مسترد کر دی تھی۔ نگار خانم کی اس بے رخی کا ایک سبب اور بھی تھا، جسے والیٔ غزنی سمجھنے سے قاصر رہا۔ وہ یہ کہ نگار خانم، محمود کو دنیا کے عظیم ترین فاتح کی حیثیت سے دیکھنا چاہتی تھی مگر خود اُس کی اپنی ذات، محمود کی فتوحات کے راستے میں رکاوٹ بنتی جا رہی تھی۔ نتیجتاً نگار خانم نے جارحانہ روش اختیار کی اور سلطان کی نظروں سے دُور ہو گئی۔

اب یہ ایک حادثہ ہی تھا کہ محمود کو بہت جلد اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور اس نے بڑے فراخ دلانہ انداز میں نگار خانم سے معذرت چاہی۔ اگرچہ یہ معذرت مخلصانہ تھی لیکن محمود درپردہ نگار خانم سے تجدیدِ مراسم چاہتا تھا۔ ایسے مراسم کہ جن میں ہوس کی آمیزش نہ تھی لیکن پھر بھی قربتِ محبوب کا سوال پوشیدہ تھا۔

نگار خانم کا جواب سن کر سلطان کی افسردگی یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ جب ارسلان جاذب نے ایک اہم معاملے پر گفتگو کرنے کے لئے اجازت طلب کی تو محمود نے ناسازیٔ طبع کا بہانہ تراش لیا۔ وہ دن بھر اپنی مخصوص نشست گاہ کا دروازہ بند کر کے بستر پر لیٹا رہا۔ امرائے سلطنت یہی سمجھتے رہے کہ ان کا فرمانروا تنہائی میں ایلک خان کے خلاف کوئی جنگی منصوبہ ترتیب دے رہا ہے مگر آج والیٔ غزنی خلوتِ خاص میں اپنی خوں شدہ آرزو کا ماتم کر رہا تھا۔

*****

پھر محمود اس وقت چونکا جب ابتدائے شب میں کنیز شارقہ نے سلطان کو خبر دی کہ نگار خانم شرفِ باریابی چاہتی ہے۔ کچھ دیر تک سلطان کو اپنی سماعت اور کنیز کی فراہم کردہ اطلاع پر یقین ہی نہیں آیا، مگر جلد ہی اسے اپنی بیدار آنکھوں پر اعتبار کر لینا پڑا کہ وہ پورے ہوش و حواس کے ساتھ جاگ رہا ہے اور حالتِ غنودگی میں کوئی خواب نہیں دیکھ رہا ہے۔

"خوش آمدید نگار خانم!" والیٔ غزنی بڑے پُر جوش انداز میں بستر سے اٹھا۔ نگار خانم کو دیکھ کر سلطان کے دھواں دھواں چہرے پر اچانک موتیا کے پھول کھل اُٹھے۔ "شکر ہے کہ تمہیں کسی کے انتظار کی اذیت کا احساس تو ہوا۔"

نگار خانم کے ہونٹ سلے ہوئے تھے۔ آنکھیں والیٔ غزنی کے چہرے پر مرکوز تھیں مگر ان میں کسی قسم کا تاثر نہیں تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی محمود کے سامنے جا کر ٹھہر گئی۔ سلطان نے نگار خانم کی بدلی ہوئی کیفیت کو محسوس کر لیا تھا لیکن وہ خاموش رہا۔ اسے اپنے سوال کے جواب کا انتظار تھا۔

"سلطانِ ذیشان! میں نے آپ کا گرامی نامہ حرف بہ حرف پڑھا مگر مجھے والیٔ غزنی کا یہ اندازِ تحریر پسند نہیں آیا۔" نگار خانم نے بڑے بے باکانہ لہجے میں کہا۔

"کیوں؟" سلطان کی کشادہ پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

"یہ اس مردِ جانباز کی تحریر نہیں ہو سکتی کہ جس کے حضور میرا دماغ، میرا دل بے اختیار جھک گیا تھا۔" نگار خانم نے انتہائی تند و تیز لہجے میں ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "یہ تو اس بزدل اور شکست خوردہ انسان کی عبارت آرائی ہے جو راستے کے کسی معمولی پتھر سے ٹھوکر کھانے کے بعد چیخ اُٹھتا ہے......اور یہ تو اس ناکارہ شخص کی داستانِ رُسوائی ہے، جس نے محاذِ جنگ سے پیٹھ پھیر لی ہے......اور

جو شمشیر و سناں کا برق فشاں ساز سننے کے بجائے ایک کمرے میں بند ہو کر اپنے کانپتے ہاتھوں سے ماتمی رباب چھیڑ رہا ہے۔" نگار خانم نے آج تک سلطان سے اس لہجے میں گفتگو نہیں کی تھی۔

کچھ دیر کے لئے محمود کو سکتہ سا ہو گیا۔ پھر وہ سنبھل کر بولا۔ "یہ تم کہہ رہی ہو نگار خانم؟" والیٔ غزنی کے لہجے میں کرب بھی تھا اور انتہا کی تلخی بھی۔ "کیا تم بھی میرے سازگار موسم کی شریک تھیں؟"

"ہاں سلطانِ عالی قدر!" یکایک نگار خانم کے ہونٹوں پر ہلکا سا استہزائیہ تبسم اُبھر آیا تھا۔ "آپ صاحبِ جاہ و جلال پر یہ حقیقت بھی واضح ہو جانا چاہئے کہ دنیا کا کوئی شخص شکست و ناکامی کا شریک نہیں ہوتا۔ میں بھی ایک آدم زاد ہوں اور اسی دنیا کی مخلوق ہوں۔ اس لئے میں نے بھی اس محمود سے محبت کی تھی، جس کا مستقبل نصف النہار کے سورج کے مانند تابناک تھا اور جو نئے انداز سے فتوحات کی نئی تاریخ لکھنے کا حوصلہ رکھتا تھا۔ مگر افسوس! میری نظروں نے بڑا فریب کھایا اور میں نے اپنی متاعِ دل کو ایک ایسے شخص کے حوالے کر دیا، جو حقیقتاً میرے معیارِ عشق پر پورا نہیں اُترتا تھا۔ سلطانِ محترم! مجھے اپنی لغزش پر بے حد ندامت ہے۔ کاش ایسا نہ ہوتا۔ کاش ایسا نہ ہوتا۔" نگار خانم بہت زیادہ مضطرب نظر آ رہی تھی۔

ایک بار پھر والیٔ غزنی کا چہرہ دھواں ہو گیا تھا اور شدتِ غضب سے اُس کا جسم کانپنے لگا تھا۔ "ایسی ریاکاری اور ایسی منافقت؟" غصے کی زیادتی سے محمود کی آواز بھی لرز رہی تھی۔ "کیا تُو بھی حرص و ہوس کی تاجر تھی نگار خانم؟ میں نے جذبوں کی ایسی غلیظ سوداگری آج تک نہیں دیکھی۔ تجھ سے بہتر تو میری بیویاں ہیں جنہیں میں کل تک دنیا کی سب سے خود غرض خواتین سمجھتا تھا، مگر آج یہ راز فاش ہوا کہ تُو ان سے بھی زیادہ پستی میں اُتر گئی ہے۔ ان کے خود غرضانہ جذبات کم سے کم سینوں کی قید میں تو رہتے ہیں، تیری طرح زبان تک تو نہیں آتے۔" محمود کا طرزِ کلام یکسر بدل گیا تھا اور وہ نگار خانم سے کسی کنیز کی طرح سلوک کر رہا تھا۔

"صاحبِ جاہ و جلال! یہ ریاکاری اور منافقت نہیں، حقیقت پسندی ہے۔" نگار خانم نے والیٔ غزنی کے غضب ناک لہجے کا کوئی تاثر قبول نہیں کیا تھا اور وہ ہر شے سے بے نیاز ہو کر انتہائی پُرسکون انداز میں بول رہی تھی۔ "سلطان ذی حشم نے غور نہیں فرمایا کہ جب رات آتی ہے تو انسان کا اپنا سایہ بھی ساتھ چھوڑ جاتا ہے...... اب اگر میں نے زوال کے وقت حضورِ والا کی طرف پشت کر لی تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟"

نگار خانم نے بڑی جارحانہ روش اختیار کی تھی۔ اس صاف گوئی پر والیٔ غزنی حیران بھی تھا اور اس کا دل و دماغ بھی جل رہے تھے۔ "کیا تُو سمجھتی ہے کہ تیرے منہ موڑ لینے سے میرا اقتدار ختم ہو جائے گا" محمود کے لہجے سے نگار خانم کے لئے انتہائی تحقیر و تضحیک کا اظہار ہو رہا تھا۔

"میں نے آپ کے اقتدار کے خاتمے کی بات نہیں کی سلطانِ عالی مقام!" نگار خانم کے ہونٹوں پر تبسم کچھ اور گہرا ہو گیا تھا۔ "مگر یہ حقیقت ہے کہ آپ ایلک خان سے شکست کھا چکے ہیں اور مجھے شکست خوردہ انسانوں سے شدید نفرت ہے۔ پھر بھی ماضی کے رشتے کا احترام مجھے یہ کہنے پر مجبور کر رہا ہے کہ بلخ و خراسان تو آپ کی دسترس سے بہت دُور جا چکے۔ غزنی کی خبر لیجئے کہ دارالحکومت بھی دشمنوں کی یلغار سے محفوظ نہیں۔"

"بس خاموش ہو جا نگار خانم! کہ تیری دریدہ دہنی، گستاخی کی حدود میں داخل ہو گئی ہے۔" والیٔ غزنی

چیخ اٹھا۔ اس کی قوتِ برداشت جواب دے گئی تھی۔ "والدِ محترم درست فرماتے تھے کہ تُو اسد شیرازی کی بیٹی ہے۔ ایک نہ ایک دن اپنی اصل کی طرف ضرور لوٹے گی...... اور آج وہ دن آ گیا۔"

یہ بڑی عریاں گالی تھی۔ نگار خانم کو محسوس ہوا کہ لفظوں کے زہر آلود نشتر نے اس کے دل و جگر کے ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ پھر بھی صورتِ حال کی نزاکت کے سبب اسے لمحوں میں سنبھل جانا پڑا۔ "اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ میں اسد شیرازی کی بیٹی ہوں۔"

"افسوس! میں نے اپنا کیسا قیمتی وقت تجھ جیسی زمانہ ساز عورت کی طلب و جستجو میں گزار دیا۔ والیٔ غزنی کا لہجہ زہر فشاں ہونے کے ساتھ ساتھ تاسف آمیز بھی تھا۔

"شکر کیجئے کہ یہ زمانہ ساز عورت بہت جلد بے نقاب ہو گئی۔ ورنہ آپ ساری عمر اندھیرے میں بھٹکتے رہتے اور سلطانِ معظم کے مزید قیمتی ماہ و سال برباد ہو جاتے۔" ایک بار پھر نگار خانم کے ہونٹوں پر وہی بے نیازانہ تبسم اُبھر آیا تھا۔

"افسوس! میں نے کس بے ضمیر عورت کے نام معذرت نامہ تحریر کیا، جس کی خواہشات ہوا کے رخ کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔" والیٔ غزنی کے لہجے میں بدستور نفرت کی آگ برس رہی تھی۔ "تاریخ مجھ جیسے فاتح کے بارے میں کیا کہے گی؟ ایک بے وفا عورت کی بارگاہِ حُسن میں اس حد تک جھکا کہ جلالِ سلطانی بھی فروخت کر ڈالا۔" محمود کو معذرت نامہ لکھنے پر شدید ندامت محسوس ہو رہی تھی۔

"تاریخ کچھ نہیں کہے گی سلطانِ محترم!" نگار خانم چند قدم آگے بڑھی اور نہایت ادب و احترام کے ساتھ محمود کو اس کا تحریر کردہ معذرت نامہ پیش کر دیا۔ "اس تحریر کو میری آنکھوں کے سوا کسی دوسرے نے نہیں دیکھا...... اور اب میں بھی یہ سوچ کر ان تمام الفاظ کو بھول چکی ہوں کہ وہ ایک سلطانی ادا تھی۔"

محمود چند لمحوں تک بے حس و حرکت کھڑا رہا اور پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر اپنا معذرت نامہ لے لیا۔

"آپ مطمئن رہیں مالکِ جاہ و حشم!" نگار نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "آئندہ آنے والی نسلوں کو خبر بھی نہ ہو گی کہ امیر محمود بن امیر سبکتگین کبھی کسی حقیر و بے وفا کنیز کی بارگاہِ حُسن میں بھی خم ہوئے تھے۔ وقت کے مؤرخ کا قلم بس یہی لکھے گا کہ والیٔ غزنی صرف صاحبِ جلال تھے، اس کے سوا کچھ نہیں۔" یہ کہہ کر نگار خانم مڑی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی خلوتِ سلطانی سے نکل گئی۔

قصرِ شاہی کے باہر بہت اندھیرا تھا۔ چشمِ فلک کے سوا محل کا کوئی محافظ یا پہرے دار یہ منظر نہ دیکھ سکا کہ نگار خانم تیز رفتاری کے ساتھ اپنے گھر کی طرف جا رہی تھی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ یکایک ایک ستارہ ٹوٹا اور تاحدِ نظر اُفق پر روشنی کی لکیر بنتی چلی گئی۔

نگار خانم کے جاتے ہی محمود نے اُس نقشے کی طرف دیکھا، جو سلطانی نشست گاہ کی دیوار پر آویزاں تھا۔ پھر والیٔ غزنی نے آگے بڑھ کر اپنے خنجر سے بلخ اور خراسان کے مقام پر شگاف ڈال دیئے۔

"میں آ رہا ہوں ایلک خان!" محمود نے غائبانہ طور پر اپنے خسر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "قصرِ وفا پر شب خون مارنے والے، اعتبار کے قاتل ایلک خان!...... میں بہت جلد تیرے احتساب کے لئے آ رہا ہوں۔ تیری وجہ سے غزنی کی کنیزیں بھی جلالِ سلطانی کا مذاق اُڑانے لگی ہیں۔"

❁❁❁❁❁

ادھر سلطان محمود، ہرات کے حاکم ارسلان جاذب کے مشوروں سے ایلک خان کے مقابلے کے لئے

نئے انداز سے فوجی تیاریاں کر رہا تھا اور اہل بلخ وخراسان کے امراء، والیٔ غزنی کی واپسی سے مایوس ہو چکے تھے۔ نتیجتاً ان لوگوں نے اپنے جان و مال بچانے کے لئے ایلک خان کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ پھر تین ماہ کی مسلسل محنت کے بعد سلطان محمود نے ایک زبردست فوج تیار کی اور بڑے جارحانہ عزائم کے ساتھ بلخ کی طرف بڑھا۔

بلخ کے نگراں حاکم سالار جعفر تگین سازش کے نشے میں چُور والیٔ غزنی کے مقابلے کے لئے باہر نکلا مگر جب اس کے جاسوس سپاہیوں نے یہ خبر دی کہ سلطان محمود ایک لشکرِ جرار کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے تو جعفر تگین کے اعصاب پر شدید خوف طاری ہو گیا اور وہ محمود سے مقابلہ کئے بغیر بھاگ کھڑا ہوا۔ غزنی کے سالاروں نے جعفر تگین کے فرار کو نیک فال قرار دیتے ہوئے سلطان محمود کو مبارکباد پیش کی۔

”ابھی ہماری منزل بہت دُور ہے۔“ والیٔ غزنی نے سردارانِ قوم کی مبارکبادوں کے جواب میں کسی خاص تاثر کا اظہار کئے بغیر کہا۔ ”جعفر تگین کے فرار سے کسی فریب میں نہ پڑ جانا کہ ہمارا حقیقی دشمن ایلک خان تمہارے اندازوں سے بھی زیادہ عیار ہے۔“ اس مختصر سی تقریر کے بعد محمود نے اپنے معتمد ارسلان جاذب کو ایلک خان کے دوسرے سالار سیاؤش تگین کے تعاقب میں روانہ ہونے کا حکم دیا۔

ارسلان جاذب نے سلطانی حکم کے مطابق سیاؤش تگین کی طرف پیش قدمی کی اور ہرات سے ماوراءالنہر کی طرف انتہائی تیز رفتاری سے بڑھا۔

جب سالار جعفر تگین فرار ہو کر اپنے آقا کے پاس پہنچا اور اس نے سلطانی حملے کی خبر دی تو ایلک خان کسی قدر پریشان نظر آنے لگا۔ پھر ایلک خان کی یہ پریشانی اس وقت دُور ہو گئی، جب مدد کی درخواست پر چین کا بادشاہ قدر خان اپنے پچاس ہزار منتخب سوار لے کر اس سے آن ملا۔ ایلک خان اس تازہ دم کمک کے آ جانے سے بہت مسرور و مطمئن تھا۔ پھر وہ ایک کثیر فوج لے کر محمود کو نیست و نابود کر دینے کے دعووں کے ساتھ دریائے جیحوں کے پار اُترا اور بلخ سے چار کوس کے فاصلے پر سلطانِ غزنی کے مقابلے کے لئے خیمہ زن ہوا۔

محمود نے اپنے لشکر کو اس انداز سے مرتب کیا تھا کہ قلبِ فوج پر اپنے حقیقی چھوٹے بھائی امیر نصیرالدین حاکم جرجان اور نامور سالار عبداللہ طائی کو مقرر کیا۔ میمنہ پر سالار التونتاش کو متعین کیا اور میسرہ کو حاکم ہرات ارسلان جاذب اور دوسرے افغان سرداروں کی نگرانی میں دیا۔

پھر طبلِ جنگ بجا اور فریقین کے لشکر بڑے وحشیانہ انداز میں ایک دوسرے پر جھپٹے۔ سواروں کی کثرت کے سبب پوری فضا گھوڑوں کی ٹاپوں کے شور سے گونج رہی تھی اور گرد و غبار اُڑنے کی وجہ سے میدانِ جنگ تاریک ہو کر رہ گیا تھا۔ پھر اس شدت سے لڑائی کا بازار گرم ہوا کہ کسی کو کسی کی خبر نہ رہی۔ تلواروں اور نیزوں کی شدید ضربوں سے انسانی جسموں کی دھجیاں اُڑ گئیں اور نسلِ آدم کے خون سے زمین سرخ ہو گئی۔

ایلک خان کی قیادت میں ترک سپاہی بے مثال جرأت اور بہادری کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ والیٔ غزنی کا خیال تھا کہ وہ آسانی کے ساتھ ایلک خان کی فوج کو پسپا کر دے گا۔ مگر اس وقت محمود کے تمام اندازے غلط ثابت ہوئے جب اس نے ترک سپاہیوں کو مردانہ وار آگے بڑھتے دیکھا۔ ایک تو غزنی کے سپاہیوں کی تعداد بھی کم تھی، دوسرے ایلک خان کے فوجی جاں نثارانہ انداز میں لڑ رہے تھے۔ اس لئے

جنگ کے دوسرے روز محمود کو اس بگڑی ہوئی صورتِ حال کا احساس ہو گیا کہ اگر ترکوں کی پیش قدمی کا یہی عالم رہا تو غزنی کے لشکروں کو سنگین ہزیمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ بڑے گراں لمحات تھے۔ والیٔ غزنی نے اپنے سابقہ تجربات کی روشنی میں کئی جنگی حربے آزمائے مگر ایلک خان کے سپاہی بڑھتے ہی چلے آ رہے تھے۔

اب محمود اور اس کی شکست میں چند قدموں اور چند گھنٹوں کا فاصلہ تھا۔ ایسی نازک ساعتوں میں اچانک والیٔ غزنی کو نظام شاہ کے الفاظ یاد آئے۔

”فرزند! اگر کسی محاذِ جنگ پر شکست تمہارے قریب تر ہونے لگے تو فاتح بدر و اُحد کے وسیلے سے بارگاہِ الٰہی کو پکارنا۔ پھر بڑی سے بڑی مشکل آسان ہو جائے گی۔“ تلواروں کے شور اور زخمی انسانوں کی چیخوں کے درمیان جب ایک مردِ قلندر کے الفاظ کی بازگشت سنائی دی تو محمود کا دل ٹھہر گیا۔ وہ کسی تاخیر کے بغیر گھوڑے سے اُترا اور اس نے اپنا سر خاک پر رکھ دیا۔

”اے اللہ! میں خاک بسر تھا اور تیرے سامنے خاک بسر ہی رہوں گا۔ میرے دانستہ اور نادانستہ غرور و تکبر کو معاف فرما کہ دنیا کی ہر فتح اور ہر نصرت تیرے آستانۂ کرم کی بھیک ہے۔ میری دستارِ فضیلت کو ایلک خان کی ٹھوکروں سے محفوظ رکھ اور اپنے حبیب پاک سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں مجھے دشمنوں پر اختیار دے کہ تُو سارے اختیارات کا تنہا مالک ہے۔“

یہ دعا مانگنے کے بعد خاک آلود پیشانی کے ساتھ والیٔ غزنی ایک کوہ پیکر ہاتھی پر سوار ہوا اور صرف اللہ کی رحمت کے سہارے ایلک خان کی طرف بڑھا۔ سلطنتِ غزنی کے تمام تجربہ کار سپہ سالار اپنے امیر کے اس فیصلے سے متفق نہیں تھے۔ رعبِ سلطانی سے ان کی زبانیں خاموش تھیں، مگر چہروں پر گہری اُداسیاں اور پریشانیاں رقص کر رہی تھیں۔ پھر بھی سالار عبداللہ طائی اور ارسلان جاذب نے تمام مصلحتوں کو نظرانداز کرتے ہوئے عرض کیا۔

”سلطانِ ذی حشم! محاذِ جنگ کی صورتِ حال بگڑ چکی ہے۔ اس صورت میں آپ کا یہ اقدام، آدابِ جنگ کے خلاف نظر آتا ہے۔ خاکم بدہن، کہیں وقت کا مؤرخ اس جنگ کے نتیجے پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ نہ لکھ دے کہ اعصاب کی شکستگی کے باعث والیٔ غزنی اور اس کے جاں نثاروں نے خودکشی کر لی۔“

سلطان محمود نے عبداللہ طائی اور ارسلان جاذب کی طرف قہر آلود نظروں سے دیکھا۔ ”کیا تم دونوں بھی اپنے وفا زندگی کی محبت میں غرق ہو کر موت سے ڈرنے لگے ہو؟“ والیٔ غزنی کا لہجہ انتہائی تحقیر آمیز تھا۔

”نہیں صاحبِ جاہ و جلال!“ عبداللہ طائی اور ارسلان جاذب نے بیک زبان کہا۔ ”ہم تو اپنی حقیر جانیں، سلطانِ ذیشان کے ہاتھوں فروخت کر چکے ہیں۔ اور پھر ہماری جانوں کی حیثیت ہی کیا۔ کل ہزاروں ارسلان جاذب اور ہزاروں عبداللہ طائی پیدا ہو جائیں گے مگر یہ خطۂ ارض دوسرا محمود کہاں سے لائے گا؟“ یہ کہتے کہتے سلطان کے جاں نثاروں کی آنکھیں بھیگ چلی تھیں۔

عبداللہ طائی اور ارسلان جاذب کی گفتگو سن کر محمود کی حالتِ قہر زائل ہو گئی اور وہ ستائشی نظروں سے اپنے سالاروں کی طرف دیکھنے لگا۔ ”اگر تم اللہ کی صفتِ خلاّقی پر یقین رکھتے ہو تو پورے ہوش و حواس کے ساتھ سن لو کہ وہ بانجھ زمین کی کوکھ سے ایک نہیں، بے شمار محمود پیدا کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ تم محمود بن سبکتگین کی خوشنودی کے لئے جنگ نہیں کر رہے ہو۔ تمہارا مقصدِ حیات کسی ایک شخص کی خواہشات کے محور

پر رقص کرنا نہیں۔"

عبداللہ طائی اور ارسلان جاذب نے شرمندہ ہو کر اپنی گردنیں جھکا لیں۔

"پھر بھی اگر تم سمجھتے ہو کہ تمہارا امیر خودکشی کرنے جا رہا ہے تو اہلِ وفا کے مانند چپ چاپ اس کے پیچھے پیچھے چلے آؤ کہ اب خودکشی ہی ہماری زندگی ہے۔" یہ کہہ کر محمود نے اپنے فیل بان کو حکم دیا کہ وہ ہاتھی کو آگے بڑھائے۔

جنگی نقطۂ نظر سے واقعتاً سلطان کا یہ اقدام، خودکشی کے مترادف تھا مگر تائیدِ غیبی کے سبب والیٔ غزنی کی یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی اور وہ بساطِ جنگ جس پر ایلک خان کو مکمل غلبہ حاصل تھا، دیکھتے ہی دیکھتے درہم برہم ہو گئی۔ محمود کا ہاتھی تیز رفتاری کے ساتھ دشمن سپاہیوں کو روندتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ پہاڑ نما جانور ایلک خان کے ہاتھی کے قریب پہنچا اور اس نے پہلے ہی حملے میں ایلک خان کے فیل بان کو اپنی سونڈ میں لپیٹ کر اوپر کی طرف اُچھال دیا۔ یہ سب کچھ اس قدر غیر متوقع تھا کہ دشمن کی صفوں میں ہلچل مچ گئی۔ یکایک محمود کے ہاتھی نے دوسرا زاویہ بدلا اور بے شمار ترکوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

پھر جب غزنی کے فوجیوں نے دشمن کے سپاہیوں کو حالتِ انتشار میں دیکھا تو وہ سب کے سب متحد ہو کر ایلک خان پر حملہ آور ہوئے۔ آن کی آن میں میدانِ جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ بخارا کے حاکم ایلک خان اور چین کے بادشاہ قدر خان پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ اپنے لشکروں کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور دریائے جیحوں کو پار کر کے اپنے علاقوں میں داخل ہو گئے۔ تائیدِ الٰہی کے سبب ایک یقینی شکست، فتح میں تبدیل ہو گئی تھی۔ بے شمار دشمنوں کی لاشیں اور ایلک خان کے فرار کا منظر دیکھ کر محمود کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ سلطانِ غزنی، ہاتھی سے نیچے اُترا اور اسی خون آلود زمین پر سجدۂ شکر ادا کیا۔

ایلک خان، محمود کے اعتبار کے قابل نہیں تھا۔ اس لئے والیٔ غزنی کو اپنے خسر سے شدید نفرت تھی اور یہی نفرت اسے ایلک خان کے تعاقب پر اُکسا رہی تھی۔

پھر ایک رات آرام کرنے کے بعد سلطان نے طے کر لیا کہ وہ اس وقت تک ایلک خان کا تعاقب جاری رکھے گا، جب تک کہ حاکمِ بخارا، والیٔ غزنی کی غلامی کا طوق پہننے کے لئے اپنی گردن پیش نہیں کر دے گا۔ سلطان کے اس جذباتی فیصلے سے باخبر ہونے کے بعد چند سپہ سالاروں نے دبی زبانوں میں عرض کیا۔

"حضورِ والا! شدید سردی کا یہ موسم دشمن کے تعاقب کے لئے سازگار نہیں۔ ہمارے سپاہی برفانی ہواؤں کو برداشت کرنے کے عادی نہیں ہیں اس لئے سلطانِ عالی قدر اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی فرماتے ہوئے ایلک خان کے تعاقب کا ارادہ ترک کر دیں تو یہ حکمتِ عملی زیادہ مناسب ہو گی۔"

غزنی کے سالاروں کا مشورہ نہایت صائب تھا مگر سلطان کے دل و دماغ آتشِ انتقام میں جل رہے تھے، اس لئے محمود نے برفانی ہواؤں کی شدت کا احساس کئے بغیر ایلک خان کا تعاقب شروع کر دیا۔

روانگی کی تیسری رات جنگل میں شدید برف باری ہوئی اور اس قدر سخت سردی پڑی کہ سلطانی لشکر کے سپاہیوں اور دوسرے خدمت گاروں کے جسم ٹھٹھرنے لگے۔ سردی کے اثر کو کم کرنے کے لئے سلطان کے خیمے میں بہت سی انگیٹھیاں جلائی گئیں۔ نتیجتاً اس قدر حدت بڑھ گئی کہ اکثر لوگ اپنے سردیوں کے موٹے کپڑے اُتارنے پر مجبور ہو گئے۔ اس دوران ایک غلام کسی کام سے والیٔ غزنی کے سامنے آیا تو

محمود نے ازراہِ مذاق اس سے کہا۔

"باہر جا کر ذرا سردی سے کہو کہ اس قدر جان توڑ کوشش کیوں کر رہی ہے؟ ہم لوگوں کا تو گرمی کے سبب یہ حال ہے کہ بدن سے کپڑے تک اُتار ڈالے ہیں۔"

غلام احتراماً جھکا اور اُلٹے قدموں سلطان کے خیمے سے نکل کر باہر چلا گیا۔ پھر کچھ دیر بعد واپس آ کر کہنے لگا۔ "میں نے سردی کو حضور کا پیغام پہنچا دیا ہے۔"

"پھر سردی کیا کہتی ہے؟" سلطان محمود نے مسکراتے ہوئے غلام سے پوچھا۔

"سردی نے جواباً عرض کیا ہے کہ اگر سلطان اور اس کے خاص خدمت گاروں پر میرا زور نہیں چلتا تو کیا؟ مگر میں سائیسوں اور دوسرے ملازموں کو آج کی رات اس قدر تنگ کروں گی کہ کل صبح سلطان کے امیر اپنے گھوڑوں کی تیمارداری خود کریں گے اور پھر انہیں مجھ سے کسی قسم کی شکایت نہیں ہو گی۔"

اگرچہ سلطان محمود نے اپنے غلام سے تفریحاً بات کی تھی، مگر ذہین غلام کے جواب سے وہ بہت متاثر اور افسردہ خاطر ہوا۔ پھر دوسرے دن صبح ہوتے ہی سلطان نے اپنے لشکر کو غزنی کی طرف واپسی کا حکم دے دیا۔

❁❁❁❁❁

طویل مسافت کے بعد سلطان محمود، غزنی پہنچا تو شہری باشندوں کی اکثریت نے اپنے فرمانروا کا والہانہ استقبال کیا۔ سلطان نے خوشی کے اس موقع پر غریبوں میں نقد رقوم، اناج اور کپڑے تقسیم کئے۔ پھر وہ نظام شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک مردِ قلندر کی دعائیں لے کر قصرِ شاہی پہنچا۔ حرم سرا کی خواتین اپنے فاتح حکمراں کی خدمت میں نذریں پیش کرنا چاہتی تھیں مگر والیٔ غزنی نے فوری طور پر انہیں شرفِ باریابی نہیں بخشا۔ وہ سب سے پہلے ایلک خان کی بیٹی سے ملنا چاہتا تھا۔

پھر محمود نے اپنی رازدار کنیز شارقہ کے ذریعے ایلک خان کی بیٹی کو خلوت میں طلب کرتے ہوئے کہا۔

"آج میری قسم پوری ہوئی اور اب تیرا چہرہ دیکھنا میرے لئے حلال ہے۔"

ایلک خان کی بیٹی شرم و ندامت سے سر جھکائے کھڑی تھی۔

"میں نے تیرے طالع آزما باپ کو گیدڑوں کی طرح میدانِ جنگ سے فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔" محمود کے الفاظ انگاروں کی طرح دہک رہے تھے۔ "اب اسے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ شیرِ غزنی کون ہے اور اس کی مملکت کی بنیاد بے اعتبار کاندھوں پر نہیں رکھی گئی ہے۔"

"سلطانِ معظم! مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے۔" ایلک خان کی بیٹی نے جھکے ہوئے سر کے ساتھ کہا۔ "میں تسلیم کرتی ہوں کہ میرے والد ایک خودغرض انسان ہیں اور اس کے ساتھ ہی مجھے آپ کی اعلیٰ ظرفی کا اعتراف ہے۔"

"شکر ہے ملکۂ عالیہ! کہ تم بہت جلد راہِ راست پر آ گئیں۔" محمود کے غیض و غضب کی آگ سرد پڑ چکی تھی۔ "میں خوشی کے اس یادگار موقع پر تمہارا قصور معاف کرتا ہوں۔"

اس کے بعد والیٔ غزنی نے اپنی رازدار کنیز کو دوبارہ تنہائی میں طلب کیا۔

"شارقہ! اسی وقت جا اور اسد شیرازی کی بیٹی، نگار خانم کے سامنے ہماری شاندار فتح کا تفصیلی حال

بیان کر۔" محمود کا یہ مزاج تھا کہ جب اس کے دل میں کسی شخص کی طرف سے گرہ پڑ جاتی تھی تو وہ آسانی سے معاف نہیں کرتا تھا۔ اپنی اسی جارحانہ فطرت کے سبب وہ نگار خانم کو بھی اذیت پہنچانا چاہتا تھا

پھر جیسے ہی کنیز شارقہ، خلوتِ سلطانی سے باہر نکلی، محمود نے حرم سرا کی خواتین کو نذریں پیش کرنے کی اجازت دے دی اور اس کے ساتھ ہی تین دن تک جشن منانے اور پورے شہر میں چراغاں کرنے کے احکامات بھی جاری کر دیئے۔

پھر جب رات کے وقت جشنِ نشاط اپنے عروج پر پہنچا تو کنیز شارقہ، خلوتِ سلطانی میں حاضر ہوئی محمود اُسے دیکھ کر بے قرار ہو گیا۔

"تُو نے نگار خانم کے سامنے ہماری بے مثال فتح کا ذکر کس انداز سے کیا شارقہ؟" والیٔ غزنی مضطرب لہجے میں پوچھا۔ اس کے چہرے پر حسرت و نفرت کی عجیب سی پرچھائیاں لرز رہی تھیں۔

"صاحبِ جاہ و جلال! کنیز نے پوری دیانت داری کے ساتھ اپنا فرض ادا کر دیا۔" غیر متوقع طور شارقہ کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی۔

"پھر اس نے کیا کہا؟" محمود کے لہجے سے انتہائی تجسس کا اظہار ہو رہا تھا۔

کنیز نے دہشت زدہ نظروں سے سلطان کی طرف دیکھا اور گردن جھکا لی۔

"تُو خاموش کیوں ہے شارقہ؟" والیٔ غزنی نے تیز آواز میں اپنی کنیز سے سوال کیا۔ "یہ تیرے چہرے کی رنگت زرد کیوں ہو گئی ہے؟"

"حضورِ والا نے فرمایا تھا کہ حدودِ غزنی میں نگار خانم کا وہی مقام ہے، جس پر خود صاحبِ جاہ و جلال فائز ہیں۔" کنیز نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آخر تُو کیا کہنا چاہتی ہے شارقہ؟" محمود نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

"کنیز نگار خانم کے الفاظ دہرانے کی طاقت نہیں رکھتی۔" شارقہ نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔

"تجھ پر کسی دوسرے کے گناہ کی ذمے داری نہیں۔" والیٔ غزنی سنبھل گیا۔ اب وہ کسی غیر متوقع خبر کا منتظر تھا۔

"نگار خانم ایک کم ظرف خاتون ہے، جس کے نحیف کاندھے، عنایاتِ خسروانہ کا بارِ گراں اٹھانے سے قاصر ہیں۔" شارقہ رک رک کر بول رہی تھی۔ "نگار خانم نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ تیرے سلطان نے جس انداز کی فتح پائی ہے، ایسی فتوحات تو عام سپاہیوں کے بچے بھی حاصل کر لیتے ہیں۔"

نگار خانم کا جواب سن کر کچھ دیر کے لئے والیٔ غزنی کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ پھر آہستہ آہستہ جلالِ سلطانی کی وہی کیفیت لوٹ آئی۔

"خدا کی قسم! اسد شیرازی کی بیٹی نہیں جانتی کہ امیر محمود بن امیر سبکتگین کیسا فاتح ہے؟ وہ دن ضرور آئے گا کہ جب نگار خانم میری فتوحات کے آگے سجدہ ریز ہو جائے گی۔ ہاں! وہ دن ضرور آئے گا۔ اور اس دن سے پہلے سلطانِ غزنی کو موت نہیں آئے گی۔" اس کے ساتھ ہی محمود نے ہاتھ کے اشارے سے کنیز شارقہ کو باہر نکل جانے کا حکم دیا۔

اگرچہ ہر طرف جشنِ فتح کا ہنگامہ جاری تھا اور قصرِ شاہی کے بام و در، قندیلوں سے جگمگا رہے تھے لیکن والیٔ غزنی کے جذبات کی دنیا میں بڑا تکلیف دہ سناٹا تھا اور کائناتِ دل پر گہری تاریکی چھائی ہوئی

ی۔ وہ رات سلطان نے شدید اذیت و کرب میں گزاری۔ اس کی نظروں کے سامنے نگار خانم کے مختلف ا اُبھر اُبھر کر ڈوبتے رہے۔ محمود کی کم سنی سے منصبِ سلطانی تک بے شمار ایسے مراحل آئے تھے جب ر خانم، غزنی کے وجیہہ اور مالدار ترین سردار سے وابستہ ہو سکتی تھی مگر اس نے ایسے کئی رشتوں کو بڑی رت سے ٹھکرا دیا تھا۔ یہاں تک کہ امیر جلال کی قید میں رہ کر بے پناہ تشدد برداشت کرتی رہی لیکن کسی ڑ پر اس کے قدم نہیں لڑکھڑائے۔ پھر اچانک اسے کیا ہو گیا کہ وہ موسم کی طرح بدل گئی اور محمود کے ذرت نامے کے باوجود اس نے اتنا جارحانہ اور تحقیر آمیز رویہ اختیار کر لیا کہ وہ کسی بے وفا عورت کی ح سلطان کو شکستگی اور تنہائی کے عالم میں چھوڑ کر چلی گئی۔ والیٔ غزنی مسلسل سوچے جا رہا تھا مگر اس کے ئے نگار خانم کا طرزِ عمل نا قابلِ فہم تھا۔

ایک کنیز کے سامنے ایسا گستاخانہ سلوک؟ مزاجِ آمریت کو ٹھیس پہنچی تو محمود کے دل و دماغ جل ے اور سلطانی انا پر نگار خانم کے انکار کا تازیانہ پڑا تو والیٔ غزنی تکلیف کی شدت سے تڑپنے لگا۔

کچھ دیر کے لئے اقتدار کی بے پناہ طاقت نے محمود کے ذہن کا حصار کر لیا اور خود غرضی و نفس پرستی کی ہر نے سلطان کو اُکسایا کہ وہ جبراً نگار خانم کو اپنی کنیزوں کے حلقے میں داخل کر لے...... مگر فوراً ہی نظام شاہ کا خیال آ گیا اور والیٔ غزنی کے اعصاب پر ناقابلِ بیان دہشت طاری ہو گئی۔ محمود نے بڑی ش کے بعد ان وسوسوں سے نجات حاصل کی۔ پھر رات کے پچھلے پہر شدید نفرت و کراہیت کے ھ اپنے ذہن سے نگار خانم کے تصور کو جھٹکتے ہوئے بستر پر دراز ہو گیا۔

"وقت کے عظیم فاتح! ایک وعدہ شکن عورت کے لئے اتنی بے قراری؟ تیرے سامنے نگار خانم کی ت ہی کیا ہے؟"

ایک آمر نے دولت و اقتدار کے سائے میں پناہ ڈھونڈ لی...... اور اپنے احساسِ شکست کو عیش و ے کے سیلِ بلاخیز میں غرق کر دیا۔

✻✻✻✻✻

ابھی جشنِ فتح جاری تھا اور محمود تختِ شاہی پر بیٹھا، مبارک بادوں کے شور سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ نے آواز دی۔

"شیخ نظام شاہ کے فرزند، احمد سالار ہندوستان سے واپس آئے ہیں اور دربارِ سلطانی میں باریابی کی ت چاہتے ہیں۔"

فرمانروائے غزنی اور دیگر امراء نے اس خبر کو بہت حیرت سے سنا۔

پھر جب احمد سالار دربار میں داخل ہوا تو سلطان محمود اور امرائے سلطنت اسے دیکھتے ہی رہ گئے۔ ا چند سال پہلے کا ایک خوب صورت اور تنومند نوجوان...... اور کہاں ایک بیمار و شکستہ حال شخص جس کا یاہ ہو چکا تھا۔

"یہ تم ہو احمد سالار......؟" سلطان محمود، نظام شاہ کے روحانی فرزند کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ والیٔ غزنی ترام میں دربار کے دوسرے امراء کو بھی اپنی اپنی نشستوں پر ایستادہ ہونا پڑا۔

احمد سالار درباری رسم کے مطابق تختِ سلطانی کے قریب پہنچ کر نصف قد تک خم ہوا اور پھر سیدھا ہو ی آواز میں بولا۔ "سلطانِ معظم کا اقبال بلند ہو۔"

’’تم نے ہمارے سوال کا جواب نہیں دیا احمد سالار؟‘‘ سلطان محمود نے دوبارہ تخت پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ’’یہ تمہاری صحت کو کیا ہو گیا؟‘‘

’’یہ ایک طویل داستان ہے، سلطانِ ذی حشم!‘‘ احمد سالار نے نہایت مؤدب لہجے میں کہا۔ ’’میری جسمانی شکستگی اتنی اہم نہیں کہ والیٔ غزنی اس کی طرف سے فکرمند ہو جائیں۔‘‘ احمد سالار اپنے طویل سفر کی صعوبتوں اور پریشانیوں کے ذکر سے گریزاں نظر آ رہا تھا۔

’’نہیں احمد سالار! تمہاری یہ سوچ مزاجِ سلطانی سے مطابقت نہیں رکھتی۔‘‘ والیٔ غزنی نے پُرجلال لہجے میں کہا۔ ’’تمہارا سلطان تو وہ ہے کہ اپنے ایک ایک پیادے کی خبرگیری کرتا ہے کہ یہ پیادے ہی بساطِ سلطنت کو آراستہ کرتے ہیں۔ اور ان ہی پیادوں کی جاں نثاریاں حکومتوں کی تقدیریں بناتی ہیں، تم تو ہمارا حرفِ اعتبار ہو۔ اگر ہم تمہیں ہی فراموش کر دیں تو پھر کون ہمارے جاہ و جلال کو یاد رکھے گا؟ ہمیں بتاؤ کہ ہندوستان کے طویل سفر میں تم پر کیا گزری؟ اور تم اس شکستہ حالی تک کس طرح پہنچے؟‘‘

’’میں اس عزت افزائی کے لئے سلطانِ عالی قدر کا مشکور ہوں اور اس بات پر نازاں ہوں کہ میرا فرمانروا اپنے فرائض کو بھی پہچانتا ہے، بندگانِ خدا کے حقوق کا نگراں بھی ہے اور اپنے ماتحتوں کے لئے شدتِ احساس بھی رکھتا ہے۔‘‘ احمد سالار نے ایک بار پھر سر کو خم کرتے ہوئے کہا۔ ’’اگر والیٔ غزنی اپنی بے پناہ مصروفیات میں سے چند تنہائی کے لمحات عنایت فرمائیں تو یہ خدمت گار، ہندوستان کی فتنہ انگیز سیاست کے بارے میں لب کشائی کی جسارت کرے۔‘‘

سلطانِ غزنی، احمد سالار کے طرزِ کلام پر چونک اٹھا۔ وہ اسی وقت اس نوجوان کی زبانی سومنات اور ہندوستانی سیاست کے متعلق تفصیلی حالات جاننا چاہتا تھا، جس نے بت پرستوں کی سرزمین پر اپنی زندگی کے کئی قیمتی سال برباد کر ڈالے تھے۔ مگر جب احمد سالار نے خلوت و رازداری کی درخواست کی تو محمود کو مجبوراً خاموش ہو جانا پڑا۔

❁❁❁❁❁

دربار برخاست کرنے کے بعد والیٔ غزنی نے احمد سالار کو تنہائی میں طلب کر لیا۔ پھر اچانک محمود کو نظام شاہ کا خیال آیا۔ اُس کی خواہش تھی کہ وہ شیخ کی موجودگی میں احمد سالار کے دشوار گزار سفر کی روداد سنے اور اسی غرض سے سلطان، نظام شاہ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا تھا مگر ایک تکلیف دہ خیال کے زیرِ اثر اس نے اپنا ارادہ بدل دیا اور یہ اذیت ناک تصور نگار خانم کی ذات سے وابستہ تھا۔ مجبوراً فرمانروائے غزنی نے اپنے نمائندہ خاص کو اس التجا کے ساتھ نظام شاہ کی بارگاہِ جلال میں بھیجا۔

’’شیخ! میرے حاضر نہ ہونے کو کسی گستاخی یا بے ادبی پر محمول نہ فرمائیں۔ میں چند ضروری امورِ مملکت، کی تکمیل میں اُلجھا ہوا ہوں، اس لئے اگر آپ زحمت کریں تو حضور کا یہ عمل میرے لئے بڑے شرف کا باعث ہو گا۔ میرے ساتھ احمد سالار کی بھی یہی خواہش ہے کہ آپ کے سامنے ذکرِ سومنات چھڑے، پھر اس کے بعد جو حکمِ شیخ ہو گا، اسی کے مطابق یہ خدمت گار، عمل پیرا ہونے کی کوشش کرے گا۔‘‘

والیٔ غزنی نے اپنی درخواست میں رسماً احمد سالار کا نام شامل کر لیا تھا، ورنہ وہ ذاتی طور پر اس بات کا خواہش مند تھا کہ سومنات کے حوالے سے تمام گفتگو نظام شاہ کی موجودگی میں ہو۔

پھر عشاء کی نماز کے بعد نظام شاہ تشریف لے آئے تو سلطان محمود نے احمد سالار کو مخاطب کرتے

ئے ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا۔

’’پہلے میں یہ جاننا پسند کروں گا کہ تمہاری صحت کی خرابی کے پیچھے کون سے عوامل کارفرما تھے؟ سیاہ ل، پورے جسم پر اُبھری ہوئی ہڈیاں اور یہ بے رونق آنکھیں۔ جب تم یہاں سے رخصت ہوئے تھے تو جوانِ رعنا تھے۔ مگر آج محض ایک شکستہ حال انسان!‘‘

احمد سالار اپنے ذاتی واقعات سنانے سے گریزاں تھا۔ مگر جب والیٔ غزنی کا اصرار حد سے زیادہ بڑھا اُس نے بتایا۔ ’’سلطانِ ذیشان.....! غزنی سے ہندوستانی ریاست گجرات تک کا فاصلہ اس قدر طویل اور دشوار گزار ہے کہ میں الفاظ کے سہارے اپنا مفہوم بیان کرنے سے قاصر ہوں۔‘‘ نظام شاہ کا روحانی فرزند احمد سالار بڑے بے نیازانہ انداز میں بول رہا تھا۔ ’’جسمانی شکستگی کا بنیادی سبب میری بیماری ہے، جو وقفے وقفے سے مجھ پر حملہ آور ہوتی رہی۔ غزنی اور ہندوستان کی آب و ہوا میں نمایاں فرق ہے، جس کے باعث مجھے مختلف امراض لاحق ہوتے رہے۔ کبھی ایک ایک ماہ تک مسلسل بخار، کبھی اذیت ناک خارش۔ مجھے موسموں کے مصائب بھی جھیلنے پڑے، کبھی خوفناک بارش، کبھی تکلیف دہ گرمی۔ ہندوستان کے موسمی تغیرات نے میری صحت کو بہت زیادہ متاثر کیا۔ سلطانِ عالی خوب جانتے ہیں کہ میں پانچ سال سے بھی زیادہ عرصے میں غزنی واپس لوٹا ہوں۔ اگر میرے جسم پر ہندوستانی آب و ہوا کے برے اثرات مرتب نہ ہوتے تو میں بہت پہلے اپنے کارِ منصبی کی تکمیل کر چکا ہوتا۔ ایک تو ہندوستان کی گزرگاہوں اور مقامی باشندوں سے ناآشنائی، دوسرے مسلسل بیماریاں اور تیسرے میرا مزاج۔ غرض ان سب چیزوں نے مل کر بڑے آزار پہنچائے۔ ہر قدم پر یہی خطرہ لگا رہتا تھا کہ کہیں کوئی مجھے پہچان کر حوالۂ زنداں نہ کر دے اور پھر دشمنوں کے تشدد کے سامنے میری زبان نہ لڑکھڑا جائے۔ میں بہت کمزور انسان ہوں، اسی لئے ہر وقت اسی اندیشے میں مبتلا رہتا۔ کسی سے کہتا غریب و اجنبی مسافر ہوں، کسی سے کہتا کہ من کی شانتی کے لئے گھر سے نکلا ہوں اور دیوتاؤں کے درشن کرنا چاہتا ہوں۔‘‘ اپنی طویل گفتگو کے دوران احمد سالار کبھی کبھی خالص ہندوانہ لہجے میں بات کرنے لگتا تھا۔ ’’کسی سے براہِ راست پوچھ بھی نہیں سکتا تھا کہ سومنات کون ہے؟ کہاں ہے؟ میرے اس طرح پوچھنے پر ان لوگوں کو میری ذات پر شک ہو سکتا تھا اور وہ اُلٹا مجھ سے سوال کر سکتے تھے کہ آخر میں کیسا ہندو ہوں جو ہندوستان کے سب سے بڑے بت اور اس کے مسکن کو نہیں جانتا۔ بس یہی احتیاطیں اور مجبوریاں تھیں کہ جو میرے پیروں کی زنجیر بن کر رہ گئی تھیں۔ کئی مقامات پر کچھ سادھوؤں اور جوگیوں کو مجھ پر شک بھی ہو گیا تھا، مگر اللہ نے میری مشکل کشائی فرمائی اور بت پرست سادھوؤں کی آنکھوں پر گہرا پردہ ڈال دیا۔ ہندوستان خالصتاً توہم پرستوں کی بستی ہے، وہاں کے لوگوں کے اتنے مختلف اور عجیب عقائد ہیں کہ میں ان کا شمار کرنے سے عاجز ہوں۔ کروڑوں انسان چند برہمنوں کے بنائے ہوئے نظام میں اس طرح جی رہے ہیں کہ خود انہیں اپنی سانسوں پر اختیار نہیں ہے۔ مٹھی بھر برہمن جب چاہتے ہیں، بے شمار بندگانِ خدا کی سانسوں کا سلسلہ توڑ دیتے ہیں۔ وہ بے خبر اور معصوم انسان زندہ رہنے کے لئے بہت چھوٹی چھوٹی خواہشیں رکھتے ہیں مگر پنڈتوں کے ہوس ناک اور تاجرانہ قانون نے ہر گلی، ہر موڑ پر سیاست کے مقتل تعمیر کر دیئے ہیں، جہاں روز و شب عوام کی حسرتیں ذبح ہوتی رہتی ہیں۔ ہندوستان کے پسماندہ طبقے کی یہی محرومیاں انہیں دن رات ایک ہی خواب دکھاتی رہتی ہیں کہ کبھی تو کوئی نجات دہندہ، پتھروں کی مملکت میں داخل ہو گا اور انسانیت کے آبگینوں کو بارش

سے بچائے گا۔ یہی درماندہ لوگ مجھے بھی کوئی خدا رسیدہ بزرگ سمجھ کر میرے پاس چلے آتے تھے اور بڑے والہانہ انداز میں اپنا دامنِ طلب پھیلا دیا کرتے تھے۔ یہ دردناک مناظر دیکھ کر میری آنکھیں بھی نم ہو جاتی تھیں، مگر میں گناہ گار و عاجز کیا کرتا؟ بس اپنے شیخ نظام شاہ کے واسطے سے بارگاہِ ذوالجلال میں اپنا دستِ دعا بلند کر دیتا، پھر وہ کارسازِ حقیقی مجھ عاصی کی زبان سے ادا ہونے والے لفظوں کی آبرو رکھ لیتا اور ان برہمن گزیدہ انسانوں کو بامراد کر دیتا، پھر میری خدا رسیدگی کے چرچے عام ہونے لگتے اور میں انسانی ہجوم سے گھبرا کر رات کے اندھیرے میں وہ جگہ چھوڑ دیتا، ترسے ہوئے لوگ مرادیں پوری ہونے کے بعد اپنی حیثیت کے مطابق میرے لئے پُرتکلف کھانے لاتے اور اس طرح نذرانے پیش کرتے جیسے میں بھی ان کا کوئی دیوتا ہوں۔ اگر میں چاہتا تو ضرورت اور مجبوری کا بہانہ تراش کر فاقہ کشی سے محفوظ رہ سکتا تھا، لیکن میری غیرت نے یہ گوارا نہ کیا اور میں کئی کئی وقت بھوکا رہا۔ شکم کی آگ بجھانے کے لئے مزدوری تلاش کرتا اور جو کچھ اُجرت ملتی، اسی سے پیٹ بھرتا۔ بیماری اور ناتوانی کے باعث کبھی کبھی نفس کے تقاضوں سے مغلوب ہو کر تن آسانی کی خواہش کرنے لگتا، لیکن ہر بار شیخ کا حوالہ میرے ڈگمگاتے قدموں کو استقامت بخش دیتا کہ آخر نظام شاہ کا فرزند ہوں، اس لئے گداگری کا یہ انداز کیوں؟'' اتنا کہہ کر احمد سالار نے اپنے روحانی باپ کی طرف دیکھا۔ نظام شاہ سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے مگر ان کے چہرے سے اذیت و کرب کا رنگ نمایاں تھا، جیسے وہ احمد سالار کے مصائب پر اپنے دل میں ناقابلِ بیان خلش محسوس کر رہے ہوں۔

والیٔ غزنی بھی ایک مجاہدِ اسلام کے تکلیف دہ سفر کی رُوداد سن کر اُداس ہو گیا تھا۔ احمد سالار نے فوراً ہی اس صورتِ حال کو محسوس کر لیا اور پھر انتہائی پُرجوش لہجے میں کہنے لگا۔

''میں نے یہ سب کچھ اسی لئے بیان کیا ہے کہ میری خرابیٔ صحت کے سلسلے میں سلطان کا اضطراب ختم ہو جائے۔ ورنہ راہِ وفا میں، میں کیا اور میری قربانیاں کیا؟''

''نہیں احمد سالار......!'' والیٔ غزنی نے پُرسوز لہجے میں کہا۔ ''تم میرے شیخ کی زندہ نشانی ہو اور تم نے جو کچھ کیا ہے، اسے تاریخِ غزنی ہمیشہ یاد رکھے گی۔''

''بے شک! یہ میرے بابا کی دعاؤں اور تربیت کا نتیجہ ہے کہ راستے کی دھول اکسیر بن گئی اور زہریلے کانٹوں نے تلوؤں کی حنابندی کی۔ احمد سالار نے نم آنکھوں سے شیخ نظام شاہ کی طرف دیکھا اور پھر والیٔ غزنی سے مخاطب ہو کر عرض کرنے لگا۔ ''سلطانِ معظم! اس فسانۂ عجیب سے میری ذات کا حوالہ ختم ہوا اور اب سومنات کا ذکر جو اپنے ہی جیسے ہزاروں بتوں پر بھی حکمرانی کر رہا ہے اور بے شمار باشندگان کے دل و دماغ پر بھی۔''

سومنات کا نام سن کر نظام شاہ نے آنکھیں کھول دیں اور ان کا چہرہ متغیر نظر آنے لگا۔

والیٔ غزنی بھی گوش بر آواز تھا۔

پھر احمد سالار نے سلطان محمود کے حضور سومنات کی تاریخ بیان کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ قد آور بت گجرات کے ایک خوب صورت مندر میں نصب ہے اور ہندوستان کے لاتعداد توہم پرستوں پر خدائی کر رہا ہے۔ اسی بت کی موجودگی کے سبب اس شہر کو سومنات پٹن کہتے ہیں۔ سومنات کی آمد سے پہلے یہ جگہ بھاس پٹن کے نام سے مشہور تھی اور کچھ لوگ اسے دیو پٹس بھی کہتے تھے۔ یہ شہر کاٹھیاواڑ میں دریائے شور کے کنارے بحیرہ عمان (بحیرۂ عرب) کے مقابل آباد ہے۔ اس علاقے کی مذہبی تاریخ چار ہزار سال پرانی ہے۔ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق کرشن مہاراج نے متھرا سے آکر یہیں پناہ لی تھی اور اسی جگہ سے لاکھوں بھیلوں کی فوج تیار کر کے مہابھارت کی جنگ کا نقشہ بدل دیا تھا۔ مسلمانوں کے آنے سے پیشتر یہ ایک بڑی بندرگاہ تھی اور اسی آبی راستے کے ذریعے غیر ممالک کے ساتھ ہندوستان کے تجارتی تعلقات قائم تھے۔

اس شہر کے وسط میں پتھر کا ایک قلعہ ہے، جس کے دہرے دروازے ہیں اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر برج تعمیر کئے گئے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ قلعے کی حفاظت کے انتظامات بہت زیادہ سخت ہیں اور اس پر آسانی کے ساتھ قبضہ نہیں کیا جا سکتا۔ سمندر کے کنارے اور مغرب کی جانب دریائے سرستی کے دہانے سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر مہادیو کے نام سے ایک مندر تعمیر کیا گیا ہے اور اسی مندر میں سومنات کی پوجا کی جاتی ہے۔ اس جگہ کو کسی چراغ یا فانوس کے ذریعے روشن نہیں کیا جاتا بلکہ ہزاروں بیش قیمت جواہرات کو اس ترتیب اور قرینے سے سجا کر رکھا گیا ہے کہ ہیروں کی چمک دمک سے گوشہ گوشہ منور نظر آتا ہے۔ اس مندر میں دو سو من سونے کی ایک لمبی زنجیر بھی ہے اور اس زنجیر میں ایک بڑا گھنٹہ آویزاں ہے، جسے بجانے پر تمام پوجا کرنے والے جمع ہو جاتے ہیں۔ یہاں ہر وقت دو ہزار برہمن پجاری رہتے ہیں، پانچ سو خوش گلو عورتیں دن رات بھجن گاتی رہتی ہیں اور تین سو مرد سازندے مختلف ساز بجانے پر مامور کئے گئے ہیں۔ چھ سو کوس کا طویل فاصلہ ہونے کے باوجود سومنات کے غسل کے لئے گنگا کا پاک اور متبرک پانی منگوایا جاتا ہے۔ ہر ماہ کی پہلی اور پندرہویں تاریخ کو سومنات غسل کرتا ہے۔

یہاں کے اخراجات کے لئے دو ہزار دیہاتوں کی آمدنی وقف ہے۔ خسوف و کسوف (سورج اور چاند گرہن) کے وقت دور دراز کے علاقوں سے کئی لاکھ انسان سومنات کی پوجا کرنے یہاں آتے ہیں اور اپنی عقیدت کا اظہار کرنے کے لئے بیش قیمت نذریں اس پتھر کے بت کے قدموں پر چڑھا دیتے ہیں۔ اہلِ ہند کے نزدیک سومنات کی عظمت و تقدس کا یہ عالم ہے کہ ہزاروں نوخیز لڑکیاں، راہبہ (دیوداسی) بن کر اپنی جوانیاں برباد کر ڈالتی ہیں۔ ان دیوداسیوں میں عام دوشیزاؤں سے لے کر ہندو حکمرانوں کی لڑکیاں تک شامل ہیں۔''

یہ کہہ کر احمد سالار چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گیا۔ پھر وہ والیٔ غزنی کی طرف دیکھنے لگا۔

''کیا سومنات کا ذکر مکمل ہو گیا؟'' احمد سالار کو خاموش پا کر سلطان محمود نے پوچھا۔

''نہیں سلطان ذی حشم!'' یکایک احمد سالار کا لہجہ اُداس ہو گیا تھا۔ ''میرے سکوت کا سبب ان لڑکیوں کی حالتِ زار ہے، جن کے اذیت و کرب کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ وہ بے قصور لڑکیاں برہمنوں کے تعمیر کردہ دوزخ کا ایندھن ہیں، جنہیں ان کی مرضی کے خلاف مسلسل جلایا جا رہا ہے۔ مگر وہ بدنصیب لڑکیاں نہ جل کر خاک ہوتی ہیں اور نہ کوئی صاحبِ احساس ادھر آتا ہے کہ وہ ان کی خاموش چیخیں سن کر انہیں آتشیں حصار سے باہر کھینچ لے۔ وہ تو بس چپ چاپ سلگ رہی ہیں۔ میں نے خود کئی لڑکیوں سے ان کی اس غیر فطری زندگی کا سبب دریافت کیا تھا۔ میرے سوال کے جواب میں ان بے گناہ دوشیزاؤں نے یہی کہا کہ وہ اپنے معزز و محترم باپوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے یہاں آئی ہیں۔ لڑکیوں کی سیوا سے خوش ہو کر سومنات نہ صرف ان کے والدین کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے

بلکہ وہاں عام خیال یہ ہے کہ ان خدمات کے صلے میں ہر دیوداسی کے باپ کو مال و دولت کے ساتھ دنیاوی مرتبہ بھی بخش دیتا ہے۔ برہمن نے یہاں بھی ایک نئے انداز سے ہوس اور زر پرستی کے کاروبار کو زندہ رکھا ہے۔ سلطانِ عالی قدر! اگر اللہ آپ کو سومنات پر غلبہ عطا کر دے تو آپ کے اس خادم کی بس ایک ہی التجا ہے کہ دیوداسیوں کے مقید دل و دماغ اور پابند روحوں کو ضرور آزاد کر دیجئے گا کہ ان بدنصیبوں کی زنجیریں کسی فاتح اور کسی مردِ جانباز کو نظر نہیں آئیں۔"

والیٔ غزنی، احمد سالار کے لہجے کے گداز اور سینے کی خلش سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

"تمہارا سلطان اس راندۂ درگاہ مخلوق کی داستانِ الم سے بے خبر نہیں۔" محمود نے نظام شاہ کے روحانی فرزند کو جواب دیتے ہوئے کہا۔ "لمغان (پشاور) کے نزدیک ایک مندر میں ایسی کئی دیوداسیاں تھیں، جنہیں آزاد کر دیا گیا تھا۔ اور اس فریب کار انند پال نے تمہارے سلطان کو ہلاک کرنے کے لئے دو زہریلی لڑکیاں بھیجی تھیں جو طویل علاج کے بعد آج غزنی میں صحت مند زندگی گزار رہی ہیں۔"

"میں سلطان کے اس اندازِ کرم سے ناواقف تھا، اس لئے نادانستگی میں یہ درخواست پیش کر بیٹھا۔" احمد سالار کے لہجے سے کسی قدر شرمساری کا رنگ جھلکنے لگا تھا۔

"نہیں! میرے شیخ کی زندہ و تابندہ نشانی! تمہیں کسی معذرت کی ضرورت نہیں۔" محمود نے بے قرار ہو کر کہا۔ "میں تم سے بہت خوش ہوں احمد سالار! کہ تم نے اپنے سلطان کی خفیہ سفارت کا حق ادا کر دیا۔ تم صاحبِ نظر بھی ہو اور صاحبِ دل بھی۔"

"اہلِ ہند کی گمراہی کی کوئی انتہا نہیں ہے، سلطانِ معظم!" احمد سالار نے دوبارہ اپنے موضوع کی طرف لوٹتے ہوئے کہا۔ "اسی سومنات کے مندر میں ایک بہت بڑا دالان ہے، جس کی چھت چھپن ستونوں پر قائم ہے اور اسی جگہ لنگ پوجا ہوتی ہے۔ ہندوستان کے لوگوں میں صدیوں سے یہ شرمناک رسم پورے زور و شور کے ساتھ جاری ہے۔ عام بت پرست بھی اس پوجا میں کسی قسم کی قباحت محسوس نہیں کرتے، مگر بالخصوص جو عورتیں اور مرد اولاد کی نعمت سے محروم ہوتے ہیں، ان کے ذوق و شوق کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس دالان سے چند گز کے فاصلے پر مہادیو (شیو) کا مجسمہ بھی موجود ہے۔ یہ بت اپنی طوالت میں تقریباً پانچ گز لمبا ہے جس میں سے دو گز زیرِ زمین ہے اور تین گز باہر۔ سومنات کے ساتھ اس بت کی پرستش بھی بڑے جوش و خروش سے کی جاتی ہے۔ مہادیو کے مجسمے کے علاوہ سونے کے دوسرے چھوٹے چھوٹے بت بھی سومنات کے دائیں اور بائیں جانب رکھے گئے ہیں۔ اسی جگہ سونے کی وہ طویل و عریض پالکی بھی موجود ہے جو بھیم دیو ایک معرکے میں بندیل کھنڈ کے راجہ سے چھین کر لایا تھا اور پھر اس نے وہی پالکی، سومنات کی نذر کر دی تھی۔" احمد سالار نے والیٔ غزنی کے سامنے سومنات کے کئی پُراسرار گوشوں کو بے نقاب کرتے ہوئے کہا۔

شیخ نظام شاہ اور سلطان محمود بڑے انہماک کے ساتھ سومنات اور اس سے وابستہ ذلالت و گمراہی کے افسانے سن رہے تھے۔ وہ سومنات، جس کی شکست نظام شاہ کے خواب کی تعبیر تھی اور والیٔ غزنی کی ہندوستان میں آخری سیاسی منزل۔

"سومنات کے بارے میں ہندوؤں کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ دنیا میں جتنے انسان مرتے ہیں، ان کی روحیں، جسموں سے جدا ہو کر سومنات کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں۔" احمد سالار نے اس کتاب کا ایک

ورق اُلٹتے ہوئے کہا، جسے شیطان کے پیروکاروں نے تحریر کیا تھا۔ "پھر سومنات جس روح کو جس بدن کے لائق سمجھتا ہے، اسی کے حوالے کر دیتا ہے۔ اور اس طرح سومنات کے حکم سے آواگون (عملِ تناسخ) ازل سے قائم ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔"

"معاذ اللہ!...... معاذ اللہ!" ابھی احمد سالار کی گفتگو مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ والیٔ غزنی درمیان میں بے قرار ہو کر بول اُٹھا۔ "پتھر کا ایک حقیر ٹکڑا اور لازوال قدرت کے ایسے دعوے؟ شیطان کے پجاریوں پر ہزار بار اللہ کی لعنت۔ اس ذاتِ لم یزل کی قسم! جس کے قبضے میں محمود کی جان ہے، وہ دن دُور نہیں جب سومنات اپنے عقیدت مندوں کے ہجوم کے سامنے ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائے گا اور میرے شیخ کو ان کے مبارک خواب کی تعبیر مل جائے گی۔" یہ کہہ کر سلطان نے اُس مردِ قلندر کی طرف دیکھا، جس کے چہرے پر اذیت و کرب کے گہرے سائے نظر آ رہے تھے۔ "شیخِ محترم! میں اپنی اس کم فہمی پر بہت نادم ہوں کہ کل تک میرے نزدیک آپ کا خواب ایک عام مسلمان کا خواب تھا۔ مگر آج احمد سالار کی باتیں سن کر اندازہ ہوا کہ سومنات ایک بہت بڑا فتنہ ہے۔ اگر اس فتنے کو ختم نہیں کیا گیا تو گمراہیوں کا یہ سیلِ رواں اپنی تمام ہولناکیوں کے ساتھ آگے بڑھتا رہے گا اور اللہ کی بے خبر مخلوق اس کی خوراک بنتی رہے گی۔"

نظام شاہ نے اُداس نظروں سے والیٔ غزنی کی طرف دیکھا۔ "اپنے جاہ و جلال میں اضافے کے لئے تو ہر فرمانروا آگ اور خون کے سمندر بھی عبور کر جاتا ہے، مگر اللہ کی رضا کے لئے انسان چھوٹی چھوٹی ندیاں بھی پار نہیں کر سکتا۔ انسان بڑے خسارے میں ہے۔ مگر اے میرے بیٹے! تُو خسارے کی تجارت نہ کرنا کہ انسانی زندگی نہایت مختصر ہے اور قاصدِ اجل بہت تیز رفتاری کے ساتھ اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔" نظام شاہ کا لہجہ رقت آمیز ہو گیا تھا۔ "فرزند! میں اس وقت سے بہت ڈرتا ہوں کہ جب تیرے شیخ کو ناکامی اور نامرادی کی حالت میں اس دنیا سے اٹھا لیا جائے اور تجھے بھی شکست خوردہ انسان قرار دے کر کفن پہنا دیا جائے۔"

نظام شاہ کی تنبیہ سن کر سلطان محمود کے چہرے پر اُبھرنے والا رنگِ ندامت کچھ اور گہرا ہو گیا تھا۔

"فرزند! مجھے دکھ ہے کہ تم نے آج تک شکستِ سومنات کو اپنا خواب نہیں سمجھا۔" نظام شاہ نے حسرت زدہ لہجے میں کہا۔ "اس نیلگوں آسمان کے نیچے نہ جانے کتنے طالع آزما آئے اور دنیا کو زیر و زبر کر کے خود بھی پیوندِ خاک ہو گئے۔ وہ جس زمین کی پرستش کرتے تھے، اسی زمین نے ان کے جسموں کو کھا لیا۔ یہاں تک کہ آج صاحبانِ جاہ و جلال کا نشان تک باقی نہیں۔ اس سے پہلے کہ زمین اپنی اسی رسم کو دہرائے......" نظام شاہ نے قصداً اپنی بات نامکمل چھوڑ دی اور والیٔ غزنی کی طرف بہت غور سے دیکھنے لگے۔

نظام شاہ کے شرربار لہجے اور جلالِ روحانی کو دیکھ کر محمود گھبرا سا گیا۔

"والیٔ غزنی اس بات پر قادر ہے کہ مفتوحہ شہروں کے چوراہوں پر اپنے مجسمے نصب کرے یا اللہ کی زمین کو بتوں کے وجود سے پاک کر دے۔" آج نظام شاہ اپنے دل میں شدید درد محسوس کر رہے تھے۔ اس لئے تمام اشارات و کنایات کو بالائے طاق رکھ کر بول رہے تھے۔

"شیخ! میں ایک بہت کمزور انسان ہوں۔" سلطان محمود کے لہجے میں ندامت کے ساتھ شکستگی کا بھی اظہار ہو رہا تھا۔ "میں جب بھی سومنات کی طرف بڑھنے کا ارادہ کرتا ہوں، دشمن میرے پیروں میں زنجیر

ڈال دیتا ہے۔" والیٔ غزنی نے معذرت پیش کرتے ہوئے کہا۔

"جب سومنات کی شکست تیری زندگی کا خواب بن جائے گی، پھر یہ سارے دشمن تیرے راستے سے خود بخود ہٹ جائیں گے۔" نظام شاہ نے والیٔ غزنی کی معذرت قبول نہیں کی۔ "اپنی آزادی کو محکومی کا نام دینا اہلِ وفا کا شیوہ نہیں۔ جس کا نام علیم وبصیر ہے، وہ اپنے بندوں کے دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔"

نظام شاہ نے درپردہ والیٔ غزنی کی ایک خاص کمزوری کی طرف اشارہ کیا تھا۔ پھر جب سلطان محمود نے مردِ قلندر کے اشارے کو سمجھ لیا تو اس کے چہرے کا رنگ اُتر گیا۔

دراصل واقعہ یہ تھا کہ دولت و اقتدار کے شور میں محمود کی توجہ سومنات سے ہٹ گئی تھی اور وہ دن رات سیاسی فتوحات حاصل کرنے کی منصوبہ بندی میں غرق رہتا تھا۔ سلطان کی ایک فطری کمزوری یہ بھی تھی کہ اسے زر و جواہر کے نادر ذخیرے جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ محمود کی یہ عادت آہستہ آہستہ پختہ ہوتی جا رہی تھی کہ وہ روزانہ سونے سے پہلے خفیہ طور پر اپنے خزانے کا معائنہ کیا کرتا تھا۔ جہاں نایاب بیش قیمت ہیرے اور سونے کے مرصع زیورات کا انبار موجود تھا۔ سلطان رات کے سناٹے میں دولت کے ان ذخائر کو دیکھ کر کہا کرتا تھا۔

"وہ دن دور نہیں جب میرے خزانے کو دنیا کے تمام سابقہ حکمرانوں کے خزانوں پر برتری حاصل ہو گی۔ پھر اس میں بسنے والے کہا کریں گے کہ سلطان محمود سے زیادہ کوئی صاحبِ جلال و ثروت نہیں۔"

نظام شاہ نے محمود کی اسی کمزوری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ اللہ اپنے بندوں کے دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔

مسلسل فتوحات نے والیٔ غزنی کو دولت پرستی کی طرف مائل کرنے کے ساتھ ساتھ کسی حد تک مغرور بھی بنا دیا تھا۔ راجہ انند پال اور راجہ بجے راؤ کو شکستِ فاش دینے کے بعد محمود اپنی ذات کو ناقابلِ تسخیر سمجھنے لگا تھا۔ پھر اسی ذہنی کج روی نے محمود کو انتہائی متکبرانہ عمل پر اُکسایا۔

بھاٹیہ کے ہاتھوں راجہ بجے راؤ کے مقابلے میں ایک یادگار فتح اور تقریباً تین سو ہاتھی بطور مالِ غنیمت حاصل کرنے کے بعد سلطان نے بغداد کے خلیفہ قادر باللہ عباسی کے نام ایک خط تحریر کرتے ہوئے لکھا۔

"خراسان کا بیشتر حصہ چونکہ سلطنتِ غزنی کے ماتحت ہے، اس لئے بہتر یہی ہوگا کہ خراسان کا باقی حصہ جو خلافتِ بغداد کے زیرِ اثر ہے، اسے بھی حکومتِ غزنی کے حوالے کر دیا جائے۔"

عباسی خلیفہ قادر باللہ نے بڑے کرب کے عالم میں سلطان محمود کا مکتوب پڑھا، جو حاکمانہ لہجے میں تحریر کیا گیا تھا۔ پھر پریشانی کی حالت میں خلیفۂ بغداد نے والیٔ غزنی کی خواہش کو تکمیل تک پہنچا دیا اور اس طرح پورا خراسان محمود کے قبضے میں آ گیا۔

خلیفہ قادر باللہ عباسی کے اس طرزِ عمل نے والیٔ غزنی کے توسیع پسندانہ منصوبے کے لئے ایک نئی بنیاد فراہم کر دی۔ نتیجتاً خواہشِ اقتدار سے مغلوب ہو کر سلطان محمود نے خلیفۂ بغداد کے نام دوسرا خط تحریر کیا۔

"میری خواہش ہے کہ ایک فرمان کے ذریعے سمرقند بھی سلطنتِ غزنی کے حوالے کر دیا جائے۔"

عباسی خلیفہ قادر باللہ کو سلطان محمود کا خط پڑھ کر بہت غصہ آیا مگر اُس نے مصلحتاً سفیرِ غزنی کے سامنے

اپنے غضب ناک جذبوں کا اظہار نہیں کیا اور ایک خط کے ذریعے محمود سے اس کے مطالبے کی وضاحت چاہی۔

"آخر والیٔ غزنی کس بنیاد پر سمرقند کے علاقے کو اپنی مملکت میں ضم کرنا چاہتے ہیں؟" والیٔ غزنی نے واضح الفاظ میں سلطان محمود کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا۔ "اگرچہ خراسان کے علاقے پر بھی سلطنتِ غزنی کا کوئی حق نہیں تھا۔ لیکن میں نے فتنہ و شر مٹانے کے لئے اور اہلِ ایمان کے کشت و خون سے بچنے کے لئے کسی پس و پیش کے بغیر والیٔ غزنی کا مطالبہ تسلیم کر لیا تھا۔ مگر سمرقند کا مطالبہ کس حساب میں ہے؟ میں سلطان کی اس بے جا خواہش کا مفہوم سمجھنے سے قاصر ہوں۔"

خلیفہ قادر باللہ عباسی کا جواب مزاجِ سلطان پر گراں گزرا۔ پھر محمود نے فوراً ہی خلیفۂ بغداد کے نام ایک اور خط تحریر کیا۔ "دراصل سمرقند بھی میرا ہی علاقہ ہے اور میں اپنی سلطنت کے ایک اہم حصے کو دوسروں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا۔" سمرقند کے حصول کے لئے والیٔ غزنی نے کوئی معقول دلیل پیش نہیں کی تھی۔ بس چند سیاسی الفاظ کا سہارا لے کر اپنا مطالبہ پیش کر دیا تھا اور اس مطالبے کی ایک ہی وجہ تھی کہ قادر باللہ عباسی کا اقتدار برائے نام رہ گیا تھا۔ خراسان کی چپ چاپ واپسی کے بعد محمود نے اندازہ کر لیا تھا کہ خلیفۂ بغداد، والیٔ غزنی کی افرادی طاقت سے خوف زدہ ہے۔ اس لئے محمود نے ایک کمزور حکمراں کی سیاسی ناطاقتی سے بھرپور فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی۔

خلیفۂ بغداد قادر باللہ عباسی نے انتہائی سخت الفاظ میں انکار کرتے ہوئے محمود کو خط لکھا۔ "سلطانِ غزنی! افسوس کہ تُو نے میری اعلیٰ ظرفی کی پذیرائی نہ کی۔ میں کل تک تجھے ایک مجاہدِ اسلام سمجھ کر تیری درازیٔ عمر کے لئے دعائیں کیا کرتا تھا۔ مگر آج اندازہ ہوا کہ ہوسِ اقتدار نے تیری آنکھوں کی روشنی زائل کر دی ہے اور تیرے سینے میں دھڑکنے والے دل نے پتھر کے ایک ٹکڑے کی شکل اختیار کر لی ہے۔ اب مجھ پر تیری بدنیتی کا راز فاش ہو گیا ہے تو میری بعض کمزوریوں سے ناجائز فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں تجھ جیسی سپاہیانہ طاقت نہیں رکھتا، لیکن پھر بھی یہ بات غور سے سن لے کہ اگر تُو نے میری مرضی کے خلاف سمرقند کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھا تو میں تمام عالمِ اسلام کی فوجوں کو تیرے مقابل لا کر کھڑا کر دوں گا۔"

والیٔ غزنی کے ناجائز مطالبات سے تنگ آ کر خلیفہ قادر باللہ عباسی نے یہ تند و تیز لہجہ اختیار کیا تھا مگر فرمانروائے بغداد کے شعلہ صفت الفاظ پڑھ کر سلطانی انا کو شدید ٹھیس پہنچی اور محمود کے دل و دماغ جل اُٹھے۔

"اب میں سمجھ گیا ہوں کہ تم لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" والیٔ غزنی نے خلیفۂ بغداد کے قاصد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ سلطان محمود کے لہجے سے آگ برس رہی تھی۔ "تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ میں اپنے ہزاروں ہاتھیوں سے دارالخلافت کو روند ڈالوں اور قادر باللہ عباسی کے محل کا ملبہ انہی ہاتھیوں پر لاد کر غزنی لے آؤں۔"

امرائے سلطنت نے شاذ و نادر ہی کسی موقع پر سلطان کو اس قدر غضب ناک حالت میں دیکھا تھا۔ والیٔ غزنی پر جنون کی سی کیفیت طاری تھی، اس لئے امرائے سلطنت کو یقین ہو چلا تھا کہ سلطان محمود کا اگلا محاذِ جنگ صرف بغداد ہو گا۔

خلیفہ قادر باللہ عباسی کے سفیر نے اُداس نظروں سے والیٔ غزنی کی طرف دیکھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ شاید ابھی سلطان محمود کی بات نامکمل ہے۔

"خلیفۂ بغداد سے کہہ دینا کہ یہی اس کے خط کا جواب ہے۔" محمود کے قہر و غضب کی آگ ابھی ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی۔

"قادر باللہ عباسی کے قاصد نے ایک نظر دربارِ سلطانی کا جائزہ لیا۔ تمام امرائے سلطنت اپنی اپنی نشستوں پر پتھر کے مجسموں کے مانند بیٹھے تھے۔ سفیر بغداد نے درباری رسم کے مطابق سلطان محمود کو رخصتی سلام کیا اور تھکے تھکے قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل گیا۔

پھر کچھ دن بعد وہی سفیر بغداد دوبارہ غزنی آیا اور سلطان کے روبرو حاضر ہوا۔ اس وقت محمود کا دربار ایک کھلے میدان میں آراستہ تھا۔ والیٔ غزنی ایک مرصع زرنگار تخت پر جلوہ افروز تھا۔ دُور تک دست بستہ غلام سر جھکائے کھڑے تھے اور دربار کے سامنے کوہ پیکر ہاتھیوں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔ سلطان محمود وقتاً فوقتاً ایسے دربار آراستہ کیا کرتا تھا تا کہ اس کے ذاتی جاہ و جلال، سامانِ جنگ کی کثرت اور افرادی قوت کا بھرپور مظاہرہ ہو سکے۔ سفیرِ بغداد کو فوراً ہی سلطان کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ سفیرِ بغداد نے محمود کے حضور رسم تعظیم ادا کی اور بڑے ادب سے والیٔ غزنی کی طرف سر بمہر لفافہ بڑھا دیا۔

"یہ کیا ہے؟" سلطان کی بلند و کشادہ پیشانی پر کئی بل پڑ گئے تھے اور اُس نے قصداً سفیرِ بغداد کا استقبال رسمی خوش دلی کے ساتھ نہیں کیا تھا۔

"یہ خلیفہ عالی وقار کا مکتوبِ گرامی ہے۔" سفیرِ بغداد نے مؤدب مگر بے باکانہ لہجے میں کہا۔ "یہ سلطان کے ان الفاظ کا جواب ہے، جو میری گزشتہ آمد کے موقع پر سرِ دربار کہے گئے تھے۔"

سلطان محمود نے بڑے بے نیازانہ انداز میں معاملاتِ خارجہ کے وزیر خواجہ ابونصر روزنی کی جانب دیکھا اور ایک خاص انداز سے اپنے سر کو جنبش دی۔

وزیر خواجہ ابونصر روزنی تیزی کے ساتھ اپنی نشست سے اٹھا اور اس نے سفیرِ بغداد کے ہاتھ سے قادر باللہ عباسی کا خط لے لیا۔ پھر مکتوب بغداد کو کھول کر پڑھنے لگا۔

جب ابونصر روزنی کو خط پڑھتے پڑھتے معمول سے زیادہ تاخیر ہو گئی اور اس کے چہرے پر اُلجھن کے آثار نظر آنے لگے تو والیٔ غزنی نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"خلیفۂ بغداد نے کیا لکھا ہے خواجہ؟"

"خادم اس تحریر کا مفہوم سمجھنے سے عاجز ہے۔" خواجہ ابونصر روزنی نے جھجکتے ہوئے کہا۔

ایک لمحے کے لئے سلطان محمود کے چہرے پر حیرت کے آثار نمایاں ہوئے اور پھر اس نے اپنے وزیر کے ہاتھ سے خلیفۂ بغداد کا خط لے لیا۔ والیٔ غزنی خود بھی بہت دیر تک اس عبارت کو پڑھتا رہا، مگر قادر باللہ عباسی کا مافی الضمیر سمجھنے سے عاجز رہا۔ بہت مختصر اور عجیب خط تھا۔ خلیفۂ بغداد نے سلطان محمود کو مخاطب کئے بغیر صرف چند الفاظ تحریر کئے تھے۔

"ال م...... الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ رسولہ وآلہ اجمعین۔"

محمود کے بعد تمام امرائے سلطنت اور درباری علماء نے فرداً فرداً خلیفۂ بغداد کے مکتوب کو دیکھا مگر کوئی ایک شخص بھی اس کے حقیقی مفہوم تک نہ پہنچ سکا۔

بعض علماء دبے دبے لہجے میں بس اتنا ہی کہہ سکے۔ "سلطانِ ذی حشم! خلیفۂ بغداد نے اپنے خط میں ی تعریف بیان کی ہے اور اس کے رسولؐ پر درود و سلام بھیجا ہے۔ اس آیت مقدسہ کے تحریر کرنے سے ۂ بغداد کا یہی مقصد ہو سکتا ہے کہ تمام بڑائیاں اللہ کے لئے ہیں اور اللہ ہی سارے جہانوں کا پالنے ہے۔"

"خلیفۂ بغداد نے یہ کوئی انوکھی بات تو تحریر نہیں کی۔ ہم سب مسلمانوں کا اس آیت مقدسہ پر ایمان اور ہم تمام کلمہ گو شب و روز اس کی تلاوت کرتے ہیں۔" والیٔ غزنی نے پُرخیال لہجے میں کہا۔ "اور ان حروف ال م کا کیا مطلب ہے؟ یہ بے مقصد تو تحریر نہیں کئے گئے ہیں۔"

تمام علمائے دربار بہت دیر تک سر بہ گریبان بیٹھے رہے اور قرآن کریم میں کئی مقامات پر استعمال نے والے حروف مقطعات کے بارے میں سوچتے رہے۔ اس قسم کی تمام آیاتِ قرآنی کو بار بار پڑھا گیا۔ ف زاویوں سے غور و فکر کی راہیں کھولی گئیں، مگر پھر بھی خلیفۂ بغداد کے جواب کا مفہوم واضح نہ ہو سکا۔

پھر جب تمام علماء دربار اور صاحبانِ فضل و کمال عاجز آ گئے تو خواجہ ابوبکر قہستانی اپنی نشست پر ڑے ہوئے۔ خواجہ ابوبکر، شیخ نظام شاہ کے جاں نثار اور عقیدت مند تھے۔ خواجہ ابوبکر عالم و فاضل نے کے ساتھ ایک بلند کردار انسان بھی تھے۔ ان کی راست گوئی اور بے باکی دربار غزنی میں ایک ب المثل کی حیثیت رکھتی تھی۔ خواجہ ابوبکر کچھ دن تک نظام شاہ کے ساتھ گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے ے مگر ایک روز شیخ نے انہیں حکم دیا کہ وہ دربارِ سلطانی سے وابستہ ہو جائیں۔ اگرچہ خواجہ ابوبکر، امراء کی بتوں سے نالاں رہتے تھے لیکن انہیں حکم شیخ نے مجبور کر دیا تھا۔

"خواجہ! دربارِ سلطانی کو تمہاری شدید ضرورت ہے۔" نظام شاہ نے اپنے عقیدت مند کو سمجھاتے ئے فرمایا تھا "دولت و اقتدار کی زیادتی کسی وقت بھی محمود کے قدموں کو غیر متوازن کر سکتی ہے۔ تم وہاں جود ہو گے تو کم سے کم سلطان کو لڑکھڑاتے دیکھ کر اسے سنبھالنے کی کوشش تو کرو گے۔ ورنہ دربار کا تو یہ ل ہے کہ اہلِ علم نے خوشامد کو اپنا عقیدہ اور مرضیٔ شاہ کو اپنا مسلک بنا لیا ہے۔ مگر تم بھی اس دنیا پرستی ے خلاف حرفِ احتجاج بلند نہیں کرو گے تو کون بولے گا؟ یہاں تو سب کے سب زباں بریدہ نظر آتے ں۔"

اب خواجہ ابوبکر قہستانی کے لئے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔ مجبوراً وہ دربارِ سلطانی سے بستہ ہو گئے۔ مگر اس طرح کہ محمود کے قریبی حلقے میں ان کا گزر بھی نہیں تھا۔

آج وقت نے خواجہ ابوبکر کو ایک موقع فراہم کیا تو وہ سرِ دربار کھڑے ہو گئے اور والیٔ غزنی کو مخاطب ر کے کہنے لگے۔

"اگر سلطانِ محترم مجھے اجازت دیں تو میں خلیفۂ بغداد کے مکتوب پر اپنی ناچیز رائے کا اظہار روں۔"

والیٔ غزنی نے چونک کر خواجہ ابوبکر کی طرف دیکھا۔ وہ ان کے مقامِ علم سے بھی بے خبر تھا اور اس بتِ خاص سے بھی جو انہیں نظام شاہ کی قربت کے سبب حاصل تھی۔ "تم بھی جو کہنا چاہتے ہو، کہہ الو۔" سلطان محمود کے لہجے سے بڑی بے دلی اور بے یقینی کا اظہار ہو رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ سلطانِ معظم نے خلیفۂ بغداد اور اس کے محلات کو اپنے کوہ پیکر ہاتھیوں کے

ذریعے روند ڈالنے کی دھمکی دی تھی۔" خواجہ ابوبکر قہستانی نہایت باوقار لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر بول رہے تھے۔

"اس لئے ممکن ہے کہ خلیفہ قادر باللہ عباسی نے جنابِ والا کی اسی دھمکی کے جواب میں سورۂ فیل کی طرف اشارہ کیا اور ان حروفِ مقطعات سے الم ترکیف فعل ربک باصحاب الفیل (کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا) مراد ہو۔"

جیسے ہی خواجہ ابوبکر قہستانی کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے، سلطان محمود پر ناقابلِ بیان دہشت طاری ہوگئی۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے۔ والیٔ غزنی بہت دیر تک اہلِ دربار کی موجودگی میں روتا رہا، پھر جب اُس کی وحشت کم ہوئی اور دل کا غبار ڈھل گیا تو بے اختیار ہو کر تخت سے نیچے اُتر آیا۔

"اللہ میرے اس گناہِ عظیم کو معاف کرے کہ میں شیطان رجیم کی روش پر چلتے ہوئے بڑا غرور کر بیٹھا تھا۔ اور تم بھی مجھے معاف کر دو میرے بھائی! کہ میں نے تمہاری بڑی تحقیر و تضحیک کی تھی اور میں محترم خلیفہ قادر باللہ عباسی کے نام بھی معافی نامہ تحریر کروں گا۔" والیٔ غزنی کا لہجہ اس قدر پُرسوز تھا کہ سفیرِ بغداد کے ساتھ اہلِ دربار کی آنکھیں بھی نم ناک ہوگئی تھیں۔

پھر اسی وقت سلطان محمود نے عباسی خلیفہ کے نام معافی نامہ تحریر کیا اور سفیر کو انتہائی بیش قیمت تحائف دے کر بغداد روانہ کر دیا۔ اس کے بعد خواجہ ابوبکر کو اپنے ہاتھ سے قیمتی خلعت پہنائی اور انہیں اپنے خاص امراء کے حلقے میں شامل کر لیا۔

خواجہ ابوبکر قہستانی نے ایک موقع پر یہی واقعہ نظام شاہ کے سامنے بیان کر دیا تھا، جسے سن کر شیخ بہت دیر تک روتے رہے تھے اور پھر انہوں نے دستِ دعا بلند کرتے ہوئے بڑے جاں گداز لہجے میں فرمایا تھا۔

"اے اللہ! ہر مشکل مرحلے پر محمود کی دستگیری فرمانا اور اسے اس کے نفس کے حوالے نہ کر دینا کہ وہ بہت نادان اور محتاج ہے۔"

اور آج بہت دن بعد نظام شاہ نے اسی واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ اللہ اپنے بندوں کے دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔

احمد سالار اپنے شیخ اور والیٔ غزنی کے درمیان ہونے والی گفتگو کو بڑی حیرت سے سن رہا تھا اور غزنی سے دُور رہنے کے سبب یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ نظام شاہ کا اشارہ کس طرف ہے۔

سلطان محمود بہت زیادہ پشیماں نظر آ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شیخ، خلیفۂ بغداد سے ہونے والی مراسلت سے بے خبر ہوں گے۔ مگر جب نظام شاہ نے در پردہ اس واقعے کی طرف اشارہ کیا تو والیٔ غزنی بے قرار نظر آنے لگا۔

"فرزند! کیا تمہارے جاہ و جلال کے مظاہرے کے لئے صرف بغداد کی شکستہ و بیمار خلافت ہی رہ گئی تھی؟" نظام شاہ کے لہجے میں بڑا کرب تھا۔ "اور کیا تم ان کوہ پیکر ہاتھیوں کو اس لئے پرورش کر رہے ہو کہ اپنے ہی ایک ہم عقیدہ بھائی کے محلات کو مسمار کر ڈالو؟"

بغداد کے سلسلے میں رونما ہونے والے واقعے کا ایک ایک گوشہ نظام شاہ پر روشن تھا۔ یہ جان کر والیٔ غزنی کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا اور اب وہ نظام شاہ کے حضور اپنے آپ کو ایک بڑا مجرم سمجھ رہا تھا۔

"شیخ! میں فوراً ہی اپنے اس گناہ سے تائب ہوگیا تھا۔" محمود نے انتہائی شرمسار لہجے میں کہا۔ "اور

نے اسی وقت خلیفۂ بغداد کے نام معافی نامہ بھی تحریر کر دیا تھا۔"

"تم مجھ سے ایلک خان کی خود غرضی اور بے وفائی کا شکوہ کر رہے تھے مگر کبھی تم نے اپنے اس مانہ عمل پر بھی غور کیا؟" نظام شاہ کے لہجے میں والیٔ غزنی کے لئے سخت تنبیہ بھی شامل تھی اور ایک ودہ حسرت بھی۔

والیٔ غزنی ایک مردِ قلندر کے سوال کا کیا جواب دیتا۔ بارِ ندامت سے اس کا سر جھک گیا۔

"فرزند! میں اس حقیقت سے باخبر ہوں کہ تمہیں میری بار بار مداخلت گراں گزرتی ہے اور مجھ ناکارہ ے کی فرمائش سے تمہارے توسیعِ اقتدار کے منصوبے متاثر ہوتے ہیں۔" نظام شاہ کے لہجے سے دل کا جھلک رہا تھا۔ "مگر زیادہ پریشان نہ ہو کہ یہ کچھ دنوں کی بات ہے۔ پھر تم سے اس لہجے میں بات نے والا دُور دُور تک نہ ہوگا۔ ہر طرف تمہارے جاہ و جلال کے آگے جھکے ہوئے سر ہوں گے، تمہارے ے سامنے کٹی ہوئی زبانیں ہوں گی، تمہارے اقتدار و جبروت کے روبرو سہمے ہوئے زرد چہرے ہوں بس آئینہ خانۂ ہستی میں تمہاری ہی ذات ہوگی اور اس کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔"

والیٔ غزنی نے گھبرا کر سر اٹھایا۔ اس نے آج تک نظام شاہ کو ایسی عجیب حالت میں پہلے کبھی نہیں ھا تھا۔

"اور ایک بات پورے ہوش و حواس کے ساتھ سن لو! ممکن ہے کہ کل تمہیں یہ بات سمجھانے والا اس یا میں کوئی دوسرا موجود نہ ہو۔" نظام شاہ نے ایک مختصر سے وقفۂ سکوت کے بعد کہا۔ "فرزند! تم نے بہت ا کیا کہ خلیفۂ بغداد سے بروقت معافی مانگ لی۔ اگر تم ایسا نہ کرتے تو ایلک خان کے گھوڑے غزنی کو ڈالتے۔"

"شیخ! میں اپنے اس فعل پر بہت شرمندہ ہوں۔" شدید احساسِ ندامت سے والیٔ غزنی کا سرخ چہرہ ال ہو کر رہ گیا تھا۔

"کاش! تُو نے خلیفۂ بغداد کو تنبیہ کرنے کے بجائے حاکمِ گجرات کے دربار میں سفیر بھیج کر بت وں کے سامنے اپنے قہر و جلال کا مظاہرہ کیا ہوتا کہ اگر سومنات کو غزنی کے حوالے نہ کیا گیا تو پھر ے کوہ پیکر ہاتھی ایک ایک سنگی دیوار کو مسمار کر دیں گے اور ایک ایک آہنی قلعے کو روند ڈالیں گے۔" شاہ نے اس طرح آہِ سرد کھینچی جیسے کوئی تیز نشتر ان کے دل میں اُتر گیا ہو۔

"میں ایسا ہی کروں گا شیخ......!" سلطانِ غزنی نے مضطرب ہو کر کہا۔ "آپ کے جلالِ روحانی کی ایسا ہی کروں گا۔"

"مت کھا مجھ گناہ گار کی قسم۔" نظام شاہ نے محمود کو سختی سے ڈانٹ دیا۔ "دولت و اقتدار نے تجھے ب کاری سکھا دی ہے۔ جب شکست کے قریب پہنچ جاتا ہے تو مجھ سے دعاؤں کی درخواست کرتا ہے جب دشمنوں کی لاشوں پر اپنی فتح و نصرت کے پرچم گاڑ دیتا ہے تو سب کچھ بھول جاتا ہے، کوئی وعدہ ں رہتا۔ جاں نثاروں کی وفا پر شک کرتا ہے، انہیں حاسد اور اقتدار پرست کہہ کر پکارتا ہے۔ جو تیری ر چلتے چلتے راکھ ہوگئے، ان کے سامنے اپنے جاہ و جلال کے مظاہرے کرتا ہے۔"

والیٔ غزنی کی وحشت و اضطراب میں مزید اضافہ ہوگیا تھا۔ نظام شاہ نے شدتِ کرب میں نگار خانم اتھ کی جانے والی بدسلوکیاں بھی بیان کر دی تھیں۔

"تُو میرا بت شکن نہیں رہا۔" روح کی اذیت برداشت نہ ہو سکی تو نظام شاہ رونے لگے۔ "میں نے جس کی تابناک جوانی کے لئے اپنی ایک ایک سانس لکھ دی، اسے حرص و ہوس کے تاجر میری نظروں کے سامنے اُٹھا کر لے گئے اور میں کچھ نہ کر سکا۔ نظام شاہ! تیری بدقسمتی پر ہزار بار افسوس کہ تُو بڑھاپے میں بے اولاد ہو گیا۔" جو مردِ قلندر، آفات و مصائب کے پہاڑ ٹوٹنے پر بھی مسکرایا کرتا تھا، آج اس کے لہجے میں مرثیہ خوانی کا گمان ہوتا تھا۔

اپنے روحانی باپ کی یہ حالتِ اضطراب دیکھ کر احمد سالار کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اُس میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ وہ نظام شاہ کے روبرو چند تسکین آمیز کلمات ہی ادا کر سکے۔

"شیخ! ابھی میں زندہ ہوں۔" والئ غزنی کی زبان سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے۔ "ابھی آپ کا فرزند محمود زندہ ہے۔ پھر آپ لاوارث کیسے ہو سکتے ہیں؟"

"بے شک! تُو زندہ ہے۔" نظام شاہ کی فریاد کی لے تیز تر ہو گئی تھی۔ "مگر تُو نے بت فروشوں کی ادائیں سیکھ لی ہیں۔"

"شیخ! میں بت فروش نہیں ہوں۔ یہ محض آپ کی بدگمانی ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔" سلطان محمود نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔

"جس نے تمام عمر اپنے دشمنوں سے بھی حُسنِ ظن رکھا تو اس پر بدگمانی کی تہمت تراش رہا ہے۔" نظام شاہ کے لہجے میں ناکام حسرتوں کی تپش تھی۔ "تُو جھوٹ بولتا ہے محمود! میرا وہ بت شکن تو مر گیا۔ اُس کی ایک مسکراہٹ پر میں نے زندگی بھر کی کمائی لٹا دی تھی اور اپنی ساری ریاضتیں جس کے نام کر دی تھیں، وہ بت شکن تو سیم و زر کے ملبے میں دب کر ہلاک ہو گیا۔ تُو تو سلطانِ غزنی ہے......دنیا کا بڑا فاتح...... کثرتِ افواج پر نازاں......تاج و تخت کا مالک......زرخیز زمینوں کا اجارہ دار، سبکتگین کا بیٹا......تُو امیر ابنِ امیر اور میں گلی کوچوں کا بھکاری۔ تجھ سے میرا کوئی رشتہ نہیں۔" یہ کہہ کر نظام شاہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔

سلطان محمود نے مردِ قلندر کے تیوروں کو پوری شدت سے محسوس کر لیا تھا۔ اس لئے وہ بھی گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔

"محمود! میں تجھے تیرے عہد کی زنجیروں سے آزاد کرتا ہوں، اب تیری ذات پر میرا کوئی قرض نہیں۔" نظام شاہ کے بہتے ہوئے آنسو رک گئے تھے اور لہجے میں وہی ٹھہراؤ آ گیا تھا۔ "آج میں تیری مملکت چھوڑ کر جا رہا ہوں، کل کفن پہن کر دنیا سے چلا جاؤں گا اور اپنے خالق کی بارگاہِ کرم میں حاضر ہو کر عرض کروں گا، اپنے گناہ گار و عاجز بندے نظام شاہ کو معاف کر دے۔ وہ اپنی آخری سانس تک تیری وسیع و عریض زمین پر چیختا پھرا، مگر اس کی صدا سننے والا کوئی نہیں۔"

اب محمود کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ جلالِ سلطانی کو بالائے طاق رکھ کر ایک سعادت مند بیٹے کی طرح روٹھ جانے والے باپ کو بلا تاخیر منانے کی کوشش کرے، ورنہ اگر نظام شاہ اس کی حدودِ مملکت سے نکل کر چلے جاتے تو سرزمینِ غزنی ایک بڑی سعادت سے محروم ہو جاتی۔ پھر سلطان نے ایسا ہی کیا۔ وہ شدید عالمِ اضطراب میں آگے بڑھا اور نظام شاہ کے قدموں سے لپٹ گیا۔

"شیخ! میں گناہ گار سہی، مگر پھر بھی آپ سے ایک نسبتِ خاص رکھتا ہوں۔" سلطانِ غزنی کسی معصوم

بچے کی طرح مچل اُٹھا تھا۔ "میری کوتاہیوں اور لغزشوں کی گرفت نہ کیجئے کہ میں اوّل و آخر ایک کمزور اور ناپرست انسان ہوں۔ آپ کا سا اندازِ قلندری کہاں سے لاؤں کہ آپ سید امیر علی شاہ جیسے مردِ کامل کے روحانی فرزند ہیں اور میں ایک دنیا دار شخص سبکتگین کا بیٹا محمود ہوں۔ دونوں میں کیا تقابل ہے؟ واللہ! کوئی مناسبت ہی نہیں۔ کہاں فلک کی بلندیاں اور کہاں زمین کی پستیاں؟ میں تو پہچانا ہی آپ کے حوالے سے جاتا ہوں۔ اگر مجھ سے آپ کا یہ حوالہ چھن گیا تو پھر میں کیا اور میری پہچان کیا؟" سلطان محمود بے اختیار رونے لگا تھا۔

"شیخ! اگر دنیا کو میری ذات میں کوئی خوبی نظر آتی ہے تو وہ آپ کے فیضِ صحبت کا دُھندلا سا عکس ہے...... ورنہ نگاہِ انسانیت میں میرا اعتبار ہی کیا؟ دولت و اقتدار کی کوکھ سے پیدا ہونے والا بے شمار درندوں کی طرح میں بھی ایک درندہ ہوتا۔ حق تعالیٰ کی بے شمار اور بے مثال رحمتوں کی قسم! میں انسانوں کا گوشت نہیں کھاتا اور آدم زادوں کا خون نہیں پیتا۔ مجھے آپ کی دعاؤں اور تربیت نے درندگی کے حصار سے باہر نکال کر شاہراہِ آدمیت پر گامزن کیا ہے۔ مگر شیخ! ابھی کسی طفلِ کمسن کے مانند میرے قدم لڑکھڑا رہے ہیں۔ ابھی تو میں نے جواں مردوں کی طرح چلنا بھی نہیں سیکھا ہے۔ پھر ایسے نازک وقت میں آپ مجھے چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟" نظام شاہ کے قدموں پر سلطانِ غزنی کے ہاتھوں کی گرفت کچھ اور مضبوط ہو گئی تھی۔ "شیخ! مجھے منصبِ ولایت پر فائز کر کے میرا امتحان نہ لیجئے کہ ذرا سی غلطی ہوئی تو راندۂ درگاہ قرار دے دیا گیا۔ میں کوئی خلیفۂ راشد نہیں کہ بیک جنبشِ نظر بت خانۂ حرص و ہوس کو مسمار کر کے اس زمین پر نیابتِ الٰہی کا اعزاز حاصل کر لوں۔ میں اپنی کمزوری کا اعتراف عجز و انکسار کے طور پر نہیں کرتا۔ شیخ! میں واقعتاً میں بہت بے وسیلہ اور ناتواں شخص ہوں۔ آپ کو خالقِ بے نیاز کا واسطہ! کبھی ایک نظر میری مجبوریوں پر بھی کیجئے کہ میں برسوں سے دولت و اقتدار کے بتوں کے درمیان کھڑا ہوں اور گناہوں کے یہ بے جان مجسمے میری زندہ و تابندہ روح کو مسلسل بت پرستی کا سبق دے رہے ہیں۔ میں شدید اذیت، کشمکش اور حیرت میں مبتلا ہوں، میرے بیمار وجود کے مسیحا!" آج سلطان محمود نے اپنے روحانی باپ سے کوئی پردہ داری نہیں کی تھی۔ والئ غزنی پوری سچائی کے ساتھ اس معرکۂ خیر و شر کو بیان کر رہا تھا، جو اس کی اپنی ذات کے اندر برپا تھا۔ "شیخ! اگر آپ بھی مجھے چھوڑ کر چلے گئے تو میں ان بتوں کے ہجوم میں ...ہارہ جاؤں گا۔ پھر ایک دن یہی بت مجھ پر گر پڑیں گے اور ساری دنیا چیخ چیخ کر کہے گی کہ نظام شاہ کا ...ب فرزند ہلاک و برباد ہو گیا۔"

والئ غزنی بڑے جانگداز لہجے میں اپنی کمزوریوں اور مجبوریوں کی داستان سنا رہا تھا۔ نظام شاہ جیسا صاحبِ درد انسان اس لہجے کی خلش کو برداشت نہ کر سکا۔ پھر وہ مردِ قلندر بے قرار ہو کر جھکا اور سلطان محمود کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔

"اُس ذاتِ جلیل کی قدرتِ لازوال کی قسم! جو ایک لمحے میں بڑے بڑے زور آوروں کی سانسیں سلب کر لیتا ہے اور جو مُردہ جسموں میں دوبارہ جان ڈال دیتا ہے اور جو قیامت کے دن ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جانے والی ہڈیوں کو پھر سے مجسم کر دے گا، تُو اسی قادرِ مطلق کے سایۂ کرم میں ہے۔ تجھے بربادی و زوال کے ہاتھ چھو بھی نہیں سکتے۔" نظام شاہ، اشکبار آنکھوں کے ساتھ والئ غزنی کو تسلیاں دے رہے تھے

''ایک بیٹے کے لئے اس سے بڑی ہلاکت کیا ہوتی کہ باپ اس سے ترک تعلق کر لے۔ یہاں تک کہ گھر کی چار دیواری سے بھی نکل کر چلا جائے۔'' محمود کے بہتے ہوئے آنسو اس کے رخساروں سے گزر کر سینے کو بھگو رہے تھے۔ ''پھر اس کے بعد کیا باقی رہ جاتا ہے شیخ! بس یہی کہ اس زمین پر بسنے والے بلند آوازوں کے ذریعے حقیقت کا اظہار کریں یا زیرِ لب کہیں کہ وہ جا رہا ہے سلطان محمود غزنوی، نظام شاہ کا معتوب و لعنت زدہ فرزند......اور بت فروش بیٹا۔''

''نہیں میرے بچے! ایسا کبھی نہیں ہوگا۔'' شدتِ جذبات سے مغلوب ہو کر نظام شاہ نے اپنے خشک ہونٹ محمود کی پیشانی پر رکھ دیئے۔ ''یہ تو بس تیری آزمائش تھی، مگر اللہ کا شکر ہے کہ تُو اس امتحان میں کامیاب ہو گیا۔ میں یہی سمجھتا تھا کہ یہ بت فروش میرے بیٹے کو بھی اُٹھا کر لے گئے ہیں اور حرص و ہوس کے ان تاجروں نے زر و جواہر کے انبار کے عوض میرے بت شکن کے ضمیر کو خرید لیا ہے لیکن تیرے طرزِ عمل سے اندازہ ہوا کہ تُو نے ابھی اس فقیرِ بے سر و ساماں سے اپنے دل کا رشتہ نہیں توڑا ہے۔'' نظام شاہ نے والیٔ غزنی کا آنسوؤں سے بھیگا ہوا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان لے لیا۔ ''فرزند! میرا خیال تھا کہ تُو مجھے اپنے اقتدار کی بستی سے چپ چاپ چلا جانے دے گا، نہ میرا دامن پکڑے گا اور نہ مجھے منانے کی کوشش کرے گا۔ مگر ابھی تیرے سینے میں عشق کی کوئی چنگاری باقی رہ گئی ہے اور اسی چنگاری نے تیرے غرور اور جاہ و جلال کو جلا ڈالا اور پھر اپنے شکستہ حال باپ کے ناتواں قدموں سے لپٹ جانے پر مجبور کر دیا، مجھے تیری مجبوری کی یہ ادا بہت اچھی لگی۔ تُو نے مجھ سے سلطان کے لہجے میں نہیں، محمود کی زبان میں گفتگو کی۔ وہ محمود، جس نے میرے سامنے بولنا سیکھا، لڑکھڑاتی زبان، ٹوٹ ٹوٹ جانے والے الفاظ، معصومانہ خوف، گھبراہٹ اور شرم۔ مجھے سب کچھ یاد ہے میرے بچے!'' نظام شاہ نے ماضی کا ذکر چھیڑا تو والیٔ غزنی کی آنکھیں ایک بار پھر اشکوں سے بھر گئیں اور اس نے بے قرار ہو کر دوبارہ مردِ قلندر کے سینے پر اپنا سر رکھ دیا۔ ''فرزند! میں نے تو تجھے اپنی زبان میں بولنا سکھایا تھا، مگر تُو نے خلیفۂ بغداد قادر باللہ عباسی سے فرعون اور ابرہہ کے لہجے میں گفتگو کیوں کی؟' نظام شاہ نے بڑی شفقت سے والیٔ غزنی کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

سلطان نے گھبرا کر سر اُٹھایا اور انتہائی خجالت آمیز انداز میں نظام شاہ کی طرف دیکھنے لگا۔

''کیا تُو نہیں جانتا کہ قادر باللہ کون ہے؟'' نظام شاہ کی آواز دھیمی تھی مگر لہجے سے جلالِ روحانی کا اظہار ہو رہا تھا۔ ''وہ سرورِ کونین ﷺ کے محترم چچا حضرت عباسؓ کا وارث ہے۔ سیاسی اعتبار سے کمزور و ناکام سہی مگر خاندانِ رسول کریمؐ سے ایک نسبت تو رکھتا ہے۔ تُو نے اسی رشتے اور اسی حوالے سے قادر باللہ کا احترام کر لیا ہوتا۔''

''شیخ! میں نے نہ صرف خلیفۂ بغداد سے اپنے اس جارحانہ عمل کی معافی مانگی تھی بلکہ اس کے سفیر کی خدمت میں بھی معذرت پیش کر دی تھی۔'' والیٔ غزنی نے نہایت شرمسارانہ لہجے میں کہا۔

''میں تجھے سلامتی کے ساتھ جینے کی ادا سکھا رہا ہوں فرزند!'' نظام شاہ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''خلیفۂ بغداد تو خیر بہت عالی نسب حکمران ہے، میں تو چاہتا ہوں کہ تُو ہر عاجز و مجبور انسان سے جھک کر بات کرے کہ بندے کا یہ انکسار اُسے اللہ کے قہر سے بچا لیتا ہے، ورنہ اس قہار و جبار کے غیظ و غضب کے سامنے اس پوری کائنات کی کیا حیثیت ہے۔ بس اس نے ایک نگاہ کی اور سب کچھ

جل کر راکھ ہو گیا۔ سب کے وجود عدم سے مل گئے اور ہیبت و جلال کے تمام قد آور مجسمے اس طرح ٹوٹ کر بکھرے کہ پھر ان کے ذرّوں کا بھی شمار نہ ہو سکا۔''

نظام شاہ کی گفتگو سن کر والیٔ غزنی کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا تھا۔

''تجھے کیا خبر کہ کتنی راتیں تیری عافیت کے لئے دعائیں مانگتے گزر گئی ہیں۔'' ایک بار پھر سوزِ دروں سے نظام شاہ کا لہجہ جل اُٹھا تھا۔ ''میں تجھے چھوڑ کر کہاں جا سکتا ہوں کہ تُو ہی میری منزلِ مراد ہے اور تُو ہی میری نا آسودہ زندگی کا خواب۔ تجھے کوئی نہیں توڑ سکتا میرے بیٹے! یہاں تک کہ تیرا کبر و غرور ہی تجھے نہ توڑ ڈالے......اور یاد رکھ! کہ اگر تُو ٹوٹ کر بکھر گیا تو نظام شاہ کا وجود بھی شکستہ ہو کر فنا کے ریگزار میں گم ہو جائے گا۔''

والیٔ غزنی بہت دیر تک نظام شاہ سے اپنی لغزشوں کی معافی مانگتا رہا۔ یہاں تک کہ مردِ قلندر کا دل پگھل گیا اور نظام شاہ دوبارہ مجلسِ سلطانی میں خوش دلی کے ساتھ بیٹھ گئے۔

یہ بڑے سنگین لمحات تھے، جن کی ہولناکی کا اندازہ کر کے احمد سالار کسی خزاں رسیدہ زرد پتے کی طرح کانپ رہا تھا مگر جب یہ تباہ کار ساعتیں بہ عافیت گزر گئیں تو اس نے اس طرح چین کا سانس لیا کہ جیسے کوئی انسان موت کے دہانے میں داخل ہو کر معجزانہ طور پر زندگی کی طرف لوٹ آیا ہو۔

❀❀❀❀❀

جب نظام شاہ کے ہونٹوں پر وہی دلنواز تبسم دوبارہ اُبھر آیا اور خلوت گاہِ سلطانی میں ایک مردِ قلندر کی حالتِ جمال کے رنگ بکھر گئے تو احمد سالار نے والیٔ غزنی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''سلطانِ معظم! سومنات کے حوالے سے اہلِ ہند کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ والیٔ غزنی نے لمغان (پشاور) کے صنم خانے میں جن بتوں کو توڑا ہے، سومنات ان سے ناراض تھا۔ اس لئے وہ پتھر کے مجسمے ضربِ سلطانی سے ریزہ ریزہ ہو گئے۔ اگر سومنات ان بتوں سے خفا نہ ہوتا تو سلطان محمود کی کیا مجال تھی کہ وہ ادھر کا رخ کرتا۔''

احمد سالار کی زبانی یہ عجیب انکشاف سن کر والیٔ غزنی کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا مگر وہ کچھ بولا نہیں۔

''سومنات کے پجاری برہمنوں سے لے کر گجرات کے عام باشندے تک با آواز بلند یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ اگر والیٔ غزنی نے سومنات کے پسندیدہ بتوں اور ہندو حکمرانوں کو بری نگاہ سے دیکھا تو پتھر کا یہ قد آور مجسمہ چشم زدن میں سلطان کو ہلاک کر ڈالے گا۔''

احمد سالار کا خیال تھا کہ ہنود کی یہ تحقیر آمیز گفتگو سن کر محمود کے غضب کی آگ پوری شدت کے ساتھ بھڑک جائے گی، مگر وہ اس وقت حیران رہ گیا جب والیٔ غزنی کے ہونٹوں پر ایک عجیب سا تبسم اُبھر آیا تھا۔

''بے جان پتھر کا یہ ٹکڑا اپنے پرستاروں سے میرے بارے میں اور کیا کیا کہتا ہے؟'' سلطان نے بڑے شگفتہ لہجے میں احمد سالار سے پوچھا۔

''سومنات نے اپنے کئی پجاری برہمنوں کو حالتِ خواب میں یہ خوشخبری سنائی ہے کہ اگر سلطان محمود نے دوبارہ ہندوستان پر حملہ کیا تو ایک عبرتناک شکست کے بعد......'' احمد سالار اُس کے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ یکایک اُس کی زبان لڑکھڑانے لگی تھی۔

''کہہ ڈالو میرے عزیز! سب کچھ کہہ ڈالو۔ تم کیوں گھبراتے ہو؟'' محمود کے ہونٹوں پر بکھری ہوئی

مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوگئی تھی۔

”خاکم بدہن..... گجرات کے برہمن کہتے ہیں...... کہ....... عبرت ناک شکست کے بعد........ سلطان اس حالت میں مارے جائیں گے....... کہ ان کی پشت میدانِ جنگ کی طرف ہوگی۔“ احمد سالار کی زبان سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے۔

”یہ تو اللہ ہی جانتا ہے کہ حیات و موت اور فتح و شکست اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔“ اب محمود بہت زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگا تھا۔

”سومنات کی طرف سے دی جانے والی اس خوشخبری کے ساتھ ہندوستان کے بہت سے نجومی بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر سلطان دیوتاؤں کی اس مقدس سرزمین پر آئندہ پھر کبھی حملہ آور ہوئے تو وہ ان کی زندگی کی آخری یلغار ہوگی۔“ احمد سالار نے توہم پرستوں کی ایک اور پیش گوئی کا انکشاف کرتے ہوئے کہا۔

والئ غزنی خاموش تھا، مگر اُس کی سنجیدگی میں مزید اضافہ ہوگیا تھا۔

”سلطانِ ذیشان! مجھے یاد آیا۔“ احمد سالار نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”گجرات میں سومنات کے حوالے سے یہ بات بھی مشہور ہے کہ پتھر کا وہ طویل و عریض مجسمہ راجہ جے پال، راجہ انند پال اور راجہ بجے راؤ سے بھی ناراض تھا۔ اسی وجہ سے راجہ جے پال اور راجہ بجے راؤ نے نہ صرف شکست کھائی بلکہ ذلت آمیز موت سے بھی دوچار ہوئے۔ اب راجہ انند پال کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ وہ اپنے گناہوں سے تائب ہوگیا ہے اور اس نے بڑی عاجزی کے ساتھ سومنات کی عظمتوں کے آگے اپنا سر جھکا دیا ہے۔ اس لئے انند پال کی حکومت زوال کے تمام تر خطرات سے محفوظ ہوگئی ہے اور سومنات کے آشیرواد کے باعث اسے آئندہ کوئی مسلمان حکمران شکست و رُسوائی سے ہمکنار نہیں کر سکتا۔“

والئ غزنی کے ہونٹوں پر مُہرِ سکوت برقرار تھی اور وہ بہت غور سے احمد سالار کی باتیں سن رہا تھا۔

”سلطانِ ذی وقار! میں ہندوستان کے جس شہر سے بھی گزرا ہوں، وہاں والئ غزنی کی ہلاکت و بربادی کے لئے خصوصی دعائیں کی جاتی ہیں۔“ احمد سالار نے ایک اور عجیب انکشاف کرتے ہوئے کہا۔ ”دیوتاؤں کے تمام پرستار اپنے اپنے علاقے کے مندروں میں جمع ہو جاتے ہیں اور پھر کسی بڑے پروہت یا پنڈت کی نگرانی میں ناقابلِ فہم منتر پڑھے جاتے ہیں، پھر بہت دیر تک یہ خصوصی پرارتھنا کی جاتی ہے کہ سارے دیوتا مل کر سلطان محمود کو ہلاک کر ڈالیں۔ یہ خصوصی پرارتھنا ایک طویل عرصے سے کی جا رہی ہے اور اب اپنی دعاؤں کا اثر دیکھنے کے لئے پتھر کے پجاری، والئ غزنی کی مرگِ ناگہاں کا انتظار کر رہے ہیں۔“

ایک بار پھر سلطان محمود کے ہونٹوں پر وہی استہزائیہ مسکراہٹ اُبھر آئی اور وہ بڑے بے نیازانہ انداز میں لب کشا ہوا۔ ”اپنے شیخ کی وجہ سے سومنات پر لشکر کشی تو پہلے ہی میرے لئے فرض کا درجہ اختیار کر گئی تھی، مگر اب تمہاری زبانی معلوم ہوا کہ مجھ پر بت پرستوں کا بھی کوئی قرض نکل آیا ہے...... اور یہ قرض اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں سومنات کی دی ہوئی بشارت، برہمنوں کے پڑھے جانے والے منتر اور اپنی ہلاکت کے بارے میں کی جانے والی نجومیوں کی پیش گوئیاں ان ہی کے منہ پر اُلٹ ماروں۔ اس ذاتِ بے نیاز کی قسم! جس نے اس بندۂ عاجز محمود کے خالی دامن کو انواع و اقسام کی نعمتوں سے لبریز کر دیا؟“

اپنی جان پر بت پرستوں کا کوئی قرض باقی نہیں رہنے دے گا۔“ یہ کہتے کہتے سلطانِ غزنی کے چہرے پر آتشِ جلال بھڑک اُٹھی تھی۔ پھر اس نے اپنی نشست کا زاویہ تبدیل کرتے ہوئے چہرے کا رخ ارضِ پنجاب کی طرف کر دیا اور با آواز بلند پکار کے کہا۔ ”اے پتھر کے حقیر ٹکڑے سومنات! اور اے ہندوستان کی زمین پر بسنے والے توہم پرستو! میرا انتظار کرو۔ میں پابہ رکاب ہوں اور بس آیا ہی چاہتا ہوں۔ کچھ دن اور...... ہاں! بس کچھ دن اور...... پھر میرے اور تمہارے درمیان سود و زیاں کا کوئی حساب باقی نہ رہے گا۔“

پھر جب والئ غزنی کی جذباتی کشیدگی کسی قدر کم ہوئی تو احمد سالار نے گجرات کی سنگ دلانہ سیاست اور وحشیانہ نظامِ حکومت کا ایک اور گوشہ بے نقاب کرتے ہوئے کہا۔

”شاید سلطانِ محترم اس حقیقت سے باخبر نہیں کہ گجرات کے علاقے میں بھی سینکڑوں مسلمان آباد ہیں۔“

اس انکشاف پر والئ غزنی چونک اٹھا۔ ”کیا ارضِ گجرات کے سینے پر بھی میرے کلمہ گو بھائیوں کے قدم پڑ چکے ہیں؟“ سلطان محمود کے لہجے سے حیرت و استعجاب کے ساتھ دلی مسرت کا بھی اظہار ہو رہا تھا۔

”مسلمان تو پہلی صدی ہجری ہی سے بغرضِ تجارت ایران، ہند، سندھ، لنکا اور چین کے ساحلوں پر آتے جاتے تھے۔“ احمد سالار نے گجرات میں مسلمانوں کے داخلے کی مختصر تاریخ بیان کرتے ہوئے کہا۔ ”پھر ہندو راجہ ولبھ رائے کے دورِ حکومت میں بہت سے مسلمان وہاں آباد ہوگئے۔ یہ بت پرست حکمران فطرتاً رحم دل تھا، اس لئے ہندو رعایا کے ساتھ مسلمان بھی راحت و سکون کی زندگی بسر کرتے رہے۔ مگر جب راجہ ولبھ رائے کا انتقال ہوا اور راجہ کھیم راج چاوڑا برسرِ اقتدار آیا تو اہلِ اسلام پر آہستہ آہستہ گجرات کی زمین تنگ ہوتی چلی گئی۔ کھیم راج چاوڑا انتہائی متعصب اور سفاک حکمران تھا۔ اس نے آداب سفارت کو نظر انداز کرتے ہوئے عربوں کے اس جہاز کو بھی لُوٹ لیا تھا جو لنکا کے ہاتھی اور بہترین عربی گھوڑے لے کر سومنات آیا تھا۔ کھیم راج چاوڑا بڑی بے حیائی کے ساتھ ان سمندری لٹیروں کی بھی پشت پناہی کرتا تھا، جو عربوں اور دیگر ممالک کے تاجرانہ جہازوں پر ڈاکے ڈالتے تھے اور پھر مندر میں آکر مقدس پجاری بن جاتے تھے۔ چاوڑا کے بعد گجرات کا ہر فرمانروا اپنے پیش رو حاکم کی تقلید میں مسلمانوں کو آزار پہنچاتا رہا۔ یہاں تک کہ موجودہ حکمران راجہ بھیم دیو کے دورِ حکومت میں اسلام کے نام لیواؤں کی زندگی ایک دردناک عذاب بن کر رہ گئی۔ سلطانِ ذی حشم! کوئی ان کا پرسانِ حال نہیں۔“ احمد سالار کے لہجے میں دل کا درد جھلک رہا تھا۔ ”ان کے غم زیادہ ہیں اور میرے پاس اظہار کے لئے الفاظ کا سرمایہ بہت کم۔ بس اتنا سمجھ لیجئے کہ وہ اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ کب ستم گروں کے خنجر نمودار ہوں اور جبر و تشدد کی مٹی سے ان کی قبروں کو بند کر دیا جائے۔“ یہ کہتے کہتے آنسو، احمد سالار کی آنکھوں سے بہنے لگے تھے۔

ایک بار پھر خلوت گاہِ سلطانی کی فضا سوگوار ہوگئی تھی۔

”اللہ!“ یکایک نظام شاہ نے آہِ سرد کھینچی، پھر آسمان کی طرف دیکھا مگر درمیان میں سنگِ سرخ کی دیواریں حائل تھیں۔ مردِ قلندر نے سر جھکا لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

سلطان محمود نے گھبرا کر نظام شاہ سے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ ”شیخ! اللہ گواہ ہے کہ میں آج

تک اس کرب ناک حقیقت سے بے خبر تھا۔"

"تیرے علم اور بے خبری سے کوئی فرق نہیں پڑتا محمود!" نظام شاہ نے دوبارہ آنکھیں کھول دیں اور اس طرح والیٔ غزنی کی طرف دیکھا، جیسے مردِ قلندر کا آخری وقت آ پہنچا ہو اور ایک روشن ضمیر کی آنکھوں کے چراغ آہستہ آہستہ بجھتے جا رہے ہوں...... میں تو اپنے اللہ کو پکار رہا ہوں کہ وہی اس ہجوم بے کساں کی خبر گیری کرنے والا ہے۔"

"بے شک! اس کے سوا کوئی کارساز نہیں۔" محمود نے اُداس لہجے میں کہا۔ "پھر بھی میرے حق میں دعا کیجئے کہ میں ان کشتگانِ جور و جفا کو نئی زندگی دے سکوں اور اہلِ ستم کو یہ تنبیہ کر سکوں کہ ارضِ گجرات پر بسنے والے مسلمان لاوارث نہیں ہیں۔ ان کے چارہ ساز و غم گسار عرب میں بھی رہتے ہیں اور عجم بھی ان کے ہمدموں سے آباد ہے..... اور جب تک یہ سارے کلمہ گو زندہ ہیں، اس وقت تک ان کا کوئی دینی بھائی آسمان کی چھت کے نیچے بے اماں اور بے سائباں نہیں ہے۔" یکایک محمود کے لہجے کی اُداسی قہر و غضب میں تبدیل ہو گئی تھی۔ "اور یہ بھی دعا کیجئے کہ میں، راجہ بھیم دیو پر قابو پا جاؤں...... اور اسے اپنی عدالت میں طلب کر کے پوچھوں کہ کیا تُو اُس دن سے نہیں ڈرتا تھا کہ جب ہو پڑے گی ہونے والی اور پھر ظالموں کے لئے کوئی راہِ فرار باقی نہیں رہے گی۔ کاش! یوں ہو جائے کہ میں راجہ بھیم دیو کو مسلمانانِ گجرات کے قدموں پر جھکا دوں۔ پھر وہ ستم گر اُن سے زندگی کی ایک بھیک مانگے...... پھر میں اس کا منہ کالا کر کے اسی کے گلی کوچوں میں پھراؤں..... اور آخر میں اس کی چتا کو آگ لگا دوں.... اور پھر گجرات کا ایک ایک گوشہ میرے نقیبوں کی آواز سے گونج رہا ہو کہ اہلِ اسلام پر ستم ڈھانے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔"

"اللہ تیری دستگیری کرے گا فرزند!" نظام شاہ نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "اگر تُو مظلوموں کی دادرسی کے لئے سمندروں میں بھی اپنے گھوڑے ڈال دے گا تو وہ قادرِ مطلق تیری خاطر ان ناقابلِ عبور آبی راستوں کو بھی پایاب کر دے گا۔ بس تیرے سینے میں جذبۂ صادق لو دیتا رہے۔ ایک بھیم دیو کیا، نہ جانے کتنے بھیم دیو تیری قدم بوسی کے لئے ترس رہے ہیں میرے بیٹے! اپنی ذات کے حصار سے باہر نکل کر تُو دیکھ، ہزاروں سومنات تیرے آگے سرنگوں ہونے کے لئے بے قرار ہیں۔ کاش! تُو اس راز کو سمجھ سکے کہ بت گری بظاہر کتنی بھی سود مند ہو، مگر اس کا انجام ہلاکت خیز ہے...... اور اہلِ دنیا کو کاروبارِ بت شکنی میں کتنا بھی زیاں نظر آئے لیکن اس کا انجام صرف عافیت ہے، سلامتی ہے اور نجات ہے۔"

محمود کا چہرہ جوشِ جذبات سے دمکنے لگا۔ نظام شاہ نے ایک بار پھر اسے بڑی فتح کی بشارت دی تھی۔

"آخر اہلِ ہند، سومنات پر اتنے فریفتہ کیوں ہیں؟" اچانک محمود نے احمد سالار سے پوچھا۔ "جس ملک میں قدم قدم پر بے شمار پتھر کے مجسمے نصب ہوں، وہاں سومنات اتنی اہمیت کیوں اختیار کر گیا ہے؟ جبکہ وہ ان کا دیوتا بھی نہیں، بھگوان کا اوتار بھی نہیں۔"

"اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ خانہ کعبہ کے تمام بت ٹوٹ جانے کے بعد بھی سومنات محفوظ رہا۔" احمد سالار نے والیٔ غزنی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "اگرچہ سومنات کے پجاری اسے اپنے کاندھوں پر اٹھا کر بیت اللہ کی حدود سے باہر لائے تھے اور پھر بحری جہاز کے ذریعہ اس پتھر کے مجسمے کو

ہندوستان پہنچا دیا گیا تھا، لیکن توہم پرست ہندو اس واقعے کو سومنات کی بے پناہ قوت سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ سومنات اپنی لازوال طاقت کے ذریعے ہی اہلِ اسلام کی ضربات سے بچا رہا۔ ورنہ اگر وہ کوئی عام بت ہوتا تو دوسرے بتوں کے مانند خود بھی ٹوٹ کر بکھر چکا ہوتا۔ پھر بت پرستوں کی اسی اندھی عقیدت اور شدید گمراہی نے انہیں سومنات کی عظمتوں کے آگے سر جھکانے پر مجبور کر دیا۔" احمد سالار بڑی وضاحت کے ساتھ سومنات سے وابستہ تاریخ بیان کر رہا تھا۔ "سلطانِ عالی قادر! میں خود بھی کئی ماہ تک اس مندر میں رہ چکا ہوں اور بارہا میری متجسس نظریں سومنات کے خدوخال کا جائزہ کر چکی ہیں۔ بے شک! وہ قیمتی زر و جواہر سے آراستہ ہے لیکن پھر بھی سومنات ایک عام بت کے سوا کچھ نہیں۔ اس کی ظاہری ساخت دوسرے ہزاروں مجسموں کی طرح ہے، مگر گجرات کے برہمنوں نے اپنے کاروبارِ حرص و ہوس کو زندہ رکھنے کے لئے سومنات کو انسانی عقیدت و پرستش کی محراب میں سب سے اونچی جگہ پر سجا دیا ہے۔ اور اس طرح پتھر کا وہ ٹکڑا بے شمار بتوں کے ہجوم میں عظیم تر قرار پایا ہے۔"

یہ کہہ کر احمد سالار چند ساعتوں کے لئے خاموش ہو گیا اور پھر سومنات کے حوالے سے اپنا ایک عجیب و غریب تجربہ بیان کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "سلطانِ معظم! جب میں پجاری کی حیثیت سے مندر میں داخل ہوا اور میری نظرِ سومنات پر پڑی تو میں نے بڑے پجاری سے کہا۔

"آخر اس مورتی میں ایسی کون سی بات ہے کہ لوگ اس کے دیوانے ہو رہے ہیں؟ حالانکہ یہ اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں کر سکتی۔" اگرچہ میں اپنے ظاہری عمل سے اپنے آپ کو ہر قدم پر ایک کٹر ہندو ثابت کر رہا تھا لیکن پھر بھی حالتِ اضطرار میں زبان لڑکھڑا گئی اور میں اپنے عقیدے پر مصلحت کی نقاب نہ ڈال سکا۔"

مندر کا بڑا پجاری میری بات سن کر چونک اٹھا اور اس نے میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے آن کی آن میں چھوٹے پجاریوں کی فوج کو جمع کر لیا اور انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔ "اے سومنات کے نام لیواؤ! اس نووارد کی بات غور سے سنو کہ یہ تمہارے دیوتا کے بارے میں کیسے عجیب و غریب خیالات رکھتا ہے۔"

چھوٹے پجاری جن کی تعداد سو سے زیادہ تھی، میری طرف خونخوار نظروں سے دیکھنے لگے۔ پھر بیک وقت کئی پجاری کسی بھیڑیے کی طرح غرّائے۔ "آخر تُو کیسا ہندو ہے کہ سومنات کی عظمت و تقدس سے انحراف کر رہا ہے؟ کیوں نہ تیری ناپاک زبان کاٹ دی جائے کہ یہی تیرے گناہ کی سزا ہے۔"

میری ایک جذباتی غلطی کی وجہ سے صورتِ حال بہت زیادہ خراب ہو گئی تھی مگر میں نے فوراً ہی اس پر قابو پا لیا۔ "اے سومنات کے مہان پجاری! میں ایک نووارد ہندو ہوں، اس لئے اس دیوتا کو پہچان نہیں سکا۔" میں نے مصلحتاً خوشامدانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے اپنے ہاتھ سے سومنات کے قد آور مجسمے کی طرف اشارہ کیا۔ "تمہیں کیا خبر کہ اس دیوتا میں کیسی کشش ہے اور کیسی وارفتگی کے ساتھ میرا دل اس کی طرف کھنچا جا رہا ہے۔" یہ کہہ کر میں نے سومنات کے پجاریوں کی فوج پر نظر ڈالی۔ میری عقیدت کا حال سن کر ان کی پیشانیوں پر اُبھر آنے والی شکنیں مٹ گئی تھیں، آنکھوں میں بھڑک اُٹھنے والی آگ بجھ گئی تھی اور کشیدہ چہروں پر نرمی آ گئی تھی۔ میں نے پجاریوں کے شکوک و شبہات دُور کرنے کے لئے نئے انداز سے جھوٹ بولا۔ "مجھے بتاؤ کہ سومنات اتنا محترم کیوں ہے؟ میرے سامنے اس کی عظمتوں کا حال بیان کرو تا کہ میں

پورے علم و آگہی کے ساتھ اس کی پوجا کرسکوں۔"

تمام پجاریوں نے میری اس بات کو پسند کیا اور بیک زبان کہنے لگے۔ "آج کی رات تُو اسی مندر میں قیام کر۔ پھر صبح ہوتے ہوتے تجھ پر یہ راز فاش ہو جائے گا کہ سومنات اس قدر محترم کیوں ہے؟"

میری دلی مراد بر آئی اور میں ایک رات کے لئے اسی مندر میں ٹھہر گیا۔ پھر جب صبح ہوئی تو ہزاروں عورتیں اور مرد، سومنات کی پوجا کے لئے مندر میں جمع ہوئے۔ وہ سب کے سب چیخ چیخ کر سومنات سے اپنے دلوں کا حال بیان کر رہے تھے۔ پھر بہت دیر بعد بڑا پجاری اپنی جگہ کھڑا ہوا اور اندھے پرستاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"اے نروان کی تلاش میں بھٹکنے والی بے چین آتماؤ! اور اے سمے کے مارے بدنصیب لوگو! سومنات نے تمہاری پوجا سویکار کر لی اور اب وہ اپنی اپار دیا (لامحدود کرم) کا پردرشن (مظاہرہ) کرنے کے لئے تمہیں اپنا آشیرواد دے گا۔"

بڑے پجاری کا اعلان سن کر میں سنبھل گیا اور پلکیں جھپکائے بغیر سومنات کے بت کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر واقعتاً ایک حیرت انگیز واقعہ رونما ہوا اور میری کھلی آنکھوں نے ایک ناقابلِ یقین منظر دیکھا۔ یکایک سومنات کے دائیں ہاتھ کو حرکت ہوئی اور پھر وہ ہاتھ آہستہ آہستہ اوپر کی طرف اُٹھنے لگا۔ تمام پوجا کرنے والوں کی سانسیں رُک سی گئی تھیں اور میں خود بھی شدید حیرت میں مبتلا رہ گیا تھا۔ پھر سومنات کا اوپر اُٹھتا ہوا ہاتھ سر کی بلندی تک جا کر رک گیا۔

سومنات کا آشیرواد پا کر اندھے پرستاروں کا ہجوم شدتِ جذبات سے رونے لگا اور پھر سادہ دل لوگوں کی بھیڑ سومنات کے سامنے سجدہ ریز ہو کر جے جے کار کرنے لگی۔

"سومنات ہی پرستش کے لائق ہے......اور سومنات ہی لازوال ہے......اور سومنات ہی عظیم تر ہے۔"

میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ مگر پھر بھی میں نے اپنی آنکھیں کھلی رکھیں اور ایک ایک منظر کو بغور دیکھتا رہا۔ پھر کچھ دیر تک سجدے کی حالت میں سومنات کی تعریف کرنے کے بعد تمام پرستار اپنی اپنی جگہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد ایک اور ناقابلِ یقین منظر میری آنکھوں کے سامنے اُبھر آیا۔ سومنات کا اٹھا ہوا ہاتھ آہستہ آہستہ نیچے کی طرف واپس آ رہا تھا۔ اس سے پہلے میں ہندوستان کے کئی مندروں میں جا چکا تھا مگر میری نظروں نے ایک پتھر کے مجسمے کی یہ کرشمہ سازی نہیں دیکھی تھی۔

پھر جب سومنات کے تمام پرستار اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تو مندر کے پجاریوں نے مجھے گھیر لیا اور بڑے فخریہ انداز میں کہنے لگے۔ "تُو نے دیکھا، سومنات کی قدرتِ بے پناہ کا مظاہرہ؟ پورے ہندوستان میں ہے ایسا کوئی دوسرا بت؟......سومنات کی قسم! کوئی بھی نہیں، کوئی بھی نہیں" شدتِ جذبات میں پجاری دیوانہ وار چیخ رہے تھے۔

پھر جب ان کی عقیدتوں کا سیلاب تھم گیا تو مجھ سے تحکم آمیز لہجے میں کہنے لگے۔ "جب دنیا میں سومنات جیسا کوئی دوسرا نہیں تو پھر تُو بھی اس کی عظمتوں کے آگے جھک جا اور اس کے تقدس کو بے اختیار سجدہ کر لے۔"

پجاریوں کا مطالبہ سن کر میں شدید ذہنی کشمکش کا شکار ہو گیا۔ اگر سومنات کو سجدہ کر لیتا تو میری ـانیت پرستی کا عقیدہ داغ دار ہو جاتا اور اگر برہمن پجاریوں کی بات نہ مانتا تو وہ میری طرف سے ـوک ہو جاتے اور جان کے خطرے کے ساتھ ساتھ میرا منصوبہ بھی نامکمل رہ جاتا۔ مجبوراً میں نے ایک ـراہ نکالی اور پجاریوں کو مطمئن کرنے کے لئے آگے بڑھ کر سومنات کے اس ہاتھ کو بوسے دینے لگا جو ـدیر پہلے فضا میں بلند ہوا تھا۔ اس طرح تمام پجاری میری طرف سے مطمئن ہو گئے اور مجھے مستقل طور ـندر میں قیام کی اجازت دے دی گئی۔

پھر وہ بھی وقت آیا، جب میں برہمن پجاریوں کے رازدار حلقے میں شامل ہو گیا اور مندر کا انتظامی ـمجھ پر بہت زیادہ اعتبار کرنے لگا۔ دراصل مجھے اسی دن کا انتظار تھا کہ مندر کے پجاری میری طرف ـغافل ہو جائیں اور میں سومنات کے حرکت کرنے والے ہاتھ کا راز جان سکوں۔ میں پتھر کے مجسمے کی ـپراسرار جنبش کو دیکھ کر کچھ دن تک حیرت زدہ ضرور رہا مگر یہ ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں تھا کہ ایک ـبے جان بت ارادی طور پر اپنے جسم کے ایک حصے کو حرکت دے سکتا ہے۔ آخر میرا یہی تجسس اور اضطراب ـایک خوفناک راستے پر لے گیا۔

ایک دن گجرات میں دیوالی کا تہوار تھا۔ تمام اہلِ شہر چراغاں میں مصروف تھے اور اپنے مذہب کے ـپر کیف و نشاط حاصل کرنے کے لئے جی بھر کے شراب پی رہے تھے اور اسی مدہوشی کے عالم میں جواء ـکھیل رہے تھے۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ اس مخصوص رات میں اگر کسی شخص کو کسی بھی کاروبار میں کوئی ـنفع حاصل ہو جائے تو پھر وہ شخص زندگی بھر ہر شعبے میں نفع حاصل کرتا رہتا ہے۔ اسی نظریے کے تحت ـدوؤں کی ایک بڑی اکثریت اس رات جواء کھیل کر اپنی قسمت آزماتی ہے۔ شراب نوشی کا مقصد بھی یہی ـتا ہے کہ لوگ تمام عمر کیف و سرور سے لبریز زندگی بسر کریں۔ دیوالی کی اس مخصوص رات میں سومنات ـکے پجاریوں نے بھی کثیر مقدار میں بھنگ اور شراب پی تھی، جس کے نتیجے میں وہ سب کے سب اپنے ـاپنے کمروں کے فرش پر بے سدھ پڑے تھے۔ میں نے اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مندر کا ـدروازہ بند کر دیا تاکہ باہر سے آنے والا کوئی پرستار میرے کام میں خلل نہ ڈال سکے۔ میں اس رات ـمنات کے ہاتھ کی حرکت کا راز جاننا چاہتا تھا۔ پھر جب مجھے یقین ہو گیا کہ مندر کی انتظامیہ کا کوئی فرد ـمیری نگرانی نہیں کر رہا ہے تو میں آہستہ آہستہ سونے کے اس مضبوط تخت کی طرف بڑھا جس پر ـمنات کا بت رکھا ہوا تھا۔ اگرچہ کچھ فاصلے سے میں نے سومنات کی مورتی کو بار بار دیکھا تھا لیکن آج ـلی بار مجھے یہ احساس ہوا کہ بت کے پیچھے سونے کی دیوار نہیں بلکہ سنہری پردہ پڑا ہوا ہے۔ پھر میں نے ـدہ ہٹا کر پیچھے جھانکا تو وہاں ایک پجاری بیٹھا ہوا تھا جس کے ہاتھ میں دو سنہری ڈوریاں تھیں اور ان ـوریوں کا سلسلہ سومنات کے بت سے جوڑ دیا گیا تھا۔ مورتی کے حرکت کرنے کا بس یہی ایک راز تھا۔ ـب پجاری ایک ڈوری کو کھینچتا تو سومنات کا ہاتھ فضا میں بلند ہو جاتا تھا اور پھر کچھ دیر بعد دوسری ڈوری ـکے ذریعہ وہی اُٹھا ہوا ہاتھ نیچے آ جاتا تھا۔ ڈوریاں کھینچنے والے پجاری نے مجھے حیرت سے دیکھا اور ـگھرائی زبان میں چیخ کر کہنے لگا۔

"تُو یہاں کیوں آیا ہے؟ تجھ سے پہلے بھی کچھ لوگوں نے یہ راز جاننے کی کوشش کی تھی، مگر وہ سب ـکے سب قتل کر دیئے گئے۔ بس کچھ دیر کی بات ہے، تجھے بھی موت کی گہری نیند سلا دیا جائے گا اور اس

راز پر ہمیشہ پردہ ہی پڑا رہے گا کہ سومنات اپنے ہاتھ کو کس طرح جنبش دیتا ہے؟'' یہ کہہ کر پجاری نے کھڑے ہونے کی کوشش کی مگر فوراً ہی لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑا۔ اپنی مذہبی رسم کے مطابق دوسرے ہندوؤں کی طرح اس پجاری نے بھی بہت زیادہ بھنگ پی رکھی تھی مگر وہ ابھی پوری طرح بے ہوش نہیں ہوا تھا۔

پہچان لئے جانے کے خوف سے میں نے گلا گھونٹ کر اس پجاری کو ہلاک کر دیا اور اسی رات مندر سے فرار ہو کر گجرات کے ایک گمنام علاقے میں چلا گیا۔ پھر وہاں سے نکل کر شہر در شہر ہوتا ہوا غزنی پہنچ گیا۔''

''گمراہیوں کی بھی بڑی عجیب داستان ہے۔'' احمد سالار خاموش ہوا تو والیٔ غزنی نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

''یہ صرف گجرات کے برہمنوں کا کاروبارِ ہوس ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔'' احمد سالار نے جواباً عرض کیا۔ ''وہاں ہر علاقے کی اپنی رسمیں ہیں، اپنے دیوتا ہیں اور اپنا مذہب ہے۔ ہندوستان کے لوگوں نے ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کے لئے بنی نوع انسان کو بڑے عجیب انداز میں فریب دیئے ہیں۔ گجرات ایک زرخیز اور مالدار علاقہ ہے، اس لئے وہاں کا برہمن بھی اپنے آپ کو دوسرے علاقے کے برہمنوں سے برتر سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اہلِ ہند پر سومنات کی عظمت کو ثابت کرنے کے لئے انتہائی پیچیدہ انداز میں ایک ڈھونگ رچایا اور پھر وہ اپنے فریب کار منصوبے میں کامیاب ہو گیا۔ مختصر یہ کہ گجرات کے برہمن، سومنات کے ذریعے نہ صرف سیم و زر کے انبار لگا رہے ہیں بلکہ ہندوستان کے بے خبر عوام کے دل و دماغ پر بھی حکومت کر رہے ہیں۔''

''برہمن بہت جلد اپنے اقتدار سے محروم ہو جائے گا۔'' سلطان محمود نے پُر جلال لہجے میں کہا۔ ''انسانی ذہن کی عیاریاں کب تک خالق و مخلوق کے درمیان پردے حائل کرتی رہیں گی؟ بالآخر ایک دن ان تمام پردوں کو چاک ہو جانا ہے۔ پھر اہلِ ہند یہ راز جان لیں گے کہ ان کا معبودِ حقیقی کون ہے اور وہ ان سے کس انداز کی پرستش چاہتا ہے؟''

پھر جب والیٔ غزنی خاموش ہو گیا تو احمد سالار اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے پیرہن کی جیب سے ایک سربمہر لفافہ نکال کر سلطان کی خدمت میں پیش کر دیا۔

''یہ کیا ہے احمد سالار؟'' والیٔ غزنی نے حیران ہو کر پوچھا۔

''یہ محمد بن حسن بن علی عراقی کا مکتوب ہے جو انہوں نے بطورِ خاص سلطانِ معظم کے لئے تحریر کیا ہے۔'' احمد سالار نے عرض کیا۔

''یہ محمد بن حسن کون ہے؟'' سلطان محمود نے دوسرا سوال کیا۔ والیٔ غزنی، محمد بن حسن کے نام سے قطعاً ناآشنا تھا۔

''محمد بن حسن بن علی عراقی ایک خدا رسیدہ بزرگ ہیں، جو عراق سے ہندوستان میں آ کر گجرات میں مقیم ہو گئے ہیں۔'' احمد سالار نے والیٔ غزنی سے ایک مردِ مومن کا غائبانہ تعارف کراتے ہوئے کہا۔ محمد بن حسن گجرات کے ستم رسیدہ مسلمانوں کے حالِ زار پر دن رات آنسو بہاتے رہتے ہیں...... اور یہ وہی بزرگ ہیں کہ جن کی روشن آنکھوں نے مجھے ہندو پجاری کے لباس میں بھی پہچان لیا تھا۔ پھر آپ کے نام یہ خط دیتے ہوئے مجھ سے فرمایا تھا کہ میں جلد از جلد ہندوستان کی حدود سے نکل کر غزنی چلا جاؤں اور

ان کی خدمت میں عرض کر دوں کہ گجرات کے مظلوم اور زخم خوردہ مسلمان اپنے مسیحا کا انتظار کرتے تے تھک چکے ہیں۔''

والیٔ غزنی نے بڑی حیرت سے ایک مردِ بزرگ کی روشن ضمیری کا ذکر سنا اور پھر محمد بن حسن کا بھیجا خط کھول کر پڑھنے لگا۔ محمد بن حسن نے بڑے قلندرانہ انداز میں والیٔ غزنی کو مخاطب کرتے ہوئے ر کیا تھا۔

''سلطان محمود! اللہ جل جلالہٗ تیری بلند اقبالی میں مزید اضافہ کرے اور تُو دونوں جہاں میں عزت و ندی کے ساتھ راحت و سکون حاصل کرے۔ میں نے تیری فتوحات کے بہت سے قصے سنے ہیں اور ہمیشہ تیری درازیٔ عمر کی دعائیں کرتا رہتا ہوں کہ شاید تُو وہی شخص ہے، جو گجرات پہنچ کر سرِ میدان ت آراستہ کرے گا اور ظالموں کو ان کے گناہوں کی ایسی سزا دے گا کہ تیرا حُسنِ انصاف دیکھ کر ستان کے ہر مظلوم کو قرار آ جائے گا۔ اے غزنی کے والی! میں برسوں سے تجھے خاموشی کے ساتھ پکار وں مگر تُو نے ایک بار بھی میری صدائے درد نہیں سنی۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ تُو کئی بار ہندوستان میں ہو کر سرکش و نافرمان بت پرستوں کو شکست فاش دے چکا ہے۔ مگر ہم محکوم و مجبور لوگ آج بھی دی کی ایک سانس کے لئے ترس رہے ہیں۔ کیا تجھے احساس ہے کہ اللہ نے تیرے اور ہمارے ان ایک اٹوٹ رشتہ قائم کر دیا ہے اور کیا اس رشتے کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ تُو ہمارے غموں کا مداوا ے اور ہمیں اغیار و کفار کے جبرِ مسلسل سے نجات دلائے؟''

محمد بن حسن کا خط پڑھ کر والیٔ غزنی کے خون کی گردش تیز تر ہو گئی تھی اور چہرے کا رنگ لحظہ بہ لحظہ متغیر ہا تھا۔

گجرات کے اس خدا رسیدہ بزرگ نے آگے چل کر تحریر کیا تھا۔ ''سلطان! میں تیرے روبرو اپنا غم لئے بیان کر رہا ہوں کہ تُو صاحبِ اختیار ہے۔ اگر تُو بھی میری طرح مجبور ہوتا تو میں ہرگز اپنے ں کو جنبش نہ دیتا اور ایک دن یہی رنج و الم برداشت کرتے کرتے زیرِ قبر چلا جاتا۔ تجھے خبر ہے کہ ات کے مسلمانوں پر برسوں سے آفات و مصائب کے کیسے کیسے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔ بہت دن تو میں یہی سمجھتا رہا کہ تُو ہم مظلوموں کی حالت سے بے خبر نہیں ہو گا مگر اب یقین ہو چلا ہے کہ تسخیر و کے دیوانوں اور کشور کشائی کے متوالوں نے تجھے یہ نہیں بتایا ہو گا کہ ہندوستان میں ایک خطۂ زمین ایسا ہے جہاں تیرے دینی بھائی دردناک عذابوں سے دوچار ہیں۔ کیا تجھے معلوم ہے کہ گزشتہ دنوں ا کیسا قیامت خیز واقعہ رونما ہوا؟ اے صاحبِ جاہ و جلال! تُو نے اپنے امیرانِ لشکر کی زبانی فتوحات ریں تو بہت سنی ہوں گی مگر آج ایک ایسی خبر کو بھی اپنی سماعتوں میں محفوظ کر لے جو بڑی روح فرسا ور بڑی جانگداز ہے۔ یہاں سومنات پٹن میں ایک مفلس و نادار بوڑھی اور بیوہ عورت رہتی ہے۔ کا ایک ہی جوان لڑکا تھا، جسے معمولی سی بات پر متعصب اور تشدد پسند ہندوؤں نے قتل کر دیا۔ میں اس عورت کا مقدمہ لے کر راجہ بھیم دیو کی عدالت میں پہنچا اور والیٔ گجرات سے انصاف کا طالب ہوا۔ خیال تھا کہ راجہ بھیم دیو اس مظلوم عورت کی تالیفِ قلب کے لئے کوئی نہ کوئی اقدام ضرور کرے ..... مگر اس نے انصاف سے کام لینے کے بجائے مجھے ذلیل و رُسوا کر کے اپنے دربار سے نکال دیا۔ نب میں انتہائی شکستہ و نامراد حالت میں واپس جا رہا تھا تو راجہ بھیم دیو چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

’’آئندہ کوئی مسلمان داد رسی کے لئے میرے دربار کی طرف نہ آئے کہ میں نے ہندوؤں پر مسلمانوں کا خون حلال کر دیا ہے۔ وہ ایک خدا کے ماننے والوں کے ساتھ جیسا چاہیں، سلوک کریں۔‘‘

راجہ بھیم دیو کے اس وحشیانہ سلوک کے بعد میں گجرات میں مسلمانوں کے پُرسکون اور آبرومندانہ مستقبل سے مایوس ہو چکا ہوں لیکن پھر بھی اتمام حجت کے لئے سلطانِ غزنی سے پوچھتا ہوں کہ کیا اس نے بھی گجرات کے ہندوؤں پر مسلمانوں کا خون حلال کر دیا ہے؟ اگر واقعتاً تیری بے حسی و بے خبری کا یہی عالم ہے تو پھر اے تسخیرِ عالم کا خواب دیکھنے والے! میں اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتا کہ چپ چاپ دنیا سے گزر جاؤں اور پھر قیامت کے دن تیرا گریبان پکڑ کر داورِ حشر سے سوال کروں کہ اے خالقِ ارض و سما! تُو نے اس شخص کو اتنا اختیار کیوں دیا تھا کہ اس کے عہدِ اختیار میں تیرے دوسرے نام لیوا بے اختیار ہو کر رہ گئے۔‘‘

محمد بن حسن کا مکتوب پڑھ کر والیٔ غزنی بہت دیر تک روتا رہا۔

نظام شاہ بڑی حیرت سے محمود کے بہتے ہوئے آنسوؤں کو دیکھ رہے تھے۔

پھر سلطان نے محمد بن حسن بن علی عراقی کا خط غزنی کے مردِ قلندر کی طرف بڑھا دیا، جسے پڑھ کر نظام شاہ اس قدر روئے کہ ان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

محمد بن حسن بن علی عراقی کے خط نے فضا کو نہایت سوگوار بنا دیا تھا۔

بہت دیر تک اشک ریزی کرنے کے بعد نظام شاہ نے والیٔ غزنی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

’’فرزند! محمد بن حسن نے درست لکھا ہے کہ میدانِ حشر میں اہلِ اختیار کو بڑی دشواریوں کا سامنا ہوگا۔‘‘

بہنے والے آنسو، سلطان محمود کے رخساروں پر بھی اپنے نشانات چھوڑ گئے تھے۔ ’’شیخ! مجھے احساس ہے۔‘‘ والیٔ غزنی نے اُداس لہجے میں کہا۔

’’وہ دن بڑا عجیب ہوگا، جب انسان سے ان نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا جو اسے دنیا میں اللہ کی طرف سے بخشی گئی تھیں۔‘‘ خشیتِ الٰہی سے نظام شاہ کی آواز لرز رہی تھی۔ ’’زمین پر اللہ کی سب سے بڑی نعمت طاقت و اختیار ہے۔ اور یہ نعمت بعض بندوں کو اس لئے دی جاتی ہے کہ وہ بے کسوں کی دادرسی کریں...... اور مظلوموں کو ظالموں کے خونی پنجوں سے نجات دلائیں۔ بہترین حکمراں وہ ہے، جو حاجت مندوں کا دستِ سوال دراز ہونے سے پہلے ان کی ضرورتیں پوری کر دے...... یا پھر کم سے کم ان کی فریاد سن کر بلا تاخیر اپنے قصرِ اقتدار سے باہر نکل آئے اور کسی تکلف کے بغیر رعایا کے درد میں شریک ہو جائے۔ اور بدترین فرمانروا وہ ہے جو ستم رسیدہ انسانوں کی چیخیں سن کر اپنے حریمِ کیف و نشاط میں سوتا رہے۔‘‘

والیٔ غزنی نظام شاہ کی باتیں بہت غور سے سن رہا تھا اور اس کے چہرے پر ندامت کے گہرے سائے لرز رہے تھے۔

’’کیا تجھے خبر ہے محمود! کہ تیرے پیش رو حکمران کون تھے؟‘‘ نظام شاہ نے والیٔ غزنی کو عجیب سے لہجے میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ’’تیرا ان فرمانرواؤں سے کوئی رشتہ نہیں جو تمام عمر اللہ کی زمین پر فتنہ و شر کے بیج بوتے رہے اور بدترین گناہوں کی فصل کاٹتے رہے۔ وہ آخری سانس تک اپنے نفس کی پرستش کرتے رہے۔ ساغرِ شراب میں انسانی حلقوم کے خون کی آمیزش کی، پھر انہوں نے لذتِ کام و دہن کے

لئے بنی نوع آدم کا گوشت کھایا اور آخر میں خود بھی لقمۂ اجل بن کر اس آگ کا ایندھن بن گئے جو ازل سے ہے اور ابد تک بھڑکتی رہے گی۔‘‘ یکایک نظام شاہ کے زرد چہرے پر جلالِ روحانی نمایاں ہو گیا تھا۔ ’’تُو نظامِ سیاست و حکومت میں اس مردِ جلیل کا تابع ہے کہ جس نے امیر المومنین بننے کے بعد اپنے گھر کا دروازہ بھی اُکھاڑ پھینکا تھا اور عوام الناس سے کہہ دیا تھا کہ اے لوگو! میں نے اپنے اور تمہارے درمیان قائم رہنے والی آخری رکاوٹ بھی دُور کر دی ہے۔ اب تمہیں روکنے والا کوئی نہیں۔ اگر تمہاری ضرورتیں تمہیں آدھی رات کے وقت بھی پریشان کرتی ہیں تو بے دریغ میرے گھر تک چلے آؤ۔ اور اگر میں حالتِ خواب میں پایا جاؤں تو بے جھجک مجھے بسترِ استراحت سے کھینچ کر نیچے کھڑا کر دو۔‘‘

نظام شاہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ایک تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے کہا۔ ’’اور اے میرے بیٹے! تُو اُسی خلیفۂ راشد کا وارث ہے، جس نے بارِ خلافت اٹھانے کے بعد اہلِ اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اے لوگو! اگر فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوکا مر جائے تو عمر اس کا جواب دہ ہے۔‘‘

یہ کہہ کر نظام شاہ چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گئے اور بہت غور سے والیٔ غزنی کی طرف دیکھنے لگے۔ ’’فرزند! کیا تُو نے غزنی کی گلیوں میں پھرنے والے اس ناکارہ بوڑھے کی باتوں کا مفہوم سمجھ لیا؟‘‘

نظام شاہ کے اس طرزِ تخاطب پر سلطان محمود پریشان نظر آنے لگا۔ وہ ایک مردِ قلندر کی گفتگو کے اسرار و رموز سے واقف تھا مگر جواب دینے کا حوصلہ نہیں رکھتا تھا۔

والیٔ غزنی کو خاموش پا کر نظام شاہ دوبارہ گویا ہوئے۔ ’’میں تیرے عہدِ سلطنت کا ایک جلیل القدر صحابی کے دورِ حکومت سے موازنہ نہیں کر رہا ہوں کہ آسمان کو زمین سے کبھی کوئی نسبت ہو ہی نہیں سکتی۔‘‘ نظام شاہ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ’’مگر پھر بھی اس تعلق کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ آسمان زمین پر ہمیشہ سایہ فگن رہتا ہے۔ اسی رشتے سے تجھ پر لازم ہے کہ تُو اس صدائے سرمدی کو غور سے سُن اور کھلی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھ کہ اس کے دس سالہ دورِ حکومت میں تو فرات کے کنارے کوئی ایک کتا بھی بھوک سے نہیں مرا لیکن تیرے عہدِ اختیار میں گجرات کے ساحل پر اللہ کے سینکڑوں نام لیواؤں کی بے گور و کفن لاشیں پڑی ہیں۔‘‘

نظام شاہ کے لہجے کی حرارت سے والیٔ غزنی کے پیرہنِ سلطانی میں آگ سی لگ گئی تھی اور پھر اسی آگ کی سوزش سے بے قرار ہو کر محمود چیخ اٹھا۔

’’شیخ! گجرات کا علاقہ میرے حلقۂ اقتدار میں نہیں ہے۔‘‘ والیٔ غزنی نے عذر پیش کرتے ہوئے کہا۔

’’مگر تُو صاحبِ اختیار تو ہے۔‘‘ نظام شاہ کے جلالِ روحانی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔ ’’محمد بن قاسم بھی کہہ سکتا تھا کہ سندھ کا علاقہ اس کے حلقۂ اقتدار میں نہیں...... لیکن وہ صاحبِ درد ایک مظلوم عورت کی فریاد سن کر کتنی شدید دشواریوں کے بعد وہاں پہنچا۔ پھر اپنی عدالت آراستہ کی اور پھر ستم گروں سے ان کے ایک ایک ظلم کا حساب طلب کیا۔ یہاں تک کہ اہلِ کفر بھی اس کے انصاف سے مطمئن ہو گئے۔ نوعمر سپہ سالار بھی ہزار عذر پیش کر سکتا تھا لیکن اسے معذرت تراشنے کی عادت نہیں تھی۔ وہ جاں نثاروں کی سپاہ کا امیر تھا اور قافلۂ درد کا سرفروش سالار تھا۔ اس لئے جان سے گزر جانے کا عہد کر کے اپنے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ اس نے بے اختیاری کی شکایت نہیں کی بلکہ تائیدِ غیبی کے بھروسے پر آنکھیں بند کر کے آگ اور خون کے دریا میں کود پڑا۔ پھر موت کے طوفان نے سر جھکا کر اسے آگے جانے کا راستہ

دے دیا اور کر فتح و نصرت کے بے کنار ساحل اس کے قدموں کے نیچے سمٹ گئے۔" نظام شاہ نے تاریخ اسلام کے ایک اور روشن باب کا حوالہ دیتے ہوئے والیٔ غزنی کی پیش کردہ معذرت کو مسترد کر دیا تھا۔

"میرے بیٹے! تُو محمد بن قاسم کے سینے میں اُٹھنے والے درد کی شدت کو محسوس کیوں نہیں کرتا؟ آخر تُو بھی تو صاحبِ درد ہے، ایک صاحبِ درد کا بیٹا ہے اور ایک صاحبِ درد کا عقیدت مند ہے۔"

والیٔ غزنی کو فوراً ہی احساس ہو گیا کہ دنیاوی سیاست کے قانون کی نظر میں اس کی پیش کردہ دلیل درست ہو سکتی تھی مگر نظام شاہ جس عقیدۂ درد کی بات کر رہے تھے، وہاں کوئی معذرت اور کوئی حجت قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ یہ خیال آتے ہی سلطان محمود کے چہرے پر خجالت کا گہرا رنگ اُبھرا اور پھر اُس کی گردن آہستہ آہستہ جھکتی چلی گئی۔

"تجھے تو مجھ سے زیادہ خبر ہو گی کہ قبیلہ بنو ثقیف کا وہ جانباز، سولہ سال کی عمر میں گھر سے نکلا اور تین سال کے مختصر سے عرصے میں شجاعت و مردانگی کی نئی تاریخ رقم کر کے دنیا سے واپس بھی چلا گیا۔" محمد بن قاسم کا ذکر کرتے ہوئے نظام شاہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"معذرت خواہ فرزند! تجھے معلوم ہے کہ جب ابنِ قاسم کی عمر کے بچے طفلانہ کھیلوں میں مشغول تھے، اس وقت وہ مردانِ شجاع کی سالاری کر رہا تھا...... اور تجھے خبر ہے کہ اس نے آہنی قلعے ہی نہیں، بت پرستوں کے دل بھی تسخیر کر لئے تھے۔ پھر جب وہ فرزندِ اسلام، سیاست کے مقتل میں چپ چاپ ذبح ہو گیا تو یہی پتھر کے پوجنے والے، برسوں اپنی تعزیتی محفلوں میں اس جواں سال مقتول کا ماتم کرتے رہے..... اور میں نے تو یہاں تک سنا ہے کہ کیرج (جے پور) کے باشندوں نے اُس کا قد آور مجسمہ بنا کر اپنے شہر کے چوراہے پر نصب کر دیا تھا۔ اگرچہ یہ ایک خوفناک گمراہی تھی لیکن پھر بھی میرے بیٹے! اتنا اندازہ تو کر کہ وہ کس شان کا فاتح تھا۔ مرنے کے بعد اہلِ کیرج پر اُس کا کوئی اختیار نہیں رہا تھا مگر بت پرستوں کے دل اس کے کردار کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔" نظام شاہ عجیب عجیب زاویوں سے سلطان محمود کو گجرات پر حملے کی ترغیب دلا رہے تھے۔ "تُو بھی میرے درد کا ابنِ قاسم ہے۔ پھر یہ کیسی معذرت ہے اور یہ کیسا گریز ہے؟"

"نہیں شیخ! میں گریز اور فرار کے راستوں کا مسافر نہیں ہوں۔" والیٔ غزنی نے گھبرا کر سر اٹھایا اور انتہائی پُرجوش لہجے میں کہا۔ "میں آپ کا فرزند ہوں اور اعتراف کرتا ہوں کہ میری پیش کردہ معذرت ایک مجرمانہ عمل تھا، جس پر مجھے بے حد ندامت ہے۔"

"میں کون ہوتا ہوں تیری معذرت سننے والا؟" نظام شاہ کے لہجے میں بڑا گداز تھا۔ "اپنی ندامت کا اظہار اُس کے روبرو کر، جس نے تجھے صاحبِ اختیار بنایا ہے۔"

"اللہ مجھ گناہ گار بندے کو معاف کرے اور آخرت کے احتساب سے محفوظ رکھے۔" محمود کی آواز میں لرزش تھی اور پلکوں پر اشکوں کی نمی۔

"آمین۔" نظام شاہ کی پُر درد آواز اُبھری اور والیٔ غزنی کو محسوس ہوا کہ اچانک اس کی خلوت گاہ میں ایک عجیب سی روشنی پھیل گئی ہے۔

پھر کچھ دیر تک نشست گاہِ سلطانی پر گہرا سکوت طاری رہا۔ آخر اس سکوت کو خود والیٔ غزنی نے توڑا۔ سلطان محمود، احمد سالار سے مخاطب ہو کر کہہ رہا تھا۔ "کیا گجرات کا راجہ بھیم دیو اپنے علاقے کو افواجِ

نی کی یلغار سے محفوظ سمجھتا ہے؟"

"مکمل طور پر۔" احمد سالار نے جواباً عرض کیا۔ "بھیم دیو یہی سمجھتا ہے کہ سلطان کا دستِ اختیار کتنا ہی دراز ہو جائے مگر اس کے تخت و کلاہ تک نہیں پہنچ سکتا۔"

"اس خوش فہمی اور خود فریبی کی وجہ؟" والیٔ غزنی کے ماتھے پر کئی بل پڑ گئے تھے۔

"ایک تو گجرات کے برہمنوں کے بنائے ہوئے فریب کارانہ منصوبے کہ راجہ بھیم دیو کو سومنات کا شیرواد حاصل ہے اور اسی بت کی روحانی طاقت کے زیرِ اثر سلطان محمود یا کوئی دوسرا مسلم حکمراں اس رف کا رخ نہیں کر سکتا۔" احمد سالار نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "میں اس دعویٰ کو گمراہ کن خوش قیدگی اور توہم پرستی سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا مگر میرے نزدیک جغرافیائی محلِ وقوع بہت زیادہ اہمیت لھتا ہے۔ اگر سلطان ذی وقار ارضِ گجرات کے بت پرستوں سے جہاد کا عزم کریں تو والیٔ غزنی کو سب سے پہلے پورے پنجاب پر مکمل غلبہ حاصل کرنا ہو گا۔ پھر سندھ کو پامال کرنے کے بعد راجستھان کی تمام سکری قوتوں کو انتہائی بے کسی کی حالت میں اپنے قدموں پر جھکانا ہو گا۔ تب کہیں جا کر سلطنتِ گجرات پر افواجِ سلطانی کی لشکر کشی ممکن ہے۔ دراصل یہی وہ جغرافیائی تحفظات ہیں، جنہوں نے راجہ بھیم دیو کو شکست و زوال کے تمام اندیشوں سے بے نیاز کر دیا ہے۔"

احمد سالار کی بیان کردہ تفصیلات سن کر سلطان محمود نے اس نوجوان کی طرف ستائشی نظروں سے دیکھا جو اپنے گرد و پیش پر گہری نظر رکھتا تھا اور جس کی روشن آنکھیں فطرتاً بہت دُور تک دیکھنے کی عادی تھیں۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟" والیٔ غزنی نے احمد سالار سے دوسرا سوال کیا۔ "یہ جنگی مہم آسانی سے سر کی جا سکتی ہے یا پھر راجہ بھیم دیو اور اس علاقے کے دوسرے حکمرانوں کو یہ جغرافیائی تحفظات ہمیشہ حاصل رہیں گے؟"

سلطان محمود کا سوال مشکل بھی تھا اور نازک بھی۔ احمد سالار بہت دیر تک غور کرتا رہا، پھر اُس نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔

"سلطان ذی حشم! میری ناقص رائے کو حرفِ آخر بھی نہ سمجھیں اور درجۂ اعتبار بھی نہ بخشیں کہ یہ ایک کم نظر اور عام انسان کا قیاس و اندازہ ہے۔"

"تم بے خوف و خطر کہو احمد سالار!" والیٔ غزنی سمجھ گیا تھا کہ یہ نوجوان ایک مشکل ترین جنگی محاذ پر رائے زنی کرتے ہوئے ہچکچا رہا ہے۔

"سلطانِ معظم! میرے نزدیک یہ ایک کارِ دراز بھی ہے اور کارِ دُشوار بھی۔" احمد سالار نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔ "جب تک پنجاب، سندھ اور راجستھان کا ایک ایک حاکم، والیٔ غزنی کے سامنے سرنگوں نہیں ہو جائے گا، اس وقت تک گجرات پر لشکر کشی نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو گی۔"

واقعتاً یہ ایک کارِ دُشوار تھا، مگر نظام شاہ کی مسلسل حوصلہ افزائی نے سلطانِ غزنی کو بہت زیادہ پُر اُمید بنا دیا تھا۔ پھر اُس نے نظام شاہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "شیخ! آپ مستجاب الدعوات ہیں۔ مجھے یقینِ کامل ہے کہ آپ کی یہ دعا، بارگاہِ ذوالجلال سے رد نہیں کی جائے گی۔"

"فرزند! میں کیا اور میری دعائیں کیا؟" محمود کا حُسنِ ظن دیکھ کر نظام شاہ پریشان سے نظر آنے لگے۔ "مگر تُو کس دعا کے بارے میں کہہ رہا ہے؟"

"بس ایک ہی دعا کہ جب تک سومنات ریزہ ریزہ ہو کر نہ بکھر جائے اور جفا کاروں کی بستی میں مسلمانوں کا خون حرام نہ قرار پا جائے، اس وقت تک مجھ پر موت وارد نہ ہو۔" والیٔ غزنی بہت جذباتی نظر آ رہا تھا۔

نظام شاہ کچھ دیر تک سر جھکائے بیٹھے رہے...... پھر شدید اضطراری حالت میں اپنے دونوں ہاتھ دعا کے لئے اُٹھا دیئے۔

"اے مالکِ بحر و بر! تُو خوب جانتا ہے، میں کون ہوں اور بندگی کے کس مقام پر کھڑا ہوں؟ مگر اہلِ دنیا یہی سمجھتے ہیں کہ تُو میرا ہے اور اپنے اس عاجز و گناہ گار نام لیوا کی دعائیں سنتا ہے۔ بس اپنے ان بندوں کے حُسنِ ظن کی آبرو رکھنا اور اپنے اس گدائے بے سروساماں، نظام شاہ کی دونوں جہان میں پردہ داری کرنا کہ تُو "غفور الرحیم" بھی ہے اور "ستار العیوب" بھی۔"

❁❁❁❁❁

سلطان محمود، سومنات پر فوج کشی کا ایک جامع اور طویل منصوبہ بنا رہا تھا کہ اسی دوران اُسے خبر ملی کہ بھاٹیہ کا نامزد حاکم باشا (سکھ پال) مرتد ہو کر اپنے ماما، راجہ انند سے جا ملا ہے اور اس نے کھلے عام، ملتان کے قرمطی حاکم داؤد بن نصر کی حمایت شروع کر دی ہے۔ سکھ پال، پشاور کی جنگ میں اسیر ہو کر غزنی پہنچا تھا اور پھر اس نے مسلمانوں کے اخلاقِ عالیہ اور رواداری سے متاثر ہو کر مذہب اسلام قبول کر لیا تھا۔ پھر جب سلطان محمود نے راجہ بجے راؤ کو شکست دی تھی تو علاقائی سیاست کے تقاضوں کے مطابق والیٔ غزنی نے سکھ پال کو بھاٹیہ کا حاکم نامزد کرتے ہوئے کہا تھا۔

"باشا! تجھے یہ اعزاز اس لئے دیا جا رہا ہے کہ تُو ماضی میں حکمراں خاندان کا ایک معزز فرد رہ چکا ہے۔ تیرے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ہم اہلِ ایمان کا فرض ہے کہ تیری دلجوئی کریں۔"

شدتِ جذبات سے سرشار ہو کر باشا (سکھ پال) گھٹنوں کے بل جھک گیا تھا اور اس نے والیٔ غزنی سے اپنی عقیدت کا اظہار کرنے کے لئے محمود کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہوئے کہا تھا۔ "میں آخری سانس تک اپنے سلطان کی اس کرم نوازی کا شکر گزار رہوں گا۔"

"بس باشا! بس۔" سلطان نے اپنے ہاتھوں کو کھینچتے ہوئے کہا تھا۔ "یہ ظاہر داری کی رسمیں چھوڑ دے کہ ہمیں ان سے کوئی خوشی نہیں ہوتی۔"

"پھر سلطان اپنے اس خدمت گار سے کیا چاہتے ہیں؟" جلالِ سلطانی کے اثر سے باشا کی آواز لرز رہی تھی۔

"تُو ملتِ اسلامیہ کا وفادار رہنا اور اپنے سلطان کے اعتبار کا خون نہ کرنا۔" والیٔ غزنی نے چند لفظوں میں باشا (سکھ پال) کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا۔ "اگر تُو نے اسلام کی قبا پہن کر حرص و ہوس کی تجارت کو روا رکھا اور عہد کر کے توڑ دیا تو پھر یاد رکھنا کہ تیرا سلطان، قاتلانِ وفا کے حق میں بہت سخت ہے۔"

جواب میں باشا نے والیٔ غزنی کو یقین دلاتے ہوئے کہا تھا۔ "اگر یہ غلام راہِ وفا سے ہٹ گیا تو آقا کو احتساب کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ غلام خود ہی اپنا سر کاٹ کر مسندِ انصاف پر سجا دے گا۔"

سلطان، باشا کے طرزِ گفتار سے بہت متاثر ہوا تھا۔ پھر جب اچانک ایلک خان نے بلخ و خراسان پر حملہ کر دیا تو محمود نے ملتان سے روانگی کے وقت ایک بار پھر باشا کو اس کے عہد پر قائم رہنے کی تلقین کی

تھی اور جواب میں باشا نے جاں نثاری کے بڑے بلند بانگ دعوے کئے تھے اور والیٔ غزنی مطمئن ہو کر اپنے خسر ایلک خان کی سرکوبی کے لئے بلخ پہنچ گیا تھا۔

اور آج جب سلطان نے باشا (سکھ پال) کے مرتد ہونے کی خبر سنی تو وہ کچھ دیر کے لئے سناٹے میں آ گیا...... پھر محمود کی آواز سے پورا دربار دہل اُٹھا۔ "قافلۂ وفا پر ایسا شب خون؟ اور اعتبار کا ایسا لرزہ خیز قتل؟...... نمک حرام باشا! یہ تُو نے کیا کیا؟ دنیا کے ساتھ اپنی آخرت بھی خراب کر لی۔"

سکھ پال (باشا) کے ارتداد کی تفصیل یہ تھی کہ جب سلطان محمود اپنے سپہ سالار، ارسلان جاذب کے ہمراہ بلخ و خراسان کی مہم پر روانہ ہو گیا تو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے راجہ انند پال نے بڑے بڑے پنڈتوں کو سکھ پال کے پاس بھیجا۔ ہندو دھرم کے ان گیانیوں نے اسے اس کی بت پرستی کا زمانہ یاد دلاتے ہوئے کہا۔

"اے عظیم برہمنوں کے عظیم وارث! دیوتا آج بھی تیری واپسی کا انتظار کر رہے ہیں۔"

سکھ پال کچھ دیر تک اپنے نئے عقیدے کا دفاع کرتا رہا۔ مگر جب اس کے ماں باپ اور دیگر رشتے داروں نے اسے برہمنوں کے خون کا واسطہ دیا، دھرم اور دھرتی پر کئے جانے والے محمود کے فرضی مظالم کا ذکر کیا تو سکھ پال کی بت پرست فطرت اپنی اصل کی طرف لوٹ گئی اور اس نے دوبارہ بھاٹیہ کے مندر میں داخل ہو کر اپنے باپ دادا کا مذہب اختیار کر لیا۔ اس کے بعد سلطان محمود کے مقرر کردہ مسلمان افسروں کو بھی بڑی سفاکی سے قتل کرا دیا۔ پھر لاہور پہنچ کر اپنے ماما، راجہ انند پال کے دربار میں حاضر ہوا اور والیٔ پنجاب کو یقین دلایا کہ وہ محمود سے اہلِ ہند کی شکست کا خوفناک انتقام لے گا۔

انند پال اپنی اس کامیابی پر بظاہر بہت خوش تھا لیکن پھر بھی وہ سلطان محمود کا مزاج آشنا تھا، اس لئے بخوبی جانتا تھا کہ والیٔ غزنی اُس کی فریب کاریوں کو بھی معاف نہیں کرے گا۔ اور جب بھی اسے دوسری جنگی مہمات سے فراغت ملے گی، وہ کسی تاخیر کے بغیر پنجاب پر حملہ آور ہو گا۔ ان ہی خطرات کے پیشِ نظر انند پال نے ہندو مذہب کی بنیاد پر سنگھٹن (اسلام کے خلاف بت پرستوں کے اتحاد) کی تحریک شروع کی تھی۔ والیٔ پنجاب نے ہندوستان کے گوشے گوشے سے نامور پنڈتوں اور گیانیوں کو اپنے دربار میں طلب کیا تھا اور انہیں بڑی بڑی رقمیں دے کر ہندوستان کے دوسرے راجاؤں کے پاس بھیجا تھا۔ یہ تمام پنڈت اور پجاری کبھی گریہ و زاری کے انداز میں مسلمانوں کے ہاتھوں دیوی دیوتاؤں کے ناموس لُٹ جانے کا مرثیہ پڑھتے تھے اور کبھی "دھرتی ماتا" کا سہاگ اُجڑ جانے پر نوحہ خوانی کرتے تھے۔ پنڈتوں کی ان ہی اثر انگیز تقریروں نے سکھ پال کو بھی مرتد ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اور اسی قسم کے جذباتی بھاشن سن کر ہندوستان کے تمام راجاؤں نے وقتی طور پر آپس کے اختلافات کو فراموش کر دیا تھا اور اپنی تمام تر طاقت کے ساتھ سلطانِ غزنی کے مقابل متحد ہو کر صف آرا ہو رہے تھے۔

کوہ بال ناتھ پر واقع مندنہ شہر کے حاکم راجہ اِندر بھیم نے سب سے پہلے اپنے جانباز سپاہیوں کا ایک دستہ لاہور روانہ کیا۔ راجہ بھیم، انند پال کا خراج گزار تھا۔ اس کے بعد بھٹنڈہ کے راجہ پرم دیو، گجرات کے راجہ بھیم دیو، دہرہ دون کے راجہ رام دیو، سونی پت کے راجہ دیپال ہری، برن کے راجہ ہروت، مہابن و متھرا کے راجہ کلچند، اسونی (فتح پور) کے راجہ جنڈیل بھورے، بندیل کھنڈ کے راجہ چندر رائے، سرسوا گڑھ کے راجہ بھیم پال، قنوج کے راجہ کنور رائے اور کالنجر کے راجہ کنور رائے نے اپنی اپنی

فوجوں کے ساتھ کثیر مقدار میں سامانِ رسد بھی لاہور بھیج دیا۔ اس کے علاوہ اجین، گوالیار، اجمیر، دہلی، تھانیسر، نگرکوٹ اور کشمیر کے راجاؤں نے بھی انند پال کی بھرپور مدد کی۔ منتخب سپاہیوں کے لشکر بھی دیئے اور سامانِ جنگ کی خریداری کے لئے کثیر مقدار میں سونا چاندی بھی۔

الغرض پورا ہندوستان اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ سلطان محمود کے خلاف آمادۂ جنگ ہو گیا تھا۔ اور اس وسیع و عریض ملک کی ایک ایک گلی ان پُرشور نعروں سے گونج رہی تھی۔

''اے بھارت ورش کے غیرت مند باسیو! خوابِ غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور اپنے گھروں سے نکل کر دیکھو کہ تمہارا سب سے بڑا دشمن کہاں تک آ پہنچا ہے؟ اس کے گھوڑوں کے سُم تمہارے عبادت خانوں کو پامال کرنے کے لئے بے چین ہیں، اور اس کے خونی نیزے تمہارے دیوتاؤں کے سروں کی طرف لپک رہے ہیں۔ اور تمہاری دھرتی ماتا کی مانگ اُجڑ جانے والی ہے...... اور تمہاری ناریوں کو ''نرتکی'' بنا کر دربارِ غزنی میں نچانے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں...... اور تمہارے مرد تہ تیغ کئے جانے والے ہیں...... اور تمہارے بوڑھوں کو بھکاری بنایا جانے والا ہے...... اور تمہارے آزاد بچوں کو غلامی کی زنجیریں پہنائی جانے والی ہیں...... اس سے پہلے کہ وہ لٹیرا تمہارے سرسبز و شاداب ملک کو شمشان بنا ڈالے اور تمہارے خوبصورت مکانوں کو اناتھ آشرموں (یتیم خانوں) میں تبدیل کر دے، تم خود ہی آگے بڑھ کر اُس کا سر کاٹ دو اور پھر اس کٹے ہوئے سر کو دُرگا کی بھینٹ چڑھا دو کہ اب یہی تمہارا دھرم ہے۔''

بڑی زہریلی اور نفرت انگیز تقریریں تھیں۔ پنڈتوں کے آتشیں لہجے نے پورے ہندوستان میں آگ لگا دی۔ یہاں تک کہ لمبے گھونگھٹوں میں سمٹی رہنے والی عورتیں بھی گھروں سے باہر نکل آئیں اور اپنے شوہروں، بیٹوں اور بھائیوں کو محمود کے خلاف جنگ کی ترغیب دلانے لگیں۔

''پراچین شور دیروں (قدیم سورماؤں) کی طرح رن بھومی (میدانِ جنگ) کی طرف جاؤ اور اس لٹیرے کا سر کاٹ دو یا اپنے پران تیاگ دو کہ اب تمہاری مکتی کا یہی ایک راستہ باقی رہ گیا ہے۔ یاد رکھو! کہ اگر تم ناکام لوٹے تو تمہیں گھروں کے دروازے کھلے ملیں گے۔ مگر ہم میں سے کوئی موجود نہیں ہوگا۔''

ہندو عورتیں مختلف طریقوں سے اپنے مردوں کی غیرت کو اُبھارتی رہیں۔ پھر اپنے تمام طلائی زیورات اُتار کر اُن مردوں کو دے دیئے جو شریکِ جنگ ہونا چاہتے تھے۔ دشمن سے معرکہ آرائی کے وقت ہندو عورتوں کا آگ میں جل جانا تو قدیم ہندوستان کا ایک پرانا دستور تھا مگر غیر مردوں کے لئے اپنے سارے قیمتی اثاثے فروخت کر دینے کی مثال پہلی بار قائم ہوئی تھی۔ سلطان محمود سے پہلے نہ ہندو آپس میں اس طرح متحد ہوئے تھے اور نہ انہوں نے سرِ عام ایسی جاں نثاری کے مظاہرے پیش کئے تھے۔ اپنے جذبوں کے اظہار میں غریب ہندو عورتیں بھی مالدار خواتین کے دوش بدوش چل رہی تھیں۔ افلاس و ناداری کے باوجود اُن کا ایک ہی نعرہ تھا کہ ہم کھیتوں میں، کھلیانوں میں مزدوری کریں گے، سوت کاتیں گے، فاقے کریں گے مگر اپنے دیوتاؤں کے دشمن سے جنگ جاری رکھیں گے۔ مختصر یہ کہ ہندوستان کی پوری تاریخ میں جنگ کی اس قدر جذباتی فضا اس سے پہلے کبھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔

جنگ کی یہ خفیہ تیاریاں تقریباً ایک سال سے جاری تھیں۔ مگر سلطان محمود کو راجہ انند پال کے اس خوفناک منصوبے کی خبر اس وقت ملی، جب بھاٹیہ کا حاکم سکھ پال مرتد ہو کر اپنے ماما سے جا ملا۔ سکھ پال کا یہ اقدام والیٔ غزنی کے لئے انتہائی اشتعال انگیزی کا سبب تھا۔ اس لئے سلطان محمود فوری طور پر بھاٹیہ جانا

چاہتا تھا تاکہ وہ اس فتنے کو ابتدا ہی میں کچل ڈالے۔ مگر جب سیاسی مشیروں اور مخبروں نے بگڑی ہوئی صورتِ حال کے پیشِ نظر ممکنہ خطرات و خدشات کا اظہار کیا تو محمود نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا اور خاموشی سے مناسب وقت کا انتظار کرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی غزنی کے جاسوسوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں اور انند پال کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھنے کی کوشش کریں۔

❀❀❀❀❀

پھر ایک دن اچانک غزنی کے جاسوسوں نے سلطان کو خبر دی کہ راجہ انند پال ایک لشکرِ کثیر لے کر پشاور کی طرف بڑھ رہا ہے۔

''اُس بدبخت و نامراد انند پال کو میدانِ جنگ کی طرف آنے دو۔'' والیٔ غزنی نے بے نیازانہ لہجے میں کہا۔ ''ہمارے دفتر میں اُس کی بدعہدیوں کے بہت سے حسابات جمع ہو گئے ہیں۔ اس بار ہم اُس کے ذمے کوئی قرض باقی رہنے نہیں دیں گے۔'' سلطان محمود نے اپنے جاسوسوں کی اطلاعات کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی تھی۔

''سلطانِ عالی قدر کو راجہ انند پال کی جنگی تیاریوں کا اندازہ نہیں ہے۔'' غزنی کے جاسوسوں نے جھکے ہوئے سروں کے ساتھ کہا۔

''امیر سبکتگین مرحوم کے زمانے میں بھی ہندوستان کے تمام راجہ مل کر غزنی کے خلاف قسمت آزمائی کر چکے ہیں۔'' سلطان محمود کی بے نیازی کا وہی عالم تھا۔

''سابقہ اور موجودہ صورتِ حال میں بڑا فرق ہے سلطانِ ذی حشم!'' جاسوسوں نے حالات کی سنگینی کو ظاہر کرنے کے لئے پُرجوش لہجے میں کہا۔ ''اب کی بار مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لئے ہندوؤں نے بڑی خوفناک تیاریاں کی ہیں اور بڑی عجیب قسمیں کھائی ہیں۔ ہم امورِ مملکت میں دخل انداز ہونے کی گستاخی کا تصور بھی نہیں کر سکتے مگر نمک خوارانِ سلطنت کی حیثیت سے یہ التجا ضرور کر سکتے ہیں کہ سلطانِ ذی شان اس معرکے کو سہل نہ سمجھیں۔ ہمیں اس کا خوف نہیں کہ اظہارِ حقیقت کے بعد ہماری زبانیں کاٹ دی جائیں گی، مگر یہ سچ ہے کہ سلطانِ معظم آج تک اتنے مشکل محاذ سے نہیں گزرے ہوں گے۔ خدارا اپنے جاں نثاروں کی بات پر اعتبار کیجئے کہ شکست خوردہ انند پال، ملک و مذہب کی آبرو کے واسطے دے کر پورے ہندوستان کو آپ کے مقابل لے آیا ہے۔''

راجہ کو جاسوسوں کی گفتگو پر چونک جانا پڑا کہ انہوں نے آج تک سلطان سے اس لہجے میں بات نہیں کی تھی۔ ''مجھے نہ تمہارے جذبوں پر شک ہے اور نہ میں تمہاری آنکھوں اور دماغوں پر شبہ کرتا ہوں۔ تم میرا حرف اعتبار ہو، اس لئے تمہاری زبانوں نے جو کچھ کہا، سچ کہا۔ واقعتاً میں خود ہی راجہ انند پال کی ریشہ دوانیوں سے بے خبر تھا۔''

اس کے بعد سلطان محمود نے بہت کم وقت میں اپنی فوجی تیاریاں مکمل کیں اور نظام شاہ کی دعاؤں کے سائے میں پشاور کی طرف بڑھا۔ اگر سلطان، پشاور کی طرف پیش قدمی میں مزید تاخیر کر دیتا تو یقیناً لمغان کا مفتوحہ علاقہ اس کے ہاتھوں سے نکل جاتا۔

پھر جب والیٔ غزنی پشاور پہنچا تو اس نے خود اپنی آنکھوں سے جاسوسوں کی فراہم کردہ اطلاعات کا مشاہدہ کیا۔ ہر طرف انند پال کے سپاہیوں کے سر ہی سر تھے اور ہر سمت سبک رفتار گھوڑے ہی گھوڑے

تھے۔ کوہ پیکر ہاتھیوں کی بھی طویل قطاریں تھیں۔ محمود نے اپنے سپہ سالاروں عبداللہ طائی اور ارسلان جاذب کے سامنے کسی جھجک کے بغیر اعتراف کر لیا کہ آج تک کوئی غنیم اتنے مادی وسائل کے ساتھ اس کے مقابل نہیں آیا تھا۔

پھر محمود نے اپنے لشکر پر ایک نگاہ کی۔ راجہ انند پال کے سامنے غزنی کی افرادی قوت کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی۔ کہاں لاکھوں سپاہیوں کا موجیں مارتا ہوا سمندر اور کہاں بہ مشکل پندرہ بیس ہزار جانبازوں کا خاموشی سے بہنے والا ایک مختصر سا دریا۔ سلطان محمود نے اپنے لشکر کو پڑاؤ کا حکم دیا اور خود محاذِ جنگ کے تمام زاویوں کا جائزہ لینے لگا۔ عبداللہ طائی، ارسلان جاذب، سردار امین الدین (بلرام سنگھ) اور دوسرے سالارانِ لشکر سے طویل مشوروں کے بعد والئ غزنی نے طے کیا کہ اس کی فوجیں حملہ آور ہونے میں سبقت نہیں کریں گی اور راجہ انند پال کے اقدامات کی روشنی میں جنگی حکمتِ عملی ترتیب دی جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی سلطان نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ لشکری خیموں کے گرد گہری اور چوڑی خندقیں کھودنا شروع کر دیں تاکہ دشمن آسانی سے ان پر حملہ آور نہ ہو سکے۔

دونوں لشکر چالیس دن تک ایک دوسرے کے مقابل خیمہ زن رہے۔ اس طویل عرصے میں کسی فریق کی طرف سے بھی جنگی کارروائی کا آغاز نہیں ہوا۔ محمود کی خاموشی کا سبب یہ تھا کہ وہ اپنی جانب سے لڑائی میں پہل کر کے کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ دوسری طرف راجہ انند پال کو یہ اطمینان تھا کہ محمود کا لشکر تعداد کے اعتبار سے بہت قلیل ہے۔ برہمن حکمراں کے خیال میں اس کا شکار پوری طرح نرغے میں آ چکا تھا اور وہ جب چاہتا، اپنے شکار کو آسانی کے ساتھ ختم کر سکتا تھا۔ مگر گزشتہ تجربات کی بنیاد پر وہ سلطانِ غزنی سے کسی قدر خائف بھی تھا۔ اس لئے مزید فوجی کمک کا انتظار کر رہا تھا تاکہ محمود کے بچ نکلنے کی کوئی امکانی صورت باقی نہ رہے۔ اس دوران کم و بیش روزانہ ہی دوسرے ہندو راجاؤں کے تازہ دم لشکر دُور دراز علاقوں سے آ آ کر انند پال کی فوجی طاقت میں اضافہ کرتے رہے۔

پھر چالیس روز گزر جانے کے بعد محمود کو اپ[illegible]ی کا احساس ہوا اور اس نے ایک مخصوص نشست میں غزنی کے امیرانِ لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”کاش! میں انند پال پر حملے میں عجلت سے کام لیتا۔“ سلطان محمود کا لہجہ تاسف آمیز تھا۔ ”قدرت نے تو مجھے مہلت دی تھی، مگر میں نے اپنی نادانی کے سبب مادی تدبیروں پر بھروسہ کیا اور اس قیمتی وقت کو ضائع کر دیا...... اور اب صورتِ حال یہ ہے کہ دشمنوں کے قافلے کے قافلے چلے آ رہے ہیں اور انسانوں کے سمانے کے لئے میدانِ جنگ میں کوئی جگہ باقی نہیں رہی ہے۔“

تمام امیرانِ لشکر خاموش تھے۔ وہ اپنے سلطان کو کیا مشورہ دیتے کہ انہیں غزنی کی شکست صاف نظر آ رہی تھی۔ کسی سالار میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ سلطان کو واپسی کا مشورہ دیتا کہ اس طرح لمغان اور بھاٹیہ کا علاقہ بھی مملکتِ اسلامیہ کے دائرۂ اختیار سے نکل جاتا اور والئ غزنی کی قبائے فتوحات بھی داغ دار ہو کر رہ جاتی۔

پھر اس سکوت کو احمد سالار نے توڑا۔ ”کثرتِ اعداء کے ایسے مظاہرے سلطانِ معظم نے بارہا دیکھے ہیں۔“

”تمہارے جذبات قابلِ ستائش ہیں۔ مگر تم محاذِ جنگ کی سنگینی سے واقف نہیں۔“ سلطان نے اپنے

جواں سال سپاہی کے جرأت مندانہ اظہار کو صرف جوانی کے جوش سے تعبیر کیا تھا۔ ”میں اس سلسلے میں تمہاری رائے جاننا چاہتا ہوں۔“ والئ غزنی نے اپنے امیرانِ لشکر عبداللہ طائی اور ارسلان جاذب کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”یہ نمک خوار اس کے سوا کیا عرض کر سکتا ہے کہ آقا کے ہونٹوں کو جنبش ہو اور غلام کسی تامل کے بغیر اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر دیں۔“

عبداللہ طائی خاموش ہوا تو ارسلان جاذب، خدمتِ سلطان میں عرض کرنے لگا۔ ”حکمِ سلطان...... بے نیام شمشیریں...... جاں فروشی کے عہد...... والہانہ یلغار ...... کٹے ہوئے سر...... خون میں نہائی ہوئی لاشیں...... بے کفن جنازے...... اور کھلی ہوئی قبریں...... بس اس کے سوا کچھ نہیں...... یہی چند سانسیں اور یہی خون کے چند قطرے، غلام کا سرمایہ ہیں۔ آقا جب بھی طلب کریں گے، غلام بصد احترام پیش کر دے گا اور یہ سلطان کے حضور ایک حقیر قربانی ہوگی۔“

”تیرے جذبات و کلمات بھی لائقِ تعریف ہیں ارسلان!“ سلطانِ غزنی نے پُر جلال لہجے میں کہا۔ ”مگر ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تیرے دل اور زبان میں ہم آہنگی نہیں ہے۔“

ارسلان جاذب نے حیران ہو کر سلطان محمود کی طرف دیکھا۔

”کہیں تُو یہ کہنا تو نہیں چاہتا کہ ہم دشمنوں کی کثرت سے ہیبت زدہ ہو کر غزنی کی طرف لوٹ جائیں...... اور پھر اہلِ ہند اپنی فتح کے نقارے بجائیں اور چیخ چیخ کر کہیں کہ وہ جا رہا ہے ناکام و نامراد اور شکست خوردہ محمود!“ سلطان کے لہجے میں بڑی تپش تھی۔

”معاذ اللہ! ...... معاذ اللہ!“ سالارِ لشکر کی آواز سے شدید اضطراب جھلک رہا تھا۔ ”اگر ارسلان، سلطانِ عالی کی واپسی کا تصور بھی کرے تو اس کا دماغ بجھ کر رہ جائے...... اور اگر اس مشورے کے لئے اس کے ہونٹ کانپیں تو زبان گل ہو کر گر جائے...... اور اگر اس شکست کے بعد وہ زندہ رہنے کی خواہش کرے تو حیات و موت کا مالک اُس پر مرگِ ناگہانی نازل کر دے۔“ یہ کہتے کہتے ارسلان جاذب کی آنکھیں بھیگ چلی تھیں۔

اپنے سالار کا جذبۂ صادق دیکھ کر سلطان محمود مسکرانے لگا۔ ”تجھے یہ عظیم کامیابی مبارک ہو ارسلان! کہ تُو اس آزمائش پر پورا اُترا۔“ والئ غزنی کے لہجے سے بے پناہ جوش و مسرت کا اظہار ہو رہا تھا۔ ”مگر تُو اس مجلسِ مشاورت کے درمیان خاموش کیوں بیٹھا رہا؟ تُو نے ہمیں کوئی مشورہ کیوں نہیں دیا؟“

”کوئی ذمے دار اور باہوش سپاہی اپنے سردار کو مشورہ دینے کا اہل نہیں ہوتا۔ بس میری یہی مجبوری تھی، سلطانِ ذی حشم!“ ارسلان جاذب نے رک رک کر کہا۔ ”میں صرف اپنے آقا کا جاں نثار ہوں، امورِ جنگ کا ماہر نہیں۔ یہی سوچ کر خاموش رہا کہ کہیں میری لغزشِ زبان، لشکرِ اسلام کو کسی خطرے سے دوچار نہ کر دے۔“

”بے شک! تُو سچا ہے ارسلان! تیرے لفظوں میں کوئی کھوٹ نہیں۔“ والئ غزنی کے چہرے پر طمانیت و سکون کی گہری جھلک نمایاں تھی۔ ”جب تیرا ہر وقت بیدار رہنے والا ذہن اس سنگین مسئلے کا حل سوچنے سے عاجز ہے تو پھر غور سے سن لے کہ تیرا سلطان، بت پرستوں کی سرزمین کی طرف اپنی پشت نہیں کرے گا اور ایسی شکستہ حالت میں غزنی واپس نہیں جائے گا کہ اس کی زندگی ایک تہمت و الزام بن کر

رہ جائے۔" یہ کہتے کہتے سلطان محمود کے چہرے پر آتشِ جلال پوری شدت کے ساتھ بھڑک اُٹھی تھی۔
"اور یہ بھی سن لے کہ تیرے سلطان نے پشاور کے اسی جنگل میں اپنی قبر کے لئے جگہ کا انتخاب کرلیا ہے۔ اس لئے تم سب بھی اپنے اپنے مدفن کے لئے پسندیدہ مقامات منتخب کرلو......اور اپنے اپنے دماغوں سے غزنی کے مکانوں کے نقش و نگار مٹا ڈالو......اور دلوں سے ماضی کی ایک ایک یاد کو کھرچ دو کہ اب گزرے ہوئے زمانے سے تمہارا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ تم صرف حال کے امین ہو۔ اور حال یہ ہے کہ موت اپنی پوری تباہ کاریوں کے ساتھ تمہارے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ اگر تمہاری روحیں اپنے رب سے کئے جانے والے عہد کو فراموش نہیں کر بیٹھی ہیں تو پھر خوش دلی کے ساتھ اس موت کو قبول کرلو کہ موت ہی انسانی زندگی کی آخری منزل ہے۔ وہ موت، جس سے گریز و فرار ممکن نہیں۔ موت آرام دہ بستروں پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بھی آتی ہے اور میدانِ جنگ میں لہولہان ہو کر بھی۔ اب یہ تمہارے ذاتی فیصلے پر منحصر ہے کہ تم کمزوری و نقاہت و افسردگی کی موت قبول کرتے ہو یا سرخروئی کی جلتی ہوئی خوں فشاں موت۔ اگر تم ذہین و ہوش مند تاجر ہو تو مجھے یقین ہے کہ خسارے کی موت کا سودا نہیں کرو گے......اور اگر تم اپنے امیر کے فرماں بردار ہو تو اس کا آخری حکم مانتے ہوئے اس موت کو قبول کرلو، جو تم پر غریب الوطنی کی حالت میں نازل ہونے والی ہے۔ اس کے بعد کوئی دوسری موت نہیں۔ منزل مراد ہے، اور حیاتِ ابدی ہے......بس اس کے سوا کچھ نہیں۔"

یہ کہہ کر محمود اپنے خیمے میں چلا گیا اور رات بھر اللہ کے حضور گریہ وزاری کرتا رہا۔ "ہم گمراہ تھے، تُو نے ہمیں ہدایتِ عظیم سے نوازا۔ ہم مفلس و نادار تھے، تُو نے ہمیں ایمان کی دولتِ لازوال دے کر منعم و تونگر کر دیا......ہم خانہ بدوش تھے، تُو نے ہمیں عافیت کا سائبان بخشا......ہم شدید ناتوانی کی حالت میں اہلِ کفر کے مظالم کا ہدف تھے، تُو نے ہمارے کمزور بازوؤں کو طاقت دی اور باطل کے سامنے صف آرا ہونے کے قابل بنایا۔ اے بے پناہ اور بے شمار دینے والے! ہمیں روشنی دے کہ ہم گردشِ وقت کے اندھیروں میں بے یار و مددگار بھٹک رہے ہیں......اور اپنے نام لیواؤں کو ایک لمحے کے لئے بھی سایۂ کرم سے جدا نہ کر کہ تیرے حصارِ کرم سے نکل کر ہلاکت و بربادی کے سوا کچھ نہیں۔"

❀❀❀❀❀

پھر صبح ہوتے ہی سلطان محمود نے اپنے ایک ہزار تیر اندازوں کو حکم دیا کہ وہ بہت تیزی سے پیش قدمی کرتے ہوئے انند پال کے لشکر کے قریب پہنچ جائیں۔ اس کے بعد اس طرح آہستہ آہستہ پیچھے ہٹیں کہ دشمن کو اپنی فتح کا یقین آ جائے۔ یہاں تک کہ ہندو حملہ آوروں کو اپنی خندقوں کے قریب لے آئیں۔ اس جنگی حکمتِ عملی سے محمود کا مقصد یہ تھا کہ وہ ایک مخصوص محاذ پر دشمن کا مقابلہ کر سکے۔ اگر والیٔ غزنی کھلے میدان میں راجہ انند پال سے نبرد آزما ہوتا تو چاروں طرف سے محصور ہو جانے کا خطرہ لاحق تھا۔ ایک تو مختصر فوج، دوسرے دشمن کا طویل و عریض حصار۔ اس طرح لشکرِ اسلام کی شکست یقینی ہو جاتی اور غزنی کے سپاہیوں کو اپنی جانیں بچانے کے لئے بھی کوئی راستہ میسر نہیں آتا۔

پہلے دن تو راجہ انند پال، سلطان محمود کی اس جنگی حکمتِ عملی کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ نتیجتاً اُسے جنگ کے ابتدائی مرحلے میں بھاری جانی نقصان اُٹھانا پڑا......مگر دوسرے روز وہ سلطان محمود کی چال کو سمجھ گیا۔ راجہ انند پال کے پاس لڑنے والے سپاہیوں کی کوئی کمی نہیں تھی......چنانچہ اس غیر معمولی رعایت

سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس نے تیس ہزار گکھڑوں کو حکم دیا کہ وہ محمود کے لشکر کی دوسری جانب پہنچ کر حملہ کریں۔ گکھڑ قوم بڑے وحشیانہ انداز میں جنگ کرتی تھی۔ انند پال، گکھڑوں کے اسی ہنر کو محمود کے لشکر پر آزمانا چاہتا تھا۔ پہلے اس نے دیوی دیوتاؤں کا نام لے کر گکھڑوں کے مذہبی تعصب کو اُبھارا۔ پھر کہا کہ اگر تم لوگ بھگوان کی نظروں میں معزز و محترم بننا چاہتے ہو تو اس شخص کو بے دریغ قتل کر ڈالو، جو اپنی کھودی ہوئی خندقوں کے درمیان آرام و سکون سے بیٹھتا ہے۔ وہ زندہ بچ گیا تو تمہارے دیوتا توڑ دیئے جائیں گے اور تمہارے مندروں کو ڈھا دیا جائے گا۔ پھر آخر میں تم، تمہاری عورتیں اور بچے بھی مسلمانوں کی تلواروں کی خوراک بن جائیں گے۔" راجہ انند پال کی تقریر سن کر گکھڑوں کی وحشت اپنے عروج پر پہنچ گئی اور پھر یہ تیس ہزار غیر تربیت یافتہ سپاہی، مذہبی جنون کی آگ میں جلتے ہوئے ننگے سر اور ننگے پاؤں دونوں طرف سے خندق پار کر کے مسلمانوں کے لشکر میں داخل ہو گئے اور اس طرح مجاہدینِ اسلام پر ٹوٹ پڑے کہ جیسے کوئی شکاری کسی درندے کو ہلاک کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

سلطان محمود کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس پر اچانک یہ نئی افتاد آن پڑے گی۔ غزنی کے تیر اندازوں نے گکھڑ سپاہیوں پر تیروں کی بارش کر دی۔ مگر وہ کیسے کیسے مارتے کہ تنہا یہ قوم اپنی تعداد میں محمود کی کُل فوج سے بھی زیادہ تھی۔ گکھڑوں کی یلغار اس قدر شدید تھی کہ آن کی آن میں تقریباً پانچ ہزار مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ یہ بڑے جاں گداز لمحات تھے۔ مجبوراً والیٔ غزنی کو اپنے مخصوص دستے کے ساتھ شریکِ جنگ ہونا پڑا۔ اور پھر بڑی مشکل سے شام تک گکھڑوں سے نجات حاصل کی گئی۔ اگرچہ سلطان محمود کے جاں بازوں نے گکھڑوں کو فرار ہونے پر مجبور کر دیا تھا لیکن جنگی نقطۂ نظر سے وہ اپنا کام انجام دے چکے تھے۔

راجہ انند پال اپنی اس غیر متوقع کامیابی پر بہت خوش تھا۔ گکھڑوں نے لشکرِ غزنی کے ایک بڑے حصے کو تباہ کر کے بت پرستوں کو فتح سے قریب تر کر دیا تھا۔ وہ فتح، جس کا اہلِ ہند برسوں سے انتظار کر رہے تھے اور جس کے حصول کے لئے مندروں میں شب و روز پرارتھنا کی جا رہی تھی۔

وہ رات والیٔ غزنی کے لئے بڑی گراں تھی۔ سلطان محمود ایک لمحے کے لئے بھی نہ سو سکا۔ ساری رات اُس کی نظروں کے سامنے اپنے مقتول سپاہیوں کے چہرے اُبھر اُبھر کر ڈوبتے رہے۔ کبھی کسی جاں بلب سپاہی کی صدا اُبھرنے لگتی۔

"سلطانِ معظم! الوداع!......غلام نے اپنا عہد پورا کر دیا۔"

کبھی والیٔ غزنی کی نظروں کے سامنے وہ خطۂ ارض روشن ہو جاتا، جو مجاہدینِ اسلام کے خون سے سرخ ہو گیا تھا۔

ان روح فرسا لمحات میں سلطان محمود نے کئی بار اپنے اللہ کو پکارا اور کئی مرتبہ خالقِ کائنات کے حضور دامنِ طلب پھیلایا۔ پھر اسی گریہ وزاری میں ساری رات گزر گئی۔

❀❀❀❀❀

دوسرے دن بھی گھمسان کا رن پڑا۔ مگر سلطان محمود کی افرادی قوت لحظہ بہ لحظہ کم ہوتی جا رہی تھی۔ سالار عبداللہ طائی چھ ہزار عربی سواروں کے ساتھ اور ارسلان جاذب دو ہزار ترکی، افغانی اور خلجی بہادروں کے ساتھ اپنی شجاعت و مردانگی کے جوہر دکھا رہے تھے۔ مگر اس کا کچھ حاصل نہیں تھا۔ اب وہ دوراہا سامنے

نظر آنے لگا تھا کہ یا تو لشکرِ اسلام کا ایک ایک سپاہی جامِ شہادت پی لے یا پھر سلطان محمود اپنے باقی ماندہ لشکر کو نکال کر غزنی کی طرف واپس لوٹ جائے۔

ظہر کے وقت سلطان محمود نے اُداس نظروں سے محاذِ جنگ کی طرف دیکھا۔ ہر طرف اُس کے جانبازوں کی لاشیں ہی لاشیں تھیں اور راجہ انند پال کا لشکر، برسات کے سیلابی پانی کی طرح اُمڈا چلا آ رہا تھا۔ والیٔ پنجاب اپنی فتح کو قریب تر پا کر جوشِ جذبات میں پاگل سا ہو رہا تھا۔ پھر اسی وحشت نے اُسے مجبور کیا کہ وہ ہندو سپاہیوں کا دل بڑھانے کے لئے اپنے ہاتھی کو لے کر اگلی صفوں تک آ پہنچا۔ انند پال ہذیانی انداز میں چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

”دیوتا تم سے راضی ہو چکے ہیں اور مسلمانوں پر اپنا غضب نازل کر رہے ہیں۔ بے خطر آگے بڑھو اور غزنی کے لٹیرے سے اپنے دیوتاؤں کی توہین کا انتقام لے لو۔“

انند پال کی نفرت انگیز تقریر سن کر ہندو سپاہی بھی جنونی کیفیت سے دوچار ہو گئے تھے۔ پھر ان کے وحشیانہ نعروں سے پورا میدانِ جنگ گونج رہا تھا۔ ”ہم نے مسلمانوں کے خدا کو شکست دے دی۔ اس دنیا میں دُرگا اور کالی کے سوا کوئی طاقت نہیں۔ جے دُرگا...... جے کالی۔“

جب ہندو سپاہیوں کے پُر شور نعروں کی گونج ختم ہوئی تو راجہ انند پال نے ایک عجیب اعلان کرتے ہوئے کہا۔

”اے دھرتی اور دھرم کے رکھشکو! غور سے سنو! تم میں سے جو شخص محمود کا سر کاٹ کر میرے سامنے پیش کرے گا، میں اُسے پانچ سو دیہاتوں کی جاگیر کے ساتھ اپنی مملکت میں وزیر کے عہدے سے سرفراز کروں گا۔“

ہندو سپاہیوں کی چلتی ہوئی شمشیریں رک گئیں اور چہرے خوشی سے دمکنے لگے۔

”اور تم میں سے جو شخص، غزنی کے سلطان کو زنجیریں پہنا کر میرے دربار میں حاضر کرے گا، میں اس سورما کو سمراٹ جے پال کے خاندان میں شامل کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی آدھی سلطنت بھی اس کے نام کر دوں گا۔“

بڑی سنسنی خیز تحریص و ترغیب تھی۔ ہندو سپاہیوں کی سانسیں رُکنے سی لگی تھیں اور دل کی دھڑکنوں میں عدم توازن پیدا ہو گیا تھا۔ ایک بار پھر ”دُرگا اور کالی“ کی جے جے کار سے میدانِ جنگ گونجنے لگا۔

ہندو سپاہیوں کے ہاتھوں کی جنبش تیز تر ہو گئی تھی اور وہ بڑے وحشیانہ انداز میں افواجِ غزنی پر حملے کر رہے تھے۔ مگر کوئی بھی اس راز سے باخبر نہیں تھا کہ انند پال اپنے جانبازوں سے جھوٹ بول رہا ہے۔ والیٔ پنجاب اپنی فتح کے کھلے آثار دیکھ کر بھی سلطان محمود کے جلال و جبروت سے خوف زدہ تھا۔ اُس کی شدید خواہش تھی کہ والیٔ غزنی میدانِ جنگ میں مارا جائے یا پھر زنجیریں پہن کر اس کے روبرو حاضر ہو جائے۔ اس طرح وہ سلطان سے اپنی ذلت و شکست کا انتقام بھی لے سکتا تھا اور اسے مستقبل کے تمام خطرات سے نجات بھی حاصل ہو سکتی تھی۔ یہی سوچ کر انند پال نے محمود کے قتل پر وزارت کا انعام رکھا تھا...... مگر والیٔ غزنی کی گرفتاری پر شریکِ سلطنت کرنے کا لالچ فریب و عیاری کے سوا کچھ نہیں تھا۔ پھر بھی اس اعلان کا یہ اثر ہوا کہ انند پال کے جھوٹے وعدوں نے ہندو سپاہیوں کے حوصلے بڑھا دیئے تھے اور ان کے حملوں نے پہلے سے زیادہ شدت اختیار کر لی تھی۔

جب سالار عبداللہ طائی اور ارسلان جاذب کو غزنی کے سپاہیوں نے انند پال کے اس اعلان سے باخبر کیا تو دونوں امیرانِ لشکر نے ایک ہی بات کہی۔

”تم اپنے کانوں کو بند کر لو اور آنکھیں کھلی رکھو۔ کون سرخرو ہو گا اور کون لعنت زدہ قرار پائے گا، اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ ہمیں صرف عمل کا حکم دیا گیا ہے۔ نتائج پر ہمارا کوئی اختیار نہیں۔ آگے بڑھو اور انند پال کی ہذیان بکنے والی زبان کاٹ کر اس کے دہن سے جدا کر دو۔ وہ نامراد تمہارے سلطان کے سر کی قیمت کیا مقرر کرے گا؟ اِن شاء اللہ عنقریب ہم اُس کے تاج و تخت کی بولی لگائیں گے۔“

عبداللہ طائی اور ارسلان جاذب ولولہ انگیز باتوں سے اپنے سپاہیوں کی ہمت بڑھا رہے تھے۔ مگر ان کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں کہ لشکرِ غزنی اور شکست کے درمیان بس چند قدم کا فاصلہ باقی رہ گیا ہے۔

ادھر راجہ انند پال کے اعلان سے متاثر ہو کر ہندو سپاہیوں کے فاتحانہ نعروں کی گونج سنائی دے رہی تھی اور ادھر سلطان محمود، فرشِ خاک پر نمازِ ظہر ادا کرنے کے بعد سجدے کی حالت میں گریہ وزاری کر رہا تھا۔

”اے ذاتِ بے نیاز! تُو نے اپنے حقیر بندے محمود کو جو طاقت بخشی تھی، وہ اسے بروئے کار لا چکا۔ یہاں تک کہ اس کے ناتواں بازو شل ہو گئے۔ مگر تُو خوب دیکھ رہا ہے کہ دشمنوں کے کاندھوں پر ان کے سر ابھی تک برقرار ہیں اور ان سروں کو جھکانے والا تیرے سوا کوئی نہیں...... اے قوی العزیز! تجھے ختم المرسلین کی رسالت کا واسطہ! ہم گناہ گاروں پر اپنی اس رحمت کی بارش فرما، جس سے تُو نے اصحابِ بدر و اُحد کو سیراب کیا تھا۔ بے شک! ہم تیری اس عنایتِ خاص کے لائق نہیں مگر کہاں جائیں اور کسے پکاریں کہ تیرے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں۔ اگر ہم تیری بارگاہِ کرم میں بدر و اُحد کا وسیلہ پیش نہ کریں تو پھر تجھے کس حوالے سے آواز دیں؟ ہمیں تو مانگنے کا سلیقہ بھی نہیں آتا۔ بس تُو اپنے معیارِ بخشش و عطا کا خیال کر، ہمارے دریدہ دامنوں اور ناپاک زبانوں کو نہ دیکھ۔“

سلطان اس قدر رویا کہ اس کے آنسوؤں کی نمی زمین پر اُبھر آئی۔ پھر وہ کھڑا ہو گیا۔ اچانک اسے کچھ یاد آیا اور اس نے بے قرار ہو کر اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔

”اے اللہ! مجھ پر میرا نامۂ اعمال روشن ہے۔ اور میں جانتا ہوں کہ میرے حساب میں کوئی نیکی درج نہیں۔ پھر بھی نظام شاہ نے تیری بہت پرستش کی ہے۔ میں ان کا نسبتی فرزند ہوں۔ باپ کے گریۂ نیم شبی اور آہِ سحر گاہی کا صلہ بیٹے کو دیدے۔ میں تجھ سے نظام شاہ کی تمام عبادتوں اور ریاضتوں کی اُجرت مانگتا ہوں۔ مجھے اہلِ کفر کے ہجوم میں رُسوا ہونے سے بچا لے اور بت پرستوں پر غلبہ و اختیار دیدے کہ تیرا امر ہی اس کائنات کی تقدیر ہے۔“

ابھی والیٔ غزنی کے دونوں ہاتھ پھیلے ہوئے تھے کہ میدانِ جنگ میں عجیب سا شور برپا ہوا۔ سلطان محمود گھبرا کر اپنے خیمے سے باہر نکل آیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک ناقابلِ یقین منظر تھا۔ ہندوؤں کی فوج جو فتح سے ہمکنار ہونے والی تھی، اچانک بھاگ کھڑی ہوئی۔

واقعہ یہ تھا کہ راجہ انند کا ہاتھی یکایک دہشت زدہ ہو کر پیچھے کی طرف مڑا اور پھر اپنے سپاہیوں کو روندتا ہوا اس طرح بھاگنے لگا جیسے کوئی شیر اس کے تعاقب میں ہو۔ فیل بان نے ہاتھی کو روکنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہا۔ یہاں تک کہ ہاتھی نے مہاوت کو بھی زمین پر گرا دیا اور بھاگتے بھاگتے ہندوؤں کے لشکر سے میلوں دُور نکل گیا۔

انند پال کے ہاتھی کو بھاگتے دیکھ کر ہندو سپاہی یہ سمجھے کہ مسلمانوں کی شجاعت اور تیغ زنی سے خوف زدہ ہو کر والیٔ پنجاب نے راہِ فرار اختیار کی ہے۔ نتیجتاً بت پرستوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے بساطِ جنگ اُلٹ گئی۔ دھرتی اور دھرم کے تمام محافظ اپنی جانیں بچانے کے لئے بھاگ کھڑے ہوئے۔

سلطان محمود اپنے خیمے کے دروازے پر خاموش کھڑا تھا۔ محافظ دستے کے سپاہی اُسے فتح کی مبارکبادیں دے رہے تھے مگر والیٔ غزنی زار و قطار رو رہا تھا۔ کبھی وہ آسمان کی طرف دیکھتا اور کبھی انند پال کے سپاہیوں کی طرف جو کسی آفتِ ناگہانی سے ڈر کر بے تحاشا بھاگتے جا رہے تھے۔

سالار عبداللہ طائی اور ارسلان جاذب نے دو دن اور دو راتوں تک مغرور ہندوؤں کا تعاقب کیا اور آٹھ ہزار سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اُتارا۔

سکھ پال کو گرفتار کر کے محمود کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ اپنے گناہ کی معافی مانگنے لگا۔

''باشا! یہ تیرا ہی قول تھا کہ اگر تُو نے ہم سے غداری کی تو پھر اپنے ہی ہاتھوں سے اپنا سر کاٹ کر ہماری مسندِ انصاف کو سجا دے گا۔''

بخشش و نجات کا کوئی راستہ نہ پا کر سکھ پال نے اپنے ہی خنجر سے اپنی شہ رگ کاٹ لی۔ پھر کچھ دیر بعد سلطان محمود کی نظروں کے سامنے تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

✻✻✻✻✻

بے شمار مالِ غنیمت لے کر سلطان محمود، غزنی پہنچا اور نظام شاہ کے قدموں سے لپٹ کر رونے لگا۔

''شیخ! مجھ سے بڑا گناہ سرزد ہو گیا...... میں اپنی دنیا کی خاطر اللہ سے آپ کی نیکیوں کا سودا کر لیا۔''

پھر جب والیٔ غزنی نے اس واقعے کی تفصیل بتائی تو نظام شاہ کی پلکیں بھی نم ہو گئیں۔ ''فرزند! میں تجھ سے راضی ہوں۔'' شدتِ جذبات سے نظام شاہ کی آواز لرز رہی تھی۔ ''مجھے جس طرح چاہے فروخت کر دے، مگر اللہ تجھے سربلند رکھے...... اور میرے بیٹے! تُو نے کیا خوب تجارت کی؟ مفلس و نادار باپ کو مالا مال کر دیا۔ کس زبان سے اس خریدار کا شکریہ ادا کروں؟ اس نے میری بڑی قیمت دی۔'' یہ کہہ کر نظام شاہ اتنا روئے کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔

✻✻✻✻✻

پھر چند ماہ کے وقفے کے بعد سلطان محمود نے ہندوستان کے ایک اور قلعے، نگر کوٹ پر حملہ کر دیا۔

سلطان محمود کے زمانے میں نگر کوٹ کا قلعہ (قلعہ بھیم) کے نام سے مشہور تھا۔ والیٔ غزنی منزل بہ منزل راستہ طے کرتا ہوا نگر کوٹ پہنچا اور اس نے قلعے کے محاصرے کا حکم دے دیا۔

''تم میں سے جو لوگ سلطان محمود کی اطاعت کریں گے، ان کے لئے والیٔ غزنی کی جانب سے مکمل سلامتی اور امان کی ضمانت ہے۔ مگر جو افراد حکم سلطانی سے سرتابی کریں گے، ان کے لئے کہیں کوئی پناہ نہیں۔'' سلطان کے ہرکارے نگر کوٹ کے گلی کوچوں میں اعلان کرتے پھر رہے تھے۔

پھر جن لوگوں نے سرِ اطاعت خم کر دیا، ان کی گردنیں محفوظ رہیں اور جن شر پسندوں نے لشکرِ غزنی کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کیں، انہیں بے دریغ قتل کر دیا گیا۔ پھر چند روز ہی میں نگر کوٹ کے باشندوں کو اندازہ ہو گیا کہ ان کی تمام آزادیاں سلب ہو چکی ہیں اور اب وہ سلطانِ غزنی کے زر خرید غلام

کی حیثیت سے ہی زندہ رہ سکتے ہیں۔

نگر کوٹ کا یہ قلعہ راجہ بھیم کے زمانے میں ایک پہاڑ کی چوٹی پر بنایا گیا تھا اور ہندوؤں کے نزدیک یہ قلعہ، بتوں کا گڑھ تھا۔ یہاں قدم قدم پر دیوتاؤں کے قد آور مجسمے نصب کئے گئے تھے اور ان چھوٹے بڑے بتوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی۔ بتوں کی کثرت کے لحاظ سے نگر کوٹ کے قلعے کو ہندوستان کے تمام صنم خانوں میں اوّلیت حاصل تھی۔ اس بت کدے کی زیب و زینت کے لئے گرد و پیش کے راجہ انواع و اقسام کی بیش قیمت اشیاء بھیجتے تھے اور اپنے اس فعل کو بھگوان کی قربت کا بڑا وسیلہ سمجھتے تھے۔ چونکہ نگر کوٹ کے قلعے میں چاروں طرف سے دولت آ آ کر جمع ہوتی رہتی تھی، اس لئے یہاں سونے، چاندی، جواہرات اور موتیوں وغیرہ کا جس قدر بڑا ذخیرہ تھا، ویسا شاید ہی کسی بادشاہ کے خزانے میں موجود ہو...... مگر حیرت ناک طور پر یہ قلعہ بہادر سپاہیوں سے خالی تھا۔ یہاں کے مکین زیادہ تر برہمن اور مندر کے پجاری تھے۔ نتیجتاً وہ سلطان محمود کا لشکرِ جرار دیکھ کر خوف زدہ نظر آنے لگے اور پھر قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ والیٔ غزنی نے پہلے دن اطراف کا جائزہ لیا۔ پھر دوسرے روز محمود نے اپنے ایک قاصد کے ذریعے یہ پیغام بھیجا۔

''قلعے کے مکینو! اب یہ تم پر منحصر ہے کہ میرے رحم و کرم کی طلب رکھتے ہو یا میرے قہر و غضب کو آواز دیتے ہو۔ اگر تم مجھ سے میرے رحم کے طالب ہوئے تو میں تمہیں امان بخشوں گا...... اور اگر تم نے میرے قہر کو پکارا تو یاد رکھو! کہ میں تمہارے اس ناقابلِ تسخیر قلعے کی بنیادیں تک کھود ڈالوں گا۔ اور پھر تم ہمیشہ کے لئے اپنی اسی پناہ گاہ کے ملبے میں دفن کر دیئے جاؤ گے۔''

قلعے کے محافظوں نے سلطان محمود کا یہ پیغام برہمن پجاریوں تک پہنچا دیا۔ پھر تیسرے دن اچانک قلعے کا دروازہ کھلا اور بڑا پجاری، کرشن داس دونوں ہاتھ جوڑے ہوئے لرزتے جسم کے ساتھ والیٔ غزنی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ''سمراٹ! اس قلعے کے اندر جو کچھ ہے، وہ سب کچھ آپ کی بھینٹ ہے۔ بس ہمیں ہمارے پران دے دیجئے کہ ہم آپ کے کرودھ (غضب) کو بسہن نہیں کر سکتے۔''

پجاری کرشن داس کی یہ حالت دیکھ کر سلطان محمود مسکرایا۔ پھر اُس نے اپنی شمشیرِ بے نیام، برہمن پجاری کی شہ رگ پر رکھ دی۔ شدتِ خوف سے کرشن داس کی آنکھیں اُبل پڑی تھیں اور سانس رُکنے لگی تھی۔

''کیا مجھ سے کوئی اپرادھ ہو گیا پربھو (مالک)!'' کرشن داس اس طرح رک رک کر بول رہا تھا، جیسے اس پر نزع کی کیفیت طاری ہو۔

والیٔ غزنی کے ہونٹوں کا تبسم مزید گہرا ہو گیا تھا۔ ''تُو اسی برہمن قوم کا ایک فرد ہے، جس نے چند ماہ پہلے ہندوستان کے گلی کوچوں میں میرے خلاف ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ میں تم لوگوں کے نزدیک رہزن و قزاق تھا۔ تمہاری نفرت انگیز تقریروں کی بازگشت آج تک میری سماعت میں محفوظ ہے۔ جی تو چاہتا ہے کہ میں تم سب کی زہریلی زبانیں کاٹ کر دربدر پھراؤں۔'' سلطان کے ہونٹوں سے نفرت و قہر کی آگ برس رہی تھی۔

پجاری کرشن داس گھبرا کر والیٔ غزنی کے قدموں سے لپٹ گیا۔ ''دیا کر سمراٹ! ہم مجبوروں پر دیا کر کہ دیا ہی تیری آن ہے اور دیا ہی تیری شان ہے۔'' برہمن پجاری بڑے گداگرانہ انداز میں اپنی اور

دوسرے پجاریوں کی زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔

"جا! میں تجھے اپنے اللہ کے حکم سے زندگی کی بھیک دیتا ہوں۔" سلطان محمود نے کرشن داس کے سر پر ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔

اگرچہ والئ غزنی کے پاؤں کی ضرب بہت ہلکی تھی، لیکن خوف کی شدت سے کرشن داس اُلٹ گیا اور اس کی زرد پگڑی کھل کر فرش پر گر پڑی۔ برہمن پجاری گھبرا کر دوبارہ اٹھا اور اپنی پگڑی کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹنے لگا۔

"سن اے جانور!" والئ غزنی کی پُرہیبت آواز دوبارہ گونجنے لگی۔ "برہمن درندوں کی طرح یہ نہیں کہوں گا کہ تیری غلیظ پگڑی نے میرے خیمے کی زمین کو ناپاک کر دیا مگر یاد رکھ! کہ تُو خود پیدائشی ناپاک اور اچھوت ہے۔ تم بھیڑیوں کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق اللہ کی بے شمار مخلوق ناپاک اور اچھوت نہیں ہو سکتی۔ میں تجھے اور تیری قوم کو یہی بات سمجھانے کے لئے ہندوستان آیا ہوں۔"

پجاری کرشن داس نے والئ غزنی کے حضور ایک اور سجدہ ادا کیا اور پھر کانپتے ہاتھوں سے قلعے کے اندر پائے جانے والے خفیہ خزانے کی کنجیاں سلطان محمود کو پیش کر دیں۔

جب کرشن داس، واپس جانے کے لئے مڑا تو سلطان محمود نے ایک بار پھر برہمن پجاری کو پکار کر کہا۔ "اگر تجھ میں ذرا سی بھی غیرت باقی ہے تو اپنی قوم کو بتا دینا کہ ایک اللہ کے ماننے والوں کا معیارِ کرم کیا ہے؟ اگر غزنی کا سلطان چاہتا تو تمہیں بڑی خوفناک رسوائی سے دوچار کرتا اور پھر تم سے سانس لینے کا حق بھی چھین لیتا۔"

کرشن داس، سلطان کی اس اعلیٰ ظرفی کا مفہوم کیا سمجھتا کہ اس کے قبیلے کی فطرت کا خمیر ہی سود خوری، حرص و ہوس اور سفاکی و درندگی کی خاک سے اُٹھا تھا۔

کرشن داس کے جاتے ہی والئ غزنی اپنے امیرانِ لشکر اور چند مصاحبوں کے ہمراہ قلعے کے اندر داخل ہوا۔ پھر سلطان نے کسی خوں ریزی کے بغیر برہمنوں کے اس پوشیدہ خزانے پر قبضہ کر لیا۔ سات لاکھ اشرفیاں...... دو سو من خالص سونا...... دو ہزار من خالص چاندی...... اور بیس من انواع و اقسام کے جواہرات جو راجہ بھیم کے زمانے سے اس مندر میں جمع ہو رہے تھے، محمود کی ملکیت بن گئے۔

❋❋❋❋❋

ابھی سلطان محمود، نگرکوٹ ہی میں مقیم تھا کہ راجہ انند پال نے والئ غزنی کی خدمت میں نیا معافی نامہ ارسال کیا۔ میدانِ جنگ میں شکست کھانے کے بعد انند پال فرار ہو کر اور دشوار ترین پہاڑی راستوں سے گزر کر گھاٹیوں کے اندر جا چکا تھا۔ پھر اسی فرار اور غریب الوطنی کی حالت میں پنجاب کے حکمراں نے والئ پنجاب کے نام معافی نامہ تحریر کیا۔

"سلطان! آپ عالی نسب بھی ہیں اور صاحبِ ظرف بھی۔ میں آپ کے ان اوصاف پر علی الاعلان گواہی دیتا ہوں اور حضور کی بارگاہِ کرم میں رحم کی درخواست پیش کرتا ہوں۔ جس طرح آپ نے اس سے پہلے بھی بار بار میری اور میرے باپ کی خطائیں معاف کی ہیں، اسی طرح ایک مرتبہ پھر میری اس گستاخی سے درگزر فرمایا جائے کہ میرے نفس نے مجھے ورغلایا تھا اور میں پورے ہندوستان کی فوجیں سمیٹ کر شاہ بلند اقبال کے سامنے صف آرا ہو گیا تھا۔ یہ میری بدبختی تھی، جس کا خمیازہ مجھے شکست و

رسوائی کی صورت میں اُٹھانا پڑا۔ بے شک! میں نے بارہا عہد شکنی کی ہے لیکن حضور کے معیارِ کرم کو دیکھتے ہوئے ایک بار پھر یقین دلانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ اپنی آخری سانس تک والئ غزنی کا وفادار رہوں گا اور سالانہ خراج کی ادائیگی میں اس غلام کی طرف سے کوئی کوتاہی سرزد نہیں ہو گی۔ اگر آئندہ میرا نفس مجھے سرکشی پر اُبھارے اور راہِ وفا سے میرے گناہ گار قدم بہک جائیں تو سلطان ذی حشم کو پورا اختیار ہے کہ وہ میری سانسوں کا سرمایہ بھی غصب کر لیں اور ارضِ پنجاب کو بھی تاخت و تاراج کر ڈالیں۔"

راجہ انند پال کا معافی نامہ پڑھ کر سلطان محمود نے اپنے سیاسی مشیروں کی رائے طلب کی۔

"سلطانِ محترم کا ذہن رسا مستقبل شناس بھی ہے اور مسائل کا گرہ کشا بھی...... مگر ہماری ناقص رائے میں راجہ انند پال کا اعتبار نہ کیا جائے کہ وہ ازلی جھوٹا ہے۔"

سلطان محمود نے اپنے مشیروں کی رائے کے خلاف عمل کرتے ہوئے راجہ انند پال کو معاف کر دیا۔

نگرکوٹ کے راجہ نے بھی خدمتِ سلطان میں اسی قسم کا معافی نامہ ارسال کیا تھا۔ "والئ غزنی میری اس اضطراری غلطی کو معاف فرمائیں کہ میں برہمنوں کی گہری سازش کا شکار ہو گیا تھا اور پجاریوں کے بہکانے سے میری ناکارہ فوج، حضور کے مقابل صف آراء ہونے کی گستاخی کر بیٹھی تھی۔"

سلطان محمود نے کسی تامل کے بغیر نگرکوٹ کے راجہ کی اس درخواست کو منظور کر لیا۔ والئ غزنی پر اب یہ راز فاش ہو چکا تھا کہ متعصب برہمن اور پنڈت ہی اس تمام ہنگامہ آرائی کے ذمے دار تھے۔

سلطان کے بعض قریبی مصاحبوں نے محمود کے اس اقدام سے بھی اختلاف کیا تھا مگر جب والئ غزنی نے اپنی حکمتِ عملی کی وضاحت کی تو سلطان کے بڑے بڑے دانشور حیرت زدہ رہ گئے۔

"یہ شورش پسند پنڈت اور برہمن ایک عرصہ دراز سے اہلِ ہند کے دلوں میں میرے خلاف نفرتوں کے بیج بو رہے ہیں، میں ان کی اس سازش کو ہرگز کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔" سلطان نے اپنے سپہ سالاروں اور مشیروں کے سامنے یہ سیاسی نکتہ بیان کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے ان کی مرکزیت کو ختم کر دیا ہے۔ اب یہ دوبارہ کسی ایک محاذ پر جمع نہیں ہو سکیں گے۔ انند پال کی شکست کے بعد ہندوستان کا ہر فرمانروا اپنی ذات میں تنہا رہ گیا ہے۔ اب ہندوستان کی تمام ریاستوں پر بہت آسانی کے ساتھ غلبہ حاصل کیا جا سکے گا۔ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ نگرکوٹ کے گرد و پیش میں چھوٹی بڑی کئی سلطنتیں موجود ہیں مگر کوئی ایک حکمراں بھی اپنے ہم مذہب فرمانروا کی مدد کو نہیں آیا۔ حالانکہ نگرکوٹ، ہندوؤں کے دیوی دیوتاؤں کا سب سے بڑا مسکن تھا۔"

غزنی کے سالاروں اور سیاسی مشیروں نے ستائشی نظروں سے اپنے امیر کی طرف دیکھا کہ ان کا امیر جنگجو اور شجاع ہونے کے ساتھ ساتھ فہیم و دانا بھی تھا اور بساطِ سیاست پر دُور رس نتائج کی حامل چالیں چلنے والا شاطر بھی۔

انند پال اور نگرکوٹ کے راجاؤں کو امان دینے کے بعد سلطان محمود نے عام اعلان کرا دیا کہ جو ہندو سپاہی، افواجِ غزنی میں شامل ہونا چاہتا ہے، اس کی خدمات کو انتہائی خوش دلی کے ساتھ قبول کیا جائے گا۔ جنگِ پشاور میں شکست کھانے کے بعد کچھ علاقوں کے ہندو فوجی شدید مایوسی کا شکار ہو گئے تھے۔ نتیجتاً سلطان محمود کا اعلان سن کر مختلف علاقوں کے ہندو سپاہی، لشکرِ غزنی میں شامل ہو گئے۔ پھر سلطان نے انہی میں سے ایک راجپوت ہندو کو سالاری کا منصب دے کر دس ہزار ہندوؤں کی ایک الگ اور مستقل فوج

قائم کردی۔

پھر 400ھ میں سلطان محمود، نگر کوٹ کا عظیم الشان خزانہ لے کر غزنی پہنچا۔ وہاں اس نے شہر سے باہر ایک دلکش مکان تعمیر کرایا اور کئی سونے چاندی کے تخت بچھوائے۔ والئ غزنی جو مال و اسباب، نگر کوٹ سے لایا تھا، اسے نئے تعمیر شدہ مکان میں بڑے قرینے سے سجا دیا گیا......اور پھر غزنی کے تمام باشندوں کے لئے ان نوادرات کی نمائش کا اہتمام کیا گیا۔ سلطانِ غزنی کا یہ اعلان سنتے ہی ہزاروں شہری و دیہاتی باشندے اس نمائش کو دیکھنے کے لئے قطار در قطار آتے رہے۔ یہ نمائش تین دن تک جاری رہی۔ اس دوران محمود نے اپنی یادگار فتح کی خوشی میں کئی جشن منائے۔ ضرورت مندوں میں بے شمار دولت تقسیم کی اور مستحق لوگوں کو گراں قدر انعام و اکرام سے نوازا۔

محمود کے بے حد اصرار پر نظام شاہ بھی اس جشن میں شریک ہوئے۔ مگر انہوں نے والئ غزنی کے سامنے واضح الفاظ میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''فرزند! جن لوگوں کے پیشِ نظر عظیم تر مقصد ہوتا ہے، وہ نام و نمود کے ہنگاموں میں اپنا قیمتی وقت برباد نہیں کرتے۔''

مردِ قلندر کی تنبیہ کے جواب میں والئ غزنی نے بصد احترام عرض کیا۔ ''شیخ محترم! یہ وقت کا زیاں نہیں۔ میں اپنے جاہ و جلال کا مظاہرہ اس لئے کر رہا ہوں کہ میری فتوحات دیکھ کر اہلِ اسلام کے بے قرار دل سکون پا جائیں اور باطل پرستوں کے دل و دماغ پر سلطنتِ غزنی کی ہیبت قائم ہو جائے۔''

سلطان محمود کی فطرت میں کسی حد تک نمائش پسندی کا رنگ شامل تھا اور نظام شاہ، والئ غزنی کی اس کمزوری سے واقف تھے اس لئے مسکرا کر خاموش ہو گئے۔

سلطان نے اپنی رازدار کنیز شارقہ کے ذریعے نگار خانم کو بھی اپنی فتح کے اس جشن میں شریک ہونے کی دعوت دی تھی۔ پھر جب شارقہ اپنے آقا کا خصوصی پیغام لے کر نگار خانم کے مکان کی طرف جانے لگی تو والئ غزنی نے کنیز کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''اس سے کہنا کہ وہ اپنی آنکھوں سے سلطانی جاہ و جلال کے یہ بے مثال مناظر دیکھے اور اندازہ کرے کہ محمود کس شان کا فاتح ہے؟''

پھر جب کنیز شارقہ نے انتہائی غرور آمیز لہجے میں نگار خانم کو سلطانِ غزنی کا پیغام منتقل کیا تو نظام شاہ کی بیٹی کے ہونٹوں پر تبسم اُبھر آیا۔

''جب میں تیرے سلطان کو فاتح ہی تسلیم نہیں کرتی تو پھر کیسا جشنِ فتح، کیسی ہنگامہ آرائی اور کیسی شرکت؟'' نگار خانم کے لہجے سے بڑی عجیب بے نیازی جھلک رہی تھی۔

کنیز شارقہ ایک معمولی عورت کا جواب سن کر چراغ پا ہو گئی۔ ''نگار خانم! آپ سلطانِ عالی مرتبت کی بلند اقبالی اور نصرت و کامرانی سے حسد رکھتی ہیں اور یہی آپ کی کم نسبی اور کم ظرفی کی دلیل ہے۔'' سلطانی کنیز، حقِ نمک ادا کرتے کرتے اپنے منصب سے گر گئی تھی۔

''چپ ہو جا شارقہ!'' نگار خانم نے انتہائی برہم لہجے میں کہا۔ ''اپنے اور میرے حفظِ مراتب کا خیال کر کہ تُو کنیز پیدا ہوئی اور غلامی کے اس ریشمی کفن میں لپٹی ہوئی تہِ مدفن چلی جائے گی......اور غور سے سن! کہ میں نے آزاد فضاؤں میں سانس لی اور اسی تمغۂ آزادی کو اپنے سینے پر سجا کر زیرِ خاک سو جاؤں گی۔''

نگار خانم کی گرم گفتاری دیکھ کر کنیز شارقہ کا چہرہ اُتر گیا تھا۔ پھر جب وہ تھکے تھکے قدموں سے واپس جانے لگی تو نگار خانم نے اسے دوبارہ مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''اور آئندہ ادھر کا رخ نہ کرنا کہ تجھ جیسی بے ضمیر کنیز، مردانِ آزاد کے گھروں میں داخل ہونے کے قابل نہیں ہے۔''

پھر جب کنیز شارقہ نے اپنی تحقیر آمیز گفتگو کا ذکر حذف کرتے ہوئے پوری رنگ آمیزی کے ساتھ نگار خانم کی گستاخی کی تفصیل بیان کی تو والئ غزنی کا تابناک چہرہ دھواں ہو کر رہ گیا اور سلطان کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے تمام شہر کی قندیلیں بجھ گئی ہوں اور جشنِ فتح یکایک کسی ماتمی تقریب میں بدل گیا ہو۔

❁❁❁❁❁

جشنِ فتح کے رنگ دُھندلے پڑ گئے تھے، مگر ابھی مٹے نہیں تھے کہ ایک نئے فتنے نے پوری شدت کے ساتھ سر اُبھارا۔ سلطان محمود کو راجہ انند پال سے مصروفِ پیکار دیکھ کر غور کے حاکم، محمد بن غوری اور ملتان کے حاکم داؤد بن نصر نے علمِ بغاوت بلند کر دیا تھا۔ ان دونوں کا خیال تھا کہ ہندوؤں کے لشکرِ کثیر کے سامنے والئ غزنی کو مکمل شکست ہو جائے گی اور پھر محمود اس قابل نہیں رہے گا کہ وہ ان کی سرزش کر سکے۔ سلطان کو دورانِ جنگ ہی محمد بن غوری اور داؤد بن نصر کی بغاوتوں کا علم ہو گیا تھا مگر اس نے قصداً اس طرف توجہ نہیں دی۔ محمود کا خیال تھا کہ انند پال کی شکست کے بعد وہ دونوں اپنے اپنے گناہوں سے تائب ہو جائیں گے اور والئ غزنی کی خدمت میں معذرت نامے پیش کر دیں گے۔ لیکن محمد بن غوری اور داؤد بن نصر کا آخری وقت قریب آ پہنچا تھا۔ اس لئے وہ گردشِ وقت کے قدموں کی تیز چاپ سننے سے قاصر رہے۔ شوقِ حکمرانی انہیں اس شخص کے خلاف ورغلاتا رہا جسے اس دنیا میں صرف فتوحات کے لئے بھیجا گیا تھا۔

جب دونوں باغی ایک طویل مہلت کے باوجود اپنی اصلاحِ حال نہ کر سکے تو مجبوراً سلطان محمود نے 10ھ میں غور پر حملہ کر دیا۔ محمد بن غوری اپنے دس ہزار جانباز سپاہی لے کر والئ غزنی کے مقابلے کے لئے نکلا۔ پھر دونوں لشکروں میں بڑی خوفناک معرکہ آرائی شروع ہو گئی۔ طلوعِ آفتاب سے زوالِ آفتاب تک گھمسان کا رن پڑا۔ غوری نے اس معرکے میں شجاعت و مردانگی کے ایسے جوہر دکھائے کہ سلطان محمود انتہائی کوشش کے باوجود اس پر غلبہ حاصل نہ کر سکا۔ انجام کار والئ غزنی نے نئی جنگی حکمتِ عملی سے کام لیتے ہوئے اپنی فوج کو حکم دیا کہ سخت جان حریف کو دھوکا دے کر گرفتار کیا جائے۔ حکمِ سلطانی کی گونج ختم ہوتے ہی غزنی کے لشکر نے دشمن فوج کے سامنے سے بھاگنا شروع کر دیا۔

محمد بن غوری، محمود کی اس چال کو سمجھنے سے عاجز رہا۔ اپنی کوتاہ اندیشی کے باعث اس نے یہی سوچا کہ لشکرِ غور سے مقابلے کی تاب نہ لا کر غزنی کے سپاہی راہِ فرار اختیار کر رہے ہیں۔ نتیجتاً غور کے سپاہیوں نے سلطان محمود کے اس فراری لشکر کا تعاقب شروع کر دیا اور جوشِ جذبات میں خود اپنی کھودی ہوئی خندق کو بھی پار کر گئے۔ پھر جب غوریوں کا لشکر کھلے میدان میں آ گیا تو سلطان محمود نے اچانک اپنے گھوڑے کی باگ پھیر دی اور غنیم پر ایک زبردست حملہ کر دیا۔ یہ سب کچھ اس قدر غیر متوقع تھا کہ غوری سپاہیوں کو سنبھلنے کی مہلت بھی نہ مل سکی اور ان کی ایک بڑی تعداد دیکھتے ہی دیکھتے لقمۂ اجل بن گئی۔

یکایک بساط اُلٹی تو یہ جنگ شام تک بھی جاری نہ رہ سکی۔ والئ غزنی کے ایک جانباز دستے نے محمد بن غوری کو گرفتار کر کے سلطان محمود کے سامنے پیش کر دیا۔

"کیا میں نے تیرے گناہ سے چشم پوشی نہیں کی تھی؟" سلطان محمود نے محمد بن غوری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اور کیا میں نے تجھے اتنی مہلت نہیں دی تھی کہ تُو اپنے گناہ سے تائب ہو سکے؟"

محمد بن غوری کیا جواب دیتا۔ وہ ندامت کے پسینے میں نہایا ہوا خاموش کھڑا رہا۔

"اور کیا تُو نے اپنی اسی طاقت کی بنیاد پر سلطنتِ غزنی کو للکارا تھا؟" آتشِ جلال کے اثر سے سلطان کا لہجہ جل رہا تھا۔ "تُو نے اپنی شر انگیزی کا انجام دیکھ لیا؟" سلطان محمود نے محمد بن غوری سے پوچھا۔ پھر دوسرے ہی لمحے والیٔ غزنی نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔ "مگر میں تیرے انجام سے مطمئن نہیں ہوں۔ ابھی بہت رُسوائیاں باقی ہیں جو عنقریب تیرا مقدر بن جائیں گی۔"

محمد بن غوری اپنی اس بے عزتی کو برداشت نہ کر سکا۔ وہ فطرتاً ایک غیرت مند انسان تھا۔ مجبوراً اس نے سینکڑوں درباریوں کی موجودگی میں ایک قیمتی ہیرا کھا لیا، جس کے زہریلے اثرات سے اس کے دل، جگر اور دیگر اعضائے رئیسہ خون ہو کر منہ کے راستے بہنے لگے اور محمد بن غوری نے والیٔ غزنی کے سامنے ہی تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔

اپنے حریف کا یہ انجام دیکھ کر سلطان محمود لرز گیا اور انتہائی پُرسوز لہجے میں با آواز بلند کہنے لگا۔ "اے اللہ! میں اس حرام موت سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔"

اس کے بعد محمد بن غوری کا علاقہ، سلطنتِ غزنی میں شامل ہو گیا۔

پھر اسی سال سلطان محمود بڑے قاہرانہ انداز میں ملتان کی طرف بڑھا۔ حاکم ملتان داؤد بن نصر اچھی طرح جانتا تھا کہ اس بار سلطان محمود اسے معاف نہیں کرے گا۔ مجبوراً وہ اپنے سپاہیوں سے آخری قطرۂ خون تک بہا دینے کا عہد لے کر والیٔ غزنی کے مقابل صف آرا ہوا مگر شکست و رسوائی اس کی تقدیر میں لکھی جا چکی تھی، اس لئے بہت جلد اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

داؤد بن نصر کے سلسلے میں سلطان نے بطورِ خاص اپنے سپاہیوں کو حکم دیا تھا کہ حاکم ملتان کو زندہ گرفتار کیا جائے۔ جب ملتان کی فوج کو شکست ہوئی تو داؤد بن نصر نے فرار ہونے کی بھرپور کوشش کی مگر سلطانِ غزنی کے جاں نثار سپاہی کسی عقاب کے مانند اس پر جھپٹے اور پھر حاکم ملتان کو گراں بار زنجیریں پہنا دی گئیں۔ اس جنگ میں بہت سے قرامطہ تہِ تیغ ہوئے، بے شمار گمراہوں کو ہاتھیوں کے ذریعے پامال کرایا گیا اور لاتعداد فتنہ گروں کے دست و پا کاٹ دیئے گئے۔ والیٔ غزنی کی طرف سے تشدد کا یہ انتہائی سنگین مظاہرہ تھا۔ اس موقع پر سلطان محمود بار بار آسمان کی طرف دیکھ کر پکار اُٹھتا تھا۔

"اے ربِ کریم! تُو خوب جانتا ہے کہ تیرا بندہ محمود ظالم و سفاک نہیں ہے...... مگر ان ستم گروں نے تیرے دینِ حنیف پر بڑے بڑے مظالم ڈھائے ہیں۔ اس لئے یہ اپنے عبرت ناک انجام کو پہنچے۔"

اب محمود کو ملتان پر مکمل غلبہ و اختیار حاصل تھا۔ قرامطہ کے فتنے کی بیخ کنی سے محمود کو ناقابلِ بیان خوشی حاصل ہوئی تھی، اس لئے غزنی پہنچ کر اس نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ اپنی نئی فتح کا جشن منایا اور داؤد بن نصر کو تاریک زنداں کے حوالے کر دیا، جہاں اُسے روزانہ نئی نئی اذیتوں سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔

❀❀❀❀❀

پھر جیسے ہی جشنِ فتح کے ہنگامے سرد ہوئے، محمود نے اپنے سیاسی مشیروں کا ایک خصوصی اجلاس طلب کر لیا۔ اس اجلاس میں صرف ایک ہی مسئلہ زیرِ غور تھا کہ راجہ انند پال بار بار معافی مانگنے کے بعد اپنا

عہد کیوں توڑ دیتا ہے؟

بہت غور و فکر کے بعد سلطان کے سیاسی مشیر ایک نتیجے پر پہنچ گئے اور ان سب نے بیک زبان اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "سلطانِ ذیشان! ہماری ناقص رائے میں تھانیسر، قنوج اور مہابن کے راجہ ہی اس فساد کی جڑ ہیں۔ یہی فتنہ گر بار بار انند پال کو بغاوت پر اُکساتے ہیں۔"

والیٔ غزنی بہت انہماک سے اپنے مشیروں کی گفتگو سنتا رہا۔

"بے شک! سلطان ذی حشم نے تائیدِ غیبی کے سہارے قرامطہ کے خوفناک فتنے سے نجات حاصل کر لی مگر تھانیسر، مہابن اور قنوج کے پنڈت بھی قرامطہ سے کم خطرناک نہیں ہیں۔" سلطان کے ایک مشیر ابوریحان نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

بالآخر 402ھ میں سلطان محمود نے تھانیسر پر فوج کشی کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اس حملے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ تھانیسر کا راجہ انند پال کے ساتھ مل کر دوبارہ پشاور پر حملہ آور ہو چکا تھا۔ تھانیسر اور دہلی کی سرحدیں انند پال کے علاقے پنجاب کی مشرقی سرحد سے ملتی تھیں۔ اس جغرافیائی صورتِ حال کے پیش نظر پنجاب سے گزرے بغیر تھانیسر پر لشکر کشی ممکن نہیں تھی۔ نتیجتاً والیٔ غزنی نے پنجاب کے حاکم کے نام ایک مختصر خط تحریر کیا۔

"انند پال! ہم نے بہت غور و خوض کے بعد طے کیا ہے کہ تھانیسر اور دہلی کو بھی اپنی سلطنت کی حدود میں شامل کر لیں۔ اس لئے ہم تجھے قبل از وقت خبردار کرتے ہیں کہ لشکرِ سلطانی تیرے علاقے سے ہو کر گزرے گا۔ اب تیرے حق میں یہی بہتر ہے کہ تُو اپنے آدمی ہمارے سپاہیوں کے ہمراہ کر دے۔ تیرے سپاہی اس اجنبی راستے پر لشکرِ سلطانی کی رہنمائی کریں گے تاکہ انجانے میں تیری مملکت کی حدود کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے۔" اپنے مکتوب کے آخر میں سلطان محمود نے حاکمِ پنجاب کو تنبیہ کرتے ہوئے لکھا تھا۔ "انند پال! ہم اپنی سیاست کے اسرار و رموز کو کسی پر ظاہر نہیں کرتے مگر تجھے، قصداً ایفائے عہد کا آخری موقع فراہم کر رہے ہیں کہ اس کے بعد تیرا کوئی امتحان نہیں ہوگا۔"

راجہ انند پال کے تمام سرکش اور مفسدانہ جذبے دم توڑ چکے تھے۔ اس لئے مکتوبِ سلطانی پڑھتے ہی اس نے اپنے چھوٹے بھائی کی قیادت میں دو ہزار سواروں کا ایک دستہ پشاور کے مقام پر بھیج دیا اور اسے ہدایت کر دی کہ وہ اس سفر میں والیٔ غزنی کے ہمراہ رہے اور لشکرِ سلطانی کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچنے دے۔

پھر افواجِ غزنی برق رفتاری کے ساتھ پنجاب کے علاقے سے گزرتی رہیں اور انند پال، لاہور کے محل کے ایک گوشے میں خاموش پڑا اپنی بے چارگی کا ماتم کرتا رہا۔

تھانیسر، برہمنوں کی سازش کا مرکز تھا۔ اور اسی مقام پر تمام ہندوستان کے پنڈت جمع ہو کر سلطنتِ غزنی کی بربادی کے منصوبے بنایا کرتے تھے۔ سلطان محمود کے جاسوسوں نے اسے یہ بھی بتایا تھا کہ ہندوستان کے تمام بت پرست اس شہر کے ایک مندر کو اپنی جان قرار دیتے ہیں۔ تھانیسر کا یہ مندر بہت قدیم ہے جس میں بڑے بڑے بت رکھے ہوئے ہیں اور سب سے بڑے بت کا نام جگ سوم ہے۔ جگ سوم کے متعلق ہندوؤں کا عقیدہ تھا کہ اس بت کا وجود اسی وقت ظہور میں آیا تھا جب دنیا میں انسان پیدا ہوا تھا۔ جگ سوم کے حوالے سے برہمنوں نے ہندوستان کے سادہ لوح باشندوں کو یہ بھی یقین دلا دیا تھا کہ جو شخص اس بت کے سامنے خودکشی کر کے مر جاتا ہے، اسے دوسری دنیا میں نجات حاصل ہو جاتی

ہے۔ غرض جگ سوم کے بارے میں اسی قسم کی بے شمار گمراہ کن روایتیں مشہور تھیں، جنہیں سن کر والیٔ غزنی کا خون کھول اُٹھا تھا۔

تھانیسر پر حملے سے پہلے خود راجہ انند پال نے بھی والیٔ غزنی سے درخواست کرتے ہوئے ایک خط تحریر کیا تھا۔

''میں آپ کے حکم کی تعمیل کی غرض سے اپنے چھوٹے بھائی کو حضورِ والا کی خدمت گزاری کے لئے بھیج رہا ہوں مگر اس کے ساتھ ہی یہ التجا بھی کرتا ہوں کہ تھانیسر کا مندر، اہلِ ہند کی بہت بڑی عبادت گاہ ہے۔ اگرچہ آپ کا مذہب، بتوں کے وجود کو برداشت نہیں کرتا لیکن تھانیسر کے مندر کے سلسلے میں میری عاجزانہ گزارش ہے کہ آپ اس کو تاخت و تاراج نہ کریں اور اس کے عوض آپ جو مناسب خیال فرمائیں، مقامی اور گردو پیش کے جاگیرداروں سے طلب کرلیں۔ مجھ حقیر کی رائے یہی ہے کہ یہاں کی رعایا کو اپنا خراج گزار بنا کر اپنے ملک واپس تشریف لے جائیں۔'' خط کے آخر میں راجہ انند پال نے یہ بھی تحریر کیا تھا۔ ''اگر اس بندۂ ناچیز کی یہ درخواست قبول کرلی گئی تو شکریئے کے طور پر مقررہ سالانہ خراج کے علاوہ آپ کا یہ غلام ہر سال پچاس ہاتھی اور دیگر بیش قیمت اشیاء، سلطانِ معظم کی نذر کرے گا۔''

محمود نے راجہ انند پال کے تحریص آمیز خط کے جواب میں صرف اتنا لکھا کہ ہمیں بت فروشی کی ترغیب نہ دے اور بدترین تجارت کے آداب نہ سکھا کہ ہم صرف مجاہد ہیں، کوئی ساہوکار نہیں۔

جب سلطان محمود کے حملہ آور ہونے کی خبر راجہ دہلی کے کانوں تک پہنچی تو وہ اپنی پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کی تیاریاں کرنے لگا۔ پھر اس نے فوراً ہی ہندوستان کے گوشے گوشے میں یہ خبر گشت کرادی کہ سلطان محمود ایک لشکرِ جرار لے کر ہندوؤں کے مشہور مندر تھانیسر پر حملہ کرنے کے لئے آرہا ہے۔ اگر ہم نے قبل از وقت اس سیلابِ بلاخیز کو روکنے کی تدبیریں نہ کیں تو اس لٹیرے کی خوں ریزیوں سے کوئی محل، کوئی جھونپڑی، کوئی سمراٹ، کوئی سپاہی، کوئی جاگیردار، کوئی مزدور، کوئی برہمن اور کوئی شودر محفوظ نہیں رہ سکے گا۔

راجہ دہلی کے اعلان اور مذہب کے نام پر مدد کی درخواست سے ہندوستان کے تمام چھوٹے بڑے راجہ بہت متاثر ہوئے اور سلطانی حملے کے خلاف دفاع کرنے کے لئے ایک بار پھر ایک ہی پرچم تلے جمع ہونے کی کوشش کرنے لگے۔ مگر وقت ان کے ہاتھوں سے نکل چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ مختلف ہندو راجہ اپنے لشکروں کو لے کر تھانیسر کا رخ کرتے، سلطان محمود وہاں پہنچ چکا تھا۔ تھانیسر کا راجہ، جس کی فوجی طاقت برائے نام تھی، والیٔ غزنی کے خوف سے بھاگ کھڑا ہوا۔ شہر کو خالی پا کر سلطان محمود بے خوف و خطر اندر داخل ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اعلان کردیا کہ غریب لوگوں سے کوئی بازپرس نہ کی جائے اور تمام آسودہ حال افراد کا مال و اسباب لوٹ لیا جائے اور شہر کے سارے برہمنوں کو کسی رعایت کے بغیر گرفتار کرلیا جائے۔

اس کے بعد سلطان محمود مندر میں داخل ہوگیا۔ مندر کے پجاری جانتے تھے کہ والیٔ غزنی اُن کے بتوں کے ساتھ کیا سلوک کرے گا، اس لئے سب کے سب سلطان محمود کے قدموں سے لپٹ گئے اور گریہ وزاری کرنے لگے۔

''اے عالی مرتبت سلطان! تجھے تیرے اللہ کا واسطہ، ہمارے ان دیوتاؤں کو معاف کردے۔''

پنڈتوں کی فریاد سن کر سلطان محمود مسکرانے لگا۔ ''اے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والو! میں تمہیں یہی راز بتانے کے لئے اس بت خانے میں داخل ہوا ہوں کہ جو مسلمانوں کا اللہ ہے، وہی تمہارا بھی خالق ہے۔ اُس کی ذات، اُس کی خدائی، اُس کی حکومت اور اُس کے اختیار میں نہ پہلے کوئی شریک تھا اور نہ آئندہ کوئی شریک ہوگا۔ پھر تم نے اتنی مورتیں کیوں تراش لیں؟ اور تم کیوں ان پتھر کے بے جان ٹکڑوں کی پرستش کررہے ہو؟''

''ہم بہت مجبور ہیں سلطان!'' تھانیسر کے پجاری بدستور بین کررہے تھے۔ ''ہمارے باپ دادا نے ان بتوں کو تراشا تھا۔ ان کے خلاف ہم کچھ نہیں کرسکتے کہ ہم تو رسموں کی زنجیر میں جکڑے ہوئے بے دست و پا انسان ہیں۔ ایک کٹھ پتلی کی طرح، جس کی ڈوریاں کسی اور کے ہاتھ میں ہیں اور جو ہمیں اُن کی مرضی کے مطابق صدیوں سے نچا رہا ہے۔''

''تم ان ڈوریوں کو بھی کاٹ دو اور اس ہاتھ کو بھی جو تمہیں کبھی نہ بجھنے والی آگ کی طرف کھینچے لئے جارہا ہے۔'' سلطان محمود پورے جاہ و جلال کے ساتھ برہمن پجاریوں سے مخاطب تھا اور اتمامِ حجت کے لئے بت پرستوں کے گروہ کو وحدانیت کی تلقین کررہا تھا۔

''نہیں سمراٹ!'' تھانیسر کے برہمن پجاری، والیٔ غزنی کے جوتوں پر اپنی پیشانیاں رگڑنے لگے۔ ''اس طرح تو ہم ہلاک ہوجائیں گے۔ سلطان! تجھے تیری عظیم الشان سلطنت کا واسطہ! تو ہمیں بھی بچالے اور ہمارے دیوتاؤں کو بھی۔''

''تم مجھ سے جاں بخشی کی بھیک مانگنے کے بجائے اپنے دیوتاؤں سے مدد کیوں نہیں مانگتے کہ وہ کب تک خاموش تماشائی بنے رہیں گے اور اپنے پرستاروں کی ذلت و بربادی کے دردناک مناظر دیکھتے رہیں گے؟'' سلطان محمود نے برہمن پجاریوں کو وحدانیت پرستی کی ترغیب دلانے کے لئے ایک عجیب دلیل پیش کی تھی۔

''نہیں سلطان! یہ ممکن نہیں۔'' برہمن پجاری خود اپنی زبانوں سے اپنے عقائد کی نفی کررہے تھے۔ مگر انہیں اس کا شعور نہیں تھا۔ ''ہمارے دیوتا سنتے تو ہیں مگر اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرسکتے۔''

''اے بدنصیب و نابینا قوم!'' یکایک سلطان محمود غضب ناک نظر آنے لگا۔ ''تو نے اپنی جہالت و گمراہی چھپانے کے لئے کیا کیا بہانے تراشے ہیں۔'' والیٔ غزنی کی آواز اتنی پُرہیبت تھی کہ برہمن پجاریوں نے خوف زدہ ہوکر اس کے قدم چھوڑ دیئے۔ ''تم سب کے سب کھڑے ہوجاؤ اور بہت غور سے میری باتیں سنو!'' سلطان محمود نے تھانیسر کے پجاریوں کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔ والیٔ غزنی کی گرج دار آواز سن کر عیار و شاطر برہمن لرزتے جسموں کے ساتھ کھڑے ہوگئے۔

''یہ دیوتا جنہیں تم اپنا مشکل کشا سمجھتے ہو، اس وقت خود کس مشکل میں گرفتار ہیں، کیا تمہیں اس صورتِ حال کا اندازہ ہے؟'' والیٔ غزنی نے انتہائی پُرسکون انداز میں ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

سلطان محمود کے اس سوال پر تھانیسر کے پجاریوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور ان کے چہروں پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔

''اے فریب خوردہ پجاریو! میرے آئینۂ گفتار میں اپنی جہالت و گمراہی کا عکس دیکھو۔'' والیٔ غزنی،

برہمن پجاریوں سے مخاطب تھا۔ ''ان دیوتاؤں سے زیادہ طاقت ور تو خود تم ہو کہ انہیں اپنے ہاتھ سے تراشتے ہو، کسی بلند جگہ پر نصب کرتے ہو۔ پھر جب ان پر گرد و غبار کی تہہ جم جاتی ہے تو اپنے ہاتھوں سے انہیں غسل کراتے ہو۔ تمہارا یہ کیسا عقیدہ ہے کہ جو دیوتا اپنے جسموں پر بیٹھ جانے والی ایک حقیر مکھی کو بھی نہیں اُڑا سکتے، وہ اس لامحدود کائنات کا نظام کس طرح چلا رہے ہیں؟ کیا تمہیں اب بھی عقل نہیں آتی کہ ان کا دشمن ان کے سروں پر آ پہنچا ہے اور یہ اپنے دفاع کے لئے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کر سکتے۔''

''ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دے سلطان!'' تھانیسر کے پجاریوں نے ایک بار پھر گریہ و زاری کرتے ہوئے والیٔ غزنی کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔ ''بس ہمیں اپنے رحم کی بھیک دے دے اور ہمارے دیوتاؤں کو معاف کر دے کہ اس کے بدلے میں ہم تجھے سیم و زر کے انبار دیتے رہیں گے۔''

بت پرستوں کا یہ رویہ دیکھ کر سلطان محمود مایوس ہو گیا۔ اس کا خیال تھا کہ جب وہ اسلام کی لازوال روشنی لے کر تھانیسر کے تاریک صنم خانے میں داخل ہو گا تو روشنی کی ایک کرن کو ترستے ہوئے پجاری دیوانہ وار اپنے دامن پھیلا دیں گے اور چیخ چیخ کر کہیں گے کہ دیارِ خورشید سے آنے والے! ہمیں روشنی دے...... ہمیں روشنی دے...... اب ہم سے یہ اندھیرے برداشت نہیں ہوتے...... مگر طویل گفتگو کے بعد سلطان کو اندازہ ہوا کہ تھانیسر کے پجاری ازلی اندھے ہیں۔ اگر آسمان کا دہکنے والا سورج اپنے پورے وجود کے ساتھ ان کی آنکھوں پر بھی اُتر آئے تو وہ روشنی کی زندہ حقیقت کا اعتراف نہیں کریں گے۔ حجت پوری ہو چکی تھی۔ اس لئے سلطان محمود نے سب سے زیادہ قد آور مجسمے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے برہمن پجاریوں سے پوچھا۔

''یہ کون ہے؟''

''جگ سوم!'' برہمن پجاریوں نے کانپتی آوازوں میں کہا۔ ''دنیا کا سب سے پہلا بت...... ہمارے بگڑے کام بنانے والا اور لازوال قوتوں کا مالک جگ سوم۔'' خوف و دہشت کی اس سنگین فضا میں بھی پنڈتوں کے لہجے سے جگ سوم کے لئے انتہائی عقیدت کا اظہار ہو رہا تھا۔

''بے شک! اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے۔ جب تک وہ نہ چاہے، دنیا کا کوئی انسان راہِ راست پر قدم نہیں رکھ سکتا۔'' یہ کہہ کر والیٔ غزنی قہرناک ارادوں کے ساتھ آگے بڑھا۔ پھر اُس نے اپنے سپہ سالار ارسلان جاذب سے ایک بھاری گرز طلب کیا۔

جگ سوم کے دن پورے ہو چکے تھے۔ یہ سوچ کر تھانیسر کے پجاری ایک بار پھر والیٔ غزنی کے قدموں سے لپٹنے کی کوشش کرنے لگے۔

''مت چھوؤ میرے جسم کو اپنے ناپاک ہاتھوں سے۔'' والیٔ غزنی کی پُر ہیبت آواز پورے مندر میں گونج اُٹھی تھی۔ برہمن پجاری ڈر کر پیچھے ہٹ گئے اور پتھرائی ہوئی آنکھوں اور رُکی ہوئی سانسوں کے ساتھ جگ سوم کی تباہی کا منظر دیکھنے لگے۔

سلطان محمود کا دایاں ہاتھ اپنی پوری توانائی سے فضا میں بلند ہوا اور پھر دوسرے ہی لمحے مندر میں ایک ہلکا سا دھما کا سنائی دیا۔ والیٔ غزنی کا خیال تھا کہ جگ سوم کو کسی مضبوط پتھر سے تراشا گیا ہے۔ مگر یہ طویل قامت بت اندر سے بالکل کھوکھلا تھا۔ اس لئے سلطانی گرز کی ایک ضرب بھی برداشت نہ کر سکا اور اپنے معبد میں دو نیم ہو کر بکھر گیا۔

بڑا نا قابلِ یقین منظر تھا۔ تھانیسر کے پجاریوں نے بیش قیمت زر و جواہر، بت کے اندر چھپا رکھے تھے۔ جگ سوم کے ٹوٹ جانے پر والیٔ غزنی کو برہمن کی عیار فطرت کا اندازہ ہوا کہ آدم زادوں کا یہ مخصوص قبیلہ کیسا سود خور اور کیسا زر پرست ہے۔

دنیا کے سب سے قدیم بت کی شکست پر تھانیسر کے پنڈت نوحہ خوانی کرنے لگے۔ کچھ دیر بعد سلطان محمود کے حکم پر دوسرے مقامی باشندوں کے ساتھ برہمن پجاریوں کو بھی زنجیریں پہنا دی گئیں۔ پھر والیٔ غزنی دولت کے انبار سمیٹ کر دہلی کو فتح کرنے کی غرض سے آگے بڑھا۔ مگر تمام وزیروں اور مشیروں نے اسے سمجھایا کہ دہلی کو اس وقت فتح کیا جا سکتا ہے، جب پورے صوبہ پنجاب پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے اور انند پال کی طرف سے کسی فتنہ انگیزی کا خطرہ باقی نہ رہے۔ سلطان محمود نے مختصر سی بحث و تمحیص کے بعد اپنے امیروں کے اس مشورے کو قبول کر لیا اور دہلی کی فتح کا ارادہ ترک کر کے غزنی کی طرف لوٹ گیا۔ بے شمار دولت کے علاوہ تقریباً دو لاکھ لونڈیاں اور غلام، سلطان محمود کے ہمراہ تھے۔ اس سال غزنی میں اس قدر ہندوستانی صورتیں نظر آتی تھیں کہ غزنی کو بھی ہندوستان کا ایک شہر سمجھا جانے لگا تھا۔ لشکرِ سلطانی کے ہر فرد کے پاس کئی کئی لونڈیاں اور غلام تھے۔ تھانیسر کے مندر سے سرخ یاقوت کا ایک ٹکڑا بھی سلطان محمود کے ہاتھ آیا تھا، جس کا وزن چار سو پچاس مثقال تھا۔ اس یاقوت کو دیکھ کر غزنی کے تمام جوہری بے ساختہ پکار اُٹھے تھے۔

''سلطانِ ذیشان! آج تک کسی آنکھ نے ایسا پتھر نہیں دیکھا ہو گا اور نہ کسی کی سماعت نے اتنے قیمتی جوہر کے بارے میں کوئی روایت سنی ہو گی۔''

❁❁❁❁❁

404ھ میں سلطان محمود نے بال ناتھ کے مشہور قلعے ''نندنہ'' پر حملہ کیا۔ اس وقت راجہ انند پال کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کا بیٹا جے پال ثانی، لاہور کا حاکم تھا۔ جب راجہ جے پال کو محمود کے حملے کی اطلاع پہنچی تو اس نے نندنہ کے قلعے کو اپنے چند معتمد لوگوں کے سپرد کر دیا اور خود درّہ کشمیر میں جا کر چھپ گیا۔ محمود نے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور اپنے سپاہیوں کو نقب زنی کے ساتھ ساتھ دروازہ کھولنے کے دوسرے طریقے آزمانے کا حکم دیا۔ پھر جب یہ محاصرہ طول پکڑ گیا تو قلعے کے محافظوں نے عاجز آ کر ہتھیار ڈال دیئے اور والیٔ غزنی سے امان طلب کر لی۔ سلطان محمود نے اپنے ایک وفادار وزیر کو نندنہ کے قلعے کا حاکم مقرر کیا اور خود راجہ جے پال ثانی کے تعاقب میں درّہ کشمیر کی طرف روانہ ہوا۔ جب انند پال کے بیٹے نے یہ خبر سنی تو وہ وہاں سے بھی بھاگ نکلا۔ پھر سلطان بہت سا مالِ غنیمت لے کر اور ہزاروں ہندوؤں کو مشرف بہ اسلام کر کے غزنی واپس آیا۔

406ھ میں سلطان محمود نے کشمیر کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ پھر والیٔ غزنی نے اس دلکش خطۂ ارض کی حدود میں داخل ہو کر ''لوہ کوٹ'' کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ یہ قلعہ اپنی بلندی اور مضبوطی کی وجہ سے بہت زیادہ شہرت رکھتا تھا۔ اس لئے سلطان محمود کو اس کے سر کرنے میں دیر لگی۔ اسی دوران برف باری کا آغاز ہو گیا اور سردی اس قدر بڑھ گئی کہ غزنی کے سپاہی اس یخ بستہ موسم کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ اس کے علاوہ اہلِ قلعہ کو کشمیر کے دارالحکومت سے بھی فوجی مدد پہنچ گئی تھی۔ نتیجتاً سلطان محمود کو لوہ کوٹ کے محاصرے سے دست بردار ہو کر غزنی کی طرف واپس لوٹ جانا پڑا...... مگر واپسی میں غزنی کا لشکر راستہ بھٹک جانے

کے سبب ایک ایسی جگہ جا پہنچا، جہاں چاروں طرف پانی ہی پانی تھا اور دلدل ہی دلدل تھی۔ راستے سے ناآشنا سلطان محمود کے سینکڑوں سپاہی، پانی اور دلدل کی نذر ہو گئے تھے۔ سلطان کے شہ سواروں نے خشکی کا راستہ ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی، مگر وہ بری طرح ناکام رہے۔ غزنی کے لشکر پر کئی روز تک یہ عجیب و غریب بلا مسلط رہی۔

خود سلطان محمود بھی اس آفتِ ناگہانی کو دیکھ کر بدحواس ہو گیا تھا اور شدید کرب کے عالم میں اپنے خالق کو پکارنے لگا تھا۔ ''اے اللہ! کیا تیرے نام لیواؤں کی یہ فوج، باطل پرستوں سے مقابلہ کیے بغیر موت کی خوراک بن جائے گی؟''

پھر جیسے ہی اس خوف ناک جنگل میں محمود کی فریاد کی گونج ختم ہوئی، والیٔ غزنی نے کچھ فاصلے پر نظام شاہ کو کھڑے ہوئے دیکھا۔

''شیخ! آپ یہاں؟'' حیرت کی زیادتی سے والیٔ غزنی کی آواز میں لکنت پیدا ہو گئی تھی۔

نظام شاہ آہستہ آہستہ سلطان محمود کی طرف بڑھ رہے تھے۔

غزنی کے امیرانِ لشکر جو محمود کے قریب تھے، انہیں اس بات پر تعجب ہو رہا تھا کہ ان کا فرماں روا کس سے گفتگو کر رہا ہے۔ جب کہ سلطان کے سامنے اس کا کوئی مخاطب موجود نہیں تھا۔

''فرزند! میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔'' نظام شاہ نے والیٔ غزنی کے قریب پہنچ کر کہا۔

سلطان کی حیرت میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ کہاں شہر غزنی اور کہاں وادیٔ کشمیر سے ملحق یہ خوف ناک جنگل؟ دونوں مقامات کے درمیان سینکڑوں میل کا فاصلہ حائل تھا۔ پھر ایک پیادہ پا قلندر نے یہ طویل فاصلہ کس طرح طے کر لیا؟ اور نظام شاہ کو اس بات کی کیسے خبر ہو گئی کہ لشکرِ سلطانی ایک عجیب و غریب مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔ والیٔ غزنی اپنے ان سوالات کے جواب چاہتا تھا مگر نظام شاہ نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''بس خاموش رہو فرزند! کہ اس معاملے میں تمہیں جنبشِ لب کی اجازت نہیں۔''

سلطان محمود نے چپ چاپ اپنے گھوڑے کی لگام پکڑی اور نظام شاہ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

تمام امیرانِ لشکر اور سپاہی حیرت زدہ تھے کہ آخر والیٔ غزنی کو کیا ہو گیا ہے کہ سواری موجود ہوتے ہوئے بھی وہ انتہائی دُشوار گزار راستے پر پیدل چل رہا ہے۔ کسی مصاحب یا امیر میں اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ محمود سے پیدل چلنے کی وجہ دریافت کر سکتا...... اور سلطان کسی کو یہ کیسے بتاتا کہ نظام شاہ اس وقت کشمیر کے خوف ناک جنگل میں اس کے ہم سفر ہیں اور وہ اپنے شیخ کے احترام میں گھوڑے کی پشت پر سوار نہیں ہو سکتا۔

نظام شاہ بڑی تیزی سے اس ناہموار اور اجنبی راستے پر آگے بڑھ رہے تھے۔ کبھی وہ گھنے درختوں کے کنج میں دائیں طرف مڑ جاتے اور کبھی بائیں طرف۔ سلطان محمود کو ایسا لگ رہا تھا جیسے نظام شاہ نے اپنی پوری زندگی اسی خوفناک جنگل میں بسر کی ہے اور وہ اس علاقے کے ہر پیچ و خم سے بخوبی آشنا ہیں۔

پھر اچانک نظام شاہ، جنگل کے اس حصے میں داخل ہو گئے، جہاں ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ کچھ دیر تک سپاہی اور ان کے گھوڑے ٹھوکریں کھاتے رہے، پھر یکایک لشکرِ غزنی، سورج کے اُجالے میں نہا گیا۔ فرطِ مسرت سے اکثر سپاہیوں کی چیخیں نکل گئیں۔ تمام فوجی آبی اور دلدلی علاقے سے گزر کر خشکی

کے ہموار راستے پر پہنچ گئے تھے اور تاحدِ نظر تیز دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔

''فرزند! میں جا رہا ہوں۔'' نظام شاہ، والیٔ غزنی سے سخت لہجے میں مخاطب ہوئے، جیسے کوئی بزرگ کسی بچے کو تنبیہ کر رہا ہو۔

اس بلائے بے درماں سے نجات پانے کی خوشی میں سلطان محمود کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔ والیٔ غزنی اس رہبری پر نظام شاہ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا، لیکن مردِ قلندر نے ایک طفلِ نافرمان سمجھ کر اُسے ڈانٹ دیا۔

''نہیں، اس معاملے میں سکوت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تم نے جو کچھ دیکھا، وہ تمہارا فریبِ نظر تھا...... اور جو کچھ تم نے سنا، وہ تمہاری سماعت کا دھوکا تھا۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔'' یہ کہہ کر نظام شاہ مڑے اور بہت تیز قدموں سے آگے بڑھنے لگے۔

ابھی غزنی کے مردِ قلندر نے چند قدم کا فاصلہ طے کیا ہو گا کہ اچانک نرم رو اور خوشگوار ہوا نے آندھی کی شکل اختیار کر لی اور سلطانی لشکر، گرد و غبار کے طوفان میں گھر گیا۔ تمام سپاہی حیران و پریشان تھے کہ دلدل کے عفریت سے نجات ملی تو ہواؤں کا عذاب مسلط ہو گیا۔ مگر غزنی کے فوجیوں کی یہ پریشانی بہت عارضی تھی۔ چند لمحوں بعد ہی ہوا کے خوفناک جھونکے رک گئے اور سارا گرد و غبار چھٹ گیا۔

سلطان محمود نے گھبرا کر دیکھا۔ اس کی نظروں کے سامنے دُور تک وسیع و عریض میدان پھیلا ہوا تھا مگر نظام شاہ غائب تھے۔ ایک پیادہ پا شخص چند لمحوں میں کتنا فاصلہ طے کر سکتا ہے؟ بس چند قدم...... پھر نظام شاہ کس طرح چلے گئے؟ والیٔ غزنی نے اپنے آپ سے سوال کیا۔ پھر خود ہی زیرِ لب مسکراہٹ کے ساتھ جواب دینے لگا۔

''قلندر جس طرح آیا تھا، اسی طرح واپس چلا گیا۔''

غزنی پہنچ کر سلطان محمود نے تھانیسر سے لائے ہوئے بت ''جگ سوم'' کو شہر کے چوراہے پر رکھوا دیا۔ اہلِ اسلام جوق در جوق آتے اور اپنے اللہ کی کبریائی بیان کرتے کہ ذاتِ لم یزل نے اُن کے فرمانروا، سلطان محمود کو دنیا کے قدیم ترین بت کے توڑنے کا اعزاز بخشا۔ اپنی اس فتح کی خوشی میں محمود نے ایسا عظیم الشان جشن منایا کہ اس کے سامنے تمام سابقہ تقریبات ماند پڑ گئیں۔

پھر اپنے ہاتھوں سے بے شمار صدقہ و خیرات تقسیم کرنے کے بعد سلطان محمود نے جگ سوم کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے انہیں دریا میں غرق کر دیا۔

اس جشن سے فارغ ہونے کے بعد ایک دن محمود نے باتوں باتوں میں نظام شاہ کے سامنے کشمیر کے خوف ناک جنگل کا ذکر کیا۔ والیٔ غزنی کا خیال تھا کہ نظام شاہ، روحانیت کے اس راز سے پردہ ہٹا دیں گے۔ مگر اس وقت سلطان محمود حیران رہ گیا جب نظام شاہ نے اس عجیب واقعہ سے اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''فرزند! یہ تمہارا فریبِ نگاہ ہے یا پھر وہ کوئی اور مردِ بزرگ ہو گا۔ گناہ گار نظام شاہ تو ایک شکستہ پا مسافر ہے، جو قبر کے کنارے کھڑا ہے۔ اس میں اتنی طاقت کہاں کہ وہ سینکڑوں میل کا سفر اختیار کر سکے۔ بس فرزند! ایسی بات نہ کہو کہ سننے والے تمہاری ذہنی حالت پر شک کرنے لگیں۔''

نظام شاہ نے ایک ظاہری دلیل پیش کر کے والیٔ غزنی کو ٹالنے کی کوشش کی تھی۔ مگر جب سلطان محمود

کا اصرار حد سے بڑھ گیا تو نظام شاہ برہم ہو گئے اور انتہائی غضب ناک لہجے میں کہنے لگے۔

''محمود! یہ میرے اور تیرے درمیان ایک راز ہے۔ اگر تُو نے اس راز کو کم ظرفوں کے درمیان افسانہ بنانے کی کوشش کی تو پھر سرِ محشر تُو میرا گناہ گار ٹھہرے گا۔''

✽✽✽✽✽

اسی سال ابوالعباس مامون نے محمود کو ایک خط ارسال کیا، جس میں یہ درخواست کی گئی تھی کہ سلطان اپنی چھوٹی بہن کی شادی اس کے ساتھ کر دے۔ محمود نے اس رشتے کو منظور کر لیا اور اپنی چہیتی بہن کو مامون کے عقد میں دے دیا۔ رخصتی کے وقت سلطان نے خوارزم شاہ کو ایک ہی نصیحت کی تھی۔

''یہ میرے باپ امیر سبکتگین کی نشانی ہے اور میں اس نشانی کو اپنے بیٹے امیر مسعود کی طرح عزیز رکھتا ہوں۔ اگر یہ تم سے خوش ہے تو میں بھی خوش ہوں۔ اور یہ ناراض ہے تو پھر میری خفگی کو کوئی دُور نہیں کر سکتا۔''

ابھی اس شادی کو ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ سلطان نے یہ روح فرسا خبر سنی کہ خوارزم کے کچھ باغیوں نے محمود کے بہنوئی ابوالعباس مامون کو قتل کر دیا ہے۔

بہن کے بیوہ ہو جانے کی خبر اس قدر جانگداز تھی کہ محمود جیسا آہنی اعصاب رکھنے والا انسان بر سرِ دربار چیخ اٹھا اور اپنی شمشیر بے نیام کر لی۔

''خوارزم کے بدنصیب باشندو! تم نے یہ کیا کیا؟ میری بہن کے سر سے عروسی آنچل کھینچ کر اسے ماتمی لباس پہنا دیا۔ اب اللہ ہی جانتا ہے کہ کتنے مرد خونیں کفن پہنیں گے اور کتنی عورتیں اپنے جسموں پر بیوگی کی قبا سجائیں گی۔''

پھر سلطان محمود ایک لشکرِ عظیم کے ساتھ اپنے بہنوئی ابوالعباس مامون کے قتل کا انتقام لینے کے لئے خوارزم کی طرف بڑھا۔

سلطان محمود، غزنی کی حدود سے نکل کر پہلے بلخ پہنچا۔ کچھ دن تک انتظامی امور میں مصروف رہا، پھر خوارزم کی طرف روانہ ہوا۔ سلطان بڑی احتیاط سے مصروفِ سفر تھا کہ کہیں اُس کی لشکر کشی کی خبر سن کر ابوالعباس مامون کے قاتل فرار نہ ہو جائیں۔ اسی مصلحت کے پیشِ نظر جب سلطان، خوارزم کے سرحدی علاقہ ''حضر بند'' پہنچا تو اس نے اپنے ایک معتبر امیر، محمد طائی کو مختصر فوج دے کر آگے روانہ کیا اور خود ایک محفوظ مقام پر خیمہ زن ہو گیا۔

ایک دن جب غزنی کے تمام سپاہی صبح کی نماز میں مشغول تھے تو خوارزم کے سپہ سالار خمار تاش نے اچانک ایک کمین گاہ سے نکل کر ان پر حملہ کر دیا۔ اس موقع پر اگر کسی دوسرے مذہب کے ماننے والے سپاہی ہوتے تو یقیناً اپنی عبادت ترک کر کے یا تو دشمن کے مقابل صف آرا ہو جاتے یا پھر شدید بدحواسی اور انتشار کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوتے...... مگر ایسے سنگین لمحات میں بھی مجاہدینِ غزنی نے بڑے صبر و استقامت کا ثبوت دیا۔ وہ سب کے سب اس طرح اپنے رب کے حضور دست بستہ کھڑے رہے، جیسے انتہائی پُر امن فضا میں نماز ادا کر رہے ہوں۔ خوارزم کا سپہ سالار خمار تاش لشکرِ غزنی کی پچھلی صفوں پر بڑے وحشیانہ انداز میں حملے کرتا رہا۔ محمود کے جاں نثار سپاہی اس خیال سے چپ چاپ قتل ہوتے رہے کہ کہیں ان کی چیخیں دوسرے سپاہیوں کی عبادت میں خلل انداز نہ ہوں۔ اس نماز کی امامت خود سلطان

محمود کر رہا تھا۔ پھر جب والئ غزنی نے پورے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز مکمل کر کے سلام پھیرا تو اس پر یہ خوفناک راز فاش ہوا کہ غزنی کے مصروفِ عبادت سپاہی، اہلِ خوارزم کی شمشیروں کا ہدف بن چکے ہیں۔ یہ غیر متوقع ہنگامہ آرائی دیکھ کر سلطان محمود نے مختصر دعا مانگی۔

''اے اللہ! ہمیں دنیا و آخرت کی تمام نیکیاں عطا کر اور آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔''

دعا ختم ہوتے ہی محمود نے جا نماز کے قریب رکھی ہوئی اپنی تلوار اٹھائی اور اسے بے نیام کرتے ہوئے انتہائی تند و تیز لہجے میں اپنے سپاہیوں سے مخاطب ہوا۔

''اے جاں نثارانِ غزنی! تمہارے جو ساتھی تم سے بچھڑ گئے، وہ بہت خوش نصیب تھے کہ انہوں نے عین نماز کی حالت میں جامِ شہادت پیا اور زندۂ جاوید ہو گئے...... اور تم بھی خوش نصیب ہو کہ تم نے موت کو اتنے قریب پا کر اطاعتِ الٰہی سے منہ نہیں موڑا اور اپنی صفوں میں شگاف نہیں ڈالے۔ تمہیں یہ نظم و ضبط مبارک ہو اور آئندہ کے لئے یاد رکھو کہ جو قومیں اپنی صف بندی کی حفاظت کرتی ہیں، وہی معرکۂ زیست میں فاتح قرار پاتی ہیں...... اور یہ بھی سن لو کہ تمہارا دشمن بہت کم ہمت اور بزدل ہے۔ اس لئے بے خوف و خطر آگے بڑھو اور خوارزم کی اینٹ سے اینٹ بجا دو۔''

اپنے فوجی ساتھیوں کی حالتِ نماز میں شہادت اور والئ غزنی کی اثر انگیز تقریر نے سلطانی لشکر کو بہت زیادہ پُرجوش بنا دیا تھا۔ نتیجتاً محمود کے سپاہی اپنے حریف کو نیل گایوں اور ہرنوں کا ریوڑ سمجھ کر بھوکے شیروں کے مانند جھپٹ پڑے۔ خوارزم کا سپہ سالار خمار تاش، سلطانی لشکر کے حملے کی تاب نہ لا سکا اور کچھ دیر بعد ہی میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا۔ محمود کے سپاہیوں نے اس کا تعاقب کیا اور شام ہوتے ہوتے اسے گرفتار کر کے والئ غزنی کے سامنے پیش کر دیا۔ سلطان محمود، خمار تاش کو لے کر ''ہزار اسپ'' کے قلعے کی طرف بڑھا (اس نام کا شہر آج بھی دریائے جیحون کے مغربی کنارے پر آباد ہے)۔ اسی قلعے کے نزدیک خوارزم کی تمام فوج جمع ہو کر لشکرِ غزنی پر حملہ آور ہوئی مگر سلطان محمود نے ایک ہی دن میں اہلِ خوارزم کی قسمت کا فیصلہ کر دیا...... اور یہ فیصلہ اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ خوارزم کی فوجوں کو بدترین شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ سالار الپتگین بخاری قید ہوا اور سلطان محمود نے اپنے بہنوئی ابوالعباس مامون کے قاتلوں سے اس طرح قصاص لیا کہ انہیں سرِ عام قتل کر دیا گیا۔

سلطان نے الپتگین بخاری کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا اور اسے قتل کرنے کے بجائے حوالۂ زنداں کر دیا...... مگر جب سپہ سالار خمار تاش نے والئ غزنی سے رحم کی درخواست کی تو سلطان محمود غضب ناک ہو گیا۔

''اگر تُو مردِ شجاع ہوتا تو اتنا انتظار کر لیتا کہ تیرے حریف سپاہی اپنے رب کے حضور سجدہ گزاری کے فرض سے عہدہ برآ ہو جاتے۔ لیکن اے دنیا کے ارذل ترین شخص! تُو نے غزنی کے فوجیوں پر اس وقت حملہ کیا، جب ان کے سر فرشِ خاک پر جھکے ہوئے تھے اور وہ اپنے اللہ کی کبریائی بیان کر رہے تھے۔ میں نے اپنی جنگی مہمات کے دوران بڑے بڑے حیلہ سازوں اور بزدلوں کو دیکھا ہے، مگر تیری بزدلی اور فریب کاری کے آگے سارے گزشتہ فسانے بے حقیقت نظر آتے ہیں۔ اگر تُو کسی جاں باز دشمن کی طرح مجھ سے برسرِ پیکار ہوتا تو میں بھی اپنی عفو و درگزر کی روایتوں کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتا۔ لیکن اے بدنصیب خمار تاش! تُو نے تو اپنی عافیت و سلامتی کے لئے کوئی بھی دروازہ کھلا نہیں چھوڑا۔ میں تیرے سر پر

اپنا دامنِ کرم کیسے دراز کروں کہ تیری صورت دیکھ کر مجھے اپنے وہ سپاہی یاد آجاتے ہیں جو محض اس لئے تلوار نہیں اٹھا سکتے تھے کہ ان کے ہاتھ خالقِ کائنات کے سامنے بندھے ہوئے تھے۔" یہ کہتے کہتے والئ غزنی کی آنکھوں میں ہلکی ہلکی نمی جھلکنے لگی تھی۔

پھر سلطان محمود کے حکم پر خمار تاش کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے گئے۔

جب خوارزم کا سپہ سالار تکلیف کی شدت سے چیخا تو سلطان محمود نے قہرناک لہجے میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "نامراد خمار تاش! اب تجھے اندازہ ہوگا کہ جن لوگوں کے ہاتھ نہیں ہوتے، ان پر کیا گزرتی ہے۔"

اس کے بعد والئ غزنی نے اپنے بڑے بیٹے امیر مسعود کو ہرات کا حاکم مقرر کیا اور اپنی بیوہ بہن کو لے کر غزنی پہنچ گیا۔

❁❁❁❁

خوارزم کی مہم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد سردی کا موسم "بست" میں گزارا تاکہ سپاہیوں کو آرام کرنے کا موقع مل جائے۔ پھر جاڑے کے رخصت ہوتے ہی 409ھ میں جبکہ موسم بہار کی آمد تھی، سلطان محمود نے شجاع اور جانباز راجپوتوں کی مملکت قنوج پر فوج کشی کا ارادہ کرلیا۔ اس بار محمود کے ساتھ ایک لاکھ منتخب سپاہیوں کے علاوہ دیگر بیس ہزار مجاہدین بھی تھے جو ترکستان، ماوراالنہر اور خراسان سے صرف جہاد کی نیت لے کر آئے تھے اور اس بات کے منتظر تھے کہ کب محمود کا اشارہ ہو اور کب وہ باطل پرستوں سے لڑتے ہوئے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کردیں۔ والئ غزنی سے پہلے کسی غیر ہندوستانی حکمراں نے قنوج پر لشکر کشی نہیں کی تھی۔ غزنی سے لے کر قنوج تک کا راستہ تین ماہ کی طویل مدت میں طے ہوتا ہے اور راہ میں سات بڑے بڑے دریا پار کرنے پڑتے ہیں کہ جنہیں آسانی سے عبور نہیں کیا جاسکتا۔

جب سلطان محمود، کشمیر کی حدود میں پہنچا تو اس علاقے کے حاکم نے والئ غزنی کی خدمت میں بیش قیمت تحائف ارسال کئے۔ جواب میں محمود نے بھی اُسے عنایاتِ سلطانی سے سرفراز کیا۔ کشمیر کا حاکم اپنا ایک فوجی دستہ لے کر لشکرِ سلطانی کے رہنما کی حیثیت سے آگے آگے روانہ ہوا۔

سلطان محمود طویل سفر طے کرکے جب قنوج پہنچا تو اس پر یہ راز فاش ہوا کہ یہاں کا قلعہ اپنی مضبوطی اور بلندی کے لحاظ سے تمام ہندوستان میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے قنوج کے راجہ کا نام کورا تھا۔ کورا کا شمار اپنے وقت کے طاقتور حکمرانوں میں ہوتا تھا۔ مگر وہ مسلمان سپاہیوں کی کثرت دیکھ کر اور سلطان محمود کی بلند اقبالیوں کے قصے سن کر خوفزدہ ہوگیا...... اور پھر کورا نے اسی میں اپنی عافیت سمجھی کہ وہ کسی تاخیر کے بغیر والئ غزنی کی اطاعت قبول کرلے۔

ابھی سلطان محمود اس جنگی مہم کو سر کرنے کی تدبیریں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک قلعے کا دروازہ کھلا اور راجہ کورا اپنے بیٹوں اور معزز درباریوں کے ساتھ باہر آیا۔ پھر اُس نے سلطان محمود کی خدمت میں پہنچ کر اطاعت و فرمانبرداری کا پُرجوش اظہار کیا۔

راجہ قنوج کے اس عمل سے سلطانِ غزنی بھی بہت زیادہ متاثر نظر آرہا تھا۔ شدتِ جذبات میں محمود نے راجہ قنوج کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"کورا! تُو دانشمند بھی ہے اور خوش نصیب بھی۔" والئ غزنی کے لہجے سے جلالِ سلطانی کے ساتھ

جذبۂ مسرت کا بھی اظہار ہو رہا تھا۔ "تیری روشن آنکھوں نے وقت ضائع کئے بغیر نوشتۂ دیوار پڑھ لیا۔ اس لئے ہم تجھے یقین دلاتے ہیں کہ اب تیری آنکھیں بھی نہیں بجھیں گی اور تیرے تاج و تخت کو بھی نہیں اُچھالا جائے گا۔ تُو نے ہمارے آگے اپنا سرِ اطاعت خم کردیا، اس لئے یقین رکھ کہ اب تیرا اقتدار بھی محفوظ رہے گا اور تیرے جسم و جاں بھی۔ ہم ایفائے عہد کرنے والوں کے دوست ہیں اور عہد شکنوں کے بدترین دشمن۔ اب یہ تجھ پر منحصر ہے کہ تُو ہمیں لباسِ قہر میں دیکھنا چاہتا ہے یا پیرہنِ جمال میں؟"

"میری آنکھیں صرف حضورِ والا کے جمالِ دلنشین کی متحمل ہوسکتی ہیں۔" راجہ کورا نے بصد احترام عرض کیا۔ وہ ایک مدبر اور وقت کی رفتار پہچاننے والا حکمراں تھا، اس لئے پوری سچائی کے ساتھ والئ غزنی کی بارگاہِ جلال میں جھک گیا۔

سلطان محمود نے بے اختیار ہوکر راجہ قنوج کو گلے سے لگالیا۔ "تو پھر کورا! تیرے لئے امان ہی امان ہے اور سلامتی ہی سلامتی ہے۔ ہم اپنے چاہنے والوں کو کبھی مایوس نہیں کرتے۔ تُو بہت خوش بخت ہے کورا! کہ تُو نے سارے جہان کی سعادتیں حاصل کرلیں۔"

راجہ کورا نے سلطان محمود کی یہ برادرانہ روش دیکھی تو اپنے ماتھے پر لگا ہوا قشقہ کھرچ ڈالا اور گلے میں پڑی ہوئی زنار توڑ کر پھینک دی۔

پھر لشکرِ غزنی نے بڑی حیرت سے یہ منظر دیکھا کہ راجہ کورا، سلطان محمود کے ہاتھ پر ایمان لے آیا تھا اور با آواز بلند کلمۂ شہادت پڑھ رہا تھا۔

❁❁❁❁

سلطان محمود نے قنوج میں تین روز قیام کیا اور پھر راجہ کورا کو مختلف نصیحتیں کرنے کے بعد میرٹھ کے قلعے کو فتح کرنے کے ارادے سے آگے بڑھا۔ اگرچہ میرٹھ کا قلعہ زیادہ مضبوط نہیں تھا لیکن محمود نے سومنات تک پہنچنے کے لئے یہ منصوبہ بندی کی تھی کہ راستے میں جس قدر بھی چھوٹی بڑی ہندو سلطنتیں ہوں، انہیں بے دریغ تباہ و برباد کردیا جائے تاکہ وہ اپنی فوجی طاقت کے ذریعے سلطانِ غزنی کی منصوبہ بندی میں خلل انداز نہ ہوسکیں۔ نتیجتاً محمود اپنا لشکرِ جرار لے کر میرٹھ کی طرف بڑھا۔ اس شہر کا راجہ ہردت، والئ غزنی کے حملے کی خبر سن کر کسی جنگل کی طرف فرار ہوگیا۔ فرار ہونے سے پہلے ہردت نے قلعے کو اپنے چند معتبر سرداروں کے حوالے کردیا تھا۔ مگر یہ برائے نام محافظ، قلعے کی نگہبانی نہ کرسکے۔ مجبوراً ان لوگوں نے سلطانِ غزنی کی خدمت میں دو لاکھ پچاس ہزار روپے اور تیس ہاتھی پیش کرکے اپنی جانوں کی سلامتی کا سودا کرلیا۔ محمود نے میرٹھ کے سپاہیوں اور عام باشندوں کو اس عہد کے ساتھ اپنے پرچم کے سائے میں پناہ دے دی کہ وہ سب کے سب اپنی آخری سانس تک سلطنتِ غزنی کے وفادار رہیں گے۔

❁❁❁❁

میرٹھ کے قلعے کی فتح کے بعد سلطان محمود، قلعہ مہاون کی طرف بڑھا۔ یہ قلعہ دریائے جمنا کے کنارے پر واقع تھا۔ جب اس قلعے کے حاکم راجہ گل چند کو یہ اطلاع ملی تو وہ ایک ہاتھی پر سوار ہوکر دریا کے پار اُترنا ہی چاہتا تھا کہ غزنی کے سپاہی اس کے سر پر جا پہنچے۔ پھر کوئی راہِ فرار نہ پاکر شدید عالمِ مجبوری میں راجہ گل چند نے پہلے تو شمشیر سے اپنی بیوی اور بیٹے کے سر کاٹ دیئے، پھر وہی خون آلود تلوار اپنے پیٹ میں اُتار لی۔ سلطانِ غزنی کی اقبال مندی کا وہ عجیب زمانہ تھا کہ حریف فرمانروا یا تو اس کا نام

سنتے ہی فرار ہو جاتے یا پھر معمولی سی مزاحمت کے بعد خودکشی کر لیا کرتے تھے۔ محمود کے ایک سپاہی نے بھی موت کا ذائقہ نہ چکھا اور راجہ کُل چند اپنے دردناک انجام کو پہنچ گیا۔ مہاون کے قلعے سے بے شمار مال غنیمت سلطان کے ہاتھ لگا۔ دوسری قیمتی اشیاء کے انبار کے ساتھ اسّی کوہ پیکر ہاتھی بھی اُس کی ملکیت کے طویل وعریض دائرے میں شامل ہو گئے۔

✽✽✽✽✽

ان فوجی مہمات سے فارغ ہونے کے بعد سلطان محمود نے ہندوستان کے مشہور شہر متھرا کی طرف توجہ کی۔ والیٔ غزنی نے بہت سے لوگوں کی زبانی یہ روایتیں سنی تھیں کہ اس علاقے میں متھرا نام کا ایک شہر آباد ہے، جسے اہلِ ہنود شری کرشن کی جنم بھومی ہونے کے باعث بہت زیادہ متبرک خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ ہندوؤں کے نزدیک کرشن جی، بھگوان کے اوتار ہیں، اس لئے متھرا کے خزانوں میں بے شمار دولت جمع ہو گئی ہے اور یہاں ایسی ایسی عجیب وغریب اشیاء موجود ہیں کہ جو صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔"

جب سلطان محمود نے متھرا پر حملہ کیا تو یہ شہر راجہ دہلی کے زیرِ انتظام تھا۔ مجاہدینِ اسلام کا خیال تھا کہ دہلی کا راجہ اتنی آسانی سے اپنے کسی دشمن کو اس شہرِ مقدس پر قابض ہونے نہیں دے گا، مگر اس وقت لشکرِ غزنی کے یہ تمام اندازے غلط ثابت ہو گئے، جب راجہ دہلی خاموشی کے ساتھ متھرا کو پامال ہوتے دیکھتا رہا۔ یہ سلطانِ غزنی کے جلال و جبروت کی زندہ دلیل تھی کہ محمود کسی رکاوٹ کے بغیر اس طرح متھرا پر قابض ہو گیا جیسے وہ اپنے گھر میں داخل ہو گیا ہو۔ سلطان نے کسی پجاری یا شہری کو قتل نہیں کیا مگر ان تمام صنم خانوں کو مسمار کر دیا، جو صدیوں سے شہر متھرا کے چاروں طرف آباد تھے۔ محمود کو ان بت کدوں سے بے شمار زر و جواہر حاصل ہوئے۔

متھرا کی بلند عمارتوں اور مندروں کو دیکھ کر والیٔ غزنی حیرت زدہ رہ گیا تھا۔ سلطان کی حیرت کا اندازہ اس خط سے ہو سکتا ہے جو اس نے فتح کے بعد غزنی کے بعض امیروں کو تحریر کیا تھا۔ سلطان نے اپنے اس مکتوب میں متھرا کی تاریخ بیان کی ہے۔

"اس شہر میں ایک ہزار بلند ترین محل ہیں جن میں سے زیادہ تر سنگِ مرمر کے بنے ہوئے ہیں..... اور مندروں کی تعداد کا کیا ذکر کروں کہ میں ان کے اندر رکھے ہوئے بتوں کو توڑتے توڑتے تھک گیا ہوں مگر ان کا شمار نہیں کر سکا۔ میرا خیال ہے کہ اگر کوئی بااختیار شخص اس قسم کی عمارتیں بنانا چاہے تو ممکن ہے کہ لاکھوں اشرفیاں خرچ کرنے کے بعد، دو سو سال کے طویل عرصے میں بہت ہی چابک دست، مشاق اور ماہر معماروں کے ذریعے یہ کام انجام دیا جا سکے۔"

سلطان محمود کے ہاتھ آنے والے مالِ غنیمت میں سونے کے بنے ہوئے پانچ طویل قامت بت بھی شامل تھے۔ ان بتوں کی آنکھوں میں نادر و نایاب یاقوت کے ٹکڑے جڑے ہوئے تھے، جن کی قیمت دربارِ سلطانی کے جوہر شناسوں نے پچاس ہزار زرِ سرخ متعین کی تھی۔ ان بتوں میں سے ایک بت کے ماتھے پر یاقوت سرخ جڑا ہوا تھا جس کا وزن 400 مثقال تھا۔ جب یہ بت توڑا گیا تو اس کے اندر سے تقریباً ڈیڑھ من سونا برآمد ہوا۔ سونے کے ان پانچ بتوں کے علاوہ چھوٹے بڑے سو بت اور بھی تھے جو خالص چاندی کے بنے ہوئے تھے۔ ان بتوں کو توڑ کر جس قدر چاندی حاصل کی گئی، وہ مقدار میں اتنی

زیادہ تھی کہ انہیں سو اونٹوں پر لادنا پڑا۔ بت شکنی کے فرائض سے سبکدوش ہونے کے بعد سلطان محمود نے متھرا کی مشہور عمارتوں کو آگ لگا دی اور پھر اس شہر میں بیس روز قیام کر کے اپنی اگلی منزل کی طرف روانہ ہوا۔

✽✽✽✽✽

متھرا میں قیام کے دوران سلطان محمود کو مقامی لوگوں نے بتایا کہ اس شہر کے قریب ہی دریا کے کنارے کنارے سات قلعے آباد ہیں جو اپنی بلندی اور مضبوطی کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ سنتے ہی محمود نے اس طرف رخ کیا اور بڑی آسانی کے ساتھ ان قلعوں پر قبضہ کر لیا کیونکہ یہاں کا حاکم افواجِ غزنی کے حملے کی خبر سنتے ہی انتہائی بدحواسی کے عالم میں فرار ہو گیا تھا۔ سلطان نے ان قلعوں کے اندر آباد بت خانوں کو بھی دیکھا۔ پجاریوں کے بقول ان بت خانوں کی بنیاد چار ہزار سال قبل رکھی گئی تھی۔ سلطان نے یہاں کے بتوں کے ساتھ بھی حسبِ سابق وہی سلوک کیا اور بے اندازہ مالِ غنیمت لے کر "قلعہ منج" کی طرف بڑھا۔

قلعہ منج کی حفاظت کے فرائض بہادر راجپوت انجام دے رہے تھے۔ یہ ہندو جاں باز لشکرِ غزنی کے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے تھے، اس لئے قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ سلطان محمود نے قلعہ منج کا محاصرہ کر لیا اور مسلسل پندرہ روز تک قلعہ کشائی کی مختلف تدبیروں پر عمل کرتا رہا۔ سخت محاصرے کی وجہ سے آمد و رفت کے تمام راستے مسدود ہو کر رہ گئے تھے۔ پھر جب محافظوں کو یہ احساس ہو گیا کہ مسلمان فتح حاصل کئے بغیر نہ جائیں گے تو ان میں سے اکثر نے قلعے سے اُتر کر اپنی جانیں برباد کر ڈالیں۔ کچھ سپاہیوں نے غلامی کی لعنت سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو بھڑکتے ہوئے شعلوں کے حوالے کر دیا......اور جو لوگ باقی بچے، وہ قلعے کا دروازہ کھول کر شمشیر بکف باہر نکل آئے۔ اگرچہ یہ راجپوت سپاہی تعداد میں بہت کم رہ گئے تھے لیکن پھر بھی انہوں نے مسلمانوں سے مردانہ وار مقابلہ کیا اور انجام کار سب کے سب، مجاہدینِ غزنی کے ہاتھوں مارے گئے۔ قلعہ منج کے محافظ اپنی عادت و فطرت میں بڑے عجیب لوگ تھے۔ ان میں سے جب کوئی سپاہی زخمی ہو کر زمین پر گرتا تو خود اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی شہ رگ کاٹ لیتا۔ اس خوں ریز معرکہ آرائی میں سینکڑوں مجاہدینِ غزنی بھی شہید ہوئے تھے۔

جب سلطان محمود نے منج کے قلعے پر مکمل غلبہ حاصل کر لیا تو اسے یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ محافظ سپاہیوں میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہیں بچا تھا۔ ہر طرف لاشیں ہی لاشیں تھیں اور ہر سمت خون ہی خون تھا۔ والیٔ غزنی نے بے شمار جنگیں لڑی تھیں مگر آج تک موت اور بربادی کا اتنا گہرا سناٹا نہیں دیکھا تھا۔ دُور تک دشمنوں کی بکھری ہوئی لاشیں دیکھ کر سلطان محمود بے اختیار پکار اُٹھا تھا۔

"بے شک! یہ آزادی کے متوالے بڑے غیرت مند اور جاں باز تھے، مگر افسوس! غلط تعلیم و تربیت انہیں ابدی ہلاکت کے راستے پر لے گئی۔ کاش! یہ کچھ دن صبر سے کام لیتے اور کھلی آنکھوں سے آنے والے کا انتظار کرتے کہ ان کی تاریک و غلام بستی میں نئی روشنی اور آزادی کا سفیر پہنچنے ہی والا ہے....... لیکن نوشتۂ تقدیر کو اللہ کے سوا کون مٹا سکتا ہے؟ کوئی نہیں۔

✽✽✽✽✽

اس کے بعد سلطان محمود نے "قلعہ چند پال" کا رخ کیا۔ راجہ چند پال نے یہ دیکھ کر کہ مسلمانوں کا

مقابلہ کرنا عبث ہے، راہِ فرار اختیار کی۔ چند پال اپنے بیوی بچوں اور بیش قیمت جواہرات لے کر قریب کی پہاڑیوں میں روپوش ہو گیا۔ سلطان محمود نے کارآمد چیزوں پر قبضہ کر لیا اور باقی ساز و سامان کو آگ لگا دی۔ اس کے ساتھ ہی قلعے کی تمام عمارتیں بھی نذرِ آتش کر دی گئیں تاکہ چند پال واپس آئے تو ایک مدت دراز تک اپنی مملکت کی تعمیرِ نو کرتا رہے۔

قلعہ چند پال کی فتح کے بعد والیٔ غزنی نے قریب ہی کے ایک اور راجہ چند رائے کی سرکوبی بھی ضروری سمجھی۔ اگرچہ فوجی اعتبار سے چندرائے کی کوئی حیثیت نہیں تھی لیکن پھر بھی وہ ایک مغرور و سرکش حکمراں تھا۔ سلطانِ غزنی کی بے پناہ طاقت کو محسوس کرنے کے باوجود چندرائے نے محمود کے سامنے ابھی تک سرِ اطاعت خم نہیں کیا تھا۔

راجہ چندرائے کے پاس ایک انتہائی طاقتور اور کوہ پیکر ہاتھی تھا، جو پورے ہندوستان میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ سلطان محمود نے کئی بار اس بے مثال ہاتھی کو منہ مانگے داموں خریدنے کی کوشش کی تھی مگر راجہ چندرائے نے ہر مرتبہ والیٔ غزنی کو ایک ہی جواب دیا تھا۔

''میں اپنی سواری اور دوسری پسندیدہ چیزوں کو فروخت نہیں کرتا۔ اگر کبھی ایسا وقت آیا کہ مجھے ان چیزوں سے محروم ہونا پڑا تو میں یہ زیادہ پسند کروں گا کہ اپنی ان محبوب اشیاء کو اپنے ہی ہاتھوں سے برباد کر ڈالوں۔''

سلطان محمود کو راجہ چندرائے کا یہ جواب بہت گراں گزرا تھا۔ اگر وہ عاقبت نااندیش حکمراں اپنا ہاتھی، سلطان کے ہاتھوں فروخت کر دیتا تو یقینی طور پر محمود کے غضب سے محفوظ ہو جاتا۔ لیکن چندرائے کی ذلت و بربادی کے دن قریب آ چکے تھے۔ اس لئے والیٔ غزنی نے صرف ایک ہاتھی کی خاطر اپنی فوجوں کو یلغار کا حکم دے دیا۔

راجہ چندرائے، افواجِ غزنی کا کیا مقابلہ کرتا۔ وہ تو مجاہدینِ اسلام کے قدموں کی دھمک سن کر ہی بھاگ کھڑا ہوا اور اپنے پڑوسی حاکم، راجہ چند پال کی طرح اپنے بیوی بچوں کے ساتھ پہاڑوں میں جا چھپا۔ سلطان محمود نے چندرائے کے قلعے کو مکمل طور پر تاخت و تاراج کرنے کا حکم دیا اور بعض خدمت گاروں کو اس کام پر متعین کر دیا کہ وہ اس کے پسندیدہ ہاتھی کو تلاش کریں۔ خدام نے طویل جستجو کے بعد سلطان کو خبر دی کہ راجہ چندرائے، ہاتھی کو بھی اپنے ہمراہ لے گیا ہے۔ یہ اطلاع پا کر والیٔ غزنی کو بہت دکھ ہوا اور اس نے اس بات کو اتنی شدت سے محسوس کیا کہ جیسے چندرائے نے ایک مخصوص محاذ پر سلطان کو شکست دے دی ہو۔ اپنی پسندیدہ چیز کے حصول میں ناکامی کے بعد والیٔ غزنی کا غصہ کچھ اور بھڑک اُٹھا۔ پھر سلطان نے نیا حکم جاری کیا کہ چندرائے کے قلعے کو آگ لگا دیں۔ یہاں تک کہ ہر شے جل کر خاکستر ہو جائے۔

ابھی چندرائے کے قلعے میں لگی ہوئی آگ بجھی بھی نہیں تھی کہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ اتفاق سے ایک رات سلطان کا وہی پسندیدہ ہاتھی، فیل بان کے بغیر اپنے تھان سے بھاگا اور محمود کے خیمے کے پردے کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ والیٔ غزنی کے چوبداروں نے بڑی آسانی سے اس طاقتور ہاتھی کو پکڑ لیا اور سلطان کے سامنے پیش کر دیا۔ محمود ہاتھی کے حصول سے مایوس ہو چکا تھا، اس لئے اچانک اسے اپنے قبضے میں دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ یہ ہاتھی کسی محنت اور معاوضے کے بغیر محض تائید خداوندی کے باعث ملا

نتیجتاً سلطان محمود نے اس خوشی میں ایک بہت بڑا جشن منایا اور اس ہاتھی کا نام ''خداداد'' رکھا اور پھر ے اپنے ہمراہ لے کر غزنی کی طرف روانہ ہوا۔

✽✽✽✽✽

جب سلطان محمود، دارالحکومت پہنچا تو اس نے حکم دیا کہ اس تمام مالِ غنیمت کی فہرست بنائی جائے س سفر میں والیٔ غزنی کے ہاتھ آیا ہے۔ فوراً حکمِ سلطانی کی تعمیل کی گئی۔ حساب کرنے پر معلوم ہوا کہ فاتحانہ سفر میں بیس ہزار اشرفیاں، کئی لاکھ روپے، کئی من سونا چاندی، پچاس ہزار لونڈی غلام اور ری بہت سی بیش قیمت اور نادر اشیاء، سلطان محمود کے ہاتھ آئی ہیں۔ اس کامیاب ترین سفر کی خوشی میں ے اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے سلطان نے غزنی میں سنگِ مرمر کی ایک عظیم الشان جامع مسجد تعمیر نے کا حکم دیا۔

پھر جب یہ مسجد تیار ہو گئی تو سلطان نے خانۂ خدا کی آرائش کا اہتمام کیا اور قدم قدم پر خوبصورت یلیں آویزاں کیں۔ بے مثال آرائش اور روشنی کی کثرت کے سبب لوگ اس مسجد کو ''عروسِ فلک'' کہنے ۔ جامع مسجد کے ساتھ ہی سلطان محمود نے ایک عالی شان مدرسے کی بنیاد ڈالی اور مدرسے کے کتب نے میں نایاب اور اعلیٰ کتابیں جمع کیں۔ مسجد اور مدرسے کے اخراجات کے لئے بہت سے دیہات کر دیئے گئے تاکہ طلباء، مدرسین اور دوسرے انتظامی عملے کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ سلطان محمود کا ع مسجد اور مدرسے تعمیر کرانا، اراکانِ سلطنت اور دیگر امراء کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوا اور وہ اپنے ان روا کی تقلید میں بہت زیادہ پُر جوش نظر آنے لگے۔ نتیجتاً ایک مختصر سے عرصے کے دوران غزنی میں شمار مسجدیں، درس گاہیں، سرائیں اور خانقاہیں تعمیر ہو گئیں۔

✽✽✽✽✽

قنوج کے سفر میں جہاں سلطان محمود کے ہاتھ اور بہت سی نادر و بیش قیمت اشیاء آئیں، وہاں ایک ب و غریب مرغ بھی تھا۔ یہ مرغ اپنی صورت و شکل کے لحاظ سے ایک خوبصورت پرندے قمری سے بہ تھا۔ اس مرغ کی خاصیت یہ تھی کہ جس جگہ موجود ہوتا، اگر وہاں کوئی زہر آلود کھانا لایا جاتا تو اس پر ید اضطراب کی حالت طاری ہو جاتی اور اس کی آنکھوں سے بے شمار آنسو گرنے لگتے۔ سلطان محمود نے عجیب و غریب پرندے کو دوسرے قیمتی تحائف کے ساتھ خلیفۂ بغداد قادر باللہ عباسی کے پاس بھجوا دیا۔ مرغ کے علاوہ ایک عجیب و غریب پتھر بھی والیٔ غزنی کے ہاتھ آیا تھا۔ اس پتھر کی خاصیت یہ تھی کہ کسی ن کے جسم پر کتنا ہی گہرا زخم کیوں نہیں ہوتا، اگر اس پتھر کو گھس کر لگا دیا جاتا تو وہ زخم فوراً مندمل ہو جاتا۔

سلطان محمود نے 410ھ میں ایک ''فتح نامہ'' خلیفۂ بغداد کی خدمت میں ارسال کیا۔ اس فتح نامے والیٔ غزنی کے ہندوستان پر کئے جانے والے تمام حملوں اور فتوحات کی تفصیل درج تھی۔ جب یہ فتح قادر باللہ عباسی کو موصول ہوا تو اس نے اسی وقت ایک بہت بڑی محفل منعقد کی اور حکم دیا کہ یہ فتح اللہ کے بندوں کو بر سرِ منبر پڑھ کر سنایا جائے۔ مملکتِ بغداد کے عوام نے اس فتح نامے کو سنا تو بے یار اُن کے سر بارگاہِ خداوندی میں جھک گئے اور انہوں نے کفر و ظلمت کی تباہی پر اپنی بے پناہ مسرت کا ار کیا۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ قادر باللہ عباسی نے جس روز یہ محفلِ خاص منعقد کی، اس دن بغداد کا ہر ندہ انتہائی خوش نظر آتا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ آج کا دن بھی گویا عید ہی کا دن ہے۔ اس محفلِ خاص میں

اہلِ بغداد نے اپنے جذبوں کی پوری توانائی اور صداقت کے ساتھ سلطان محمود کی بلند اقبالی اور درازیٔ عمر کے لئے دعائیں کیں۔

✽✽✽✽✽

412ھ میں سلطان محمود کو یہ فکر انگیز خبر ملی کہ ہندوستان کے لوگ قنوج کے حکمراں راجہ کورا کی شدید مخالفت پر اُتر آئے ہیں اور بت پرستوں کی اس طویل و عریض زمین کے گوشے گوشے سے اس پر لعنت و ملامت کی سنگباری کی جا رہی ہے۔ راجہ کورا پر دوہری فردِ جرم عائد کی گئی تھی۔ اس کا بڑا جرم یہ تھا کہ وہ اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر حلقۂ اسلام میں داخل ہو گیا تھا۔ دوسرے یہ کہ راجہ کورا نے سچے دل سے سلطان کی اطاعت قبول کر لی تھی اور وہ ہندوستان میں رہ کر بھی غزنی کے سیاسی مفادات کا نگہبان تھا۔ پہلے مخالفت کا یہ طوفان زیرِ زمین پرورش پاتا رہا۔ پھر اس طوفان کی شدت اور تندی و تیزی نے زمین کا سینہ چاک کر ڈالا۔ ہندو مذہب ترک کر دینے کے جرم میں کالنجر کے راجہ نندا نے قنوج پر حملہ کر دیا۔ قنوج کے عوام کی اکثریت ابھی تک ہندو تھی۔ اس لئے راجہ کورا اپنے سپاہیوں کی سازش سے محفوظ نہ رہ سکا اور پھر قنوج کے سپہ سالار رام سنگھ نے اسے دھوکے سے قتل کر دیا۔

راجہ کورا کے خلاف برپا کئے جانے والے اس طوفان کی ابتدائی خبریں سنتے ہی سلطان محمود، قنوج کے حکمراں کی مدد کے لئے غزنی سے روانہ ہو چکا تھا مگر راجہ کالنجر نے طویل فاصلے کے باعث اس مہلت سے فائدہ اٹھایا اور اپنے دیوتاؤں کے باغی کا کام تمام کر دیا۔

سلطان محمود نے راستے میں راجہ کورا کے قتل کی خبر سنی تو بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

"اللہ! میرے دوست کی مغفرت کرے۔"

پھر دورانِ سفر ہی سلطان محمود کی امامت میں راجہ کورا کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی گئی۔

پھر سلطان محمود انتہائی غیظ و غضب کے عالم میں راجہ نندا سے قنوج کے نو مسلم حکمراں راجہ کورا کی موت کا انتقام لینے کے لئے برق رفتاری کے ساتھ آگے بڑھا۔

جب اہلِ اسلام کا لشکر دریائے جمنا کے کنارے پہنچا تو راجہ انند پال کا بیٹا جے پال ثانی جو کئی بار محمود سے شکست کھا چکا تھا، راجہ نندا کی مدد کے لئے سلطان کے راستے کی دیوار بن گیا۔ اس وقت دریائے جمنا میں طغیانی آئی ہوئی تھی۔ پانی گہرا ہونے کے سبب محمود کے لشکر کے لئے دریا کو پار کرنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔ ہر شخص موجوں کی سرکشی دیکھ کر دریا عبور کرنے میں پس و پیش سے کام لے رہا تھا۔ بالآخر محمود کے تین سو خاصے کے غلام اپنی جانوں پر کھیل کر دریا پار اُتر گئے اور اس وقت دشمن کے لشکر پر حملہ کر دیا، جب راجہ جے پال ثانی کے سپاہی رات کی تاریکی میں گہری نیند سوئے ہوئے تھے اور کسی کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ اس طوفانی موسم میں سلطان کے لشکری دریا پار کر کے حملہ آور ہونے کی کوشش کریں گے۔ پھر جب راجہ جے پال ثانی کی صفوں میں انتشار برپا ہوا اور ہر طرف سے زخمی ہونے والے سپاہیوں کی چیخیں بلند ہوئیں تو سلطان محمود کے دوسرے جاں نثار بھی ایک ایک کر کے دریا میں اُتر گئے اور پھر شدید کشاکش کے بعد اپنے ساتھیوں سے جا ملے۔

پھر صبح ہوتے ہی سلطانِ غزنی اپنے مخصوص فوجی دستے کے ساتھ جمنا کے دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ والیٔ غزنی نے حیران نظروں سے دیکھا کہ اس کے جاں بازوں نے گہری تاریکی کے باوجود میدان

میں ہر طرف دشمن کی لاشوں کے انبار لگا دیئے ہیں۔ سلطان محمود کو شاملِ جنگ پا کر راجہ جے پال ثانی اپنے چند خاص مصاحبوں کے ساتھ میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا۔

سلطان محمود، پنجاب کے عیار حکمراں کو شکست دے کر کالنجر کی طرف بڑھا۔

کالنجر پہنچ کر سلطان محمود کو معلوم ہوا کہ راجہ نندا کی فوجی طاقت اس کے اندازوں سے کہیں زیادہ ہے۔ کالنجر کے حکمراں کا لشکر چھتیس ہزار سواروں، پینتالیس ہزار پیادوں اور چھ سو چالیس ہاتھیوں پر مشتمل تھا۔ سلطان محمود نے ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر ہندوؤں کے لشکر کا جائزہ لیا اور دشمنوں کی کثرت دیکھ کر دل ہی دل میں سوچا کہ اس نے پیش قدمی کرنے میں جلد بازی سے کام لیا ہے۔

والیٔ غزنی کے جاں نثار سپہ سالاروں عبداللہ طائی، ارسلان جاذب اور سردار امین الدین (بلرام سنگھ) کے چہرے بھی یہی بتا رہے تھے کہ یہ موسم، راجہ کالنجر سے معرکہ آرائی کے لئے سازگار نہیں ہے۔

سلطان محمود خاموشی سے اپنے خیمے میں چلا گیا اور ساری رات اپنے اللہ کے حضور گریہ وزاری کرتا رہا۔

جس وقت سلطان محمود میدانِ جنگ میں اپنے سپاہیوں کی استقامت اور فتح کی دعائیں مانگ رہا تھا، اسی وقت کالنجر کا حاکم۔ راجہ نندا ایک بھیانک خواب دیکھ رہا تھا۔ ایسا خواب کہ جس میں اسے اپنے سپاہیوں کی لاشیں ہی لاشیں نظر آ رہی تھیں۔ راجہ نندا گھبرا کر اُٹھ بیٹھا اور وحشت زدہ نظروں سے اپنے خیمے کے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ہر چیز اپنی جگہ قائم تھی اور محافظ فوجی دستوں کے سوا تمام سپاہی گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ راجہ نندا نے یہ کہہ کر اپنے آپ کو مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ اس نے جو کچھ دیکھا تھا، وہ محض ایک ڈراؤنا خواب تھا...... مگر کالنجر کے حکمراں کو کسی صورت بھی سکون و اطمینان حاصل نہ ہو سکا۔ راجہ نندا ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ ایک نامعلوم خوف اور دہشت کا اسیر ہوتا جا رہا تھا۔ پھر کچھ دیر تک شدید ذہنی کشمکش کا شکار رہنے کے بعد یہ خیال اُس کے دماغ میں جڑ پکڑ گیا کہ وہ بھیانک خواب کالنجر کی شکست کے بارے میں ایک واضح اشارہ ہے۔ راجہ نندا، سلطان محمود کی مسلسل فتوحات اور ہندوستان کے سب سے بڑے راجہ انند پال کی پیہم شکستوں سے بھی باخبر تھا۔ اس لئے اس نے اس خواب کو اپنے بارے میں ایک برا شگون سمجھا اور تمام مال و اسباب چھوڑ کر رات کے اندھیرے ہی میں میدانِ جنگ سے فرار ہو گیا۔

فرار سے پہلے راجہ نندا کے سپہ سالاروں نے بڑے پُر جوش انداز میں اپنے حکمراں کو کالنجر کی فتح کا یقین دلایا کہ اسے ہر اعتبار سے افواجِ غزنی پر برتری حاصل ہے...... مگر راجہ نندا اپنے راجپوت سرداروں سے یہی کہتا رہا۔

"تمہیں کیا خبر کہ میں اس جنگ کا نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔ بس تمہاری عافیت اسی میں ہے کہ جتنی جلد ممکن ہو سکے، قہر کے اس علاقے سے نکل جاؤ۔ ورنہ تمہاری لاشوں پر نہ کوئی ماتم کرنے والا ہوگا اور نہ چتاؤں کو آگ لگانے والا۔ کالنجر کے سالار اپنے فرماں روا کی گفتگو سمجھنے سے قاصر تھے۔ مجبوراً وہ راجہ نندا کی تقلید میں اس محاذِ جنگ سے فرار ہو گئے، جس پر انہیں اپنی فتح یقینی نظر آ رہی تھی۔

پھر جب نمازِ فجر سے فارغ ہونے کے بعد سلطان محمود نے یہ خبر سنی تو اسے کچھ دیر تک کہنے والوں کی زبان اور اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔ پھر وہ خود اپنے خیمے سے نکل کر میدانِ جنگ کی طرف بڑھا۔ ہر طرف ساز و سامان بکھرا ہوا تھا۔ مگر وہاں دشمن کا ایک سپاہی بھی موجود نہیں تھا۔ اگرچہ سلطان محمود بیداری

کی حالت میں کھلی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہا تھا لیکن پھر بھی اس کے ذہن میں مختلف اندیشے اور وسوسے سر اُبھار رہے تھے۔

"یہ کیسے ممکن ہے کہ راجہ نندا جیسا طاقتور حکمراں کسی محاذ آرائی کے بغیر راتوں رات میدانِ جنگ چھوڑ کر چلا جائے؟" والیٔ غزنی نے زیرِ لب کہا۔ "کہیں یہ راجہ نندا کی کوئی گہری چال تو نہیں ہے؟ اور کہیں وہ لشکرِ غزنی کے لئے زیرِ زمین کوئی دام تو نہیں بچھا رہا ہے؟"

یہ خیال آتے ہی سلطان محمود نے اپنے چھوٹے چھوٹے کئی فوجی دستے مختلف سمتوں میں روانہ کئے تاکہ وہ ان کمیں گاہوں کا پتہ لگا سکیں جہاں راجہ نندا کے فوجیوں کے روپوش ہونے کا امکان موجود تھا۔

پھر کئی گھنٹے کی مکمل تحقیق اور معائنے کے بعد غزنی کے سپاہیوں نے یہ اطلاع دی کہ دُور تک ایسی کسی کمیں گاہ کا وجود نہیں اور راجہ نندا واقعتاً فرار ہو چکا ہے۔

یہ خبر سنتے ہی محمود کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ دل ہی دل میں کہنے لگا۔ "بے شک! تُو ہر شے پر قادر ہے اور اپنے بندوں کو بے حساب دینے والا ہے۔"

اس کے بعد سلطان محمود کے حکم پر کالنجر کو جی بھر کے لُوٹا گیا۔ مسلمانوں کے ہاتھ آنے والے مالِ غنیمت کا کوئی شمار نہیں تھا۔ غزنی کے سپاہیوں نے کالنجر کے قریب ایک جنگل سے پانچ سو اسی ہاتھی پکڑے۔

راجہ جے پال ثانی کی وجہ سے پنجاب کا خطرہ ابھی تک موجود تھا، اس لئے سلطان محمود نے کالنجر کی فتح پر قناعت کی اور کسی دوسرے محاذ پر اُلجھے بغیر خاموشی کے ساتھ غزنی کی طرف لوٹ گیا۔

✻✻✻✻✻

کالنجر کی فتح کے بعد محمود کو معلوم ہوا کہ "قیرات" اور "ناردین" کے باشندے ابھی تک بت پرستی کے مرض میں مبتلا ہیں اور اسلامی فتوحات کی کثرت کے باوجود انہوں نے مذہب اسلام قبول نہیں کیا ہے۔ مزید یہ کہ ان کی فطرت میں خودسری کا جذبہ بھی موجود ہے۔ ان اطلاعات کے ملتے ہی سلطان محمود نے اپنے لشکر کی تیاری کا حکم دیا اور سناروں، بڑھیوں اور سنگ تراشوں کی ایک بڑی جماعت کو اپنے ہمراہ لے کر "قیرات" اور "ناردین" کی طرف روانہ ہوا۔

سلطان محمود نے پہلے "قیرات" پر حملہ کیا۔ قیرات اپنی آب و ہوا کے لحاظ سے ایک سرد علاقہ ہے، جو ہندوستان اور ترکستان کے درمیان واقع ہے۔ یہ مقام اپنے سبزہ زاروں اور پھلوں کے باغات کی وجہ سے ساری دنیا میں شہرت رکھتا ہے۔ سلطان محمود کی افواجِ قاہرہ کو دیکھ کر اس شہر کے حاکم نے اپنی رعایا کے ساتھ مذہب اسلام قبول کر لیا۔

قیرات کی فتح کے بعد سلطان محمود نے خود وہیں قیام کیا اور اپنے معتمد سپہ سالار ارسلان جاذب کے جواں سال بیٹے حاجب علی کو "ناردین" کی تسخیر کے لئے روانہ کیا۔ حاجب علی اپنے باپ کی طرح ایک زیرک اور جانباز سپاہی تھا۔ اس نے بہت مختصر عرصے میں "ناردین" کی سرزمین کو تہ و بالا کر ڈالا۔ اور بہت سی لونڈیاں، بے شمار غلام اور سیم و زر کے انبار، سلطنتِ غزنی کی ملکیت بنا دیئے گئے۔ پھر آخر میں حاجب علی نے "ناردین" کے سب سے بڑے مندر کو مسمار کیا تو عمارت کے ایک حصے سے ایک روپہلی رنگت کا منقش پتھر برآمد ہوا۔ جب محمود کے ایک درباری عالم نے جو دنیا کی قدیم ترین زبانوں کا ماہر تھا،

اس پتھر پر کندہ عبارت پڑھی تو اندازہ ہوا کہ "ناردین" کا یہ مندر چار ہزار سال پہلے تعمیر کیا گیا تھا۔

اس فتح کی خبر سن کر سلطان محمود خود "قیرات" سے "ناردین" پہنچا اور اس شہر میں ایک مستحکم قلعہ تعمیر کرانے کے بعد علی بن قدر سلجوقی کو "ناردین" کا حاکم نامزد کر کے غزنی واپس لوٹ گیا۔

✻✻✻✻✻

پھر اسی سال 412 ہجری میں سلطان محمود ایک لشکرِ جرار لے کر کشمیر کی طرف بڑھا اور "لوہ کوٹ" کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ ایک مہینے تک جاری رہا۔ "لوہ کوٹ" کا قلعہ بہت مضبوط تھا، اس لئے سلطان محمود اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اسے فتح نہ کر سکا۔ پھر وقت کی بربادی کا خیال کر کے اس نے "لوہ کوٹ" کا محاصرہ اٹھا لیا اور حکومت پنجاب کی قسمت کا مستقل فیصلہ کرنے کے لئے لاہور کی طرف روانہ ہو گیا۔

لاہور پہنچ کر سلطان محمود نے خود تو پنجاب کے ایک مضافاتی علاقے میں قیام کیا، مگر اپنی فوج کو چھوٹے چھوٹے دستوں میں تقسیم کر کے شہر کے مختلف حصوں کی طرف روانہ کر دیا اور ساتھ ہی اپنے سپاہیوں کو یہ حکم بھی دے دیا کہ کسی بت پرست کے ساتھ نرمی اور رواداری کا سلوک نہ کیا جائے۔ غزنی کے سپاہیوں نے اپنے سلطان کا حکم پاتے ہی لاہور کا نقشہ بدل ڈالا اور مالِ غنیمت کے انبار لے کر والیٔ غزنی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

راجہ انند پال کا بیٹا جے پال ثانی بہت دنوں سے بیمار تھا۔ طویل بیماری کے باعث اس کی کمزوری اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ وہ سلطان محمود کے حملے کی خبر سنتے ہی لاہور سے فرار ہو گیا اور اس نے اجمیر کے راجہ کے سائے میں پناہ حاصل کی۔ پورے پنجاب پر سلطنتِ غزنی کی حکمرانی تھی۔ سلطان محمود نے لاہور کا نظم و نسق اپنے ایک معتمد امیر کے سپرد کیا...... اور پنجاب کے دوسرے مقبوضات پر بھی قابل اور دیانت دار عامل مقرر کر دیئے گئے۔ اس کے بعد سلطان محمود کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ گردشِ وقت کی تند و تیز ہوائیں برہمنی اقتدار کی خاکِ پریشان کو کوچہ در کوچہ اُڑائے لئے پھر رہی تھیں اور پنجاب کے گوشے گوشے سے نئے انقلاب کی صدا بلند ہو رہی تھی۔

راجہ جے پال اور اس کے ہمنواؤں کو ذلت آمیز خانہ بدوشی کی سزا دے کر سلطان محمود موسمِ بہار کی ابتدا میں غزنی کی طرف روانہ ہوا۔

✻✻✻✻✻

413 ہجری میں سلطان محمود نے ایک بار پھر کالنجر پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ پھر جب والیٔ غزنی اپنی اس جنگی مہم کو سر کرنے کے لئے گوالیار کے قریب پہنچا تو اس کا ارادہ بدل گیا۔ محمود نے اپنے سپہ سالاروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ممکن ہے کہ کسی وقت یہ پتھر بھی ہمارا راستہ روکنے کی کوشش کرے، اس لئے پیش بندی کے طور پر ایک بھرپور ضرب لگا کر اس پتھر کو ریزہ ریزہ کر دو یا پھر اسے اٹھا کر اپنی گزرگاہ سے بہت دُور پھینک دو۔"

سلطان کا حکم سن کر غزنی کے سپاہیوں نے گوالیار کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ ابھی اس محاصرے کو صرف چار دن ہی گزرے تھے کہ راجہ گوالیار قلعے سے باہر نکل آیا اور اس نے اپنی دستار والیٔ غزنی کے قدموں پر رکھ کر اطاعت و فرمانبرداری کا پُرجوش اعلان کیا۔

سلطان محمود نے راجہ گوالیار کو معاف کر دیا کہ کسی خونریزی کے بغیر ہی والیٔ غزنی کو اپنا سیاسی مقصد حاصل ہو چکا تھا۔

سلطان کی طرف سے بخشی ہوئی معافی کے جواب میں گوالیار کے حاکم نے دیگر قیمتی تحائف کے ساتھ والیٔ غزنی کو تیس ہاتھی بھی بطور نذر پیش کیے۔

راجہ گوالیار کو اپنے حلقۂ غلامی میں شامل کرنے کے بعد سلطان محمود کالنجر کی طرف بڑھا۔ راجہ نندا ایک سال پہلے بھی سلطانِ غزنی کی طاقت کا اندازہ کر چکا تھا اور اسے اپنا وہ خوفناک خواب بھی یاد تھا، اس لئے محاذ آرائی سے گریزاں رہا۔ سلطان محمود کے خیمہ زن ہوتے ہی راجہ نندا نے والیٔ غزنی کے حضور صلح کی درخواست پیش کر دی۔ اس درخواست میں واضح طور پر تحریر کیا گیا تھا کہ اگر سلطان، کالنجر کو نقصان پہنچائے بغیر اپنی مملکت کی طرف لوٹ گئے تو وہ تین سو ہاتھی نذر کرے گا اور تا زیست اطاعت شعاروں کے حلقے میں شامل رہے گا۔

سلطان محمود خوامخواہ جنگ کر کے اپنی فوجی طاقت ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی تمام جنگی مہمات کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ وہ ہندوستانی حکمرانوں کے دلوں پر اپنی ہیبت قائم کرے تاکہ سومنات پر حملے کے وقت یہ نیم جاں حکمراں مذہبی جوش سے بے قرار ہو کر اس کے راستے کی رکاوٹ نہ بن سکیں۔ اپنی اس منصوبہ بندی کی تکمیل کے لئے سلطان محمود نے فوری طور پر راجہ نندا کی طرف سے پیش کردہ صلح کی درخواست قبول کر لی تھی۔ پھر جب والیٔ غزنی نے معاہدے کے مطابق کالنجر کے حکمراں سے تین سو ہاتھی طلب کیے تو راجہ نندا نے لشکرِ غزنی کا امتحان لینے کی غرض سے تین سو مست ہاتھی فیل بانوں کے بغیر قلعے سے باہر نکال دیئے...... اور اپنے ایک نامہ بر کے ذریعے سلطان محمود تک یہ پیغام پہنچا دیا۔ ”میں نے حسبِ وعدہ تین سو ہاتھی سلطان کی نذر کر دیئے ہیں۔“

سلطان محمود کو راجہ نندا کی یہ حرکت بہت گراں گزری مگر اس نے غیظ و غضب کا اظہار کرنے کے بجائے اپنے ترک سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ ان ہاتھیوں کو پکڑ کر ان پر سوار ہو جائیں اور راجہ نندا کو بتا دیں کہ سلطان کے جاں نثاروں کی مدہوشیوں کے آگے ہاتھیوں کی سرمستیاں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔

ابھی فضا میں حکم سلطانی کی گونج باقی تھی کہ ترک سپاہیوں کا ایک دستہ بے خوف و خطر آگے بڑھا اور پھر تھوڑی دیر بعد ہی راجہ نندا اور اس کے سپہ سالاروں نے محل کے جھروکوں سے یہ ناقابلِ یقین منظر دیکھا کہ تمام مست ہاتھی بے ضرر بکریوں کی طرح سر جھکائے ہوئے چل رہے تھے۔

”تم نے دیکھا کہ یہ کیسے جانباز لوگ ہیں......؟“ راجہ نندا نے اپنے سپہ سالاروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”ساری دنیا موت سے ڈرتی ہے، مگر میں سمجھتا ہوں کہ خود موت مسلمانوں سے خوف زدہ رہتی ہے۔ تم مجھے مشورہ دیتے ہو کہ میں ان سے جنگ کروں؟“

کالنجر کے سپہ سالاروں کے چہرے بجھ کر رہ گئے تھے۔

”جن کے سامنے پہنچ کر تمہارے مست ہاتھی بھیڑ بکریاں بن گئے، انہیں کون شکست دے سکتا ہے؟“

اس کے بعد راجہ نندا نے بے شمار قیمتی تحائف سلطان کی خدمت میں ارسال کیے۔ اس کے ساتھ ہی کالنجر کے حکمراں نے سلطانِ غزنی کی تعریف میں چند ہندی اشعار بھی لکھ کر بھیجے۔ راجہ نندا ایک جنگجو خاندان سے تعلق رکھنے کے باوجود ہندی زبان کا ایک اچھا شاعر بھی تھا۔

سلطان محمود نے مشہور ہندوستانی، عربی اور ایرانی شعراء کو جو اُس کے دربار میں ملازم تھے، یہ شعر سنائے۔ تمام استادانِ فن نے ان اشعار کو بہت پسند کیا اور راجہ نندا کی شعری کاوشوں کی دل کھول کر داد دی۔

سلطان محمود کی شان میں کہے جانے والے ان اشعار کا مفہوم کچھ اس طرح تھا۔

”تُو پیدائشی طاقتور اور فاتح ہے۔ تیری بلند اقبالی سے حسد رکھنے والا کوئی بدخواہ اس امر پر شہادت دے یا نہ دے مگر چشم فلک ضرور گواہی دے گی کہ جب تُو کسی محاذِ جنگ کی طرف بڑھتا ہے تو نصرتیں اور کامرانیاں تیرے قدم چومنے لگتی ہیں اور تیرے جسم کا سایہ دیکھتے ہی شکست و بربادی کے ستارے اپنی رفتار بدل دیتے ہیں۔ پس اے میرے شہنشاہ! تُو کیوں بار بار اپنے آپ کو جسمانی اذیتوں سے دوچار کرتا ہے؟ اقتدار اور حکمرانی کے لئے تو تیرا نام ہی کافی ہے۔“

راجہ نندا کے کہے ہوئے ان اشعار کی فصاحت و بلاغت اور معنی آفرینی سے متاثر ہو کر سلطان محمود نے ایک جوابی خط تحریر کیا۔

”نندا! ہم تیری ذہانت سے بہت خوش ہوئے۔ تُو نے ہماری تعریف کر کے اپنی دستار کو بھی بچا لیا اور ہمارے قہر کی سنگ باری سے کالنجر کے در و دیوار کو بھی محفوظ رکھا۔ تُو ہم سے مصالحانہ انداز میں ملا مگر ہم تجھ سے اپنی شاہانہ قدروں اور دوستانہ رسموں کے ساتھ ملاقات کریں گے۔ ہمیں تیرے اشعار بہت پسند آئے۔ تیرے پاس صرف لفظوں کا سرمایہ تھا، سو تُو نے اسے ہماری خاطر مدارات میں لٹا دیا۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ تیرا دامن خالی ہو چکا ہے مگر اطمینان رکھ کہ تُو مفلس و تہی دست نہیں ہے، تُو نے ہماری تعریف کر کے اپنے خزانوں کو بھر لیا ہے۔ ہم اپنے فرمان کے ذریعے کالنجر کے تحفظ کی ضمانت دیتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی تجھے گرد و نواح کے پندرہ قلعوں کی حکمرانی کا اعزاز بھی بخشتے ہیں۔ اور اُمید رکھتے ہیں کہ تُو اپنی آخری سانس تک سلطنتِ غزنی کا وفادار رہے گا۔“

سلطانی مکتوب کے جواب میں راجہ نندا خود محمود کی خدمت میں حاضر ہوا اور والیٔ غزنی کو مزید قیمتی تحائف پیش کیے۔

❀❀❀❀❀

پھر سلطان محمود نے مسلسل تین سال تک مزید فتوحات حاصل کیں۔ تمام مفسد و شرانگیز حکمراں اپنے دردناک انجام کو پہنچ چکے تھے اور تمام سیاسی فتنہ گروں کو خونیں کفن پہنا کر تہہ خاک دفن کر دیا گیا تھا۔

بالآخر 415 ہجری کے آخر میں سلطان محمود، نظام شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت تک نظام شاہ بہت کمزور ہو چکے تھے۔ والیٔ غزنی کو اپنے روبرو پا کر حسبِ عادت مسکرائے اور انتہائی شگفتہ لہجے میں سلطان کی مزاج پرسی کرنے لگے۔

”تم کیسے ہو فرزند! اور تمہاری فتوحات کا کیا حال ہے؟ آج تمہیں یہ ناکارہ بوڑھا کیسے یاد آ گیا؟“ نظام شاہ کے لہجے سے طنز نہیں، بزرگانہ شکایت کا رنگ جھلک رہا تھا۔

سیاسی ہنگامہ خیزیوں اور دشمنوں سے معرکہ آرائی کے سبب سلطان محمود کئی سال بعد نظام شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔

''شیخ محترم خوب جانتے ہیں کہ ان کا فرزند کہاں تھا اور کس حال میں تھا۔'' والیٔ غزنی نے اپنی طویل غیر حاضری کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا۔ ''کبھی گھوڑے کی پشت پر، کبھی دیارِ دشمناں میں پتھریلی زمین پر، کبھی اپنے محل میں نرم و گداز بستر پر، کبھی زندگی کے نشاط انگیز قہقہوں میں، کبھی وادیٔ فنا کے جانگداز سناٹوں میں، کبھی جشنِ فتح کے شور و غل میں، کبھی شکست کے روح فرسا اندیشوں میں، غرض وہ کون سا مقام تھا جہاں پہنچ کر میں نے اپنے شیخ کو یاد نہیں کیا۔'' سلطان کے لہجے میں ندامت کی خلش بھی تھی اور جذبوں کی تڑپ بھی۔

''پھر فقیر کے گھر کا راستہ کیوں بھول گئے تھے؟'' نظام شاہ کے ہونٹوں پر وہی تبسمِ دلنواز موجود تھا جسے دیکھ کر مُردہ دل بھی جی اُٹھتے تھے۔

''شیخ کے سامنے کیا منہ لے کر آتا؟'' والیٔ غزنی رک رک کر بول رہا تھا۔ ''ایفائے عہد کی طاقت نہیں تھی، اس لئے مجرموں کی طرح چھپتا پھرتا تھا۔''

''اب کیوں آئے ہو؟'' یکایک نظام شاہ کے چہرے پر عجیب سا رنگ اُبھر آیا تھا۔

''اب میں شیخ سے سومنات پر حملے کی اجازت لینے آیا ہوں۔'' والیٔ غزنی کے لہجے سے ایسی طمانیت کا اظہار ہو رہا تھا، جیسے کوئی شخص کسی کے قرض کا بارِ گراں اُتارنے آیا ہو۔

نظام شاہ بہت دیر تک حیرت و سکوت کے عالم میں بیٹھے رہے، پھر آہستہ آہستہ ان کی پلکیں بھیگنے لگیں۔ ''کیسی عجیب خبر ہے۔ کہیں میری سانسیں نہ رک جائیں۔'' شدتِ جذبات کے سبب نظام شاہ کی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ جاتے تھے۔

سلطان محمود نے مختصراً نظام شاہ کو اپنی فوجی تیاریوں کی تفصیلات بتائیں اور پھر عرض کرنے لگا۔ ''مجاہدینِ غزنی اپنے گھوڑوں کی لگامیں پکڑے حکمِ شیخ کے منتظر کھڑے ہیں۔''

''ابھی نہیں فرزند!'' نظام شاہ نے کہا۔ ''پہلے تمہیں خراسان پہنچ کر حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی کی بارگاہِ جلال میں حاضر ہونا پڑے گا۔''

❁❁❁❁❁

سلطان محمود، نظام شاہ کا خط لے کر خراسان پہنچا۔ اس سفر کے دوران والیٔ غزنی کے ذہن میں شیخ ابوالحسن خرقانی سے متعلق عجیب عجیب خیالات اُبھر رہے تھے۔ وہ اس شخص کی ولایت کو دیکھنے کے لئے بے قرار تھا جسے نظام شاہ جیسے انسان نے شیخ کہہ کر پکارا تھا اور جس کے بارے میں ایک مردِ قلندر کا دعویٰ تھا کہ وہ امرائے وقت کی جانب آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔

خراسان پہنچ کر سلطان محمود نے اپنے ایک مصاحبِ خاص کے ذریعے حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی کی خدمت میں نظام شاہ کا خط ارسال کیا۔

غزنی کے مردِ قلندر کا خط پڑھ کر حضرت ابوالحسن خرقانی کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ پھر آپ نے فوراً ہی والیٔ غزنی کو اپنی مجلس میں طلب فرما لیا۔

''شیخ! مجھے کوئی نصیحت کیجئے۔'' والیٔ غزنی، سلطان محمود نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی۔

''تجھے چاہئے تھا کہ چار چیزوں کو سختی سے اختیار کرے۔ اوّل پرہیزگاری، دوم نماز باجماعت، سوم

سخاوت، چہارم انصاف۔

اس کے بعد سلطان محمود نے عرض کیا۔ ''شیخ! میرے حق میں دعا کیجئے۔''

والیٔ غزنی کی درخواست کے جواب میں حضرت شیخ خرقانی نے فرمایا۔ ''میں پانچوں وقت نماز پڑھنے کی تلقین کرتا ہوں کہ اے اللہ! تمام مومنین و مومنات کو ہدایت فرما دے۔''

والیٔ غزنی نے دوبارہ عرض کیا۔ ''یہ تو عام دعا ہے، میرے لئے کوئی خاص دعا فرمایئے۔''

حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی نے بڑے پُرسوز لہجے میں فرمایا۔ ''تیری عاقبت محمود ہو۔''

ابھی حضرت شیخ کی زبان سے یہ کلمات ادا ہوئے تھے کہ تمام لوگوں نے با آواز بلند آمین کہا۔ والیٔ غزنی کو محسوس ہوا کہ خانقاہ کے در و دیوار سے ایک روشنی سی پھوٹنے لگی ہے۔ تمام فضا ایک عجیب سی خوشبو سے معطر ہو گئی ہے۔

کچھ دیر تک اس مجلسِ روحانی پر گہرا سکوت طاری رہا۔ پھر سلطان محمود نے حضرت ابوالحسن خرقانی کی خدمت میں درخواست پیش کرتے ہوئے عرض کیا۔ ''میں سومنات پر لشکر کشی کرنا چاہتا ہوں۔ جنگی اعتبار سے یہ مشکل ترین محاذ ہے۔ میری فتح و نصرت کے لئے دعا کیجئے۔ سومنات، بت پرستوں کی سب سے مضبوط اور محفوظ جگہ ہے۔ شیخ نظام نے اسی مقصدِ خاص کے لئے مجھے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا حکم دیا تھا۔''

نظام شاہ کا نام سن کر حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی کے چہرے پر محبت کا ایک عجیب سا رنگ اُبھر آیا۔ ''میرے بھائی بھی خوب ہیں۔'' شیخ ابوالحسن خرقانی بڑے عالمِ جذب میں بول رہے تھے۔ ''نظام شاہ حالانکہ مخدوم ہیں لیکن پھر بھی خود کو خادم ہی کہتے ہیں۔ یہ کام تو وہ خود بھی کر سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے تمہیں اس قدر طویل سفر اختیار کرنے کی زحمت کیوں دی؟''

والیٔ غزنی بچپن سے لے کر آج تک نظام شاہ کی روحانی قوتوں کا مشاہدہ کرتا رہا تھا۔ اس لئے وہ بھی حیران تھا کہ نظام شاہ نے اسے یہاں کیوں بھیجا؟

''مجھے کیا خبر کہ نظام شاہ نے یہ حکم کیوں صادر کیا۔'' والیٔ غزنی نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔ ''ایک مردِ بزرگ ہی دوسرے مردِ بزرگ کی گفتگو کے اسرار و رموز سمجھ سکتا ہے۔''

شیخ ابوالحسن خرقانی کچھ دیر تک آنکھیں بند کئے، سر جھکائے بیٹھے رہے، پھر یکایک انتہائی غضبناک لہجے میں بولے۔ ''ایک پتھر کا بت کب تک محفوظ رہ سکتا ہے؟ اسے تیری ہی ضرب سے ٹوٹ کر بکھرنا ہے۔ بت پرست، سومنات کے گرد کتنی ہی آہنی دیواریں کھینچ دیں مگر اس کے دن پورے ہو چکے ہیں۔ جلدی کر! سومنات تیرا انتظار کر رہا ہے کہ تُو آئے اور اس کے باطل وجود کو ریزہ ریزہ کرے۔ میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ ایسا ہی ہو گا...... ایسا ہی ہو گا۔'' شیخ ابوالحسن خرقانی کا چہرہ حالتِ جذب سے سرخ ہو گیا تھا اور اہلِ مجلس صاف محسوس کر رہے تھے کہ شیخ پر جذب کی شدید کیفیت طاری ہے۔

''سومنات کی کیا مجال؟ ایک دن ساری کائنات فنا ہو جائے گی...... بس اللہ کا نام باقی رہ جائے گا۔''

پھر جب کچھ دیر بعد حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی کی حالتِ جذب ختم ہو گئی تو سلطان محمود نے اشرفیوں سے بھری ہوئی ایک تھیلی شیخ کی خدمت میں پیش کی۔

حضرت ابوالحسن خرقانی چند لمحوں تک اشرفیوں کی تھیلی کو دیکھتے رہے، پھر آپ نے اپنے ایک خادم

سے جَو کی سوکھی روٹی منگا کر سلطان محمود کے سامنے رکھ دی۔ "اسے کھاؤ!"

سوکھ جانے کے باعث جَو کی روٹی بہت سخت ہو گئی تھی۔ سلطان محمود نے بڑی مشکل سے روٹی کا ٹکڑا توڑا مگر جب اسے کھانے کی کوشش کی تو وہ والئ غزنی کے حلق میں اٹک کیا۔

"کیا یہ روٹی تیرے حلق سے نیچے نہیں اُترتی؟" حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی نے والئ غزنی سے پوچھا۔

سلطان محمود نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے عرض کیا۔ "ہاں شیخ! کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔"

حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی مسکرائے۔ "جس طرح ہماری یہ سوکھی روٹی تمہارے حلق سے نیچے نہیں اُترتی، اسی طرح تمہاری اشرفیوں سے ہماری زبان جل جاتی ہے اور ہم اس سنہری غذا کو ہضم نہیں کر سکتے۔"

والئ غزنی کو اپنی کم مائیگی کا احساس ہونے لگا۔

"اسے ہمارے سامنے سے اٹھا لو۔" حضرت ابوالحسن خرقانی نے اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ "ہم سیم وزر کو بہت پہلے طلاق دے چکے ہیں۔"

والئ غزنی بہت دیر تک بارگاہِ شیخ میں سر جھکائے بیٹھا رہا۔ پھر رخصت سے پہلے سلطان محمود نے حضرت ابوالحسن خرقانی سے ایک اور درخواست کی۔ "شیخ! مجھے اپنی کوئی نشانی عطا کیجئے کہ میں ہر وقت آپ کی قربت کو محسوس کر سکوں۔"

حضرت ابوالحسن خرقانی نے اسی وقت اپنی عبا اُتار کر سلطان کو عنایت کر دی۔

پھر جب سلطان محمود رخصت ہونے کے لئے خانقاہ سے اٹھا تو اس بار حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی بھی والئ غزنی کی تعظیم میں اپنی نشست سے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

حضرت شیخ کا یہ طرزِ عمل دیکھ کر والئ غزنی کو شدید حیرت ہوئی۔ پھر اس نے صاحبِ ولایت سے عرض کیا۔ "شیخ محترم! آخر یہ کیا راز ہے کہ جب میں خانقاہ میں داخل ہوا تھا تو آپ نے میری طرف ذرا بھی توجہ نہیں کی تھی...... لیکن اب میں واپس جا رہا ہوں تو آپ میری خاطر اُٹھ کر کھڑے ہو گئے؟"

حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی نے جواباً فرمایا۔ "جب تم مجھ سے ملاقات کے لئے آئے تھے، اس وقت دولت و اقتدار کے نشے سے سرشار تھے اور کسی حد تک شہنشاہیت کے غرور و تکبر میں مبتلا تھے۔ مگر اب تم عاجزی و انکسار کے ساتھ واپس جا رہے ہو۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تم میرے نزدیک سلطان محمود نہیں، نظام شاہ کے محبوب فرزند ہو۔ اس لئے مجھ پر تمہارا احترام واجب ہے۔"

والئ غزنی نے بے اختیار مصافحے کے لئے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ حضرت ابوالحسن خرقانی نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ سلطان محمود کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

پھر سلطان محمود، حضرت شیخ کی مزید دعاؤں کے سائے میں غزنی کی طرف روانہ ہو گیا۔

❊❊❊❊❊

غزنی پہنچ کر جب سلطان محمود نے حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی سے اپنی ملاقات کا حال بیان کیا تو انہوں نے کہا۔

"یہ شیخ کی عظمت کی دلیل ہے کہ وہ غزنی کے ایک گداگر کا اتنا خیال رکھتے ہیں۔" نظام شاہ کی

آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں میں کچھ اور تیزی آ گئی تھی۔ "واللہ! شیخ ابوالحسن خرقانی صاحبِ ولایت ہیں...... اور ایک صاحبِ ولایت اتنا ہی اعلیٰ ظرف ہوتا ہے۔ بہرحال، تم خوش نصیب ہو کہ شیخ کی بارگاہ سے بامراد لوٹے اور اپنے خالی دامن کو اتنا بھر لیا کہ بالآخر چھلک اٹھا اور اب ساری دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گی کہ شیخ نے تمہیں کیا دیا ہے۔ بس جلدی کرو اور شیخ کے ارشادِ گرامی کو اپنے لئے نیک فال سمجھو۔ سومنات تمہارا انتظار کر رہا ہے۔"

❊❊❊❊❊

پورے شہر میں ایک عجیب نشاط خیز ہنگامہ برپا تھا۔ والئ غزنی کے اعلان کے بعد سپاہ گری کے فن سے آشنا عام باشندے بھی سلطانی لشکر میں قطار در قطار شامل ہو رہے تھے۔ یہاں تک کہ محض چند روز میں ان فوجی رضاکاروں کی تعداد تیس ہزار تک پہنچ گئی۔ یہ سب کے سب شوقِ شہادت کے نشے سے سرشار تھے...... اور ہر مجاہد اس عہد و پیمان کے ساتھ لشکرِ غزنی میں شامل ہوا تھا کہ یا تو سومنات کا باطل وجود فنا ہو جائے گا یا پھر وہ اپنے ہی خون سے لبریز جام پی کر آغوشِ مرگ میں سو جائیں گے۔

رضاکار سپاہیوں کے علاوہ غزنی کے باقاعدہ فوجیوں کی تعداد 54 ہزار تھی۔ اس طرح صرف چوراسی ہزار مجاہدین اس محاذِ جنگ کی طرف پیش قدمی کرنا چاہتے تھے جو تمام ہندوستانیوں کے نزدیک ان کی عزت و آبرو کا نازک ترین آبگینہ تھا...... اور جسے شکست و ریخت سے بچانے کے لئے ہر ہندو جان دینے کا عہد کر چکا تھا۔

روانگی سے ایک دن پہلے رات کے ابتدائی حصے میں سلطان محمود نے اپنی معتمد کنیز شارقہ کو خط دے کر نگار خانم کے پاس بھیجا۔ والئ غزنی نے اپنے اس مکتوب میں نگار خانم سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

"تمہیں معلوم ہو گا کہ میں کل صبح سومنات کے اس محاذ کی طرف جا رہا ہوں جہاں کا ذرّہ ذرّہ میرے خون کا پیاسا ہے...... اور ہر ذی روح یہی چاہتا ہے کہ سلطان محمود باقی نہ رہے...... کوئی بھی انسان نہیں جانتا کہ وقت کی دیوار کے پیچھے کون سا منظر پوشیدہ ہے۔ اسی طرح خود مجھے بھی خبر نہیں کہ میں فاتح کی حیثیت سے غزنی کی طرف لوٹوں گا یا پھر دیارِ غیر میں پیوندِ خاک ہو جاؤں گا۔ اس لئے میری شدید خواہش ہے کہ تم قصرِ شاہی چلی آؤ۔ میں نہیں چاہتا کہ وقت کی رفتار میری گرفت سے نکل جائے اور پھر میں تمہاری غلط فہمی دور کرنے کے بھی قابل نہ رہوں۔ تمہیں زحمت اس لئے دے رہا ہوں کہ شیخ کی موجودگی کے باعث اپنے قدموں سے چل کر تمہارے مکان تک نہیں آ سکتا...... اور اگر آ بھی جاؤں تو ملاقات کی جرأت نہیں کر سکتا کہ شیخ کی نگراں آنکھیں سب کچھ دیکھ رہی ہوں گی۔ مجھے امید ہے کہ ایسے سنگین لمحات میں تم مجھے مایوس نہیں کرو گی۔"

نگار خانم نے ایک بار کنیز شارقہ کو ذلیل و رسوا کر کے اپنے گھر سے نکال دیا تھا لیکن وہ حکم سلطانی کے باعث اسی مقام پر دوبارہ جانے کے لئے مجبور تھی۔ شارقہ کو اپنے مکان کے دروازے پر دیکھ کر آتشِ غضب سے نگار خانم کے دل و دماغ جل اُٹھے۔ مگر جیسے ہی کنیز نے والئ غزنی کا مکتوب آگے بڑھایا تو نظام شاہ کی بیٹی کے ہونٹوں پر آہنی قفل پڑ گئے اور اس نے شدید ناگواری کے عالم میں شارقہ کے ہاتھ سے محمود کا خط لے لیا۔

پھر شعلہ بار نظروں سے سلطان کی تحریر پڑھی اور کنیز شارقہ کو خط واپس کرتے ہوئے بولی۔ ''اپنے سلطان سے کہہ دینا کہ میرے پاس اس فضول کام کے لئے وقت نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہہ دینا کہ میں والیٔ غزنی کی طرف سے کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوں۔'' یہ کہہ کر نگار خانم نے دروازہ بند کر لیا۔

سلطان محمود کو یقین تھا کہ حالات کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے نگار خانم اس سے ملنے ضرور آئے گی...... مگر جب کنیز شارقہ نے والیٔ غزنی کو نگار خانم کا جواب منتقل کیا تو سلطان کا سرخ و شاداب چہرہ بجھ کر رہ گیا۔

کنیز شارقہ ایک کینہ پرور عورت تھی، اس نے نگار خانم سے اپنی تذلیل کا انتقام لینے کے لئے والیٔ غزنی کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کی ایک خطرناک کوشش کی۔ ''سلطانِ ذیشان! نگار خانم ایک حاسدانہ فطرت رکھنے والی پست کردار عورت ہے۔ اگر میں بااختیار ہوتی تو حضورِ والا کی توہین کرنے والی اس ناہنجار عورت کے لئے ایسی دردناک سزا کا انتخاب کرتی کہ دیکھنے والے اس سزا کے تصور ہی سے برسوں لرزہ اندام رہتے...... مگر کیا کروں کہ......''

''بس خاموش ہو جا بد ذات شارقہ!'' والیٔ غزنی اتنی زور سے چیخا کہ خلوت گاہِ سلطان کے بام و در لرز کر رہ گئے۔

سلطان کے غیظ و غضب کا یہ عالم دیکھ کر اسے خود اپنا بھیانک انجام قریب تر نظر آنے لگا تھا۔ اس عیار لونڈی نے ایک لحہ ضائع کئے بغیر والیٔ غزنی کے پیروں پر سر رکھ دیا اور گڑگڑانے لگی۔ ''عالم پناہ! کنیز کی لغزشِ زبان کو معاف فرما دیجئے کہ ان قدموں کے سوا اس کے لئے کہیں کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔''

سلطان محمود کی زوردار ٹھوکر، کنیز کے منہ پر پڑی اور شارقہ پیچھے کی طرف ہٹ گئی۔

''ہم نے تجھ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ والیٔ غزنی اور نگار خانم کے درجات میں کوئی فرق نہیں ہے۔'' سلطان محمود کے ہونٹوں سے پگھلی ہوئی آگ ٹپک رہی تھی۔ تیری غلیظ و بے ادب زبان نے نگار خانم کے بارے میں جو کچھ کہا، وہ سلطانِ غزنی کی ذات سے منسوب سمجھا جائے گا۔ تُو یہی کہنا چاہتی ہے نا کہ تیرا سلطان حاسد طبیعت کا مالک ہے اور بہت پست کردار ہے؟''

''امان سلطانِ ذی حشم! امان۔'' کنیز شارقہ اپنے خون آلود چہرے پر ہاتھ پھیرتی ہوئی کھڑی ہوگئی۔

''رحم سلطانِ عالم! رحم۔'' کنیز شارقہ نے ایک بار پھر انتہائی گداگرانہ لہجے میں والیٔ غزنی کے کرم کو آواز دی تھی۔

''اگر تُو اس طرح ہمارے رحم کو نہ پکارتی تو ہم تجھے یہی حکم دیتے کہ تُو نگار خانم کی شان میں گستاخی کرنے والی اپنی زبان کو اپنے ہی ہاتھوں سے کاٹ کر ہمارے قدموں پر رکھ دے۔ بس ہماری آتشِ قہر کے بجھنے کی یہی ایک صورت تھی...... مگر ہم کیا کریں کہ اپنے آدابِ کرم سے مجبور ہیں۔ اللہ نے ہمیں با اختیار بنایا ہے، اس لئے تجھے امان دیتے ہیں...... لیکن اے لعنت زدہ، ناشکر گزار اور بدنسل عورت! تُو اسی وقت ہمارے حلقۂ غلامی سے نکل جا اور اپنے اس کریہہ المنظر چہرے کو غزنی کے کسی ویران گوشے میں گم کر دے۔''

کنیز شارقہ لرزتے قدموں کے ساتھ خلوتِ سلطان سے نکل کر چلی گئی۔

اور والیٔ غزنی نگار خانم کے جارحانہ طرزِ تغافل کے سبب رات بھر ایک عجیب سے کرب میں مبتلا

جاگتا رہا۔

*****

دوسرے دن لشکرِ اسلام اس طرح غزنی سے روانہ ہوا کہ پورا شہر اپنے مجاہدین کو رخصت کرنے کے لئے دارالحکومت کی سرحدوں پر سمٹ آیا تھا۔ خود نظام شاہ بھی سلطان محمود کو اس طرح الوداع کہنے کے لئے تشریف لائے تھے کہ والیٔ غزنی ایک عربی النسل گھوڑے کی پشت پر سوار تھا اور نظام شاہ اس کی لگام پکڑے ہوئے آگے آگے چل رہے تھے۔ پھر جب سلطان کا گھوڑا نظروں سے اوجھل ہو گیا تو نظام شاہ نے اپنے دونوں ہاتھ اس طرح دراز کر دیئے جیسے آفات و مصائب کا مارا ہوا کوئی بھکاری کسی صاحب ثروت انسان کے آگے اپنا دامنِ طلب پھیلا دے۔

نظام شاہ، سلطان کی فتح و سلامتی کے لئے زیرِ لب دعا مانگ رہے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ''اے عزیز و جلیل! اپنی عزت و جلال کے صدقے میں میرے بت شکن کی آبرو کی حفاظت فرما اور اسے دونوں جہانوں میں محمود بنا دے۔''

*****

مجاہدینِ اسلام کا لشکر 10 شعبان 415ھ (ستمبر 1024ء) کو غزنی سے روانہ ہوا، پھر چوراسی ہزار سپاہیوں پر مشتمل یہ فوج ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے راستے سے گزر کر 16 رمضان 415ھ کو ملتان پہنچی۔ جب یہاں کے کچھ ہوشیار مقامی باشندوں کی زبانی پانی کی کمیابی کا حال معلوم ہوا تو سلطان محمود نے حکم دیا کہ ہر سپاہی اپنی طاقت کے مطابق اپنے خالی مشکیزوں کو پانی سے بھر لے۔ اس کے علاوہ والیٔ غزنی کے حکم پر تیس ہزار اونٹوں کو کئی روز پیاسا رکھ کر پانی پلایا گیا اور پھر ان پر خوراک و پانی کا ایک بڑا ذخیرہ لاد دیا گیا۔

اس احتیاطی تدبیر کے بعد سلطانی لشکر ملتان سے بیکانیر اور جیسلمیر ہوتے ہوئے 350 میل کا بے آب و گیاہ اور لق و دق ریگستان عبور کرنے لگا۔ پہلی منزل پر ہر سپاہی نے اپنا اپنا سامانِ خوراک استعمال کیا، پھر اونٹ ذبح کئے جاتے رہے۔ سپاہی گوشت کھا لیتے اور اونٹوں کے قدرتی خزانے سے جو پانی نکلتا، اسے صاف کر کے گھوڑوں کو پلا دیا جاتا...... اور اونٹوں پر لدے ہوئے مشکیزوں کا پانی مجاہدینِ اسلام پی لیتے۔ اس طرح غزنی کے یہ جانباز برق رفتاری کے ساتھ دشوار ترین راستے پر آگے بڑھتے ہوئے اجمیر پہنچ گئے۔

راجہ اجمیر، سلطان محمود کی آمد کی خبر سن کر حیران رہ گیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ والیٔ غزنی اس قدر پُرپیچ اور طویل سفر اختیار کر کے سلطنتِ اجمیر کی حدود میں داخل ہو جائے گا۔ راجپوت حکمران نے گجرات کے راجہ سے مدد طلب کی مگر وہ اپنی ہنگامی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکا۔ مجبوراً اس نے جان بچانے کے لئے راہِ فرار اختیار کی۔ سلطان محمود اجمیر کو خالی دیکھ کر شہر میں داخل ہو گیا مگر اس نے اپنے سپاہیوں کو سختی سے منع کر دیا کہ وہ لوٹ مار سے گریز کریں۔ والیٔ غزنی نے چند روز اجمیر میں قیام کیا اور نئے سرے سے سامانِ رسد مہیا کر کے آگے بڑھا۔

اب سلطان محمود کی نظروں کے سامنے تارا گڑھ کا مضبوط قلعہ موجود تھا مگر اس نے وقت ضائع ہونے اور لشکرِ اسلام کی آمد کی خبر پھیل جانے کے خیال سے تارا گڑھ کا محاصرہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔

پھر والیٔ غزنی جنگلوں، میدانوں، دیہاتوں اور شہروں سے گزرتا ہوا آبو پہنچا۔ اس دوران ہندوستان کے چھوٹے چھوٹے راجہ سلطان محمود کی اطاعت قبول کرتے رہے، راجہ آبو نے بھی بیش قیمت تحائف دے کر اور اطاعت کا اقرار کر کے اپنی جان بچائی۔ پھر جب سلطان محمود، آبو کی حدود سے نکل کر آگے بڑھ گیا تو یہاں کے راجہ نے بے اختیار کہا۔ ''دیوتاؤں کا کرم ہے کہ میرے سر اور میری مملکت سے بہت بڑی بلا ٹل گئی۔''

❁❁❁❁❁

سلطان ''آبو'' سے گزر کر گجرات پہنچا اور اس نے سیدھا ''پٹن'' کا رخ کیا۔ (مغربی کتابوں میں پٹن کو ''فتن'' لکھا گیا ہے۔ اس کا اصلی نام انہل واڑہ ہے مگر عربی اور فارسی میں اس شہر کو ''نہروالہ'' کے نام سے پکارا جاتا ہے) نہروالا، گجرات کا پایۂ تخت تھا اور اس وقت گجرات پر سولنکی خاندان کے راجہ بھیم دیو کی حکومت تھی۔ گندھار، منگلور، کھمبایت، سومنات، بھروچ اور جونا گڑھ کے حاکم، راجہ بھیم دیو کے خراج گزار تھے۔

اگرچہ گجرات کا حکمراں راجہ بھیم دیو ایک مردِ شجاع تھا لیکن جب اس نے سلطان محمود کی آمد کی خبر سنی تو حیرت کی زیادتی سے چیخ اٹھا۔

''یہ کیسے ممکن ہے؟ کیا میرے سرحدی جاسوسوں کو موت کی نیند آ گئی تھی؟''

پھر راجہ بھیم دیو نے اپنے خراج گزار حاکموں سے فوجی مدد طلب کی مگر ان تمام چھوٹے چھوٹے حاکموں نے بھیم دیو سے معذرت کر لی کہ وہ اس قدر عجلت میں ہر قسم کے تعاون سے قاصر ہیں۔ راجہ بھیم دیو چاہتا تو نہروالہ کی حدود میں سلطان سے ایک خوں ریز جنگ ہو سکتی تھی اور لشکرِ غزنی کی یلغار کو بڑی حد تک روکا جا سکتا تھا...... مگر بھیم دیو یہ سوچ کر خوف زدہ ہو گیا کہ جب غزنی سے نہروالہ تک کوئی مزاحمت کرنے والا موجود نہیں تو پھر کس طرح سلطان محمود کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی حقیقت پسندانہ خیال نے راجہ بھیم دیو کو دہشت زدہ کر دیا اور پھر وہ نہروالہ سے فرار ہو گیا۔

جنگی نقطۂ نظر سے راجہ بھیم دیو کا تعاقب ضروری تھا مگر سلطان محمود نے اس سلسلے میں جلد بازی سے گریز کیا اور نہروالہ میں چند روز ٹھہر کر تازہ سامانِ رسد جمع کرتا رہا پھر بہت تیز رفتاری کے ساتھ ''منڈھیر'' کی طرف بڑھا۔

''منڈھیر'' اس وقت ایک بڑا شہر تھا جو اپنی وسعت و رونق میں کسی طرح بھی نہروالہ سے کم نہیں تھا۔ یہ نہروالہ کے قریب ہی واقع تھا اور اس میں سورج دیوتا کا بڑا مندر بھی موجود تھا جس کے سبب یہاں کے شہری بہت خوش حال زندگی گزار رہے تھے۔

سلطان محمود کے حکم کے مطابق ''منڈھیر'' پہنچ کر لشکرِ غزنی نے مالِ غنیمت جمع کیا۔

پھر کثیر مالِ غنیمت لے کر لشکرِ غزنی ''وڈھوان'' کے راستے ''دیول واڑا'' پہنچا۔ اپنی آبادی اور مالی حیثیت کے اعتبار سے یہ شہر دوسرے درجے کا شمار ہوتا تھا۔ سلطان محمود کے اچانک پہنچنے پر یہاں کا حاکم بھی حیران رہ گیا تھا۔ پھر یہی حیرت خوف و دہشت میں تبدیل ہو گئی اور کوئی بھی لشکرِ غزنی کے مقابلے کی جرأت نہ کر سکا۔

راجہ بھیم دیو ''دیول واڑا'' سے فرار ہو کر سومنات پہنچا اور پھر سومنات سے بھاگ کر ''کنتھ کوٹ''

چلا گیا۔

سلطان محمود ''دیول واڑا'' کی مہم سے فارغ ہو کر ذیقعد 416ھ میں سومنات پہنچا۔ والیٔ غزنی نے یہ دُشوار گزار سفر پندرہ روز کی طویل مدت میں طے کیا۔

❁❁❁❁❁

سلطان محمود نے حیران نظروں سے اس عالی شان قلعے کی طرف دیکھا جس کے برج آسمان سے باتیں کر رہے تھے اور بے قرار سمندر جس کے پتھریلے قدموں کو چوم رہا تھا۔ قلعے کی فصیلوں پر جگہ جگہ سخت پہرے بٹھائے گئے تھے۔ سلطان نے حسبِ روایت اہلِ قلعہ کے نام سلامتی کا پیغام بھیجا۔

''سومنات کے پجاریو! میں تمہاری عزت و آبرو اور زندگی کی ضمانت دیتا ہوں مگر اس شرط کے ساتھ کہ تم اپنے دیوتا کو چپ چاپ میرے حوالے کر دو۔''

قلعہ سومنات کے حاکم کور پال نے والیٔ غزنی کے خط کے جواب میں لکھا۔ ''محمود! تُو ہماری زندگی کی کیا ضمانت دے گا؟ ہمارا محافظِ اعلیٰ سومنات ہے اور سومنات جس کی حفاظت کرتا ہے، اسے دنیا کی کوئی طاقت گزند نہیں پہنچا سکتی۔ یہ سومنات ہی کی طاقت کا کرشمہ ہے کہ تُو غریب الوطنی پانے کے لئے گجرات آیا ہے۔ اگر سومنات چاہتا تو غزنی میں بھی تجھ پر موت نازل کر سکتا تھا مگر ہمارے دیوتا کی خواہش ہے کہ اس کے پاک قدموں پر تیری جان نکلے اور ساری دنیا اس حقیقت کو جان لے کہ سومنات کیسی لازوال قوتوں کا مالک ہے۔ تُو نے اب تک جس قدر بت توڑے ہیں، آج ان سب کے حساب کا دن ہے۔ بس چند گھڑیوں کی بات ہے تو بہت جلد اپنی آنکھوں سے اپنا انجام دیکھ لے گا۔ سومنات نے اپنے پجاریوں سے وعدہ کیا ہے کہ غزنی کے کسی سپاہی کو بھی قبر کی جگہ نہیں ملے گی۔ دیوتاؤں کے تمام دشمنوں کو آدم خور مگرمچھوں کی خوراک بننا ہے۔''

قلعے کے حاکم کور پال نے برہمن پجاریوں کے مشورے سے یہ خط تحریر کیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اتنی قہر رنگ تحریر پڑھ کر سلطانِ غزنی کے دل پر سومنات کی ہیبت طاری ہو جائے گی اور وہ محاصرہ اٹھا کر ناکام و نامراد واپس لوٹ جائے گا...... مگر جب سنسکرت زبان کے ایک عالم نے محمود کے سامنے یہ خط پڑھا تو والیٔ غزنی نے خلافِ عادت قہقہہ بلند کیا۔

''معاذ اللہ! ابھی محمود پر اتنا برا وقت نہیں آیا کہ خالقِ کائنات اس کے سر سے اپنا دامنِ کرم کھینچ لے اور اپنے ایک نام لیوا کو سومنات کے قدموں پر مرنے کے لئے تنہا چھوڑ دے۔ ایسی موت تو ان کا مقدر بنتی ہے، جن کے دلوں کو نفاق کا زنگ لگ جاتا ہے..... اور مجاہدینِ غزنی کا یہ حال ہے کہ ان کے سینے بھی توحید کی خوشبو سے مہک رہے ہیں اور دماغ بھی رسالت کی بخشی ہوئی روشنی سے منور ہیں۔''

اس کے بعد محمود کے ماہر تیر اندازوں نے اتنے تیر برسائے کہ فصیلوں کے محافظ بھاگ کھڑے ہوئے اور سومنات کے قدموں پر سر رکھ کر گڑگڑانے لگے۔

غزنی کے سپاہیوں نے قلعے کی فصلیں خالی دیکھیں تو کمندیں لگا کر اوپر چڑھ گئے۔ قلعے کے راجپوت محافظوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مجاہدینِ اسلام اس قدر جرأت کا مظاہرہ کریں گے۔ نتیجتاً راجپوتوں نے ایسا زبردست جوابی حملہ کیا کہ اکثر مسلمان سپاہی مارے گئے۔

دوسرے دن صبح سے شام تک لشکرِ غزنی نے پے در پے حملے کئے اور بار بار کمندیں لگا کر فصیل پر

چڑھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔

سلطان محمود نے اپنے اس جنگی منصوبے کو بے نتیجہ پا کر نئی چال چلی کہ کسی طرح دشمن کو قلعے سے باہر نکالا جائے اور جلد از جلد جنگ کا خاتمہ کر دیا جائے کیونکہ مسلمانوں کو کسی طرف سے تازہ فوجی کمک پہنچنے کی کوئی اُمید نہیں تھی۔

اس کے برخلاف قلعے کا حاکم کورپال جنگ کو طول دینا چاہتا تھا۔ اسے اُمید تھی کہ موقع ملتے ہی اس کا بہنوئی حاکم "منگرول" جے پال مدد کو پہنچ جائے گا اور اس طرح روز بروز سومنات کے محافظوں کی تعداد بڑھتی چلی جائے گی۔ پھر بھی سلطان محمود کے جوش دلانے سے ہندوؤں کے کچھ فوجی دستے باہر نکلے مگر جلد ہی مجاہدین کی بھوکی شمشیروں کی غذا بن گئے۔ مجبوراً راجپوتوں کو دوبارہ قلعہ بند ہونا پڑا۔

اس دوران راجہ بھیم دیو کو موقع مل گیا کہ کاٹھیاواڑ کے تمام راجاؤں کو سومنات کی حفاظت کے لئے آمادہ کر سکے۔ نتیجتاً تیسرے دن کاٹھیاواڑ کے چھوٹے چھوٹے راجہ اپنی فوج لے کر میدانِ جنگ کی طرف بڑھے۔ کورپال اپنی حکمتِ عملی میں کامیاب ہو چکا تھا...... اور اس وقت بت پرستوں کے چہروں پر بے پناہ مسرت رقص کرنے لگی، جب راجہ بھیم دیو بھی ایک لشکرِ کثیر کے ساتھ شاملِ جنگ ہو گیا۔

❀❀❀❀❀

بڑی فکر انگیز اور پریشان کن صورتِ حال تھی۔ سلطانی لشکر تین طرف سے محصور ہو کر رہ گیا تھا۔ والیٔ غزنی، سومنات کے حاکم اور کاٹھیاواڑ کے راجاؤں پر آسانی کے ساتھ غلبہ حاصل کر سکتا تھا مگر اسے یہ اُمید نہیں تھی کہ مغرور بھیم دیو اچانک پوری فوجی تیاری کے ساتھ پلٹ پڑے گا۔ انسانی اندازوں کی اسی غلطی نے میدانِ جنگ کا نقشہ بدل کر رکھ دیا تھا۔ لیکن پھر بھی محمود کے چہرے پر خوف و ہراس کا ہلکا سا عکس تک نہیں تھا۔ اس نے قلعے کا محاصرہ جاری رکھنے کے لئے سپاہیوں کا ایک دستہ وہیں چھوڑا اور باقی فوج کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا۔ پھر راجہ بھیم دیو اور کاٹھیاواڑ کے ایک راجہ دیوشیل کا مقابلہ کرنے کے لئے میدانِ جنگ کی طرف بڑھا۔

فولاد سے فولاد ٹکرایا، فضا میں چنگاریاں اُڑیں، شمشیروں نے شہ رگیں کاٹیں، تیروں نے جسم چھلنی کر دیئے، نیزے سینوں کے پار ہو گئے اور انسانی خون کے دریا بہنے لگے۔ سومنات کے محافظوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، اس لئے بت پرستوں کے نزدیک جانی نقصان کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا...... مگر مجاہدینِ غزنی کی تعداد جو پہلے ہی کم تھی، ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ مزید کم ہوتی جا رہی تھی۔

اسی دوران سومنات کے قلعے کا حاکم کورپال بھی اپنی فوج لے کر باہر نکل آیا۔ سلطان نے محاصرہ کرنے والے دستے کو حکم دیا تھا کہ موجِ خون بھی سر سے گزر جائے تو کسی سپاہی کا قدم پیچھے نہ ہٹے۔ اگر کسی فوجی کی پشت قلعے کی طرف ہوئی تو وہ بارگاہِ سلطانی میں سب سے بڑا مجرم قرار دیا جائے گا۔ یہ حکم اس لئے جاری کیا گیا تھا کہ کورپال کے محصور رہنے ہی میں لشکرِ غزنی کی عافیت تھی۔ اگر کورپال عقب سے حملہ آور ہو جاتا تو افواجِ سلطانی کی حالت اس شیر کی سی ہو جاتی، جس کے چاروں طرف آہنی حصار کھینچ دیا گیا۔ کورپال نے محمود کے اس کمزور پہلو کو بخوبی سمجھ لیا تھا۔ نتیجتاً وہ اس وقت قلعے سے باہر نکلا جب سلطان بہت آگے جا چکا تھا اور اس بات کا کوئی امکان باقی نہیں رہا تھا کہ محمود محاصرہ کرنے والے دستے کی مدد کے لئے پیچھے کی طرف لوٹ سکے گا۔

کورپال نے بڑے وحشیانہ انداز میں حملہ کیا۔ مجاہدینِ غزنی کے جسموں سے بنی ہوئی یہ مختصر سی دیوار کہاں تک مزاحمت کرتی؟ آخر ایک ایک سپاہی کا جسم دو ٹکڑوں میں بٹ گیا۔ دیوار گر گئی اور سلطان کو خبر بھی نہ ہو سکی کہ رسمِ وفا نبھانے والے اپنی جانوں سے گزر چکے ہیں۔

اب کورپال آزاد تھا۔ راجپوتوں کے ایک دستے نے سومنات کی قسم کھائی اور اس ارادے سے آگے بڑھے کہ وہ ہر قیمت پر سلطانِ غزنی کو ہلاک کر ڈالیں گے۔ کورپال کی یہی منصوبہ بندی تھی کہ اگر دو تین ہزار راجپوت سپاہی جانیں دے کر بھی محمود کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو پھر بت پرستوں کی فتح کے راستے میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہے گی۔

کورپال کے سپاہیوں کا یہ حملہ غیر متوقع بھی تھا اور شدید بھی۔ محمود کے جاں نثاروں نے ہندوؤں کی اس یلغار کو کسی طرح روک تو لیا مگر اس کوشش میں ہزاروں مجاہدینِ غزنی شہید ہو گئے۔ سومنات کا ایک مجنون پجاری بچتا بچاتا سلطان کی پشت پر پہنچ گیا تھا...... اور عین ممکن تھا کہ اُس کی شمشیرِ خون آشام محمود کا کام تمام کر دیتی کہ ایک جاں نثار کا سینہ اپنے امیر کا سپر بن گیا۔

اس سے پہلے کہ وہ جنونی پجاری تلوار کھینچ کر سلطانِ غزنی پر دوسرا وار کرتا، محمود کے جاں نثار کی شمشیرِ آبدار سومنات کے پجاری کے شکم میں اُتر گئی۔ ایک خوفناک چیخ بلند ہوئی۔ سلطان نے پلٹ کر دیکھا۔ دو سپاہی اپنے خون میں نہائے ہوئے زمین پر تڑپ رہے تھے۔ ان میں سے ایک سومنات کا پرستار تھا اور دوسرا سلطانِ غزنی کا جاں نثار۔ سومنات کا پرستار تکلیف کی شدت سے چیخ رہا تھا...... اور سلطان کا جاں نثار صرف اس لئے پریشان تھا کہ کہیں اس کے امیر کے جسم پر کوئی خراش تو نہیں آئی؟

محمود کو کچھ دیر کے لئے سکتہ سا ہو گیا تھا۔ وہ پتھرائی ہوئی نظروں سے اپنے زخمی جاں نثار کو دیکھتا رہا اور پھر گھوڑے کی پشت سے نیچے اُتر آیا۔

"یہ...... تم ہو...... نگار خانم!" محمود گھٹنوں کے بل زخمی جاں نثار کے چہرے پر جھک گیا۔

"سلطانِ ذیشان! ساری دنیا میرا تماشا دیکھ رہی ہے۔" نگار خانم کے سینے سے خون کی دھار بہہ رہی تھی مگر اس کی زبان میں ذرا بھی لڑکھڑاہٹ نہیں تھی۔ "خدا کے لئے آخری وقت میں تو مجھے رُسوا نہ کیجئے۔ دیکھنے والے آپ کے اور میرے بارے میں کیا کہیں گے؟" نگار خانم کے چہرے پر ہلکے ہلکے خوف اور شرم کی پرچھائیاں لرز رہی تھیں۔

"یہ تم نے کیا کیا نگار خانم؟" سلطان محمود، جنگ کی ہولناکیوں کو بھول کر صرف اس عورت کا چہرہ دیکھ رہا تھا، جو والیٔ غزنی کو بچانے کے لئے موت کی وادی کی طرف بہت تیزی سے گامزن تھی۔

غزنی سے روانہ ہونے والے تیس ہزار رضاکار مجاہدین میں نگار خانم بھی شامل تھی۔ مردانہ لباس اور دستار میں ملبوس ہونے کے باعث خود محمود بھی اسے پہچاننے میں ناکام رہا تھا۔ نگار خانم نے عام مجاہدین کے ساتھ یہ طویل سفر طے کیا تھا مگر جب سلطان محمود، راجہ بھیم دیو کے مقابل صف آرا ہوا تو نگار خانم بھی والیٔ غزنی کے محافظ دستے میں شامل ہو گئی۔ وہ سلطان کے دوش بہ دوش چل رہی تھی مگر جنگ کی ہنگامہ خیزیوں کے سبب محمود اس سپاہی کے خدوخال پر غور نہ کر سکا جو ہمہ وقت سایئے کی طرح لگا ہوا تھا...... اور پھر سلطان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ نگار خانم ایسا خوفناک اور ناقابلِ یقین راستہ بھی اختیار کر سکتی ہے۔

پھر جب جونی پجاری کی تلوار نگار خانم کے سینے میں اُتر گئی......اور نگار خانم کے جوابی حملے نے سلطان کے بدترین دشمن کو خاک و خون میں نہلا دیا تو سلطان نے چونک کر دیکھا کہ اس کے عقب میں کیا قیامت خیز طوفان دبے قدموں بڑھ رہا تھا......اور اس طوفان کو روکنے والا جاں نثار کون تھا؟ محمود اس وقت بھی نگار خانم کو پہچاننے سے قاصر رہتا مگر جب وہ شدید زخم کھا کر گھوڑے کی پشت سے نیچے گری تو اس غیر متوقع حادثے نے تمام راز فاش کر دیا۔

نگار خانم کی دستار کھل چکی تھی اور اس کے لمبے بال چہرے پر بکھر گئے تھے۔

محمود نے بے قرار ہو کر نگار خانم کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان لے لیا۔ ”یہ ماہِ کامل، آسمان سے گر کر اس طرح خاک آلود بھی ہو سکتا ہے؟ قیامت ہے نگار خانم! میں نے تو سوچا بھی نہ تھا کہ تم مجھے اتنی بڑی آزمائش میں مبتلا کر دوگی۔“

”کچھ تو لحاظ کیجیے سلطانِ ذی حشم!“ نگار خانم نے اپنے چہرے سے محمود کے ہاتھوں کو ہٹاتے ہوئے کہا۔ ”آپ کے جلالِ سلطانی سے یہ امید تو نہیں تھی کہ ایک کنیز کو آخری وقت میں اس طرح رُسوا کریں گے؟“

محمود نے شرمسار ہو کر اپنے دونوں ہاتھ کھینچ لئے۔ محافظ دستے کے سپاہی اور دوسرے امرائے سلطنت بھی اس جانگداز منظر کو بڑی حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ پھر جنگل کی آگ کی طرح یہ خبر پورے لشکر میں پھیل گئی کہ سومنات کے ایک محافظ نے سلطان پر بھرپور قاتلانہ حملہ کیا مگر نظام شاہ کی بیٹی، نگار خانم نے کورپال کی اس سازش کو ناکام بنا دیا۔

کچھ دیر بعد سلطان محمود زخمی نگار خانم کو لے کر اپنے خیمے میں پہنچا اور درباری طبیب کو مختلف ہدایات دینے لگا۔

”سلطانِ معظم! آپ محاذِ جنگ کی طرف دیکھیے۔“ نگار خانم نے کہا مگر جریانِ خون کے سبب اس کی آواز سے نقاہت جھلکنے لگی تھی۔ ”صبح قریب ہوتی ہے تو بے شمار ستارے قتل کر دیئے جاتے ہیں۔ میں بھی ایک ستارہ ہی تھی جو اپنے آفتاب پر قربان ہو گئی۔ ابھی تو اور نہ جانے کتنے ستارے بجھیں گے، پھر کہیں آپ کی نصرتوں کا سورج طلوع ہو گا۔“

”نگار خانم! میں تمہیں اس طرح چھوڑ کر کیسے چلا جاؤں؟“ محمود بہت زیادہ دل گرفتہ نظر آ رہا تھا۔

”مجھے کچھ نہیں ہو گا سلطانِ عالی قدر!“ نگار خانم نے بے مثال استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ”میں نے بھی اپنے اللہ سے یہی دعا کی تھی کہ سومنات کی فتح سے پہلے مجھ پر موت نازل نہ کرنا۔ یہ گناہ گار آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ میری دعا کی قبولیت کا وقت آ گیا ہے۔ سلطانِ محتشم! آپ جائیے، مجاہدینِ اسلام آپ کے بغیر تنہائی محسوس کر رہے ہوں گے۔“

سلطان محمود شدید اضطراب کے عالم میں خیمے سے باہر نکلا۔ محاذِ جنگ پر نظر کی تو صورتِ حال مزید ابتر ہو چکی تھی۔ مجاہدینِ غزنی ایک ایک کر کے جامِ شہادت پی رہے تھے اور لحظہ بہ لحظہ مسلمان سپاہیوں کی تعداد کم ہوتی جا رہی تھی۔

پھر یکایک جنگ کا نقشہ اس طرح بدلا کہ راجہ بھیم دیو اور راجہ دیوشیل کو اپنی فتح کا یقین ہو چلا تھا۔ افرادی قوت کی برتری نے راجپوتوں کے حوصلوں کو نئی توانائی بخشی تھی اور وہ اسی نفسیاتی کیفیت کے زیر اثر

لشکرِ غزنی پر دیوانہ وار حملے کر رہے تھے۔

غزنی کے جانباز ایک عجیب صورتِ حال سے دوچار تھے۔ غیرت و حمیت کے باعث وہ پیچھے بھی نہیں ہٹ سکتے تھے۔ اور سپاہیوں کی قلت کے سبب آگے بڑھ کر دشمنوں کی صفوں میں شگاف بھی نہیں ڈال سکتے تھے۔ نتیجتاً راجہ بھیم دیو اور راجہ دیوشیل کی فوجیں لشکرِ غزنی پر غلبہ حاصل کرتی جا رہی تھیں۔ محمود کچھ دیر تک اس معرکہ آرائی کو دیکھتا رہا، جس میں سراسر مجاہدینِ غزنی کو نقصان پہنچ رہا تھا......اور ممکنہ شکست دبے قدموں سلطان کی طرف بڑھ رہی تھی۔

محمود دوبارہ خیمے میں واپس آیا اور نگار خانم کے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔ شدید نقاہت کے سبب نگار خانم بے ہوش ہو چکی تھی۔ والئ غزنی کے سینے میں درد کی ایک تیز لہر اُٹھی اور وہ خاموشی سے خیمے کے ایک سنسان گوشے میں چلا گیا۔ پھر اس نے اپنے سامان میں سے سبز رنگ کا ایک پیرہن نکالا اور چند لمحوں تک اسے بغور دیکھتا رہا۔ پھر سلطان محمود نے اس سبز پیرہن کو اپنی جانماز پر سجدے کی جگہ بچھا دیا۔ یہ سبز پیرہن دراصل ابوالحسن خرقانی کی وہ عبا تھی، جو حضرت شیخ نے والئ غزنی کو تحفے کے طور پر عنایت کی تھی۔

سلطان محمود نے دو رکعت نماز ادا کی اور پھر اس طرح سجدے میں چلا گیا کہ والئ غزنی کا سر شیخ ابوالحسن خرقانی کی عبا سے مس ہو رہا تھا۔

”اے قادرِ مطلق! تُو خوب جانتا ہے کہ تیرے کرم کے بغیر میں کچھ بھی نہ تھا اور تیری رحمت کے حصار سے نکل کر میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ بس ایک تیری ذات ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ ہمارے غرور و تکبر اور ناشکر گزاریوں کو معاف فرما۔ بے شک! تُو پاک ہے اور ہم ظالموں میں سے ہیں۔ مجھے شیخ ابوالحسن کے اس خرقے کے طفیل فتح عطا فرما کہ اب یہی خرقہ میرا جنگی پرچم ہے۔ میں گناہگار سہی مگر تُو اپنے ایک محبوب بندے کی عبا کے اس پرچم کو اہلِ باطل کے سامنے سرنگوں ہونے سے بچا لے۔“

یہ دعا مانگ کر سلطان محمود، خیمے سے باہر آیا اور اس نے حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی کی عبا کو اپنے نیزے پر جنگی پرچم کی طرح بلند کر لیا۔

غزنی کے سپاہیوں نے بڑی حیرت سے اپنے سلطان کے اس عمل کو دیکھا۔ ابھی مجاہدینِ اسلام کی حیرت برقرار تھی کہ یکایک آسمان کے ایک حصے سے سیاہ بادل اُٹھے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے پورے آسمان پر چھا گئے۔ اب میدانِ جنگ میں ہر طرف اس قدر گہری تاریکی تھی کہ سپاہیوں کو بہت قریب کی چیزیں بھی نظر نہیں آ رہی تھیں۔ اندھیرا پھیلتے ہی بجلی بھی کڑکنے لگی۔ بجلی کی کڑک اس قدر خوفناک تھی کہ بت پرست سپاہیوں کو اپنی سماعتوں میں شگاف پڑتے محسوس ہو رہے تھے۔ راجہ بھیم دیو اور راجہ دیوشیل کے سپاہی اس آفتِ ناگہانی کو دیکھ کر آپس ہی میں لڑنے لگے۔ عجیب افراتفری کا عالم تھا۔

پھر جب تاریکی چھٹی تو راجہ بھیم دیو کی بچھائی ہوئی بساطِ جنگ اُلٹ چکی تھی۔ تائیدِ غیبی کے سہارے مسلمانوں نے ہندوؤں کی فوج پر بھرپور حملہ کیا۔ راجہ بھیم دیو اس حملے کی تاب نہ لا سکا اور اپنے پانچ ہزار سپاہیوں کی لاشیں چھوڑ کر میدانِ جنگ سے فرار ہو گیا۔

سلطان محمود نے راجہ بھیم دیو کا تعاقب ضروری نہیں سمجھا اور بہت تیزی سے سومنات کی طرف پلٹا۔ قلعے کا حاکم کورپال، سومنات کی حفاظت سے مایوس ہو چکا تھا۔ پھر بھی اس نے بڑی جواں مردی کے ساتھ لشکرِ غزنی کا مقابلہ کیا مگر جلد ہی مارا گیا۔ کورپال کے ختم ہوتے ہی اُس کی فوج بھی بھاگ کھڑی

ہوئی۔

سومنات کے چار ہزار برہمن پجاری اپنی جان بچا کر سمندر کی طرف بھاگے اور پناہ حاصل کرنے کے لئے کشتیوں میں بیٹھ کر جزیرۂ سراندیپ کی طرف روانہ ہوئے۔ سلطان محمود نے پہلے ہی غزنی کے سپاہیوں کو کشتیوں میں بٹھا کر مختلف سمندری راستوں پر چھوڑ دیا تھا۔ اس جنگی تدبیر کے نتیجے میں تمام برہمن پجاری قتل ہوئے اور ان کی لاشیں سمندر میں پھینک دی گئیں۔

سومنات کی فتح مکمل ہو چکی تھی۔ سلطان محمود، نگار خانم کو یہ تاریخ ساز خوشخبری سنانے کے لئے بہت تیز قدموں سے خیمے میں داخل ہوا۔ نگار خانم بے ہوش ہو چکی تھی۔ محمود کے مسلسل آوازیں دینے کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں۔ سلطان نے فتح سومنات کی خوشخبری سنائی تو نگار خانم کے خشک اور پژمردہ ہونٹوں پر ایک تھکی تھکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ”کیا سلطانِ ذیشان نے سومنات کو ریزہ ریزہ کر دیا؟“ نگار خانم کی زبان سے یہ چند الفاظ بمشکل ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہوئے۔

”بت شکنی کی یہ رسم تمہاری صحت یابی کے بعد ادا کی جائے گی۔“ سلطان نے انتہائی رقت آمیز لہجے میں کہا۔

”نہیں سلطانِ معظم!“ نگار خانم کی زبان لڑکھڑائی۔ ”میری سانسوں کا شمار ختم ہونے ہی والا ہے۔ اس سے پہلے کہ سفیرِ اجل میری متاعِ حیات چھین کر واپس چلا جائے، مجھے سومنات کے ٹوٹنے کی خوشخبری سنا دیجئے۔“ یہ کہتے کہتے نگار خانم دوبارہ بے ہوش ہو گئی۔

✻✻✻✻✻

سلطان محمود اس طرح خیمے سے باہر نکلا کہ اس کی آنکھیں اشکوں سے لبریز تھیں۔ پھر محمود اپنے بیٹوں اور دیگر معززینِ سلطنت کے ہمراہ قلعے میں داخل ہوا اور مختلف راہداریوں سے گزرتا ہوا سومنات کے مندر میں پہنچ گیا۔ اب والیٔ غزنی کی نظروں کے سامنے وہ طویل قامت بت موجود تھا، جس کی لمبائی پانچ گز تھی۔

”یہ تُو ہے سومنات!“ سلطان محمود نے پتھر کے مجسمے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”تیرے پرستار تجھے چھوڑ کر فرار ہو چکے اور تیری لازوال قوتوں کا یہ حال ہے کہ تُو اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کر سکتا۔“ محمود کے لہجے سے نفرت وغضب کی آگ برس رہی تھی۔ ”اگر تیری زبان ہے تو مجھے بتا کہ میں تیرے ساتھ کیا سلوک کروں؟ مگر پتھر کے حقیر ٹکڑے! تُو کس طرح بولے گا؟ آج تو صرف اہلِ ایمان کے گرز بولیں گے...... حق پرستوں کی شمشیریں نغمہ سرا ہوں گی...... اور اہلِ وفا کے نیزے گفتگو کریں گے۔ کاش! تیری سماعت ہوتی۔ پھر تُو سنتا کہ ”لا الٰہ“ کا آہنگ کیا ہے اور ”الا اللہ“ کی صدا کسے کہتے ہیں۔“

یہ کہہ کر محمود نے سومنات کے چہرے پر اپنے گرز کی بھرپور ضرب لگائی۔ پھر دوسرے ہی لمحے برہمنوں کی گریہ وزاری سے پورا مندر گونجنے لگا۔ ان کا دیوتا بے چہرہ ہو چکا تھا۔

تمام پجاری والیٔ غزنی کے قدموں سے لپٹے ہوئے فریاد کر رہے تھے۔ ”اے مہمان سمراٹ! ہم سے سیم وزر کے انبار لے لے مگر ہمارے دیوتا کو بخش دے۔“

سلطان محمود نے انتہائی نفرت سے اپنے قدم کھینچ لئے اور پتھر کے پجاریوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اے گمراہ باپوں کے گمراہ بیٹو! تم ”بت فروشی“ اور ”بت شکنی“ کے فرق کو نہیں سمجھو گے۔ مٹھی بھر

سونے چاندی کی بات کرتے ہو، اگر تم سارے ہندوستان کی دولت بھی میرے قدموں پر لا کر رکھ دو تو میں سومنات کو نہیں چھوڑوں گا۔“ یہ کہہ کر سلطان محمود مسلسل ضربیں لگاتا رہا۔ یہاں تک کہ سومنات چار ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر زمین بوس ہو گیا۔

سومنات کے بے نشان ہوتے ہی سلطان نے با آواز بلند کلمۂ شہادت پڑھا۔ دیگر معززینِ سلطنت نے بھی محمود کی تقلید میں اللہ کی وحدانیت اور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت پر گواہی دی۔

پھر والیٔ غزنی نے حیران آنکھوں سے یہ منظر دیکھا کہ دُور تک قیمتی زرو جواہر بکھرے ہوئے تھے اور یہ وہ دولت تھی جو عیار برہمنوں نے سومنات کے کھوکھلے مجسمے کے اندر صدیوں سے چھپا رکھی تھی۔ پھر جب دولت کے اس ذخیرے کا حساب کیا گیا تو یہ اس رقم سے سو گنا زیادہ تھی جو سومنات کی سلامتی کے بدلے میں برہمن پجاری، سلطان محمود کو دینا چاہتے تھے۔

✻✻✻✻✻

بت شکنی کی رسم ادا کرنے کے بعد سلطان تیز رفتاری کے ساتھ اپنے خیمے میں داخل ہوا۔ نگار خانم پر غشی کی وہی کیفیت طاری تھی۔ سلطان کے بار بار آواز دینے پر نگار خانم نے آنکھیں کھول دیں۔ محمود نے سرگوشی کے انداز میں نگار خانم کو سومنات کے بے نشان ہونے کی خوشخبری سنائی تو اس کے بے جان ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم اُبھر آیا اور بے اختیار منہ سے نکلا۔ ”اللہ اکبر!“

اس کے بعد نگار خانم نے احمد سالار کے بارے میں پوچھا۔

”اُس نے جامِ شہادت پی لیا۔“ محمود کے لہجے سے رقت جھلک رہی تھی۔

نگار خانم نے آنکھیں بند کر لیں اور آنسو کے دو قطرے اُس کے رُخساروں پر جم گئے۔ ”اللہ کا شکر ہے کہ میرا بھائی دنیا سے کامیاب وکامران گیا۔“

”سلطانِ ذیشان! اس خیمے میں آپ کے سوا کوئی دوسرا فرد تو موجود نہیں ہے؟“ نگار خانم نے والیٔ غزنی سے عجیب سا سوال کیا تھا۔

”یہاں میرے اور تمہارے سوا کوئی موجود نہیں۔“ والیٔ غزنی کے لہجے میں بڑی شکستگی تھی۔

”سلطانِ ذی قدر! اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیجئے۔“ نگار خانم کی نا آسودہ خواہش آخری وقت میں اس کے ہونٹوں پر مچل گئی۔

والیٔ غزنی نے بے قرار ہو کر نگار خانم کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے اور اس کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ ”نگار خانم! تم مجھ سے زندگی بھر گریزاں کیوں رہیں؟“ محمود کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔

”گریزاں کب تھی سلطانِ ذی حشم! میری تو ہر سانس میں آپ ہی شامل تھے۔“ شدید نقاہت کے سبب نگار خانم کی زبان لڑکھڑانے لگی۔ ”بہت کمزور عورت تھی، اس لئے آپ کی قربت سے ڈرتی تھی۔ ورنہ کسے معلوم کہ اس سینۂ سوزاں میں کیسی حسرتِ وصال تھی۔“

محمود نے مضطرب ہو کر نگار خانم کی پیشانی پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔ ”تم تو مجھ سے بھی بڑی بت شکن ثابت ہوئیں۔“

”نہیں بس میرے فاتح! بت شکن کا لقب تو آپ ہی کو زیب دیتا ہے۔“ یکایک نگار خانم کی سانس

رکنے لگی۔
محمود گھبرا گیا اور اس نے چیختے ہوئے درباری طبیب کو خیمے میں طلب کیا۔ مگر سلطانی طبیب کے آتے آتے نگار خانم کی حالت غیر ہو گئی۔
"سلطان! .... مجھے .... اسی دیارِ غیر .... میں دفن کر دینا۔" نگار خانم رک رک کر بول رہی تھی۔
"جب کبھی آپ اپنی اس عظیم الشان فتح کو یاد کریں گے تو آپ کو یہ کنیز بھی یاد آ جائے گی۔ اللہ! میرے فاتح کی حفاظت فرمانا۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تیرے رسولِ برحق ہیں۔"
یہ آخری الفاظ تھے جو نگار خانم کی زبان سے ادا ہوئے ...... اور پھر کتابِ زندگی کا آخری ورق اُلٹ دیا گیا۔

❀❀❀❀❀

جب سلطان کا فاتح لشکر، سومنات کے ٹکڑے لے کر غزنی پہنچا تو محمود کے استقبال کے لئے شہر کا ایک ایک باشندہ گھروں سے نکل آیا تھا۔ ہر طرف پُر جوش نعرے تھے اور سلطان کی بلند اقبالی کے لئے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی دعائیں تھیں۔ نظام شاہ ایک بار پھر والیٔ غزنی کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر کچھ دور تک چلتے رہے۔ پھر جب سلطان نیچے اُترا تو نظام شاہ نے بے اختیار اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔
"شیخ! بس یہی میرا سب سے بڑا اعزاز ہے۔" والیٔ غزنی ہزاروں انسانوں کی موجودگی میں نظام شاہ کے سامنے گھٹنوں کے بل جھک گیا۔
"تُو اس اعزاز سے بھی بلند تر ہے میرے بت شکن!" نظام شاہ زار و قطار رو رہے تھے۔
پھر ایک ہنگامہ خیز جشنِ فتح کے بعد نظام شاہ، سومنات کے دو ٹکڑے لے کر حج کے لئے روانہ ہو گئے۔
سومنات کا ایک ٹکڑا مکہ معظمہ کی عام گزرگاہ پر ڈال دیا گیا تا کہ عازمینِ حج اپنے قدموں سے اس بت کو روندتے رہیں جسے صدیوں پہلے خانۂ کعبہ سے چرا کر ہندوستان پہنچا دیا گیا تھا۔
حج کی سعادت سے شرف یاب ہو کر نظام شاہ روضۂ رسولؐ پر حاضری دینے کے لئے مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ سومنات کا دوسرا ٹکڑا دیارِ رسولؐ کی عام شاہراہ پر ڈال دیا گیا تھا۔
پھر جب سرورِ کونین ﷺ کے دربارِ اقدس پر نظام شاہ کی نظر پڑی تو بے اختیار عرض کرنے لگے۔
"آقا! غلام حاضر ہے۔"
یہ کہتے کہتے نظام شاہ، زمین پر گرے اور اس طرح دنیا سے چلے گئے جیسے ہوا کا کوئی تیز جھونکا گزر جاتا ہے۔ گنبدِ خضرا کے بعد ان کی آنکھوں نے پھر کوئی دوسرا منظر نہیں دیکھا ...... اور نظام شاہ کی آرزو تھی۔

تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائرِ روحِ مقید کا

(تمت بالخیر)